ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

مدیر مسئول و محرر خصوصی

احمد المکنی بابی الکلام الدہلوی

کلکتہ : یکشنبہ ٤ اگست ١٩١٢ ع

فہرست

قیمت فی پرچہ ساڑھے تین آنہ

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

مدیر مسئول و محرر خصوصی

احمد المکنی بابی الکلام الدھلوی

قیمت
سالانہ ٨ روپیہ
ششماہی ٤ روپیہ ١٢

...عت
...اسٹریٹ
...کتہ

جلد ١ — کلکتہ : یکشنبہ ٤ اگست ١٩١٢ ع — نمبر ٤

شذرات

[illegible] حضرات شاید (الہلال) [illegible] مختلف حالت [illegible] پریس کی بدنظمی [illegible] قائم ہونے کی وجہ سے بہت سی باتوں میں بدنظمیوں کا ہمیں خود اعتراف ہے جو رفتہ رفتہ دور ہوتی رہیں گی ' لیکن تصویروں کے بارے میں تو یقین دلاتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے ' ہم نے اول تو تصویروں کے بلاک بنانے کا انتظام جس کارخانے کے سپرد کیا ہے وہ تمام ہندوستان میں اول درجے کا کارخانہ ہے اور یہ کہنا ضروری نہیں کہ کلکتہ سے بہتر ان چیزوں کا انتظام اور کہیں نہیں ہوسکتا ' پھر اخبار کیلئے (پیرس) کی ڈبل کراؤن مشین الگ اور مخصوص لی ہے اور اس فن کے جاننے والے جانتے ہیں کہ چھپائی کے نازک کاموں کیلئے اس کارخانے اور اس سائز کی مشین مشہور ہے ' ہم نے اسپر بھی اکتفا نہیں کیا اور خاص ہاف ٹون کی چھپائی کی ٹریڈل مشین بھی خرید لی اور بعض تصویروں کو اخبار سے الگ چھاپنے کا انتظام کیا ' انشاء اللہ تعالے رنگین اور مختلف رنگوں کی چھپی ہوئی تصویریں عنقریب ہم اسی مشین پر چھاپکر شائع کرسکیں گے پھر روشنائی بھی جو ہم استعمال کرتے ہیں نہایت اعلے قسم کی ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا انتظام کرسکتے ہیں ؟

لیکن اسمیں شک نہیں کہ باوجود اسکے بعض تصویریں دیکھنے میں کسی قدر مدھم اور صاف و نمایاں نہیں ہوتیں لیکن اسکا سبب یہ ہے کہ جن تصویروں سے نقل لی گئی ہیں خود وہ عمدہ اور نمایاں نہ تھیں ' [illegible] میں شیخ [illegible] ' سید رضا وغیرہ کی [illegible] تصویریں نہایت عمدہ تھیں اسلئے انکا ہاف ٹون بھی نہایت عمدہ طیار ہوا ' لیکن (جنگ طرابلس) کی تصویروں کیلئے تو اسی کو غنیمت سمجھنا چاہئے [illegible] آجاتی ہیں ' اچھے اور برے کے سوال کی یہاں گنجایش نہیں ' پھر بھی ناظرین کو معلوم نہیں کہ ان تصویروں کو قابل اشاعت بنانے کیلئے اسقدر وقت صرف کرنا پڑتا ہے اور کس درجہ دیدہ ریزی سے انپر ایک نیا رنگ چڑھا کر نقل کی جاتی ہے ' انشاء اللہ ہم نے تصاویر کا جو نیا بندوبست کیا ہے اسکی تکمیل میں اب زیادہ دیر نہیں ہے ' اُس وقت ہم جنگ طرابلس اور نیز مختلف مضامین کے متعلق تصویریں نہایت عمدہ شائع کرسکیں گے اور رسالے کی دلچسپی بہت بڑھجائے گی -

اور سچ پوچھئے تو تصویروںکی اشاعت تو ہمارا ایک ضمنی کام ' اور زیادہ تر اسلئے ہے کہ :

بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشائی بھی

ورنہ فی الحقیقت ہماری اصلی دلچسپی اور شغف کیلئے تو صفات الہیہ کا وہ مرقع کافی ہے ' جسکی نسبت خود اُسکے بنانے والے نے کہا ہے کہ : (لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ) قران بھی اسی تصویر الہی کا عکس ہے (خلقہ القران) اور ان تصویروں سے جنکو محویت ہوگئی ہے وہ [illegible] تصویروں کو لیکر کیا کریں گے ؟

الهـــلال

—*—

(الهـــلال) کی بالفعل دوهزار کاپیان شائع کی جاتی هین
هرهفتی تعداد بڑهتی جاےگی ۔

اُسکی اشاعت زیاده تر تعلیم یافته اور اعلی طبقی مین
هی جو عام اخبارات کو بهت کم دیکهتی هین ۔

(اشتهارات) کیلئی ٹائٹل پیج کی دو صفحی مخصوص
کردے گئی هین

یورپ مین اشتهار کی ترتیب اور اشاعت ایك مستقل
فن هی ، اشتهار کیلئی پهلی چیز یه هی که وه با وجود
اشتهار هونی کی اپنی اندر کوئی ایسی کشش رکهی که اخبار
کی مضامین سی هٹ کر نظرین اسکی گرویده هو جائین ، انگریزی
اخبارات ورسائل مین اسکی لیئی طرح طرح کی تدبیرین
کی جاتی هین ، لیکن ٹائپ سی اکثر اس [illegible] جو پتهر کی
چهپائی مین ممکن نهین ۔

مثلاً اشتهار مین خوشنما هاف ٹون یا انگریو نیگ
تصویر دیدی ، یا خوشخط اور خوبصورت لکهواکر اسکی
فوٹو کا بلاك بنوالیا ، یا کوئی ایسا طغرا اور نقشه درج کردیا
جسکی وجهه سی اشتهار تمام اخبار مین ممتاز رهی ، اور
نظرین مجبور هو هوکر اُسپر پڑین ، لیکن یه تمام باتین
بغیر (ٹائپ) کی چهپائی کی محال هین

(الهـــلال) پهلا اُردو رساله هی جو ان چیزون کا
انتظام کرسکتا هی

البته هرقسم کی اشتهار کی شرح اجرت علحده هوگی
خط و کتابت سی دریافت کیاجاسکتا هی

(خیر القرون) تین قرنوں تک بھي نہیں پہنچا اور (خیرالقرون ثم یلونہم) ھي پر ختم ھوگیا ' ابتو خود (علي گڈہ) کا حال ھے کہ :

چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلماني ؟

سے پہلي بدعت اسلام کے (جیش ابو اسامہ) کے اولین اختلاف طرح تو (شملہ ڈیپوٹیشن) تھا ' جبکہ تمام نصوص قطعیہ کو پس پشت ڈالکر مسلمانوں کو پولیٹکل اعمال میں شرکت کي اجازت دیدي (گو رسماً و اسماً اور

آن هم بسعي غمزۂ مردم شکار دوست)

اسکے بعد (فتنۂ شہادت عثمان) کے مقابلے میں (مسلم لیگ) کا قیام قرار دے لیجئے کہ (تعلیم) کے مقدم مسئلے کو چھوڑ کر ایک (کانگریس) کے شجر ممنوعہ کي طرف ھاتھہ بڑھایا ' پھر تو فساد کا ایسا سلسلہ شروع ھوا گویا بني امیّہ کے دور کي بدعات شروع ھوگئیں ' سب سے بڑا کفر تو یہ ھوا کہ (طرابلس) کے لیے (لیگ) کي طرف سے بھي ایک تاربرقي بھیجدي گئي ' اور بعد اتالین اشیا کے بائی‌کاٹ کا فتوا بھي دیدیا گیا ' حالانکہ ۱۸۹۷ میں (فتح یونان) کے موقعہ پر بمبئي کے مسلمانوں کي ... پر (سر سید مرحوم) اس قدر برھم ھوے تھے کہ صدر اول میں (مسئلہ تقدیر) کي کد و کاوش پر بھي اتني برھمي ظاھر نہیں ھوئي ' بالاخر انکو سمجھانا پڑا تھا کہ " اس طرح کي باتیں خفیف ... میں داخل ھیں اور بغیر گورنمنٹ کي مرضي لئے ھوے ... کرنا فرض اطاعت شعاري کے خلاف "

ایسے سخت دور فساد میں ھمکو تو مسلمانوں کے ٹھیٹ پولیٹکل مذہب کے سچے ' اور محض کتاب و سنت پر چلنے والے عامل ' یہي بزرگ نظر آتے ھیں اور اپنے اخوان مذھب کي گمراھي پر متعجب ہیں کہ کل کہاں تھے اور آج کہاں گر گئے ؟ لطف کي بات یہ ھے کہ اب تو انکے ھم مشرب انکا تمسخر اڑاتے ھیں اور وہ خون کے گھونٹ پي کر چپ ھو رھتے ھیں -

انقلابات ھیں زمانے کے

مولانا نذیر احمد مرحوم اور ٹرسٹیان علي گڈہ کالج

مولوي بشیر الدین صاحب نے سرزمین کالج کے تمام طبائع و خصائل کو بھولکر اسکي کوشش کي کہ انکے والد (مولانا نذیر احمد) کا یادگار کالج میں قائم کي جاے ' یہ مانا کہ مرحوم اُن لوگوں میں تھے کہ جنکا علم و فضل اب پھر ھندوستان میں اپني صورت نہیں دکھلاے گا ' یہ بھي سچ سہي کہ انکا احسان کالج کي در و دیوار ھي پر نہیں ' بلکہ اسکي بنیاد تک میں موجود ھے ' مگر ان باتوں سے کیا ھوتا ھے ' کالج کے ھاتھہ میں تو ھرشے کے تولنے کیلئے روپئے کا ترازو ھے ' انکي یادگار قائم کرنے کا مسئلہ اگر جلب زر کا ذریعہ ھوتا تو مولوي بشیر الدین ابھي تجہیز و تکفین سے فارغ بھي نہ ھوے ھوتے کہ اخبارون میں ایک نئے یادگاري بورڈنگ ھاؤس کا اعلان ھوجاتا - اس دروازے کو ھاتھہ سے نہیں ' بلکہ کسي بوجھل جیب سے کھٹکھٹایئے تو جواب ملےگا -

قسطنطنیہ میں ھجوم مشکلات

اور تصادم احزاب

(۳)

اسکے بعد ھي دربار دھلی کے موقع پر (شہنشاہ انگلستان) پورٹ سعید سے گذرے اور یہ قرار پایا کہ تبریک و تہنیت کیلئے ایک ترکي وفد بھیجا جاے چونکہ (کامل پاشا) کي انگریزي محبوب القلوبي مسلم تھي اسلئے ولي‌عہد عثماني کے ساتھہ اسي کو بھیجنا طے پایا اور خریطۂ سلطاني لیکر مصر روانہ ھوگیا ' پورٹ سعید میں لارڈ کچنر اور خدیو کے ساتھہ ترکي وفد جہاز (مدینہ) میں پیش ھوا تو گو کامل پاشا رئیس وفد کي حیثیت سے نہیں گیا تھا مگر ھر موقع پر مخصوص طور پر اسکي پذیرائي کي ' گئي یہاں تک کہ خود بادشاہ تو کھڑے رھے اور (بادشاہ بیگم) کے ساتھہ کامل پاشا کو کرسي دیگئي اور اسکي تصویر اخباروں میں شائع ھوي -

اسي سفر میں کامل پاشا نے اتحاد و ترقي کے خلاف اپني مشہور چٹھي (المؤید) میں شائع کي جو انگلستان میں اتني مقبول ھوئي تھي کہ تمام سربرآوردہ اخبارات نے اسکے ترجمے تعریفي حواشي کے ساتھہ شائع کئے -

بہر حال کم از کم یہ نئي پارٹي پارلیمنٹ کو برھم کردینے پر کامیاب ھوگئي اور مختلف کارروائیوں کے ذریعہ یورپ پر ظاھر کیا گیا کہ اتحاد و ترقي سے اب تمام ملک اُکتا گیا ھے -

لیکن اتحاد و ترقي کي جڑیں اتني کھوکھلي نہ تھیں جو اس تیشے سے گرجاتیں ' جوں ھي دوسرا انتخاب شروع ھوا تمام عالم نے دیکھہ لیا کہ پھر اتحاد و ترقي سے عثماني پارلیمنٹ کي اکثریت [illegible] ھوئي ھے -

یہ اتحاد و ترقي کي سب سے بڑي فتح تھي ' اگرچہ اُسي زمانے میں عربي اور ترکي زبان کا سوال نہایت اشتعال انگیز صورت میں اٹھایا گیا تھا اور تقریباً تمام اتحاد و ترقي کے ترک ممبروں کي طرف سے اھل عرب افسردہ خاطر تھے ' مگر انتخاب کے موقعہ پر تمام شام و دمشق میں بھي بغیر کسي کوشش کے اتحاد و ترقي کے ممبر ھي منتخب کیے گئے اور دمشق میں تو (حزب الائتلاف) کا ایک کاغذي جنازہ بھي نکالا گیا اور اس سوانگ میں وھاں کے تمام بڑے بڑے اشخاص شریک ھوے -

اس شکست کے بعد انگلستان پھر کچھہ دنوں کیلئے قسطنطنیہ میں خانہ نشین ھوگیا -

اتحاد و ترقي کي دوسري فتح

جبکہ قسطنطنیہ کے اندر یہ نزاع احزاب جاري تھا ' عین اسي وقت اٹلي کے جنگي جہازوں نے ساحل طرابلس پر گولہ باري شروع کردي اور تمام ساحل پر اپني ناقابل مقابلہ بحري قوت کا پہرہ بٹھاکر عثماني فوج کا راستہ بند کردیا -

مسلما...

... من ...

... متحو هوجائیں که دوسري

... هي نه ملے : فلا وربك لا يومنون

... بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجاً مما قضيت

... يماً (۴ : ۶۹) لا يومن احدكم حتى احب الي من والده

ووالده والناس اجمعين (الحديث)

خوش دلکش ست قصهٔ خوبان روزگار

تو یوسفي و قصهٔ تو احسن القصص

تصویروں کي اشاعت کا وعده کرلینے کي وجه سے علاوه اُن کثیر اخراجات کے (جنکا ناظرین کسي طرح اندازه نهیں کرسکتے جب تک اس کام کا تجربه نه کرچکے هوں) اورجو طرح طرح کي دقتیں (الهلال) سے هر هفتے دست و گریباں هوتي رهتي هیں' انکو هم کہاں تک بیان کریں' پچھلا نمبر جبکه نہایت تیزي سے چھپ رها تها' یکایک (ایمپوز) کرتے هوے معلوم هوا که (ساحل بیروت پرگولے باري) کي تصویر جسکا نام تائٹل پیج پر چھپ چکا هے' ٹائپ کي سطح سے بلند هوجانے کي وجه سے کسي طرح نہیں آسکتي' اور اسکو تهوڑے وقت کے اندر درست بهي نہیں کیا جاسکتا' بالاخر مجبور هوکر نکالدیني پڑي اور فہرست تصاویر کے خلاف (ایراني مجاهدین) کي تصویر اسکي جگه رکهدي گئي' پهر بهي کام اسلئے جاري رها که هر وقت کافي ذخیره طیار تصاویر کا موجود رهتا هے ورنه اس دقت کا توکوي علاج هي نه تها -

شیخ عبد الله صاحب ایڈیٹر خاتون نے ایک چهپا هوا مضمون بغرض اشاعت بهیجا هے' جسمیں (انجمن تبلیغ الاسلام) کي طرفسے اشاعت اسلام کیلئے قوم سے اپیل کي گئي هے - هم اُسے درج کردیتے' لیکن مضمون اتنا بڑا هے که کم ازکم (الهلال) کے چار کالم اُس سے رک جائیں گے' اور پهر همارے خیال میں اُسکي اشاعت سے کوئي مفید نتیجه حاصل بهي نہیں -

اشاعت اسلام همارے عقیدے میں ایک ایسي تحریک هے جسکا اگر کوئي صحیح اور موصل الى المقصود انتظام هوسکے تو آجکل کي تمام تحریکیں اور بڑے سے بڑے کام اُسکے آگے هیچ هیں اور مسلمانوں کو تمام کام چهوڑ کر صرف اسي کے پیچهے اپنا وقت اور روپیه لگادینا چاهئے مگر مشکل یه هے که یه مسئله جن سخت مشکلات اور پیچ در پیچ دقتوں میں ملفوف هے اسکي لوگونکو خبر نہیں' اور وه سمجهتے هیں که دس پندره روپیه کي قیمت کے چند مولوي اور مولود خواں نوکر رکهکر هم هندوستان اور جاپان کو فتح کر لینگے' لیکن :

ایں خیال ست و محالست و جنوں

هماري معلومات میں ابتک اگر کسي شخص نے اس کام کو اسکي اصلي صورت میں دیکها هے تو وه صرف (مولانا شبلي) هیں - هم میں اور اُن میں برسوں سے اس موضوع پر گفتگو هورهي هے اور آجکل بهي جب کبهي انکي صحبت میسر آجاتي هے تو گهنٹوں اسي مسئله کي مشکل... ن' جن مشکلات کو اپنے سامنے

... ن کو انکي خبر نہیں اور خبر هو تو کیونکر؟ نه تو کبهي انہوں نے مذهب کو اتني اهمیت دي هے که اسکي اشاعت کو کوئي مفید کام سمجهیں اور نه کبهي اُن لوگوں کي حالت سے واقف هوے هیں' جنکو نوکر رکهکر ساري دنیا کو اپنے میں شامل کرنا چاهتے هیں' اس دور الحاد و تفرنج میں تو هم اسي کو غنیمت سمجهتے هیں که کسي پولیٹکل یا شمار و اعداد کے رقیبانه تناسب کے خیال هي سے سہي' مگر کم ازکم نئے لوگوں کو اشاعت اسلام سے اب اتني نفرت نہیں هے که اسکے ذکر پر ناک بهوں چڑهائیں -

شیخ عبد الله صاحب تو معذور هیں' اس عالم کے وه آدمي نہیں' پهر بهي وه جو کچهه کرچکے یا کرنا چاهتے هیں اسکو غنیمت سمجهنا چاهئے مگر ملک کا تو یه حال هے که جہاں قومي اشغال کي مختلف تجارتیں پیشتر سے موجود تهیں وهاں بعض لوگوں کیلئے ... بهي ایک نیا پیشه پیدا هوگیا اور عام لوگوں کي دلچ... بهنسبت اور پیشوں کے بہت زیاده نفع بخش اور نف... (دهلي) میں ایک مولوي صاحب نے عین موقعه ... کو تنولا' اور جهٹ پٹ ایک انجمن (هدایت الاسلام ... پچیس مولود خواں اور حال بازوں کو سبز دهجیاں ... اب ایک اچهي خاصي دکان انکے هاتهه میں هے' ... جنس کي مانگ سننے میں آتي هے' فوراً ایجنٹوں کا ... بهیجدیا جاتا هے' اور پهر وعظ' مولود' نعت خواني' حال ... جس بازار میں جس متاع کي گرم بازاري هوتي هے وهي پیش کردي جاتي هے - (تجارت) کو خدا تعالى نے اپنے فضل ... (وابتغوا من فضل الله) مگر قوم کي قوم اس سے نا آشنا ... که علماے کرام اسکي جانب متوجه تو هوے' قوم کیلئے ... نیک اور مثال زریں ... (طالب آملي) کو آجکل کي ... معلوم هوگئي تهي :

خانهٔ شرع خرابست' که ارباب صلاح

در عمارت گري گنبد دستار خودند

(انجمن هدایت الاسلام) اور (دهلي) کے ذکر پر ایک اور واقعه همیں یاد آگیا (الشي بالشي یذکر) اور گو یه (الهلال) کي اشاعت سے پیشتر کا واقعه هے مگر یه کیا ضرور هے که هم ماضي کي دلچسپیوں سے مزے نه لیں ؟

پچهلي سرکاري فہرست خطابات میں (مولوي عبدالحق) صاحب حقاني کو بهي (شمس العلما) کا خطاب ملگیا :

بارے هوئي قبول بڑي التجا کے بعد

هم نے تو (دربار دهلي) کے موقعه پر جس وقت مولویوں کے (اصحاب الفیل) کا سوانگ دیکها تها (الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل) اُسي وقت سمجهه گئے تهے که جو چوٹیں بے تکان هاتهیوں پر سے گر گر کر کهائي جارهي هیں' انکے لئے ضرور کوئي مرهم بهي ملنے والا هے' البته علماے کرام کے ساتهه هم کو بهي اسکا افسوس رهگیا که جب شوق نظارهٔ جمال میں اپنے قیمتي ...

[ا]ن جسکي بنا پر سیاسي اشتغال کو قانوني جرم قرار دیا جا سکتا [او]ر پراسکي وجه سے کوئي قانوني دباؤ قائم رهتا - (محمود شوکت) [ن]ے بیسیوں طریقے سے بار بار سمجھایا' متعدد اعلانات شائع کئے' چند [افسرو]ں کو سزائیں بھي دیں' لیکن هر سپاهي جانتا تھا که یه وزیر [جن]گ کی ایک ذاتي سیاست ہے ورنه قانوناً کوئي سختي اور تشدد [ھ]مارے ساتھه نہیں کیا جا سکتا - بالاخر مجبور هوکر گذشته جون میں (محمود شوکت پاشا) نے ایک نئے قانون کو پارلیمنٹ سے منظور کرانا چاھا اور قدیم قانون عسکري کي ترمیم کو مندرجه ذیل خط کے ساتھه سعید پاشا وزیر اعظم کے پاس بھیجا تا که پارلیمنٹ میں پیش کیا جاے :—

"فوجی افسروں کا سیاسی مسائل میں اشتغال' انکے اصلي فرائض کی ادائگي کیلئے مانع قوي ہے اور انکے اندر ایک ایسي سرکشي پیدا کردیتا ہے جسکے بعد فوجي نظام و اطاعت شعاري باقي نہیں [ر]ہتي اور یہي دو چیزیں سپاهیانه فرائض کي اساس هیں - اگر یہي [حا]لت رهي تو یقیناً نتائج و خیمه سے عثماني فوج کا مستقبل دو چار [ھو]گا' مناستر کي نسبت میں نے نہایت تاسف کے ساتھه تحقیق کیا ہے که همارے فوجي افسر بعض سیاسي پارٹیوں

مبعوثان اور مجلس اعیان کے سامنے بحث و مذاکره کیلئے اسے پیش کردیا جاے اور جہاں تک جلد ممکن هو اسکي منظوري کا فیصله کرکے سلطان المعظم کیخدمت میں آخري تصدیق کیلئے بھي بھیجدیا جاے' تاکه بغیر وقت ضائع کئے اس اهم مسئله کي طرف متوجه هوسکیں"

وہ دو دفعات یه تھیں :

(۱) عثماني فوج کا جو افسر یا سپاهي سیاسي اجتماعات یا کسي سیاسي مظاهرے میں شریک هوگا اسکو دو ماہ سے چار ماہ تک کے قید کي سزا دي جاے گي' اور اسکو اس کي پلٹن سے کسي دوسري پلٹن میں بھیجدیا جاے گا - نیز اس تبدیلي کیلئے خرچ سفر بھي نہیں ملے گا -

اگر یه جرم پھر دوبارہ سرزد هوا تو اسکا نام فوراً فوجي ملازمت سے کاٹ دیا جاےگا اور دو سے چھه ماہ تک کے قید کي سزا دي جائیگي - اور اگر کوئي چھوٹے درجے کا افسر یا عام سپاهي هوا تو اسکو پورے چھه ماہ کے قید کي مع تجدید قید کے سزا دي جاے گي -

(۲) اگر کوئي فوجي افسر کسي پولیٹکل جماعت میں شریک ثابت هوا تو اسکو فوجي ملازمت سے خارج کرنے نیز دو سے چھه ماہ تک کے قید کي سزا دي جاے گي -

محمود شوکت پاشا میدان قواعد میں فوج کے (سیاسي اشتغال) کے مسئلے پر اسپیچ دے رہے ہیں

[می]ں شریک' اور سیاسي معاملات و افکار سے دلچسپی لیتے هیں - [می]ں عرصے سے اس بارے میں فوج کو متواتر نصیحت کر رها هوں' میں [ن]ے بار بار اسکے متعلق اعلانات شائع کئے اور عبرت و تنبیه کیلئے سزائیں [بھ]ي دیں' لیکن چونکه فوجي تعزیرات کے قانون میں اسکے لئے کوئي [دف]عه نہیں ہے' اسلئے میرے تمام احکام ضعیف الاثر اور بے نتیجه [ثاب]ت هوے اور سپاهیوں کي جسارت بڑھتي گئي' ایسا هونا ضروري [تھا] کیونکه کوئي قانوني تائید میرے ساتھه نه تھي -

بیشک' جدید (قانون تعزیرات عسکري) کي ترتیب میں پارلیمانت مشغول ہے مگر دیکھتا هوں تو اسکي باقاعده بحث و تدقیق اور تدریجي خواندگي' اور پھر پاس هونے کیلئے بحالت موجوده کئي سال درکار هیں' لیکن حالت کي نزاکت اتنے عرصے کے انتظار کي متحمل نہیں هوسکتي' پس میں مجبور هوا هوں که قدیم قانون تعزیرات عسکري پر دو نئي دفعات کي ترمیم کا مسوده پیش کروں' ان دفعات [کو] اس خط کے ساتھه آپکي خدمت میں بھیجتا هوں تاکه مجلس

پارلیمنٹ میں جب سعید پاشا نے اس خط کو پیش کیا تو پورے دو دن تک مناقشه جاري رها' لیکن بالاخر اکثریت کے غلبے سے ترمیم پاس هوگئي اور مطابق قانون اساسي کے سلطان المعظم کے پاس آخري دستخط کیلئے بھیجدي گئي -

اسي اثنا میں (محمود شوکت پاشا) نے ایک بہت بڑي فوجي قواعد کا حکم دیکر اس مسئله پر ایک آخري ناصحانه لیکچر دیا اور تمام فوجي افسروں کو سمجھایا' که ملک کي حالت نازک هورهي ہے' محض تائید الہي ہے جس نے طرابلس کي کشتي کو ڈوبنے سے بچالیا' ایسي حالت میں قبل اسکے که فوجي سزا کي ترمیم کا عملدرآمد شروع هو' خود فوجي افسروں کو سیاسي اشتغال سے دست بردار هوجانا چاهئے -

اس اسپیچ کا عام طور پر بہت اچھا اثر پڑا' اتحاد و ترقي کے حلقوں میں تعریف کي گئي مگر (طنین) نے لکھا که کوئي فوجي افسر اسکے برخلاف نہیں ہے بشرطیکه حزب الائتلاف اپني خفیه تدابیر اور اجانب کے هاتھوں میں کھلونا بننے سے باز آجاے -

یہ کہنا ضرور نہیں کہ اس وقت ترکی کے خیر خواہ کس مایوسی کے ساتھہ افریقہ کے عہد اسلامی کے اس آخری نقش قدم کو دیکھہ رہے تھے کہ اسی اثنـــا میں (انوربک) اور چند دیگر نوجوان ترکوں کے طرابلس جانے کی خبریں مشتہر ہوئیں دشمنوں اور دوستوں دونوں نے ہنسکر حقارت کی کہ چند نوجوان ترک جو عربی زبان میں چار لفظ بول بھی نہیں سکتے طرابلس جاکر کیا کرینگے' مگر چند ہفتوں کے اندر ہی قدرت الہی کی نیرنگیوں نے دنیا کو متحیر کردیا اور تمام حالات جنگ یکایک متغیر ہو گئے -

یہ جو کچھہ ہوا فی الحقیقت اتحاد و ترقی کے نوجوان ممبروں ہی کی سعی سے ہوا' جسقدر عثمانی مجاہد اس وقت طرابلس اور برقہ کے مختلف حصونمیں چالیس کرور مسلمانوں کی عزت سنبھالے ہوے ہیں' وہ سب کے سب تقریباً اتحادی ہیں -

ملک کیلئے یہہ عدیم النظیر جان فروشی بے اثر نہ تھی - یہ واقعہ بھی حزب الائتلاف کی ناکامی کی ایک بہت بڑی علت ثابت ہوا اور انجمن کی تمام شکایتوں کو لوگ بھول گئے -

عارضی سکون اور خاموشی

اسکے بعد سیاسی جماعتوں کے جنگ و جدال میں ایک عارضی سکون و سکوت پیدا ہوگیا' گویا یہ ایک مہلت جنگ تھی :

یعنے آگے بڑھیں گے دم لیکر

جنگ طرابلس نے سب کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا' اور یہہ قاعدہ ہے کہ دروازے پر ڈاکوؤنکا گروہ پہنچ جاے توگھر کے اندر کی سخت سے سخت لڑائیاں بھی موقوف ہوجاتی ہیں - فی الحقیقت جنگ طرابلس کے صدہا نتائج مفیدہ میں سے یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے کہ عین پارٹیوں کے نزاع مخدوش ترین موقعہ پر جبکہ نہیں معلوم حالات کس درجہ ملک کی سلامتی کو خطرے میں ڈالدیتے' اس جنگ نے ظاہر ہوکر ایک عام اندرونی صلح قائم کردی اور ملک ایک سب سے بڑے مہلک خطرے سے محفوظ ہوگیا -

جنگ بعد از صلح

لیکن گذشتہ دو ہفتوں کے اندر یکایک انقلابی خبروںسے دنیا دو چار ہوئی' پہلے (محمود شوکت پاشا) مستعفی ہوے' اور پھر وزارت کی تبدیلی سے اتحاد و ترقی اپنے تئیں ایک سخت شکست کی حالت میں پانے لگی' شاید اسکے اصلی اسباب کے متعلق عرصے تک انتظار کرنا پڑتا لیکن (کامل پاشا) کا بستر پیری سے اٹھکر پھر باب عالی میں آنا' اُسکے وزیر اعظم ہونے کی افواہ' اور پھر فوجی مجلس کا سلطان سے اُسکی وزارت کا مطالبہ' ان حالات نے خود بخود اندرونی اسباب و علل کو بے نقاب کردیا اور اب اس انقلاب پر بحث کرنے والا مشکلات سے آزاد ہے -

درحقیقت اب اس انقلاب کے جغرافیہ میں قسطنطنیہ کے ساتھہ افریقہ کو بھی ملا دینا چاہئے اور جنگ طرابلس کے آخری بین الدول حالات کو سامنے رکھکر اسکا مطالعہ کرنا چاہئے -

اٹلی نے مسئلہ صلح کے متعلق جو ریشہ‌دوانیاں مضطربانہ شروع کردی ہیں اُن میں یقیناً سب سے زیادہ انگلستان کا ہاتھہ ہے کیونکہ جنگ طرابلس سے (مسئلہ مصر) کو جو تعلق ہے وہ اٹلی مشکلات کی صورت میں انگلستان کیلئے بہت زیادہ نقصان رساں اور پیچیدگیاں پیدا کرنے والا ہے - یہ ظاہر ہے کہ (محمود شوکت پاشا) کا دفتر جنگ کسی حالت میں بھی صلح کیلئے راضی ہوکر تمام ملت بلکہ تمام عالم اسلامی کا غیظ و غضب خرید نہیں سکتا تھا' انگلستان نے جو شرائط صلح کیلئے پیش کی تھیں اور جنکو (الہلال) کے دوسرے نمبر میں (جون ترک) کی زبانی ہم سن چکے ہیں اسکے تو یہ معنی تھے کہ مصر اور مراکو کی طرح طرابلس بھی عثمانی حکومت کا براے نام زیر اثر قرار دیکر اٹلی کو دیدیا جاے' بر سر حکومت وزارت اور پارلیمنٹ نے اس ذلیل کن صلح کی منظوری سے صاف انکار کردیا تھا اور یہ اُسی صورت میں ممکن تھا جب ترکی شکست کی حالت میں جان بچانے کیلئے مجبور ہوتی حالانکہ حالت بالکل برعکس ہے' پس انگلستان نے پچھلی (حزب الائتلاف) کی طرح اب ایک مرتبہ اور (کامل پاشا) کے بستر پیری سے فائدہ اٹھانا چاہا اور نئی وزارت قائم کرکے اٹلی کو اسکی خود لائی ہوئی ہلاکت و بربادی سے بچانے کی سعی کی (استکباراً فی الارض و مکر السئی) لیکن (ولا یحیق مکر السئی الا باھلہ) گو نئی وزارت قائم ہوگئی مگر ناممکن کو ممکن دکھلانا آسان نہیں ہے' کل خود ریوٹر نے یہ خبر شائع کی ہے کہ " نئی وزارت نے بھی جنگ کو بدستور جاری رکھنے کا فیصلہ کردیا "

نہ صرف ہمارا بلکہ مصر کے اخبارات کا بھی یہی خیال ہے کہ (محمود شوکت پاشا) کے مستعفی ہونے کی اصلی علت (مسئلہ صلح) کی ریشہ دوانیاں ہیں گو مصالح ملکی کی وجہ سے خود انکو دوسری تاویل کرنی پڑی -

قانون عسکری کی ترمیم اور محمود شوکت پاشا

(حزب الائتلاف و الحریۃ) نے اپنے اس دوسرے ظہور میں جس طرح (کامل پاشا) کو وزارت تک پہنچایا ہے' اور جن اعمال مخفی میں وہ پچھلے دنوں مشغول رہی ہے' اسکو ہم آگے چلکر بہ تفصیل بیان کریں گے' اُس وقت ناظرین کو معلوم ہوگا کہ نہ صرف مسئلۂ صلح اور انقلاب وزارت' بلکہ البانیا کی شورش' مالیسوریوں کے مطالبات اور مناستر کی فوجی بغاوت بھی اسی پارٹی کے اسرار و خفایا ہیں اور اجانب کا قوی ہاتھہ انکو آگے رکھکر اپنا کام کر رہا ہے' لیکن یہاں ترتیب بیان کو قائم رکھنے کیلئے (محمود شوکت پاشا) کی علحدگی کے گرد و پیش کے حالات پر ایک نظر ڈال لینی چاہئے

(صادق بے) کی پارٹی کے بعد سے (محمود شوکت) برابر اس سعی میں رہے کہ فوجی عنصر کو سیاسی اشتغال سے باز رکھا جاے اور اسطرح جو ایک فوجی حکومت کا رعب چھایا ہوا ہے اور جسکی وجہ سے ہر وقت نظام حکومت درہم و برہم ہوسکتا ہے اسکا استیصال کلی ہو -

لیکن اس راہ میں سخت مشکلات اور دقتیں یکے بعد دیگرے پیش آتی رہیں' سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ قانون اساسی میں فوجی عقوبات کی جو دفعات تھیں اُن میں کوئی دفعہ ایسی

ولایت کی ڈاک

— * —

محمود شوکت پاشا

—*—

محمود شوکت پاشا نے چونکہ وزارت جنگ سے استعفا دے دیا ہے لہذا ڈاکٹر اي - جے ڈبلن نے - جسوقت وہ قسطنطنیہ میں مقیم تھے - خاص طور پر اُنسے ملاقات کی اور ڈیلی تیلی گراف) کیلئے یہ مضمون لکھا :—

ہر شخص سمجھہ سکتا ہے کہ خواہ ترکی کا وزیر جنگ ہو خواہ کا ' اس جنگ کے متعلق کس قسم کے خیالات ظاہر کریگا ' محارب طاقت کا وزیر جنگ آشتی پرست جماعت کے جذبات کو وہ تحسین و آفریں کے لائق ہوں ' کبھی ہم آہنگ نہیں سکتا - اُسکے لئے ضرور ہے کہ اپنا چہرہ شاد و مسرور بنائے رہے اور غیر ممکن الحصول توقعات کو بھی اسطرح رونق دیکر دکھلاے کہ ات کے درجے تک پہنچ جائیں - جب یہ معلوم ہے تو پھر سوال

ساحل بیروت پر گولا باری

پیدا ہوتا ہے کہ اُسکو پھر اظہار خیال کی زحمت ہی کیوں دی جائے ؟ لیکن اسکے جواب میں بہت سی معقول وجوہ ہیں -

سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ لوگ اس امر کے جاننے کے لئے بے چین ہوتے ہیں کہ ایسے وقتوں میں اُسکے چہرے کا رنگ' اسکی گفتار کا ڈھنگ اور اُسکی وضع وقطع کیسی نظر آتی ہے؛ جب غیر متوقع سوالات پوچھے جاتے ہیں اُسوقت انداز جواب کیا ہوتا ہے' آیا اپنے پر بولتا ہے' یا آرا و امیال کی تبدیلیوں کو دھراتا ہے اور یا پھر اپنے کے کلمات و جذبات کی ترجمانی کرتا ہے - یہی وجوہ تھیں جو (محمود شوکت پاشا) تک لے گئیں اور جب میں واپس آیا مجھکو یقین کامل ہوگیا کہ میرا ملنا رائگاں نہ گیا -

حسب معمول یہ (جنرل) اپنے کشادہ سرخ و سفید و زریں رنگ ے میں بیٹھا بڑی تیزی سے اپنے کاغذات پر دستخط کر رہا تھا - میرے سلام کا جواب دیکر اُسنے کہا " قدرے توقف ' میں ابھی آپکی خدمت گذاری کے لئے تیار ہوجاتا ہوں" - کئی لمحے گذر گئے' اس اثنا میں میں اُسکے کام کے طریقے کو بغور دیکھتا رہا - فی الواقع نہایت دلچسپ طریقہ نظر آیا - میں نے اور وزراے جنگ کو بھی دیکھا ہے کہ وہ لڑائی کے دنوں میں بے انتہا مصروف رہتے ہیں - پس یہ قدرتی امر تھا کہ میں اُنکے ساتھہ اِسکا مقابلہ کرتا - (محمود شوکت پاشا) کے دفتر میں ایک ہی ملکی افسر حاضر تھا جو چھوٹے چھوٹے مربع شکل کے کاغذات پیش کئے جاتا اور ایک لکڑی کے چمچے سے بالو اٹھا اٹھا کر دستخطوں کی روشنائی پر چھڑکتا جاتا - اکثر مشرقی لوگوں کیطرح وزیر جنگ بھی لکھنے کے وقت میز کو یکقلم آزاد کردیتا ہے اور اپنی بائیں ہتھیلی پر کاغذات رکھکر بے تحاشا قلم گھسیٹے جاتا ہے - اُسکی دائیں جانب میز پر (تیلیفون) کا ایک (ترمپٹ) لٹکتا تھا -

[دولت عثمانیہ کے منجملہ گنتی کے چند تیلیفونوں کے یہ بھی ایک ہے - تا حال قسطنطنیہ میں سرکاری تیلیفونوں کے سلسلے کا کام کالعدم ہے' لیکن استنبول میں بعض سرکاری دفاتر نے بطور خود اِس ایجاد کا استعمال شروع کردیا ہے امید ہے کہ دو تین سال کے اندر ساری آبادی اس جدید آلے کو اپنے کاروبار کے لئے مہیا کرلیگی] -

دلچسپیوں کا مرکز

جب آخری کاغذ پر محمود شوکت پاشا کا سرطان شکل دستخط ہوچکا تو میں نے سلسلہ سخن یوں شروع کیا :

" آپ اسوقت تمام دلچسپیوں کے مرکز ہیں جنکی طرف تمام عالم کی نظریں لگی ہوئی ہیں" - اُسنے متبسم ہوکر پوچھا " یہ کیوں " ؟

میں — " اسلئے کہ ترکی کے دفاع نے انظار عالم کو اپنی طرف کھینچ رکھا ہے اور اسوقت آپ ہی اس دفاع کے روح رواں ہیں - پہلے انور بک کا وجود جالب انظار تھا ' لیکن چونکہ اب تمام جد و جہد جزائر کی سمت منتقل ہوگئی ہے اور عنقریب اسکا قدم (ازمیر) کا رخ کیا چاہتا ہے' اسلئے وطنی دفاع کا زندہ خلاصہ آپ ہی کا وجود ہے - دنیا اس امر کے جاننے کے لئے مشتاق ہے کہ جب (رودس) اور دیگر جزائر آپ کے قبضے سے نکل چکے تو اب فریقین جنگ کی نسبتی کیفیت کیا ہے ؟ "

لیکن حزب الائتلاف قسطنطنیه کے برٹش سفارتخانے میں اپنا کام پوري هوشیاري اور مستعدي سے انجام دے رهي تهي' ابهي (محمود شوکت) کي ترمیم پر سلطان المعظم کے دستخط بهي نهیں هوے تهے که دو واقعات ایک ساتهه ظاهر هوے' اول تو مسئله صلح کي اندروني ریشه دوانیاں ' دوسرا مناستر میں باره رجمنٹوں کي بغاوت کي خبر کا اعلان' یه حالت دیکهکر (محمود شوکت) کو کناره کشي کے سوا اور کوئي چارۂ کار نظر نهیں آیا اور انهوں نے معاً اپنا استعفا وزیر اعظم کے پاس بهیجدیا' اسکے ساتهه جو چٹهي انهوں نے لکهي تهي اسکا ترجمه (العلم) میں چهپ گیا هے' وه لکهتے هیں :

" پچهلے آخري دنوں میں جب اسکي ضرورت محسوس هوئي که فوجي افسروں کو اشتغال سیاسي سے باز رکهنے کیلئے ایک قانون وضع کیا جاے تو اس عاجز نے دو دفعات پیش کیں تاکه بصورت ضمیمۂ قانون تعزیرات عسکري کے قرار دیا جاے' مجلس مبعوثان نے اسے منظور کیا اور مجلس اعیان نے بهي آج اسکو پاس کردیا ' پس اب وه ایک باقاعده قانون هوگیا هے ' اسکا حکم اب قطعي هوگا اور عنقریب تمام فوج پر نافذ هوجاے گا -

تین سال هوگئے که میں منصب وزارت پر مامور هوں ' اور اتنے هي عرصے سے یه مسئله بهي پیش نظر هے ' پس میں مصلحت اب اس میں دیکهتا هوں که اس نئے قانون کے احکام کا نفاذ میري جگهه کسي نئے وزیر جنگ کے هاتهوں عمل میں آے -

نیز گذشته ایام میں کثرت اشغال کے سبب سے مجهے بهت محنت کرني پڑتي هے اور اسکا اثر بهي محسوس کر رها هوں پس عهدۂ وزارت جنگ سے اب میرا استعفا منظور کیا جاے -

میں آپ کي خدمت سامي میں اپنا دلي شکریه اس توجه و لطف کیلئے بهي پیش کرتا هوں جو گذشته نو ماه کي معیت میں آپکي جانب سے مجهپر مبذول رهي هے ' اور آپنے همیشه اُن وسائل کو فراهم کرنے پر توجه فرمائي هے جس سے مجهکو اپني ماموریت میں سهولت اور آسانیاں ملتي رهیں "

(محمود شوکت - ۹ جولائي)

کامرید کی ممالک اسلامیه میں مقبولیت

همارے محب عزیز و جلیل مسٹر محمد علي کا (کامرید) روز بروز ممالک اسلامیه میں جسقدر مقبول هو رها هے' ایک خاص مصلحت سے هم چاهتے هیں که اسکا ذکر کریں -

(کامرید) ابتدا سے بهت کم عربي اخبارات کو مبادلے کے لئے بهیجا گیا' لیکن تاهم اسکے دلچسپ اور پر زور مضامین نے اپني جگه وهاں بهي ڈهونڈهکر بهت جلد پیدا کرلي ' هم کئي مهینوں سے برابر دیکهه رهے هیں که المؤید' العلم' اور اللوا میں اسکے مضامین کا ترجمه کیا جاتا هے اور ابکي ڈاک میں بهي انکے دو لیڈر (مسلمانان چین و روس) بتغیر زبان موجود هیں' قسطنطنیه کے مشهور با وقعت جرنل (ثروت فنون) نے انکے کارٹون نقل کئے اور اب انکا فوٹو بهي چهاپا هے' اور یه تو شاید کامرید کے ناظرین کو معلوم هے که ترکي کا دفتر جنگ باقاعده طور پر انکے حلقے میں شریک' یعنے کامرید کا خرید[ار ...]

هم اِن باتوں کو في نفسه چنداں اهمیت نهیں دیتے' ا[...] هوا هے تو ایک اچهے اخبار کیلئے اِس سے زیاده هونا چاهئے' المؤید و[...] نے اگر ترجمے شائع کردیے تو یه کونسي عزت بخشي هے' کامرید تو ایسي ترقي کرني چاهئے که ٹائمس اور پالمال گزٹ اسکے اقتباس چهاپیں-

لیکن هم اِن حالات کو دوسري نظر سے دیکهتے هیں اور خو[ش] هوتے هیں' مسلمانوں کي دنیا میں بین الملي زبان عربي تهي مختلف اطراف عالم کے مسلمانوں میں باهم ذریعۂ اتحاد هونے لحاظ سے ایک قدرتي اسپرنٹو کا کام دیتي تهي - مگر هندوستان مسلمان اب عربي میں چار لفظ بول تو سکتے نهیں' عربي میں ا[...] و رسائل کیا نکالیں گے' ایسي حالت میں غنیمت هے که انگریز زبان کي عالمگیري کے سبب سے کم از کم اتنا تو هوا که اهل [مصر] و قسطنطنیه هندوستان کے مسلمانوں کے خیالات سے کامرید کي بدولت [براہ] راست واقف هوسکے اور ایک ذریعۂ اتحاد و مبادلۂ خیالات پیدا هوگیا

البته مسلمانوں کو اپني بدبختي پر رونا چاهئے که آج اپنے اخ[وان] مصر و عثماني سے ملنے کیلئے انهیں اپني تمام زبانیں چهوڑ کر انگریز[ي] زبان کا سهارا ڈهونڈهنا پڑا هے اور حالت اسدرجه گئي گذري هے افسوس کي جگه اسي کو غنیمت سمجهکر هم اسپر خوش هو رهے هیں

حقا که با عقوبت دوزخ برابر ست
رفتن به پاے مردي همسایه در بهشت

باز از نجد و از یاران نجد

اب تو یه حال هوگیا هے که خواه کوئي بحث هو' مسلمانوں کي پولٹیکل خودکشي کا مسئله همارے سامنے آجاتا هے - (کامرید) کو دیکهـ[کر] اُن لوگوں کو شرمانا چاهئے جو برسوں سے یه کهه کهه کر قوم کے تمام اعضاے عامله کو شل کر رهے هیں که "مسلمانوں کے لئے ابهي پولیٹکل کاموں کا وقت نهیں آیا " اور دلیل یه پیش کرتے هیں که " هندوں کے مقابلے میں هم میں تعلیم اور قابلیت کالمعدوم هے " لیکن اگر اپنے تئیں همیشه ایسا هي اپاهج اور معطّل سمجها جائے گا جیسا که برسوں سے یقین کرا[یا] جا رها هے ' تو وقت تو قیامت تک نهیں آئیگا - قابلیت اور صلاحیت بهي مثل عام قوائے انساني کے ایک قوت هے اور خارجي محرکات کي محتاج؛ جب مسلمانوں کے سامنے ابتدا سے کوئی بلند نقطۂ نظ[ر] اور جوش انگیز مقصود نهیں هے تو قابلیتیں کیونکر ظهور کریں اور آدمي کیونکر پیدا هوں- یهي مسٹر محمد علي هیں جو ان تمام تعلیمات و هدایات عالیه کے مرکز جمود (علي گڈه کالج) کے تعلیم یافته' اور ایک دیسي ریاست کے عهده دار تهے - چند مضامین اور ایک رساله لکهـ[کر] انهوں نے اپني قابلیت ضرور منوالي تهي' لیکن کوئي بهي اُنکي موجوده حیثیت علمي سے واقف نه تها ' لیکن جب زمانے نے مهلت دي اور قوتوں کو چمکنے کے اسباب میسر آے ' تو آج کوئي نهیں جو اُنکي انگریزي انشاپردازي اور قوت تحریر و بحث [کا] معترف نهو -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين — القرآن الحكيم

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

مدیر مسئول و محرر خصوصی
سید المکنی بابی الکلام الدہلوی

مقام اشاعت
۷-۱ مکلاوڈ اسٹریٹ
کلکتہ

قیمت
سالانہ ۸ روپیہ
ششماہی ٤ روپیہ ۱۲

Al-Hilal,
Proprietor & Chief Editor:
Abul Kalam Azad,
7-1, MacLeod street,
CALCUTTA.

Yearly Subscription, Rs. 8.
Half-yearly „ „ 4-12.

نمبر ۷ — کلکتہ : یکشنبہ ۲۰ اگست ۱۹۱۲ ع — جلد ۱

فہرست

تصاویر

شذرات

اطلاع ضروري

براہ عنایت خط وکتابت میں وہ نمبر اپنے نام کے ساتھہ ضرور لکھدیا کیجئے جو ہر پرچے کي چٹ پر آپکے نام اور پتے کے اوپر درج کردیا جاتا ہے' وہ خریداري کا نمبر ہے اور بغیر اسکے رجسٹر میں صرف نام کو تلاش کرنا سخت دقتوں کا موجب ہوتا ہے - (منیجر)

اکثر احباب (الہلال) کي شائع شدہ تصویریں علحدہ طلب کرتے ہیں - خاص ضرورت ہو تو طیار کرکے بھیجدي جاسکتي ہیں' لیکن اگر شوقیہ علیحدہ رکھنا مقصود ہو توکسي قدر انتظار کریں - جنگ طرابلس' ناموران غزوۂ طرابلس' اور مشاہیر ماضي و حال کے رنگین البم ہم طیار کر رہے ہیں - انکا کاغذ نہایت قیمتي اور بوجہ ہاف ٹون مشین میں چھپنے کے مطبوعات کي صناعت کا قابل دید نمونہ ہوگا - امید ہے کہ قیمت بھي ارزاں ہو -

پہلے شکایت کي جاتي تھي کہ آپ طرابلس سے نکلکر اپني سرزمین میں آتے ہي نہیں' اب آئے ہیں تو شکایت کي جاتي ہے کہ اسطرح دوڑتے ہوے تو نہ آئیے !

غرض دو گونہ عذابست جان مجنون را

عرض یہ ہے کہ برسوں تک بیٹھے بیٹھے پانوں شل ہوگئے ہیں' عرصے کے بعد قدم اٹھے ہیں تو ذرا دوڑنے دیجئے کہ خون میں حرکت تو پیدا ہو - اب آہستہ خرامي کا وقت نہیں ہے - ساتھہ کے چلنے والوں کي گرد پا کا بھي سراغ نہیں ملتا' اور آپ کي نصیحت ہے کہ آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر چلیے !

یاران تیز گام نے محمل کو جالیا
ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

بعض ناصح ہمدردانہ کہتے ہیں کہ راہ باریک اور ہر طرف تاریکي ہے' خوف ہے کہ کہیں ٹھوکر نہ لگے' لیکن ہماري تیزي بھي اسي لئے ہے کہ تاریکي نے راہ کو خطروں سے بھردیا ہے اسلئے دوڑنا چاہتے ہیں کہ بن پڑے تو آگے نکلکر چراغ دکھلائیں - رہا ٹھوکر کھانے کا خوف' تو اسکي پروا نہ کیجئے' اپنا عقیدہ تو یہ ہے کہ ہاتھہ پانوں توڑ کر بیٹھہ

وزیر جنگ — " اب سے کیوں " ؟

میں—" کیونکہ عام طور پر یہ فرض کرلیا گیا ھے کہ بحری کارروائی کا خاتمہ جزائر کے قبضے پر ھوا تو جنگ کی بھی نئی صورت قائم ھو جاے گی "

وزیرجنگ - " آپ لوگون نے بھی کیا ایسا ھی فرض کرلیا ھے ؟ قوم مین جو نئی علامتیں پیدا ھوگئی ھیں وہ آپ کو نظر آتی ھیں ؟

میں - " گزشــتہ دســمبر میں جیسی جنـگ جو یا نہ روح نظرآتی تھی ابتک ذرا بھی اسمیں تبدیلی پیدا نہیں ھوئی ھے ' بلکہ میں تو یہ کہونگا دہ جوش اور بڑھا ھوا نظر آتا ھے - یہ ضرور ایک کھلی ھوئی بات ھے ' لیکن کھلی ھوئی باتیں بھی ھمیشہ انقطاعی نہیں ھوتیں - اکثر دیکھا گیا ھے کہ قومین اپنی آنکھون پر پٹی باندھکر صرف اپنے لیڈرون کے بتائے ھوئے مقامات پر ھی نگاہ رکھتی ھیں اسلئے مین فقط اس بات کے جاننے کا آرزو مند ھون کہ تازہ حالات پر نظر کرکے آپ نے اپنی رائون مین ترمیم تو نہین کرلی ؟ "

وزیر جنگ - " مطلق نہیں - ترمیم کا تو نام بھی نہ لیجئے جب ھم پر حملہ ھوا تھا اسوقت بھی ھم صلح و آشتی پر مائل تھے ' اور جب اس ظالمانہ حملے کی کہانی ختم ھو جائگی اس وقت بھی ھم صلح ھی چاھینگے - آخر تک دفاع ھی ھمارا شعار رھیگا - قدرتی امور (دفاع) ترمیم طلب نہیں ھوتے - ھاں سلسلۂ علل میں ترمیم ھوئی تو معلولات میں بھی التزاماً ترمیم ھوگی - ھمکو تلوار اپنی نیام میں ڈالنے پر اسوقت مجبور کیا جاسکے گا جب خود دشمن کی تلوار بھی نیام میں واپس ھو جاے گی "

هوائي جهاز اور سب میرین (تحت البحر کشتیاں)

میں نے کہا " حملہ عموماً موثر قســم کا دفاع تصور کیا جاتا ھے - میں نے آپ کے دشمنون کو آپ کے طریق جنگ پر اس بنا پر نکتہ چینی کرتے دیکھا ھے کہ آپ لوگون نے جدید آلات حرب مثلاً ھوائی جہاز (ڈریی جیبل) اور (تحت البحر) سے فائدہ نہیں اٹھایا - میرے خیال میں آتا ھے کہ کوئی وجہ ضرور ھوگی کہ آپ نے ان ایجادات پر توجہ نہیں کی "

وزیر جنگ - " جو نکتہ چین اشخاص کہ ھمیں ھوائی جہازوں کے اوپر سے بمب کے گولے پھنیک کر بحر ایجین میں غنیم کے جہازوں کو تباہ کرنے کا مشورہ دیتے ھیں ' وہ واقف کار اور ماھر فن نہیں ھیں میں ان چیزوں کو جانتا ھوں اور انپر بالتخصیص غور کر چکا ھوں ' میرے غور و فکر کا یہ نتیجہ نکلا کہ آزمودہ اور مقبول عام طریق جنگ پر ثابت قدم رھوں - ھوائی جہاز فی گھنٹہ ۱۰۰ کیلومیٹر کی رفتار سے اڑتا ھے - اور جب پرواز بہت بلند ھو جاتی ھے تو نشانے پر نسبۃً ایک چھوٹی سی شے پھینکنا ھے مگر بہت ھی بلندی سے - اب بتلائیے کہ مصارف تو بہت اٹھائے جاتے ھیں لیکن ان باتوں سے کون سا قیمتی نتیجہ مرتب ھوسکتا ھے ؟ ھوائی جہاز پر سے نشانہ لگانا قطعی ناممکن اور لفظ نشانہ اپنے مفہوم رائج کے اعتبار سے شرمندۂ معنی نہیں - یقین کیجئے اس اتفاقی نشانے کی قیمت گھٹا دینے کیلئے یہ صرف قیاس ھی نہیں ھے ' اسکی صداقت ھم نے حرفاً حرفاً مشاھدہ بھی کرلی - افریقہ کے دامن صحرا میں ھمارے نہایت با قاعدہ اور ھر طرحسے مرتب خیمے ھوائی جہازوں کا نشانہ تھے - ھمارے دشمنوں کے لئے حالات گرد و پیش ھماری نسبت زیادہ مساعد اور ھمارے خیمے غیر متحرک اور غیر ساکن ھونے کی وجہ سے عمدہ نشانہ بن سکتے تھے لیکن با این ھمہ حالات اوپر سے بے شمار بم کے گولے پھینکے گئے مگر ھمیشہ نشانے سے بہت دور جاکر گرے ' اور کبھی اس تجربے میں دشمنوں کو کامیابی نہیں ھوئی ' پس جو کچھہ نتائج آنکھوں نے دیکھے ھیں اس سے ھمیں اپنے دشمنوں کی تقلید کی حرص نہیں ھوتی -

جرمني روس اور ترکي

ڈیلی کرانکل کا نامہ نگار [برلن] سے لکھتا ھے : کل افواہ اڑی تھی کہ اٹلی اور ترکی کی جانب سے کچھہ دنون کے لئے التواے جنگ کا اعلان ھونیوالا ھے - لیکن اس افواہ کی تو ثیق نہ تو روما سے ھوئی اور نہ قسطنطنیہ سے اور ترکی سفیر متعینۂ برلن بھی اس امر سے اپنی قطعی لا علمی ظاھر کرتا ھے ' تاھم قابل اعتماد حلقوں سے معلوم ھوا ھے کہ یہ خبر بے بنیاد بھی نہیں ھے -

معلوم ھوا ھے کہ قیصر جرمنی و زار روس کی ملاقات میں ایک مسئلہ ترکی و اٹلی کی جنگ کا بھی تھا - لیکن برلن میں ابتک اسکے تفصیلی حالات نہیں پہنچے - تا حال یقینی طور پر جہاں تک معلوم ھوا ھے وہ یہ ھے کہ دونوں گورنمنٹیں واپسیٔ امن کی [illegible] پر کوشاں رھینگی - عام طور پر خیال کیا جاتا ھے کہ دونوں شہنشاھوں اور انکے وزراء نے ایک ایسی اساس ڈھونڈہ نکالی ھے جسپر سعی امن کی تعمیر امکان سے باھر نہیں ھے - میں نے وھاں افسروں سے سنا ھے کہ دونوں شہنشاھوں نے تخلیے میں غیر معمولی طور پر رازدارانہ صحبت عرصے تک جاری رکھی -

ریوٹر کي تاربرقیاں

(قسطنطنیہ ۲۹ جولائی) ایوان وزارت نے فیصلہ کرلیا کہ پارلیمنٹ کی برھمی کا انتظام آئینی طریقے سے کیا جائیگا -

عهد حمیدي کے امراکي معافي

(قسطنطنیہ ۱ اگست) ایک اعلان جاری ھوا ھے جسمیں ۱۳۰ جلاوطنوں کو معافی عطا کی گئی ھے - انمیں تمام عہد حمیدی کے امرا اور افسر بھی ھیں - گورنمنٹ نے پارلیمنٹ میں اس مضمون کی ایک تجویز پیش کی ھے کہ سلطان جب چاھیں پارلیمنٹ کو توڑ دے سکتے ھیں -

ریاستہاے بلقان میں اتحاد

(لندن ۱ اگست) ٹایمس کہتا ھے : یہ یقین مضبوط ھوتا جاتا ھے کہ کسی قسم کا قرار داد مابین بلغاریا و سرویا ' اور بلغاریہ و یونان ھوچکا ھے -

جزائر الجین

(لندن اگست) ھاوس اف کامنس میں سر اڈورڈ گرے نے مسٹر نوئل بکسٹن کے سوال کے جواب میں کہا کہ لڑائی کے بعد جزائر ایجین پر اٹالین قبضہ ضرور بہت سی بحثیں پیدا کریگا

[الهــلال الیکٹریکل پرنٹنگ ورکس نمبر ۷ - ۱ مکلاوڈ اسٹریٹ - کلکتہ سے [ابو الکلام آزاد] نے چھاپکر شائع کیا]

الھلال

۲۰ : اگست ۱۹۱۲

— * —

نشۂ شام کي نصف شب
یا
مسلم یونیورسٹي
اور اس ضمن میں چند متفرق خیالات

(۱)

بہت سي تاریخیں یاد رکھنے کے قابل ھوتي ھیں - فرانس ۱۴ - جولائي سنہ ۱۷۸۹ - کو نہیں بھولتا کہ آزادي کي رحمت کا اُسي دن نزول ھوا - انگلستان ۲ جون سنہ ۱۶۴۹ کو ھمیشہ یاد رکھتا ھے کہ شاھي اقتدار پر آخري ضرب اُسي دن لگي - لیکن یہ یادگاریں دنیا کي زندہ قوموں کا حصہ ھے - ھم بدبختوں اور زبون طالعوں کے پاس بھي بہت سي تاریخیں ایسي تھیں جنکي عظمت کے آگے صرف ھم ھي نہیں' بلکہ تمام عالم سر جھکاتا تھا ؛ لیکن یہ زندگي کے کاروبار تھے' اب کہ موت کي مردني سے جسم ملت کا ھر عضو افسردہ ھو رھا ھے' ایسے نصیب کہاں کہ کامراني و فتحیابي کي تاریخیں یاد رکھنے کیلئے میسر آسکیں ؟ قومي اقبال کا آفتاب جب چمکتا ھے تو شاید ایک ھي مرتبہ چمکتا ھے -

لیکن :

توفیق باندازۂ ھمت ھے ازل سے

قسام ازل نے ھر شخص کو اسکي ھمت اور صلاحیت کے مطابق اسکا حصہ دیدیا ھے - کوئي سایۂ طوبیٰ میں بیٹھکر خوش ھوتا ھے اور کوئي قامت یار کي جستجو میں :

تو و طوبیٰ' و ما و قامت یار

خوشي کے دن ھمیں نصیب نہیں کہ یاد رکھیں تو اپنے ایام غم کو تو بھول نہیں سکتے ؟ اوروںکو اگر فصل بہار کي یاد ملي ھے تو مبارک ھو' ھم خزاں کي یادگار منایا کرینگے :

نوحۂ غم ھي سہي' نغمۂ شادي نسہي

گردن پھرنے والے ھیں تو عجب نہیں کہ نوحۂ غم سے نغمۂ طرب ھي لے پیدا ھو جائے - بہار خزاں کے بعد ھي آتي ھے' اور خشک درختوں کو ھم نے سرسبز ھوتے دیکھا ھے : یخرج الحي من المیت و یخرج المیت من الحي' و یحي الارض بعد موتھا ' و کذلک تخرجون [خدا زندگي سے موت کو اور موت سے زندگي کو پیدا کرتا ھے' اور زمین پر جب موت چھا جاتي ھے تو اُسکي رحمت پھر اُسے زندہ کردیتي ھے ۳۰ : ۱۹]

۱۲ دسمبر

ھمارے اخوان وطن جب (۱۲ دسمبر) کي یادگار کا جشن منائیں گے کہ اسي دن انکي سي سالہ جد و جہد نے حکومت کو شکست دي اور تقسیم بنگال کا نوشتۂ تقدیر (جسکي تنسیخ کو لارڈ مارلے چاند کیلئے بچوں کا مچلنا کہتے تھے) بالاخر مٹاکر چھوڑا' تو ھم بھي بیکار نہیں رھیں گے - وہ اگر اپني کامراني کو یاد رکھیں گے' تو ھم اپني نامرادي کا مرثیہ پڑھیں گے - وہ اگر اسپر خوش ھونگے کہ تیس برس تک شاھراہ مقصود پر چلتے رھے اور بالاخر منزل کو سامنے دیکھا' تو ھم اپني گمراھي و ضلالت پر سر پیٹیں گے کہ تیس برس تک غلط راہ چلکر ٹھوکریں کھاتے رھے اور بالاخر منہ کے بل گرے - وہ اگر اپنے راھنماؤں کو یاد رکھیں گے جنھوں نے اپنے تئیں کھو کر آج انھیں پیدا کیا' تو ھم بھي اپنے لیڈروں کو بھول نہ سکیں گے کہ اپنے اغراض و منافع کي تلاش میں پوري ملت کي متاع کو کھو دیا - اور سب سے آخر یہ کہ اگر انکو خوشي ھوگي کہ جو کچھہ ملا وہ اس سے زیادہ کے اھل تھے' تو ھمکو بھي شکایت نہوگي کہ جس ٹھوکر سے ٹھکرائے گئے اس سے بھي زیادہ کے مستحق تھے (اسمیں شک نہیں کہ انکے لئے خوشي کي یاد ھے اور ھمارے لیے غم کي) لیکن اگر چشم بینا اور دل عبرت پذیر ھو تو نتیجہ دونوں کا یکساں ھے ؛ انکو کامیابي ھمت دلاتي ھے تو ھمکو ناکامي غفلت سے بیدار کرتي ھے - انپر حکومت کا یہ احسان ھے کہ مایوس ھونے سے بچالیا تو ھم پر انسے بڑھکر احسان یہ ھے کہ سوتے میں ھشیار کردیا : لقد کان لکم ایۃ في فئتین [بیشک خدا کي نشاني ھے دونوں جماعتوں میں ۳ : ۱۱]

۱۳ - جولائي سنہ ۱۹۱۱

(عبرت کے مواقع جلد جلد میسر نہیں آتے اور غفلت کو ھمیشہ بیداري کي کروٹیں نصیب نہیں ھوتیں' اگر ایسا ھو تو دنیا کم سوے اور زیادہ جاگے ؛ حالانکہ وہ ھمیشہ سوتي ھي رھتي ھے) لیکن شاید اب ھمارے دن جلد پھرنے والے ھیں کہ قدرت کا تازیانۂ تنبیہ جلد جلد اُٹھنے لگا ھے - (۱۲ - دسمبر) کو ابھي زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ ۳۱ جولائي سنہ ۱۹۱۱ کي تاریخ نمودار ھوئي (آنریبل سر - ایس - ایچ - بٹلر) اپنے مراسلے کي تمہید میں لکھتے ھیں :

" ۳۱ جولائي کو میں نے آپکو اطلاع دي تھي کہ صاحب وزیر ھند یونیورسٹي کا قیام منظور فرمانے کیلئے طیار ھیں بشرطیکہ

(۱) آپکي کمیٹي کافي سرمایہ دکھلاسکے اور

(۲) یونیورسٹي کا کانسٹي ٹیوشن جو آپ پیش کریں وہ تمام و کمال گورنمنٹ ھند اور صاحب وزیر ھند کو منظور ھو - نیز میں نے اس مراسلے میں یہ بھي لکھدیا تھا کہ آپکي جو اسکیم صاحب وزیر ھند کے سامنے پیش ھوگي اسکي تمام تفصیلات کے متعلق وہ اپنے اختیارات کامل کو محفوظ رکھتے ھیں — "

ھمکو یہ تاریخ بھي ھمیشہ یاد رکھني چاھئے (یہي وہ یادگار تاریخ ھے' جس نے گویا ھمارے موجودہ دور زندگي کي سب سے بڑي [illegible] اور ھمارے وقت اور مال کي سب سے زیادہ قیمتي چیز کا

رهنے کي جگه دیتا تهوڑا کهانا بهتر هے' آپ کریں گے تو کم از کم کچهه شور و غل تو هو رهے گا' عجب نہیں که بعض خفتگان غفلت چونک پڑیں - لیکن پڑے رهنے سے تو آپکي بے هوشي بهي بڑهتي جاے گي اور سونے والوں کو بهي بیداري کي کروٹ نصیب نهوگي -

زنده دلوں کا وطن

یه ممکن هے که کسي ملک کي آب و هوا جسم انساني کیلئے کوئي خاص اثر رکهتي هو' مگر یه تو کچهه ضرور نہیں که ایک سرزمین کا اخلاق بگڑنے پر آئے تو پورے خطے کي حالت یکساں طور پر بگڑجاے' هم عرصے سے دیکهه رهے هیں که پنجاب کے اخبارات گو خریداروں کے پیدا کرنے اور نئے نئے کارخانوں کے چلانے کي ترکیبوں میں ترقي کررهے هیں مگر انکا اخلاقي تنزل نہایت درد انگیز هے - کل کي بات هے که (زمیندار) اور (وطن) میں باهم جوتي پیزار هورهي تهي' اور جسطرح پنجاب میں پهلوانوں کے دنگل هوا کرتے هیں' اسي طرح دونوں پهلوان ایک دوسرے سے گتهے هوے تهے - (زمیندار) کا صرف یه قصور تها که تهوڑے دنوں کے اندر هي اسکي اشاعت پرانے اخباروں سے کیوں بڑهگئي اور کیوں وه لاهور کے چند دولت مندوں کي پرستش سے انکار کرتا هے ؟ انسان کے تمام قصور معاف هوسکتے هیں مگر ایک دکاندار اس شخص کو تو کبهي معاف نہیں کرسکتا جس نے اسکے سامنے کي خالي دکان پر قبضه کرکے راه کے خریداروں کو اپني طرف کهینچ لیا هو -

همارے عقیدے میں یه نتائج صرف اس بات کے هیں که پنجاب میں تجارت کي ترقي نے بالعموم دکاندارانه اخلاق پیدا کردیا هے' اور اغراض پرستي کي هوا میں سب پل رهے هیں - تجارتي زندگي کا قدرتي نتیجه یه هے که شب و روز باهم تصادم و تسابق هو' اور ملکوں میں ایسے موقعه پر تجارت هي کے میدان میں پیچ لڑائے جاتے هیں' مگر یہاں یه تدبیر اختیار کي گئي هے که تلوار کي جگه قلم کا وار کرکے پهر باطمینان حریف کي دکان لوٹ لي جاے -

یه قصه کئي ماه تک جاري رها اور ابتک جاري هے' لیکن سنگه نے غلام پهلوان سے عاجز آکر اسکي کنپٹي پر مکه کي ایک سخت ضرب لگادي تهي' اسي طرح یه قلم و کاغذ کے پهلوان جب عاجز آجاتے هیں تو پهر ایک دوسرے کو گالیاں دینا شروع کردیتے هیں' فحش و مغلظات سے بهي انهیں دریغ نہیں - ایک اپنے حریف سے پوچهتا هے که وه زمانه بهي یاد هے جب کالج میں پڑهتے تهے ؟ دوسرا کہتا هے که زیاده باتیں نه بناؤ ورنه میں تمهارا فلاں راز فاش کردونگا - اب یہاں تک نوبت پهنچ گئي هے که ایک دوسرے کو چور اور ڈاکو بتاتے هیں' ایک کہتا هے که تم نے طرابلس کے نام سے روپیه کمالیا' دوسرا کہتا هے که فرضي کمپنیاں بناکر قوم کو لوٹ لیا - یه حالت صرف [illegible] هي کي نہیں هے بلکه اس حمام میں سب هي ننگے هیں - [illegible] اخبارات کو دیکهئے تو وه بهي ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کے شریفانه شغل هي میں خوش هیں - بدبختو! صرف تم هي ذلیل نہیں هو بلکه تمهاري تمام قوم اور پورا ملک ذلیل هے - جس قوم پر خدا کا قهر نازل هوتا هے اسکا یہي حال هوتا هے' پہلے اس سے حکومت چهین کر غیروں کو اسپر مسلط کردیتا هے - بني اسرائیل نے جب خدا سے منه موڑا تو انپر ایک باهر کي قوم بهیجدي گئي بعثنا علیکم عباداً لنا اولی باس شدید [پهر هم نے تم پر ایک سخت و شدید قوم کو مسلط کردیا ۱۷:۶]

جب اسپر بهي باز نہیں آئے تو پهر فسق و فجور' حسد و حقد' هوا پرستي و نفسانیت' نااتفاقي و بیگانگت میں انکو مبتلا کردیتا هے - خود هي کٹتے هیں اور خود هي مرتے هیں - وما اهلکنا قریة الا واهلها ظالمون [اور هم کسي آبادي کو تباه نہیں کرتے مگر اس وقت جبکه وه ظلم و معاصي میں مبتلا هوجاتي هے

هم اپنے معاصرین سے به منت التجا کرتے هیں که خدا کیلئے اپني ملت پر نہیں' تو خود اپنے اوپر رحم کریں' اور مسلمانوں کي موجوده ذلت و رسوائي پر قناعت کرلیں - نفسانیت و خود پرستي کي حد هوگئي هے اور خدا کي طرف سے سب نے منه موڑ لیا هے - تعجب هے که ساري دنیا آپ پر هنس رهي هے اور آپکو ایک لمحه کیلئے بهي اپنے اوپر رونا نہیں آتا ؟ ملک و ملت کي خدمت شاید اس طریقے سے الگ هوکر بهي کي جا سکتي هے' یه تو کچهه ضرور نہیں که جب تک آپ ایک دوسرے کو چور ثابت نه کرلینگے اس وقت تک آپکي زیر اصلاح قوم آپکو اپنا امین نه سمجهے گي -

تو بخویشتن چه کردي که بما کني نظیري
بخدا که واجب آمد زتو احتراز کردن

اس هفته (مسلم یونیورسٹي) کے متعلق قلم اسقدر بے اختیار رها که بعض معاصرین کي اصطلاح میں پورا نمبر گویا (یونیورسٹي نمبر) هوگیا - هم هرگز اسے پسند نہیں کرتے که ایک هي طرح کے بڑے بڑے آرٹکلوں سے پورا رساله بهردیا جاے مگر ایک طرف وقت کا اقتضا اور ضرورت' دوسري طرف صفحات کي قلت' اور سب پر طره یه که دماغ قابو میں نہیں - مجبوراً یه طریقه اختیار کرنا پڑتا هے - (البانیا) کے مسئلے پر دو هفته سے لکهنا چاهتے هیں' ترکي کي موجوده حالات کے متعلق کئي هفتے سے بالکل نہیں لکها' انگلستان کے موجوده احزابي مناقشات کو تو گویا هم بالکل بهولے هوے هیں' عام مسائل اور مذاکرۀ علمیه و انتقاد تو ابتک شروع هي نہیں هوے' معلوم هوتا هے که خواه کچهه هو مگر ضخامت بڑهاني هي پڑیگي - والامر بید الله سبحانه *

رفیق دهلي

یه ایک روزانه اخبار هے جو دهلي سے نکلنا شروع هوا هے' ڈیمائي سائز کے چار صفحوں پر چهپتا هے' کاغذ اور چهپائي اچهي هے' قیمت سالانه ۱۲ روپیه اور ششماهي ۶ - ۸ آنه -

اس وقت تک هم نے دو چار نمبر سرسري طور پر دیکهے' روزانه تار برقیوں اور عام واقعات و اخبار کو اچهي طرح جمع کیا جاتا هے اور به حیثیت مجموعي ارزاں اور دلچسپ هے - فرصت نصیب هو تو اخبارات کو پڑهنے کا وقت نکالیں اور پهر راے دیسکیں -

عقیدت اور مہلک حسن ظن سے کام نہ لیں کہ لیڈر پرستی کی حد ہوگئی - ہم انکو اپنا دل نہیں دکھاسکتے مگر اپنی سچائی کا شاید یقین دلا سکتے ہیں (واللہ یعلم سري وعلانیتي) ہم کو کسی سے بغض نہیں، مگر خدا کی درستی کو چھوڑ نہیں سکتے - وہ یقین کریں کہ اگر (نواب وقارالملک) نے عین موقع پر بھانڈا نہ پھوڑ دیا ہوتا اور قوم میں تغیرات حالت نے حقوق طلبی کی جنبش پیدا نہ کردی ہوتی تو اج ان لیڈروں میں سے ایک بھی اس موقع پر سامنے نہ آتا اور جو کچھہ ۱۱ - اگست کو ہوا اسکے ذکر سے ہماری تاریخ ہمیشہ خالی رہتی آج تو (آغا خاں) بھی عدم التحاق کی مخالفت میں تار بھیجتے ہیں اور پھر اسپر اصرار ہے کہ اسکا اعلان کردو ' لیکن سوال یہ ہے کہ کل تک حضرت کہاں تھے ؟ اس مسئلہ پر تو انکی راے پہلے ہی ظاہر ہوچکی ہے اور وہ جو کچھہ تھی کمیٹی کے صیغۂ رازداری کی الماری میں موجود ہے - اب انکے تار کے اعلان کی ضرورت نہ رہی - فضل الہی سے خود انکی خدمات کی تشہیر ہو رہی ہے - کل کی بات ہے کہ ہم نے انکی گاڑی کھینچی تھی ' ولکن شتـان ما بین الیوم والامس - جن عزتوں پر خدا کا ہاتھہ نہیں ہوتا وہ گو کتنی ہی نظر فریب ہوں مگر پائدار اور مستحکم نہیں ہوتیں : ولله العزة ولرسوله وللمومنین - [عزت خدا کیلئے ہے اور اسکے رسول کیلئے اور سچے مومنوں کیلئے]

۱۱ - اگست کو لکھنو میں جو جلسہ ہوا تھا پہلے دن اسکے دروازے بند نہیں کیے گئے ' مگر جو آنکھیں تاریکی میں کام کرنے کی عادی ہوں انکو باہر کی روشنی کب راس آسکتی ہے ؟ بالاخر دوسرے دن گو پٹ بھڑاے نہیں گئے مگر ہلکے پردے چھوڑ دیے گئے تا کہ کچھہ تو تاریکی پیدا ہوجاے :

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی

سب سے پہلے (راجہ صاحب محمود آباد) نے افتتاحی تقریر میں اسپر بے انتہا افسوس ظاہر کیا کہ " ہم نے آجتک اپنی کارروائی کو صیغۂ راز رکھا تھا مگر اب گورنمنٹ خود اُسے ظاہر کرتی ہے ' جب گورنمنٹ چھپانا نہیں چاہتی تو ہمکو بھی چاہئے کہ آیندہ سے اپنے جلاس پبلک طور پر کریں "

یہ تو (راجہ صاحب) نے گورنمنٹ سے خوب انتقام لیـا (جزاء سیئة ' سیئة مثلها - بدی کا بدلہ ویسی ہی بدی ہے -)

محتسب خم شکست و من سر او
سن بالسـن والجـروح قصاص

ہم کو افسوس ہے کہ گورنمنٹ نے کمیٹی کی رازداری کی قدر نہ کی - وہ گورنمنٹ ' جسکی خاطر کمیٹی نے اپنی قوم تک کو چھوڑ دیا ' اور اُس روپئے کے مصرف سے ہمیشہ بے خبر رکھا جسمیں معصوم لڑکیوں کے کانوں کی بالیاں اور بچوں کی مٹھائی کے پیسے تک شامل تھے

اسکے بعد راجہ صاحب کو بہت سی باتیں ایسی یاد آگئیں جو اگر چند ماہ پہلے یاد آگئی ہوتیں تو قوم کا تیس لاکھہ روپیہ اور ایک ہی رتبہ پیدا ہونے والا جوش اسطرح ضائع نہ جاتا ' تا ہم اب بھی غنیمت ہی سمجھنا چاہئے - واقعات نے اس ابتدائی منزل تک تو پہنچا دیا - عجب نہیں کہ کہتے کہتے ایسے ہی الفاظ زبان پر چڑھجائیں :

حورو جنت جلوہ بر زاہد دہد در راہ دوست
اندک اندک عشـق درکار آورد بیگـانہ را

باوجود این ہمہ جوش و خروش ' پھر بھی اس جلسے کو دیکھئے تو تو یہ کچھہ ہو چکنے کے بعد بھی ارباب طریقت اسی فکر میں تھے کہ کعبے کی طرف رخ کرنا پڑا ہے تو کم از کم بتکدے کی طرف پیٹھہ تو نہو - پہلے بحث ہوئی کہ اس مجلس کی کارروائی بھی بصیغۂ راز رکھی جاے یا نہیں ؟ گو راجہ صاحب گورنمنٹ کی اتباع سنت کے خیال سے پبلک جلسے کا اعلان کر چکے تھے اور اب طبیعتیں بھی ایک حد تک جوش و خروش کی نمایش کرنا چاہتی تھیں ' لیکن مدتوں تک جو پاؤں کیچڑ میں پھنسے رہے ہوں ' وہ یکایک صاف قالین پر چلیں گے تو دھبے پڑے ہی ہیں گے - بعض صاحبوں نے کہا کہ گو گورنمنٹ نے سرّ حقیقت سے پردہ اُٹھا دیا ہو مگر ہم سالکین راہ وفاداری کو - کہ پیمان محبت باندھچکے ہیں - اب بھی مرغ سحر کی جگہ پروانے کے مشرب عشق پر کار بند رہنا چاہئے :

کان سوختـہ را جان شد و آواز نیـامد

ہم نے سنا ہے کہ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب کی بھی یہی راے تھی -

ہم اس موقعہ پر آنریبل مسٹر (مظہر الحق) کی تعریف کرنے کیلئے اپنے اندر بے اختیارانہ جوش پاتے ہیں کہ انہوں نے فی الحقیقت اس جلسے کی شرم رکھہ لی ' اور پوری آزادی اور دلیری کے ساتھہ اصول راز داری کی مخـالفت کی - جزاہ اللـہ عني وعن سائر المسلمین خیر الجزا -

دوسرے دن کے اجلاس میں بھی انکی تقریر پڑھکر ہم کو نہایت خوشی ہوئی - انہوں نے صاف صاف کہدیا کہ یہ جو کچھہ ہورہا ہے مسلمانوں کی غلامانہ پالیسی کا نتیجہ ہے - لیکن ناظرین اس سے یہ راے قائم نہ کر لیں کہ اب انکی پولٹکل جماعتوں میں بھی ایسی آزادانہ راے رکھنے والے لوگ پیدا ہوئے ہیں - ممکن ہے کہ اب پیدا ہوں ' لیکن (مسٹر مظہـر الحق) کی ازادی تو صرف اسکا نتیجہ ہے کہ وہ عمر بھر ملک کی اصلی کارکن جماعت یعنی (کانگریس) کے ساتھہ رہے ' اور کبھی مسلمانوں کے پولیٹکل مذهب کی تلقینات قبول نہیں کیں - اگر علی گڈہ کی دلدل میں وہ بھی پھنس گئے ہوتے تو آج انکی زبان اسطرح نہ چلتی - افسوس :

کامـل اس فرقۂ زہاد سے اٹھـا نہ کوئی
کچھہ ہوے تو یہی رندان قدح خوار ہوے

فیصلہ کردیا تھا' مگر حکمراں کمیٹی نے تمام قوم کو اس سے بے خبر رکھا ' اور برابر یہی چیختے رہے کہ روپیہ لاؤ روپیہ لاؤ کیونکہ اسکے سوا اور کوئی ضرورت درپیش نہیں : واللہ یعلم انہم لکاذبون -

ان میں کا ہر فرد ہر واقفکار شخص کی طرح خوب جانتا تھا کہ ایسی یونیورسٹی جو گورنمنٹ کے آہنی پنجے میں دبی ہوئی نہو نہ ملی ہے اور نہ ملسکے گی' اور پھر قرائن اور حالات سے بڑھکر خود صاف صاف لفظوں میں مسٹر بٹلر نے کہدیا تھا کہ شرط آخری یہ ہے کہ جز و کل ہمارے ہاتھہ میں محفوظ رہے گا - لیکن باوجود اسکے پریس کمیونک کی اشاعت تک ان میں کا ہر شخص دانستہ دس کرور مسلمانوں کو دھوکا دیتا رہا اور صرف اسلئے کہ افشاے راز کے بعد چاندی اور سونے کی لگاتار بارش جو ہو رہی ہے بند ہوجاے گی : کسی کا لب نہیں کھلا کہ (سماے شملہ) کا (شدید القوی) جو وحی اُسپر نازل کررہا ہے اُسکو اپنی مظلوم امت تک بھی پہنچادے - صرف ایک (نواب وقار الملک) کا سچا اور مومن قلب تھا جو ان فریب کاریوں کا متحمل نہ ہوسکا اور علیگدہ کے علائق کی ظلمت اُسکے نور ایمان پر غالب نہ آسکی - اُنہوں نے اصلیت سے جب پردہ اٹھایا تو روپیہ دینے والوں کے ہوش و حواس ذرا ٹھکانے ہوے اور پیشانیوں کو دیکھا تو پسینے سے تر تہیں - لیکن اب شکوۂ و شکایت کا موقعہ نہ تھا - وہ اجتماعی جوش اور قومی جذبات جو دوسری قومیں آزادی اور وطن پرستی جیسے مقاصد عالیہ کیلئے صرف کرتی ہیں' ہم ایک لفظ بے معنی اور ایک سفر بے مقصود یعنی مسلم یونیورسٹی کے پیچھے ضائع کرچکے تھے' اور رہزنوں سے پہلے خود رہبروں نے دل اور جیب' دونوں کو لوٹ لیا تھا :

همچو خراجے کہ بر خراب نویسند

لیکن سخت اضطراب دلی کے ساتھہ لکھنا پڑتا ہے کہ یاران شاطر نے بالاخر نواب صاحب قبلہ کو بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا کہ اس حق گوئی کو اسکی اصلی شان میں رکھہ دیتے - نواب صاحب کی چٹھی کے شائع ہوتے ہی (راجہ صاحب محمود آباد) " اس سخت اور تکلیف دہ موسم گرما کی دقتیں برداشت کرکے اور : عشق ازین بسیار کردست و کند " علیگدہ پہنچے' اور پھر چند دنوں کے بعد ہی نواب صاحب قبلہ کی دوسری مراسلت اخبارات میں شائع ہوگئی !

تاہم نواب صاحب کی عظمت ہمارے دلوں میں ہے اور رہے گی - ہم انکی مجبوریوں سے بے خبر نہیں ہیں ! جس سرزمین' اور جن لوگوں میں رهکر انکو کام کرنا پڑا ' اسکو دیکھتے ہوے تقسیم بنگال کی تنسیخ' مسئلۂ طرابلس' قتل کی جدت پرکولا بازی' اور نیز مسلم یونیورسٹی پر انہوں نے جو کچھہ کہدیا' ہم سمجھتے ہیں کہ یہ انکی قوت ایمانی کا ایک اعجاز ہے - ورنہ بتکدے سے اذان کی آواز - بغیر اسکے ڈھائے ہوے - آجتک کس نے سنی ہے ؟

دوسرا یلدز

گو تمام دنیا اب (سلطان عبد الحمید) کے مظالم کو تسلیم کرتی ہو لیکن ہندوستان کی عقلی عقدات اور پرستش کے خمیر سے بنی ہے' بہت سے لوگ ہیں جنکو (قصر یلدز) کے جبر و شخصیت پر اب تک یقین نہیں آتا - ایسے لوگ چاہیں تو ہم اُنہیں خود ہندوستان ہی میں ایک چھوٹا سا (یلدیز) بتلا سکتے ہیں - خود مختار پادشاہوں نے اپنا لقب " مالک رقاب الامم " رکھا تھا ' یعنے قوموں کی گردنوں کے مالک ' کہ وہ جب چاہیں گردنوں کو جسموں سے الگ کرسکتے ہیں - یہ اختیار تو اب ہم نے برطانیہ کی گورنمنٹ اف انڈیا کو دیدیا ہے ' البتہ ہمارے سروں کی مالک ایک جماعت موجود ہے جو جب چاہے بے تامل انہیں ٹھکرا سکتی ہے - یہ ہمارے خود ساختہ لیڈروں کا گروہ ہے ' جنہوں نے اپنے ایوان مشورہ کو قصر یلدیز کا نمونہ بنا لیا ہے - اسکے دروازے بند ' اور در و دیوار خاموش ہیں - انکی رعایا کا صرف یہ فرض ہے کہ چندوں کی مالگذاری اور خراج بے چون و چرا پیشکش کرتی رہے اور کبھی دم نہ مارے ' اگر کوئی انقلابی خیالات کا باغی ملک میں بے چینی پیدا کرے تو فوراً (مابین همایونی) سے ایک فرمان شائع کر دیا جاے کہ ابھی وقت نہیں آیا ' یا یہ رموز مملکت اور رازدارانہ اعمال ہیں جو اپنے وقت پر خود منکشف ہو جائیں گے : یفعل ما یشاء و یختار [خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ مختار ہے] -

یونیورسٹی کے معاملے میں بھی اپنی عادت مستمرہ کے مطابق ان لیڈروں نے یہی سمجھا تھا کہ قوم نے نہ کبھی پوچھا ہے اور نہ پوچھے گی - روپیہ لیتے جائیں اور وقت ٹالتے جائیں ' بند کمروں میں بیٹھکر جو کچھہ کرنا ہے کردیں گے ' پھر جب وقت آے گا تو سمجھادیں گے کہ فرض اطاعت اولی الامر اور شان وفاداری کا یہی اقتضا ہے کہ جو کچھہ ملے آنکھوں سے لگا کر قبول کرلو - یہی سبب ہے کہ جب کبھی کسی بندہ خدا سے رہا نہ گیا اور اُسنے چار لفظ منہ سے نکالے تو معاً اسکی زبان بند کردی گئی - بارہا پوچھا گیا کہ آخر یونیورسٹی ہے کیا شے ؟ گورنمنٹ کیونکر ایک آزاد یونیورسٹی کو چارٹر دیسکتی ہے ؟ حق ویٹو کے کیا معنے ہیں ؟ مگر یونیورسٹی بھی (استواء علی العرش) کا مسئلہ تھی کہ ہمیشہ یہی جواب ملا : کیفتہ مجہول ' والاعتقاد واجب ' والسوال عنہ بدعۃ [اسکی حقیقت مجہول ہے مگر اسپر اعتقاد واجب ہے اور اسکی نسبت سوال بدعت]

لیکن سب کچھہ کہکر آخر یہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ سب قوم کا قصور ہے ' اور اسکی علت بھی مسلمانوں کی تمام امراض کی طرح مذہب سے روگردانی ہے - اسلام نے اپنے ہر پیرو کو لیڈر بنا یا ہے اور کوئی نہیں جسکو خدا و رسول کے سوا مسلمانوں کے کاموں پر خود مختارانہ اقتدار حاصل ہو - احتساب ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہے' جب خود ہم نے اپنے تئیں غافل رکھا تو صیاد کا کیا قصور ؟

نہ لپٹیں نہ ہو قتل ' انصاف یہ ہے
کہ ہم خود بد آموز قاتل ہوے ہیں

کیا کمیٹی کو آج ہی یہ معلوم ہوا ہے کہ یونیورسٹی آزاد اور مسلم یونیورسٹی نہوگی کہ اب آگ لگانے والے آگ بجھانے والوں کے ساتھہ شریک ہوگئے ہیں ؟ تعجب ہے اگر شملہ دوڑ دوڑ کر جانے والوں کو اسکی خبر نہو جب کہ خود ہم کو گھر بیٹھے اسکی خبر تھی - ہم مسلمانوں سے بمنت التجا کرتے ہیں کہ خدا کیلئے اب وہ بیچا

علت مذهب هي نظر آتا هے - وه کهتے هيں که " اصلي شے خاص طرح کي تعليم و تربيت اور نشؤ و نما سے نکلي هوئي روح هے جو محدود درسگاه کي روايات و اثرات کے ساتهه ملکے کام کرتي هے اور اگر يونيورسٹي غير مقامي هوئي تو علي گڈهه کي روايات کا اثر مفقود هو جاے گا "

ليکن اگر يه دفعه همارے نام کے طولاني خط کي جگه مهاراجه دربهنگه کے مختصر خط کي زينت هوتي تو اُسے شايد اُسکي اصلي جگه ملتي - آنريبل سر بٹلر يه دفعه لکهتے هوے شايد بهول گئے که هم اور کوئي نهيں ' بلکه مسلمان هيں - همارا کوئي وطن ' کوئي مقام ' کوئي محدود چار ديواري کي روايات ' اور کوئي مخصوص حلقهٔ تربيت نهيں هے - ساري دنيا همارا گهر هے ' اور خدا کے تمام بندے همارا کنبه هيں - هم دنيا ميں (مسيح) کي طرح صرف " اسرائيل کے گهرانے کي گم شده بهيڑوں کو ڈهونڈهنے " نهيں آئے ' بلکه تمام عالم کي گم شده برادري کا کهوج لگانے آئے هيں - يه بالکل سچ هے که کيمبريج اور اکسفورڈ کے باهر اسکي روايات کا اثر نهيں ملسکتا مگر هماري روايات کا اصلي گهر تو (ابراهيم) کي بنائي هوئي قربانگاه کي چار ديواري هے اور اسکے باهر هم جهاں کهيں رهيں هماري روايات همارے دل کے اندر موجود هے - هم علي گڈه ميں يونيورسٹي اسلئے نهيں بناتے که علي گڈه کي روايات کي روح نسلا بعد نسل هم ميں منتقل هو - اگر ايسا خيال همارے دل ميں پيدا هو تو هم مومن نهيں بلکه پکے مشرک هيں - هم تو ايک ايسي درسگاه چاهتے هيں جسکے اندر (يثرب و بطحا) کي سيزده صد ساله روايات کي روح هو متنفس ميں حلول کر جاے ' اور علي گڈه کي تربيت نهيں بلکه وطن و مقام کي تميز سے منزا ' عالمگير اسلام کي تربيت پيدا هو - اسلام دنيا ميں کسي وطن و مقام اور قوم و مرزبوم کي تفريق کو تسليم نهيں کرتا - اسکے خدا تين نهيں هيں بلکه ايک هے ' پس وه تمام دنيا کو بهي ايک هي بنانا چاهتا هے : ان هذه امتکم امة واحده ' و انا ربکم فاعبدون -

پس اگر هم مسلمان هيں ' تو کسي مقامي اور خاص زمين کے ٹکڑے تک محدود يونيورسٹي کو لينا مذهباً و ديناً ناجائز سمجهتے هيں اور ايساکرنا گويا اسلام کي اندروني وحدت و اخوت کو متاثر مسلمانوں ميں تعليم کے ذريعے مختلف اثرات کي جماعتيں پيدا کرنا هوگا - رها کالج کي اندروني روايات کا اثر ' تو اسکے لئے (وزير هند) کو متفکر هونے کي ضرورت نهيں - اگر غير مقامي هونے سے يه شے هميں نه ملے گي تو هم بهي کب چاهتے هيں ؟ هم تو کالج کي روايات نهيں ' بلکه اسلام کي روايات کے طالب هيں - اگر همکو ازادي کے ساتهه چهوڑ ديا جاے که اپنا کورس خود بنائيں اور خود هي اسکو پڑها ئيں تو هم يورپ کو تعليمي درسگاهوں کے سسٹم کا ايک نيا تجربه کرا دينے کيلئے مستعد هيں - هم بتلا دے سکتے هيں که کيونکر مختلف صوبوں کے کالجوں کو اپنے ساتهه رکهکر پهر ايک هي طرح کي روايات اور اخلاقي تربيت کي روح سب ميں پيدا هوجا سکتي هے ؟ اور اسپر متعجب نهو که يه اسلام کا معجزه هے - جسکو تم روايات کهتے هو ' همارے قران نے اسکو (صبغة الله) سے تعبير کيا هے : صبغة الله ' ومن احسن من الله صبغه - هم انساني جماعتوں کي روايات اور اخلاقي رنگ کے طلبگار نهيں هيں ' همکو خدا کا رنگ اور اسکے بناے هوے (اسوهٔ حسنه) کي روايات ملي تهيں اور اس کو پهر حاصل کرنا چاهتے هيں -

انريبل سر بٹلر تو هندوستان کے چند بڑے بڑے شهروں تک دائرهٔ اثر کي وسعت سے گهبراگئے ' ليکن انهيں يه نهيں معلوم که هندوستان تو دنيا کے جغرافيه کا ايک گوشه هے ' اسکا ذکر هي کيا ' همارا بس چلے تو هم تو ايک ايسي يونيورسٹي قائم کريں جو نه صرف کسي خاص ملک ' بلکه تمام دنيا کيلئے غير مقامي هو - تمام عالم کے کالج اسکے ماتحت هوں اور مغرب و مشرق اسکي تعليمي حکمراني کے زير اثر هو - گو آج هم اسدرجه ذليل و خوار هيں که گورنمنٹ جب چاهتي هے ايک ٹهوکر لگا کو هم گرے هوؤں کو اور گراديتي هے ' مگر ابهي هم ميں اسقدر جان ضرور باقي هے که اپنے ماضي کو بهولے نهيں - دنيا هم پر تنگ هوگئي هے ليکن ابهي همارا دل تنگ نهيں هوا هے - اب بهي هم ساري دنيا کو اپنے اندر لے سکتے هيں - آج تيس لاکهه روپيه کي قيمت کي ايک متاع لينے کے بهي قابل نهيں اور اچهي بري اگر ملجاے تو اسپر دينے والوں کے آگے سجده کرنے کيلئے مستعد هيں - ليکن کل کي بات هے که ساري دنيا ايک گوشهٔ نظر کي قيمت ديکر خريد ليتے تهے اور پهر تمام عالم همارے آگے سر بسجود تها :

فتادم دام بر کنجشک و شادم ' ياد آں همت

که گر سيمرغ مي آمد بدام ' ازاد مي کردم

(ليکن نه هم اپنے حاکموں کے شاکي هيں ' نه تخت خسروي کے بعد خاک مذلت پر ديکهنے والے زمانے کے - شکوه اگر کرنا هے تو اسي بے نيازسے ' جس نے هم کو تمام عالم کا امين و حاکم بنايا ' اور ذلت و گمنامي سے اٹها کر عظمت و شهرت پر پهنچايا ' مگر هم نے اسکي قدر نه کي ' اور پهر جو کچهه هوا ايسا هونا قدرتي تها !)

و بلونا هم بالحسنات والسئيات لعلهم يرجعون (۷ : ۱۶۸) وان في ذلک لذکرى ' لمن کان له قلب ' او القي السمع ' وهو شهيد (۵۰ : ۳۷) [اور هم اچهي حالت اور بري حالت ' دونوں ميں مبتلا کرکے ازماتے هيں که شايد اپني بد اعماليوں سے باز آجائيں - بيشک اسميں بڑي نصيحت هے انکے لئے ' جو اپنے پهلوؤں ميں غور کرنے والا دل اور سروں ميں سننے والا کان رکهتے هيں]

مسلمانوں کے دل اگر مر نهيں گئے هيں تو اب تو هوش ميں آجائيں ' لارڈ کريو ' سر بٹلر ' اور اپنے ليڈروں پر بهت بهروسه کرچکے اب کچهه دنوں اپنے خدا پر بهي اعتماد کرکے اُسے آزماليں :

ومن يتوکل على الله فهو حسبه - [جس نے خدا پر بهروسه کيا ' اسکو خدا کا اعتماد بس کرتا هے]

[باقي ائنده]

مسلم یونیورسٹی

کے خواب کی تعبیر

گورنمنٹ کے صیغۂ تعلیم کے معذوری رائے

(۲)

گذشتہ تحریر میں هم نے سید [illegible] کی اسکیم کا جو اقتباس دیا ہے اس سے مقصد یہ [illegible] سوئی طور پر سر سید ایک ایسی درسگاہ قائم کرنا چاهتے [illegible] جسکا تعلیمی اثر اور نگرانی عام هو نہ کہ محدود ؛ اور یہی مقصد مجوزہ یونیورسٹی کے غیر مقامی هونے سے ہے -

اپنی پیش کردہ اس الزامی حجت کو کامیاب فرض کرکے (مسٹر بٹلر) زیادہ قیام کی یہاں ضرورت نہیں دیکھتے اور پھر فوراً غیر مقامی یونیورسٹی کے مضرات بیان کرنے پر جلد جلد پانچ دفعیں پیش کردیتے هیں :

" (۱) غیر مقامی هونے کی صورت میں یونیورسٹی کا قدیم سرکاری یونیورسٹیوں سے مقابلہ اور اغلب ہے کہ مناقشہ پیدا هوجاےگا

(۲) ضرور ہے کہ ایسی یونیورسٹی علی گڈہ کی ڈگریوں کے معیار کو پست کردےگی اور یہ آرزو غارت هوجاےگی کہ وہ ایک تعلیمی درسگاہ، اور ایک ایسا مرکز علم هو جہاں امتحانات تعلیم سے موخر هوں اور اساتذہ صرف طلبا کے محافظ هی نہیں بلکہ انکے ذهن کو ترقی دینے والے هوں -

(۳) ریزیڈنشیل طریقہ کی قدر و قیمت اُس روح سے عبارت ہے جو کالج کے اندر جاری و ساری هو جسکا اثر نسلاً بعد نسلاً طلبا میں منتقل هو اور جو تمام تر اسکی روایات پر مبنی هو ؛ لیکن علی گڈہ کی روایات بالکل مقامی هیں اور انکا انحصار زیادہ تر ذاتی تعلقات پر ہے -

(۴) اس صورت میں مجوزہ یونیورسٹی مختلف حصص هند کی نگرانی نہ کرسکے گی -

(۵) علاوہ ان عملی اعتراضات کے مناسب ہے کہ یونیورسٹی زمانۂ حال کی بہترین راے کے مطابق قائم هو - "

ان پانچ دلیلوں کو انریبل سر بٹلر نے اسدرجہ کافی سمجھہ لیا ہے کہ اسکے بعد وہ بالکل خاموش هوگئے - هم ضرور انکے تلاش استدلال اور جدید تعلیمی عہدے کے تجارب کی داد دیتے مگر افسوس ہے کہ اسکے لئے کوئی راہ سامنے نہیں پاتے - بیشک مسٹر بٹلر لکھنؤ میں (امین اباد) کو وسعت دیکر شہر کی خوبصورتی کو بڑھاسکتے هیں لیکن شاید همارے خواهشوں اور ارادوں کی خوبصورتی کو مٹاکر بدصورت بنانے پر قادر نہیں -

هم یہاں [illegible] اختصار کے ساتھہ بحث کرینگے - پہلی وجہ کی نسبت هم سمجھتے هیں کہ [illegible] سر بٹلر کو کسی سرکاری کاغذ کے ذریعہ تو نہیں بتلائی تھی کہ گورنمنٹ [illegible] صرف اپنی ڈگریوں کے پتلے بنانے والے کارخانوں کی عزت بچانے کیلئے هندی آدمی پیدا کرنے سے روانہ

چاهتی ہے تو اسکو اپنے (کالونیل آفس) کے تمام فیاضانہ اور سیر چشمانہ دعووں کو واپس لے لینا چاهئے اور کم از کم آیندہ کیلئے تو انسانی همدردی اور رعایا پرستی کے الفاظ اپنی تاریخ تغلب و فتوحات سے نکال دینے چاهئیں - پھر اگر اصولاً دیکھا جائے تو یہ کہنا بھی محض ایک ادعا هی ہے - اگر خود گورنمنٹ کی پانچ یونیورسٹیاں هندوستان میں بغیر باهمی تصادم اور تناقش کے زندہ رهسکتی هیں تو مجوزہ یونیورسٹی هر صوبے میں ایک محدود اثر کے کالج کو شامل رکھکر کیوں گورنمنٹ کے نظام تعلیمی کو درهم برهم کردے گی ؟ الہ آباد یونیورسٹی کے حلقہ اثر کے اندر آج بھی پنجاب یونیورسٹی کی مشرقی علوم کی ڈگریوں کا دخل ہے مگر کبھی کوئی مناقشہ همیں نہیں سنایا گیا - بہتر هوتا کہ اس دفعہ کی کسی قدر تشریح کردی جاتی - مناقشہ کا احتمال اسطرح ظاهر کردیا گیا ہے گویا اصول متعارفہ کی طرح ایک مسلم بات ہے اور اسلئے تفصیل کا محتاج نہیں - هم کو بتلانا چاهئے کہ مناقشے کی صورتیں کیا کیا هیں جنسے (لارڈ کریو) گھبرا رہے هیں ؟

دوسری وجہ کو پڑھکر نہیں سمجھہ سکتے کہ وہ هم کو هنسانا چاهتی ہے یا اسکی آرزومند ہے کہ گورنمنٹ کے صیغۂ تعلیم کی علمی بےبسی پر روئیں ؟ اگر صیغۂ تعلیم کا اعلی عہدہ دار اپنی کروڑوں رعایا کی متفقہ خواهش کی پامالی کے لئے اپنے توسنِ فضل و کمال کی اتنی هی جولانی کو کافی سمجھتا ہے تو هم کو رونا چاهئے کہ هماری تعلیم کا تاج و تخت کیسے لوگوں کے قبضے میں ہے - اس ادعاے محض کو هم کیا سمجھیں ؟ کیوں ضروری قرار دے لیا گیا ہے کہ اس صورت میں یونیورسٹی کی ڈگریوں کا معیار پست هی هوجاے گا ؟ پچاس برس تک گورنمنٹ کا صیغۂ تعلیم اپنی یونیورسٹیوں کا معیار تعلیم پست رکھکر اب هر تعلیمی شے کو پستی هی میں دیکھتا ہے - هم کہتے هیں کہ کچھہ ضروری نہیں - یہ هماری کب آرزو ہے کہ غیر مقامی هونے کی صورت میں هم اسے محض امتحان لینے والی جماعت بنادیں گے - هم تو وہ هیں کہ برسوں سے گورنمنٹ کی امتحان لینے والی یونیورسٹیوں کی تحقیر و تذلیل کرتے کرتے تھک گئے مگر گورنمنٹ ابتک اسمیں کوئی عملی تبدیلی کرنے کے لئے آمادہ نہیں - همارا تو مقصد اصلی یہی ہے کہ جس چیز کے کرنے سے گورنمنٹ آجتک عاجز رهی ہے اب خود اپنی همت سے اسے انجام دیں اور تعلیمی کھلونے بنانے کے کارخانے کی جگہ واقعی تعلیم و تربیت دینے والی ایک عمارت طیار کریں - البتہ ساتھہ هی خود گورنمنٹ هند کی قائم کردہ نظیر کی تقلید کرکے اسکا حلقۂ اثر محدود رکھنا نہیں چاهتے - وہ ایک پورے معنوں میں ریزیڈنشیل یونیورسٹی هوگی اور قیامی تعلیم کو همیشہ مقدم رکھےگی - لیکن اپنا نصاب تعلیم قومی کالجوں میں رائج کرےگی اور اسکی تعلیمی کونسل انکی تعلیم و تربیت کو اپنی نگرانی میں رکھے گی

تیسری دفعہ میں جو کچھہ کہا گیا ہے البتہ هم اسکے لئے نہ صرف آنریبل سر بٹلر بلکہ هر (مسیحی دماغ) کو معذور رکھنے کے لئے بخوشی طیار هیں - گو وہ بحیثیت ایک تعلیمی افسر هونے کے هم سے گفتگو کر رہے هیں، مگر هم کو تو اس دور مادیت میں بھی هر شے کی

واما ینزغنّك من الشیطان نزغ فاستعذ بالله انه سمیع علیم (۷ : ۱۹۸)

(اے پیغمبر) تیرے دل میں اگر انتقام اور بدله لینے کا ولوله پیدا هو تو خدا سے پناه مانگ، وه سننے والا اور جاننے والا هے -

ایک دوسرے موقعه پر احسان عام اور عاجزي و فروتني کو اس پیرایه میں فرمایا :

ولا تمش في الارض مرحا، انك لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا، کل ذلك کان سیئة عند ربك مکروها (۱۷ : ۴۰)

زمین پر اکڑ کے نه چلا کرو، اسطرح چلکر زمین کو پهاڑ تو سکتے نهیں اور نه تنکر چلنے سے پهاڑوں کي لنبائي کو پهنچ سکتے هو، یه تمام باتیں خدا کو ناپسند هیں -

سورۂ فرقان میں اپنے نیک بندوں اور سچے مومنوں کي جهاں خصلتیں گنائي هیں وهاں پهلا وصف یه کها:

وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض هونا واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما (۲۵ : ۶۵)

اور رحم کرنے والے خدا کے رحم طینت بندے وه هیں جو زمین پر نهایت فروتني کے ساتهه چلتے هیں اور جب جاهل انسے جهالت کي باتیں کرتے هیں تو سلام کرکے الگ هو جاتے هیں -

سورۂ شوری میں ایک ایسے هي موقعه پر مومن کا سب سے بڑا وصف یه قرار دیا هے که :

اذا ما غضبواهم یغفرون (۴۱ : ۳)

اور جب اُنکو غصه آجاتا هے تو خطاوں سے درگذر کرتے هیں -

اصطلاح قران میں (عزم امور) ایک انتهائي وصف هے جو انبیاے جلیل القدر کي مدح میں آیا هے لیکن عفو و صبر کرنے والے کیلئے بهي اسي کو استعمال کیا -

ولمن صبر وغفر، ان ذلك لمن عزم الامور (۴۲ : ۴۲)

اور جو صبر کرے اور خطاؤں کو بخشدے تو بے شک یه بڑے همت کے کام هیں -

احسان عام کي ان تعلیمات کا استقصا کیا جاے تو اسطرح کي بیسوں آیتیں اور ملیں گي -

یه تعلیم تو عام، اور گویا اصل اخلاقي کا حکم رکهتي هے، لیکن جب عوارض سے حالات متغیر هوجائیں، اور عفو و درگذر کي جو علت تهي (یعنی نفع خلائق اور عدم مضرت رساني) عفو و درگذر سے خود [illegible] مفقود هونے لگے تو اس حالت میں پهر به شرائط عدل و وسطیت، انتقام اور بدلے کي سختي کو جائز کردیا -

جزاء سیئة، سیئة مثلها (۴۲ : ۳۸)

برائي کا بدله ویسي هي برائي سے کرو-

[illegible] چلکر اسکو صاف کردیا :

[illegible] انتصر بعد ظلمه، [illegible] ولئك ما علیهم من [illegible] سبیل - انما السبیل علی الذین یظلمون الناس

اور اگر کسي پر ظلم هوا هو اور وه اُسکے بعد بدله لے تو ایسے لوگ معذور هیں انپر کوئي الزام نهیں الزام اُنهیں پر هے، جو لوگوں پر ظلم کرتے [illegible]

ویبغون علی الارض بغیر الحق (۴۲ : ۳۹)

بغیر کسي حق کے زیادتي کے ساتهه پیش آتے هیں-

دوسري مثال اس سے زیاده واضح هے -

عام حکم کفار و مخالفین کے ساتهه نرمي و رافت، عفو و درگذر اور بطریق احسن نصیحت و موعظت کا هے :

ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنه، وجادلهم بالتي هي احسن (۱۶ : ۱۲۷)

خدا کي راه کي طرف حکمت و وعظ کے ساتهه بلاؤ اور اگر بحث بهي کرو تو اسطرح که وه پسندیده طریقه هو-

دوسري جگه مخصوص طور پر یهود و نصاری کي نسبت کها :

ولا تجادلوا اهل الکتاب الا بالتي هي احسن (۲۹ : ۴۵)

اهل کتاب کے ساتهه بحث نه کرو مگر بطریق پسندیده -

لیکن پهر دوسرے موقعوں پر (جهاد في سبیل الله) کو ایک فرض دین قرار دیا اور سورتوں کي سورتیں اسکے احکام کي نسبت نازل فرمائیں :

وقاتلوا في سبیل الله الذین یقاتلونکم (۲ : ۱۸۷)

جو لوگ تم سے لڑیں تم بهي الله کي راه میں انسے قتال کرو -

اسي ایت کے بعد فرمایا :

فاقتلوهم حیث ثقفتموهم و اخرجوهم من حیث اخرجوکم (۲ : ۱۸۸)

انکو جهاں پاؤ قتل کرو، اور جهاںسے اُنهوں نے تمهیں نکالا هے، تم بهي انهیں نکال باهر کرو-

پهلے عام طور پر نرمي اور آشتي کا حکم دیا تها، لیکن قتل پر بهي بس نه کرکے اب شدید سے شدید سختي پر زور دیا حیث قال :

قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظة

اپنے آس پاس کے کافروں سے لڑو اور چاهئے که وه تم میں سختي پائیں -

دونوں تعلیموں میں اس درجه تباین و تباعد هے ؟ مگر در اصل دونوں کا منشا ایک هي هے - پهلا حکم احسان عام، محبت عمومي، اور اصل اخلاقي پر مبني تها، لیکن جب عوارض و لواحق سے حالات بدل گئے تو جسطرح پهلے انسانوں کي راحت اور جلب نفع کیلئے نرمي کا حکم دیا تها، اسي طرح اور اُسي مقصد سے یهاں سختي و قتل کا حکم دیا اور اس کي علت کو کهول کر بیان کر دیا که :

الفتنة اشد من القتل (۲ : ۱۸۷)

فساد خون ریزي سے بڑهکر برائي هے -

(۲)

وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة (۲ : ۱۸۹)

انکو قتل کرو یهاں تک که ملک میں فساد باقي نه رهے -

جسطرح قانون قتل کي برائي کو روکنے کیلئے خود قتل کي برائي کو مجبوراً اختیار کرتا هے اسي طرح قران نے فتنه و فساد سے ارض الهي کو پاک کرنے کیلئے تلوار سے مدد لینے تک کي اجازت دیدي هے -
بیشک نرمي اور نرم رفتاري کو خدا دوست رکهتا هے، لیکن سخت گیروں اور ظالموں کو سختي سے باز رکهنے کیلئے جب تک سختي نه کي جاے نرمي قائم نهیں هوسکتي - فتنه و فساد اسے پسند نهیں، مگر فتنه [illegible] ج بالمثل کرنا پڑتا هے -

مقالات

الامر بالمعروف والنهي عن المنكر

الحب في الله' والبغض في الله - الساكت عن الحق شيطان اخرس

كنتم خير امة اخرجت للناس' تأمرون بالمعروف وتنهون
عن المنكر وتؤمنون بالله - (۳ : ۱۰٦)

(۳)

عمل و اعتقاد

گذشته نمبر سے گو یہ متحقق هوگیا کہ اسلام نے امر بالمعروف اور نهي عن المنکر کو اپنے هر پیرو پر فرض کردیا هے' لیکن اصل بحث ابهي باقي هے - اِس تعلیم کو اصولاً و اعتقاداً کون نہیں مانتا ؟ لیکن اخلاق اور مذهب کي هر تعلیم میں یه یاد رکهنا چاهئے که اعتقاد اور عمل دو مختلف چیزیں هیں' جو اصول قابل عمل نہو' وہ کاغذ کے صفحوں پر کتنا هي دلفریب هو مگر انساني مصائب کیلئے کیا مفید هوسکتا هے ؟ دیکهنا یه هے که دنیا اس اصول پر عمل بهي کرسکتي هے یا نہیں ؟

" اسلام " یکسر عمل هے' مذهبي تاریخ میں جو انقلابات ذهن و اصول سے عمل کي جانب هوے هیں اور جنکي ابتدائي حالت کا مکمل نمونه (گوتم بُده) اور آخري صورت (مسیحي تحریک) تهي' اسلام اُسکے انقلاب آخري کا نام هے' جسکے بعد مذهب ایک خالص عملي قانون کي شکل میں مبدل هوگیا اور وہ تمام چیزیں نکل گئیں' جو اُسکي عملي طاقت کو مضرت پہنچاتي تهیں - پس اگر یه سچ هے که امر بالمعروف ایک اسلامي اصول هے تو یه بهي سچ هے که وہ محض ایک ذهني زندگي رکهنے والا اصول هي نہیں بلکه انسان کي عملي زندگي میں تبدیلي پیدا کرنے والا قانون هے -

حب و بغض اور عفو و انتقام

سب سے بڑي مشکل جو اس اصول کي عملي راه میں پیش آتي هے وہ اخلاقي تعلیمات کي دورنگي هے' ایک طرف عفو و درگذر اور محبت و عاجزي کي تعلیم هے' دوسري طرف نیکي و بدي کے احتساب کي سختي اور انتقام و عقوبت هے - خود قران کریم کي تعلیمات میں بهي یہي مشکل پیش آتي هے - ایک طرف عفو و نرمي اور حکمت و موعظة کا حکم هے' دوسري طرف سختي و انتقام اور تشدد و جبر کے احکام پر زور دیا گیا هے - یورپ کے مورخین جب تعصب و جہل [illegible] تاریکي میں اسلام کا مطالعه کرتے هیں تو اس اختلاف تعلیم کي [illegible] انهیں کچهه نظر نہیں آتا' پهر پریشان هوکر اس اختلاف کو ([illegible]) (مدني) زندگي کے اختلاف حالت کا نتیجه بتلاتے هیں که جب [illegible] اسلام بے بسي اور محتاجي کي حالت میں تها' نرمي اور عفو و درگذر کي تعلیم سے زندگي کا سہارا ڈهونڈهتا تها - لیکن مدینه میں آکر جب تلوار هاتهه آگئي تو پهر حکومت اور طاقت کي حالت میں عاجزي و مسکنت کي ضرورت نه تهي - لیکن : والله یعلم انهم لکاذبون -

عفو و انتقام کا اصل اصول

اس بحث کا یه موقعه نہیں' لیکن اسلام نے امر بالمعروف اور نهي عن المنکر کو جس اصول پر قائم کیا هے' وہ حسب ذیل هے :—

فقہا کا ایک عمده اصول هے که " اصل هر شے کي اباحت هے تا آنکه کوئي سبب حرمت پیدا نہو" انگور کا عرق في نفسه ایک مفید اور عمده شے هے' لیکن جب اسمیں نشه پیدا کردیا جاے اور نشه کي وجه سے انسان کے دماغ اور اخلاق کو نقصان اور اس نقصان کي وجه سے امن عامه میں خلل اور سوسایٹي کا هرج هو تو وہ پهر حرام قطعي هے -

بالکل اسي طرح اخلاق میں بهي اصلِ عمل (محبت) هے تا آنکه کوئي سبب لاحق هوکر (بغض) سے تبدیل نه کردے ' یعنے دنیا میں هر شے محبت کے زیر قانون هے اور کوئي نہیں جو محبت و پیار کا مستحق نہو' لیکن اس محبت کے اوپر بهي ایک قانون عام کي حکومت هے یعنے " نفع رساني اور حقوق العباد کي نگہداشت " پس اگر کوئي علت ایسي پیدا هوجاے جسکے سبب سے محبت کي صورت اپني محبوبیت کو مسخ کردے' تو پهر هر محبوب شے کو اپني نظروں میں مبغوض بنالو' اور جس قدر محبت کي راه میں محبت کا جوش رکهتے تهے' محبت هي کے خاطر بغض کي راه میں بغض کا جوش ظاهر کرو -

غور کرو' قانون دنیا میں کیا چاهتا هے ؟ محبت یعنے امن کو قائم کرنا' لیکن محبت کي خاطر عداوت' اور امن کي خاطر بد امني اسکو بهي کرني هي پڑتي هے - اسکي انتہائي آرزو یه هے که انسان کي زندگي کو مہلکات سے نجات دے' لیکن زندگي بخشنے کیلئے اُسے موت هي کے حربے سے کام لینا پڑتا هے - انسانوں کو پهانسي پر چڑهاکر مارتا هے اور کہتا که هے یه اسلئے هے تاکه انسان گلا گهونٹ کر نه مارے جائیں -

پارلیمنٹ اور جمہوریت' امن اور آزادي مانگتي هے' مگر امن کي خاطر اُسے شخصي حکومت میں بد امني پیدا کرني پڑتي هے اور آیندہ قتل روکدینے کیلئے بہتوں کو قتل کرنا پڑتا هے -

قران نے حب و بغض اور نرمي و سختي کے اصول کو اسي بنیاد پر قائم کیا هے' اسکي عام تعلیم یه هے :

خذ العفو و امر بالعرف　　خطاوں سے درگذر کر اچهي باتوں کا حکم دے
و اعرض عن الجاهلین　　اور جاهلوں سے کنارہ کش هوجا اور اگر

نقل محبت الهي اور " يحبهم ويحبونه " ...

يهي راز هے كه خدا نے تمام قوموں كو اپنے اپنے دور ميں اپني خلافت بخشي اور هر صالح جماعت كو اس وراثۂ الهي كا حقدار بنايا (ان الارض يرثها عبادى الصالحــون) مگر كسي كو اپني محبوبيت اور معشوقيت كا درجه عطا نهيں فرمايا - حضرت (داؤد) على نبينا و عليه السلام كي نسبت ضرور كها كه :

يا داؤد ! انا جعلنــاک خليفة في الارض (٣ : ٨٧) — اے داؤد ! هــم نے تمكو زمين پر اپني خلافت بخشي -

بني اسرائيل بهي مدتوں اسپر سرافراز رهے ' ليكن انكي نسبت يه كهيں نهيں كها كه وه خدا كے دوست اور محبوب بنائے گئے تهے - يه اس امت مرحومه كي مزيتِ خصوصي تهي كه :

فسوف ياتــي الله بقــوم يحبهم ويحبونه (٥ : ٥٩) — عنقريب الله ايک ايسا گروه پيدا كريگا جنكو وه اپنا محبوب بنائے گا اور وه خدا كو محبوب ركهيں گے -

ليكن اس جماعت كي علامت يه بتلائي كه :

اذلة على المومنيــن ' اعزة على الكافــرين يجاهدون في سبيل الله ولا يخافــون لومــة لائــم (٥ : ٩) — مومنوں كے ساتهه نرم ' مگر كافروں كے ساتهه سخت ' الله كي راه ميں اپني جانيں لڑاديں گے اور كسي ملامت كرنے والے كي ملامت سے خوف نه كهائيں گے -

يه مختصر آيت اس مشكل كا پورا حل هے - مومن محبوب الهي هے - كيونكه ايمان بالله سے بڑهكر محبت الهي كيلئے اور كونسي شے جالب هو سكتي هے ؟ ليكن خدا نے اپني محبت كے ساتهه طرف مقابل كي محبت كا بهي ذكر كيا كه " ميں انهيں چاهتا هوں اور وه مجهے چاهتے هيں " (يحبهم ويحبونه) اور يهاں ارباب ذوق كيلئے ايک نكتۂ عجيب هے - حضــرت (يوسف) كے حالات ميں يكسر عشق و محبت هي كا افسانه هے ' مگر وه محبت محض يک طرفه تهي ' " يحبهــم ويحبــونهم " كي طرح دونوں طرف سے نه تهي - صرف زليخا هي كي نسبت فرمايا كه :

قد شغفهــا حبه (١٢ : ١٣) — يوسف كا عشق اسكے دل ميں جگه پكڑگيا هے

اسي كا نتيجه تها كه زليخا جو كچهه كرتي تهي ' اپنے نفس كي خاطر كرتي تهي ' يوسف كي رضا جوئي مطلوب نه تهي - جب عزيز مصر پر اصليت منكشف هوگئي تو ذلت و رسوائي سے بچنے كيلئے باوجود كمال استيلاے محبت و شغف خود هي يه صلاح دي كه :

ما جزاء من اراد باهلك سوءً ؟ الا ان يسجــن او عذاب اليــم (١٢ : ٢) — جو شخص تيري بيوي كے ساتهه بدكاري كا اراده كرے اسكي يهي سزا هے كه قيد كياجاے يا سخت عذاب ميں گرفتار هو -

ليكن عشق و خود پرستي دونوں ايک دل ميں جمع نهيں هوسكتے عشق كي تعريف يه هے كه " اولها قتل و آخرها حرق " [اسكي ابتدا قتل نفس هے اور انتها تمام خواهشوں اور هوا و هوس كا فنا] يهاں سب سے بڑي معصيت اپنے وجود كا حس اور اثبات هے :

وجودک ذنب لا يقاس به ذنب

محبت كا اصلي مقام وه هے جهاں پهنچكر نفس اپنے كو فنا كرديتا هے اور پهر دست محبوب ميں محض ايک آله بے روح بنكر رهجاتا هے - اسكا دل اسكے پهلو ميں نهيں هوتا ' بلكه محبوب كي انگليوں ميں " يقلبها كيف يشاء " (جس طرف چاهتا هے پهرا ديتا هے) محبت كا استغراق خود اسكو محبوب كے صفات و خصائل كا ايک دوسرا پيكر بنا ديتا هے - وه ديكهتا هے تو اسي كي نظر سے ' اور سنتا هے تو اسي كے كانوں سے - خود اسكي كوئي خواهش اور كوئي مرضي باقي نهيں رهتي - محبوب كي خواهش اسكي خواهش ' اور محبوب كي مرضي اسكي مرضي بن جاتي هے - (زليخا) كو ابهي يه درجه حاصل نهيں هوا تهــا ورنه اپني ذلت و رسوائي كے خوف سے (يوسف) كو باره برس تک قيد خانے ميں نه ديكهتي ' البته جب اس راه ميں ترقي كرگئي تو پهر ننگ و ناموس نفس كي زنجيريں خود بخود ٹوٹ گئيں اور پكار پكار كر كهنے لگي :

ما ابرى نفسي ان النفس الامارة بالسوء (١٢ : ٥٣) — اپنے نفس كو الزام سے نهيں بچاتي بيشک ميرا نفس برائي پر آماده كرنے والا هے

خدا نے اپنے مومن بندوں كو صرف اپنا هي محبوب نه كها كه يه تو صرف زليخائي هوتي ' بلكه يحبهم ويحبونهم فرمايا كه ميں اگر انكو دوست ركهتا هوں تو وه بهي مجهكو محبوب ركهتے هيں - اس تعلق محبت كو محب و محبوبي اور عشق و معشوقي ' دونوں سے مركب بنايا ' تاكه مقام ايمان كي اصلي علامت اور خصوصيت ظاهر هوجائے ' اور ايمان بالله في الحقيقت الله كي محبت هي كا نام هے :

والذين آمنــوا ' اشــد حبــاً لله (٢ : ٨٨) — اور جو لوگ ايمان لائے هيں انكي خدا سے نهايت درجه محبت هے -

محبت كي شرط اولين فنا في المحبوب هے ' اسلئے مومن مخلص بهي وهي هے جو اپني تمام خواهشوں اور قوتوں كو بهولكر صرف خدا كي مرضي اور ارادے پر اپنے تئيں چهوڑدے - خدا كي مرضي اسكي مرضي ' اور خدا كي خوشي اسكي خوشي هو - يهي معني خلافت الهي كے هيں كه وه دنيا ميں الله كي صفات كامله كا مظهر ' اور اسائے اسكا جانشين هے -

الحب في الله والبغــض في الله

پس جب مقام ايمان محبت الهي ' اور محبت بغير حصول فنا في المحبوب محال ' تو يهيں سے امر بالمعروف اور نهي عن المنكر كا فرض بے نقاب هوجاتا هے - (مومن) كي تعريف يه هے كه خود اسكي نه كسي كے ساتهه دوستي هو اور نه دشمني ' نه كسي كي مدح كرے ' اور نه مذمت ' بلكه وه دست الهي ميں ايک بيجان آله بنكر اپني محبت اور دشمني كو راه محبوب كيلئے وقف كردے - جو خدا كے دوست هيں ' وه اسكے دوست هوں ؛ اور جو اسكے دشمن هيں ' وه اسكے دشمن هوں ؛ اسي كي راه ميں دوستي ' اور اسي كي راه ميں دشمني ؛ الحــب في الله والبغــض في الله - خدا نيكي اور اعمال حسنه سے خوش هوتا هے ' پس يه بهي جهاں كهيں نيكي كو ديكهے ' اپنــا سر جهكادے - وه بدي اور بد اعمالي پر غضبناک هوتا هے (لا يرضى بعباده الكفر) پس اسكو بهي جهاں كهيں بدي نظر آے ' صفات الهي كي چادر اوڑهكر قهر مجسم بن جاے -

ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا (۲۲ : ۴۲)

اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے کے هاتهه سے نه هٹواتا رهتا تو تمام صومعے اور گرجے اور تمام عبادتگاهیں اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا هے ' کبهی کے منهدم هوگئی هوتیں -

یعنی مقصد الهی شفقت و رحمت و احسان عام هے لیکن جب ایک گروه اپنی زمین کو فتنه و فساد سے آلوده کرتا هے ' بغیر کسی جرم و قصور کے محض عبادت الهی کی وجه سے اسکے نیک بندوں پر ظلم و سختی کرتا هے ' گهروں سے نکالتا هے ' الله کی عبادتگاه میں جانے سے روکتا هے ' پهر وه جب اپنا گهر بار چهوڑ کر ' وطن سے بے وطن هوکر ' ایک دوسرے شهر میں پناه لیتے هیں تو وهاں بهی انکو چین سے بیٹهنے نهیں دیتا ؟ تو ان حالتوں میں مجبور هوکر پیغمبر کو فتنه روکنے ' مظلوموں کو بچانے ' شعائر الهی کی حفاظت اور حرمت کو قائم رکهنے ' اور رافت و رحمت سے دنیا کی محرومی کو مٹانے کیلئے سختی سے کام لینا پڑتا هے اور تلوار کو کاٹنے کیلئے تلوار بلند کی جاتی هے -

وكذلك جعلناكم امة وسطا

اس موقعه پر پچهلے نمبر کے اس شذرے پر ایک نظر ڈال لینی چاهئے ' جسمیں " امة وسطا " پر بحث کی گئی هے - خدا تعالی نے مسلمانوں کو اپنی خلافت اور نیابت بخشی تهی پس ضرور تها که وه بهی صفات الهی سے متصف ' اور متخلق باخلاق الهی هوں - خدا رحیم اور محبت کرنے والا هے ' پس حکم دیا گیا که " ارحموا علی الارض یرحمکم من فی السماء " - زمین پر رحم کرو تاکه وه جو آسمان پر هے تم پر رحم کرے - لیکن رحیم هونے کے ساتهه وه عادل بهی هے ' پس رحم و محبت میں بهی عدل اور وسط کا هونا ناگزیر تها - اس بنا پر تعلیم دی گئی که جب افراط و تفریط حد سے بڑهجائے تو افراط کو روکنے کے لئے تم بهی افراط کرو - صفرا بڑهگیا هے تو تم بهی بهت زیاده ترشی کهلادو - تم پر تلوار اٹهائی گئی هے تو اسے تلوار هی سے کاٹو - تم ذلیل کئے گئے هو تو تم بهی ذلیل هی کرو تاکه تسویه و اعتدال پیدا هو - یه سب کچهه عین رحم و محبت هے - نه که سختی و جبر - ڈاکٹر مریض کے عزیز سے کم مریض پر مهربان نهیں ' اسکے تلوے میں کانٹا چبهکر چبهن پیدا کرتا هے ' لیکن اس چبهن کے دور کرنے کیلئے نشتر کی نوک کی چبهن هی سے کام لینا پڑیگا -

لقد ارسلنا رسلنا بالبينات وانزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم الناس بالقسط وانزلنا الحديد فيه باس شديد ومنافع للناس (۵۷ : ۲۵)

هم نے اپنے رسولوں کو کهلی کهلی نشانیوں کے ساتهه مبعوث کیا اور انکے ساتهه کتاب اور ترازو بهیجا تاکه لوگ عدل و انصاف پر قائم هوں اور لوها پیدا کیا (جو هتهیاروں کی شکل میں) سخت خطرناک بهی هے اور ساتهه هی بهت سی منفعتیں بهی انسانوں کیلئے اپنے اندر رکهتا هے -

اس آیت میں قران نے پوری تشریح کے ساتهه نظام عالم کے قوانین اساسی کو بیان کردیا هے - خدا هدایت و اصلاح کیلئے انبیا کو بهیجتا هے اور انکو میزان (قیام عدل کی نافذانه قوت) دیتا هے ' تاکه دنیا میں الله کے عدل کو قائم کردیں ' لیکن چونکه اسکے لئے اکثر اوقات قهر و عقوبت کی ضرورت تهی ' اسلئے انکو عدل قائم کرنے کیلئے جنگ و قتال کی بهی اجازت دی ' اور لوها پیدا کیا جو طرح طرح هتیاروں کی اشکال اختیار کرتا هے پس وه مضر بهی هے اور مفید بهی -

تشبه بالاله و تخلق باخلاق الله

پس امر بالمعروف اور نهی عن المنکر بهی صفات الهیه میں سے ایک صفت هے - اسلام انسان کے آگے ایک ارتقاے روحانی کی راه کهولتا هے جو گو عبدیت کے مقام تذلل و تکسر سے شروع هوتی هے مگر اسکا انتهائی نقطه تشبه بالاله (یعنی خدا کی صفات سے مشابهت پیدا کرنے کا مقام) هے - اور اسی طرف اس مشهور حدیث میں اشاره کیا گیا هے که : تخلقوا باخلاق الله (خدا کا اخلاق اپنے اندر پیدا کرو) پس ضرور تها که جس ملت کو خدا نے دنیا میں اپنی نیابت اور خلافت بخشی تهی وه بهی اس صفت الهی سے متصف هوتی - خدا طاعت و عبادت سے (یعنی هر ایسے کام سے جو قواے فطریه کا صحیح استعمال هو) خوش هوتا هے ' پس ایک انسان مومن کو بهی خوش هونا چاهئے - خدا کفر و ضلالت اور بد اعمالی سے (یعنی ان تمام کاموں سے جو قوائے فطریه کا اسراف وتبذیر هوں) ناخوش هوتا هے اور اپنی نارضامندی کا اظهار کرتا هے ' پس مومن و مسلم کو بهی ناخوش هونا چاهئے اور اپنی نارضامندی کا اعلان کرنا چاهئے - هم نے پچهلے نمبر میں (اسراف) اور (تبذیر) کی حقیقت سے بحث کی تهی - خدا عادل هے ' اور رحم و محبت ' نرمی و آشتی میں بهی اسراف وتبذیر پسند نهیں کرتا - اگر (بائبل) کا (ابن الله) رحم محض کا مجسمه هے اور عدل کے ترازو کو هاتهه میں لینا نهیں چاهتا تو نه لے ' مگر چهوے بغیر تو اُسے بهی چاره نهیں - اُسنے تمام انسانی جرائم و معاصی کو شان محبت کے جوش میں معاف کردینا چاها لیکن پهر بهی بدی کو قابل عقوبت ثابت کرنے کیلئے تمام ابن آدم کو نسهی ' مگر اپنے عزیز بیٹے کو تو تین دن تک لعنت میں گرفتار رکهکر خونی مجرم کی طرح سولی پر چڑهانا هی پڑا -

یه ناگزیر هے ' دنیا کیلئے محبت کی صورت موهنی ' هو مگر افسوس که سودمند نهیں - عدل کی پیشانی پر اگرچه خوشنمائی کی بلندی کی جگه سختی و خشونت کی لکیریں هیں ' لیکن دنیا کا تمام نظام صرف اُسی کے دم سے هے - پس خدا نے اپنی ملت کو بهی اپنے صفات کی دعوت دی اور اپنی شان عدل کی طرح اسکو بهی (امة وسطاً) قرار دیا تاکه وه اُسکی زمین پر ایک عادلانه خلافت هو اور اسکی طرح کسی جذبے میں نه تو اسراف کرے (یعنی رحم کے موقعه پر رحم کو ' اور سختی کے موقعه پر سختی کو اسکی ضرورت سے زیاده خرچ کرنا) اور نه تبذیر کا طریقه اختیار کرے (یعنی رحم کی جگه قهر - اور قهر کی جگه رحم) -

زموزنِ نوحۂ طرابلس

شیخ المجاہدین ، محبوب الاسلام و المسلمین

البطل العظیم غازي انور بک

متع اللہ الاسلام و المسلمین بحفظ وجودہ و طول حیاتہ

(۵)

طرابلس کي ایک لیلۃ الشہدا

— * —

اس ایک ھي آسمان کے نیچے ایک ھي وقت میں کیسے کیسے مختلف اور متضاد تماشے ہوتے ہیں ! اگر ہماري طرح آسمان بھي دیکھتا ہوگا تو اسکے سامنے کیسے عجیب اور مدھش منظر ہونگے ! ایک وقت میں نشاط و شادماني کا ھنگامہ بپا ھے ، دوسري طرف حسرت و نامرادي کے ماتم سے دنیا کو فرصت نہیں - بہت ممکن ھے کہ جس وقت دنیـــا کے ایک حصے میں پھولوں کي سیج پر خواب نوشیں کے لذت یاب کروٹیں بدل رھے ھوں ، عین اسی وقت کسي دوسرے حصے میں گرم بالو اور تیز کانٹوں پر خون چکاں لاشیں تڑپ تڑپ کر ٹھنڈي ھو رھي ھوں !

لیکن لذت و عیش کے پرستـــاروں کو قتیـــلان حسرت و یاس کا افســـانہ سننے کي مہلت کہاں ؟ اگر غم کے ماتم کدوں میں آگ لگ گئي ھے تو عیش کے عشـــرت کدوں میں گلاب کا چھڑکاؤ کیوں روکدیا جاے ؟ دنیا کے کارخانے ھمیشہ غفلت کي کل سے چلے ھیں اور چلتے رھیں گے -

زخار خار محبت دل ترا چہ خبر ؟
کہ گل بجیب نہ گنجد قبائے تنگ ترا

* * *

لیکن اگر حفظ وطن ، جہاد في سبیل اللہ ، جوش ملي ، اور وطن پرستي کا خون کچھہ بھي قیمت رکھتا ھے تو کون کہہ سکتـــا ھے کہ (سرزمین طرابلس) کي قیمت کیا ہوگي ؟

۲۴ - اکتوبر کا آفتاب جبکہ مسیحي وحشـــت و درندگي کي خوں ریزیوں کو دن بھر دیکھکر ، ساحل طرابلس پر کانپتا ہوا پہنچا ، تو اسکے سامنے اب ظلم و مظلومي ، قتل و مقتولي ، قہقۂ وحشت اور آہ مایوسي کي جگہہ ، صرف ایک ھي قسم کا منظر باقي رھگیا تھا - موت و حیات کي بقیـــہ کشمکش ، روح و جسـم کي مفارقت کا آخري اضطراب ، انساني احتضـــار کي تڑپ اور بیقراري ، گرم گرم خون کے فواروںکا جوش و خروش ، زخموں کي کنکریوں اور کانٹـــوں پر سملاھت ، ایڑیوں کي جانکني کي بے چیني میں پیھـــم پٹـــک ، زندگي کي دنیا پر الوداعي نظر ، اور موت کي اس چھائي ہوئي خاموشي میں گاہ گاہ اُٹھنے والي درد کي چیخیں ، اور بند آنکھـــوں سے بہنے والے چند قطرہ ھاے اشک ؛ بس یہي منظر تھا جو اس سرزمین کے تماشائي کیلئے باقي رھگیا تھا -

* * *

کشتگان ظلم و ستم کي برھنہ لاشوں کي تجہیز و تکفین کیلئے جب کوئي ھاتھہ نہ بڑھا تو رات کي تاریکي نے چادر ظلمـــت ڈالدي - جبکہ دنیا کي کبھي بند نہونے والي حرکت کي نبض ، طرابلس کي لاشوں کي طرح بالکل خاموش تھي ، اور اسکا سرد دل ریت پر جمے ھوے خون کے لوتھڑوں کي طرح منجمد ہوگیا تھا ؛ کھجور کے درختوں کے جھنڈ اور منہدم مکانوں کے ٹیلوں پر سے چاند کي مدھم روشني نے سر نکالا - آہ ! یہي چاند اس وقت کسي نشاط سراے عیش و عشرت کے صحن میں اپني دھیمي دھیمي کرنوں کے اندر کیسا شگفتہ اور راحت بخش ہوگا ؟ مگر یہاں ، اس صحراے وحشت ، اس ماتمکدۂ انسانیت ، اس شہادت زار خون بار ، اور اس خوابگاہ اجساد اموات میں اسکي خاموش روشني کیسي غمگین اور الم ناک ھے !

* * *

یکایک اندرون صحرا کي طرف سے چاند کي بھیانک روشني میں ، ایک سیاہ قد نمودار ھوا - اس مدینۂ اموات میں یہ ایک تنہا متحرک جسم تھا - وہ ایک اونٹھني پر سوار تھا جو اسکي طرح بالکل چپ تھي - اس نے آگے بڑھنا چاھا مگر لاشوں کے ڈھیر کو رحم دل اونٹھني اپنے گھٹنوں سے ٹھکرا دینے پر راضي نہ ہوئي - وہ نہایت آھستگي سے اُتر کر خون انساني کے اس سمندر کے کنارے کھڑا ہوگیا - یہ اُسکے لبوں کے ھلنے کي آواز ھے یا دل کے دھڑکن کي ؟ مگر جس عالم میں وہ کھڑا ھے ، یہاں لبوں کي حرکت اور دل کي دھڑکن ، گویائي میں دونوں برابر ھیں ، بلکہ عجب نہیں کہ لبوں سے نکلي ہوئي آواز کو سننے والا اب یہاں کوئي نہو ، مگر دل کي صدا کو ھر لب زخم سا خوں کے آنسوؤں سے جواب دیدے - :

وہ کچھہ عرصے تک ایک غیر متحرک سـنگین بت کي طرح خاموش کھڑا رھا ، پھر اُس نے گردن اُٹھائي ، پہلے اپنے سامنے کے منظر خونین پر نظر ڈالي اور چاند کو دیکھکر بولا -

" آہ ! زندگي کے عیش و نشاط پر چمکنے والے چاند ! تجکو آج بھي اس فضائے خونین پر آنکلنے کي مہلت ملگئي - انساني غفلت کے لعنت کدوں کو روشن کرنے کے بعد تجکو فرصت ملگئي کہ یہاں کي متبرک وحشت کو بھي جھانک کر دیکھہ لے ! لیکن تو جو ظالموں کے سروں پر بھي چمکتـــا ھیں ، اور انساني سبعیت و درندگي کے چہروں کو بھي اپني کرنوں سے نمایاں کردیتا ھین ، کیا حق رکھتا ھیں کہ ان مقدس لاشوں پر اپني ملوث روشني ڈالیں ؟ تیرے لئے انساني فسق و معصیت کے پوشیدہ دریچے کافي نہیں ھیں کہ انساني شرف

اذلة على المومنين ' اعزة على الكافرين - نيکي کے سامنے جسقدر عاجز هو اتنا هي بدي کے آگے مغرور و سخت هو -

کیا نہیں دیکھتے کہ خدا تعالی نے جہاں امر بالمعروف کا ذکر کیا ہے وہاں ساتھہ هي ایمان باللہ کا بھي نام لیا ہے :

کنتم خیر امة اخرجت للناس ' تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتومنون باللہ تم تمام امتوں میں بہتر امت هو کہ نیک کاموں کا حکم دیتے هو اور برائي سے روکتے هو اور اللہ پر ایمان رکھتے هو -

یہ اسلئے کہا کہ امر بالمعروف کا فرض بغیر کامل ایمان باللہ کے ادا نہیں هو سکتا - ایک انسان جو هواے نفس میں گرفتار هے ' درهم و دنانیر کو پوجتا ہے ' لذت نفس اور عیش دنیوي کو اپنا قبلہ بنا لیا ہے ' اور دنیوي رسوخ و عزت کو اپنا معبود سمجھتا ہے ؛ ممکن نہیں کہ اپنے اندر نیکي کے حکم ' اور بدي کي روک کی طاقت پاسکے - وہ مشرک ہے - گو زبان سے دعوئ ایمان کرتا هو مگر ایمان کي حلاوت اسکو کبھي چکھنا بھي نصیب نہیں هوئي :

وما یومن اکثرهم باللہ الا وهم مشرکون (۱۰۶ : ۱۲) اور ان میں سے اکثر ایسے هیں کہ گو ایمان کا دعوا کرتے هیں مگر فی الحقیقت مبتلاے شرک هیں -

عبادت اور بندگي کے معنی کسي مجسم بت کو پوجنا هي نہیں ہے بلکہ هر وہ شے جسکے لینے کا حق صرف خدا هي کو تھا ' اگر اُسکے سوا کسي دوسري هستي کو دیدي جاے ' تو یہ بھي شرک ہے (مگر اسکي تشریح کا یہ موقعہ نہیں -)

خدا نے سب کچھہ انسان کیلئے ' مگر انسان کو اپنے لئے بنایا - پس ایمان باللہ کے یہ معنی هیں کہ انسان سب کچھہ اوروں کو دیدے مگر خود اپنے تئیں خدا کے سوا اور کسي کو نہ دے - اگر وہ اپني خواهش اور مرضي کو اُسکي خواهش اور مرضي پر مقدم رکھتا ہے تو وہ دعوئ ایمان میں سچا نہیں -

هجوم خیالات سے سلسلۂ سخن بار بار ٹوٹتا ہے اور پھر چند قدم چلکر واپس هونا پڑتا ہے - حاصل سخن یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہي عن المنکر وهي کرسکتا ہے جو ایمان باللہ میں راسخ و مستقیم هو اور یہ جب هو سکتا ہے کہ محبت الہي کي راہ میں مستقیم هوکر سب کو خدا کیلئے اختیار کرے اور سب کو خدا کیلئے چھوڑدے - خود اسکي کوئي ذاتي محبت اور ذاتي عداوت نہو - نہ اپني غرض کیلئے دوست بنے اور نہ اپني غرض کیلئے دشمن - وہ هر شے کو خدا کي آنکھہ سے پیار کرے اور اُسي کي آنکھہ سے دشمن دیکھے - اسکا کوئي وجود ' اسکي کوئي زندگي ' اسکي کوئي صدا نہو ' جب چلے تو خدا کے پاؤں سے چلے ' اور جب سنے تو خدا کے کان سے سنے ' اور جب بولے تو خدا کي آواز اسکے گلے سے نکلے - ولنعم ما قیل في هذ المقام :

من بجانان زندہ ام وز جان نیم
من ز جان بگذشتہ ام و جانا نیم
چشم و گوش و دست و پایم او گرفت
من بدر رفتم ' سرایم او گرفت

این بصر وین سمع ' چون آلات اوست
بلک ذرات تنم مرآت اوست
نغمہ از نائیست ' نے از نے ؛ بدان
مستي از ساقیست ' نے از مے ؛ بدان
چون مرا دیدي ' خدا را دیدہ
گرد کعبہ صدق بر گردیدہ
گفتن من گفتن اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود
ما چو مست از دیدن ساقي شدیم
مست گشتیم ' از فنا باقي شدیم

یہ (عارف رومي) کي مستانہ نغمہ پردازیاں هي نہیں هیں ' بلکہ عین ترجمہ ہے اُس مشہور حدیث قدسي کا ' جسکو (امام بخاري) کتاب التواضع میں لاے هیں کہ :

لا یزال عبدي یتقرب الي بالنوافل حتی احببتہ ' فاذا احببتہ ' کنت سمعہ الذي یسمع بہ ' و بصرہ الذي یبصر بہ ' و یدہ التي یبطش بہا ' و رجلہ التي یمشي بہا ' ولسانہ الذي یتکلم بہ ' ولئن سألني لاعطینہ ' ولئن استعاذني ؛ لاعیذنہ

جب میرا کوئي بندہ بذریعہ نوافل کے مجھسے قریب هوتا ہے تو اُسکو اپنا محبوب بنالیتا هوں ' پس جب وہ محبوب بنگیا ' تو میں اُسکا کان هوجاتا هوں ' میرے کان سے سنتا ہے ' اور اُسکي آنکھہ هوجاتا هوں میري آنکھہ سے دیکھتا ہے ' اور اسکا پانوں هوجاتا هوں ' میرے پانوں سے چلتا ہے ' اور اُسکي زبان هوجاتا هوں ' میري زبان سے بولتا ہے - وہ جو مانگتا ہے ' عطا کرتا هوں ' اور جب پناہ مانگتا ہے پناہ دیتا هوں -

" یحبهم ویحبونہ " کا یہي مقام ہے اور یہیں پہنچکر (پیر هرات) اپني فریاد ضبط نہ کرسکا اور مضطربانہ چیخ اُٹھا کہ " خدایا این چہ بوالعجبي ست کہ با دوستان خود میکني ؟ تا وقتیکہ ترا مي جستیم ' خود را یافتیم ' اکنون خود را مي جوئیم ' ترا مي یابیم "

صحابہ کي جماعت نے ایک درخت کے نیچے بیٹھکر محمد ابن عبد اللہ کے هاتھہ پر بیعت کي تھي مگر ارشاد الہي هوا کہ وہ هاتھہ عبد اللہ کا نہ تھا بلکہ خود اللہ کا تھا : ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ' ید اللہ فوق ایدیهم - (۴۸ : ۱۱) و ما رمیت اذ رمیت ' ولکن اللہ رمی (۸ : ۱۸)

و وراء ذاک ' فلا اقول ' لانني
سر ' لسان النطق عنہ اخرس

ناظرین اگر طول سخن سے گھبرا نہ جائیں تو ابھي ایک نمبر اس موضوع پر اور باقي ہے -

این زمان بود حکایت دراز تر گفتم
چنانکہ حرف عصا گفت موسی اندر طور

کرکے آزر آگے بڑھ آیا ھے اور منظر زیادہ صاف ھے سامنے خون و میت کا ایک سمندر سکون و سکوت میں تھا - اسنے پھر ایک مرتبہ جھک کر سامنے کی لاش پر بوسہ دیا اور کہا :

" اے کبریاے منتقم و قہار کی نگران آنکھیں ! اے ملائکہ سماوات کی بے شمار جماعتو ! اور پھر اے خون کے سمندر ' اور لاشوں کے صحرا ! تم گواہ رھنا کہ میں اپنے تئیں خدا کے ھاتھ سپرد کردیتا ھوں - ایک لمحے ' ایک دقیقے ' ایک چشم زدن کیلئے بھی الگ نہیں - وہ مجکو اپنی غیبی تلوار بنائے ' اور پھر بیکار نہ رکھے - یہ خون کب تک بے آواز بہتا رھے گا ؟ کب تک خدا کے دشمنوں کی لعنت سے وطن مقدس کی سر زمین ناپاک رھے گی ؟ میں ایک بے سروسامان مسافر ھوں ' اور دشمن کی فوجوں کے غول بحر وبر پر قابض ' مگر اے خدا ! تیری جنود مخفی کہاں ھے ؟ "

یہ کہکر اس نے اپنے گرم آنسوؤں کے چند قطرے اُس سرد لاش پر ڈالے اور پھر یکایک پیچھے [illegible]ی خاموش اونٹھنی پر سوار ھوا اور صحرا میں غائب ھوگیا -

* * *

یہ صحراے لیبیا کے امن و قتال کا تاجدار ' (انور بک) تھا

عالم اسلامی

مراقش

— * —

مصر انگلستان کیلئے ' مراکش فرانس کیلئے ' طرابلس اٹلی کیلئے ' ربت یونان کیلئے ' مقدونیا ریاست ھاے بلقان کیلئے ؛ اور باقی جو کچھہ رھجاے وہ آھستہ آھستہ تحلیل و تفرید کے بعد آسرو غلامی اور متعباد و محکومی کیلئے - یہ اسلام کی قسمت کا فیصلہ ھے جو یورپ کے دار العدل نے صادر کردیا ھے ' اور اسکے مرافعے کیلئے کوئی دروازہ نہیں : و لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا -

مراکش عربی حکومت کا افریقہ میں ایک آخری نقش قدم تھا جو مٹ گیا - شاید کچھہ دنوں [illegible] کی سی حالت باقی رھتی مگر (مولائی حفیظ) ملک کا آخری سودا کرکے اب مکہ جاتا ھے کہ خدا کے گھر سے اسکا صلہ حاصل کرے ' البتہ ملک میں ایک تازہ شورش پیدا ھوگئی ھے ' (الھبا) کے گرد قبائل کا اجتماع روز بروز بڑھتا جاتا ھے ' (مولای یوسف) کو فرانس نے تخت مراکش کی زینت کیلئے نوکر رکھا تھا مگر نکال باھر کردیا گیا ' اس سے امید ھوتی ھے کہ شاید فرانس کو اب مراکش کیلئے کوی نیا بیعنامہ لکھوانا پڑے - اس ھفتے جسقدر خبریں آئی ھیں سب کی سب اس خیال کو قوی کرتی ھیں - جنوبی مراکو پر (الھبا) کے تسلط سے رباط میں اداسی چھاگئی تھی مگر اب ۲۲ کی تار برقی سے معلوم ھوتا ھے کہ ۱۸ - کو فتحیابی کے ساتھہ فاس میں داخل ھوکر

اُس نے فرانسیسی سفارت خانے اور فرانسیسی معلم افسروں کا محاصرہ کرلیا ھے نیز مراکش میں عام طور پر اسکے سلطان ھونے کا اعلان کردیا گیا - جو یورپین باشندے شورش سے خائف ھوکر بھاگے تھے مقام صفی پر روکے گئے اور فدیہ دینے پر مجبور کئے گئے ' لندن ٹائمس کے ایک تار کے بموجب اس وقت فاس سے ۷۵ میل کے فاصلے پر کرنل مینگن چار ھزار آدمیوں کے ساتھہ شہر میں ھنگامہ مچادینے کی طیاری کررھا ھے -

فرانسیسی درندوںکا کشت وخون اور مسیحی لعنت کا نزول ' فاس (مراکش) کے دروازے پر

شوون عثمانیہ

گو ریوٹر ترکی کی موجودہ مشکلات کو جس لہجے میں بیان کرتا ھے وہ اسکی خبر رسانی کے ضروری اجزا ' کذب و مبالغہ سے خالی نہیں ' مگر اسمیں شک نہیں کہ نئی ترکی اپنی زندگی کے ایک نئے بحران میں پھر مبتلا ھوگئی ھے -

اٹلی طرابلس کے ساحل پر ناکام رھی ھو مگر اسمیں شک نہیں کہ (مانٹی نگرو) سے کچھہ دیر کیلئے کام نکال لینے میں تو ضرور کامیاب ھوگئی ' یہ تمام تدبیریں صرف اسلئے ھیں کہ کسی طرح ترکی کو صلح کرلینے پر مجبور کیا جاے - اس وقت تک جو حالات روشنی میں آئے ھیں انسے معلوم ھوتا ھے کہ کئی ماہ سے برابر مانٹی نگرو اپنے کاموں میں سرگرم تھی ' اب ترکی علاقے میں علانیہ اُس نے اسلحہ تقسیم کئے مگر اس سے پہلے پوشیدہ کررھی تھی -

ترکی علاقہ بریذی میں عیسائیوں کی بغاوت کی خبر حالات کو زیادہ مخدوش ثابت کرتی ھے - (کوچنہ) کا حادثہ جسکی خبر پچھلے نمبر میں درج ھوچکی ھے بلغاریا اور اسٹریا کیلئے ایک اچھا بہانہ ھوگیا ھے ' اسٹریا کے کاونٹ برچولد نے ایک کانفرنس کی تجویز پیش کردی ھے ' اور ۱۹ - کی خبر ھے کہ انگلستان نے اُسے منظور کرلیا ھے ' اور ایسا ھے تو صورت معاملہ خطرے سے خالی نہیں مگر ترک اس وقت تک اس تجویز کی برابر تحقیر کررھے ھیں -

۲۱ - کی تار برقی ترکی کی استقامت اور مستعدی کی خبر دیتی ھے کہ ایک گشتی چٹھی باب عالی نے دول یورپ کو

و تقدیس کے اس صحرائے مقدس کی پاک تاریکی میں خلل ڈالنے کیلئے آموجود ہوا ؟ تو سمجھتا ہیں کہ تیرا آشیانہ ہم سے بلند ہے اور اسلئے تو خدا کے عرش کبریائی سے زیادہ قریب ہیں - شاید تو قریب ہوں، مگر اُسکے پاس تو نہیں، حالانکہ تجھسے لاکھوں میل نیچے قعر ارضی کی سطح پر، جو خاموش اجسام اس وقت پڑے ہیں، انکا دل خدا سے قریب ہے نہیں، بلکہ اس وقت اسکی گود میں ہے - اُس خدائے نیرنگ ساز کی گود میں، جو ظلم و عدوان سے گو خوش نہیں، مگر شاید اپنے دوستوں کیلئے یہی پسند کرتا ہے کہ انکے گلے کٹے ہوے، اور جسم زخموں سے سرخ ہوں" لیکن اسکا ضبط اب قابو سے باہر تھا -

تھوڑی دیر کے بعد وہ کسی قدر آگے بڑھا، سامنے ایک ٹھنڈی لاش خون کے لتھڑوں کی تہہ سے منہ ڈھانکے ہوے پڑی تھی - اُسکی ایک ٹانگ گولی کے ضرب سے لٹک کر الگ ہوگئی تھی اور ناف سے لیکر چہرے تک سنگینوں اور تلواروں کی نوکوں سے کٹ کٹکر گوشت کا ایک مسطح ٹکڑا ہوگیا تھا - اُس نے جھک کر اسکے کٹے ہوے اور جسم سے الگ پاؤں کو بوسہ دیا اور اُس آواز سے جو دل اور حلق، دونوں جگہ اٹکی ہوئی تھی، چلّایا :—

* * *

(" اے گوشت و خون کے مقدس ڈھیر ! اے محبوبیت الہی کی جبروت و عظمت ! اے دائمی شرف و تقدیس کی تمثال ! اے ظلم انسانی اور محبت الہی کے قتیل ! اے حیات ارضی سے روٹھنے والے اور ملائے اعلی کے ساکن ! اے ملائکۂ مقربین کے ہم نشیں اور اعلی علیئن کے مکیں ! اے وہ، کہ تیرے خداکی طرح اب تیرے لئے بھی کبھی فنا و زوال نہیں ! اے وہ، کہ ایک مرتبہ کٹکر ہمیشہ کیلئے واصل، اور ایک مرتبہ مرکے ہمیشہ کیلئے زندہ ہے ! خدا کے دشمنوں نے تیرے جسم کو بھیانک بنادیا ہے مگر وہ تیری روح کے حسن کو تو بگاڑ نہیں سکتے تھے - جسطرح دشمنوں کی گولی سے تیرا پاؤں تیرے جسم سے الگ ہوچکا ہے مگر چند باریک اور ضعیف رگوں سے ابتک جوڑا ہوا ہے - اُسی طرح تیری روح بھی اب اُس دنیا کے قفس سے آزاد ہوگئی ہے، جہاں نیکی ہمیشہ سے مظلوم ہے، اور حق کا گذارہ نہیں : لیکن اس خاکدان ارضی پر تیرے جسم کا آخری بوجھہ تیرے پاؤں کی رگوں کی طرح روح کو جوڑے ہوے ہے اور یہ تعلق بھی عنقریب ختم ہونے والا ہے - جبکہ تیرے جسم سے یہ زمین خالی ہوجاےگی اور انقلابات عالم کا طوفان تیرے خون کے دھبوںکو دھودیگا، اُس وقت انسان کی نظریں تیرے نشانوں کو نہیں پاسکیں گی مگر فرشتے ہمیشہ آسمان سے اتریں گے تاکہ اس سرزمین کو بوسہ دیتے رہیں، اور تیرا آسمانی درست ہمیشہ پیار کی نظروں سے یہاں کی مٹی کو دیکھےگا، تاکہ ساکنان جنت کی نظروں میں اسکا شرف ہمیشہ قائم رہے : یہاں تک کہ اسکا تخت عدالت آخری فیصلے کیلئے بچھایا جاےگا، اور پھر تو اپنے قاتل کے ساتھہ کھڑا ہوکر اسکا دامن پکڑیگا، اور " باي ذنب قتلت ؟ " کے فغاں سے محشر ستان قیامت کو ماتم کدہ بنادیگا -)

چوں بگذرد نظیری خونین کفن بمحشر
خلقے فغاں کنند کہ این داد خواہ کیست

(لیکن اے زمین ! اے قاتلوں اور خون ریزوں سے بھری ہوئی ناپاک زمین ! اس جسم مقدس کے آخری بوجھہ کی عزت کر، کہ یہ خداکی امانت پھر تجھے نہیں ملےگی - تجھپر ہزاروں فدائیان ملت اور عشاق وطن اپنی لاشوں کو تڑپائیں گے مگر یہ مقتولان محبت الہی پھر تجکو میسر نہ آئیں گے - جسقدر عزت کرسکتی ہے کرلے، کیونکہ یہ خداکی گود میں کھیلنے کیلئے بہت جلد تجکو چھوڑنے والے ہیں ")

* * *

اب پھر اُسکی آواز اُسکے قابو میں نہ تھی - کچھہ دیر کے بعد اُس نے کہا : -

(" دنیا مرگئی، زندگی کہیں بھی نہیں، مگر اے شہر خاموشی ! اے صحرائے سکوت ! تیرے ہر خون سے رنگین ذرۂ خاک میں ایک حیات پوشیدہ ہے - اے مرنے والو ! کیا تم ہمکو زندگی نہ دوگے ؟ ہم بدبخت ہیں کہ تم زندہ ہوگئے، مگر ہم تمہارے پیچھے موت کی ایڑیاں رگڑیں گے - تم نے اپنے مقدس خون کی چھینٹوں کو اپنے قاتلوں سے دریغ نہیں کیا مگر ہم کو محروم رکھتے ہو ؟ کاش تمہارے اُس خون کا جو راہ ملت پرستی میں بہا ہے ایک قطرہ بھی میسر آجاتا تاکہ اس سرخ رنگ سے اپنے آستین و دامن پر گل بوٹے بناتے اور قیامت کے دن (مقام محمود) میں جب (رحمة اللعالمین) لوائے رحمت کے نیچے کھڑا ہوتا تو اس قبائے لالہ گوں کو پہنکر اسکے تخت رحمت کو بوسہ دیتے اور کہتے کہ یہ تیری اُس اُمت کے سر و سینے سے نکلے ہوے خون کا دھبہ ہے، جسکی یاد سے تو اپنے خدا کی بندگی میں بھی غافل نہیں ہوتا تھا - اے وہ، کہ جب تک تیرا وجود رحمت حجاز کے کفرستان میں رہا خدا کا قہر اسپر نازل نہ ہوسکا :)

واذ قالوا اللهم انكان هذا هو الحق من عندك، فامطر علينا حجارة من السماء اوائتنا بعذاب اليم - وماكان الله ليعذبهم، وانت فيهم - [اور مشرکان مکہ سرکشی کے نشے میں کہتے تھے کہ خدایا اگر محمد (صلعم) واقعی حق پر ہے، اور ہم ناحق پر تو کیوں نہیں ہم پر آسمان سے پتھر برساتا یا کیوں نہیں کسی عذاب دردناک میں گرفتار کرتا ؟ مگر اے محمد ! خدا کیونکر انپر عذاب نازل کرے، جبکہ تو بھی انکے اندر موجود ہیں ۸ : ۳۵]

تیرا وجود آب و گل میں تھا تو مصیبت نازل نہ ہوئی، مگر یہاں تو تیری محبت روح و دل میں موجود تھی، کیونکر دشمنوں کی تلواریں انپر چل سکیں ؟

لیکن نہیں، وہ عذاب الہی کے پتھروں کی بارش تھی، رک گئی - یہ محبت الہی کے پھولوں کی بارش ہے، اسکو اور زیادہ ہونا چاہیئے طاق محبت کی ساری آرایش خون کے چھاپوں اور گل بوٹوں ہی سے ہے -

(حسنش ہمہ قتل ست، نقابش ہمہ خونست)

* * *

* *

وہ یکایک چونک پڑا، دیکھا تو چاند اُسکی ملامت کی پروانہ

ر ایسی حالت پر صبر کیا جاسکے کہ آپ اپنے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں؟
کہا "مشیت کا ایسا ہی فیصلہ ہے" اسپر ان کی بیقراریاں اور بڑھ
گئیں اور شدت غم سے بےحال ہوگئیں۔ یہ حالت دیکھ کر آپنے ایک
تقریر صبر و استقامت پر فرمائی۔ آپنے کہا "بہن! خدا سے ڈر، خدا
سے تسلی حاصل کر۔ موت دنیا میں ہر زندگی کے لئے ہے، آسمان
بھی ہمیشہ جیتے نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ پھر موت کے
اس قدر رنج و بےقراری کیوں ہو؟ دیکھ، ہمارے لئے،
ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسوۂ
حسنہ ہے، یہ نمونہ ہمیں کیا سکھلاتا ہے؟ یہ ہمیں ہر حال میں صبر و ثبات
توکل و رضا کی تعلیم دیتا ہے۔ چاہئے کہ کسی حال میں بھی اس سے منحرف
نہ ہوں" (الیعقوبی و ابن جریر)

پوری رات عبادت و تلاوت میں گزاری

پوری رات آپنے اور آپکے ساتھیوں نے نماز، استغفار اور
تضرع میں گزاری۔ راوی کہتا ہے دشمن کے سوار رات بھر ہمارے
خیموں کے گرد چکر لگاتے رہے۔ حضرت حسین بلند آواز سے یہ آیت پڑھ
رہے تھے "ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم
انما نملی لھم لیزدادوا اثما و لھم عذاب مھین۔ ما کان اللہ لیذر
المؤمنین علی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب" دشمن
کے ایک سوار نے یہ آیت سنی تو چلا کر کہنے لگا "قسم رب کعبہ کی! ہم ہی
طیب ہیں، اور تم سے الگ کر دیئے گئے ہیں!"

عشرہ کی صبح

جمعہ یا سنیچر کے دن دسویں محرم کو نماز فجر کے بعد عمر بن سعد اپنی
فوج لے کر نکلا۔ حضرت حسین نے بھی اپنے اصحاب کی صفیں قائم کیں
آپ کے ساتھ صرف ۳۲ سوار، ۴۰ پیدل، کل ۷۲ آدمی تھے۔ میمنہ
پر زہیر بن القین کو مقرر کیا۔ میسرہ، حبیب بن مظاہر کے سپرد کیا۔ علم اپنے
بھائی عباس بن علی کے ہاتھ میں دیا۔ خیموں کے پیچھے خندق کھود کر
اس میں بہت سا ایندھن ڈھیر کر دیا گیا تھا اور آگ جلا دی تھی تاکہ
دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکے۔

شمر کی یاوہ گوئی

فوج سے شمر بن ذی الجوشن گھوڑا دوڑاتا نکلا۔ آپ کے لشکر کی طرف
پھرا اور آگ دیکھ کر چلایا "اے حسین! قیامت سے پہلے ہی تو نے
آگ قبول کر لی؟" حضرت نے جواب دیا "اے چرواہے کے لڑکے!
تو ہی آگ کا زیادہ مستحق ہے!" مسلم بن عوسجہ نے عرض کیا "مجھے اجازت
دیجئے کہ اسے تیر مار کر ہلاک کر ڈالوں۔ کیونکہ بالکل زد پر ہے" حضرت نے
فرمایا "نہیں۔ میں لڑائی میں پہل نہیں کروں گا" (ایضاً)

دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے!

دشمن کا رسالہ آگے بڑھتے دیکھ کر آپنے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے
"الٰہی! ہر مصیبت میں تو ہی میرا بھروسہ ہے! ہر سختی میں تو ہی میرا پشت
پناہ ہے! کتنی مصیبتیں پڑیں، دل کمزور ہو گیا، تدبیر نے جواب دے دیا،
دوست نے بیوفائی کی، دشمن نے خوشیاں منائیں، مگر میں نے صرف
تجھ سے التجا کی اور تو نے ہی میری دستگیری کی! تو ہی ہر نعمت
کا مالک ہے۔ تو ہی احسان والا ہے۔ آج بھی تجھی سے التجا کی جاتی ہے!"
(شرح نہج البلاغہ)

دشمن کے سامنے خطبہ

جب دشمن قریب آگیا تو آپنے اونٹنی طلب کی۔ سوار ہوئے۔ قرآن
[illegible]
دشمن یہ خیال نہ کریں کہ ہماری ڈھیل ان کے لئے بھلائی ہے۔ ہم صرف
ڈھیل دے رہے ہیں کہ ان کا گناہ بڑھتا رہے [illegible] خدا مومنوں کو اس حال پر
چھوڑ رکھنے والا نہیں ہے۔ وہ پاک کو ناپاک سے الگ کر دیگا

[illegible] اور دشمن کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز
سے یہ خطبہ دیا:

"لوگو! میری بات سنو۔ جلدی نہ کرو۔ مجھے نصیحت کر لینے دو۔
اپنا عذر بیان کرنے دو۔ اپنی آمد کی وجہ کہنے دو۔ اگر میرا عذر معقول
ہو، اور تم اسے قبول کر سکو، اور میرے ساتھ انصاف کرو، تو یہ تمہارے
لئے خوش نصیبی کا باعث ہوگا اور تم میری مخالفت سے باز آجاؤ گے
لیکن اگر سننے کے بعد بھی تم میرا عذر قبول نہ کرو اور انصاف کرنے
سے انکار کر دو، تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں ہے۔ تم اور
تمہارے سارے ساتھی ایکا کر لو، مجھ پر ٹوٹ پڑو، مجھے ذرا بھی مہلت
نہ دو۔ میرا اعتماد ہر حال میں صرف پروردگار عالم پر ہے اور وہ نیکو
کاروں کا حامی ہے"

آپ کی اہلبیت نے یہ کلام سنا تو شدت تاثر سے بےاختیار
ہو گئیں اور خیمہ سے آہ و بکا کی صدا بلند ہوئی۔ آپنے اپنے بھائی عباس
اور اپنے فرزند علی کو بھیجا تاکہ انھیں خاموش کرائیں۔ اور کہا "ابھی
انھیں بہت رونا باقی ہے" پھر بےاختیار پکار اٹھے "خدا عباس
کی عمر دراز کرے" یعنی حضرت عبد اللہ ابن عباس کی۔ راوی کہتا ہے
یہ جملہ اس لئے آپکی زبان سے نکل گیا کہ مدینہ میں عبد اللہ ابن عباس
نے عورتوں کو ساتھ لیجانے سے منع کیا تھا۔ مگر آپنے اسپر توجہ نہ کی
تھی۔ اب ان کا جزع و فزع دیکھا تو عبد اللہ بن عباس کی بات
یاد آگئی۔ پھر آپنے ازسرنو تقریر شروع کی:

"لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو۔ سوچو میں کون ہوں؟ پھر اپنے
گریبانوں میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کرو کیا
تمہارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟
کیا میں تمہارے نبی کی لڑکی کا بیٹا، اس کے عم زاد کا بیٹا نہیں
ہوں؟ کیا سید الشہداء حمزہ میرے باپ کے چچا نہیں تھے؟ کیا ذوالجناحین
جعفر الطیار میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے رسول اللہ کا یہ
مشہور قول نہیں سنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرماتے
تھے "سیدا شباب اہل الجنۃ"؟ (جنت میں نوجوانوں کے سردار)
اگر میرا یہ بیان سچا ہے، اور ضرور سچا ہے کیونکہ واللہ میں ہوش
سنبھالنے کے بعد سے لے کر آجتک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو بتلاؤ،
کیا تمھیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہئے؟ اگر تم میری
بات یقین نہیں کرتے تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق
کر لے سکتے ہو۔ جابر بن عبد اللہ انصاری سے پوچھو۔ ابو سعید خدری
سے پوچھو۔ سہل بن سعد ساعدی سے پوچھو۔ زید بن ارقم سے پوچھو،
انس بن مالک سے پوچھو۔ وہ تمھیں بتائیں گے کہ انھوں نے میرے
اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے سنا ہے یا
نہیں؟ کیا یہ بات بھی تمھیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟
واللہ اس وقت روئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی لڑکی کا بیٹا
موجود نہیں۔ میں تمہارے نبی کا بلا واسطہ نواسہ ہوں! کیا تم مجھے
اس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا
خون بہایا ہے؟ کسی کا مال چھینا ہے؟ کہو کیا بات ہے؟ آخر میرا قصور
کیا ہے"

کوفہ والوں کا جواب

آپنے بار بار پوچھا مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ آخر آپنے بڑے
بڑے کوفیوں کو نام لے لے کر پکارنا شروع کیا "اے شبث بن ربعی!
اے حجار بن ابجر! اے قیس بن الاشعث! اے یزید بن الحارث!
کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ "پھل پک گئے، زمین سرسبز ہو گئی،
نہریں ابل پڑیں، آپ اگر آئیں گے تو اپنی فوج جرار کے پاس
آئیں گے جلد آئیے" اسپر ان لوگوں کی زبانیں کھلیں، اور انھوں
نے کہا "ہرگز نہیں، ہم نے تو نہیں لکھا تھا" آپ چلا اٹھے "سبحان
اللہ! یہ کیا جھوٹ ہے واللہ، تم ہی نے لکھا تھا!" اس کے بعد آپنے
پھر پکار کر کہا: "اے لوگو! چونکہ تم اب مجھے ناپسند کرتے ہو اس لئے
بہتر ہے کہ مجھے چھوڑ دو، میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں"۔

ذلت منظور نہیں

یہ سنکر قیس بن الاشعث نے کہا "کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اپنے
آپ کو اپنے عم زادوں کے حوالہ کر دیں؟ وہ وہی برتاؤ کرینگے جو
آپ کو پسند ہے۔ آپ کو ان سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا"
آپنے جواب دیا "تم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔ اے شخص
کیا تو یہ چاہتا ہے کہ بنی ہاشم تجھ سے مسلم بن عقیل کے سوا ایک اور
خون کا بھی مطالبہ کریں؟ نہیں! واللہ میں ذلت کے ساتھ اپنے
آپ کو کبھی ان کے حوالے نہیں کروں گا" (ابن جریر)
یہ کہہ کر آپنے اونٹنی بٹھا دی۔ عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اس کی
کونچیں باندھ دے اور دیکھا کہ دشمن کے لشکر نے آپکی طرف حرکت
شروع کر دی ہے۔

زہیر کا کوفہ والوں سے خطاب

زہیر بن القین اپنا گھوڑا بڑھا کر لشکر کے سامنے پہنچے اور چلائے
"اے اہل کوفہ! عذاب الٰہی سے ڈرو! مسلمان پر اپنے بھائی
کو نصیحت کرنا فرض ہے۔ دیکھو، اسوقت تک ہم سب بھائی بھائی
ہیں، ایک ہی دین اور ایک ہی طریقہ پر قائم ہیں جب تک تلواریں
نیام سے نہیں نکلتیں۔ تم ہماری نصیحت اور خیر خواہی کے برطرح
حقدار ہو۔ لیکن تلوار کے درمیان آتے ہی باہمی حرمت ٹوٹ جائے
گی اور ہم تم الگ الگ دو گروہ ہو جائیں گے۔ دیکھو خدا نے ہمارا
اور تمہارا اپنے نبی کی اولاد کے بارے میں امتحان لینا چاہا ہے۔
ہم تمھیں اہلبیت کی نصرت کی طرف بلاتے اور سرکش عبید اللہ
بن زیاد کی مخالفت پر دعوت دیتے ہیں۔ یقین کرو، ان حاکموں
سے کبھی تمھیں کوئی بھلائی حاصل نہ ہوگی۔ یہ تمہاری آنکھیں پھوڑیں
گے، تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، تمہارے چہرے بگاڑ دینگے،
تمھیں درختوں کے تنوں پر پھانسی دیں گے، اور نیکوکاروں
کو چن چن کر قتل کرینگے۔ بلکہ وہ تو کب کا کر بھی چکے ہیں۔ حجر
بن عدی، ہانی بن عروہ وغیرہ کے واقعات اتنے پرانے نہیں
ہوئے ہیں کہ تمھیں یاد نہ رہے ہوں"
کوفیوں نے یہ تقریر سنی تو زہیر کو برا بھلا کہنے لگے اور ابن زیاد
کی تعریفیں کرنے لگے۔ "بخدا ہم اسوقت تک نہیں ٹلیں گے جبتک
حسین اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کر لیں یا انھیں امیر کے
روبرو حاضر نہ کر دیں" یہ ان کا جواب تھا۔
زہیر نے جواب دیا "خیر، اگر فاطمہ کا بیٹا سمیّہ کے چھوکرے
(یعنی ابن زیاد) سے کہیں زیادہ تمہاری حمایت و نصرت کا مستحق
ہے تو کم از کم اولاد رسول کا اتنا پاس تو کرو کہ اسے قتل نہ کرو۔ اسے
اس کے عم زاد یزید بن معاویہ کو چھوڑ دو تاکہ آپس میں اپنا معاملہ
طے کر لیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یزید کو خوش کرنے کے لئے
یہ ضروری نہیں ہے کہ تم حسین کا خون بہاؤ" (ابن جریر و شرح نہج
البلاغہ)

حر بن یزید کی معذرت

عدی بن حرملہ سے روایت ہے کہ ابن سعد نے جب فوج کو
حرکت دی تو حر بن یزید نے کہا "خدا آپ کو سنوارے! کیا آپ
اس شخص سے واقعی لڑائی کرینگے؟" ابن سعد نے جواب دیا "ہاں
واللہ لڑائی! ایسی لڑائی جس میں کم سے کم یہ ہوگا کہ سر اڑیں گے،
ہاتھ، شانوں سے اڑ جائیں گے" حر نے کہا [illegible]

حادثے کي طرف اشارا کرتے هوے خبر دیدي هے که مانتي نگرز کے حمله کے نتائج کي وه ذمه دار نهیں' ایک بهت هي قوي فوجي جمیعت بریني میں جمع هورهي هے اور یقیناً جنگي کوائف ابتک پیدا هوگئے هونگے -

بریني ترکي کا ایک مختلف سرحدوں سے متصل مقام هے' ایک طرف سرویا اور مانتي نگرو میں سرحدي برزخ کا کام دیتا هے - دوسري طرف استریا کي سرحد سے بالکل قریب هے - آخري خبر یه هے که مانتي نگرو کي وزارت مستعفي هوگئي اور وزیر خارجه کو امید هے که اس سے حالات پر بهت اچها اثر پڑے گا -

(البانیا) کي شورش کا بظاهر خاتمه هوگیا ' البانیوں کي آخري دست برد اسکوب پر قبضه کرلینا تها' جو سالونیکا سے ۱۶۰ میل کے فاصلے پر واقع هے - یهانسے انکا اراده سالونیکا جانے کا تها اور ۲۷ میل بڑهکر کوپریلي میں مقیم تهے - مگر ترکي ڈویزنوں نے کیوپریلي کے پاس جمع هوکر آخري پیغام "اطاعت یا جنگ" کا دیدیا - بالاخر ۲۱ - کي تاربرقي هے که گورنمنٹ کے وکلا اور الباني سرغنوں کے درمیان سمجهوتا هوگیا هے اور تمام الباني اپنے اپنے گهروں کو واپس جارهے هیں -

در اصل البانیوں کي شورش محض بیان کرده حقوق کیلئے هي نه تهي بلکه پیچ در پیچ خفیه معاملات اور ریشه دوانیوں نے اپنے فریب میں لے لیا تها - هم ائینده اسکو تفصیل سے لکهیں گے

اٹلي اور ترکي کي صلح کي خبریں بار بار مشتهر کي جاتي هیں' اور پهر خاموشي چهاجاتي هے - ۲۱ - کو ریوٹر لندن سے تار دیتا هے که پیرس' سوفیا' اور ستنبج کے عثماني سفرا صلح کي ابتدائي بحثوں پر مزید کارروائي کر رهے هیں - پهر ۲۲ کو قسطنطنیه سے خبر دیتا هے که عثماني وزیر خارجي سے بهي اسکي تصدیق هوگئي هے که اٹلي سے نیم سرکاري طور پر نامه و پیام جاري هے -

وزارت کا بحران فی الحقیقت مسئله صلح کي ریشه دوانیوں هي کي ایک کروٹ تهي - لیکن اگر وه ایسا کریگي تو صلح کا نفاذ طرابلس میں تو غیر ممکن هے' البته ترکي کیلئے تمام موجوده مصایب سے بڑهکر ایک آخري برباد کن مصیبت پیدا هوجاے گي - خدا نه کرے که اسکے بعد کوئي زیاده اعتذار پیدا کرانے والي خبر سننے میں آے -

وزارت کے بحران نے پهر کروٹ لی اور ایسا هونا ضروري تها - پہلے خبر آئي که فرید پاشا وزیر داخلي اور حلیم پاشا وزیر عدل مقرر هوئے مگر بعد کي خبر هے که فرید پاشا نے قبول کرنے سے انکار کردیا -

مصر میں وطني هیجان

انگلستان کا نظارت خارجه مدت سے اس فکر میں هے که اسکندریه میں برطانیه کیلئے ایک نیا بحري اسٹیشن بنایا جاے' ۲۳ جولائي پارلیمنٹ میں (مسٹر چرچل) نے اسکي نسبت صاف صاف تصریح بهي کردي تهي لیکن مسٹر چرچل کے بیان نے مصر میں ایک عام بے چیني پیدا کردي هے ' هر طرف یهي مسئله موضوع سخن هے اور وطني جماعتیں کهتي هیں که وادی نیل کي غلامي کیلئے انگلستان کے کارخانه میں یه دوسرا طوق طیار کیا جا رها هے' تقریباً مصر کے هر حصے بلکه قصبات و اطراف تک میں لوگ اظهار جوش و ناراضگي کے جلسے کر رهے هیں اور تار پر تار انگلستان بهیجے جارهے هیں ' چنانچه اسکندریه کے عام جلسے نے متفق هوکر اس مضمون کا تار بهیجا :

" بنام وزیر خارجیه انگلستان

مسٹر چرچل نے ۲۳ جولائي کو اسکندریه میں ایک جدید بحري اسٹیشن کے موضوع پر جو اراده ظاهر کیا هے' اسے هم نے نهایت رنج اور نفرت کے ساتهه سنا - اسکندریه مصر کا ایک شهر هے' اور مصر ایک عثماني ولایت هے - اسپر انگریزي قبضه بالکل خلاف قانون اور طاقت و فرصت کا غصب و جبر هے - پس کسي طرح برطانیه کو اسکا حق حاصل نهیں که اس ارادے کو قانوناً عمل میں لاسکے - همارے اس فریاد سے کان بند نه کیجئے که حق اور مظلومي گو ظاهر میں ضعیف مگر اپنے اندر ایک مخفي طاقت رکهتي هے - هم ابتک آپ سے بالکل نا امید نهیں هوے - برطانی شرف و عزت اب بهی امید دلاتا هے که آپ طمع سے سچائي کو اسدرجه مغلوب هونے نه دینگے "

سمن بنابر انفصال مقدمه

(آڈر ۵ قاعده ۱ و ۵)

نمبر مقدمه ۱۰۲۱ سنه ۱۹۱۲ع

بعدالت منصفي دیوریا ضلع گورکهه پور اجلاس جناب محمد شمس الحسن صاحب

مدعی ...... نرائن داس وغیره

مدعا علیه ...... مکهه رام ولد رام چندر متوفی ساکن حال شهر کلکته محله کالي گهاٹ ملک بنگال

هرگاه که مدعي نے تمهارے نام ایک نالش بابت ۲۰۰ - ۹ روپیه کے دائر کي هے لهذا تمکو حکم هوتا هے که تم بتاریخ ۷ ساتویں ماه ستمبر سنه ۱۲ ۱۹ع وقت دس بجے دن کے اصالتاً یا معرفت وکیل کے - جو مقدمه کے حالات سے قرار واقعي واقف کیا گیا هو اور جو کل امور اهم متعلقه مقدمه کا جواب دے سکے یا جس کے ساتهه کوئي اور شخص هو که جواب ایسے سوالات کا دے سکے - حاضر هو اور جوابدهي دعوی کي کرو - اور هر گاه وهي تاریخ جو تمهارے احضار کے لئے مقرر هے واسطے انفصال قطعي مقدمه کے تجویز هوئي هے پس تمکو لازم هے که اسي روز اپنے جمله گواهوں کو جن کي شهادت پر نیز تمام دستاویزات جن پر تم اپني جوابدهي کے تائید میں استدلال کرنا چاهتے هو اسي روز پیش کرو - تمکو اطلاع دیجاتي هے که اگر بروز مذکور تم حاضر نه هوگے تو مقدمه به غیر حاضري تمهارے مسموع اور فیصل هوگا

به ثبت میرے دستخط اور مهر عدالت کے آج بتاریخ ۲ ماه اگست سنه ۱۲ ۱۹ع جاري کیا گیا * دستخط منصرم

پر ٹوٹ پڑے:

انا زہیر وانا ابن القین — اذودہم بالسیف عن حسین

میں زہیر ہوں، ابن القین ہوں۔ اپنی تلوار کی نوک سے انھیں حسین سے دور کردونگا

صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ پھر لوٹے اور حضرت حسین کے شانے پر ہاتھ مار کر جوش سے یہ شعر پڑھے:

اقدم ہدیت ہادیا مہدیا — فالیوم تلقی جدک النبیا

بڑھ، خدانے تجھے ہدایت دی، آج تو اپنے نانا نبی سے ملاقات کریگا

وحسنا والمرتضیٰ علیا — وذا الجناحین الفتی الکمیا

اور حسن سے اور علی مرتضیٰ سے، اور بہادر جوان جعفر طیار سے

واسد اللہ الشہید الحیا

اور زندہ شہید اسد اللہ حمزہ سے!

پھر دشمن کی طرف لوٹے اور قتل کرتے رہے یہاں تک کہ قتل ہوگئے!

غفاری بھائیوں کی بہادری

اب آپ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ دشمن کو روکنا ناممکن ہے چنانچہ انھوں نے طے کیا کہ آپکے سامنے ایک ایک کرکے قتل ہوجائیں۔ چنانچہ دو غفاری بھائی آگے بڑھے اور لڑنے لگے۔ یہ شعر اُن کی زبان پر جاری تھے:

قد علمت حقا بنو غفار — وخندف بعد بنی نزار

بنی غفار اور قبائل نزار نے اچھی طرح جان لیا ہے

لنضربن معشر الفجار — بکل عضب صارم بتار

کہ ہم بے پناہ شمشیر آبدار سے فاجروں کے ٹکڑے اُڑادیں گے

یا قوم ذودوا عن بنی الاحرار — بالمشرفی والقنا الخطار

اے قوم! تلواروں اور نیزوں سے شریفوں کی حمایت کرو!

جابری لڑکوں کی فداکاری

انکے بعد دو جابری لڑکے سامنے آئے۔ دونوں بھائی تھے۔ زار قطار رو رہے تھے۔ حضرت نے انھیں دیکھا تو فرمانے لگے "اے میرے بھائی کے فرزندو! کیوں روتے ہو؟ واللہ مجھے یقین ہے ابھی چند لمحے بعد تمھاری آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی!" انھوں نے گریہ سے ٹوٹی ہوئی آواز میں عرض کیا "ہم اپنی جان پر نہیں روتے۔ ہم آپ پر روتے ہیں۔ دشمن نے آپ کو گھیر لیا ہے اور ہم آپکے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔" پھر دونوں نے بڑی ہی شجاعت سے لڑنا شروع کیا۔ بار بار چلاتے تھے "السلام علیک یا ابن رسول اللہ!" آپ جواب دیتے تھے "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!" اور وہ دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ آخر دونوں شہید ہوگئے۔

حنظلہ بن اسعد کی شہادت

انکے بعد حنظلہ بن اسعد، حضرت کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور آواز بلند دشمن سے مخاطب ہوئے "اے قوم! میں ڈرتا ہوں عاد و ثمود کی طرح تمھیں بھی روز بد نہ دیکھنا پڑے! میں ڈرتا ہوں تم برباد نہ ہوجاؤ! اے قوم! حسین کو قتل نہ کرو، ایسا نہ ہو خدا تم پر عذاب نازل کردے!" بالآخر یہ بھی شہید ہوگئے۔

علی اکبر کی شہادت

غرضکہ یکے بعد دیگرے تمام اصحاب قتل ہوگئے۔ اب بنی ہاشم اور خاندان نبوت کی باری تھی۔ سب سے پہلے آپکے صاحبزادے علی اکبر میدان میں آئے اور دشمن پر حملہ کیا اُن کا رجز یہ تھا:

انا علی بن حسین بن علی — نحن ورب البیت اولی بالنبی

میں علی بن حسین بن علی ہوں۔ قسم رب کعبہ کی ہم نبی کے قریب کے زیادہ حقدار ہیں

تاللہ لایحکم فینا ابن الدعی

قسم خدا کی نامعلوم باپ کے لڑکے کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کریگا!

بڑی شجاعت سے لڑے۔ آخر مرہ بن منقذ العبدی کی تلوار سے شہید ہوگئے۔ ایک راوی کہتا ہے میں نے دیکھا کہ خیمہ سے ایک عورت تیزی سے نکلی۔ اتنی حسین تھی جیسے اُٹھتا ہوا سورج! وہ چلا رہی تھی "آہ! بھائی! آہ! بھتیجے!" میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا "زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم!" لیکن حضرت حسین نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا اور خیمے میں پہونچا آئے۔ پھر علی کی نعش اُٹھائی اور خیمے کے سامنے لاکر رکھ دی۔ (ایضاً)

ایک جوان رعنا

ان کے بعد اہل بیت اور بنی ہاشم کے دوسرے جانفروش قتل ہوتے رہے یہاں تک کہ میدان میں ایک جوان رعنا نمودار ہوا وہ کرتہ پہنے، تہ بند باندھے، اور پاؤں میں نعل پہنے تھا۔ بائیں نعل کی ڈوری ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ اس قدر حسین تھا کہ اُس کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ شیر کی طرح بپھرتا آیا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ عمرو بن سعد ازدی نے اُس کے سر پر تلوار ماری۔ نوجوان چلایا "ہائے چچا!" اور زمین پر گر پڑا۔ آواز سنتے ہی حضرت حسین بھوکے باز کی طرح ٹوٹے اور غضبناک شیر کی طرح قاتل پر لپکے۔ بے پناہ تلوار کا وار کیا۔ قاتل نے ہاتھ اُٹھا دیا مگر ہاتھ کہنی سے کٹ کر اڑ چکا تھا۔ زخم کھاکر قاتل نے پکارنا شروع کیا۔ فوج اُسے بچانے کے لئے ٹوٹ پڑی۔ مگر گھبراہٹ میں بچانے کی جگہ اُسے روند ڈالا۔ راوی کہتا ہے: جب غبار چھٹ گیا تو کیا دیکھتا ہوں حضرت حسین لڑکے کے سرہانے کھڑے ہیں۔ وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ اور آپ فرما رہے ہیں "اُن کے لئے ہلاکت جنھوں نے تجھے قتل کیا ہے! قیامت کے دن تیرے نانا کو یہ کیا جواب دیں گے؟ بخدا تیرے چچا کے لئے یہ سخت حسرت کا مقام ہے کہ تو اُسے پکارے اور وہ جواب نہ دے، یا جواب دے مگر تجھے اُس کی آواز نفع نہ پہونچا سکے! افسوس تیرے چچا کے دشمن بہت ہوگئے اور دوست باقی نہ رہے!" پھر لاش اپنی گود میں اُٹھالی۔ لڑکے کا سینہ آپکے سینہ سے ملا ہوا تھا اور پاؤں زمین پر رگڑتے جاتے تھے۔ اس حال سے آپ اُسے لائے اور علی اکبر کی لاش کے پہلو میں لٹا دیا۔ راوی کہتا ہے میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا "قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب!"

مولود تازہ کی شہادت

حضرت حسین پھر اپنی جگہ پر کھڑے ہوگئے۔ عین اُس وقت آپکے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ وہ آپکے پاس لایا گیا۔ آپنے اُسے گود میں رکھا اور اُس کے کان میں اذان دینے لگے۔ اچانک ایک تیر آیا اور بچہ کے حلق میں پیوست ہوگیا۔ بچہ کی روح اُسی وقت پرواز کرگئی۔ آپنے تیر اُس کے حلق سے کھینچکر نکالا، خون سے چُلو بھرا اور اُس کے جسم پر ملنے اور فرمانے لگے "واللہ تو خدا کی نظر میں حضرت صالح کی اونٹنی سے زیادہ عزیز ہے اور محمد خدا کی نظر میں صالح سے زیادہ افضل ہیں! الٰہی! اگر تو نے ہم سے اپنی نصرت روک لی ہے تو وہی کر جس میں بہتری ہے!" (یعقوبی وابن جریر وغیرہما)

بنی ہاشم کے مقتول

اسی طرح ایک ایک کرکے اکثر بنی ہاشم اور اہل بیت شہید ہوگئے۔ ان میں سے ذیل کے نام مورخین نے محفوظ رکھے ہیں:

(۱) محمد بن ابی سعید بن عقیل (۲) عبداللہ بن مسلم بن عقیل (۳) عبداللہ بن عقیل (۴) عبدالرحمٰن بن عقیل (۵) جعفر بن عقیل (۶) محمد بن عبداللہ بن جعفر (۷) عون بن عبداللہ بن جعفر (۸) عباس بن علی (۹) عبداللہ بن علی (۱۰) عثمان بن علی (۱۱) محمد بن علی (۱۲) ابوبکر بن علی (۱۳) ابوبکر بن الحسن (۱۴) عبداللہ بن الحسن (۱۵) قاسم بن الحسن (۱۶) علی بن الحسین (۱۷) عبداللہ بن الحسین۔

ایک بچے کی شجاعت

ان سب کے بعد اب خود آپ کی باری تھی۔ آپ میدان میں تنہا کھڑے تھے۔ دشمن یلغار کرکے آتے تھے مگر کسی کو وار کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس قتل کا گناہ دوسرے کے سر ڈالے لیکن شمر بن ذی الجوشن نے لوگوں کو برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا گیا۔ اہل بیت کے خیمے میں عورتیں اور چند کم عمر لڑکے رہ گئے تھے۔ ان میں سے ایک لڑکے نے آپ کو اس طرح گھرا دیکھا تو جوش سے بے خود ہوگیا اور خیمہ کی لکڑی لے کر دوڑ پڑا۔ راوی کہتا ہے اس کے کانوں میں دُر پڑے ہل رہے تھے۔ یہ گھبرایا ہوا دائیں بائیں دیکھتا ہوا چلا۔ حضرت زینب کی نظر پڑ گئی دوڑ کر پکڑ لینا چاہا۔ حضرت حسین نے بھی دیکھ لیا اور بہن سے کہا "روکے رہو۔ آنے نہ پائے" مگر لڑکے نے زور کرکے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور حضرت کے پہلو میں پہنچ گیا۔ عین اسی وقت بحر بن کعب نے آپ پر تلوار اُٹھائی۔ لڑکے نے فوراً ڈانٹ بتائی "او خبیث! میرے چچا کو قتل کریگا" سنگدل حملہ آور نے اپنی بلند تلوار لڑکے پر چھوڑ دی۔ اُسنے ہاتھ پر روکی۔ ہاتھ کٹ گیا۔ ذراسی کھال لگی رہ گئی۔ بچہ تکلیف سے چلایا۔ حضرت نے اُسے سینے سے چمٹا لیا اور فرمایا "صبر کر۔ اسے ثواب خداوندی کا ذریعہ بنا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے صالح بزرگوں تک پہونچا دے گا۔ رسول اللہ صلعم، علی بن ابی طالب، حمزہ، جعفر اور حسن بن علی تک!"

حضرت حسین کی شجاعت

اب آپ پر ہر طرف سے زغہ شروع ہوا۔ آپنے بھی تلوار چلانا شروع کی۔ پیدل فوج پر ٹوٹ پڑے اور تن تنہا اُس کے قدم اُکھاڑ دئے۔ عبداللہ بن عمار، جو خود اس جنگ میں شریک تھا، روایت کرتا ہے کہ میں نے نیزے سے حضرت حسین پر حملہ کیا اور اُن کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اگر میں چاہتا تو قتل کر سکتا تھا مگر یہ خیال کرکے ہٹ گیا کہ یہ گناہ اپنے سر کیوں لوں۔ میں نے دیکھا دائیں بائیں ہر طرف سے اُن پر حملے ہو رہے تھے، لیکن وہ جس طرف مڑ جاتے تھے دشمن کو بھگا دیتے تھے۔ وہ اُس وقت کرتہ پہنے اور عمامہ باندھے تھے۔ واللہ میں نے کبھی کسی شکستہ دل کو جس کا گھر کا گھر خود اُس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہوگیا ہو، ایسا شجاع، ثابت قدم، مطمئن، اور جری نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں سے دشمن اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے تھے جس طرح شیر کو دیکھ کر بکریاں بھاگ جاتی ہیں۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ اسی اثنا میں آپ کی بہن زینب بنت فاطمہ (علیہا السلام) خیمہ سے باہر نکلیں۔ انکے کانوں میں بالیاں پڑی تھیں۔ وہ چلاتی تھیں "کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے!" یہ وہ موقعہ تھا جبکہ عمر بن سعد حضرت حسین سے بالکل قریب ہوگیا تھا۔ زینب نے پکار کر کہا "اے عمر! کیا ابوعبداللہ تمھاری آنکھوں کے سامنے قتل ہوجائیں گے؟" عمر نے منہ پھیر لیا مگر اُس کے رخسار اور داڑھی پر آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔

آپکے حلق میں تیر پیوست ہوگیا

لڑائی کے دوران میں آپکو بہت سخت پیاس لگی۔ آپ پانی پینے فرات کی طرف چلے۔ مگر دشمن کب جانے دیتا تھا؟ اچانک ایک تیر آیا اور آپکے حلق میں پیوست ہوگیا۔ آپنے تیر کھینچ لیا پھر اپنے ہاتھ منہ کی طرف اُٹھائے تو دونوں چلو خون سے بھر گئے۔ آپنے خون آسمان کی طرف اچھالا اور خدا کا شکر ادا کیا "الٰہی میرا شکوہ تجھی سے ہے۔ دیکھ تیرے رسول کے نواسے سے کیا برتاؤ ہو رہا ہے!"

تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست!

شمر کو سرزنش

پھر آپ اپنے خیمے کی طرف لوٹنے لگے تو شمر لعنہ اللہ اُس کے ساتھ ہولیا

میں سے کوئی ایک بھی قابل قبول نہیں جو اُسنے پیش کی ہیں؟" ابن سعد نے کہا "بخدا اگر مجھے اختیار ہوتا تو ضرور منظور کرلیتا۔ مگر کیا کروں؟ تمھارا حاکم منظور نہیں کرتا"

حُر بن یزید یہ سُنکر اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔ اس کے قریب خود اُس کے قبیلہ کا بھی ایک شخص کھڑا تھا۔ اس کا نام قرۃ بن قیس تھا۔ حُر نے اس سے کہا "تم نے اپنے گھوڑے کو پانی پلا لیا؟" بعد میں قرہ کہا کرتا تھا حُر کے اس سوال ہی سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ لڑائی میں شریک ہونا نہیں چاہتا اور مجھے ٹالنا چاہتا ہے تاکہ اُس کی شکایت حاکم سے نہ کردوں" میں نے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا ہے میں ابھی جاتا ہوں" یہ کہکر میں دوسری طرف روانہ ہوگیا۔ میرے الگ ہوتے ہی حُر نے امام حسین کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا۔

اس کے قبیلہ کے ایک شخص مہاجر بن اوس نے کہا "کیا تم حسین [illegible] کرنا چاہتے ہو؟" حُر خاموش ہوگیا۔ مہاجر کو شک ہوا۔ کہنے [illegible]

تمھاری خاموشی مشتبہ ہے۔ میں نے کبھی کسی جنگ میں تمھاری یہ [illegible] -اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کوفہ میں سب سے بڑا بہادر [illegible] تو تمھارے نام کے سوا کوئی نام میری زبان پر نہیں آسکتا۔ [illegible] اس وقت [illegible] کر رہے ہو؟"

حُر نے [illegible] جواب دیا:

"بخدا [illegible] جنت [illegible] دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ واللہ میں نے جنت [illegible] ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جائے"

یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکر حسین میں پہنچ گیا!

حضرت حسین کی خدمت میں پہنچکر کہا "ابن رسول اللہ! میں ہی وہ بدبخت ہوں جسنے آپ کو لوٹنے سے روکا، راستہ بھر آپکا پیچھا کیا، اور اس جگہ اُترنے پر مجبور کیا۔ خدا کی قسم، میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ لوگ آپ کی شرطیں منظور نہیں کریں گے اور آپکے معاملہ میں اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ واللہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایسا کرینگے تو ہرگز اس حرکت کا مرتکب ہوتا۔ میں اپنے قصوروں پر نادم ہوکر توبہ کے لئے آپکے پاس آیا ہوں۔ میں آپ کے قدموں پر قتل ہوجانا چاہتا ہوں۔ کیا آپکے خیال میں یہ میری توبہ کے لئے کافی ہوگا؟"

حضرت نے شفقت سے فرمایا "ہاں، خدا تیری توبہ قبول کرے تجھے بخش دے۔ تیرا نام کیا ہے؟" اُسنے کہا "حُر بن یزید" فرمایا "تو حُر (یعنی آزاد) ہی ہے جیسا کہ تیری ماں نے تیرا نام رکھ دیا ہے۔ تو دُنیا اور آخرت میں انشاء اللہ حُر ہے"

کوفیوں سے حُر کا خطاب

پھر حُر، دشمن کی صفوں کے سامنے پہونچا اور کہا "اے لوگو! حسین کی پیش کی ہوئی شرطوں میں سے کوئی شرط منظور کیوں نہیں کرلیتے تاکہ خدا تمھیں اس امتحان سے بچالے؟" لوگوں نے جواب دیا "یہ ہمارے سردار عمر بن سعد موجود ہیں، جواب دیں گے" عمر نے کہا "میری دلی خواہش تھی کہ اُن کی شرطیں منظور کر سکتا"

اس کے بعد حُر نے نہایت جوش و خروش سے تقریر کی اور اہل کوفہ کو ان کی بدعہدی و غدر پر شرم و غیرت دلائی۔ لیکن اُس کے جواب میں اُنھوں نے تیر برسانا شروع کردیا۔ ناچار خیمہ کی طرف لوٹ آیا۔

جنگ کا آغاز

اس واقعہ کے بعد عمر بن سعد نے اپنی کمان اُٹھائی اور لشکر حسین کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا "گواہ رہو، سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے" پھر تیر باری شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد زیاد بن ابیہ اور عبید اللہ بن زیاد کے غلام یسار اور سالم میدان میں نکلے اور مبارز طلب کی۔ قدیم طریق جنگ میں مبارزت کا طریقہ یہ تھا کہ فریقین کے لشکر سے ایک ایک جنگ آزما نکلتا اور پھر دونوں باہمدگر پیکار کرتے۔ لشکر حسین سے حبیب بن مظاہر اور بُریر بن حضیر نکلنے لگے، مگر حضرت حسین نے اُنھیں منع کیا۔ عبد اللہ بن عمیر الکلبی نے کھڑے ہوکر عرض کیا: "مجھے اجازت دیجئے" یہ شخص اپنی بیوی کے ساتھ حضرت کی حمایت کے لئے کوفہ سے چلکر آیا تھا۔ سیاہ رنگ، تنومند، کشادہ سینہ تھا، آپنے اُس کی صورت دیکھ کر فرمایا "بیشک یہ مرد میدان ہے" اور اجازت دی۔ عبد اللہ نے چند پھیروں میں دونوں حریف زیر کرکے قتل کر ڈالے اُس کی بیوی ام وہب ہاتھ میں لاٹھی لئے کھڑی تھی اور جنگ کی ترغیب دیتی جاتی تھی۔ پھر یکایک اُسے اس قدر جوش آیا کہ میدان جنگ کی طرف بڑھنے لگی۔ حضرت حسین یہ دیکھ کر بہت متأثر ہوئے۔ فرمایا "اہل بیت کی طرف سے خدا تمھیں جزائے خیر دے لیکن عورتوں کے ذمہ لڑائی نہیں ہے"

گھٹنے ٹیک کر نیزے سیدھے کردیئے

اس کے بعد ابن سعد کے میمنہ نے حملہ کیا۔ جب بالکل قریب پہنچ گئے تو حضرت کے رفقا زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہوگئے اور نیزے سیدھے کردیئے۔ نیزوں کے مُنہ پر گھوڑے بڑھ نہ سکے اور لوٹنے لگے حضرت کی فوج نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھایا اور تیر مار کر کئی آدمی قتل اور زخمی کر ڈالے۔

عام حملہ

اب باقاعدہ جنگ جاری ہوگئی۔ طرفین سے ایک ایک دو دو جواں مرد نکلتے تھے اور تلوار کے جوہر دکھاتے تھے۔ حضرت حسین کے طرفداروں کا پلہ بھاری تھا۔ جو سامنے آتا تھا مارا جاتا تھا۔ میمنہ کے سپہ سالار عمرو بن الحجاج نے یہ حالت دیکھی تو پکار اُٹھا "بیوقوفو! پہلے جان لو کن سے لڑ رہے ہو؟ یہ لوگ جان پر کھیلے ہوئے ہیں۔ تم اسی طرح ایک ایک کرکے قتل ہوتے جاؤگے۔ ایسا نہ کرو۔ یہ مٹھی بھر ہیں۔ پتھروں سے انھیں مار سکتے ہو" عمر بن سعد نے یہ رائے پسند کی اور حکم دیا کہ مبارزت موقوف کی جائے اور عام حملہ شروع ہو۔ چنانچہ میمنہ آگے بڑھا اور کشت و خون شروع ہوگیا۔ ایک گھڑی بعد لڑائی رُکی تو نظر آیا کہ حسینی فوج کے نامور بہادر مسلم بن عوسجہ خاک و خون میں تڑپ رہے ہیں۔ حضرت حسین دوڑکر لاش پر پہنچے۔ ابھی سانس باقی تھی۔ آہ سرد بھر کر فرمایا "مسلم! تجھ پر خدا کی رحمت! منھم من قضی نحبہ و منھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا!" مسلم بن عوسجہ اس جنگ میں آپکی جانب سے پہلے شہید تھے (ابن جریر کامل)

گھوڑے بیکار ہوگئے

میمنہ کے بعد میسرہ نے یورش کی۔ شمر بن ذی الجوشن اس کا سپہ سالار تھا۔ حملہ بہت ہی سخت تھا۔ مگر حسینی میسرے نے بڑی ہی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اس بازو میں صرف ۳۲ سوار تھے جس طرف ٹوٹ پڑتے تھے، صفیں اُلٹ جاتی تھیں۔ آخرکار دشمن نے محسوس کرلیا کہ کامیابی ناممکن ہے۔ چنانچہ فوراً نئی کمک طلب کی بہت سے سپاہی اور پانسو تیر انداز مدد کو پہنچ گئے۔ انھوں نے آتے ہی تیر برسانا شروع کردیئے۔ تھوڑی دیر میں حسینی فوج کے تمام گھوڑے بیکار ہوگئے اور سواروں کو پیدل ہوجانا پڑا۔

حُر کی شجاعت

ایوب بن مشرح روایت کرتا ہے کہ حُر بن یزید کا گھوڑا خود میں نے زخمی کیا تھا۔ میں نے اُسے تیروں سے چھلنی کر ڈالا۔ حُر بن یزید زمین پر کود پڑے۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ بالکل شیر ببر معلوم ہوتے تھے۔ تلوار ہر طرف متحرک تھی اور یہ شعر زبان پر تھا:

ان تعقروا بی فانا ابن الحر　　اشجع من ذی لبد ہزبر

اگر تم نے میرا گھوڑا بیکار کردیا تو کیا ہوا؟ میں شریف کا بیٹا ہوں، خوفناک شیر سے بھی زیادہ بہادر ہوں!

خیمے جلا دیئے

لڑائی اپنی پوری ہولناکی سے جاری تھی۔ اب دوپہر ہوگئی مگر کوفی فوج غلبہ حاصل نہ کرسکی۔ وجہ یہ تھی کہ حسینی فوج نے تمام خیمے جگہ جگہ کردیئے تھے اور دشمن صرف ایک ہی رُخ سے حملہ کرسکتا تھا۔ عمر بن سعد نے یہ دیکھا تو خیمے اکھاڑ ڈالنے کے لئے آدمی بھیجے حسینی فوج کے صرف ۴-۵ آدمی یہاں مقابلہ کے لئے کافی ثابت ہوئے خیموں کی آڑ سے دشمن کے آدمی قتل کرنے لگے۔ جب یہ صورت بھی ناکام رہی تو عمر بن سعد نے خیمے جلا ڈالنے کا حکم دیا۔ سپاہی آگ لے کر دوڑے۔ حسینی فوج نے یہ دیکھا تو مضطرب ہوئی۔ مگر حضرت حسین نے فرمایا "کچھ پرواہ نہیں۔ جلانے دو۔ یہ ہمارے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے۔ اب وہ پیچھے سے حملہ نہیں کرسکیں گے" اور ہوا بھی یہی۔

ام وہب کا قتل

اسی اثنا میں زہیر بن القین نے شمر پر زبردست حملہ کیا اور اُس کی فوج کے قدم اُکھاڑ دیئے۔ مگر کبتک؟ ذرا دیر کے بعد پھر دشمن کا ہجوم ہوگیا۔ اب حسینی لشکر کی بے بسی صاف ظاہر تھی۔ بہت سے لوگ قتل ہوچکے تھے۔ کئی نامی سردار مارے جاچکے تھے حتی کہ عبد اللہ بن عمیر کلبی بھی، جس کا ذکر اوپر گزرچکا، قتل ہوچکا تھا۔ اُس کی بہادر بیوی ام وہب بھی شہید ہوچکی تھی۔ یہ میدان جنگ میں بیٹھی اپنے مقتول شوہر کے چہرے سے مٹی صاف کررہی تھی اور یہ کہتی جاتی تھی "تجھے جنت مبارک ہو!" شمر نے اسے دیکھا اور قتل کروا ڈالا۔ (ابن جریر۔ شرح نہج البلاغہ)

نماز پڑھنے نہیں دی

ابو ثمامہ عمرو بن عبد اللہ صائدی نے اپنی بے بسی کی حالت محسوس کی اور حضرت حسین سے عرض کیا "دشمن اب آپ سے بالکل قریب آگیا ہے۔ واللہ آپ اُسوقت تک قتل ہونے نہیں پائیں گے جب تک میں قتل نہ ہوجاؤں لیکن میری آرزو ہے کہ اپنے رب سے نماز پڑھ کر ملوں جس کا وقت آگیا ہے" یہ سُنکر حضرت نے سر اُٹھایا اور فرمایا "دشمنوں سے کہو ہمیں نماز کی مُہلت دیں" مگر دشمن نے درخواست منظور نہیں کی اور لڑائی جاری رہی۔

حبیب اور حُر کی شہادت

یہ وقت بہت سخت تھا۔ دشمن نے اپنی پوری قوت لگادی تھی۔ غضب یہ ہوا کہ حسینی میسرہ کے سپہ سالار حبیب بن مظاہر بھی قتل ہوگئے۔ گویا فوج کی کمر ٹوٹ گئی۔ حبیب کے بعد ہی حُر بن یزید کی باری تھی۔ وہ جوش سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس پڑے:

آلیت لا اُقتل حتی اَقتلا　　ولن اُصاب الیوم الا مقبلا

میں نے قسم کھائی ہے کہ قتل نہیں ہونگا جب تک قتل نہ کرلوں، اور مرونگا تو اسی حالمیں مرونگا کہ آگے بڑھ رہا ہونگا!

اضربہم بالسیف ضربا مقصلا　　لا ناکلا عنہم ولا مہللا

انہیں تلوار کی کاری ضربوں سے ماروں گا، نہ بھاگوں گا نہ ڈرونگا!

زہیر کی شہادت

چند لمحے کی بات تھی۔ حُر زخموں سے چور ہوکر گرے اور جان بحق تسلیم ہوگئے۔ اب ظہر کا وقت ختم ہورہا تھا۔ حضرت نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ صلوۃ الخوف پڑھی۔ نماز کے بعد دشمن کا دباؤ اور بھی زیادہ ہوگیا۔ اس موقعہ پر آپکے میمنہ کے سپہ سالار زہیر بن القین نے میدان اپنے ہاتھ میں لیا اور شعر پڑھتے ہوئے دشمن

حکم دیتا ہی کہ مجرم کو سزا دیجائے۔

کیوں؟

اس لئے کہ اُسنے چوری کی ہی۔

اُس بدبخت نے چوری کیوں کی؟

اس لئے کہ وہ انسان ہی، اور انسان بھوک کا عذاب برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ وہ شوہر ہے، اور شوہر اپنی بیوی کو بھوک سے ایڑیاں رگڑتے دیکھ نہیں سکتا۔ اس لئے کہ وہ باپ ہی، اور باپ کی طاقت سے باہر ہے کہ اپنے بچوں کے اُن آنسوؤں کا نظارہ کر سکے جو بھوک کی اذیت سے اُن کے معصوم چہروں پر بہ رہے ہوں!

پھر اگر بدقسمت انسان قید خانہ اور تازیانے کی سزائیں جھیل کر بھی اس قابل نہیں ہو جاتا کہ بغیر غذا کے زندہ رہ سکے، تو "مقدس انصاف" اصلاح اور انسانیت کا آخری قدم اُٹھاتا ہے، اور کہتا ہی اسے سولی کے تختے پر لٹکا دو! یہ گویا انسان کے پاس اُس کے ابنا جنس کی مصیبتوں اور شقاوتوں کا آخری علاج ہے!

یہ ہی انسان کی شہری اور متمدن زندگی کا اخلاق! وہ خود ہی انسان کو بُرائی پر مجبور کرتا ہی اور خود ہی سزا بھی دیتا ہی۔ پھر ظلم اور بے رحمی کے اس تسلسل کو "انصاف" کے نام سے تعبیر کرتا ہی۔ اُس "انصاف" کے نام سے، جو دنیا کی سب سے زیادہ مشہور مگر سب سے زیادہ غیر موجود حقیقت ہی!

٭٭٭

چوتھی صدی ہجری کا بغداد دنیا کا سب سے بڑا شہر اور انسانی تمدن کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ انسانی آبادی و تمدن کے یہ تمام لازمی نتایج موجود ہوتے۔ گندگی میں مکھیاں اور دلدل میں مچھر اُس تیزی سے پیدا نہیں ہوتے جس تیزی سے شہروں کی آب و ہوا جرم اور مجرموں کو پیدا کرتی ہی۔ بغداد کے قید خانے مجرموں سے بھرے ہوئے تھے۔ پھر بھی اسکی آبادی میں مجرموں کی کوئی کمی نہ تھی!

٭٭٭

بغداد میں آج کل جس طرح حضرت شیخ جُنید بغدادیؒ کی بزرگی و درویشی کی شہرت ہی، اُسی طرح ابن ساباط کی چوری اور عیاری بھی مشہور ہی۔ پہلی شہرت نیکی کی ہی۔ دوسری بدی کی۔ دنیا میں بدی، نیکی کی ہر چیز کی طرح، اُس کی شہرت کا بھی مقابلہ کرنا چاہتی ہے اگرچہ نہیں کر سکتی۔

دس برس سے ابن ساباط مدائن کے محبس میں قید ہی۔ اُس کے خوفناک حملوں سے لوگ محفوظ ہو گئے ہیں۔ تاہم اُسکی عیاری اور بے باکیوں کے افسانے لوگ بھولے نہیں۔ وہ جب کبھی کسی لیرا چوری کا حال سنتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں "یہ دوسرا ابن ساباط ہی" اِس دس برس کے اندر کتنے ہی نئے ابن ساباط پیدا ہو گئے مگر اُن میں سے کوئی بھی ابن ساباط کی شہرت کا کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ بغداد والوں کی بول چال میں وہ "جرائم کا شیطان اور برائیوں کا عفریت" تھا!

ابن ساباط کے خاندانی حالات عوام کو بہت کم معلوم ہیں۔ جب وہ پہلی مرتبہ سوق النخاسین میں چوری کرتا ہوا گرفتار ہوا تو کوتوالی میں اس کے حالات کی تفتیش کی گئی۔ معلوم ہوا یہ بغداد کا باشندہ نہیں ہی۔ اس کے ماں باپ طوس سے ایک قافلہ کے ساتھ آ رہے تھے۔ راہ میں بیمار پڑے اور مر گئے۔ قافلہ والوں کو رحم آیا اور اپنے ساتھ بغداد پہونچا دیا۔ یہ اب سے دو برس پیشتر کی بات ہی۔ یہ مدت اسنے کہاں اور کیونکر بسر کی؟ اسکا حال معلوم نہ ہوسکا۔ گرفتاری کے وقت اُس کی عمر پندرہ سولہ برس کی تھی۔ کوتوالی کے چبوترے پر لٹا کر تازیانے مارے گئے اور چھوڑ دیا گیا۔

اس پہلی سزا نے اُس کی طبیعت پر کچھ عجیب طرح کا اثر ڈالا۔ وہ اب تک ایک ڈرا سہما کم سن لڑکا تھا۔ اب اچانک ایک دلیر اور بے باک مجرم کی روح اُس کے اندر پیدا ہو گئی۔ گویا اُس کی تمام شقاوتیں اپنے ظہور کے لئے تازیانے کی ضرب کی منتظر تھیں۔ مجرمانہ اعمال کے تمام بھید اور بدیوں گناہوں کے تمام مخفی طریقے جو کبھی اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزرے تھے، اب اس طرح اُس پر کھل گئے، گویا ایک تجربہ کار اور مشاق مجرم کا دماغ اُس کے سر میں اُتار دیا گیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے اندر وہ ایک پکا عیار اور ایک چھٹا ہوا جرائم پیشہ انسان تھا!

اب وہ چھوٹی چھوٹی چوریاں نہیں کرتا تھا۔ پہلی مرتبہ جب اُسنے چوری کی تھی، تو دو دن کی بھوک اُسے نان بائی کی دکان پر لے گئی تھی۔ لیکن اب وہ بھوک سے بے بس ہو کر نہیں بلکہ جرم کے ذوق سے وارفتہ ہو کر چوری کرتا تھا۔ اس لئے اُس کی نگاہیں نان بائی کی روٹیوں پر نہیں بلکہ صرافوں کی تھیلیوں اور سوداگروں کے ذخیروں پر پڑتی تھیں۔ دن ہو یا رات، بازار کی منڈی ہو یا امیر کا دیوان خانہ، ہر وقت اور ہر جگہ اُس کی کارستانیاں جاری رہتیں۔ اُس کے اندر ایک فاتح کا جوش تھا، سپہ سالار کا ساعزم تھا، سپاہی کی مردانگی تھی، مدبر کی سی دانشمندی تھی؛ لیکن دنیا نے اُس کے لئے یہی پسند کیا کہ وہ بغداد کے بازاروں کا چور ہو۔ اس لئے اُس کی فطرۃ کے تمام جوہر اسی راہ میں نمایاں ہونے لگے۔ افسوس، فطرۃ کس فیاضی سے بخشتی ہی، مگر انسان کس بے دردی سے برباد کرتا ہی!

٭٭٭

کچھ دنوں کے بعد جب ابن ساباط کی دراز دستیاں حد سے بڑھ گئیں تو حکومت کو خصوصیت کے ساتھ توجہ ہوئی۔ آخر ایک دن گرفتار کر لیا گیا۔ اب یہ ایک کم سن لڑکا نہ تھا۔ شہر کا سب سے بڑا چور تھا۔ عدالت نے فیصلہ کیا کہ ایک ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ فوراً تعمیل ہوئی، اور جلاد نے ایک ہی ضرب میں اسکا پہنچا الگ کر دیا۔

ابن ساباط کے ہاتھ کا کٹنا، کٹنا نہ تھا، بلکہ سیکڑوں نئے ہاتھوں کو اُس کے شانے سے جوڑ دینا تھا۔ معلوم ہوتا ہی، دنیا کے سارے شیطان اور عفریت اس واقعہ کے انتظار میں تھے۔ جونہی اُس کا ہاتھ کٹا، اُنھوں نے اپنے سیکڑوں ہاتھ اُس کے حوالے کر دئے۔ اب اُسنے عراق کے تمام چور اور عیار جمع کر کے اپنا اچھا خاصہ جتھا بنا لیا اور فوجی ساز و سامان کے ساتھ لوٹ مار شروع کر دی۔ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اُس کے دلیرانہ حملوں نے تمام عراق میں تہلکہ مچا دیا۔ وہ قافلوں پر حملے کرتا، دیہاتوں میں ڈاکے ڈالتا، محل سراؤں میں نقب لگاتا، سرکاری خزانے لوٹ لیتا، اور پھر یہ سب کچھ اس ہوشیاری اور فرزانگی کے ساتھ کرتا کہ اُس پر یا اُسکے ساتھیوں پر کوئی آنچ نہ آتی۔ ہر موقعہ پر صاف بچکر نکل جاتا۔ لوگ جب اُس کے مجرمانہ کارنامے سنتے تو دہشت و حیرت سے مبہوت رہجاتے۔ "یہ ڈاکو نہیں ہی جرم کی ایک خبیث روح ہی۔ وہ انسان کو لوٹ لیتی ہی مگر انسان اُسے چھو نہیں سکتا!" یہ بغداد والوں کا متفقہ فیصلہ تھا!

٭٭٭

مگر ظاہر ہے، یہ حالت کب تک جاری رہ سکتی تھی؟ آخر وہ وقت آگیا کہ ابن ساباط تیسری مرتبہ قانون کے پنجے میں گرفتار ہو جائے۔ ایک موقعہ پر جب اُسنے اپنے تمام ساتھیوں کو بحفاظت نکال دیا تھا اور خود نکل بھاگنے کی طیاری کر رہا تھا، حکومت کے سپاہی پہنچ گئے اور گرفتار کر لیا۔

اس مرتبہ وہ ایک رہزن اور ڈاکو کی حیثیت میں گرفتار ہوا تھا اس کی سزا قتل تھی۔ ابن ساباط نے جب دیکھا کہ جلاد کی تلوار سر پر چمک رہی ہی تو اس کے مجرمانہ خصائل نے اچانک ایک دوسرا رنگ اختیار کر لیا۔ وہ طیار ہو گیا کہ اپنے بچاؤ کے لئے اپنے ساتھیوں کی جانیں قربان کر دے۔ اُسنے عدالت سے کہا۔ اگر اُسے قتل کی سزا نہ دی جائے تو وہ اپنے جتھے کے تمام چور گرفتار کرا دے گا۔ عدالت نے منظور کر لیا۔ اس طرح ابن ساباط خود تو قتل سے بچ گیا لیکن اُس کے سو سے زیادہ ساتھی اُس کی نشاندہی پر موت کے گھاٹ اُتار دئے گئے! ان سو چوروں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے قتل ہونے سے پہلے ابن ساباط کے نام پر لعنت نہ بھیجی ہو۔ بدعہدی اور بے وفائی ایسی بُرائی ہی جسے بُرے بھی سب سے بڑی بُرائی سمجھتے ہیں۔ ابن ساباط نے اپنے اس طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ جرم سے بھی بڑھ کر بُرائی کا کوئی ایک درجہ رکھتا تھا!

٭٭٭

بہرحال اب ابن ساباط مدائن کے قید خانہ میں زندگی کے دن پورے کر رہا ہی۔ اُس کی آخری گرفتاری پر دس برس گزر چکے ہیں۔ دس برس کا زمانہ اس کے لئے کم مدت نہیں ہی کہ ایک مجرم کی سیاہ کاریاں بھلا دی جائیں، لیکن ابن ساباط جیسے مجرم کے کارنامے مدتوں تک نہیں بھلائے جا سکتے۔ دس برس گزرنے پر بھی اُس کے دلیرانہ جرائم کا ذکر بچہ بچہ کی زبان پر ہی۔ لوگوں کو یہ بات تو کبھی بھولے سے بھی یاد نہیں آتی کہ ابن ساباط ہے کہاں اور کس حالت میں؟ کیونکہ یہ معلوم کرنے کی اُنھیں ضرورت بھی نہیں ہی۔ البتہ وہ اُس کے دلیرانہ کارنامے بھولنا نہیں چاہتے، کیونکہ اس تذکرہ میں اُن کے لئے لطف اور دلچسپی ہی۔ اُنہیں ابن ساباط کی نہیں، اپنی دلچسپیوں کی فکر ہی!

٭٭٭

انسان کی بے مہریوں کی طرح اُس کی دلچسپیوں کا بھی کیسا عجیب حال ہی؟ وہ عجیب عجیب اور غیر معمولی باتیں دیکھ کر خوش ہوتا ہی، لیکن اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کی دلچسپی کا یہ تماشا کیسی کیسی مصیبتوں اور شقاوتوں کی پیدایش کے بعد ظہور میں آسکا ہی؟ اگر ایک چور دلیری کے ساتھ چوری کرتا ہی تو یہ اُس کے لئے بڑی ہی دلچسپی کا واقعہ ہی۔ وہ اُس کی صورت دیکھنے کے لئے بیقرار ہو جاتا ہی۔ وہ گھنٹوں اسپر رائے زنی کرتا ہی اور وہ تمام اخبار خرید لیتا ہی جن میں اُس کی تصویر چھپی ہو یا اُس کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ لیکن اس واقعہ میں چور کے لئے کیسی شقاوت ہی؟ اور جس مسکین کا مال چوری گیا ہی اُس کے لئے کیسی مصیبت ہی؟ اس کے سوچنے کی وہ کبھی زحمت گوارا نہیں کرتا!

اگر ایک مکان میں آگ لگ جائے تو انسان کے لئے یہ بڑا ہی دلچسپ نظارہ ہوتا ہی۔ سارا شہر امنڈ آتا ہی جس کسی کو دیکھو بے تحاشا دوڑا جاتا ہی لوگ اس نظارہ کے شوق میں اپنا کھانا پینا تک بھول جاتے ہیں اگر چند زندہ انسانوں کے جھلسے ہوئے چہرے آگ کے شعلوں کے اندر نمودار ہو جائیں اور اُن کی چیخیں اتنی بلند ہوں کہ دیکھنے والوں کے کانوں تک پہنچ سکیں، تو پھر اس نظارہ کی دلچسپی انتہائی حد تک پہنچ جاتی ہی، تماشائی جوش نظارہ میں مجنون ہو کر ایک دوسرے پر گرنے لگتے ہیں۔ لیکن انسانی دلچسپی کے اس حسنی منظر میں اُس مکان اور اُسکے مکینوں کے لئے کیسی ہلاکت اور تباہی ہی؟ اور بہ الفاظ کیسی انسانی
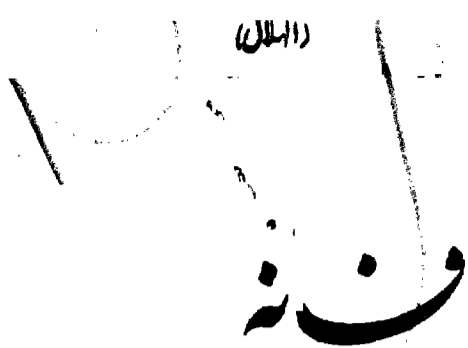
نے یہاں بھی تعرض کیا۔ حضرت نے محسوس کیا کہ ان کی نیت خراب ہے۔ خیمہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ فرمایا "اگر تم میں دین نہیں اور تم روز آخرت سے ڈرتے نہیں، تو کم سے کم دنیا دی شرافت پر تو قائم رہو۔ میرے خیمے کو اپنے جاہلوں اور اوباشوں سے محفوظ رکھو" شمر نے جواب دیا "اچھا ایسا ہی کیا جائے گا۔ اور آپ کا خیمہ محفوظ رہے گا"

آخری تنبیہ

اب بہت دیر ہوچکی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ دشمن اگر چاہتا تو آپ کو بہت پہلے قتل کر ڈالتا۔ مگر یہ گناہ کوئی بھی اپنے سر لینا نہیں چاہتا تھا۔ آخر شمر بن ذی الجوشن چلایا "تمھارا برا ہو کیا انتظار کر رہے ہو؟ کیوں کام تمام نہیں کرتے؟" اب ہر طرف سے پھر نرغہ ہوا آپنے پکار کر کہا "کیا میرے قتل پر ایک دوسرے کو ابھارتے ہو؟ واللہ میرے بعد کسی بندے کے قتل پر بھی خدا اتنا ناخوش نہیں ہوگا جتنا میرے قتل پر ناخوش ہوگا"

شہادت!

مگر اب وقت آچکا تھا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپکے بائیں ہاتھ کو زخمی کیا۔ پھر شانے پر تلوار ماری۔ آپ کمزوری سے لڑکھڑائے۔ لوگ ہیبت سے پیچھے ہٹے۔ مگر سنان بن انس نخعی نے بڑھ کر نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اسنے ایک شخص سے کہا "سر کاٹ لے" وہ سر کاٹنے کے لئے لپکا مگر جرأت نہ ہوئی سنان بن انس نے دانت پیس کر کہا "خدا تیرے ہاتھ شل کر ڈالے!" پھر جوش سے اترا۔ آپکو ذبح کیا اور سر، تن سے جدا کر لیا!

جعفر بن محمد بن علی سے مروی ہے کہ قتل کے بعد دیکھا گیا کہ آپکے جسم پر نیزے کے ۳۳ زخم اور تلوار کے ۳۴ گھاؤ تھے!

قاتل

سنان بن انس قاتل کے دماغ میں کسی قدر فتور تھا قتل کے وقت اس کی عجیب حالت تھی۔ جو شخص بھی حضرت کی نعش کے قریب آتا، وہ اس پر حملہ آور ہوتا تھا۔ وہ ڈرتا تھا کوئی دوسرا ان کا سر کاٹ نہ لے جائے۔ قاتل نے سر کاٹ کر خولی بن زید اصبحی کے حوالے کیا اور خود عمر بن سعد کے پاس دوڑا گیا۔ خیمہ کے سامنے کھڑا ہو کر چلایا:

اوقر رکابی فضۃ وذہبا	انا قتلت الملک المحجبا
مجھے چاندی سونے سے لاد دو، میں نے بڑا بادشاہ مارا ہے!	
قتلت خیر الناس اما و ابا	و خیرہم اذ ینسبون نسبا

میں نے اسے قتل کیا ہے جو ماں باپ کے لحاظ سے افضل ہیں، اور جو اپنے نسب میں [illegible]

[illegible]

عمر بن سعد [illegible] کہنے لگا "دیوانہ تو مجنون ہے [illegible] پاگل ایسی بات کہتا ہے۔ [illegible] عبید اللہ [illegible] تجھے ابھی مروا ڈالتا!"

(ابن جریر)

لوٹ کھسوٹ

قتل کے بعد [illegible] کپڑے تک اتار لئے پھر آپکے خیمے کی طرف [illegible] زین العابدین بستر پر بیمار پڑے تھے۔ شمر اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ پہونچا اور کہنے لگا "اسے بھی کیوں نہ قتل کر ڈالیں [illegible] اس کے بعض ساتھیوں نے مخالفت کی [illegible] اسی اثنا میں عمر بن سعد بھی آگیا [illegible] عورتوں کے خیمے میں نہ گھسے۔ اس بیمار کو کوئی نہ چھیڑے۔ جس کسی نے [illegible] اسباب لوٹا ہو واپس کر دے" [illegible] زین العابدین نے یہ سنکر [illegible] آواز سے کہا "تجھے جزائے خیر [illegible] تیری زبان نے مجھے بچالیا"

محبتّ اور قربانی
یا
انتقام اور سزا؟

وکٹر ہیوگو کا "بشپ" اور تاریخ اسلام کا "بغدادی"

درس وفا اگر بود زمزمۂ محبتے
جمعہ بہ مکتب آورد طفل گریز پائے را!

(دوسرا حصہ)

ہجرۃ کی تیسری صدی قریب الاختتام ہے۔ بغداد کے تخت خلافت پر المعتضد باللہ عباسی متمکن ہے۔ معتصم کے زمانے سے دار الخلافہ کا شاہی اور فوجی مستقر سامرۃ میں منتقل ہوگیا ہے۔ پھر بھی سرزمین بابل کے اس نئے بابل میں پندرہ لاکھ انسان بستے ہیں۔ ایران کے اصطخر، مصر کے ممفس، اور یورپ کے روم کی جگہ اب دنیا کا تمدنی مرکز بغداد ہے۔

⁂

دنیا کی اس ترقی یافتہ مخلوق کا جسے "انسان" کہتے ہیں کچھ عجیب حال ہے۔ یہ جتنا کم ہوتا ہے، اتنا ہی نیک اور خوش ہوتا ہے۔ اور جتنا زیادہ بڑھتا ہے، اتنی ہی نیکی اور خوشی اس سے دور ہونے لگتی ہے۔ اس کا کم ہونا خود اس کے لئے اور خدا کی زمین کے لئے برکت ہے۔ یہ جب چھوٹی چھوٹی بستیوں میں گھانس پھونس کے چھپر ڈالکر رہتا ہے، تو کیسا نیک، کیسا خوش، اور کس درجہ حلیم ہوتا ہے؟ محبت اور رحمت اس میں اپنا آشیانہ بناتی ہے اور روح کی پاکیزگی کا نور اس کے جھونپڑوں کو روشن کرتا ہے۔ لیکن جونہی یہ جھونپڑوں سے باہر نکلتا ہے [illegible] اس کی بڑی بڑی بھیڑیں ایک خاص رقبہ میں اکٹھی ہو جاتی ہیں، تو اس کی حالت میں کیسا عجیب انقلاب ہو جاتا ہے؟ ایک طرف تجارت بازاروں میں آتی ہے، صنعت و حرفت کارخانے کھولتی ہے، دولت سربفلک عمارتیں بناتی ہے، حکومت دارات شان و شکوہ کے سامان آراستہ کرتی ہے۔ لیکن دوسری طرف نیکی رخصت ہو جاتی ہے، محبت اور فیاضی کا سراغ نہیں ملتا، اور امن و راحت کی جگہ انسانی مصیبتوں اور شقاوتوں کا ایک لازوال دور شروع ہو جاتا ہے۔ وہی انسان کی بستی جو پہلے نیکی و محبت کی دنیا اور راحت و برکت کی بہشت تھی، اب افلاس و مصیبت کا مقتل اور جرموں اور بدیوں کی دوزخ بنجاتی ہے۔ وہی انسان جو جھونپڑوں کے اندر محبت و فیاضی کی گرمجوشی تھا، اب شہر کے سربفلک محلوں کے اندر بے مہری و خود غرضی کا پتھر ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے عالیشان مکانوں میں عیش و نعمت کے دستر خوان پر بیٹھتا ہے، تو اس کے کتنے ہی ہم جنس سڑکوں پر بھوک سے ایڑیاں رگڑتے ہیں! جب وہ عیش و راحت کے ایوانوں میں حسن و جمال کی محفلیں آراستہ کرتا ہے، تو اس کے ہمسایہ میں یتیموں کے آنسو نہیں تھمتے اور کتنی ہی بیوائیں ہوتی ہیں جن کے بدنصیب سروں پر چادر کا ایک تار بھی نہیں ہوتا! زندگی کی قدرتی یکسانی کی جگہ اب زندگی کی مصنوعی مگر بے رحم تفاوتیں ہر گوشے میں نمایاں ہو جاتی ہیں!

پھر جب انسانی بے مہری اور خود غرضی کے لازمی نتائج ظاہر ہونے لگتے ہیں، بیکاری، افلاس، اور بے نوائی سے مجبور ہو کر بدبخت انسان جرم کی طرف قدم اٹھاتا ہے، تو اچانک دنیا کی زبان کا سب سے زیادہ بے معنی لفظ وجود میں آجاتا ہے۔ یہ "قانون" اور "انصاف" ہے۔ اب بڑی بڑی شاندار عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں اور ان کے دروازہ پر لکھا جاتا ہے "انصاف کا گھر"۔ انصاف کے اس "مقدس گھر" میں کیا ہوتا ہے؟ یہ ہوتا ہے کہ وہی انسان جس نے اپنی بے رحمی و تغافل سے مفلس کو چوری پر اور نیک انسانوں کو بداطوار بنجانے پر مجبور کر دیا تھا، قانون کا پرہیبت جبّہ پہنکر آتا ہے، اور فرشتوں کا سا معصوم اور راہبوں کا سا سنجیدہ چہرہ بنا کر

نعش روند ڈالی

عمر بن سعد کو حکم تھا کہ حسین کی نعش گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالے۔ اب اس کا وقت آیا۔ اسنے پکار کر کہا "اس کام کے لئے کون طیار ہے؟" دس آدمی طیار ہوئے اور گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک روند ڈالا!

چوں بگذرد نظیری خونیں کفن بمحشر : خلقے فغاں کنند کہ ایں داد خواہ کیست؟

اس جنگ میں حضرت حسین کے ۷۲ آدمی مارے گئے اور کوفی فوج کے ۸۸ مقتول ہوئے (ابن جریر۔ کامل۔ یعقوبی۔ دیاری)

سخت محنت! افسوس، انسان کو اپنے رزق کے لئے کیسی کیسی زحمتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں! دیکھو، یہ چٹائی بچھی ہو۔ یہ چمڑے کا تکیہ ہو میں اسے دیوار کے ساتھ لگا دیتا ہوں" اُسنے تکیہ دیوار کے ساتھ لگا کر رکھ دیا "بس ٹھیک ہو۔ اب تم اطمینان کے ساتھ ٹیک لگا کر یہاں بیٹھ جاؤ اور اچھی طرح سستا لو۔ اتنی دیر میں میں تمھارا ادھورا کام پورا کئے دیتا ہوں"

اُسنے یہ کہا، اور ابن ساباط کے کاندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر اُسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ پھر جب اُس کی نظر دوبارہ اُس کی عرق آلود پیشانی پر پڑی، تو اُسنے اپنی کمر سے رُومال کھولا اور اس کی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالا۔ جب وہ پسینہ پونچھ رہا تھا تو اُس کی آنکھوں میں باپ کی سی شفقت اور ہاتھوں میں بھائی کی سی محبت کام کر رہی تھی!

صورت حال کے یہ تمام تغیرات اس تیزی سے ظہور میں آئے کہ ابن ساباط کا دماغ مختل ہو کر رہ گیا۔ وہ کچھ سمجھ نہ سکا کہ معاملہ کیا ہو؟ ایک مدہوش اور بے ارادہ آدمی کی طرح اسنے اجنبی کے اشارہ کی تعمیل کی اور چٹائی پر بیٹھ گیا۔

اب اُسنے دیکھا کہ واقعی اجنبی نے کام شروع کر دیا ہو۔ اُسنے پہلے وہ گٹھڑی کھولی جو ابن ساباط نے باندھنی چاہی تھی مگر نہیں بندھ سکی تھی۔ پھر وہ تھان کھول کر بچھا دئے اور جس قدر بھی تھان موجود تھے، اُن سب کو دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ ایک حصہ میں زیادہ تھے۔ دوسرے میں کم۔ پھر دونوں کی الگ الگ دو گٹھڑیاں باندھ لیں۔ یہ تمام کام اُسنے اس اطمینان اور سکون کے ساتھ کیا، گویا اسمیں اُسکے لئے کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

پھر اچانک اُسے کچھ خیال آیا۔ اُسنے اپنی عبا اُتار ڈالی، اور اسے بھی گٹھڑی کے اندر رکھ دیا۔

اب وہ اُٹھا اور ابن ساباط کے قریب گیا:

"میرے دوست، تمھارے چہرے کی پژمردگی سے معلوم ہوتا ہو کہ تم صرف تھکے ہوئے ہی نہیں ہو بلکہ بھوکے بھی ہو۔ بہتر ہوگا کہ چلنے سے پہلے دودھ کا ایک پیالہ پی لو۔ اگر تم چند لمحے انتظار کر سکو تو میں دودھ لے آؤں" اُسنے کہا، جبکہ اُس کے پر شکوہ چہرہ پر خود مسکراہٹ کی دلآویزی موجود تھی۔ ممکن نہ تھا کہ اس مسکراہٹ سے انسانی قلب کے تمام اضطراب محو نہ ہو جائیں!۔

قبل اس کے کہ ابن ساباط جواب دے، وہ تیزی کے ساتھ دروازہ سے باہر نکل گیا۔

* * *

اب ابن ساباط تنہا تھا۔ لیکن تنہا ہونے پر بھی اس کے قدموں میں حرکت نہ ہوئی۔ اجنبی کے طرز عمل میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے اس کے اندر خوف پیدا ہوتا۔ وہ صرف متحیر اور مبہوت تھا۔

اجنبی کی ہستی اور اُس کا طور طریقہ ایسا عجیب و غریب تھا کہ جب تک وہ موجود رہا، ابن ساباط کو تحیر و تاثر نے سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی نہ دی۔ اجنبی کی شخصیت کی تاثیر سے اس کی دماغی قوت مغلوب ہو گئی تھی۔ لیکن اب وہ تنہا ہوا، تو آہستہ آہستہ اس کا دماغ اپنی اصلی حالت پر واپس آنے لگا۔ یہاں تک کہ دماغی خصائل پوری طرح اُبھر آئے، اور وہ اُسی روشنی میں بات کو دیکھنے لگا جس روشنی میں دیکھنے کا ہمیشہ سے عادی تھا۔ وہ جب اجنبی کا متبسم چہرہ اور دلنواز صدائیں یاد کرتا، تو شک و خوف کی جگہ اُس کے اندر ایک ایسا نا قابل فہم جذبہ پیدا ہو جاتا کہ جو اسے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ لیکن پھر جب وہ سوچتا کہ اس تمام معاملہ کا مطلب کیا ہو؟ اور یہ شخص ہو کون؟ تو اس کی عقل حیران رہجاتی اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اُسنے اپنے دل میں کہا "یہ تو قطعی ہو کہ یہ شخص اس مکان کا مالک نہیں ہو۔ مکان کے مالک کبھی چوروں کا اس طرح استقبال نہیں کیا کرتے۔

...... مگر پھر یہ شخص ہو کون؟......"

اچانک ایک نیا خیال اُس کے اندر پیدا ہوا۔ وہ ہنسا "استغفراللہ میں بھی کیا احمق ہوں۔ یہ بھی کوئی سوچنے اور حیران ہونے کی بات تھی؟ معاملہ بالکل صاف ہو۔ تعجب ہو مجھے پہلے کیوں خیال نہیں ہوا؟ یقیناً یہ بھی کوئی میرا ہی ہم پیشہ آدمی ہو، اور اسی نواح میں رہتا ہو۔ اتفاقات نے آج ہم دونوں چوروں کو ایک ہی مکان میں جمع کر دیا۔ چونکہ یہ اسی نواح کا آدمی ہو، اس لئے اس مکان کے تمام حالات سے واقف ہوگا۔ اُسے معلوم ہوگا کہ آج مکان رہنے والوں سے خالی ہو اور بہ اطمینان کام کرنے کا موقعہ ہو۔ اسی لئے وہ روشنی کا سامان ساتھ لے کر آیا۔ لیکن جب دیکھا کہ میں پہلے سے پہنچا ہوا ہوں تو آمادہ ہو گیا کہ میرا ساتھ دے کر ایک حصہ کا حقدار بنجائے......"

* * *

وہ ابھی سوچ رہا تھا کہ دروازہ کھلا، اور اجنبی ایک لکڑی کا بڑا پیالہ ہاتھ میں لئے نمودار ہو گیا:

"یہ لو، میں تمھارے لئے دودھ لے آیا ہوں۔ اسے پی لو۔ یہ بھوک اور پیاس، دونوں کے لئے مفید ہوگا" اُسنے کہا، اور پیالہ ابن ساباط کو پکڑا دیا۔ ابن ساباط واقعی بھوکا پیاسا تھا۔ بلا تأمل منہ کو لگا لیا اور ایک ہی مرتبہ میں ختم کر دیا۔

اب اُسے معاملہ کی فکر ہوئی۔ اتنے دیر کے وقفہ نے اُس کی طبیعت بحال کر دی تھی۔

"دیکھو، اگرچہ میں تم سے پہلے یہاں پہنچ چکا تھا اور ہاتھ لگا چکا تھا، اور اس لئے ہم لوگوں کے قاعدہ کے بموجب تمھارا کوئی حق نہیں، لیکن تمھاری ہشیاری اور مستعدی دیکھ لینے کے بعد مجھے کوئی تأمل نہیں کہ تمھیں بھی اس مال میں شریک کر لوں۔ اگر تم پسند کروگے تو میں ہمیشہ کے لئے تم سے معاملہ کر لوں گا۔ لیکن دیکھو، میں کہے دیتا ہوں کہ آج جو کچھ بھی یہاں سے لے جائیں گے، اُس میں تم برابر کا حصہ نہیں پا سکتے، کیونکہ دراصل آج کا کام میرا ہی کام تھا" اُسنے صاف آواز میں کہا۔ اُس کی آواز میں اب تأثر نہیں تھا۔ تحکم تھا۔

اجنبی مسکرایا۔ اُسنے ابن ساباط پر ایک ایسی نظر ڈالی جو اگرچہ شفقت و مہر سے خالی نہ تھی، لیکن اس کے علاوہ بھی اسمیں کوئی چیز تھی۔ لیکن ابن ساباط سمجھ نہ سکا۔ اُسنے خیال کیا۔ شاید یہ شخص اس طریق تقسیم پر قانع نہیں ہو۔ اچانک اُس کی آنکھوں میں اُس کی خوفناک مجرمانہ درندگی چمک اُٹھی۔ وہ غصہ سے مضطرب ہو کر کھڑا ہو گیا:

"بے وقوف، چپ کیوں ہو؟ یہ نہ سمجھنا کہ دودھ کا ایک پیالہ پلا کر اور چکنی چپڑی باتیں کر کے تم مجھے احمق بنا لوگے۔ تم نہیں جانتے میں کون ہوں۔ مجھے کوئی احمق نہیں بنا سکتا۔ میں ساری دنیا کو احمق بنا چکا ہوں۔ بولو۔ اسپر راضی ہو یا نہیں؟ اگر نہیں ہو تو ....."

لیکن ابھی اُس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ اجنبی کے لب متحرک ہوئے۔ اب بھی اُس کے لبوں سے اُس کی مسکراہٹ نہیں ہٹی تھی:

"میرے عزیز دوست! کیوں بلا وجہ اپنی طبیعت آزردہ کرتے ہو؟ آؤ یہ کام جلد نپٹالیں جو ہمارے سامنے ہو۔ دیکھو میں نے دو گٹھڑیاں باندھ لی ہیں۔ ایک چھوٹی ہو۔ ایک بڑی ہو۔ تمھارا ایک ہاتھ ہو اس لئے تم زیادہ بوجھ نہیں سنبھال سکتے۔ لیکن میں دونوں ہاتھوں سے سنبھال لوں گا۔ چھوٹی گٹھڑی تم اُٹھا لو۔ بڑی میں اُٹھا لیتا ہوں۔ باقی رہا میرا حصہ جس کے خیال سے تمھیں اتنی آزردگی ہوئی ہو، تو میں بھی نہیں چاہتا۔ اسوقت اُس کا فیصلہ کراؤں۔ تم نے کہا ہو کہ تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کر سکتے ہو۔ مجھے بھی ایسا ہی معاملہ پسند ہو۔ میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کر لو"

"ہاں، اگر یہ بات ہو تو پھر سب کچھ ٹھیک ہو۔ تمھیں ابھی معلوم نہیں میں کون ہوں؟ پورے ملک میں تمھیں مجھ سے بہتر کوئی سردار نہیں مل سکتا" اُسنے بڑی گٹھڑی کے اُٹھانے میں اجنبی کو مدد دیتے ہوئے کہا۔

یہ گٹھڑی اس قدر بھاری تھی کہ ابن ساباط اپنی حیرانی نہ چھپا سکا۔ وہ اگرچہ اپنے نئے رفیق کی زیادہ جرأت افزائی کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی اُس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا

"دوست، تم دیکھنے میں تو بڑے دُبلے پتلے ہو لیکن بوجھ اُٹھانے میں بڑے مضبوط نکلے" ساتھ ہی اُسنے اپنے دل میں کہا "یہ جتنا مضبوط ہو، اُتنا عقلمند نہیں ہو ورنہ اپنے حصے سے دست بردار نہ ہو جاتا۔ اگر آج یہ احمق نہ ملجاتا تو مجھے سارا مال چھوڑ کر صرف ایک دو تھانوں پر قناعت کر لینی پڑتی"

اب ابن ساباط نے اپنی گٹھڑی اُٹھائی جو بہت ہی ہلکی تھی اور دونوں باہر نکلے۔ اجنبی کی پیٹھ جسمیں پہلے سے خم موجود تھا، اب گٹھڑی کے بوجھ سے بالکل ہی جھک گئی تھی۔ رات کی تاریکی میں اتنا بھاری بوجھ اُٹھا کر چلنا نہایت دشوار تھا۔ لیکن ابن ساباط کو قدرتی طور پر جلدی تھی۔ وہ بار بار حاکمانہ انداز سے اصرار کرتا کہ تیز چلو۔ اور چونکہ خود اُس کا بوجھ بہت ہلکا تھا، اس لئے خود تیز چلنے میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں کرتا تھا۔ اجنبی تعمیل حکم کی پوری کوشش کرتا، لیکن اتنا بھاری بوجھ اُٹھا کر دوڑنا انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اس لئے پوری کوشش کرنے پر بھی زیادہ تیز نہیں چل سکتا تھا۔ کئی مرتبہ ٹھوکریں لگیں، بارہا بوجھ گرتے گرتے رہ گیا، ایک مرتبہ اتنی سخت چوٹ کھائی کہ قریب تھا گر جائے۔ پھر بھی اُسنے رُکنے یا سستانے کا نام نہیں لیا۔ گرتا پڑتا اپنے ساتھی کے ساتھ بڑھتا ہی رہا۔

لیکن ابن ساباط اسپر بھی خوش نہ تھا۔ اُسنے پہلے تو ایک دو مرتبہ تیز چلنے کا حکم دیا۔ پھر بے تأمل گالیوں پر اُتر آیا۔ ہر لمحہ کے بعد ایک سخت گالی دیتا اور کہتا تیز چلو۔ اتنے میں جسر دجلہ آیا۔ یہاں چڑھائی تھی۔ جسم کمزور اور تھکا ہوا، بوجھ بیحد بھاری! اجنبی سنبھل نہ سکا اور بے اختیار گر پڑا۔ ابھی وہ اُٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اوپر سے ایک سخت لات پڑی۔ یہ ابن ساباط کی لات تھی۔ اُسنے غضبناک ہو کر کہا: "کُتّے کے بیٹے! اگر اتنا بوجھ سنبھال نہیں سکتا تھا تو لاد کر لایا کیوں؟" اجنبی ہانپتا ہوا اُٹھا۔ اُس کے چہرہ پر درد و شکایت کی جگہ شرمندگی کے آثار پائے جاتے تھے۔ اُسنے فوراً گٹھڑی اُٹھا کر پیٹھ پر رکھی اور پھر روانہ ہو گیا۔

* * *

اب یہ دونوں شہر کے کنارے، ایک ایسے حصہ میں پہنچ گئے جو بہت ہی کم آباد تھا۔ یہاں ایک ناتمام عمارت کا پرانا اور شکستہ احاطہ تھا۔ ابن ساباط اس احاطہ کے ایک جانب پہنچ کر رُک گیا

بربادیوں کے بعد آگ اور موت کی یہ ہولناک دلچسپی جو دیں آسکی ہو؟ اس بات کے سوچنے کی نہ تو لوگوں کو فرصت ملتی ہے۔ نہ وہ سوچنا چاہتے ہیں!

اگر انسان کے ابنا رجنس میں سے، ایک بدبخت مخلوق سُولی کے تختہ پر لٹکا دیا جائے، تو یہ اُن تمام نظاروں میں سے جن کے دیکھنے کا انسان شائق ہوسکتا ہے، سب سے زیادہ دلکش نظارہ ہوتا ہے۔ اتنا دلکش نظارہ کہ گھنٹوں کھڑے رہ کر لٹکتی ہوئی نعش دیکھا رہتا ہے مگر اُس کی سیری نہیں ہوتی۔ لوگ درختوں پر چڑھ جاتے ہیں، ایک دوسرے پر گرنے لگتے ہیں، صفیں چیر چیر کر نکل جانا چاہتے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ اپنے ایک ہم جنس کو جانکنی میں تڑپتے اور پھر ہوا میں معلق جھولتے دیکھ لینے کی لذت حاصل کرلیں! لیکن جس انسان کے پھانسی پانے سے انسانی نظارہ کا یہ سب سے زیادہ دلکش تماشا وجود میں آیا، خود اُس پر کیا گزری؟ اور کیوں وہ اس منحوس اور شرمناک موت کا مستحق ٹھہرا؟ سیکڑوں ہزاروں تماشائیوں میں سے ایک کا ذہن بھی اس غیر ضروری اور غیر دلچسپ پہلو کی طرف نہیں جاتا!

تیسرا حصہ

گرمیوں کا موسم ہے۔ آدھی رات گزر چکی ہے۔ مہینہ کی آخری راتیں ہیں۔ بغداد کے آسمان پر ستاروں کی مجلس شبینہ آراستہ ہے مگر چاند کے برآمد ہونے میں ابھی دیر ہے۔ دجلہ کے پار کرخ کی تمام آبادی نیند کی خاموشی اور رات کی تاریکی میں گم ہے۔

اچانک تاریکی میں ایک متحرک تاریکی نمایاں ہوئی۔ سیاہ لبادے میں ایک لپٹا ہوا آدمی خاموشی اور آہستگی کے ساتھ جارہا ہے۔ وہ ایک گلی سے مڑکر دوسری گلی میں پہنچا، اور ایک مکان کے سائبان کے نیچے کھڑا ہوگیا۔ اب اُسنے سانس لی۔ گویا یہ رکتی کی بند سانس تھی جسے اب آزادی سے اُبھرنے کی مہلت ملی ہے۔ پھر اُسنے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی "یقیناً تین پہر رات گزر چکی ہے" وہ اپنے دلمیں کہنے لگا "مگر کیا بدنصیبی ہے کہ جس طرف رُخ کیا ناکامی ہی ہوئی۔ کیا پوری رات اسی طرح ختم ہوجائے گی؟"

یہ خوفناک ابن ساباط ہے جو دس برس کی طول طویل زندگی قیدخانہ میں بسر کرکے اب کسی طرح نکل بھاگا ہے، اور نکلنے کے ساتھ ہی اپنا قدیم پیشہ ازسرنو شروع کررہا ہے۔ یہ اس کی نئی مجرمانہ زندگی کی پہلی رات ہے، اس لئے وقت کے بے نتیجہ ضائع جانے پر اُس کا بے صبر دل پیچ و تاب کھا رہا ہے۔

اُسنے ہر طرف کی آہٹ لی۔ زمین سے کان لگا کر دُور دُور کی صداؤں کا جائزہ لیا، اور مطمئن ہوکر آگے بڑھا۔ کچھ دُور چلکر اسنے دیکھا ایک احاطہ کی دیوار دُور تک چلی گئی ہے اور وسط میں بہت بڑا پھاٹک ہے۔ کرخ کے اس علاقہ میں زیادہ تر اُمراء کے باغ تھے، یا سوداگروں کے گودام تھے۔ اسنے خیال کیا یہ احاطہ یا تو کسی امیر کا باغ ہے، یا کسی سوداگر کا گودام۔ وہ پھاٹک کے پاس پہونچکر رُک گیا اور سوچنے لگا، اندر کیونکر جائے؟ اُسنے آہستگی سے دروازہ پر ہاتھ رکھا، لیکن اُسے نہایت تعجب ہوا کہ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا صرف بھڑا ہوا تھا۔ ایک سکنڈ کے اندر ابن ساباط کے قدم احاطہ کے اندر پہنچ گئے۔

اُسنے دہلیز سے قدم آگے بڑھایا تو ایک وسیع احاطہ نظر آیا اس کے مختلف گوشوں میں چھوٹے چھوٹے حجرے بنے تھے، اور وسط میں ایک [illegible] بڑی عمارت تھی۔ یہ درمیانی عمارت کی طرف بڑھا۔ عجیب بات [illegible] کہ اس کا دروازہ بھی اندر سے بند نہ تھا چھوتے ہی کھل گیا۔ گویا [illegible] کسی کی آمد کا منتظر تھا۔ یہ ایک ایسی بے باکی کے ساتھ جو صرف مشاق مجرموں ہی کے قدموں میں ہوسکتی ہے، اندر چلا گیا۔ اندر جاکر دیکھا تو ایک وسیع ایوان (ہال) تھا۔ لیکن سامان راحت و زینت میں سے کوئی چیز بھی نہ تھی۔ قیمتی اشیا کا نام و نشان نہ تھا۔ صرف ایک کھجور کے پتوں کی پرانی چٹائی بچھی تھی، اور ایک طرف چمڑے کا ایک تکیہ پڑا تھا۔ البتہ ایک گوشہ میں پشمینہ کے موٹے کپڑے کے بہت سے تھان اس طرح بے ترتیب پڑے تھے۔ گویا کسی نے جلدی میں پھینک دئے ہیں اور اُن کے قریب ہی بھیڑ کی کھال کی چند ٹوپیاں بھی پڑی تھیں۔ اُسنے مکان کی موجودات کا یہ پورا جائزہ کچھ تو اپنی اندھیری میں دیکھ لینے والی آنکھوں سے لے لیا تھا اور کچھ اپنے ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر۔ لیکن اُس کا ہاتھ ایک ہی تھا۔ یہ بغداد والوں کی بول چال میں "ایک ہاتھ کا شیطان" تھا جو اب پھر قید و بند کی زنجیریں توڑ کر آزاد ہوگیا ہے!

دس برس کی قید کے بعد آج ابن ساباط کو پہلی مرتبہ موقعہ ملا تھا کہ اپنے دلپسند کام کی جستجو میں آزادی کے ساتھ نکلے۔ جب اسنے دیکھا، اس مکان میں کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے، اور یہ پہلا قدم بیکار ثابت ہوگا، تو اس کے تیز اور بے لگام جذبات سخت مشتعل ہوگئے۔ وہ دل ہی دل میں اس مکان کے رہنے والوں کو گالیاں دینے لگا۔ جو اپنے مکان میں رکھنے کے لئے قیمتی اشیا فراہم نہ کرسکے۔ ایک مفلس کا افلاس خود اُس کے لئے اس قدر درد انگیز نہیں ہوتا جس قدر اُس چور کے لئے جو رات کے پچھلے پہر مال و دولت تلاش کرتا ہوا پہنچا ہے۔ اسمیں شک نہیں، پشمینہ کے بہت سے تھان یہاں موجود تھے اور وہ کتنے ہی موٹے اور ادنیٰ قسم کے کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی اپنی قیمت رکھتے تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ ابن ساباط تنہا تھا۔ اور صرف تنہا ہی نہیں تھا بلکہ دو ہاتھوں کی جگہ صرف ایک ہاتھ رکھتا تھا۔ وہ ہزار ہمت کرتا، مگر اتنا بڑا بوجھ اس کے سنبھالے سنبھل نہیں سکتا تھا۔ وہ تھانوں کی موجودگی پر معترض نہ تھا۔ اُن کے وزن کی گرانی اور اپنی مجبوری پر متاسف تھا۔ اتنی وزنی چیز چرا کر لیجانا آسان نہ تھا!

"ایک ہزار لعنت کرخ اور اُس کے تمام باشندوں پر" وہ اندر ہی اندر بڑبڑانے لگا "نہیں معلوم یہ کون احمق ہے جسنے یہ ملعون تھان جمع کر رکھے ہیں؟ غالباً کوئی تاجر ہے۔ لیکن یہ عجیب طرح کا تاجر ہے جسے بغداد میں تجارت کرنے کے لئے اور کوئی چیز نہیں ملی۔ اتنا بڑا مکان بناکر اُس میں گدھوں اور خچروں کی جھول بنانے کا سامان جمع کردیا" اُسنے اپنے ایک ہی ہاتھ سے ایک تھان کی ٹٹول ٹٹول کر پیمایش کی "بھلا یہ ملعون بوجھ کس طرح اُٹھایا جاسکتا ہے؟ ایک تھان کے اُٹھانے کے لئے گن کر دس گدھے ساتھ لانے چاہئیں"

لیکن بہرحال کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ رات جارہی تھی، اور اب وقت نہ تھا کہ دوسری جگہ تاکی جاتی۔ اُسنے جلدی سے ایک تھان کھولا اور اُسے فرش پر بچھا دیا۔ پھر کوشش کی زیادہ سے زیادہ تھان جو اُٹھائے جاسکتے ہیں اُٹھالے۔ مشکل یہ تھی کہ مال کم قیمت مگر بہت زیادہ وزنی تھا۔ کم لیتا ہے تو بیکار ہے۔ زیادہ لیتا ہے تو لیجا نہیں سکتا۔ عجب طرح کی کش مکش میں گرفتار تھا۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح یہ مرحلہ طے ہوا، لیکن اب دوسری مشکل پیش آئی۔ صوف کا کپڑا بیحد موٹا تھا۔ اُسے مڑوڑ کر گرہ لگانا آسان نہ تھا۔ دو ہاتھوں سے بھی یہ کام مشکل تھا چہ جائے کہ ایک ہاتھ سے؟ بلاشبہ اس کے پاس ہاتھ کی طرح پاؤں ایک نہ تھا۔ دو تھے لیکن وہ بھاگنے میں مدد دے سکتے تھے صوف کی گٹھری باندھنے کے لئے سودمند نہ تھے۔ اُسنے بہت سی تجویزیں سوچیں، طرح طرح کے تجربے کئے دانتوں سے کام لیا۔ کٹی ہوئی کہنی سے سہارا دیا۔ لیکن کسی طرح بھی گٹھری میں گرہ نہ لگ سکی، وقت کی مصیبتوں میں تاریکی کی شدت نے اور زیادہ اضافہ کردیا تھا۔

اندرونی جذبات کے ہیجان اور بیرونی فعل کی بے سود محنت نے ابن ساباط کو بہت جلد تھکا دیا۔ وقت کی کمی، عمل کا قدرتی خوف، مال کی گرانی، محنت کی شدت، اور فائدہ کی قلت، اُس کے دماغ کے لئے تمام مخالف تاثرات جمع ہوگئے تھے۔

* * *

اچانک وہ چونک اُٹھا۔ اُس کی تیز قوت سماعت نے کسی کے قدموں کی نرم آہٹ محسوس کی۔ ایک لمحہ تک خاموشی رہی۔ پھر ایسا محسوس ہوا، جیسے کوئی آدمی دروازہ کے پاس کھڑا ہے۔ ابن ساباط گھبرا کر اُٹھ کھڑا ہوا، مگر قبل اس کے کہ وہ کوئی حرکت کرسکے، دروازہ کھلا اور روشنی نمایاں ہوئی خوف اور دہشت سے اُس کا خون منجمد ہوگیا۔ جہاں کھڑا تھا، وہیں قدم گڑ گئے۔ نظر اُٹھاکر دیکھا تو سامنے ایک شخص کھڑا ہے۔ اُس کے ایک ہاتھ میں شمعدان ہے، اور اُسے اس طرح اونچا کر رکھا ہے کہ کمرے کے تمام حصے روشن ہوگئے ہیں۔

* * *

اس شخص کی وضع و قطع سے اُس کی شخصیت کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ ملگجے رنگ کی ایک لمبی عبا اُس کے جسم پر تھی جسے کمر کے پاس ایک موٹی رسّی لپیٹ کر جسم پر چست کرلیا تھا۔ سر پر سیاہ قلنسوہ (اونچی دیوار کی ٹوپی) تھی، اور اس قدر کشادہ تھی کہ اُس کے کنارے ابروؤں کے قریب تک پہنچ گئے تھے۔ جسم نہایت نحیف تھا۔ اتنا نحیف کہ صوف کی موٹی عبا پہننے پر بھی اندر کی اُبھری ہوئی ہڈیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں، اور قد کی درازی نے جسمیں کمر کے پاس خفیف سی خمیدگی پیدا ہوگئی تھی، یہ نحافت اور زیادہ نمایاں کردی تھی۔ لیکن یہ عجیب بات تھی کہ جسم کی اس غیر معمولی نحافت کا کوئی اثر اُس کے چہرہ پر نظر نہیں آتا تھا۔ اتنا کمزور جسم رکھنے پر بھی اُس کا چہرہ کچھ عجیب طرح کی تاثیر و گیرائی رکھتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہڈیوں کے ایک ڈھانچے پر ایک شاندار اور دلاویز چہرہ جوڑ دیا گیا ہے۔ رنگت زرد تھی، رخسار بے گوشت تھے، جسمانی تنومندی کا نام و نشان نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی چہرہ کی مجموعی ہیئت میں کوئی ایسی شاندار چیز تھی کہ دیکھنے والا محسوس کرتا تھا، ایک نہایت طاقتور چہرہ اُس کے سامنے ہے۔ خصوصاً اُس کی نگاہیں ایسی روشن، ایسی مطمئن، ایسی ساکن تھیں، کہ معلوم ہوتا تھا، دنیا کی ساری راحت اور سکون انہی دو حلقوں کے اندر سما گئی ہے!

چند لمحوں تک یہ شخص شمع اونچی کئے ابن ساباط کو دیکھتا رہا پھر اس طرح آگے بڑھا، گویا اُسے جو کچھ سمجھنا تھا، سمجھ چکا ہے۔ اس کے چہرہ پر ہلکا سا زیر لب تبسم تھا۔ ایسا دلاویز اور شیریں تبسم جس کی موجودگی انسانی روح کے سارے اضطراب اور خوف دُور کر دے سکتی ہے۔ اُسنے شمعدان ایک طرف رکھ دیا، اور ایک ایسی آواز میں جو شفقت و ہمدردی میں ڈوبی ہوئی تھی، ابن ساباط سے کہا:

"میرے دوست! تم پر خدا کی سلامتی ہو۔ جو کام تم کرنا چاہتے ہو، یہ بغیر روشنی اور ایک رفیق کے انجام نہیں پاسکتا۔ دیکھو، یہ شمع روشن ہے اور میں تمھاری رفاقت کے لئے موجود ہوں۔ روشنی میں ہم دونوں اطمینان اور سہولت کے ساتھ یہ کام انجام دے لیں گے"

وہ ایک لمحہ کے لئے رُکا۔ جیسے کچھ سوچنے لگا ہو پھر اُسنے کہا: "مگر میں دیکھتا ہوں تم بہت تھک گئے ہو۔ تمھاری پیشانی پسینہ سے تر ہورہی ہے۔ یہ گرم موسم، بند کمرہ، تاریکی اور تاریکی میں ایسا
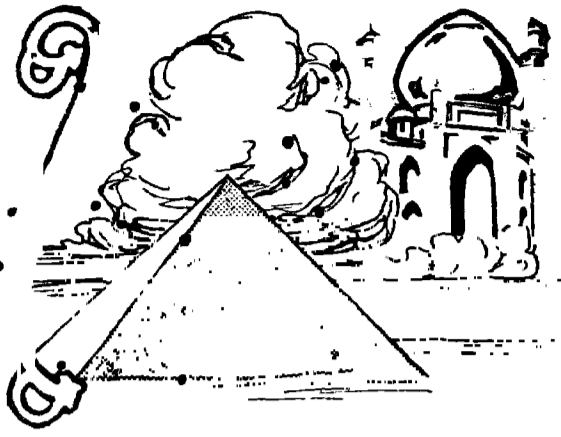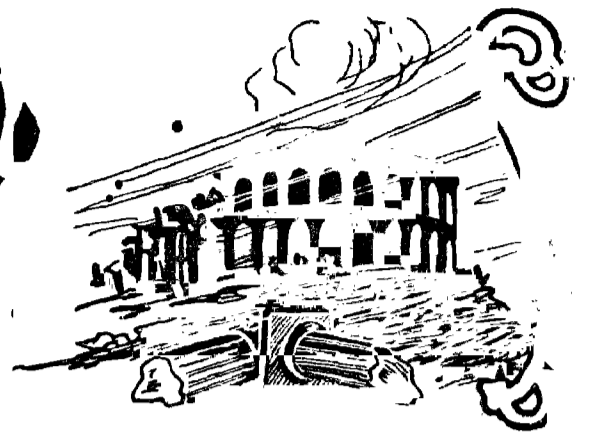
علم الآثار مصر

(قدیم مصری عقائد ـ معاد اور حشر و نشر)

مقتبس از تحقیقات ڈاکٹر احمد کمال بک مرحوم

(۲)

(ممي کرنا)

لاش کے ممي کرنے کا طریقه یه تها که پہلے ناک کے راستے سے دماغ نکال لیتے تھے - پھر معدہ اور آنتیں نکال کر پیٹ صاف کرتے تھے - قسم قسم کے خوشبوئیں اندر بھرتے تھے - پھر جسم کو نمک دیکر ستر دن تک کول تار میں رکھتے تھے - اس کے بعد دھوتے تھے اور کپڑے کی پٹیوں میں ملفوف کر دیتے تھے - جسم کی حفاظت کیلیے ٹونے اور ٹوٹکے بھي کرتے ' اور قسم قسم کے تعویذ لٹکاتے - یه دستور عام تها که چہرے اور انگلیوں پر سونے کا ملمع کر دیتے تھے - خیال تها که جس طرح سونا بگڑتا نہیں ' اِسي طرح اِس عمل سے جسم بھي نہیں بگڑے گا - قبر کے اندر مردے کے کئي بت بھي رکھدیتے تھے تاکه اگر جسم میں کچھه بگاڑ پیدا ھو تو اِن بتوں کي وجه سے روح برابر آتي جاتي رہے - ممي کرنے کا جو طریقه مصریوں نے ایجاد کیا تها ' وہ علم کي اتني ترقي پر بھي جو بیسویں صدي تک ھو چکي ھے ' موجودہ دنیا ایجاد نه کر سکي - حتی که اس کا مصالحه بھي ھمیں معلوم نہیں -

(سحر)

لیکن روح کي واپسي کے لیے صرف اسي قدر کافي نہیں تها - سحر کي بھي ضرورت سمجھي جاتي تھي - اِس موقعه پر جو سحر کیا جاتا تها ' وہ " اوزیس " کے افسانه سے اخذ کیا گیا تها - افسانه یه ھے که " اوزي ریس " کو اُس کے بھائي " ست " نے قتل کر کے اُس کي بوٹیاں کاٹیں اور ھر بوٹي دوسري بوٹي سے بہت دور پھینک دي - اُن کا خیال تها که اوزي ریس پہلا آدمي تها جسے موت آئي - اِس سے پہلے آدمي مرتے نہیں تھے - اس کے قتل کے بعد اُس کي بیوي " ایزیس " بہن " نفتیس " ' بیٹے " هوریس " ' دوست " انوبس " اور " توت " نے سحر کے زور سے اُس کي منتشر بوٹیاں جمع کرلیں - اُنھیں باھم جوڑا ' اور جب پورا جسم جمع ھوگیا تو اُسے برھنه ' ریگ پر کھڑا کردیا - پھر " هوریس " اور " توت " نے جادو کا اوزار اُس کے منھه ' آنکھه ' کان ' بازو ' اور پیروں پر رکھا - اوزار رکھنا تها که فوراً پورا جسم اِسطرح جڑ گیا ' گویا کبھي کٹا ھي نه تها - لیکن روح اب بھي واپس نه آئي - وہ تو قاتل " ست " کے قبضه میں تھي - یه دیکھکر " هوریس " ' " توت " اور اُن کے ساتھیوں نے روح کي جستجو شروع کي - آخر معلوم ھوا که روح تین جانوروں : بیل ' ھرن ' اور بط میں سما گئي ھے - انھوں نے کوشش جاري رکھي ' اور اِن جانوروں کے جسم سے روح نکالنے میں کامیاب ھو گئے - اُس وقت " هوریس " خوشي خوشي روح لایا ' اور اپنے باپ " اوزي ریس " کے منھه پر بوسه دیکر اُس کے جسم میں اتار دي - " اوزي ریس " زندہ ھو گیا - شاید اُسي وقت سے بوسه ' محبت کي علامت قرار پا گیا ھے !

اس واقعه کے بعد سے " اوزي ریس " دائمي زندگي کا دیوتا تسلیم کرلیا گیا - کیونکه موت اُسے مغلوب نه کرسکی - اس دیوتا سے دوسرے دیوتاؤں ' فرعونوں ' اور تمام مصریوں کو زندگي حاصل ھوئي - سقارہ میں چھٹے خاندان کے ایک ھرم پر " کتاب ابدیت " کا یه باب کندہ ھے اور پڑھه لیا گیا ھے -

(آخرت کي زندگي)

مصریوں کا اِبتدا میں عقیدہ یه تها که آخرت میں بھي انسان بالکل ویسي ھي زندگي بسر کرتا ھے ' جیسي دنیا میں اسکي زندگي ھوتي ھے - فرق صرف اسقدر ھے که یہاں کے مصائب و آلام وھاں نہیں ھیں - یہي سبب ھے که وہ مردے کي قبر میں وہ تمام چیزیں رکھدیا کرتے تھے جو دنیاوي زندگي میں اُسے مرغوب تھیں - چنانچه قسم قسم کے کھانے ' کپڑے ' زیور ' ساتھه دفن کر دیتے تھے اور سمجھتے تھے ' وہ مرنے کے بعد بھي اِنسے متمتع ھوگا - یہي نہیں بلکه قبر کي دیواروں پر ان چیزوں کي تصویریں بھي بنا دیتے تھے - نیز اُسکي دلچسپي کي چیزیں مثلاً شکار ' دریا ' میدان جنگ وغیرہ کے مناظر بھي کندہ کر دیتے - اُنھیں یقین تها که سحر کے ذریعه یه تمام تصویریں اور نقوش اصلي ھوجائینگے ' اور اُن سے مردے کو وھي لطف حاصل ھوگا جو زندگي میں حاصل ھوتا تها !

لیکن بتدریج اِن خیالات میں وسعت ھوئي - اُنھوں نے محسوس کیا که دنیاوي زندگي آخري زندگي کا کوئي اعلی نمونه نہیں ھے - چنانچه اسي کا نتیجه ھے که " جنت " کا خیال پیدا ھوا -

(جنت)

لیکن جنت کے تخیل نے بھي بتدریج ترقي کي - شروع میں اُنکي جنت ' سر زمین مصر ھي جیسا ایک خیالي خطه تها جسمیں نہریں جاري تھیں ' سبزہ لہلہاتا تها ' زندگي کي جمله دلفریبیاں جمع تھیں - لیکن اس جنت میں باوجود ھر قسم کے آرام و راحت کے آدمي کو محنت کرنے پر بھي مجبور ھونا پڑتا تها - اُسے اپنا باغ خود درست کرنا پڑتا اور کھانے کے لیے خود ھي کھیتي کرني پڑتي تھي - بعد میں محنت کا خیال جا [illegible] بلا کسي تکلیف کے کھانا پاني حاصل ھونے لگا - اِس کے [illegible] یه مصر سے اٹھکر ملاء اعلی میں پہنچ گئي جہاں کي رونق اور دلفریبي حد تصور سے باھر ھے !

یه معاد کے مصري عقیدے کي انتہائي ترقي تھي -

اور اجنبی سے کہا یہیں بوجھ اُتار دو - پھر خود کود کر اندر گیا اور اجنبی نے باہر سے دونوں گٹھریاں اندر پھینک دیں - اس کے بعد اجنبی بھی کود کر اندر ہوگیا، اور دونوں عمارت کے اندرونی حصہ میں پہنچ گئے - اس عمارت کے نیچے ایک پرانا سرداب (تہ خانہ) تھا جس میں ابن ساباط نے قید خانے سے نکلکر پناہ لی تھی - لیکن اسوقت وہ سرداب میں نہیں اُترا - وہ نہیں چاہتا تھا - اجنبی پر وہ بھی اس درجہ اعتماد کرے کہ اپنا اصلی محفوظ مقام دکھلا دے -

***

جس جگہ یہ دونوں کھڑے تھے دراصل ایک ناتمام ایوان تھا یا تو اسپر پوری چھت پڑی ہی نہ تھی، یا پڑی تھی تو امتداد وقت سے شکستہ ہوکر گر پڑی تھی - ایک طرف بہت سے پتھروں کا ڈھیر تھا ابن ساباط انہی پتھروں میں سے ایک پر بیٹھ گیا - دونوں گٹھریاں سامنے دہری تھیں - ایک گوشہ میں اجنبی کھڑا ہانپ رہا تھا - کچھ دیر تک خاموشی رہی -

یکایک اجنبی بڑھا اور ابن ساباط کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا اب رات ختم ہونے پر تھی - پچھلی پہر کا چاند درخشندہ تھا - کھلی چھت سے اُس کی دھیمی اور ظلمت آلود شعاعیں ایوان کے اندر پہنچ رہی تھیں - ابن ساباط دیوار کے سائے میں تھا - لیکن اجنبی جو اُس کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا تھا، ٹھیک چاند کے مقابل تھا، اس لئے اُس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا - ابن ساباط نے دیکھا کہ تاریکی میں ایک درخشاں چہرہ، ایک نورانی تبسم، ایک پُراسرار اندازِ نگاہ کی دلاویزی سامنے ہے!

"میرے عزیز دوست اور رفیق!" اجنبی نے اپنی اسی دلنوا اور شیریں آواز میں جو دو گھنٹہ پہلے ابن ساباط کو بیخود کر چکی تھی کہنا شروع کیا "میں نے اپنی خدمت پوری کرلی ہے - اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں - اس کام کے کرنے میں مجھ سے جو کمزوری اور سستی ظاہر ہوئی اور اُس کی وجہ سے بار بار تمھیں پریشان خاطر ہونا پڑا، اُس کے لئے میں بہت شرمندہ ہوں اور تم سے معافی چاہتا ہوں مجھے اُمید ہے تم معاف کردوگے - اس دُنیا میں ہماری کوئی بات بھی خدا کے کاموں سے اس قدر ملتی جلتی نہیں ہے جس قدر یہ بات کہ ہم ایک دوسرے کو معاف کردیں اور بخشدیں - لیکن قبل اس کے کہ میں تم سے الگ ہوں، تمھیں بتلا دینا چاہتا ہوں کہ میں وہ نہیں ہوں، جو تم نے خیال کیا ہے - میں اُسی مکان میں رہتا ہوں جہاں آج تم سے ملاقات ہوئی تھی، اور تم نے میری رفاقت قبول کرلی تھی - میری عادت ہے کہ رات کو تھوڑی دیر کے لئے اُس کمرے میں جایا کرتا ہوں جہاں تم بیٹھے تھے - آج آیا تو دیکھا، تم اندھیرے میں بیٹھے ہو اور تکلیف اُٹھا رہے ہو - تم میرے گھر میں میرے عزیز مہمان تھے - افسوس میں آج اس سے زیادہ تمھاری تواضع اور خدمت نہ کرسکا - تم نے میرا مکان دیکھ لیا ہے - آیندہ جب کبھی تمھیں ضرورت ہو، تم بلا تکلف اپنے رفیق کے پاس چلے آسکتے ہو - خدا کی سلامتی اور برکت ہمیشہ تمھارے ساتھ رہے"

یہ کہا اور آہستگی سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر مصافحہ کیا، اور تیزی کے ساتھ نکلکر روانہ ہوگیا -

اجنبی خود تو روانہ ہوگیا لیکن ابن ساباط کو ایک دوسرے ہی عالم میں پہونچا دیا - اب وہ مبہوت اور مدہوش تھا - اُس کی آنکھیں کھلی تھیں - وہ اُسی طرف تک رہی تھیں جس طرف سے اجنبی روانہ ہوا تھا، لیکن معلوم نہیں اُسے کچھ سوجھائی بھی دیتا تھا یا نہیں!

***

دوپہر ڈھل چکی ہے - بغداد کی مسجدوں سے جوق جوق نمازی نکل رہے ہیں - دوپہر کی گرمی نے امیروں کو تہ خانوں میں اور غریبوں کو دیواروں کے سائے میں بٹھا دیا تھا - اب دونوں نکل رہے ہیں - ایک تفریح کے لئے، دوسرا مزدوری کے لئے - لیکن ابن ساباط اس وقت تک وہیں بیٹھا ہے جہاں صبح بیٹھا تھا - رات والی دونوں گٹھریاں سامنے پڑی ہیں، اور اُس کی نظریں اس طرح اُن میں گڑی ہوئی ہیں گویا اُن کی شکنوں کے اندر اپنے رات والے رفیق کو ڈھونڈھ رہا ہے!

بارہ گھنٹے گزر گئے، لیکن جسم اور زندگی کی کوئی ضرورت بھی اُسے محسوس نہیں ہوئی - وہ بھوک جس کی خاطر اُسنے اپنا ایک ہاتھ کٹوا دیا تھا، اب اُسے نہیں ستاتی - وہ خوف جس کی وجہ سے سورج کی روشنی اُس کے لئے دنیا کی سب سے زیادہ نفرت انگیز چیز ہو گئی تھی، اب اُسے محسوس نہیں ہوتا! اُس کے دماغ کی ساری قوت صرف ایک نقطہ میں سمٹ آئی ہے - اور رات والے عجیب غریب "اجنبی" کی صورت ہے - وہ خود تو اُس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی، مگر اُسے ایک ایسے عالم کی جھلک دکھا دی، جو اب تک اُس کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا!

اُس کی ساری زندگی گناہ اور سیہ کاری میں بسر ہوئی تھی اُسنے انسانوں کی نسبت جو کچھ دیکھا سُنا تھا، وہ یہی تھا کہ خود غرضی کا پُتلہ اور نفس پرستی کی مخلوق ہے - وہ نفرت سے مُنہ پھیر لیتا ہے، بے رحمی سے ٹھکرا دیتا ہے، سخت سے سخت سزائیں دیتا ہے؛ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ محبت بھی کرتا ہے، اور اسمیں فیاضی، بخشش، اور قربانی کی بھی روح ہوسکتی ہے - بچپن میں اُسنے بھی خدا کا نام سُنا تھا اور لوگوں کو خدا پرستی کرتے دیکھا تھا - لیکن جب زندگی کی کشاکش کا میدان سامنے کھلا تو اُس کا عالم ہی دوسرا تھا - اُسنے قدم اُٹھا دیا اور حالات کی رفتار جس طرف لے گئی، بڑھ گیا - نہ تو خود اُسے کبھی مُہلت ملی کہ خدا پرستی کی طرف متوجہ ہوتا، اور نہ انسانوں نے کبھی اس کی ضرورت محسوس کی کہ اُسے خدا سے آشنا کرتے - جوں جوں اُس کی شقاوت بڑھتی گئی، سوسائٹی اپنی سزا وعقوبت کی مقدار بھی بڑھاتی گئی - سوسائٹی کے پاس اُسکی شقاوت کے لئے بے رحمی تھی، اس لئے یہ بھی دنیا کی ساری چیزوں میں سے صرف بے رحمی ہی کا خوگر ہوگیا -

لیکن اب اچانک اُس کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا - آسمان کے سورج کی طرح محبت کا بھی ایک سورج ہے - یہ جب چمکتا ہے تو روح اور دل کی ساری تاریکیاں دُور ہوجاتی ہیں - اب یکایک اس سورج کی پہلی کرن ابن ساباط کے دل کے تاریک گوشوں پر پڑی، اور وہ بہ یک دفعہ تاریکی سے نکلکر روشنی میں آگیا -

اجنبی کی شخصیت اپنی پہلی ہی نظر میں اُس کے دل تک پہنچ چکی تھی، لیکن وہ جہالت دگرہی سے اس کا مقابلہ کرتا رہا - اور حقیقت کے فہم کے لئے طیار نہیں ہوا - لیکن جونہی اجنبی کے آخری الفاظ نے وہ پردہ ہٹا دیا جو اُسنے اپنی آنکھوں پر ڈال لیا تھا، حقیقت اپنے پوری شان تاثیر کے ساتھ بے نقاب ہوگئی، اور اب اس کی طاقت سے باہر تھا کہ اُس تیر کے زخم سے سینہ بچا لے جاتا!

اُسنے اپنی جہالت سے پہلے خیال کیا تھا - اجنبی بھی میری طرح کا ایک چور ہے، اور اپنا حصہ لینے کے لئے میری رفاقت و اعانت کر رہا ہے - اُس کا ذہن یہ تصور ہی نہیں کرسکتا تھا کہ بغیر غرض اور انتفاع کے ایک انسان دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرسکتا ہے - لیکن جب اجنبی نے چلتے وقت بتلایا کہ وہ چور نہیں، بلکہ اُسی مکان کا مالک ہے جس مکان کا مال و متاع غارت کرنے کے لئے وہ گیا تھا، تو اُسے ایسا محسوس ہوا، جیسے یکایک ایک بجلی آسمان سے گر پڑی:

"یہ چور نہیں تھا - مکان کا مالک تھا لیکن اُس نے چور کو پکڑ اور سزا دلا دینے کی جگہ اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟" اس "کیا سلوک کیا؟" کا جواب اُس کی روح کے لئے ناسُور اور اُس کے دل کے لئے ایک دہکتا ہوا انگارا تھا - وہ جس قدر سوچتا، روح کا زخم گہرا ہوتا جاتا، اور دل کی تپش بڑھتی جاتی - اس تمام عرصہ میں اجنبی کے ساتھ جو کچھ گزرا تھا، اُس کا ایک ایک واقعہ، ایک ایک حرف یاد کرتا، اور ہر بات کی یاد کے ساتھ ایک تازہ زخم کی چبھن محسوس کرتا - جب ایک مرتبہ حافظہ میں یہ سرگزشت ختم ہوجاتی، تو پھر نئے سرے سے یاد کرنا شروع کردیتا، اور آخر تک پہونچا کر پھر ابتدا کی طرف لوٹتا - "میں اُس کے یہاں چوری کرنے کے لئے گیا تھا - میں چور تھا - میں اس کا مال و متاع غارت کرنا چاہتا تھا - میں نے اُسے بھی چور سمجھا - اُسے گالیاں دیں - بے رحمی کی ٹھوکر لگائی . . . . مگر اُسنے میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟" ہر مرتبہ اس آخری سوال کا جواب سوچتا اور پھر یہی سوال دُہرانے لگتا -

***

سُورج ڈوب رہا تھا - بغداد کی مسجدوں کے مناروں پر مغرب کی اذان کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں - ابن ساباط بھی اپنے غم آباد گوشہ میں اُٹھا - چادر جسم پر ڈالی اور بغیر کسی جھجھک کے باہر نکل گیا - اب اس کے دل میں خوف نہیں تھا - کیونکہ خوف کی جگہ ایک دوسرے ہی جذبہ نے لے لی تھی!

وہ کرخ کے اُسی حصہ میں پہونچا جہاں رات گیا تھا - رات والے مکان کے پہچاننے میں اُسے کوئی دقت پیش نہیں آئی مکان کے پاس ہی ایک لکڑہارے کا جھونپڑا تھا یہ اُس کے پاس گیا اور پوچھا:

"یہ جو سامنے بڑا سا احاطہ ہے، اسمیں کون تاجر رہتا ہے؟"

"تاجر" بوڑھے لکڑہارے نے تعجب کے ساتھ کہا "معلوم ہوتا ہے تم یہاں کے رہنے والے نہیں ہو - یہاں تاجر کہاں سے آیا؟ یہاں تو شیخ جنید بغدادی رہتے ہیں"

ابن ساباط اس نام کی شہرت سے بے خبر نہ تھا لیکن صورت آشنا نہ تھا -

ابن ساباط مکان کی طرف چلا - رات کی طرح اسوقت بھی دروازہ کھلا تھا - یہ بے تامل اندر چلا گیا - سامنے وہی رات والا ایوان تھا - یہ آہستہ آہستہ بڑھا اور دروازہ کے اندر نگاہ ڈالی - وہی رات والی چٹائی بچھی تھی - رات والا تکیہ ایک جانب دھرا تھا - تکیہ سے سہارا لگائے "عجیب اجنبی" بیٹھا تھا - تیس چالیس آدمی سامنے تھے - واقعی "اجنبی" "تاجر" نہیں تھا - شیخ جنید بغدادی تھے!

اتنے میں عشا کی اذاں ہوئی لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے - جب سب لوگ جا چکے تو شیخ بھی اُٹھے جونہی انھوں نے دروازہ کے باہر قدم رکھا، ایک شخص بے تابانہ بڑھا اور قدموں پر گر گیا - یہ ابن ساباط تھا - اُس کے دل میں سمندر کا تلاطم بند تھا - آنکھیں جو کبھی تر نہیں ہوئی تھیں دجلہ کی سوتیں بن گئی تھیں - دیر تک رکی رہیں مگر اب نہیں رُک سکتی تھیں - آنسوؤں کا سیلاب آجائے تو پھر دل کی کونسی کثافت ہے جو باقی رہ سکتی ہے؟

شیخ نے شفقت سے اُس کا سر اُٹھایا - یہ کھڑا ہوگیا مگر زبان نہ کھل سکی اور اب اس کی ضرورت بھی کیا تھی؟ جب نگاہوں کی زبان کھل جاتی ہے تو مُنہ کی زبان کی ضرورت باقی نہیں رہتی!

***

اس واقعہ پر کچھ عرصہ گذر چکا ہے - شیخ احمد ابن ساباط کا شمار سید الطائفہ کے حلقۂ ارادت کے اُن فقرا میں ہے جو سب میں پیش پیش

والٹیر
جسنے کلیسائي اور شاھي استبداد کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا !

مہذب، سنجیدہ، با اصول، فیاض، اور دوستوں کا وفادار دکھائي دیتا ھے - کبھي اپنے دوستوں پر جان و مال قربان کرنے پر تلا ھے - کبھي دشمنوں کو پاؤں سے روند ڈالنے پر اڑا ھے - والٹیر ایسي ھي متناقص صفات و اخلاق کا مجموعہ ھے !

لیکن یہ صفتیں اُسکي شخصیت کي اصلي بنیادیں نہیں ھیں - اُسکي شخصیت کے ستون جس چٹان پر قائم تھے، وہ اُسکي اعلی دماغي قابلیت اور حیرت انگیز ذھانت تھي - ثبوت کے لیے کسي تاریخي شہادت کي ضرورت نہیں - اُسکي کتابیں خود سب سے بڑي شہادت ھیں - ننانوے ضخیم جلدیں اُسکي یادگار ھیں - اُنکا ھر صفحہ روشني کے حروف میں لکھا ھے - ھر سطر اپني جگہہ پر ایک کامل سحر ھے - اِتني بڑي، اِتني کثیر، اِتني متنوع کتابیں، کم لوگوں نے چھوڑي ھیں - وہ معلومات و مباحث کي وسعت و تنوع کے لحاظ سے انسائیکلو پیڈیا کا حکم رکھتي ھیں - تاھم حشو و زواید بہت کم ھیں -

خود والٹیر کا قول ھے "میرا پیشہ یہ ھے کہ جو کچھہ میرے ذھن میں آئے اُسے کہہ ڈالوں" زندگي بھر اسنے اسي پر عمل کیا - لیکن اسکے ذھن میں ھمیشہ وھي آتا تھا جو کہنے کے لائق ھوتا تھا - لغو افکار سے اسکا دماغ بالا تر تھا، اُسکي سب سے بڑي مہارت یہ تھي کہ ھر خیال کو ایسے پیرایہ میں ادا کردیتا تھا کہ سامعین وجد کرنے لگتے تھے !

والٹیر کي سب سے زیادہ موثر، دلچسپ، اور عجیب تحریریں وہ ھیں، جو اس نے مسیحي کلیسا کے خلاف لکھي ھیں - معلوم ھے کہ اُس نے کلیسا کے جمود اور تعصب کے خلاف (خود اُسي کے لفظوں میں) جنگ مقدس (کروسیڈ) کا اعلان کیا تھا - اِن تحریروں میں اُس نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے ھیں - لفظ اور سطریں نہیں ھیں، جرار فوجیں ھیں جو حملہ آور ھو رھي ھیں - در حقیقت مسیحي کلیسا کے ھزار سالہ تخت حکومت کے پائے اسي کے نوک قلم سے ٹوٹے، اور اس طرح ٹوٹے کہ پھر کسي طرح بھي استوار نہ ھوسکے !

والٹیر کي شہرت صرف اسکي کتابوں اور قصیدوں ھي سے نہیں ھوئي بلکہ وہ بہت بڑا مقرر اور لسان بھي تھا - اِنھیں مختلف قابلیتوں کے مجموعہ نے اُسے اپنے زمانہ کا سب سے بڑا آدمي بنا دیا !

والٹیر غضب کا محنتي تھا - کام سے کبھي نہیں تھکتا - یہي سبب ھے کہ اتنا بڑا علمي ذخیرہ چھوڑ گیا، جتنا اسکے کسي ھم عصر کے امکان میں نہ تھا - اُسکي غیر معمولي چستي کے ثبوت میں خود اُسي کے بہت سے اقوال پیش کیے جا سکتے ھیں - وہ کہتا ھے :

"سستي اور عدم ایک چیز ھے"

ایک اور جگہہ لکھتا ھے :

"تمام آدمي اچھے ھیں، بجز اُنکے، جنکے پاس کرنے کے لیے کوئي کام نہیں !"

اُسکے سکریٹري کا بیان ھے :

"والٹیر بڑا سخي تھا - صرف اپنے وقت میں بخل کرتا تھا"

اُسکا مشہور مقولہ ھے :

"زندگي کے مصائب کم کرنے کے لئے نفس کو ھمیشہ زیادہ سے زیادہ کام میں مشغول رکھنا چاھئے ... میري عمر جتني زیادہ ھوتي جاتي ھے، محنت کي ضرورت کا اتنا ھي زیادہ یقین ھوتا جاتا ھے - جو شخص محنت کا عادي ھوجاتا ھے، اُسے محنت میں اتني مسرت حاصل ھوتي ھے کہ زندگي کي تمام کلفتیں بھول جاتا ھے"

اُسکا یہ قول ضرب المثل ھوگیا ھے :

"اگر خود کشي منظور نہیں ھے تو اپنے لیے کوئي کام پیدا کرلو"

اِسي جملہ سے لوگوں نے خیال کیا ھے کہ اسکے دل میں خود کشي کا خیال پیدا ھوا کرتا تھا - اسي لیے وہ ھمیشہ کام میں منہمک رھتا تھا -

(اٹھارھویں صدي کي روح)

ویکٹر ھیوگو کا قول ھے :

"والٹیر اور اُس کي روح کا سمجھہ لینا پوري اٹھارھوي صدي کي روح کا سمجھہ لینا ھے"

"اٹلي ایک بڑي تہذیب کا منبع تھا - جرمني سے اصلاح دیني کا سر چشمہ پھوٹا - لیکن فرانس ؟ تو فرانس میں والٹیر تھا - والٹیر ایک پوري قوم تھا - انقلاب عظیم کي دعوت تھا - نہیں، سرتاپا انقلاب تھا - فرانس کا مشہور انقلاب، جس نے خون کي موجوں سے ایک نئي دنیا پیدا کر دي، والٹیر ھي کا ایک افسون حیات تھا - یہ شخص اپنے اندر سب کچھہ رکھتا تھا - اُس میں "مونٹین" کا شک تھا - "رابیلیہ" کا تمسخر تھا - "لوتھر" کي حملہ آورانہ قوت تھي - اُسي نے میرابو، مورات، ڈانٹن، روبسپیرو، پیدا کیے تھے، اور وہ بارود بنائي تھي جس سے اُنھوں نے دنیا کے تمام نظام ھاے قدیم کي عمارتیں بہ یک دفعہ ھوا میں اڑادیں !"

لامارتین کہتا ھے :

"اگر انسان کا عمل اُس کي عظمت کا میزان ھے تو بلا شک والٹیر موجودہ یورپ کا سب سے بڑا کاتب تھا - قدرت نے اُس کي عمر میں برکت دي - ۸۳ سال زندہ رھا - قدیم نظام کے معائب معلوم کیے، اس کے خلاف جہاد کیا، اور جب مرا تو وھي فتحمند تھا -"

کسي مصنف کو بھي اپنے عہد میں اِتنا اِقتدار حاصل نہیں ھوا، جتنا والٹیر نے حاصل کیا تھا - تمام جہان اُس کا مخالف تھا - کلیسا جو اُس وقت تک سب سے بڑي قوت تھي، دشمن تھا - حکومت خون کي پیاسي تھي - اُسے قید کیا گیا - جلا وطن کیا گیا - ذلیل کیا گیا - اُس کي کتابیں روکي گئیں، جلائي گئیں،

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

۱۲۴ – ۱۲۴

والتیر

FRANCOIS DE VOLTAIRE.

اردو علم ادب کي بے مایگي هرگوشۂ علم و فن میں نمایاں هے - لیکن سب سے زیادہ افسوس ناک کمي یہ هے کہ اِس وقت تک علوم و ادبیات کي وہ اُمہات و اصول بھي اردو میں منتقل نہ هوسکیں جن کے بغیر موجودہ عہد کي کوئي زبان ' ترقي پذیر زبان تسلیم نہیں کي جا سکتي - " اُمہات و اصول " کا لفظ جب کبھي علوم و کتب کے لیے بولا جاتا هے تو اُس سے مقصود یہ هوتا هے کہ هر علم و فن کي وہ بنیادي چیزیں ' جو بمنزلۂ اصل و اساس هیں ' اور جنھوں نے اپنے دائرۂ بحث و نظر میں مبادیات و قواعد کا درجہ حاصل کر لیا هے - مثلاً منطق میں ارسطو کا مقالہ ' ریاضي میں اقلیدس کے مقالات ' قانون میں سولن کے مباحث ' طب میں جالینوس کے رسائل خمسہ ' نظام حکومت میں افلاطون کي جمہوریۃ ' تاریخ میں میں هیرو دوٹس کي کتاب ' فن بلاغۃ میں جاحظ کے مقدمات ' قصص میں الف لیلہ ' منطق استقرائي میں بیکن کا مقالہ ' وغیرہ ذلک - علوم و ادب کا کتنا هي وسیع و وقیع ذخیرہ فراهم هوجائے ' مگر وہ سب برگ و بار هیں - سب سے پہلے اُن کي جڑیں زبان میں اُستوار هوني چاهیئں - لطف یہ هے کہ یہ کام کچھہ ایسا دشوار بھي نہیں - اهل علم کي اگر ایک مختصر جماعت مستعد هوجائے ' تو دو تین سال کے اندر اُمہات علوم و ادب کا بڑا حصہ اردو میں منتقل هو جا سکتا هے - لیکن مشکل یہ هے کہ نہ تو اس وقت تک هم میں ایسے اهل علم پیدا هوئے هیں جنھیں خدمت علم کا اس درجہ شوق هو ' نہ ملک میں علمي طلب هے جو اهل علم کو اِس طرف متوجہ کرے - بنیاد ان تمام کار و بار علم کي قومي تعلیم هے ' اور وهي اس وقت تک مفقود هے -

اِس سلسلہ کا ایک اهم گوشہ یورپ کي جدید تاریخ اجتماع و تمدن کي اُمہات و اصول اور اُنکے رجال علم و نظر هیں - موجودہ دور کي تاریخ ' انقلاب فرانس سے شروع کي جاتي هے - انقلاب فرانس کي تخم ریزي جس عہد میں هوئي ' وہ اٹھارهویں صدي کا ابتدائي حصہ هے - اِس عہد میں چند شخصیتیں ایسي پیدا هوگئي تھیں ' جنکي دماغي سیرت میں وقت کي تمام انقلابي قوتیں سمٹ آئي تھیں - وہ سرتا پا پیکر انقلاب تھیں - اُنھي کے دماغ و قلم نے انقلاب فرانس کي تخم ریزي کي ' اور اُنھي کے مبادیات و اصول هیں جن سے یورپ کے نئے دور کي تاریخ کا آغاز هوا - مورخین نے انھیں " انقلاب کے ارکان ثلاثہ " سے تعبیر کیا هے - اگرچہ تعداد میں تین سے زیادہ هیں ' لیکن قلم و کتابت کي تقسیم میں اُنکے حلقے تین هي هیں :

(۱) والتیر Valtaire -

(۲) روسو Rausseou -

(۳) اور انسائیکلو پیڈیا کے اهل قلم The Encyclopedie -

آخري جماعت اس لقب سے اسلیے موسوم هوئي کہ اس نے سب سے پہلے فرانسیسي زبان میں انسائیکلو پیڈیا مرتب کي ' اور علم اور حریت فکر کے مباحث کي اشاعت اُس کے اوراق و مجلدات کے ذریعہ هوئي - اس میں سب سے زیادہ نامور اهل قلم دو تھے : ڈیڈرو diderot اور ڈالمبرٹ D' Alembert -

ایک مدت سے مجھے خیال تھا کہ ان ارکان ثلاثہ کي وہ تحریریں جن کا شمار اُمہات و مبادیات میں سے کیا جاتا هے ' اردو میں منتقل کردي جائیں ' تا کہ علاوہ اردو علم ادب کي تکمیل کے ' غیر انگریزي داں طبقہ کے مطالعہ کیلیے تاریخ جدید کے ذهني مبادیات مہیا هوجائیں ' اور وہ اسکے محاسن و نقائص ' دونوں سے با خبر هوسکیں - کئي سال هوے ' میں نے روسو کا "لا کنٹرکٹ سوشیل" Le Contrat Social اور ایمیل Emilius ترجمہ کیلیے بعض دوستوں کو دیا تھا - کچھہ حصہ کا ترجمہ هوا بھي ' لیکن افسوس هے کہ انکي بے ذوقي تکمیل سے مانع هوئي اور اُسکے بعد مجھے بھي توجہ کرنے کي مہلت نہ ملي - میرے کرنے کے کام دوسرے هیں جن کي تکمیل و اشاعت سے ابتک عہدہ برا نہ هوسکا - ان کاموں کے لیے وقت کہاں سے لاؤں ؟

لیکن اب الہلال شائع هوا هے تو اسکے صفحات کے تنوع میں هر طرح کے بحث و نظر کي گنجائش هے - خیال هوا ' کم از کم ایک سلسلہ مضامین اس موضوع پر ایسا مرتب کردیا جاے ' جس سے ایک حد تک کتابوں کے فقدان کي تلافي هوسکے - چنانچہ آج " والتیر " سے یہ سلسلہ شروع کیا جاتا هے - اس کے تین حصے هیں - پہلا حصہ جو آج شائع کیا جاتا هے اُسکي دماغي سیرۃ پر اجمالي نظر هے اور اُسکے مختصر حالات زندگي پر مشتمل هے - دوسرے میں اُسکے اصول و تعلیمات کا خلاصہ هے - تیسرے میں اسپر نقد و تبصرہ هے - اور وهي اس سلسلہ کي سب سے زیادہ اهم چیز هوگي -

(والتیر)

ایک دن والتیر ' مشہور رقاصہ رومانیل کے ساتھہ اُسکي گاڑي میں بیٹھا تھا - رقاصہ تھیٹر جا رهي تھي جہاں آج والتیر کے شہرۂ آفاق ڈراما " میروب " کي مشق کرنا تھي - وہ بہت پریشان تھي - کہنے لگي " کامیابي کے ساتھہ یہ ڈراما اور اُسکے دقیق جذبات دکھانے کیلیے ضروري هے کہ میرے جسم میں شیطان حلول کر جائے "

" سچ هے بیگم ! هر فن میں کامیابي اسي پر موقوف هے کہ شیطان جسم میں حلول کر جائے " والتیر کا جواب تھا !

والتیر کے تمام دشمنوں نے خصوصاً کلیسائی حریفوں نے بیک زبان کہا هے کہ شیطان اسکے اندر حلول کیے تھا - چنانچہ سینٹ بوف کا قول هے " ابلیس اُسکے جسم میں تھا " رومیسٹر کہتا هے " یہہ شخص ' جہنم کي تمام قوتوں اور هولناکیوں کا مالک تھا " !

در اصل والتیر اپنے وقت کا پورا آدمي تھا - یورپ کي اٹھارویں صدي کي ادبیات کي سچي تصویر اِس فلسفي شاعر میں هم دیکھہ سکتے هیں - اُسکي تصانیف میں اُس عصر کي جملہ بھلائیاں اور برائیاں ' دونوں جمع هوگئي هیں - کبھي وہ نہایت مذموم ' کج خلق ' بد اطوار ' فحاش ' بے اصول ' مفرط ' اور کمینہ نظر آتا هے - کبھي از حد لطیف '

پرا - یه اُس کا پہلا عشق تھا - اسلیے عمر بھر اسکي چبھن دل میں باقي رهي !

سنه ۱۷۱۵ - میں والٹیر اپنے والد سے علحدہ هوکر پیرس پہونچا - اِسي زمانه میں لوئي چهاردهم نے انتقال کیا اور لوئي پانزدهم تخت نشین هوا - بادشاہ کمسن تها ' اسلئے سلطنت کي باگیں اُسکے مربي فلیپ ڈورلین کے هاتھوں میں آگئیں - یه شخص کم همت اور ضعیف الارادہ تها - ملک میں بد امني پهیل گئي - پیرس اِسکا مرکز تها - والٹیر شورش پسندوں میں داخل هوگیا ' اور اپني بے باکي اور جرأت کي وجهه سے بہت جلد ممتاز جگه حاصل کرلي -

اُسکي جرأت کا اندازہ صرف اِس ایک واقعه سے کیا جا سکتا ہے که نائب سلطنت نے کفایت شعاري کے خیال سے شاهي اصطبل کے آدھے گھوڑے بیچ ڈالنے کا حکم دیا تها - اِس پر والٹیر نے ایک مضمون میں لکھا " کاش نائب سلطنت آدھے گدھوں کي فروخت کا بهي حکم صادر کردیتے جو حکومت کي اونچي کرسیوں پر بیٹھتے هیں ! "

حکام کي نظر سے یه مضمون گذرا تو سخت برهم هوے - پھر نائب سلطنت کي هجو میں دو قصیدے شایع هوئے اور خیال کیا گیا که والٹیر نے هي لکھے هیں - اب پوري حکومت اسکي دشمن هوگئي - ایک دن کسي تفریح گاہ میں نائب سلطنت نے والٹیر کو دیکھا اور بلاکر کہا " میں تم سے شرط باندھتا هوں که عنقریب تمهیں ایک ایسي جگهه بهیجدونگا جسے تمهاري ان آنکھوں نے کبھي نہیں دیکھا ہے ! " والٹیر نے تمسخر سے سوال کیا " وہ کون جگهه هوسکتي ہے ؟ " نائب نے کہا " باسٹل کي تاریک کوٹھریاں ! "

اِس گفتگو پر پورے چوبیس گھنٹے بهي نہیں گذرے تھے که والٹیر باسٹل کے خوفناک قید خانه میں بند تها - یه واقعه سنه ۱۷۱۷ - کا ہے - کاش اُس وقت حکومت کو معلوم هوتا که ایک دن یہي باسٹل والٹیر کے پیدا کردہ انقلاب کے هاتھوں منهدم هوکر رهیگا !

اِس وقت تک والٹیر اپنے اصلي نام " فرانسوا ماري اروبه " سے مشہور تها - لیکن قید هونے کے بعد آیندہ حکومت کے شکنجه سے بچنے کے لیے ' ایک فرضي نام اختیار کرلیا جو والٹیر تها - یه فرضي نام اِس درجه مشہور هوا که آج تاریخ کے سوا کہیں بهي اس کا اصلي نام نہیں ملسکتا -

قید خانه میں اُسنے بڑي همت و جرأت سے کام لیا ' اور اپني شہرۂ آفاق کتاب " هنریاڈ " تصنیف کي - یه دراصل هنري چهارم کا قصه ہے جو پہلے پروٹسٹنٹ هوا تها - پھر دوبارہ کیتھولک هو گیا ' اور آخرکار قتل کیا گیا -

قید خانه میں وہ گیارہ مہینے رها - اِس اثنا میں اُسے سخت جسماني تکلیفیں دي گئیں - لیکن بعد میں خود نائب سلطنت کو رحم آگیا - عزت کے ساتھه رها کر دیا گیا اور سالانه وظیفه بهي مقرر هوگیا - والٹیر کي شوخ طبعي کا اندازہ اِس سے هو سکتا ہے که اُس نے نائب سلطنت کو شکریه کا خط اِن الفاظ میں لکھا تها :

" اعلی حضرت نے میرے رزق کا جو اهتمام کیا ہے ' اس کے لیے شکر گذار هوں - مگر میري دست بسته درخواست ہے که میري سکونت کے انتظام کرنے کي حضور کبھي زحمت گوارا نه کریں !

اُسکا اشارہ قید خانه کي طرف تها -

باسٹل سے نجات پانے کے بعد والٹیر نے اپنا مشہور ڈراما " اڈیپ " لکھا - یه ایک نہایت هي درد انگیز قصه ہے - بہت مقبول هوا اور مسلسل ۴۵ دن تک پیرس کے تھیٹروں میں دکھایا گیا - والٹیر کے والد کو اِسکا حال معلوم هوا تو خاص اُسکے دیکھنے کے لیے پیرس آیا - تماشه دیکھتے وقت اپني مسرت بار بار یه کهکر ظاهر کرتا " آہ شیطان آہ شیطان ! "

اسي ڈراما میں اُسنے اپنے یه انقلاب انگیز خیالات ظاهر کیے تھے :

" همارے کاهن ویسے نہیں هیں جیسا سادہ لوح عوام اُنهیں سمجھتے هیں "

" اِن کاهنوں کے علوم و معارف کیا هیں ؟ در اصل هماري سادہ لوحي اور زود اعتقادي هي اُن کے علوم و معارف هیں ! "

" همیں اپني قوت پر یقین کرنا اور ایمان لانا چاهیے - هر چیز خود اپني آنکھوں سے دیکھني چاهیے - در حقیقت هماري عقل هي همارا معبود ' همارا عبادت خانه ' اور همارا کاهن ہے "

اِس ڈراما سے والٹیر نے چار هزار فرنک حاصل کیے - اُس نے یه رقم ضایع نہیں کي - بلکه اُسے اپنا راس المال قرار دیا اور بڑي هوشیاري سے اُسے بڑھاتا رها - اُسکا اصول تها که آدمي کو اپني روزي اپني محنت سے کماني چاهیے اور اپني کمائي سے کچھه نه کچھه پس انداز ضرور کرنا چاهیے - وہ کہا کرتا تها " فلسفه چھانٹنے سے پہلے آدمي کو زندہ رهنے کي حکمت سیکھني چاهیے " !

الهلال

کا

یه ۷ - وان نمبر هے

لیکن

اِس وقت تک توسیع اشاعت کے لیے دفتر نے آپکو کوي زحمت نہیں دي ہے - کیا آپ کو خود اِس طرف توجه نه هوگي ؟

اس میں شک نہیں که اصحاب ذوق نے جس طرح الهلال کا استقبال کیا ' شاید هي اُسکي کوئي دوسري نظیر اردو اخبارات میں مل سکے - لیکن مشکل یه ہے که پرچه کي ترتیب و طباعت کا معیار بہت بلند ہے ' اور قیمت اُسکے مقابله میں بہت کم - اب یا تو قیمت بڑھاني چاهیے - یا اتني وسیع اشاعت هوني چاهیے که اُس سے قیمت کي کمي کي تلافي هوجاے -

جنتي ... بچے ' اور بڑھئے ڈالون تک کو سزا دي گئي - مگر والٹیر کے عزم و همت میں فرق نه آیا - وه تمام دشمنوں پر غالب آیا - تمام مشکلات پر فتحمند هوا - اُس نے همیشه حق و حقیقت کا اظهار کیا اور بالآخر دنیا کي گردنیں اُس کے علمي و عقلي جبروت کے آگے جهک گئیں - یا تو اُسے ذلیل سمجها جاتا تها - یا پهر یه هوا که پادشاه ' شهنشاه ' اور روم کے پوپ تک ' اُس کي خوشامدیں کرنے لگے - سب اُس کي هیبت سے لرز اٹهے - پاپاؤں کي روحاني گدي اور بادشاهوں کے زریں تخت هلنے لگے - آدهي دنیا نے اِس ساحر کے لیے اپنے کان کهول دئے' اور اُس کي زبان و قلم کا هر لفظ باشندگان یورپ کے دلوں میں اُتر گیا !

والٹیر ایک ایسے زمانه میں پیدا هوا تها جس کي سب سے بڑي ضرورت تخریب اور شکست و ریخت تهي - جرمني کا نیٹشے کهتا هے " هنسنے والے شیروں کے نمودار هونے کي ضرورت هے " والٹیر نے یه نهیں کها' مگر وه سچ مچ کو شیر کي طرح گرجتا اور هنستا هوا اٹها ' اور قدیم نظام کي کهنه عمارت ڈها دي - در حقیقت یورپ کي موجوده بیداري اور تهذیب کا سهرا دو هي آدمیوں کے سر هے: والٹیر اور روسو - اِنهي دونوں نے انقلاب فرانس کي تخم ریزي کي' اور وه سب کچهه مهیا کر دیا جس کي اِس انقلاب کو ضرورت تهي - بدنصیب لوئي شانزدهم نے قتل هونے سے چند دن پہلے قید خانه میں والٹیر اور روسو کي کتابیں دیکهي تهیں - وه بے اختیار چلا اٹها " اِنهي دو آدمیوں نے فرانس کو برباد کیا هے ! " ظاهر هے که فرانس کي بربادي سے بدنصیب بادشاه کا مقصود اپنے خاندان کي بربادي تهي - نپولین اعظم کها کرتا تها " بور بون (فرانس کا خاندان شاهي) اپنا تخت و تاج محفوظ رکهه سکتا تها اگر والٹیر اور روسو کا منهه بند کر دیتا " خود والٹیر کهتا هے " کتابیں هي قوموں پر حکومت کرتي هیں " اسي کا مقوله هے " دماغي تربیت سے بڑهکر کوئي ذریعه آزادي کا نهیں" ایک اور موقعه پر اُس نے کها " جب قوم سوچنے لگ جائے تو پهر منزلِ مقصود سے اُسے روکنا نا ممکن هو جاتا هے " والٹیر کے ظهور کے ساتهه فرانس نے سوچنا شروع کیا ' اور دنیا کي کوئي قوت بهي اُسے آگے بڑهنے سے روک نه سکي -

(مختصر سوانح حیات)

والٹیر کا اصلي نام " فرانسو ماري اوربه " هے - سنه ۱۶۹۴ ع میں پیرس میں پیدا هوا - اُس کا باپ رجسترار تها اور ماں ایک شریف گهرانے کي خاتون تهي - خیال کیا جاتا هے که والٹیر نے اپني غصه ور طبیعت اپنے باپ سے ورثه میں پائي تهي ' اور ذهانت ماں سے - والٹیر کے پیدا هونے میں اُس کي ماں کو اِتني تکلیف هوئي که جانبر نه هو سکي - وه خود بهي از حد کمزور تها - حتی که اُس کي دائي نے گود میں لیتے هي کهه دیا تها " بچه ایک دن سے زیاده نهیں جیئگا " لیکن اُس کا اندازه غلط تها - وه ۸۴ سال تک زنده رها - البته بیماریوں اور جسماني تکلیفوں میں همیشه مبتلا رها -

والٹیر کا ایک بڑا بهائي بهي تها - اسکا نام " ارمان " تها - لیکن وه ازاد خیالي کے جرم میں کلیسا کے حکم سے قتل کر ڈالا گیا - اُسکا ایک واقعه بهت مشهور هے - وه جب قید تها اور پهانسي کا حکم صادر هو گیا تها' تو بعض دوستوں نے رائے دي- توبه کر کے جان بچالے- لیکن یه سنکر وه بهت غضب ناک هو گیا - اُس نے کها " دوستو! شکریه - اگر تم خود پهانسي پر لٹکنا پسند نهیں کرتے تو اُن لوگوں کي راه کیوں روکتے هو جو پهانسي پانا پسند کرتے هیں؟ "

والٹیر کا باپ اپنے دونوں لڑکوں کي شکایت کیا کرتا تها " خدا نے مجهے دو پاگل بیٹے دیے هیں : ایک کو نثر کا جنون هے ' دوسرے کو نظم کا " والٹیر نے شعر کهنا اُس وقت سے شروع کیا جبکه وه اپنا نام بهي صحیح طور پر نهیں لکهه سکتا تها - اُسکا باپ عملي زندگي کا عادي تها - اُسنے اپنے لڑکے کي یه حالت دیکهکر افسوس کے ساتهه یقین کر لیا که یه بالکل ناکاره نکلےگا - اُسے کیا معلوم تها' ایک دن اُسکا یهي " ناکاره " تمام یورپ کا سب سے بڑا اهل قلم تسلیم کیا جائگا !

والٹیر کي ماں کے انتقال کے بعد اُسکا خاندان پیرس چهوڑ کر دیهات میں جا بسا - یهاں ایک دولتمند فاحشه نے والٹیر کو دیکها اور اُسمیں آثار ذهانت و نجابت پائے - چنانچه مرنے سے پہلے وه یه نیک کام کر گئي که دو هزار فرنک والٹیر کو هبه کر دیے - تا که " اس روپیه سے اُسے کتابیں خرید دي جائیں "

والٹیر کو اِن کتابوں سے بڑا نفع هوا - وه عمر بهر اِس آبرو باخته عورت کا احسان مند رها - اِسکے بعد ایک راهب کو اُس سے محبت هو گئي - لیکن یه راهب دراصل ملحد تها - اِس نے اُسے شک و الحاد کي تلقین کي ' اور کلیسا کے طرف سے نفرت و انکار دلنشین کر دیا -

اِسکے بعد وه پادریوں کے مدرسه میں دیني تعلیم حاصل کرنے کیلیے داخل کیا گیا - یهاں اُسنے فن مناظره اور علم کلام سیکها - اُس وقت بڑا علمي کمال یه سمجها جاتا تها که ایک هي مسئله کو به زور جدل دو متناقض پهلوؤں سے ثابت کردیا جائے - والٹیر نے اِس فن میں کمال حاصل کر لیا - نتیجه یه نکلا که کسي مسئله پر بهي اُسے یقین باقي نه رها - مدرسه میں وه بڑا محنتي طالب علم مشهور تها - حتی که فرصت کے اوقات میں بهي جبکه اور لڑکے کهیل کود میں مصروف هوتے ' وه اساتذه سے لاهوتي مسائل پر بحث کیا کرتا - اپني طالب علمانه زندگي کے متعلق وه کها کرتا تها " پادریوں نے مجهے لاطیني زبان اور بهت سي بیهوده بکواس سکهادي هے ! "

تعلیم ختم کرنے کے بعد اُسے عملي دنیا کي طرف توجه هوئي ' اور اپنے لیے کوئي پیشه منتخب کرنا چاها - اُسنے اپنے باپ سے بلا پس و پیش کهدیا " میں شعر و ادب کو اپنا پیشه بناؤنگا " باپ بهت خفا هوا اور بهت سمجهایا - مگر اُسنے ایک نه سني' اور اپني هٹ پر قائم رها - لطف یه هے که اِس پیشه کے متعلق خود اُسکي رائے یه تهي : " شعر و ادب اُن لوگوں کا مشغله هے جو اجتماعي زندگي میں بے فائده بننا اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کے سر پر بوجهه هونا چاهتے هیں - یه اُن لوگوں کا پیشه هے جو بهوکوں مر جانا پسند کرتے هیں "

۲۱ - برس کي عمر تک والٹیر نے اپنے تئیں رندي و عیاشي کیلیے وقف کر رکها تها - راتیں باهر گزارتا تها اور دن گهر پر :

همه شب شراب خوردن همه روز خواب کردن !

اُسکے والد کو اِس تهتک سے بڑي تکلیف تهي - اُسنے لاکهه کوشش کي مگر اصلاح کي کوئي صورت نه نکلي - آخر اپنے ایک سخت گیر رشته دار کے هاں بهیجدیا - شروع میں تو اِس نئے مربي نے بڑي سختي کي - لیکن پهر اُسکي غیر معمولي قابلیت و ذهانت دیکهکر آزاد چهوڑ دیا - والد کو معلوم هوا تو اُسنے واپس بلا لیا اور هالینڈ میں فرانسیسي سفیر کے حواله کر دیا که اپني نگراني میں رکهے - یهیں هالینڈ کے پائے تخت لاهائي میں والٹیر نے ایک دو شیزه سے عشق کیا' مگر راز جلد کهل گیا' اور حضرت کو هزاروں حسرتوں کے ساتهه وطن بهاگنا

پر جوش نو مسلم هي کا استقبال کر سکتے تھے - بونا پارتي (بونا پارٹ کو اسکي قوج محبت سے اور انگریز حقارت سے "بونا پارتي" کہتے تھے) اسکے لیے بھي بے دریغ طیار ھو گیا "

نپولین کے مورخوں میں فین سب سے زیادہ جوش مخالفت رکھتا ھے - اس نے اپني تاریخ صرف اسلیے لکھي ھے تا کہ وہ تمام مواد جمع کردے جو نپولین کي مخالف جماعتوں نے اسکے خلاف راے عامہ پیدا کرنے کیلیے طیار کیا تھا - وہ اس معاملہ میں اسکي " انتہا درجہ کي شیطنت " محسوس کرتا ھے ' اور واقعہ کے نا گوار پہلوؤں کي تکمیل کیلیے اتنا حصہ اور بڑھا دیتا ھے کہ " اس نے بار بار مسلمان مشایخ کو خوش کرنے کیلیے مسیحي مذھب کي ھنسي اڑائي اور عیسائیوں کو گالیاں دیں "

بوربون خاندان اور انکے حامیوں نے نپولین کے خلاف تبلیغ و اشاعت کا ایک خاص صیغہ قائم کر رکھا تھا - ھر مہینہ کوئي نہ کوئي رسالہ انگلستان سے چھپکر نکلتا اور تمام یورپ میں تقسیم کیا جاتا - اس کام کیلیے تنخواہ دار اھل قلم مہیا کیے گئے تھے - انھي میں ایک شخص تیبر نامي تھا - اسنے ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا تھا کہ " کیا بونا پارت ترک (مسلمان) ھو گیا ھے ؟ " تھیرس اس رسالہ کا ذکر کرتے ھوے لکھتا ھے " اس میں نپولین کي کئي تصویریں اس طرح کي بنائي گئي تھیں ' جیسي از منۂ وسطی (مڈل ایجز) میں پیغمبر اسلام کي بنائي گئي تھیں - نہایت خونخوار قیافہ - چشم و ابرو سے قتل و خونریزي کے جذبات ٹپک رھے ھیں - ایک ھاتھہ میں برھنہ تلوار ھے - دوسرے میں قرآن "

چند سالوں کے بعد جب نپولین نے پوپ کو پیرس بلایا تاکہ اُس کي تاج پوشي کي رسم ادا کرے ' تو لندن کے ایک اخبار کا کارٹون بہت مشہور ھوا تھا - اس میں نپولین کے ایک ھي دھڑ پر دو رو پشت چہرے بنائے تھے - ایک پر پگڑي تھي - ایک برھنہ تھا - پگڑي والے سر کے منھہ سے یہ الفاظ نکل رھے تھے " میں مشرق میں اس لیے آیا ھوں تا کہ دین محمدي زندہ کردوں " مگر برھنہ سر کہہ رھا تھا " میں مشرق سے واپس آگیا تاکہ نوتر دم کے گھنٹوں کا مقدس بلاوا سنوں ! " پہلا جملہ نپولین کے اعلان مصر سے ماخوذ تھا - دوسرا اُس کي ایک پر جوش تقریر سے ' جس میں اُس نے مذھب کي ضرورت اور تاثیر پر زور دیتے ھوئے کہا تھا " میرے حافظہ میں کسي چیز کي صدا اس قدر عمیق تاثیر پیدا نہیں کرتي ' جس قدر گرجے کے گھنٹے کي مسلسل صدائیں "

لیکن جب کہ مخالفین نے اس معاملہ کو اس درجہ اھمیت دي ' تو موافقین نے بھي اُس کي اھمیت گھٹانے میں کوئي کمي نہیں کي - نپولین کے اکثر ثنا خواں اس بارے میں ساکت رھے ھیں - بعضوں نے ذکر کیا بھي ھے تو اس سے زیادہ نہیں کہ اُس نے اپنے اعلانات میں اپنے آپ کو اسلام کا دوست ظاھر کیا تھا - بعض نے انکار و تغلیط میں صراحت سے بھي کام لیا ھے اور لکھہ دیا ھے کہ " یہ واقعہ ھي سرے سے غلط ھے " فرشے اور کلیبر مورخانہ سنجیدگي کے ساتھہ لکھتے ھیں " منجملہ اُن تہمتوں کے جو شہنشاہ کے دشمنوں نے تراشي تھیں ایک تہمت یہ بھي تھي " گین تھیوم اور لیس کیس نے (اور آخرالذکر اُن لوگوں میں سے ھے جو سینٹ ھلینا میں نپولین کے رفیق رھے تھے) اس معاملہ کا کوئي ذکر نہیں کیا ھے - بیورین نپولین کا سکریٹري اور مصر و شام میں اُس کے ساتھہ تھا - وہ نپولین کے واقعات مصر بہت تفصیل سے بیان کرتا ھے ' لیکن اس معاملہ کا کوئي ذکر نہیں کرتا - خود نپولین نے سینٹ ھلینا میں اپنے سوانح حیات پر اپنے خیالات قلمبند کرائے تھے جو دو جلدوں میں مرتب ھوکر شائع ھوئے - اس میں وہ مصر کے واقعات کا بہ تفصیل ذکر کرتا ھے - اسلام کا بھي ذکر کرتا ھے - یہ بھي کہتا ھے کہ اگر ضرورت ھوتي تو اسلام قبول کر کے تمام اسلامي ممالک زیر نگیں کر لیتے اور ایک عظیم مشرقي مملکت کي بنیاد رکھدینے میں مجھے تامل نہ ھوتا - لیکن اس کا اعتراف نہیں کرتا کہ اُس نے اسلام قبول کر لیا تھا -

(مصر کے مسلمان مورخ)

نپولین کے حملۂ مصر کا زمانہ اگرچہ مشرق کے دماغي و علمي تنزل کے بلوغ کا زمانہ تھا ' اور مصر و شام کے عہد وسطی کي رھي سہي علمي قوتیں نویں صدي ھجري میں تقریباً ختم ھو چکي تھیں ' تا ھم جامع ازھر کے وسیع حلقۂ درس و تدریس کي بدولت علم کي کمیت بدستور قائم تھي - اگر چہ کیفیت مفقود ھوچکي تھي - شہاب الدین خفاجي صاحب درة الغواص - سید مرتضی زبیدي صاحب تاج العروس - شمس الدین الشامي صاحب سیرة الشامیہ و عقود الجمان - ابو بکر مرعي صاحب کواکب الدریہ - نور الدین الحلبي صاحب سیرة حلبیہ - ابن فضل اللہ المحبي صاحب خلاصة الاثر - ابو الفتح اسحاقي صاحب لطائف الاخبار - ابو العباس مقري صاحب نفح الطیب - شمس الدین بکري صاحب تحفة البھیہ - ابن یوسف الحلاق صاحب تحفة الاحباب - شمس الدین تمرتاشي صاحب تنویر الابصار - شرنبلالي شارح متون حنفیہ - شیخ اسماعیل زرقاني شارح موطا و مواھب - وغیرہ علماء مصر کا زمانہ تقریباً گیارھویں اور بارھویں صدي ھجري کا زمانہ ھے ' اور اُس عہد سے متصل ھے جب نپولین مصر میں داخل ھوا ھے - ھجري سنہ کے حساب سے حملۂ مصر سنہ ۱۲۱۳ - میں ھوا ھے - یعنی تیرھویں صدي کے بالکل اوائل میں -

چنانچہ ھم دیکھتے ھیں کہ اس زمانے میں بھي علماء مصر و شام ' خصوصاً علماء ازھر کي ایک بہت بڑي تعداد موجود تھي جو درس و تدریس کے ساتھہ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھي رکھتي تھي - ان میں سب سے زیادہ نمایاں اشخاص جنکا نپولین اور فرانسیسي حکام سے زیادہ سابقہ رھا ' یا انھوں نے اُس عہد کے حالات قلمبند کیے ' حسب ذیل ھیں :

(۱) شیخ عبد اللہ الشرقاوي : جامع ازھر کے مشاھیر اساتذہ میں سے تھے - نپولین نے مصر کے شہري انتظام کے لیے چودہ ارکان کي ایک مجلس شوری بنائي تھي جو " دیوان " کے نام سے پکاري جاتي تھي - شیخ شرقاوي کو اسکا رئیس منتخب کیا تھا - انھوں نے ۲۰ - سے زیادہ کتابیں یادگار چھوڑي ھیں - ان میں ایک قیمتي کتاب تحفة الناظرین ھے جس میں فرانسیسیوں کے حملہ سے لیکر انکي واپسي تک کے چشم دید حالات بالاختصار بیان کیے ھیں - سنہ ۱۱۵۰ میں پیدا ھوے ' اور ۱۲۲۷ مطابق سنہ ۱۸۱۲ میں انتقال کیا - تحفة الناظرین مصر میں چھپ گئي ھے -

(۲) شیخ سلیمان فیومي : یہ بھي اساتذۂ ازھر میں سے تھے ' اور مشیخت کے درجہ تک پہونچ چکے تھے - نپولین نے انھیں بھي " دیوان " کا رکن منتخب کیا تھا - نپولین کے جانے کے بعد جب سردار عسکر کلیبر کو سلیمان حلبي نے قتل کرڈالا اور فرانسیسیوں نے فوجي عدالت میں تحقیقات کي ' تو یہ بڑے مخمصہ میں پھنس گئے - لیکن بالاخر نجات پائي - انھوں نے بھي ایک مختصر رسالہ

تاریخ و عبر

فرانس کا فاتح اعظم اور اسلام

کیا نپولین مسلمان ہوگیا تھا ؟

اٹھارھویں صدي کے اوائل کا ایک تاریخي مبحث

نپولین کا حملۂ مصر اس کي فاتحانہ اولعزمیوں کا ایک غیر معمولي واقعہ ہے - اُس کي زندگي کے تمام مورخوں نے یہ واقعہ بڑي شرح و تفصیل سے لکھا ہے - یکم جولائي سنہ ۱۷۹۸ ع کو فرانسیسي فوج نے سر زمین مصر پر قدم رکھا تھا ' اور سنہ ۱۸۰۱ ع میں واپسي پر مجبور ہوئي تھي -

لیکن اُس حملہ کي داستان کا ایک واقعہ ایسا ہے جس میں نہ توتمام مورخ متفق ہوسکے - نہ کوئي ایک رائے مضبوطي کے ساتھہ ظاہر کي جاسکي - بعضوں نے اُسے اِس درجہ غیر وقیع تصور کیا کہ یکقلم نظر انداز کر دیا - بعضوں نے اس قدر اھمیت دي کہ خاص خاص عنوان اور ابواب اُس کے لیے ترتیب دیے - نپولین کے عہد میں اور اُس کے کچھہ عرصہ بعد تک اُس کي مخالفت اور موافقت کے جذبات نہایت شدید تھے - اس لیے یہ واقعہ مخالفوں کے لیے بہت زیادہ اھم ' مگر موافقوں کے لیے نظر انداز کر دینے کے قابل تھا -

یہ نپولین کے مسلمان ہونے یا اپنے تئیں مسلمان ظاہر کرنے کا واقعہ ہے -

تمام تاریخدان متفق ہیں کہ نپولین نے مصر پہنچنے سے پہلے ہي ایسے اعلانات طیار کر لیے تھے جن میں باشندگان مصر کو مخاطب کیا گیا تھا اور مملوکوں کے خلاف (جو وہاں عملاً حکمراني کر رہے تھے اگرچہ حکماً سیادت دولۃ عثمانیہ کو حاصل تھي) اُبھارا تھا - ان اعلانات میں نپولین نے یہ بھي لکھا تھا " میں اسلام و قرآن کا مخالف نہیں ہوں - بلکہ سچا حامي ہوں - میں چاھتا ہوں ' اصلي اسلام تازہ ہوجائے ' اُس کي عظمت و شوکت برقرار رہے ' اور اُس کے دشمن ناکام و نامراد ہوں " اس میں بھي سب کا اتفاق ہے کہ اس نے مصر جاتے ہوئے راستہ میں اسلام اور قرآن کي نسبت غیر معمولي واقفیت حاصل کرلي تھي - وہ مصر کے علما و مشائخ کو اپني واقفیت سے متعجب کردینے کي کوشش کرتا ' اور اُنھیں بار بار یقین دلاتا کہ اسلام کي بہت بڑي عزت اُس کے دل میں ہے - اس سے بھي کسي نے انکار نہیں کیا ہے اور خود اُس نے بھي اپنے سینٹ ھلینا کے خود نوشتہ تذکرہ میں اعتراف کیا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے مسئلہ پر اُس نے مصر کے مشائخ سے طول طویل گفتگو کي تھي ' اور وہ کم سے کم شرطیں معلوم کرلي تھیں جو مسلمان ہونے کے لیے ضروري ہیں - یہ واقعہ بھي مسلّم ہے کہ اُس کے بعض فوجي افسر مسلمان ہوگئے تھے اور مسلمان خاندانوں میں رشتہ داریاں کرلي تھیں - چنانچہ ژاک مینیو جو کلیبر کے قتل کے بعد مصر کا فوجي حاکم منتخب ہوا تھا ' علانیہ مسلمان ہوگیا تھا ' اور " عبداللہ جاک " کے نام سے مشہور تھا - اُس نے ایک مسلمان عورت سے نکاح بھي کرلیا تھا -

لیکن ان تمام متفقہ امور کے ساتھہ جس بات میں اختلاف ہے ' وہ یہ ہے کہ نپولین نے اپنے آپ کو اسلام کا پیرو بھي ظاہر کیا تھا یا نہیں ؟

اُس کے مخالفین کہتے ہیں - وہ مسلمان ہوگیا تھا - یا کم از کم اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا تھا - اُنھوں نے نپولین کے جرائم کي فہرست میں یہ واقعہ بھي شامل کیا ہے ' اور اس سے اُسکي طبعي منافقت ' بے دیني ' اور ابن الوقتي پر استدلال کیا ہے -

نپولین نے جب شام پر حملہ کیا ' تو سر سڈني اسمتھہ نے جو انگرېزي بیڑہ کا امیر البحر تھا شام کے عیسائیوں کے نام ایک اعلان بھیجا تھا - اسمیں لکھا تھا : " وہ انگریز امیر البحر پر جو ایک سچا مسیحي بہادر ہے پوري طرح بھروسہ کریں ' اور نپولین کي کچھہ پروا نہ کریں جو پہلے ایک بے اصول مرتد تھا ' اور اب مصر کے شیخوں کے ھاتھہ پر مسلمان ہو چکا ہے ! "

نپولین کے مشہور بحري حریف لارڈ نیلسن نے اپني مشہور اور تاریخي آشنا ' لیڈي ھملٹن کو لکھا تھا :

" یہ کوئي تعجب کي بات نہیں کہ وہ (نپولین) مصر میں دین محمدي کا غازي بن گیا ہے اور اِسکي خبریں ھندوستان کے تباہ شدہ مسلمان نبابوں (نوابوں) تک پہنچ گئي ہیں - مجھے یقین ہے - اگر اُسے اسٹریلیا کے باشندوں کو خوش کرنے کي ضرورت ہوتي تو وہ بلا تامل اپنے تمام فوجي افسروں کے ساتھہ اُس درخت کے تنہ کي پرستش شروع کر دیتا جسپر وہ مردوں کي کھوپڑیاں رکھا کرتے ہیں ! "

انقلاب فرانس کا مشہور ابن الوقت تیلراند ' Talleyrand نپولین کے تذکرہ میں لکھتا ہے " اُس نے کبھي اس بات پر ندامت ظاہر نہیں کي کہ وہ مصر کے اماموں اور شیخوں کے سامنے مملوکوں کي پگڑي اور جبہ پہنکر گیا تھا ' اور کہا تھا ' میں دین محمدي زندہ کرنے اور اسکے لیے جنگ مقدس کرنے آیا ہوں ! "

نپولین کا مشہور انگریز سوانح نویس ایلي سن کہتا ہے " یہ اُس کي زمانہ ساز اور ابن الوقت طبیعت کا سب سے زیادہ مکمل مظہر تھا - اگر نیلسن نے ابو قیر کا بیڑا تباہ نہ کر دیا ہوتا اور قسمت اس سے موافق ہوتي ' تو یقیناً وہ ھندوستان کے ساحل پر قرآن حمایل کیے ہوے اُترتا ' اور حیدر علي سے کہتا : میں دین محمدي کے دشمنوں کو ھندوستان سے نکالنے کیلیے آگیا ہوں - اُسکے بعد اگر وہ دیکھتا کہ ھندوستان کے کروڑوں بت پرستوں کو رام کرنے اور انگریزوں کے بر خلاف اُبھارنے کیلیے اِسکي ضرورت ہے کہ اپنے آپ کو مقدس دیوتاؤں کا پرستار ظاہر کرے ' تو اس میں بھي اُسے اُتنا ہي تامل ہوتا ' جتنا تامل مسلمان ہونے میں ہوا تھا ! " -

سر والٹر اسکاٹ کا قلم اُن تمام انگریز اہل قلم میں جنھوں نے اُس عہد میں نپولین پر قلم اُٹھایا ہے ' زیادہ مستند تسلیم کیا گیا ہے - وہ بھي اس واقعہ میں نپولین کي " منافقانہ طبیعت " کا پورا ظہور دیکھتا ہے اور لکھتا ہے " مصر کے متعصب شیخ اُسوقت ایک

شیخ خلیل بکری

جو نپولین کے زمانه میں نقیب السادات مصر تھے -
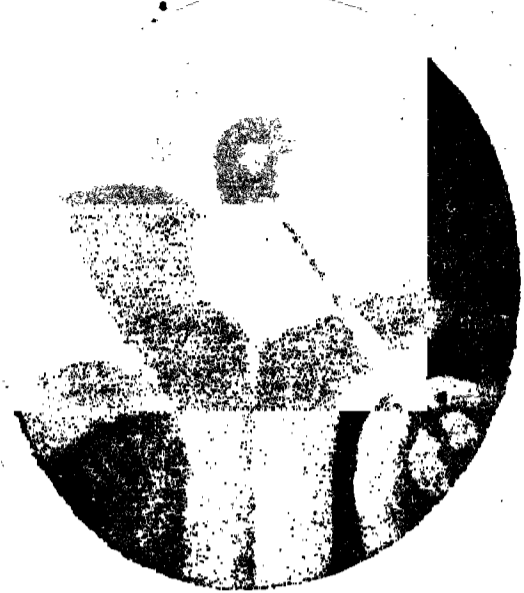
رج کیے جاتے تھے - یه دنیا میں عربی زبان کا سب سے پہلا
خبار تھا - اس کی تحریر سید منصور کے ذمه تھی - اس طر
اقعات و حوادث کی کتابت و تدوین کا انہیں ایسا مستند موقعه مل
یا جو دوسروں کو حاصل نه تھا - سنه وفات ۱۲۳۰ھ ہے -

(دو شامی مورخ)

لیکن مصر سے باہر دو مشرقی قلم آور بھی تھے جو اس عہد کے
حوادث و سوانح ضبط کتابت میں لا رہے تھے : نقولا ترک ' اور امیر
یدر شہاب -

پہلا مصنف لبنان کے ایک مسیحی خاندان سے تعلق رکھتا تھا
و قسطنطنیه سے آکر وہاں مقیم ہوگیا تھا - اِس نے نپولین کی
دگی ہی میں نپولین کی تاریخ عربی زبان میں لکھی تھی جس
پہلا حصه مع فرانسیسی ترجمه کے سنه ۱۸۳۹ ع میں پیرس
شائع ہوا - اس حصه میں فرانسیسیوں کے مصر سے اخراج تک
واقعات درج ہیں - اس کتاب کی قدر و قیمت بہت بڑھ جاتی
جب خیال کیا جائے ' که یه مشرق کی سب سے پہلی کتاب ہے
و نپولین کے حالات میں لکھی گئی ' اور اُس وقت لکھی گئی
ب خود یورپ میں بھی اس کی کوئی بڑی تاریخ نہیں لکھی
ی تھی - نپولین کے حملهٔ شام کے واقعات کا بڑا حصه مصنف
چشم دید واقعات میں سے ہے - اس نے سنه ۱۲۴۴ - مطابق
نه ۱۸۲۸ - میں انتقال کیا -

امیر حیدر لبنان کے خاندان " شہاب " کا ایک صاحب علم و
امیر تھا - اُس نے کئی کتابیں شام و لبنان کی تاریخ میں
ی ہیں جن میں نپولین کے حملهٔ مصر و شام کے حوادث بھی
ئے ہیں - ان میں سے غرر الحسان اور نزهة الزمان خصوصیت کے
نه قابل ذکر ہیں - امیر موصوف کا سال وفات سنه ۱۲۵۱ -
طابق ۱۸۳۵ ع ہے -

(علماء مصر کی تصویریں)

فرانسیسیوں نے مصری دیوان کے تمام ارکان کی تصویریں کھینچی
تھیں - اور بطور عجائب شرق کے اپنے ساتھ فرانس لے گئے تھے -
رتی نے یه تصویریں دیکھی ہیں ' اور ان کی صناعیوں پر تعجب
ر کیا ہے - مستشرق مارسل نے جسے نپولین عربی طباعت کے
اهتمام کے لیے اپنے ساتھ لایا تھا ' اپنی کتاب " معلومات مصر "
میں یه تمام تصویریں درج کردی ہیں - ہم ان میں سے شیخ
شرقاوی ' شیخ بکری ' اور شیخ سلیمان فیومی کی تصویریں اس
تحریر کے ساتھ شائع کردیتے ہیں - ان سے اُس عہد کے علماء
و مشائخ مصر کی وضع و قطع اور شکل و شمائل نظروں کے سامنے
آجائیگی - مصر و شام میں تاریخ اسلام کے ازمنهٔ وسطیٰ سے لیکر
بارھویں صدی تک ' معاشرتی زندگی تقریباً یکساں رہی ہے - اس
لیے یه تصویریں اگرچه صرف ڈیڑھ سو برس پیشتر کی ہیں ' لیکن
اُن کی وضع و قطع سے تقریباً چار سو برس پیشتر تک کی وضع و
قطع کا اندازہ کر لیا جاسکتا ہے - ساتویں ' آٹھویں ' اور نویں
صدی ہجری کے علماء مصر و شام ' مثلاً امام ذهبی ' امام مزی
ابن دقیق العید ' تقی الدین سبکی ' حافظ برزالی ' حافظ ابن
حجر عسقلانی ' حافظ سخاوی ' جلال الدین سیوطی ' وغیرهم کا
لباس اور وضع و قطع تقریباً ایسی ہی ہوگی ' جیسی شرقاوی اور
فیومی کی ہے - شیخ بکری کی زندگی چونکه امراء کی سی زندگی
تھی ' اس لیے وہ سمور کا چغه پہنے ہیں اور ہاتھ میں مصری
شبقه یعنے تمباکو کا پائپ ہے -

(عربی مورخین کی شہادت)

اب دیکھنا چاهیے که نپولین کے اظہار و عدم اظہار اسلام کے بارے
میں ان مورخین کی شہادت کیا ہے ؟ اس بارے میں سب سے
زیادہ معتبر شہادت انہی لوگوں کی ہوسکتی ہے - ان میں سے چند
مورخ تو خود اُن لوگوں میں سے ہیں ' جن کے سامنے نپولین کے
اظہارات ہوئے ہونگے - مثلاً شیخ مہدی شیخ الازہر ' اور شیخ شرقاوی
رئیس الدیوان - اور بعض ایسے ہیں جو اپنے چشم دید حالات قلمبند
کر رہے ہیں اور اس بارے میں کوئی خاص مورخانه تعصب نہیں
رکھتے - مثلاً شیخ جبرتی اور سید اسماعیل خشاب -

ان کی شہادت یه ہے که نپولین نے نه صرف اپنے تئیں اسلام کا
دوست ظاہر کیا تھا ' بلکه مسلمان ہونے کا بھی دعوی کیا تھا - وہ
اسلامی لباس پہنکر علما و مشائخ سے ملتا ' مسجد میں جاتا '
اور نماز جمعه میں شریک ہوتا - چنانچه اُس نے اپنی تصویر بھی
اس لباس میں اُتروائی تھی جو آجتک موجود ہے ' اور جسے
پروفیسر مارسل نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے - مزید تفصیل
آئندہ نمبر میں ملیگی -

شیخ سلیمان فیومی

جو اُس عہد کے مشاهیر علماء مصر میں سے تھے

حوادث مصر پر لکھا ھے : " الوقائع و النوازل " سنه ۱۲۳۲ ھ مطابق سنه ۱۸۱۶ میں انتقال کیا -

(۳) شیخ خلیل البکري - مصر میں عرصه سے خاندان وفائیه کا سجادۂ طریقت قائم ھے - چونکه نسلاً حضرۃ " ابوبکر " کي اولاد میں ھیں - اسلیے " بکري " کہلاتے ھیں - جو شخص سجادہ نشین ھوتا ھے ' اسے " نقیب السادات " کے لقب سے موسوم کیا جاتا ھے جو سرکاري لقب ھے - نپولین کے زمانه میں سجادہ نشین شیخ خلیل تھے - نپولین نے انھیں بھي دیوان کا رکن چنا تھا - ان میں اور نپولین اور دوسرے فرانسیسي افسروں میں بہت زیادہ رسم و راہ پیدا ھوگئي تھي - نپولین اکثر انکے مکان پر آتا - یه اُسکي دعوتوں میں شریک ھوتے - انھي نے نپولین کو ایک چرکسي غلام بطور ھدیه کے دیا تھا جسے نپولین اپنے ھمراہ فرانس لے گیا تھا - یه شاعر اور ادیب تھے - اُسوقت کے حوادث مصر پر متعدد قصائد لکھے

نپولین مصري اسلامي لباس میں

جب اس نے جامع ازھر اور جامع حسیني میں نماز جمعه ادا کي تھي

ھیں - بعض فرانسیسي مستشرقین اپنے ساتھه لیگئے اور پیرس میں ترجمه کے ساتھه شائع کیا - سنه ۱۲۳۵ ھ مطابق سنه ۱۸۲۰ میں انتقال کیا -

(۴) شیخ محمد مہدي - یه اُسوقت جامع ازھر کے شیخ تھے - اصلاً قبطي تھے - بچپنے میں مسلمان ھوگئے اور ازھر میں تحصیل علوم کرکے علم و فضل کا درجه حاصل کرلیا - یہانتک که مشیخت کے درجه تک پہونچ گئے - یه بھي نپولین کے دیوان کے رکن تھے - انھوں نے ایک کتاب الف لیله کي روش پر تحفة المستیقظ لکھي تھي جسے فرانسیسي اپنے ساتھه لیگئے اور فرنچ ترجمه کے ساتھه پیرس میں چھاپ کر شائع کیا - انھوں نے سنه ۱۲۳۰ - مطابق ۱۸۱۵ ع میں انتقال کیا -

(۵) عبدالرحمن جبرتي - یه اُس عہد کا سب سے بڑا مورخ ھے - " جبرت " حبش کے قریب ایک موضع کا نام ھے - اس کے مورث

مرادبک مملوک

جو مصر کے دفاع میں نپولین سے لڑا مگر ناکام رھا

اعلی رھیں سے مصر آئے تھے - جب نپولین مصر آیا اور دیوان شوری مقرر کیا ' تو اس کے لیے ایک کاتب کي ضرورت ھوئي - اس کام پر اسي کا تقرر ھوا - اسطرح اسے موقعه مل گیا که بہت زیادہ قریب سے اس قوم کے حالات و اعمال کا مطالعه کرے -

اس نے اپنے زمانه کے حوادث مصر پر ایک ضخیم کتاب عجائب الآثار لکھي ھے جو تاریخ جبرتي کے نام سے مشہور ھے - اسمیں پہلے ابن ایاس کي تاریخ مصر کي آخري تاریخ سے لیکر اپنے وقت تک کے مختصر حالات دیے ھیں تا که ابن ایاس کي تاریخ کے لیے یه تاریخ ذیل اور تکمله کا کام دیے - پھر سنه ۱۱۴۲ ھجري سے لیکر سنه ۱۲۳۶ - تک کے تمام اھم حوادث مصر تاریخ وار روز نامچه کي طرح لکھے ھیں اور کوئي ضروري بات نظر انداز نہیں کي ھے - غالباً سنه ۱۲۴۰ - مطابق سنه ۱۸۲۵ ع میں انتقال کیا -

افسوس ھے ' اس تاریخ کي قدر و قیمت سے مشرقي دنیا برابر غافل رھي - حالانکه یه اٹھارھویں صدي کے اواخر اور انیسویں صدي کے اوائل کے حوادث مصر کي سب سے زیادہ مستند تاریخ ھے - نپولین کا حملۂ مصر اور محمد علي خدیو اول کا ظہور ' تاریخ مشرق کے نہایت اھم واقعات ھیں - جبرتي نے انکي چشم دید سر گزشت ایک روزنامچه کي طرح مرتب کر کے پیش کر دي ھے -

(۶) سید اسماعیل خشاب - نپولین اپنے ساتھه عربي حروف اور مطبع بھي لے گیا تھا ' اور اس سے ایک سرکاري اخبار بھي جاري کیا تھا - اس میں عدالت اور فوج کے حالات اور سرکاري اعلانات

شیخ عبداللہ شرقاوي

صاحب تحفة الناظرین و رئیس دیوان مصر

ادبیات

تین ہزار سال پہلے کی شاعری

قدیم مصری شاعری

مصر، دنیا کے قدیم ترین تمدن کا مرکز ہو۔ یونان اور روم جبکہ جہل کی ظلمتوں میں لپٹے پڑے تھے، تو مصر میں علم وحکمت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔

دنیا "توت آنخ آمون" کے نام سے واقف ہو چکی ہو حال ہی میں اس کا مقبرہ اور صحیح وسالم جثہ برآمد ہوا ہو۔ ہم اسی بادشاہ کے ایک عزیز بادشاہ کے زمانہ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا نام "آمی نوتب" چہارم تھا۔ یہ "توت آنخ آمون" کا بہنوئی تھا، اور ۱۴۰۰ قبل مسیح میں مصر کے تخت پر حکمراں تھا۔

قدیم شاہانِ مصر میں اس بادشاہ کو خاص امتیاز حاصل ہو۔ اس کے عہد میں مصر کا تمدن اپنے پورے عروج تک پہنچا مصر نے صرف مادی ترقی ہی نہیں کی تھی معنوی ترقی کے بھی کئی مرحلے طے کئے تھے۔ اس سے پہلے مصریوں میں طرح طرح کے توہمات عام تھے۔ عام اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندگی صرف اسی طرح مل سکتی ہو کہ اس کی قبر پر شیطانوں کی تصویریں بنائی جائیں۔ میزوں پر کھانا پینا رکھا جائے۔ ننھی ننھی مورتیں اُس کے کفن میں بطور تعویزوں کے لٹکا دی جائیں۔ خیال تھا یہ سب چیزیں "کا" کو زندہ کر دیتی ہیں، اور "کا" زندہ ہو کر مُردے میں از سر نو روح پھونک دیتا ہو۔ قدیم مصری زبان میں "کا" وہی چیز ہے جسے آجکل ہمزاد کہا جاتا ہو۔ اُن کا بھی عقیدہ تھا کہ ہمزاد ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہو۔ صرف موت اُسے جدا کر دیتی ہے۔ لیکن اگر مذکورۂ بالا چیزیں قبر میں مہیا کر دی جائیں تو ہمزاد کا تعلق مُردے سے باقی رہتا ہو اور کبھی نہ کبھی اُس کی دوبارہ زندگی کا باعث ہوتا ہو۔

"آمی نوتب چہارم" نے یہ تمام متوہمانہ عقائد باطل کر دیئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ مصر کے تمام دینی عقائد بھی بدل ڈالے۔ ایک نیا مذہب ایجاد کیا۔ اور اُس کی بنیاد آفتاب پرستی پر رکھی۔ پہلے مصریوں کا معبود اعظم "آمون" تھا۔ اس بادشاہ نے اُسے منسوخ کر کے "اخناتن" کی عبادت جاری کی۔ "اخناتن" دو مصری لفظوں سے مرکب ہو "اخنا" اور "آتن"۔ "اخنا" کے معنی ہیں روشنی اور نور۔ "آتن" کا اطلاق سورج پر ہوتا تھا لیس "اخناتن" کے معنی ہوئے "سورج کی روشنی"۔

اس بادشاہ کے عہد کے بہت سے آثار اور مقبرے برآمد ہوئے ہیں۔ ان مقبروں میں مذکورۂ بالا خرافات کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ ان میں نہ شیطانوں کی تصویریں ہیں، نہ چھوٹی چھوٹی مورتیں۔ نہ [illegible] کے برتن۔ ان میں جو کچھ ہو وہ بادشاہ اور ملک کے جلسوں اور جشنوں کی تصویریں ہیں، یا مصر کی روز مرہ کی زندگی کے مرقع ہیں۔ علماء مصریات کا خیال ہو کہ یہ آثار سب سے زیادہ قیمتی ہیں۔ کیونکہ یہ اُس عہد کی زندگی ہمارے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

قدیم مصری نظم

اُسی عہد کے ایک قبرستان میں بہت سے اشعار کندہ ملے ہیں۔ یہ پڑھ لئے گئے ہیں۔ ان کا ترجمہ بھی ہو گیا ہو۔ یہ درحقیقت معبود اعظم "آتن" (آفتاب) کی تعریف وستائش کے قصیدے ہیں لیکن یہ اس سے بھی بڑھ کر کچھ ہیں۔ یہ تین ہزار سال پہلے کی ترقی یافتہ انسانی ذہنیت دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ شعر، انسانی جذبات و قلبی کیفیات کا آئینہ ہوتا ہو۔ اس مصری شعر کے اندر موجودہ انسانیت، اپنی قدیم شکل دیکھ سکتی ہو۔ ذیل میں اُس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

"آتن" کا جلال!

کیا دلفریب ہو تیرا طلوع افق آسمان میں!
اے رو پہلے طباق! اے سرچشمۂ حیات!
ہر صبح ہم تجھے آسمان کے پورب میں دیکھتے ہیں
تو پوری زمین اپنے حسن سے معمور کر دیتا ہو!
تو ہی خوبصورت ہو، عظیم ہو، روشن ہو، زمین پر بلند ہو!
تیری شعاعیں تمام زمینوں کو اپنے دامنوں میں لئے ہوئے ہیں!
ہاں، تمام زمینوں کو لئے ہوئے، جنھیں تو ہی نے بنایا ہو!
اور تو ہی نے اُن پر انسانوں کو آباد کیا ہو!
ہاں، انسانوں کو، جنھیں تو ہی نے پیدا کیا ہو!
وہ انسان، جنھیں تو نے محبت کے بندھن سے جوڑ دیا!
کہتے ہیں، تو دُور ہو، بہت دُور ہو!
مگر تو دُور کہاں ہو؟ تیری شعاعیں تو زمین پر پھیلی ہوئی ہیں!
اے بلند تر! کیا دن کی تابناکی تیرا ہی ایک جلوۂ نورانی نہیں ہو؟

رات

اے بادشاہ! جب تو آسمان کے پچھم میں لیٹ جاتا ہو
تو سارے جہان پر موت کی تاریکی چھا جاتی ہو!
آدمی اپنے گھروں میں سو جاتے ہیں
منہ لپیٹے، بے حرکت، صرف سانس چلتی ہو!
کوئی کسی کو نہیں دیکھتا۔ آنکھیں بند ہوتی ہیں
اُنکے سرہانے چور کھڑا ہوتا ہو، مگر اُنھیں خبر نہیں!
شیر کچھاروں سے نکلتے ہیں، سانپ ڈسنا شروع کرتے ہیں!
کیا ملکِ ظلمت کی فرمانروائی نہیں؟
کیا دنیا موت کے سناٹے میں نہیں ہو؟
ہاں سب کا بنانے والا افق کی محل سرا میں محوِ خواب ہو!

دن اور انسان

یہ کیسی ہما ہمی ہو؟
زمین مسرت سے کیوں اچھل رہی ہو؟
دیکھو بادشاہ کی سواری افق میں نمودار ہو گئی!
تو نے کائنات روشن کر دی!
تاریکی کا پتہ نہیں!
تو آسمان پر مگر تیری شعاعیں زمین پر!
یہ ہمارے بادشاہ کا جلال ہو!
آدمی خوشی سے اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے
تو نمودار ہوا اور زندگی کا آغاز ہوا!
سب نہا دھو کر کے۔
سب کے ہاتھ مشرق کی طرف اُٹھ گئے۔
ہاں مشرق کی طرف، تیری راجدھانی کی طرف!
تیری بندگی کے بعد دُنیا کے کام شروع ہوئے!

دن اور حیوان ونبات

چوپائے چراگاہوں میں پہنچ گئے۔
درخت اور پودے کھلکھلانے لگے
چڑیاں بھی گھونسلوں سے اُڑ گئیں
پر اُٹھائے، تیری تسبیح کرتی ہوئیں!
ہر پرند اُڑ رہا ہے!
ہر کوئی تیری روشنی میں زندگی پا رہا ہو!

دن اور پانی

کشتیاں آنے جانے لگیں
اپنے مستول ہوا میں اُڑاتی ہوئیں!
سب راہیں تیرے نور سے روشن ہو گئیں!
مچھلیاں سطح پر دوڑ آئیں!
اے نور! وہ تیرے سجدے میں گر پڑیں!
تیری شعاعوں نے موجیں توڑ دیں!
سمندر کی تہ پر بچھ گئیں!

انسان کی پیدائش

تو ہی نے عورت سے انسان کو پیدا کیا!
تو ہی نے مرد میں زندگی کا تخم رکھا!
ماں کے پیٹ میں بچے کو زندگی تجھی سے ملی!
وہ نہ روتا ہو نہ گھبراتا ہو
رحم مادر میں پڑا سوتا ہو!
تیرا دست شفقت اُس پر دھرا ہو!
ماں کے پیٹ سے نکلتا ہو اور نور دیکھتا ہو!
تو اُس کا معصوم منہ کھول دیتا ہو!
تب وہ بولتا ہو!
پھر تو ہی اُس کی ضرورتیں پوری کرتا ہو
اے بادشاہوں کے بادشاہ! [illegible] نام بڑا ہو!

حیوان کی پیدائش

مرغی کا انڈا!
اُس کے اندر بچہ!
یہ تیری ہی قدرت ہو!
زندگی، یہ تیری ہی صنعت ہو۔
تو ہی نے انڈے میں سانس ڈالی،
دیکھو، بچہ باہر نکل آیا!

مطبوعۂ جدیدہ
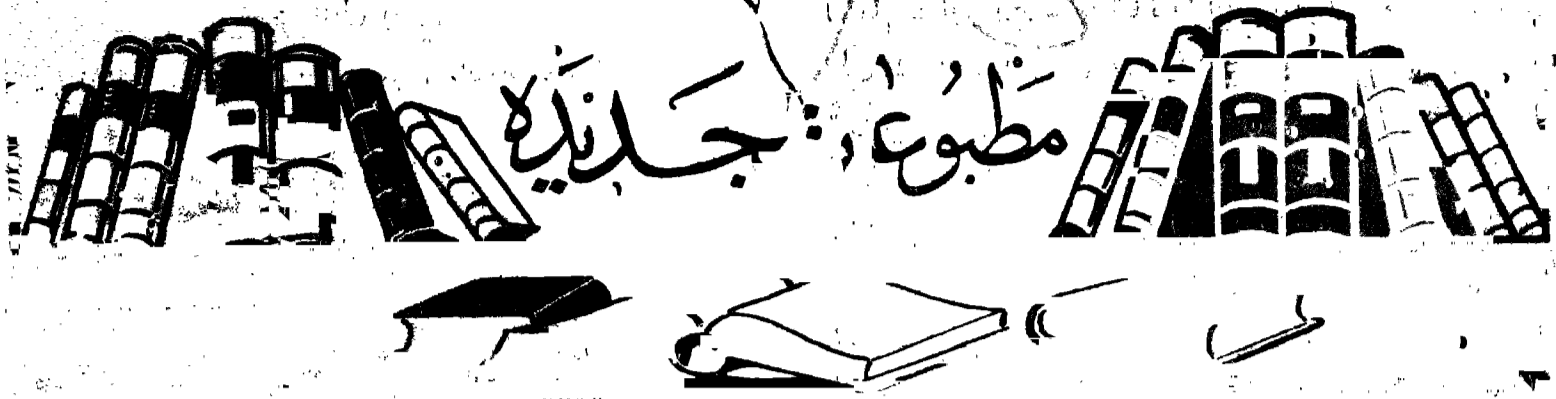
پان یورپین تحریک اور امن عالم

ایک جرمن مدبر کي تجویزیں

اسوقت جینیوا میں اسلحه کي تخفیف و تحدید کے مسئله پر بحثیں هورهي هیں' ایک نئي کتاب کے مضامین یقیناً دلچسپي کے ساتهه پڑھے جائینگے جو حال میں شائع هوي هے' اور " پان یورپین تحریک " یعني وحدۃ اقوام یورپ کي تحریک کے ایک جرمن داعي کونت رچرڈ کوڈنهو کیلرگي Richard Caudenhove Kalergi کے قلم سے نکلي هے -

اس کتاب میں مصنف نے پہلے امن عالم کي ضرورت پر بہت موثر پیرایه میں نظر ڈالي هے - پھر ثابت کیا هے که اسکا تنہا ذریعه یہي هے که " یورپین طاقتوں کي روز افزوں هتیار بندي موقوف کردي جاے " لیکن " هتیار بندي " سے مقصود کیا هے ؟ صرف لوهے اور آگ کے هتیار ؟ مصنف اس سے انکار کرتا هے - وہ کہتا هے " صرف لوهے کے هتیاروں سے نہتا کردینا کچھه مفید نه هوگا - یورپ کو اُس کے سیاسي' اخلاقي' اور اقتصادي حربوں سے بهي نہتا کردینا چاهئے - اسکے بغیر هتیار بندي کي مخالف تحریک بے فائدہ هے - جبتک بغض و حسد کے چھالے قوموں کے دلوں میں موجود رهینگے' اُس وقت تک دنیا میں امن و امان قائم نہیں هوسکتا "

اسکے بعد مصنف لکھتا هے : " یورپ کي سلامتي کي دو هي صورتیں ممکن هیں : مختلف قوموں کے ما بین عدل قائم هو جاے' اور جنگ اور جنگ کے اسباب روکنے کے لیے سلطنتیں اپني قوت استعمال کرنے پر متفق هو جائیں "

آگے چلکر مصنف نے مختلف مغربي طاقتوں کي موجودہ جنگ جویانه حالت پر نظر ڈالي هے :

" وارسلیز کے معاهدہ نے جرمني کو نہتا کر دینے کا فیصله کردیا هے - لیکن یه کہاں کي عقلمندي هے که جرمني کو اُسکے مسلح پڑوسیوں کے درمیان نہتا کر کے چھوڑ دیا جاے ؟ یورپ کے امن و امان کے کي بنیادي شرط یه هے که تمام سلطنتیں ایک ساتهه اور ایک هي قسم کا قدم اٹھائیں - یا تو سب مسلح هو جائیں' یا سب هتیار رکھدیں - بعض کا هتیار بند رهنا اور بعض کا هتیار رکھدینا' امن کا نہیں جنگ کا موجب هے "

" یورپین سواحل کي سلامتي کي سب سے زیادہ آسان اور عملي صورت یه هے که برطانیا اپنے جنگي بیڑے کے ذریعه حفاظت کي ذمه داري لے لے - نه یه که هر سلطنت اپني بحري قوت بڑھا کر جنگ کا ایک اور خطرہ پیدا کردے - اگر برطانیا اس پر راضي هو جائے که اپنا جنگي بیڑا یورپ کي ضرورتوں کیلیے وقف کردیگي تو بلا شک دنیا کا امن و امان یقیني هو جایگا - لیکن برطانیا یه اُسي وقت منظور کرسکتي هے جب تمام دول یورپ طے کرلیں که اپني مجموعي بحري قوت' برطانیا کي بحري قوت سے کم کر دینگي "

" ترکي کو مستثنی کر دینے کے بعد روس هي ایک ایسي سلطنت هے جسکي سرحدیں خشکي میں یورپ سے ملتي هیں - روسي سرحدیں بہت وسیع هیں اور بے شمار مشکلات کا سبب بني هوئي هیں - روس کا اپنے تمام پڑوسیوں سے جھگڑا هے - سب سے زیادہ اهم اُسکے سیاسي اور اجتماعي جھگڑے هیں - پھر روس کي آبادي بھي بہت بڑي هے - جنگي طیاریاں بھي عظیم هیں - اس سے بھي زیادہ خطرناک بات یه هے که اُس کي اصلي غرض تمام دنیا میں انقلاب پیدا کرنا هے - روسي مدبر حیرت انگیز مستعدي سے انقلاب کي تخم ریزي کررهے هیں - جو شخص یه خیال کرتا هے که روس اپنے مقاصد کي اشاعت امن و آشتي سے کرني چاهتا هے' وہ سخت فریب خوردہ هے - روس جنگ کو اپنے مقاصد کي کامیابي کا ایک هي ذریعه سمجھتا هے "

" روس سے مفاهمت کي صرف یہي ایک صورت هے که یورپ اُس کي سرحدوں کا احترام کرے اور وہ یورپ کي سرحدوں کا "

" یورپ کو کسي حال میں بھي روس پر حمله کا ارادہ نہیں کرنا چاهیے - نه اُس کے اندروني معاملات میں کسي قسم کي مداخلت کرني چاهیے "

" یورپ کي داخلي سلامتي اُس وقت تک نا ممکن هے جب تک اُس کے موجودہ سیاسي نظام میں کامل تبدیلي نه هوجائے یورپ کي حفاظت کے لیے کوئي نه کوئي نظام ضرور مرتب هونا چاهیے "

" یورپ سے اچانک هتیار رکھا لینا نا ممکن هے - اِس معامله میں پیش قدمي اُن سلطنتوں کو کرني چاهیے جو اِس کي زیادہ ضرورت محسوس کرتي هیں - جب یه سلطنتیں باهم ایک رائے پر متفق هو جائیں گي' تو دوسري سلطنتیں بھي اُن کي پیروي پر مجبور هو جائیں گي - جنگي قوت کے اعتبار سے یورپ کي نو سلطنتیں زیادہ اهم هیں - اگر یه آپس میں متحد الخیال هو جائیں تو تمام دول یورپ کو سر جھکا دینا پڑیگا جن کي تعداد اِس وقت ۲۵ - هے - مجلس اقوام یا دول عظمي میں سے کسي ایک کو اِس مقصد کے لیے کانفرنس بلاني چاهیے - کانفرنس میں حسب ذیل امور طے کرنے چاهئیں :

(۱) تمام دول یورپ پخته عهد کرلیں که اُن میں سے کوئي کسي پر اعلان جنگ نه کرے گي -

(۲) هر باهمي نزاع مابین الاقوامي پنچایت کے سامنے فیصله کے لیے پیش کیا جایگا -

(۳) غیر یورپین حملوں کے مقابله میں تمام یورپ متحد هو جائیگا -

(۴) اگر اس معاهدہ پر دستخط کرنے والي ایک سلطنت دوسري پر حمله کرے گي' تو تمام دول مل کر اُسے سزا دیں گي -

(۵) غیر یورپین سلطنتوں سے دول یورپ نے جتنے معاهدے کر رکھے هیں' سب منسوخ کر دیے جائیں "

پُوری قوت سے چلاتا ہی،
خالق کی ستائش کرتا ہی!
اپنے پنجوں پر دوڑتا پھرتا ہی!

دُنیا کی پیدائش

تیری صنعتیں کیسی عجیب ہیں؟
ہماری عقل سے بھی بالا ہیں!
اے ایک اکیلے معبود!
تیری جیسی قوت کس میں ہی؟
تونے زمین پیدا کی جس طرح پیدا کرنا چاہا!
تیرے اکیلے ہاتھوں نے زمین بنائی!
تونے آدمی اور چھوٹے بڑے حیوان پیدا کئے!
تمام زمین کی مخلوق، پیروں سے چلنے والی!
تمام آسمان کی مخلوق، پروں سے اُڑنے والی!
تونے سرزمین شام پیدا کی، نوبیا پیدا کیا!
توہی نے مصر کی سرزمین بھی پیدا کی!
ہر انسان کو اُس کی جگہ پر بسایا!
اُس کی زندگی کا سامان مہیا کر دیا!
اُسے دولت دی،
اُس پر موت لکھی،
سب کی شکلیں الگ الگ،
سب کی زبانیں جدا جدا،
کوئی کالا، کوئی گورا،
اے سب کے مالک! یہ سب تیرا ہی جلوہ ہی!

دریائے نیل

تونے دوسرے عالم میں نیل پیدا کیا،
اپنی پسند کے مطابق اُسے جاری کیا،
سب نے اُس سے اپنی زندگی پائی،
اے پروردگار! کمزوروں کے مددگار!
اے زمین کے ہر گھر کے مالک!
اے روز روشن کے آفتاب!
توہی نے سب کو پیدا کیا،
توہی پہاڑوں پر موسلا دھار مینہ برساتا ہی،
پانی موجیں مارتا زمین پر بہتا ہی!
سب ملکوں میں آدمی اپنے کھیت سینچتے ہیں،
اے ابدیت کے مالک! تیرے کارنامے کیسے شاندار ہیں!
سب جانور بھی تیرے ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں
لیکن مصر کا نیل دوسری دنیا سے آتا ہی!
تیری شعاعیں اُس پر پڑتی ہیں!
سبزہ لہلہا اُٹھتا ہی!
باغ جھومنے لگتے ہیں!
تیرا نور زندگی ہی!
تجھی سے کائنات باقی ہی!

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

حسین بن علی علیہما السلام

۳

حضرت زینب نے پامال لاش دیکھی

دوسرے دن عمر بن سعد نے میدان جنگ سے کوچ کیا۔ اہل بیت کی خاتونوں اور بچوں کو ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہوگیا۔ قرہ بن قیس (جو شاہد عینی ہی) روایت کرتا ہی کہ ان عورتوں نے جب حضرت حسین اور اُن کے لڑکوں اور عزیزوں کی پامال لاشیں دیکھیں تو ضبط نہ کر سکیں اور آہ و فریاد کی صدائیں بلند ہوگئیں۔ میں گھوڑا دوڑا کر انکے قریب پہونچا۔ میں نے کبھی اتنی حسین عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ مجھے زینب بنت فاطمہ (علیہما السلام) کا یہ بین کسی طرح بھی نہیں بھولتا "اے محمد! تجھ پر آسمان کے فرشتوں کا درود و سلام! یہ دیکھ حسین ریگستان میں پڑا ہے! خاک و خون سے آلودہ ہی! تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہی! تیری بیٹیاں قیدی ہیں! تیری اولاد مقتول ہی! ہوا اُن پر خاک ڈال رہی ہی!" راوی کہتا ہی دوست دشمن کوئی نہ تھا جو اُنکے بین سے رونے نہ لگا ہو۔

(ابن جریر)

۷۲ سر!

پھر تمام مقتولوں کے سر کاٹے گئے۔ کل ۷۲ سر تھے۔ شمر بن ذی الجوشن قیس بن الاشعث، عمرو بن الحجاج، عزرہ بن قیس، یہ تمام سر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے گئے۔

حضرت کا سر ابن زیاد کے سامنے

حمید بن مسلم (جو خولی بن یزید کے ساتھ حضرت حسین کا سر کوفہ میں لایا تھا) روایت کرتا ہی کہ حسین کا سر، ابن زیاد کے روبرو رکھا گیا۔ مجلس حاضرین سے لبریز تھی۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ چھڑی آپکے لبوں پر مارنے لگا۔ جب اُسنے بار بار یہی حرکت کی تو زید بن ارقم صحابی چلا اُٹھے: "ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹالے۔ قسم خدا کی، میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہی کہ رسول اللہ اپنے ہونٹ ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے" یہ کہکر وہ زار و قطار رونے لگے۔ ابن زیاد خفا ہوگیا "خدا تیری آنکھوں کو رُلائے! واللہ اگر تو بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن مار دیتا!" زید بن ارقم یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے "اے عرب آج کے بعد سے تم غلام ہو! تم نے ابن فاطمہ کو قتل کیا۔ ابن مرجانہ (یعنی عبید اللہ) کو حاکم بنایا۔ وہ تمھارے نیک انسان قتل کرتا اور تمھارے شریروں کو غلام بناتا ہی۔ تم نے ذلت پسند کرلی۔ خدا اُنھیں مارے جو ذلت قبول کرتے ہیں!"[1] (بعض روایات میں یہ واقعہ خود یزید کی طرف منسوب ہی مگر صحیح یہی ہی کہ ابن زیاد نے چھڑی ماری تھی)

ابن زیاد اور حضرت زینب

راوی کہتا ہی جب اہل بیت کی خاتونیں اور بچے عبید اللہ کے سامنے پہنچے تو حضرت زینب نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ اُن کی کنیزیں اُنھیں اپنے بیچ میں لئے تھیں۔ عبید اللہ نے پوچھا "یہ کون بیٹھی ہی؟" اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تین مرتبہ یہی سوال کیا مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر اُن کی ایک کنیز نے کہا "یہ زینب بنت فاطمہ ہیں!" عبید اللہ شماتت کی راہ سے چلایا "اُس خدا کی ستائش جسنے تم لوگوں کو رُسوا اور ہلاک کیا، اور تمھارے نام کو بٹہ لگایا" اسپر حضرت زینب نے جواب دیا "ہزار ستائش اُس خدا کے لئے جسنے ہمیں محمد صلعم سے عزت بخشی، اور ہمیں پاک کیا، نہ کہ جیسا تو کہتا ہی۔ فاسق رُسوا ہوتے ہیں۔ فاجروں کے نام کو بٹہ لگتا ہی!" ابن زیاد نے کہا "تونے دیکھا خدا نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا؟" حضرت زینب بولیں "اُن کی قسمت میں قتل کی موت لکھی تھی اس لئے وہ مقتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب خدا تجھے اور اُنھیں ایک جگہ جمع کریگا اور تم باہم اُس کے حضور سوال و جواب کر لوگے!" ابن زیاد غضبناک ہوا۔ اُس کا غصہ دیکھ کر عمرو بن حریث نے کہا "خدا امیر کو سنوارے! یہ تو محض ایک عورت ہی۔ عورتوں کی بات کا خیال نہیں کرنا چاہئے"

پھر کچھ دیر بعد ابن زیاد نے کہا "خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا!" اسپر حضرت زینب اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں۔ بے اختیار رو پڑیں۔ انھوں نے کہا: "واللہ تونے میرے سردار کو قتل کر ڈالا! میرا خاندان مٹا ڈالا! میری شاخیں کاٹ دیں! میری جڑ اکھاڑ دی! اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہی تو ٹھنڈا ہو جائے!" ابن زیاد نے مسکرا کر کہا "یہ شجاعت ہی! تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا!" زینب نے کہا "عورت کو شجاعت سے کیا سروکار؟ میری مصیبت نے مجھے شجاعت سے غافل کر دیا ہی۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، یہ تو دل کی آگ ہی!"

ابن زیاد اور امام زین العابدین

اس گفتگو سے فارغ ہو کر ابن زیاد کی نظر [illegible] علی بن الحسین پر پڑی۔ یہ بیمار تھے۔ ابن زیاد [illegible] ان سے ان کا نام پوچھا [illegible]

---

[1] بعض روایتوں میں ہی کہ حضرت انس نے یہ کہا تھا (منہاج السنہ)

نے کہا "علی بن الحسین" ابن زیاد نے تعجب سے کہا "کیا اللہ نے علی بن الحسین کو قتل نہیں کر ڈالا؟" زین العابدین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابن زیاد نے کہا "بولتا کیوں نہیں؟" اُنھوں نے جواب دیا "میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علی تھا۔ لوگوں نے اُسے مار ڈالا" ابن زیاد نے کہا "لوگوں نے نہیں، خدا نے مارا ہے!" اسپر زین العابدین نے یہ آیت پڑھی "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا۔ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ[1]" اسپر ابن زیاد چلایا "خدا تجھے مارے! تو بھی اُنہی میں سے ہے" پھر اُسکے بعد ابن زیاد نے چاہا، انہیں بھی قتل کر ڈالے لیکن زینب بیقرار ہو کر چیخ اٹھیں "میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر تو مومن ہے اور اس لڑکے کو ضرور ہی قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے اسی کے ساتھ مار ڈال!" امام زین العابدین نے بلند آواز سے کہا "اے ابن زیاد! اگر تو ان عورتوں سے ذرا بھی رشتہ سمجھتا ہے تو میرے بعد ان کے ساتھ کسی متقی آدمی کو بھیجنا جو اسلامی معاشرت کے اصول پر ان سے برتاؤ کرے" ابن زیاد دیر تک زینب کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے؟ واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی ہے۔ اچھا، لڑکے کو چھوڑ دو یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے" (ابن جریر کامل۔ وغیرہ)

ابن عفیف کا قتل

اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے اُس خدا کی تعریف کی "جسنے حق کو ظاہر کیا، حق والوں کو فتحیاب کیا، امیر المومنین یزید بن معاویہ اور ان کی جماعت غالب ہوئی اور کذاب ابن کذاب حسین بن علی اور اُس کے ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالا۔۔۔!" یہ سنکر عبداللہ بن عفیف ازدی (جو حضرت علی کے مشہور صحابی ہیں اور جنگ جمل و صفین میں زخمی ہو کر اپنی دونوں آنکھیں کھو چکے تھے) اٹھ کھڑے ہو گئے اور چلائے "خدا کی قسم اے ابن مرجانہ! کذاب ابن کذاب تو ہے نہ کہ حسین بن علی" ابن زیاد نے یہ سنکر اُنھیں قتل کروا ڈالا۔

یزید کے سامنے

اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت حسین کا سر بانس پر نصب کر کے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس بھیجدیا۔ غاز بن ربیعہ کہتا ہے جس وقت زحر بن قیس پہونچا، میں یزید کے پاس بیٹھا تھا۔ یزید نے اُس سے سوال کیا "کیا خبر ہے؟" قاصد نے جواب دیا "فتح و نصرت کی بشارت لایا ہوں! حسین بن علی اپنے اٹھارہ اہل بیت اور ۶۰ حامیوں کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ ہم نے اُنھیں بڑھ کر روکا اور مطالبہ کیا کہ اپنے آپکو ہمارے حوالہ کر دیں ورنہ لڑائی لڑیں۔ اُنھوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی چنانچہ ہمنے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی اُن پر حملہ بول دیا۔ جب تلواریں اُنکے سروں پر پڑنے لگیں تو اس طرح ہر طرف بھاگنے اور جھاڑیوں و گڑھوں میں چھپنے لگے جس طرح کبوتر، باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں۔ پھر ہمنے ان سب کا قلع قمع کر دیا۔ اسوقت اُنکے لاشے برہنہ پڑے ہیں۔ اُنکے کپڑے خون میں تر بتر ہیں۔ اُن کے رخسار غبار سے میلے ہو رہے ہیں، اُن کے جسم دہوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ گِدوں کی خوراک بن گئے ہیں!"

یزید رونے لگا

راوی کہتا ہے یزید نے یہ سنا تو اُس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ کہنے لگا "بغیر قتل حسین کے بھی میں تمھاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا۔ ابن سمیہ (یعنی ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو حسین سے ضرور درگذر کر جاتا۔ خدا حسین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے!" قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا (ابن جریر۔ کامل)

[1] خدا ہی موت کے وقت جانیں لیتا ہے۔ کوئی بھی بغیر اس کی اذن کے مر نہیں سکتا۔

(تاریخ کبیر ذہبی)

یزید کا تأثر

یزید کے غلام قاسم بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ جب حضرت حسین اور اُن کے اہل بیت کے سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اُسنے یہ شعر پڑھا:

یفلقن ہاما من رجال اعزة علینا وہم کانوا اعق واظلما

تلواریں ایسوں کے سر پھاڑتی ہیں جو ہمیں عزیز ہیں، حالانکہ دراصل وہی حق فراموش کرنے والے ظالم تھے۔

پھر کہا "واللہ اے حسین! اگر میں ہاں ہوتا تو تجھے ہرگز قتل نہ کرتا!"

اہل بیت دمشق میں

حضرت حسین کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کو بھی دمشق روانہ کر دیا۔ شمر بن ذی الجوشن اور محفز بن ثعلبہ اس قافلے کے سردار تھے۔ امام زین العابدین راستہ بھر خاموش رہے۔ کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یزید کے دروازے پر پہنچکر محفز بن ثعلبہ چلایا "میں امیر المومنین کے پاس فاجر کمینوں کو لایا ہوں!" یزید یہ سنکر خفا ہوا۔ کہنے لگا "محفز کی ماں سے زیادہ کمینہ اور شریر بچہ کسی عورت نے پیدا نہیں کیا!"

یزید اور امام زین العابدین

پھر یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہل بیت کو بھی بٹھایا اور امام زین العابدین سے مخاطب ہوا "اے علی! تمھارے ہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا، میرا حق بھلایا، میری حکومت چھیننا چاہی اسپر خدا نے اُس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو"

امام زین العابدین نے جواب میں یہ آیت پڑھی: "ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذلک علی اللہ یسیر لکیلا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم واللہ لا یحب کل مختال فخور[1]" یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا۔ اُسنے چاہا اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے۔ مگر خالد کے سمجھ میں کچھ نہ آیا تب یزید نے خالد سے کہا "کہتا کیوں نہیں" "ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر[2]"

پھر یزید دوسرے بچوں اور عورتوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اُنھیں اپنے قریب بلا کر بٹھایا۔ اُن کی ہیئت خراب ہو رہی تھی۔ دیکھ کر متاسف ہوا اور کہنے لگا "خدا ابن مرجانہ کا برا کرے! اگر تم سے اُس کا کوئی رشتہ ہوتا تو تمھارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا، نہ اس حال سے تمھیں میرے پاس بھیجتا"

حضرت زینب کی بیباکانہ گفتگو

حضرت فاطمہ بنت علی سے مروی ہے کہ "جب ہم یزید کے سامنے بٹھائے گئے تو اُسنے ہمپر ترس ظاہر کیا۔ ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اسی اثنا میں ایک سرخ رنگ کا شامی کھڑا ہوا اور کہنے لگا "امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجئے" اور میری طرف اشارہ کیا۔ اُسوقت میں کمسن اور خوبصورت تھی۔ میں خوف سے کانپنے لگی اور اپنی بہن زینب کی چادر پکڑ لی۔ وہ مجھ سے بڑی تھیں زیادہ سمجھدار تھیں، جانتی تھیں یہ بات ہو نہیں سکتی۔ اُنھوں نے چلا کر کہا "تو کمینہ ہے۔ نہ تجھے اس کا اختیار ہے نہ اسے (یزید کو) اسکا حق ہے!" اس جرأت پر یزید کو غصہ آ گیا۔ کہنے لگا "تو جھوٹ بکتی ہے واللہ مجھے یہ حق حاصل ہے۔ اگر چاہوں تو ابھی کر سکتا ہوں" زینب

[1] تمھاری کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ ہو۔ یہ خدا کے لئے بالکل آسان ہے۔ یہ اس لئے کہ نقصان پر تم افسوس کرو اور فائدہ پر مغرور نہ ہو۔ خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ [2] جو مصیبت بھی آتی ہے خود تمھارے اپنے اعمال سے آتی ہے۔ اور بہت سی غلطیاں تو خدا معاف کر دیتا ہے۔

بریدِ فرنگ

مکتوب امریکہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم واشنگٹن کے قلم سے)

آمریکہ میں تمدنی اور صناعی ترقی کے افراط کا ردِ فعل - آمریکہ کی عورتیں زندگی سے بیزار ہو رہی ہیں اس لئے کہ زندگی کی نسوانی مسرتیں ناپید ہوگئی ہیں!

آمریکہ عجائب و غرائب کی دنیا ہو، تجارت، صنعت و حرفت، دولت، علم کی ایسی فراوانی ہو کہ اُس کا تصوّر بھی بیرونی دنیا کے لئے مشکل ہوگا۔ دنیا کا عام خیال یہ ہو کہ دولت اور مادی طاقت حاصل ہو جائے تو دنیوی زندگی کی تمام راحتیں حاصل ہو جاتی ہیں - پھر کیا آمریکہ میں ...... زندگی کی راحتیں حاصل ہیں؟ کیا آمریکن مسرتِ حیات کی جستجو سے فارغ ہوگئے ہیں؟

مجھے بغیر کسی تأمل کے جواب دینا ہو کہ نہیں!

قوموں کی اجتماعی زندگی کا مرکزی نقطہ عورت ہو - اسی کی زندگی سے ہم سوسائٹی کی اجتماعی حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں - عورت، انسانی سوسائٹی کی نبض ہو - قومی مزاج کا پورا حال، اس نبض پر انگلی رکھنے سے آشکارا ہو جاتا ہو - عورت، قوموں کی سعادت و شقاوت کا آئینہ ہے وہ پوری قوم کو اپنے وجود میں پیش کرتی ہو!

آمریکہ کی موجودہ اجتماعی زندگی کے سکون یا اضطراب کا اندازہ کرنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے "آمریکن عورت کی دماغی سیرۃ پر نظر ڈالنی چاہئے۔

چند دن ہوئے مڈل وسٹ میں ایک کمیٹی بنی تھی - اس کا مقصد یہ تھا کہ اُن اسباب کی تحقیق کرے جنھوں نے تیس سال سے ۴۵ سال کی مردانی شادی شدہ عورتوں کو اپنی موجودہ زندگی سے بیزار کر رکھا ہو۔ اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ ~~[illegible]~~ صفحوں میں شائع کی ہو - تمام اسباب حالات پر بحث کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچی ہو کہ "آمریکن عورت، علم کے ہاتھوں پریشان ہو!"

اس اجمال کی مختصر تشریح حسبِ ذیل ہو:

امریکن دلہن

شہروں کو چھوڑ کر قصبوں کا بھی یہ حال ہو کہ آمریکن دلہن اپنے نئے گھر میں پہنچتی ہو تو علم و فضل سے آراستہ ہوتی ہو، اچھی طرح اُن علمی و صناعی آلات کے استعمال سے واقف ہوتی ہو جن سے اُسے اپنا گھر چلانا ہو۔ امریکہ کی گھریلو زندگی میں بھی کلیں داخل ہو گئی ہیں - بہت کم کام عورت اپنے ہاتھ سے کرتی ہو - تمام کام آلات سے لئے جاتے ہیں جن سے ایک طرف زحمت کم ہوتی ہو دوسری طرف وقت بھی بہت بچتا ہے - گھر میں [illegible] کے شغل [illegible]، گھر کی صفائی، برتنوں کی دھلائی کھانا پکانا، کپڑے دھونا ہیں - لیکن اِن کاموں میں عورت کو بہت محنت کرنا پڑتی ہو، مشینیں اور آلات اُس کی خدمت کے لئے حاضر رہتے ہیں - عورت جلد اِن سے فارغ ہو جاتی ہو - اگر گھر میں بچے نہیں یا تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیکار بیٹھی رہتی ہو۔

وہ سوچتی ہو "اب میں کیا کروں؟" اُسے اخبار کا خیال آتا ہو، اخبار پڑھنے لگتی ہو، پھر رسالے دیکھتی ہو - پھر کتابیں مطالعہ کرتی ہو۔ مگر کب تک؟ تھک جاتی ہو - اب سوچتی ہو "کیا کروں؟" اس سوال کا اُسے کوئی جواب نہیں ملتا - جماہیاں لیتی ہو - اونگھنے لگتی ہو - سو جاتی ہو - مگر جاگتے ہی پھر یہی بھیانک سوال اُس کے سامنے آ موجود ہوتا ہو اور وہ کوئی جواب نہیں پاتی!

"آہ! میری مسرت!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر کہتی ہو "میری شادی تو ہو گئی، مگر میری مسرت کہاں ہو؟" وہ اپنے شوہر کا خیال کرتی ہو - شوہر اُس کی نظر کے سامنے کہاں ہو؟ وہ تو اپنے دفتر میں بیٹھا ہو اور اپنی بیوی کی طرف سے بالکل غافل تجارتی حساب میں مستغرق ہو! عورت سوچتی ہو "میرے شوہر کو کبھی مجھ سے محبت تھی؟" ممکن ہو کبھی ہو، مگر اب تو اُسے محبت پر غور کرنے کی مہلت ہی کہاں ہو؟ اب اُس کی تجارتی زندگی نے کامیابی کا مُنہ دیکھ لیا ہو - اب تو اُسے بیوی کی جگہ "ڈالر" (امریکن سکہ) سے محبت ہو - ہفتہ کے ۶ دن تجارت میں منہمک رہتا ہو - گھر میں آتا ضرور ہو - مگر اس قدر متفکر، اس قدر پراگندہ خاطر، اس قدر خستہ، کہ اُسے اپنی "قدیم محبوبہ" سے ملاطفت کا خیال بھی نہیں ہوتا - اُس کا جسم گھر میں ہوتا ہو، دماغ دفتر میں۔ باتیں بیوی سے کرتا ہو، خیال حساب میں ہوتا ہو - بیوی ضبط کرتی ہو اور ضبط کرتی ہو - بے صبری سے اتوار کا انتظار کرتی ہو - لو اتوار بھی آ گیا! مگر شوہر اس کے پہلو میں نظر نہیں آتا "آج اتوار ہو، وہ میدان میں گلوو" یا "فٹ بال" کھیل رہا ہو - ہفتہ کے ۶ دن سخت دماغی کام کیا ہو - آج اپنی "تندرستی" کا حق ادا کر رہا ہو!" مگر اس کی بدنصیب بیوی کا حق؟ بیوی کا حق تو "ڈالر"، "تجارت" اور "صحت" کی چکی میں پڑ کر پس گیا!

بیوی کا دل گھر سے اُچاٹ ہو جاتا ہو - میدانوں، تماشا گاہوں اور کلب گھروں کی راہ لیتی ہو - مگر بالکل عبث - گھر میں تسلی نہیں ملی - دوسری جگہ کب مل سکتی ہو؟

علمِ حقائقِ اشیاء

آمریکہ کی سب سے زیادہ قابلِ فخر درسگاہیں، مشترک زنانہ مردانہ یونی ورسٹیاں ہیں - لیکن امریکن عورت کی خانگی شقاوت کی بنیادیں بھی یہیں ملتی ہیں - یہاں عورت اپنی زندگی کے بہترین تین چار سال گذارتی ہو - وہ کیا سیکھتی ہو؟ اعلیٰ دقیق علوم: فلسفہ، علم النفس، علم الحیاۃ وغیرہ وغیرہ جو اُسکی جنسی زندگی میں ہرگز کوئی کام نہیں دیتے - ایک دن میں نے ایک خوبصورت دوشیزہ سے سوال کیا "تم یہ علم کیوں پڑھتی ہو؟" اُسنے فوراً جواب دیا "حقائقِ اشیاء معلوم کرنے کے لئے!" لیکن اب "حقائقِ اشیاء" کا قیمتی علم [illegible] ہوگیا ہو!

آمریکہ کے تمام جوان مرد اور عورتیں اسی "حقائقِ اشیاء" کے جنون میں مبتلا ہیں - پھر یہ "حقائق" "علمی اصول" پر معلوم ہونے چاہئیں! وہ زندگی کی ہر بات "علمی مسئلہ" کی شکل میں دیکھنے کے عادی ہوگئے ہیں اور ہر علمی مسئلہ، محلِ بحث و نظر ہے! محبت، شادی، اولاد، محبت خانہ داری، کھیل، یہ سب اپنی جگہ پر "حقائق" ہیں، "علمی مسائل" ہیں - علم الحیاۃ اور علم الاقتصاد کے اصول پر انھیں حل ہونا چاہئے! پھر وہ حل بھی ایسا ہو جو ہر اعتبار سے علمی و منطقی ہو! یہی سبب ہو کہ آمریکہ میں جرأت کی مثالیں کم ملتی ہیں - آمریکن نوجوان اُسی کام میں جرأت دکھاتا ہو جس میں جرأت کرنا اقتصادی حیثیت سے مفید ہو - امریکہ کی یہ مشترک یونیورسٹیاں اس لئے وجود میں آئی ہیں کہ "مرد اور عورت کی تفریق باطل ہو جائے" یہ قول ایک یونیورسٹی کی خاتون پرنسپل کا ہو - ایک مشہور فرنچ پروفیسر کے سامنے میں نے یہ قول نقل کیا، تو وہ چلا اُٹھا "اُف، ناقابلِ تصور سنگدلی ہو!" زندگی کے قدرتی جذبات کی لطافت کی جگہ اب ایک سراپا مناعی اور آلاتی زندگی ہو جس میں آمریکہ کا ہر فرد مبتلا ہوگیا ہو!

ناول اور افسانے

میں نے بہت سی یونی ورسٹیوں کے کتب خانوں کی سیر کی - مجھے یہ دیکھکر سخت حیرت ہوئی کہ اُن کی فہرستیں ناولوں اور افسانوں سے تقریباً خالی ہیں - اقتصادیات، طبیعیات، فلسفہ، نفسیات غرضکہ دقیق علوم کی کتابیں بھری ہوئی ہیں - آمریکن نوجوان زیادہ زیادہ تر یہی خشک کتابیں پڑھتے ہیں - یہی وجہ ہو کہ رقیق جذبات اُن میں بہت کم ہو گئے ہیں - مادّی اور فلسفی ہو کر رہ گئے ہیں - روح اور قلب کی قوتیں دب گئی ہیں۔

مہارتِ فنی کا غلو

پھر آمریکہ کی خانگی زندگی کو تلخ بنانے والی ایک چیز اور بھی ہو - مرد کی تعلیم عام طور پر کسی ایک خاص علم و فن ہی کی ہوتی ہو تاکہ کسی ایک پیشہ میں درجۂ اختصاص حاصل ہو جائے - نتیجہ یہ ہو کہ اگر اُسکی بیوی بھی اُس خاص فن میں ماہر نہیں ہوتی جس میں اُس کے شوہر نے مہارت حاصل کی ہو، تو دونوں کی زندگی میں بے لطفی بلکہ تلخی پیدا ہو جاتی ہو - شوہر کا دماغی رجحان اور بیوی کا دماغی رجحان باہم مختلف ہو جاتا ہو - دونوں اپنی صحبتوں کے لئے کوئی دلچسپ موضوع بحث نہیں پاتے - رسمی گفتگو کے بعد اپنے اپنے خیالات میں غرق ہو جاتے ہیں - اُسوقت عورت کو محسوس ہوتا ہو کہ اُسنے جو تعلیم یونی ورسٹی میں حاصل کی تھی، بے فائدہ نکلی - وہ افسوس سے ہاتھ ملتی ہو - مگر افسوس کرنے سے خانگی مسرت حاصل نہیں ہو سکتی!

قبل از وقت شادی

اِن مُشترک تعلیم گاہوں نے ایک اور سخت مضرت بھی پیدا کر دی ہو - نوجوان مرد اور عورتیں ایک ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور اُن میں بتدریج دوستی پیدا ہو جاتی ہو - دوستی محبت کی شکل اختیار کرتی ہو - اور محبت کا نتیجہ شادی ہوتا ہو - یہ کچھ بُرا نہ تھا، اگر ایسی عمر میں ہوتا جو پختہ کاری کی عمر ہو - لیکن حالت یہ ہو کہ اکثر شادیاں ۱۹ اور ۲۱ برس کی عمر میں ہو جاتی ہیں، اور اس لئے سخت مشکلات کا پیش خیمہ بنجاتی ہیں - مرد اور عورت دونوں عملی زندگی کی اُن ذمہ داریوں سے بے خبر ہوتے ہیں - بلکہ دونوں ہنوز طالب العلم ہوتے ہیں - گھر میں چار چار بچے کھیلتے ہوتے ہیں مگر اُن کے ماں اور باپ دونوں یونیورسٹی کے کمروں میں اساتذہ کے سامنے بیٹھے ہوتے ہیں! اس [illegible] سے جو [illegible] پیدا ہو سکتی ہیں، محتاجِ بیان نہیں - لیکن تعجب ہو [illegible]

نے کہا "ہرگز نہیں! خدا نے تمھیں یہ حق ہرگز نہیں دیا۔ یہ بات دوسری ہو کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرلو" یزید اور بھی زیادہ خفا ہوا۔ کہنے لگا "دین سے تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل چکا ہو!" زینب نے بلا تأمل جواب دیا "اللہ کے دین سے، میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی کے دین سے، میرے نانا کے دین سے تو نے، تیرے باپ نے، تیرے دادا نے ہدایت پائی ہو!" یزید چلایا "اے دشمن خدا! تو جھوٹی ہو!" زینب بولیں "تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہو۔ ظلم سے گالیاں دیتا ہو۔ اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہو!"

حضرت فاطمہ بنت علی کہتی ہیں یہ گفتگو سنکر شاید یزید شرمندہ ہو گیا۔ کیونکہ پھر کچھ نہ بولا۔ مگر وہ شامی پھر کھڑا ہوا اور وہی بات کہی۔ اس پر یزید نے غضبناک آواز میں اُسے ڈانٹ بتائی "دور ہو کمبخت! خدا تجھے موت کا تحفہ بخشے!"

یزید کا مشورہ کرنا

دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید شامی رؤسا و اُمرا کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا "ان لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟" بعضوں نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا مگر نعمان بن بشیر نے کہا "انکے ساتھ وہی کیجئے جو رسول اللہ صلعم انھیں اس حال میں دیکھ کر کرتے" حضرت فاطمہ بنت حسین نے یہ سنکر کہا "اے یزید! یہ رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں!" اس نسبت کے ذکر سے یزید کی طبیعت بھی متأثر ہوگئی۔ وہ اور درباری اپنے آنسو نہ روک سکے۔ بالآخر یزید نے حکم دیا کہ انکے قیام کے لئے علیحدہ مکان کا انتظام کردیا جائے۔

یزید کی بیوی کا غم

اس اثنا میں واقعہ کی خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم ہوگئی۔ ہند بنت عبداللہ یزید کی بیوی نے منھ پر نقاب ڈالا اور باہر آکر یزید سے کہا "امیر المؤمنین! کیا حسین بن فاطمہ بنت رسول اللہ کا سر آیا ہو؟" یزید نے کہا "ہاں! تم خوب رو، بین کرو، رسول اللہ کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو۔ ابن زیاد نے بہت جلدی کی۔ قتل کر ڈالا۔ خدا اُسے بھی قتل کرے!"

"حسین کی اجتہادی غلطی!"

اس کے بعد یزید نے حاضرین مجلس سے کہا "تم جانتے ہو یہ سب کس بات کا نتیجہ ہو؟ یہ حسین کے اجتہاد کی غلطی کا نتیجہ ہو۔ اُنھوں نے سوچا میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں۔ میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہو۔ میرے نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں، اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں، اس لئے حکومت کا بھی یزید سے زیادہ مستحق ہوں۔ حالانکہ اُن کا یہ سمجھنا کہ اُن کے والد میرے والد سے افضل تھے صحیح نہیں۔ علی اور معاویہ نے باہم جھگڑا کیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوا؟ رہا اُن کا یہ کہنا کہ اُن کی ماں میری ماں سے افضل تھی، تو بلاشبہ یہ ٹھیک ہو۔ فاطمہ بنت رسول اللہ میری ماں سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح اُن کا یہ کہنا کہ اُن کے نانا، میرے نانا سے افضل تھے تو قسم خدا کی، کوئی بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والا رسول اللہ سے افضل بلکہ رسول اللہ کے برابر کسی انسان کو نہیں سمجھ سکتا۔ حسین کے اجتہاد نے غلطی کی۔ وہ یہ آیت بالکل بھول گئے "اللّٰھم مالک الملک، تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء، بیدک الخیر، انک علی کل شیٔ قدیر" (ایضاً)

پھر اہل بیت کی خاتونیں، یزید کے محل میں پہونچائی گئیں۔ خاندان معاویہ کی عورتوں نے انھیں اس حال میں دیکھا تو بے اختیار رونے پیٹنے لگیں۔

یزید کی سعی تلافی

پھر یزید آیا تو فاطمہ بنت حسین نے اُس سے کہا "اے یزید! کیا رسول اللہ کی لڑکیاں کنیزیں ہوگئیں؟" یزید نے جواب دیا "اے میرے بھائی کی بیٹی! ایسا کیوں ہونے لگا؟" فاطمہ نے کہا "بخدا ہمارے کان میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی" یزید نے کہا "تم لوگوں کا جتنا گیا ہو، اُس سے کہیں زیادہ میں تمھیں دونگا" چنانچہ جس نے اپنا جتنا نقصان بتایا، اُس سے دوگنا تگنا دیدیا گیا۔

یزید کا دستور تھا روز صبح شام کے کھانے میں علی بن حسین کو اپنے ساتھ شریک کیا کرتا۔ ایک دن حضرت حسن کے کم سن بچے عمرو کو بھی بلایا اور ہنسی سے کہنے لگا "تو اس سے لڑیگا؟" اور اپنے لڑکے خالد کی طرف اشارہ کیا۔ عمرو بن حسن نے اپنے بچپنے کے بھولے پن میں جواب دیا "یوں نہیں۔ ایک چھری مجھے دو، اور ایک چھری اُسے دو، پھر ہماری لڑائی دیکھو!" یزید کھلکھلا کر ہنس پڑا اور عمرو بن حسن کو گود میں اٹھا کر سینے سے چمٹا لیا اور کہا "سانپ کا بچہ بھی سانپ ہی ہوتا ہو!"

یزید کی "زود پشیمانی"

یزید نے اہل بیت کو کچھ دن اپنا مہمان رکھا۔ اپنی مجلسوں میں اُن کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا "کیا حرج تھا اگر میں خود تھوڑی سی تکلیف گوارا کرلیتا۔ حسین کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا۔ اُن کے مطالبہ پر غور کرتا، اگرچہ اس کی وجہ سے میری قوت میں کچھ کمی ہی کیوں نہ پڑجاتی۔ لیکن اس سے رسول اللہ صلعم کے حق اور رشتہ داری کی توحفاظت ہوتی۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) پر جسنے حسین کو لڑائی پر مجبور کیا۔ حسین نے کہا تھا میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدیں گے یا مسلمانوں کی سرحدوں پر جاکر جہاد میں مصروف ہوجائیں گے۔ مگر ابن زیاد نے اُن کی کوئی بات بھی نہیں مانی۔ اور قتل کر ڈالا۔ اُن کے قتل نے تمام مسلمانوں میں مجھے مبغوض بنا دیا۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ پر! خدا کا غضب ابن مرجانہ پر!"

اہل بیت کو رخصت کرنا

پھر جب اہل بیت کو مدینہ بھیجنے لگا تو امام زین العابدین سے ایک مرتبہ اور کہا "ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں حسین کیساتھ ہوتا اور وہ میرے سامنے اپنی کوئی شرط بھی پیش کرتے تو میں اُسے ضرور منظور کرلیتا۔ میں اُن کی جان ہر ممکن ذریعہ سے بچاتا اگرچہ ایسا کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی۔ لیکن خدا کو وہی منظور تھا جو ہوچکا۔ دیکھو، مجھ سے برابر خط کتابت کرتے رہنا، جو ضرورت بھی پیش آئے، مجھے خبر دینا" بعد میں حضرت سکینہ برابر کہا کرتی تھیں "میں نے کبھی کوئی ناشکر انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا!"

اہل بیت کی فیاضی

یزید نے اہل بیت کو اپنے ایک معتبر آدمی اور فوج کی حفاظت میں رخصت کردیا۔ اس شخص نے راستہ بھر ان مصیبت زدوں سے اچھا برتاؤ کیا۔ جب یہ منزل مقصود پر پہنچ گئے تو حضرت زینب بنت علی اور حضرت فاطمہ بنت حسین نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اُسے بھیج کر کہا "یہ تمھاری نیکی کا بدلہ ہو۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہو کہ تمھیں دیں" اُس شخص نے زیور واپس کردئیے اور کہلایا "واللہ میرا یہ برتاؤ کسی دنیاوی طمع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ صلعم کے خیال سے تھا!"

مدینہ میں ماتم

اہل بیت کے آنے سے بہت پہلے مدینہ میں یہ جانگسل خبر پہنچ چکی تھی۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے سنا تو گھروں سے چلاتی ہوئی نکل پڑیں۔ حضرت عقیل بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں:

ماذا تقولون ان قال النبی لکم — ماذا فعلتم وانتم آخر الامم
کیا کہو گے جب نبی تم سے سوال کریں گے کہ اے وہ جو سب سے آخری امت ہو

بعترتی وباھلی بعد مفتقدی — منھم اساریٰ ومنھم ضرجوا بدم
تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد یہ کیا سلوک کیا کہ ان میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں!

مرثیہ

حضرت حسین کی شہادت پر بہت سے لوگوں نے مرثئے کہے۔ سلیمان بن قتہ کا مرثیہ بہت زیادہ مشہور رہا۔

مررت علی ابیات آل محمد — فلم ارھا کعھدھا یوم حلت
میں خاندان محمد کے گھروں کی طرف سے گزرا مگر وہ کبھی ویسے نہ تھے جیسے اس دن جب ان کی حرمت توڑی گئی!

فلا یبعد اللہ الدیار واھلھا — وان اصبحت من اھلھا قد تخلت
خدا ان مکانوں اور مکینوں کو دور نہ کرے! اگرچہ وہ اب اپنے مکینوں سے خالی پڑے ہیں!

وان قتیل الطف من آل ہاشم — اذل رقاب المسلمین فذلت
کربلا میں ہاشمی مقتول کے قتل نے مسلمانوں کی گردنیں ذلیل کردیں

وکانوا رجاءً ثم صاروا رزیۃ — فقد عظمت تلک الرزایا وجلت
ان مقتولوں سے دنیا کی امیدیں وابستہ تھیں مگر وہ مصیبت بن گئے۔ آہ! یہ مصیبت کتنی بڑی اور کتنی سخت ہو!

الم تر ان الارض اضحت مریضۃ — لفقد حسین والبلاد اقشعرت
کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین حسین کے فراق میں بیمار ہو اور دنیا کانپ رہی ہو؟

وقد اعولت تبکی السماء لفقدہ — وانجمھا ناحت علیہ وصلت
آسمان بھی اُس کی جدائی پر روتا ہو۔ تارے بھی ماتم کرتے اور سلام بھیجتے ہیں!

ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے ابھی یہ منزل دُور ہے۔ کم سے کم آئندہ انتخابات میں اُس کی کوئی اُمید نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ اِس ہفتہ حکومت انگورہ نے اعلان کر دیا ہے کہ عورتوں کو حق انتخاب بالفعل نہیں دیا جا سکتا ہے۔ وجہ یہ بتائی ہے کہ اُنھوں نے ابھی کافی ترقی نہیں کی ہے۔

برطانیہ کی سازشیں

یونانی اخبارات کی اِس خبر نے ترکی اخبارات کو سخت مشتعل کر دیا ہے کہ "برطانیہ نے حکومت یونان سے خواہش کی ہے کہ روس کے خلاف تمام دول بلقان کی ایک خفیہ کانفرنس منعقد کرے مگر اُس میں ٹرکی کو شریک نہ ہونے دے"۔ ترکی اخبارات کی رائے میں یہ تجویز ٹرکی کے لئے ایک مبارزت ہے۔ انگورہ کا سربرآوردہ اخبار "جمہوریت" اپنی پچھلی اشاعت میں یوں اظہارِ خیال کرتا ہے:

"اگر یہ خبر صحیح ہے تو اِس کے صاف معنی یہ ہیں کہ برطانیہ روس کے ساتھ ٹرکی کی مخالفت پر بھی تلا ہوا ہے۔ اگر اِس تجویز سے برطانیہ کا مقصود یہ ہے کہ ٹرکی کو دھمکا کر روس سے الگ کر لے، تو ہم صاف لفظوں میں اسکی تعمیل سے انکار کرتے ہیں۔ اب وہ زمانے گئے جب ٹرکی ایسی دھمکیوں سے مرعوب ہو جایا کرتا تھا۔ گزشتہ تین صدی کے تجربوں نے ہمیں خوب سکھا دیا ہے کہ ہمیں صرف اپنی قوت پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ اور ہم صرف اپنی قوت ہی پر اعتماد رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس اتنی قوت موجود ہے جو ہمیں ہر مشکل سے بچا سکتی ہے۔ روس سے ہماری دوستی، زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ روس کو ہماری دوستی کی ضرورت ہے۔ ہمیں روس کی دوستی کی ضرورت ہے۔ ہم روس سے ہرگز علیحدہ نہیں ہو سکتے"

ٹرکی اور افغانستان

باخبر حلقوں میں خیال کیا جاتا ہے کہ برطانیہ عنقریب افغانستان سے چھیڑ چھاڑ شروع کرے گا۔ روسی خطرے نے برطانیہ کو بدحواس کر دیا ہے۔ وہ دیکھتا ہے روس کے تعلقات افغانستان سے بہت گہرے ہیں۔ افغانستان، ہندوستان کا پڑوسی ہے، لہٰذا روسی افغانی دوستی ہندوستان کے لئے خطرناک ہے۔ اور چونکہ اِس دوستی میں ہندوستان کے لئے خطرہ ہے اِس لئے یا تو افغانستان کو روس سے توڑ لینا چاہیئے، یا برطانیہ سے دست بگریباں ہونے کے لئے طیار ہو جانا چاہیئے۔

یہ ہے برطانیہ کا نقطۂ نظر، اور اسی بنا پر وہ بہت جلد افغانستان سے نئی معاملت شروع کرنی چاہتا ہے۔ ہمیں جہاں تک حالات کا علم ہے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ برطانیہ کو افغانستان کے روس سے الگ کرنے میں ویسی ہی ناکامی ہوگی، جیسی ٹرکی کے معاملہ میں ہو چکی ہے۔ افغانستان، روس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ اُسے خوب معلوم ہے کہ برطانیہ اُسے ہرگز کوئی نفع نہیں پہونچائے گا۔ لیکن روس اُسے بے شمار نفع پہونچا رہا ہے۔

یہی باعث ہے کہ پچھلے چند ماہ سے افغانستان کے مدبر ماسکو اور انگورہ کا دورہ کر رہے ہیں۔ فی الحال انگورہ میں مشہور افغانی مدبر محمود خاں طرزی موجود ہیں۔ سرکاری طور پر اُن کی آمد صرف سیر و سیاحت کی غرض سے بتائی گئی ہے۔ خود اُنھوں نے بھی اخبار "حاکمیت ملت" کے نامہ نگار سے یہی بیان کیا ہے۔ لیکن اُن کے یہ الفاظ خاص معنی رکھتے ہیں۔ "افغانستان کی دلی آرزو ہے کہ ٹرکی سے اُسکے تعلقات اور بھی زیادہ مضبوط ہو جائیں"

مقالہ افتتاحیہ

محرم الحرام ۱۳۴۶ ہجری

نئے ہجری سنہ کا آغاز!

تذکار ہجرۃ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

۲

واقعۂ ہجرۃ کا اختصاص

پچھلی تحریر میں یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ حضرۃ عمر اور مجمع صحابہ نے ایک نئے سنہ کی ضرورت اِس لئے محسوس کی کہ قومی زندگی کے قیام و تکمیل کے لئے قومی سنہ کی ضرورت تھی، اور اسلام کی تعلیم و تربیت نے اُن کی قومی ذہنیت کا جو مزاج پیدا کر دیا تھا، اُس کا مقتضیٰ یہی تھا کہ اِس ضرورت کی کھٹک طبیعتوں میں پیدا ہوتی۔ لیکن اب اِس کے بعد معاملہ کا سب سے زیادہ ضروری سوال سامنے آتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ قومی سنہ کا مبدء قرار دینے کے لئے سامنے کی جتنی چیزیں بھی ہو سکتی تھیں، اُن میں سے کوئی چیز بھی اختیار نہیں کی گئی، اور ایک دُور کی چیز جو بظاہر اِس غرض کے لئے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، اُن کے سامنے آگئی، اور اُسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ آخر اِس کی علت کیا ہے؟

مسلمانوں کا قومی سنہ قرار دینے کے لئے قدرتی طور پر جو چیزیں سامنے کی تھیں، وہ اسلام کا ظہور تھا۔ داعی اسلام کی پیدائش تھی نزول وحی کی ابتدا تھی۔ بدر کی تاریخی فتح تھی۔ مکہ کا فتحمندانہ داخلہ تھا۔ حجۃ الوداع کا اجتماع تھا جو اسلام کی ظاہری اور معنوی تکمیل و فتح کا آخری اعلان تھا۔ لیکن اِن تمام واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ ہجرۃ مدینہ کی طرف نظر گئی جو نہ تو کسی پیدائش کا جشن ہے، نہ کسی ظہور کی شوکت۔ نہ کسی جنگ کی فتح ہے، نہ کسی غلبہ و تسلط کا شادیانہ۔ بلکہ اُس زمانہ کی یاد تازہ کرتا ہے جب آغاز اسلام کی بے سروسامانیاں اور ناکامیاں اِس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ داعی اسلام کے لئے اپنے وطن میں زندگی بسر کرنا بھی ناممکن ہو گیا تھا۔ بیچارگی اور مظلومیت کی انتہا تھی کہ اپنا وطن، اپنا گھر، اپنے عزیز و اقارب، اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر، صرف ایک رفیق غمگسار کے ساتھ، رات کی تاریکی میں، رہسپار دشت غربت ہوا تھا!

یہ بھی ظاہر ہے کہ اِس قسم کے معاملات میں قدرتی طور پر دوسری قوموں کے نمونے سامنے آیا کرتے ہیں۔ حضرۃ عمر اور صحابہ کے سامنے بھی یہ نمونے موجود تھے۔ لیکن وہ اُن کی تقلید پر آمادہ نہ ہو سکے اور اُنھوں بالکل ایک دوسری ہی راہ اختیار کی۔

دُنیا کے قومی سنین

قومی سنہ دراصل قوم کی پیدائش اور عروج و اقبال کی تاریخ ہوتا ہے۔ اِس کے ذریعہ قومیں اپنی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم اور بنیادی واقعہ یاد رکھنا چاہتی ہیں۔ اُس کا دَور ہر بارہ مہینے کے بعد ختم ہوتا اور از سر نو شروع ہوتا ہے، اور اِس طرح سال نو کی مسرتوں کے ساتھ اُس کی تاریخی روایات کی شادمانیاں بھی تازہ ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا میں جس قدر سنہ رائج ہوئے، سب کی بُنیاد کسی ایسے واقعہ پر نظر آتی ہے جس سے کسی قومی فتح و اقبال کا آغاز ہوا ہے۔ چونکہ اِس طرح کا آغاز عموماً کسی بڑے انسان کی پیدائش سے ہوا ہے، یا کسی بڑے بادشاہ کی تخت نشینی سے، یا کسی بڑی جنگ کی فتح اور کسی نئی سرزمین کے قبضہ و تسلط سے۔ اِس لئے دنیا کے اکثر سنوں کی ابتدا مشاہیر و اکابر کی پیدائش اور تخت نشینی ہی سے ہوتی ہے۔ بیرونی نے آثار الباقیہ نامی کتاب صرف سنین و تواریخ کے موضوع پر لکھی ہے، اور اِس درجہ کی لکھی ہے کہ آج بھی اِس سے بہتر کتاب نہیں لکھی جا سکتی۔ وہ دُنیا کے تمام سنین کا استقصا کر کے لکھتا ہے "قوموں کا طریقہ اِس بارے میں یہ رہا ہے کہ بانیان حکومت و مذاہب کی پیدائش، یا دشاہوں کی تخت نشینی، انبیاء کی بعثت، ملکوں کی فتح و تسخیر، سلطنت کے انقلاب و انتقال، اور حوادث عظیمۂ ارضیہ سے تواریخ و سنین کی ابتدا کیا کرتے ہیں"

قدیم سنوں میں بابلی، یہودی، رومی، مسیحی، ہندوستانی، اور ایرانی سنین سب سے زیادہ مشہور و مستعمل رہے ہیں، ان سب کی ابتدا کسی ایسے ہی واقعہ سے ہوئی ہے۔ بابلی سنہ کی بنیاد بخت نصر اول کی پیدائش پر رکھی گئی تھی کیونکہ اُس کے ظہور سے بابل کی عظمت کا آغاز ہوا۔ یہودیوں نے پہلے مصر سے خروج کے واقعہ پر سنہ کی بُنیاد رکھی تھی۔ کیونکہ اسی واقعہ سے اُن کی قومی آزادی کا دَور شروع ہوتا تھا۔ پھر جب فلسطین میں یہودی حکومت قائم ہو گئی تو حضرت سلیمان کی تخت نشینی سے بھی سنہ کا حساب کرنے لگے۔ پھر ہیکل کی بربادی کے بعد جب دوبارہ تعمیر کا واقعہ ظہور میں آیا، تو چونکہ اِس سے یہودیوں کے اجتماع و وطن کا نیا دَور شروع ہوتا تھا اِس لئے اِس کی یادآوری کے جذبہ نے تاریخ و سنہ کی صورت اختیار کر لی۔ رومیوں کا سب سے زیادہ مشہور سنہ اسکندری سنہ ہے جو سکندر فاتح کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ پھر آگسٹس کی پیدائش سے نیا سنہ شروع ہوا جس کی فتحمندیوں نے رومی عظمت کا نیا دَور شروع کر دیا تھا۔ مسیحی

اسے پسند کرتے ہیں اور اس کی ہمت افزائی کرنے میں بھی مضائقہ نہیں کرتے۔ امریکہ کے بوڑھوں میں یہ مقولہ عام ہے" نوجوانوں کو چھوڑ دو کہ ساتھ بڑھیں کھیلیں، ساتھ پڑھیں لکھیں، بچپن ہی سے باہم محبت کریں اور اپنی نسل بڑھتے دیکھیں!"

امریکن عورت کی روزمرہ کی زندگی

مردوں کی طرح عورتوں کی زندگی بھی روپیہ کمانے اور خرچ کرنے میں بسر ہوتی ہے۔ بازاروں میں کپڑے کی اکثر بڑی دوکانوں پر جلی حروف میں یہ عبارت لکھی نظر آئے گی "یہاں عورتوں کو کپڑے سینے کی مفت تعلیم دیجاتی ہے" جا بجا سائن بورڈوں پر یہ الفاظ لکھے ہوگے "یہاں علم تدبیر منزل (خانہ داری) پر لکچر مفت سنائے جاتے ہیں"۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ امریکن عورت بالکل بے کار نہیں رہتی وہ اپنی خانگی زندگی میں تو ضرور بدنصیب ہوتی ہے، مگر برابر علمی و صنعتی ترقی کر رہی ہے۔ لیکن درحقیقت اسی ترقی نے اُسے مسرت سے محروم بھی کر رکھا ہے۔

امریکن عورت، بعت مسرف ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت ہر روز بازاروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ دوکانیں عورتوں سے لبریز رہتی ہیں۔ دوکانداروں کا اپنے اعلانوں میں خطاب عموماً عورتوں ہی سے ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں مردوں کو خرید فروخت کی مہلت نہیں۔ مرد روپیہ کمانا جانتے ہیں، خرچ کرنا نہیں جانتے۔ عورتیں اُن کی ہفتہ بھر یا مہینہ بھر کی آمدنی پر قابض ہو جاتی ہیں اور بازاروں میں آکر بے دریغ خرچ کر ڈالتی ہیں۔ عورتوں کے اسراف کا اندازہ صرف اتنی بات سے کیا جا سکتا ہے کہ گزشتہ دس سال کے اندر منھ پر ملنے والے پھلوں کی فروخت میں فی صدی دو ہزار کا اضافہ ہو گیا ہے!

زنانہ کلب

امریکہ کے زنانہ کلب، دنیا میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ بڑے ہی شاندار، خوبصورت، اور جدید ترین سامان سے آراستہ ہوتے ہیں عورت چونکہ گھر میں شوہر کو نہیں پاتی، اور دلچسپی سے محروم ہوتی ہے، اس لئے اپنا زیادہ وقت کلب ہی میں گزارتی ہے۔ عام دستور یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کو موٹر میں بٹھا کر اُس کے دفتر میں چھوڑ آتی ہے اور باقی پورا دن کلب میں صرف کرتی ہے۔ شام کو پھر موٹر میں بیٹھتی ہے اور شوہر کو دفتر سے لے آتی ہے۔ دونوں رات کا کھانا عموماً ہوٹل میں کھاتے ہیں اور پھر گھر آکر سو رہتے ہیں!

سب سے زیادہ زنانہ کلب مڈل ویسٹ میں ہیں۔ یہ کلب بہت ہی دلچسپ اور مفید ہیں۔ لیکن اُن کا یہ عیب بھی بہت بڑا ہے کہ عورت سے غور و فکر کی قوت سلب کر لیتے ہیں اور اُس کے دماغ میں اس قدر معلومات ٹھونس دیتے ہیں کہ وہ انھیں ہضم نہیں کر سکتی اور دماغی بدہضمی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ دن بھر کلب گھروں میں علمی تقریریں ہوتی رہتی ہیں۔ ایک دن میں نے شیکاگو کے ایک زنانہ کلب میں چار مختلف مضمونوں پر لکچر سنے۔ مضمون یہ تھے:

(۱) مرد کا کام اپنے گھر میں
(۲) غذا کی تاثیر جسم انسانی پر
(۳) موجودہ ادبیات اور خواتین عادات
(۴) سحر و ساحری کی حقیقت۔

میں نے بڑے غور سے لکچر سنے تھے۔ آخر میں سوچنے لگا میں نے کیا سنا تھا؟ باوجود سخت کوشش کے میں اس کا کوئی جواب دے سکا۔ کیونکہ دماغ مختل ہو چکا تھا۔ صرف دو باتیں حافظہ میں محفوظ رہ گئی تھیں۔ ایک یہ کہ دوپہر کو کھانا نہیں کھانا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ دنیا کی موجودہ اقتصادی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ انسان، دولت جمع کرنے کا آلہ بن گیا ہے۔ صرف ایک دن میں میرا یہ حال ہوا لیکن اُن

بریدِ شرق

مکتوبِ انگورہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم انگورہ کے قلم سے)

شورائے دولت۔ ترکی ڈاکٹر کی تحقیقات۔ وزیر خارجیہ کی تصریحات ترکی پارلیمنٹ۔ ترکی عورت اور حق انتخاب۔ برطانیہ کی سازش۔ ٹرکی اور افغانستان۔

شورائے دولت

"مجلس شورائے دولت" کے نام سے ترکی پارلیمنٹ نے ایک مجلس کا قیام منظور کر لیا ہے۔ اُس کی صدارت کے لئے مشہور ترکی قانوندان نصرت بک منتخب ہوئے ہیں۔ اس مجلس کا کام یہ ہوگا کہ حکومت کی تمام وزارتوں اور محکموں کو ضرورت کے وقت مشورہ دے، نیز اُن جھگڑوں کا تصفیہ کرے جو مختلف محکموں میں پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔

"عورتوں کا کیا حال ہوگا جن کی ساری زندگی انہی کلب گھروں اور اُن کے لکچروں میں گزرتی ہے؟

بچوں کی ماں

امریکہ میں بیشمار انجمنیں اس غرض سے موجود ہیں کہ ماؤں کے لئے مفت مشورے مہیا کریں۔ ان میں ہمیشہ لکچروں کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور ماؤں کو بتایا جاتا ہے کہ وہ کون کون کتابیں پڑھیں؟ کس قسم کا کھانا کھائیں؟ کیا سوچیں؟ کیا دیکھیں؟ غرضکہ ہر معاملہ میں باقاعدہ علمی مشورہ دیا جاتا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ امریکہ میں جس طرح سب معاملات اصول و قواعد کے ماتحت رکھے گئے ہیں، اُسی طرح نسوانیت بھی علمی اصول پر "منطبق" کی جا رہی ہے۔ یہی حد سے زیادہ "علمی انطباق" انسانیت اور مرد و عورت کی جنسیت کی فطرۃ کا خاتمہ ہے!

دنیا میں امریکہ کی نوجوان عورتوں سے منظم تر کوئی چیز موجود نہیں۔ وہ ا... نہیں ہوتی۔ اپنے شوہر کی طرح کسی نہ کسی علم یا ہنر میں ماہر ہوتی ہے۔ اپنے گھر کو مرتب و منظم رکھ سکتی ہے۔ امریکن عورت انگلستان کی عورت سے کہیں زیادہ منتظم اور سلیقہ مند ہوتی ہے۔

امریکن ماں اپنے بچوں سے بیحد محبت کرتی ہے۔ ہندوستان کی طرح امریکہ میں بھی اولاد اپنے ماں باپ کی ملکیت سمجھی جاتی ہے۔ گھروں میں بچوں کے لئے علحدہ کمرے نہیں ہوتے۔ پورا گھر بچوں کے لئے کھلا ہوتا ہے اور وہ دن بھر اودھم مچائے رہتے ہیں۔ اسی طرح دائیاں اور کھلائیاں رکھنے کا بھی رواج کم ہے۔ خود ماں ہی دائی ہوتی ہے۔ ماں اپنے بچوں میں کسی کی مداخلت گوارا نہیں کرتی۔ وہ اُن کا مستقبل اپنے مستقبل سے وابستہ سمجھتی ہے۔ اُن پر وہ تمام تعلیم و تربیت کے اصول منطبق کرتی ہے جو کلب گھروں میں سنتی اور کتابوں میں پڑھتی ہے!

لیکن اس کے باوجود بھی اُس کی زندگی بڑی حد تک مسرت سے خالی ہوتی ہے، کیونکہ، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، علم کی فراوانی اور تجارت کی افزونی نے اُسیر ازدواجی مسرتوں کا دائرہ تنگ کر رکھا ہے۔ امریکہ کی عورت، علم اور مادی ترقی سے اب نالاں ہو چکی ہے۔

ترکی ڈاکٹر کی تحقیقات

مشہور ترکی ڈاکٹر حسن رشاد بک کے متعلق اخبارات نے یہ خبر شایع کی ہے کہ اُنھوں نے آتشک کا حکمی علاج دریافت کر لیا ہے۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ اُن کی دوا کا صرف ایک انجکشن ہمیشہ کے لئے اس خبیث بیماری کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ ترکی حکومت ڈاکٹر موصوف کو اپنے خرچ سے یورپ بھیج رہی ہے تاکہ وہاں ماہرین فن کے سامنے اپنے تجربے دکھائیں۔

وزیر خارجیہ کی تصریحات

ڈاکٹر توفیق رشدی بک ترکی وزیر خارجیہ نے اس ہفتہ اخباری نمایندوں کے سامنے حسب ذیل تصریحیں کی ہیں:

"اس وقت ٹرکی کے تعلقات متمدن دنیا کے جملہ ملکوں سے دوستانہ ہیں۔ اس وقت دنیا کی کسی سلطنت سے بھی ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ پچھلے دنوں جو افسوسناک حادثے بعض سلطنتوں کے مابین واقع ہوئے ہیں، اُنھوں نے ہمارے مسلک پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ ہمارے مسلک کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ دنیا کا امن و امان ہمارے ملک کے لئے مفید ہے۔ یہی باعث ہے کہ ہم حکومتوں کے درمیان لڑائی جھگڑوں سے خود نفع نہیں اُٹھاتے۔ کیونکہ یہ ہمارے مقصد امن کے خلاف ہے۔

"بلقانی ریاستوں سے بھی ہمارے تعلقات دوستانہ ہیں۔ ہم اُنھیں اور بھی مضبوط کرنے کی کوشش میں ہیں۔ روس سے ہمارے علائق خاص طور پر بہت ہی اچھے ہیں۔ روس نے کبھی ہمارے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ وہ ہمیشہ ہمارا دوست رہا اور اب تک بھی دوست ہے۔

"چین کی موجودہ تحریک آزادی سے ہمیں پوری دلچسپی ہے ہم اس عظیم الشان مشرقی قوم کی آزادی کے دل سے متمنی ہیں۔ مصر سے ہمیں جو دلی تعلق ہے وہ کسی شرح و تفصیل کا محتاج نہیں"۔

ترکی مجلس کا نیا انتخاب

موجودہ ترکی مجلس (پارلیمنٹ) کی مدت ختم ہو گئی۔ اب نئے انتخابات کا وقت ہے۔ قانون کی رو سے اس مجلس کی عمر ماہ اپریل تک تھی۔ مگر اُسے دو مہینے اور بڑھا لئے۔ اب وہ دو مہینے بھی گزر چکے ہیں۔ نئے انتخابات ۱۰ جولائی میں شروع ہونگے۔ باخبر لوگ جانتے ہیں کہ انتخابات کا نتیجہ کیا ہوگا؟ تمام ملک کو غازی مصطفےٰ کمال پاشا اور اُن کی جماعت پر پورا اعتماد ہے۔ لہٰذا آیندہ مجلس میں ہمیں تقریباً انہی ممبروں کا انتظار کرنا چاہیے جو موجودہ مجلس کے ارکان تھے۔

ترکی عورت اور حق انتخاب

نئے انتخابات کے پیش آجانے کی وجہ سے اس کا غوغا بہت بڑھ گیا ہے۔ حقوق طلب خواتین بڑی سختی سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہی

اندر کی استعداد کی تکمیل کے ساتھ ہی باہر کی استعداد بھی اسکے اندر پیدا ہو جائے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے لئے مثال کی ضرورت ہے۔ خدا کی رحمت و ربوبیت نے تمام کائنات ہستی کو بخشش کا خزانہ اور فیضان عام کی بارش بنا رکھا ہے۔ زندگی اور وجود کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، اُن میں سے ہر چیز موجود ہے، اور اُس کی موجودگی صرف اس لئے ہے تاکہ استعداد کو ڈھونڈھے، صلاحیت کو پالے، اور انفعال کو فعل سے اور انجذاب کو جذب سے مالا مال کردے۔ سورج روز آسمان پر چمکتا ہے۔ ستارے ہمیشہ زمین کی طرف جھانکتے ہیں۔ ہوائیں یکساں سرگرمجوشی سے چلتی ہیں، بادلوں کی رفتار میں کبھی رکاوٹ نہیں پڑتی۔ سورج کی کرنیں سمندروں کو کھینچنے اور پانی کے ذخیرے جمع کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتیں۔ زمین کی سطح اپنے سارے خزانے لئے ہوئے موجود ہے۔ خاک کے ذرّوں میں سے ہر ذرہ اپنا خاصہ اور اپنی تاثیر رکھتا ہے۔ موسموں کی تبدیلی اور لیل و نہار کی گردش بھی اپنے مقصد اور حکمت سے باہر نہیں۔ یہ، اور اسی طرح کی تمام اَن گنت اور بے حد و حساب چیزیں:

وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا (۱۴ : ۳۴) اور اگر تم خدا کی نعمتیں اور بخشائشیں شمار کرنی چاہو

تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی تمھارا اندازہ احاطہ نہیں کر سکتا!

قوتوں کا خزانہ اور بخشائشوں اور ربوبیتوں کا فیضانِ عام ہیں اور اپنی مجموعی صورت میں کائنات ہستی کی وہ " خارجی استعداد " ہے جو وجود کے لئے خلق و تسویہ کا سامان مہیا کرتی اور ہمیشہ اُس کے انتظار میں چشم براہ رہتی ہے۔ لیکن خارج کی اس استعداد سے صرف وہی اشیاء فائدہ اُٹھا سکتی اور اپنے حصہ کی بخشش پا سکتی ہیں جن کے اندر خود اُن کے " اندر کی استعداد " وجود میں آگئی ہے۔ یہ اندرونی استعداد باہر کے کارخانۂ استعداد کی تاثیر کے لئے بہ منزلۂ انفعال ہے۔ جب تک انفعال کا لب سوال وا نہ ہوگا، فعل و تاثیر کا جواب فیضان، حرکت میں نہیں آسکتا!

دہقان ایک بیج اُٹھاتا ہے اور زمین کے حوالے کر دیتا ہے۔ اب دیکھو، اس ایک بیج کے بارآور ہونے کے لئے قدرت الٰہی نے کس طرح اپنا تمام کارخانۂ ہستی مہیا کر دیا ہے؟ سورج منتظر ہے کہ اپنی گرمی اس کے لئے وقف کردے، بادل طیار ہیں کہ اپنے ذخیروں کا منہ کھول دے۔ زمین مستعد ہے کہ اپنی آغوش اُس کے لئے وا کر دے، لیکن اس تمام کارخانۂ بخشش سے وہ جبھی فائدہ اُٹھا سکتا ہے جبکہ خود اُسکے اندر کی استعداد صحیح و صالح ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے، تو پھر یہ تمام کارخانۂ بخشش و نوال اُس کے لئے بیکار ہوگا۔ سورج اپنا دہکتا ہوا تنور رکھ کر بھی اسے گرم نہ کر سکے گا، بادل اگر اپنا تمام ذخیرۂ آب ختم کر ڈالے، جب بھی اُسے زندگی کی رطوبت کا ایک قطرہ نہیں ملیگا!

پھر ایک صالح بیج جب زمین میں اپنی جگہ بنا لیتا ہے، تو اُس کے اندر کی استعداد ظاہر ہوتی ہے اور اندر ہی اندر پکنے اور بڑھنے لگتی ہے۔ اُسوقت وہ ایک چھوٹا سا وجود ہوتا ہے جس کے اندر باریک ذرّوں اور ریشوں کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ لیکن انہیں ذرّوں اور ریشوں کے اندر اُس کی آنے والی ہستی کی ساری بڑائیاں اور عظمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ کہا جا سکتا ہے ایک عظیم اور تناور درخت کی ساری ٹہنیاں اور پتے، اور اس کے ہزاروں پھول اور پھل انہیں ذرّوں اور باریک ریشوں کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ وہ بتدریج نشوونما پاتا ہے، اور یکے بعد دیگرے تخلیق و تسویہ کے مختلف درجوں سے گزرتا ہے۔ پھر جب یہ سب کچھ ہو چکتا ہے، تو وہ وقت آجاتا ہے جب زمین کی سطح چاک ہوتی ہے اور اُس کی پہلی شاخ باہر نکلتی ہے۔ چنانچہ وہ اُبھرتا ہے، اور کائنات فطرۃ کے جس کارخانۂ فیضان سے زمین کے اندر اکتساب فیض کر رہا تھا، اب اُس سے زمین کی سطح پر بخشش و نوال حاصل کرنے لگتا ہے۔ اُسوقت تم دیکھتے ہو کہ عالم نباتات کا یہ جوان نوخاستہ سرو قد کھڑا ہے، اور کارخانۂ فطرۃ کے ہر سامان سے زندگی اور قوت کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اب تم اُس کی ہستی کا اعتراف کرتے ہو، لیکن تم بھول جاتے ہو کہ باہر کی استعداد اُس کے لئے جو کچھ بہم پہنچا رہی ہے یہ دراصل اُسی استعداد کا جواب اور نتیجہ ہے جو زمین کے اندر اُس کی داخلی طبیعت نے پیدا کر لی تھی!

عالم حیوانات میں دیکھو تو یہ حقیقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ حیوان اور انسان کا جو وجود عالم ہستی میں قدم رکھتا ہے، اور بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کی منزلیں طے کرتا ہے، دراصل یہ وہی وجود ہے جو پہلے خود اپنی ہستی کے اندر تخلیق و تکمیل کی منزلیں طے کر چکا ہے۔ اگر اُس کی داخلی استعداد کا دور صحت اور قوت کے ساتھ ختم نہ ہوتا، تو اس کی خارجی استعداد کا یہ دور وجود ہی میں نہ آتا۔ وہ پہلے شکم مادر میں جنین کا ابتدائی مادہ تھا۔ پھر اندر ہی اندر بڑھنے اور پھیلنے لگا، بہ تدریج تخلیق و تسویہ کی مختلف منزلیں وجود میں آئیں۔ پہلے چھوٹے چھوٹے کیڑے تھے جنھوں نے ایک جونک کی سی شکل اختیار کر لی۔ پھر یہ جونک بڑھتے بڑھتے گوشت کا ایک لوتھڑا بن گئی، لوتھڑے میں ہڈیوں کا ڈھانچہ بننا شروع ہوا، اور ڈھانچے پر گوشت پوست کا غلاف چڑھ گیا، پھر گوشت اور ہڈیوں کا یہی مجموعہ نظم و تناسب کے ایک ایسے سانچے میں ڈھل گیا، کہ شکل و ہیئت کی تمام زیبائیاں اور خال و خط کی ساری دلاویزیاں مکمل ہوگئیں۔ پھر جب اندر ہی اندر تکمیل و تسویہ کے یہ تمام مراتب طے ہوگئے، تو یہ وجود اس قابل ہوا کہ شکم مادر سے باہر قدم نکالے۔ اور تم نے دیکھا کہ خلقت اور ہستی کا ایک زندہ اور مستعد وجود تمھارے سامنے ہے: ثم انشاناہ خلقاً آخر، فتبارک اللہ احسن الخالقین! (۲۳ : ۱۴)

بہر حال دنیا میں ہر چیز کی تخلیق و تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ اس میں کارخانۂ فیضان فطرۃ سے اکتساب فیض کی صحیح استعداد پیدا ہو۔ اور اس استعداد کے ظہور کا پہلا محل اندرونی ہے دوسرا بیرونی۔ جب تک کوئی چیز اپنے اس پہلے دور میں صحیح استعداد پیدا نہیں کرے گی، دوسرے دور کی استعداد پیدا نہیں کر سکتی۔ خارج کے نشوونما کے لئے داخل کا نشوونما، بمنزلہ سبب و علت ہے۔ جب تک سبب موجود نہ ہوگا، نتائج ظہور میں نہیں آئیں گے۔

جماعت کی داخلی استعداد

فرد اور جماعت دونوں کا ایک ہی حال ہے۔ یہ افراد و اشیا کی مثالیں تھیں۔ انہی کو جماعتوں اور قوموں پر بھی منطبق کرو۔ اشیاء و افراد کی طرح "جماعت" بھی پیدا ہوا کرتی ہے۔ اس کی تخلیق، نشوونما، اور ترقی و تکمیل کے لئے بعینہ وہی قوانین ہیں، جو اشیاء و افراد کے لئے ہیں۔ جس طرح فطرۃ الٰہی کی ربوبیت نے مخلوقات کی زندگی اور نشوونما کے لئے اپنی بخشائشوں کے بادل زمین پر پھیلا دئیے ہیں ہر شئے کو زندگی دینے والی، ہر شے پر پرورش کرنے والی، اور ہر شے کو وجود و کمال تک لیجانے والی ہے، ٹھیک اُسی طرح "جماعت" اور "اُمت" کے ظہور و نشوونما کے لئے بھی ہر طرح کی بخشائشوں اور ہر طرح کی فیض رسانیوں کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ ربوبیت اُس کے ظہور کا انتظار کرتی اور بخشائش فطرۃ اُس کے قدم اُٹھانے کی راہ تکتی ہے۔ لیکن جس طرح افراد و اشیاء کے لئے فطرۃ کا تمام سامان فیض صرف اُسی حالت میں مفید ہو سکتا ہے جبکہ خود ان کے اندر صحیح و صالح استعداد موجود ہو۔ اسی طرح "جماعت" کا مولود بھی وقت کے فیضان اور قومی و مرزبومی ماحول کی بخشائشوں سے اُسی حالت میں فائدہ اُٹھا سکتا ہے، جبکہ خود اُس کے اندر اکتساب انفعال کی صحیح استعداد موجود ہو۔ پھر جس طرح اس استعداد کی تکمیل کے پہلا مرحلہ داخلی ہے، دوسرا خارجی، اسی طرح جماعتوں اور قوموں کی مزاجی استعداد کے لئے بھی پہلا مرحلہ داخلی ہے۔ دوسرا خارجی۔ کوئی جماعت، کوئی قوم، انسان کی کوئی ہیئت اجتماعیہ، کشمکش حیات کی کامیابیاں حاصل نہیں کر سکتی، اگر پہلے ایک تخم اور جنین کی طرح اپنی داخلی استعداد کی منزل طے نہیں کر لیتی۔ اسکی داخلی تخلیق و تکمیل کو بھی ایک معین وقت اور وقت کی معین مقدار ہے، اگر ایک جماعت وجود و کمال کا پورا درجہ حاصل کرنا چاہتی ہے، تو ناگزیر ہے کہ پہلے داخلی استعداد کی تکمیل کا وقت بسر کرلے۔ اُس کے بعد خارج کے اعمال و فتوح کا دروازہ خود بخود اُس پر کھل جائے گا۔ کیونکہ خارج کی تمام کامرانیاں اُس کی داخلی استعداد کی تکمیل کا نتیجہ و ثمرہ ہوتی ہیں۔

جس طرح اشیاء و افراد کے جسم کی داخلی استعداد کا دارومدار اُن کے اندر ہی اندر نشوونما پانے اور اندر ہی اندر پکنے پر ہے، اسی طرح فرد اور جماعت کی دماغی اور اخلاقی استعداد کا دارومدار اُن کی ابتدائی تعلیم و تربیت پر ہے جسے قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں "تزکیہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ "تزکیۂ اخلاق و نفس" سے مقصود یہ ہے کہ ایک جماعت کو بہ حیثیت ایک جماعت کے جس طرح کے ذہن و مزاج کی ضرورت ہے، وہ اس کے ایک ایک فرد کے اندر پیدا کر دیا جائے، اور اس رسوخ و نفوذ کے ساتھ پیدا کر دیا جائے گویا ایک آہنی کالبد ہے کہ ان میں سے ہر فرد کا دل و دماغ اُس میں ڈھال دیا گیا ہے۔ جس طرح عالم اجسام میں جسم کی بہتر خلقت اور بہتر نشوونما طاقت و برتری کا موجب ہوتی ہے، اُسی طرح قوموں اور جماعتوں کے لئے اُن کے افراد کا اخلاق اور اخلاق کی بہتر قسم اور بہتر نشوونما جماعتی طاقت اور برتری کا باعث ہوتی ہے۔ یہی اخلاق "جماعت" کی زندگی کی اصلی استعداد ہے۔ اسی استعداد سے وہ سب کچھ پاتی ہیں، اور بغیر اس استعداد کے کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ تزکیۂ نفوس کا عمل یہی استعداد پیدا کرتا ہے۔ اسی کی تولید و تکمیل، جماعتوں اور قوموں کی "داخلی استعداد" ہے۔

"جماعت" کی داخلی استعداد کے لئے جس ذہنی و اخلاقی ترتیب کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اگرچہ فرداً فرداً ہر فرد جماعت سے تعلق رکھتی ہے، لیکن اُس کا سارا زور "جماعتی ذہن و اخلاق" کی طرف ہوتا ہے۔ یعنی وہ جماعت کے لئے ذہن و اخلاق کا ایک خاص مزاج پیدا کر دینا چاہتی ہے۔ چونکہ یہ مزاج پیدا نہیں ہو سکتا، جب تک جماعت کا ہر فرد اپنا انفرادی ذہن و اخلاق معدوم کر کے جماعتی مزاج پیدا نہ کرلے، اس لئے وہ ذہن و عمل کا ایک خاص سانچا ڈھال لیتی ہے اور پھر تمام افراد کا ذہن و اخلاق اُسی میں ڈھالنا شروع کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ تمام افراد کی ذہنی و اخلاقی خصوصیات ایک ہی انداز اور روش کی ہو جاتی ہیں، اور اپنے بیشمار انفرادی اختلافات رکھنے پر بھی ذہن و اخلاق کی طبیعت میں یک قلم تماثل اور تشابہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اُن کی خواہشیں یکساں نہیں ہو سکتیں اور یکساں نہیں ہوتیں۔ اُن کی طبیعتوں کی عام روش ایک طرح کی نہیں ہو سکتی اور ایک طرح کی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی سمجھ میں اپنی رائے میں، اپنی زندگی و معیشت کے تمام معاملات میں ایک نہیں ہو جا سکتے اور ایک نہیں ہو جاتے؛ لیکن وہ ذہن و عمل کی اُن ساری باتوں میں جو جماعتی زندگی کی بنیادیں اور اخلاق و سیرۃ کی فضیلت کا میعار ہیں، اس طرح یکساں اور ایک نگاہ و عمل ہو جاتے ہیں، کہ معلوم ہوتا ہے، سب کے اندر ایک ہی دماغ کام کر رہا ہے اور سب کے

سنہ کا تو نام ہی میلادی سنہ ہے۔ یعنے اُس کی ابتدا حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے واقعہ پر رکھی ہے۔

ہندوستان میں جہاں ہر گروہ کے لئے الگ الگ زبان اور الگ الگ پیشہ قرار دیا گیا تھا، وہاں مختلف حلقوں کے لئے مختلف سنہ بھی قرار پا گئے تھے۔ جوتشیوں نے اپنے حساب کے لئے خاص جوتشی سنہ قرار دیا تھا۔ عوام اپنی یادداشت کے لئے الگ سنہ رکھتے تھے۔ حکومتوں اور بادشاہوں کے سنہ اُن کے لئے مخصوص تھے، مگر اِن سب کی بنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی واقعہ پر تھی۔ آخری سنہ جو سب سے زیادہ مشہور ہوا اور آج تک مستعمل ہے، بکرماجیتی سنہ ہے، اور یہ راجہ بکرماجیت کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ ایرانیوں میں بھی جس قدر سنہ رائج ہوئے، سب کی ابتدا پیدائش، تخت نشینی، اور کسی ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں انتقال حکومت کا واقعہ ہے۔ اِس رسم کی کہ ہر بادشاہ پچھلا سنہ منسوخ کرکے اپنی تخت نشینی کا نیا سنہ جاری کرے اور اُسے سنہ جلوس کہا جائے، ایرانیوں ہی نے بنیاد ڈالی۔ مسلمانوں اور ایرانیوں میں جب جنگ ہوئی ہے، تو ایران کا سرکاری سنہ یزدگرد آخری فرماں روائے ایران کا سنہ جلوس تھا۔

حضرۃ عمر کا تردد

اُن روایات سے جو پچھلی تحریر میں درج ہو چکی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو بھی ابتدا میں یہی خیال ہوا تھا کہ آں حضرت (صلعم) کی پیدائش یا بعثت کے وقت سے سنہ کی ابتدا کی جائے۔ سعید بن مسیب اور یعقوبی کی روایت میں ہے کہ آپنے جب حضرت علی سے مشورہ کیا تو اُن کی رائے یہ ہوئی کہ واقعۂ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ یہ بات آپکے دل میں اُتر گئی اور صحابہ بھی اس سے متفق ہو گئے۔ ابن مہران کی روایت میں ہے کہ مبدء تاریخ کے بارے میں حسب معمول صحابہ نے مشورہ کیا تھا۔ مختلف رائیں لوگوں نے دیں۔ بالآخر سب اسپر متفق ہو گئے کہ واقعۂ ہجرۃ سے ابتدا کی جائے: فاتفقوا علی ان یکون المبدء من الھجرۃ۔ ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ پر اچھی طرح غور و فکر کیا گیا تھا، اور ہر طرح کی رائیں ظاہر ہوئی تھیں چونکہ سامنے کی صاف بات یہی تھی کہ آنحضرت کی ولادت یا بعثت سے تاریخ شروع کی جائے جو ظہور اسلام کی اصلی بنیاد ہے، اس لئے حضرت عمر کا خیال ابتدا میں اسی طرف گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کوئی بات اسمیں ایسی تھی کہ آپ کی طبیعت کو اسپر انشراح نہیں ہوتا تھا۔ متردد تھے۔ بات قرینہ کی تھی لیکن دل میں بیٹھتی نہ تھی۔ بالآخر مزید مشورہ کیا، اور حضرت علی علیہ السلام نے رائے دی کہ واقعۂ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ یہ رائے اتنی بہتر اور جچی تلی تھی، کہ فوراً حضرت عمر کے دل میں اُتر گئی، اور تمام اکابر صحابہ بھی اسپر متفق ہو گئے۔ گویا ایک بھولی ہوئی بات تھی جو سب کے حافظہ میں تازہ ہو گئی۔ اب معلوم کرنا چاہئے کہ واقعۂ ہجرۃ کی وہ کونسی مناسبت تھی جسنے حضرت علی کو کہ مدینۂ علم نبوت کے باب اور حکمت و سنت رسالت کے محرم اسرار تھے، اس طرف توجہ دلائی؟ اور پھر وہ کونسی ایسی مشہور و معلوم خصوصیت تھی، جس کی وجہ سے اتنی دور کی بات تمام اکابر صحابہ کے فہم میں فوراً در آئی، اور اس طرح تسلیم کر لی گئی، جیسے ایک مسلّم و طے شدہ بات ہو؟

واقعۂ ہجرۃ صحابہ کے نظر میں

ہاں، آج ہمارے لئے کہ اسلام کے معنی اور دل کا دماغ اور رُوح، دونوں کھو چکے ہیں، یہ بات کتنی ہی تعجب انگیز ہو، مگر صحابہ کرام کے لئے جو اسلام کے بخشے ہوئے دل اور اُس کے بنائے ہوئے دماغ، دونوں کے مالک تھے، یہ بات اتنی صاف، اتنی کھلی ہوئی، اور اس طرح جانی بوجھی ہوئی تھی کہ اُس کی طرف صرف ایک اشارہ کر دینا ہی کافی تھا۔ داعی اسلام کے تزکیہ و تربیت اور درس کتاب و حکمت نے اُن کے اندر ایک ایسا صالح مزاج پیدا کر دیا تھا، کہ کوئی بات خواہ کتنی ہی سامنے کی اور مقبول و معمول کیوں نہ ہو، لیکن اگر حقیقت اور دانائی کی گہرائیوں سے ذرا بھی ہٹی ہوئی ہوتی تھی، تو فوراً اُن کی طبیعت میں کھٹک پیدا ہو جاتی تھی، اور پھر جمتی تھی تو اُسی وقت جب اصلی اور کامل چیز سامنے آ جاتی تھی۔ تم اُن لوگوں کی نیکیاں اور پاکیاں ہمیشہ یاد رکھتے ہو، لیکن تم نے اُن کے علم اور دانائی کی گہرائیاں بھلا دی ہیں، حالانکہ صرف اُن کے دل ہی زیادہ نیک نہ تھے بلکہ اُن کی دانائی و حکمت بھی سب سے زیادہ گہری تھی جیسا کہ خود اُنہی میں سے ایک حقیقت شناس انسان نے کہا تھا: اولٰئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ کانوا افضل ھذہ الامۃ: ابرھا قلوبا، واعمقھا علماً، واقلھا تکلفا، اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ (عن عبداللہ ابن مسعود۔ رواہ الدارمی)

اس بارے میں قوموں کا طریقہ اُن کے سامنے آیا، اور خود اُنھیں بھی یہ بات صاف دکھائی دی کہ داعی اسلام کی پیدائش یا بعثت کو اپنی قومی تاریخ کی بنیاد ٹھہرائیں، لیکن چونکہ یہ بات اُس معیار نظر سے ہٹی ہوئی تھی جو اس طرح کے معاملات میں اسلام نے قائم کیا تھا، اس لئے نہایت واضح اور نمایاں ہونے پر بھی اُن کی طبیعت کو مطمئن نہ کر سکی۔ وہ ایسا محسوس کرنے لگے کہ کوئی دوسری بات ہونی چاہئے۔ وہ دوسری بات کیا تھی؟ ہجرت مدینہ کا واقعہ۔ جونہی یہ بات سامنے آئی، سب کے دلوں نے قبول کر لی۔ تاریخ کا یہ مبدء دنیا کی تمام تاریخوں اور قومی یادگاروں کے خلاف تھا۔ صرف خلاف ہی نہ تھا۔ بلکہ صریح اُلٹا تھا۔ دنیا کی تمام قومیں فتح و اقبال سے اپنی تاریخ شروع کرتی ہیں۔ انھوں نے بیچارگی و درماندگی کے واقعہ سے اپنی تاریخ شروع کی۔ دُنیا کی تمام قوموں نے چاہا اپنے ظہور کی سب سے بڑی فتح یاد رکھیں۔ اُنھوں نے چاہا اپنی تاریخ ظہور کی سب سے بڑی بے سروسامانی یاد رکھیں۔ دنیا کی تمام قوموں کا فیصلہ یہ تھا کہ اُن کی قومی تاریخ اُسوقت سے شروع ہوئی، جب اُن کی تاریخ کا سب سے بڑا انسان پیدا ہوا، اور اُسنے جنگ و قتال کے میدانوں میں فتح حاصل کی۔ لیکن اِن کا فیصلہ یہ تھا کہ قومی تاریخ کی ابتدا اُس دن سے ہوئی، جب بڑے انسان کی نہیں بلکہ سب سے بڑے عمل کی پیدائش ہوئی؛ اور جنگ کے میدانوں میں نہیں بلکہ صبر و استقامت کے میدانوں میں فتح حاصل ہوئی۔ دُنیا کی تمام قوموں کا یقین تھا کہ اُن کی طاقت و شوکت کی بنیاد اُسوقت پڑی، جب اُنھوں نے ملکوں اور سلطنتوں پر قبضہ کر لیا۔ اِن کا یقین یہ تھا کہ طاقت و شوکت کا دروازہ اُسدن کھلا، جب ملکوں پر اُنھوں نے قبضہ نہیں کیا، بلکہ اپنا ملک و وطن بھی ترک کر دیا۔ بلاشبہ اُن کی یہ سمجھ دنیا کی ساری قوموں سے اُلٹی سمجھ تھی، لیکن اُس سمجھ سے عین مطابق تھی جو اسلام کی تربیت نے اُنکے اندر پیدا کر دی تھی، وہ اپنی اجتماعی زندگی کی تعمیر قوموں کی تقلید سے نہیں بلکہ اسلام کی روح فکر و عمل سے کرنی چاہتے تھے۔

مصیبت یہ ہے کہ دنیا معنی سے زیادہ لفظ کی اور رُوح سے زیادہ جسم کی پرستار ہے۔ وہ پھل ڈھونڈھتی ہے لیکن تخم کی جستجو نہیں کرتی۔ وہ منارہ و محراب کی بلندیاں اور خوشنمائیاں دیکھتی ہے، لیکن زیر زمین بنیادوں کے لئے نگاہ نہیں رکھتی۔ صحابۂ کرام نے جب پیدائش و بعثت کے واقعات عظیمہ ترک کرکے ہجرۃ کا واقعہ انتخاب کیا، تو اُن کی نظر بھی پیدائش و ظہور، فتح و اقبال اور جشن و کامرانی ہی پر تھی۔ وہ کچھ ناکامی و نامرادی کے طلب گار نہ تھے۔ البتہ وہ فتح و اقبال کی صورت اور برگ و بار نہیں دیکھتے تھے حقیقت اور تخم و اساس پر رکھتے تھے۔ اُن پر یہ حقیقت کھل چکی تھی کہ اسلام کی پیدائش و ظہور اور فتح و اقبال کی اصلی بنیاد اُن واقعات میں نہیں ہے جو بظاہر نظر آتے ہیں۔ ہجرت مدینہ اور اُس کے اعمال و حقائق میں ہیں۔ اس لئے جو اہمیت دُنیا کی نگاہیں پیدائش، بعثت، بدر، اور فتح مکہ کو دیتی تھیں، وہ اُن کی نظروں میں ہجرۃ مدینہ کو حاصل تھی۔

ہجرۃ نبوی کی حقیقت

لیکن واقعۂ ہجرۃ کیا تھا؟ وہ ایک ہی واقعہ نہ تھا۔ بے شمار اعمال و وقائع کا مجموعہ تھا۔ ایک لمحہ کے لئے اُس کی حقیقت پر بھی غور کر لینا چاہئے۔

اسلام کے ظہور کی تاریخ دراصل دو بڑے اور اصولی عہدوں میں منقسم ہے۔ ایک عہد، مکہ کی زندگی اور اعمال کا ہے۔ دوسرا، مدینہ کے قیام اور اعمال کا۔ پہلا آنحضرت (صلعم) کی بعثت سے شروع ہوتا ہے اور ہجرۃ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا غار حرا کے اعتکاف سے ہوتی ہے اور تکمیل غار ثور کے انزوا پر۔ دوسرا ہجرۃ سے شروع ہوتا ہے اور حجۃ الوداع پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا مدینہ کی فتح سے ہوئی، اور تکمیل مکہ کی فتح پر۔

دنیا کی نظروں میں اسلام کے ظہور و اقبال کا اصلی دور، دوسرا دور تھا۔ کیونکہ اسی دور میں اسلام کی پہلی غربت ختم ہوئی اور ظاہری طاقت و حشمت کا سر و سامان شروع ہوا۔ بدر کی جنگی فتح ہتیاروں کی پہلی فتح تھی۔ مکہ کی فتح، عرب کی فتح کا اعلان عام تھا۔ لیکن خود اسلام کی نظروں میں اُس کی زندگی کا اصلی دور، دوسرا نہیں، پہلا تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ اُس کی ساری قوتوں کی بنیادیں دوسرے میں نہیں پہلے دور میں اُستوار ہوئی ہیں۔ بلاشبہ بدر کے ہتیاروں نے اپنی غیر مسخر طاقت کا دنیا میں اعلان کر دیا۔ لیکن جو ہاتھ ان ہتیاروں کے قبضوں پر جمے تھے، اُن کی طاقتیں کس میدان میں طیار ہوئی تھیں؟ بلاشبہ مکہ کی فتح عرب کی فیصلہ کن فتح تھی، لیکن اگر مدینہ کی فتح ظہور میں نہ آتی، تو مکہ کی فتح کی راہ کیونکر کھلتی؟ یہ سچ ہے کہ مکہ ہتیاروں سے فتح ہوا، لیکن مدینہ ہتیاروں سے نہیں بلکہ ہجرت اور اُس کے دور کے اعمال سے فتح ہوا تھا۔ پس دوسرے دور میں جسم کتنا ہی طاقتور ہو گیا ہو لیکن اُس کی رُوح پہلے ہی دور میں ڈھونڈھنی چاہئے!

پہلا دور ختم تھا۔ دوسرا اُس کے برگ و بار تھے۔ پہلا دور بنیاد تھی دوسرا ستون و محراب تھا۔ پہلا نشوونما کا عہد تھا۔ دوسرا ظہور و انفجار کا۔ پہلا معنی و حقیقت تھا۔ دوسرا صورت و اظہار۔ پہلا روح تھا۔ دوسرا جسم۔ پہلے نے پیدا کیا، درست کیا، اور مستعد کر دیا۔ دوسرے نے قدم اُٹھایا، آگے بڑھا، اور فتح و تسخیر کا اعلان کر دیا۔ دوسرے کا ظہور کتنا ہی شاندار ہو، لیکن اولین بنیاد و استعداد کی عظمت پہلے ہی کو حاصل ہے!

استعداد داخلی و خارجی

وجود اور زندگی کے ہر گوشہ کے لئے خدا کا قانون وجود ایک ہی ہے۔ تم اُس کے کتنے ہی مختلف نام رکھ دو مگر وہ خود ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ اب ایک لمحہ کے لئے ٹھہرو، اور غور کرو کہ تخلیق و تکمیل وجود کے لئے خدا کا قانون حیات کیا؟

فرد کی طرح جماعت کا بھی وجود ہے۔ عالم صورت کی طرح عالم معنی بھی اپنی ہستی رکھتا ہے، لیکن کوئی چیز ہو، تخلیق و تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ یکے بعد دیگرے دو مختلف دوروں سے گزرے۔ پہلا دور "استعداد داخلی" کا ہے۔ دوسرا "استعداد خارجی" کا۔ ضروری ہے کہ پہلے اندر کی استعداد وجود میں آئے، اور ضروری ہے کہ

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ٨ — کلکته : جمعه ٦ ـ صفر ١٣٤٦ هجری — جلد ١

Calcutta : Friday, 5, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

ضروری هی که هم اسکا اب فیصله کرلین

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نہین رکھتی ـ
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای ـ
پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی ـ

هندی اور هندوستان کی تمام زبانون نی ، نیز عربی ، فارسی ، ترکی ، تینون سامی زبانون نی حروف کی چھپائی اختیار کرلی هی اور انکی طباعة یورپ کی طباعة کا مقابله کر رهی هی ـ کیون اردو زبان بھی ایسا نه کری جو اسی رسم الخط مین لکھی جاتی هی ؟

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چھپتا هی ـ اور عربی کا بہترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی هین ـ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین ـ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ـ

همارى راى مین بہترین حروف یهی هین ـ اگر فارسی اور ترکی کیلیي یه نا موزون نہین تو اردو کیلیي کیون نا موزون هون ؟

براه عنایت اپنی اور اپني دوستون کی راى سی همین اطلاع دیجیي ـ یاد رکھیي ـ طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیي سب سی زیاده اهم مسئله هی ـ ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ـ

الهلال

اندر ایک ہی روح بول رہی ہو!

یہ موقعہ نہیں ہو کہ اطناب سے کام لیا جائے، ورنہ ضرورت تھی کہ اُن اخلاق و خصائص میں سے ایک ایک چیز کی شرح و تفصیل کی جاتی، اور واضح کیا جاتا کہ قرآن و سنتہ نے جماعتی طبیعت کے کیا کیا بنیادی اوصاف بتلائے ہیں، اور اُس کی داخلی استعداد کے ارکان و مبانی کیا کیا ہیں؟

بہر حال اشیاء و افراد کی طرح جماعات و اقوام میں بھی زندگی کی اصلی سرچشمگی اُن کی داخلی استعداد میں پنہاں ہوتی ہو۔ نہ کہ خارجی اعمال میں۔ کیونکہ خارج کے اعمال اس سے زیادہ نہیں ہیں کہ داخلی استعداد کے لازمی نتائج و ثمرات ہیں۔

پہلا دور داخلی استعداد کا دور تھا

ظہور اسلام کا پہلا دور جو بعثت سے شروع ہوکر ہجرۃ پر ختم ہوا اور جس کا نقطۂ تکمیل ہجرۃ کا معاملہ تھا، دراصل جماعت کی داخلی استعداد کا دور تھا۔ اور اس لئے ظہور اسلام کی تمام فتح مندیوں اور کامرانیوں کا مبدء یہی دور تھا۔ نہ کہ مدنی زندگی کا دوسرا دور۔ بلاشبہ دُنیا کی ظاہر بیں نگاہوں میں یہ دور مصیبتوں کا دور اور بے چارگیوں اور درماندگیوں کا تسلسل تھا، لیکن بہ باطن امت مسلمہ کی ہر آنے والی فتحمندی اسی کی مصیبتوں اور کلفتوں کے اندر نشوو نما پا رہی تھی۔ یہی مصیبتیں تھیں جو "جماعت" کے ذہن و اخلاق کے لئے تعلیم و تربیت کا مدرسہ اور تزکیۂ نفوس و ارواح کا امتحان گاہ تھیں۔ بدر کی فتحمندی اسی کے اندر سبق لے رہی تھی۔ فتح مکہ کے کامران اسی کے اندر بن اور ڈھل رہے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یرموک اور قادسیہ کی پیدائش بھی اسی کے آزمائشوں اور خود فروشیوں میں ہو رہی تھی۔ یہی وجہ ہو کہ قرآن حکیم نے اُس جہاد کو تو صرف جہاد کہا جو مدنی زندگی میں اسلحۂ جنگ سے کرنا پڑا تھا۔ لیکن نفس و اخلاق کے تزکیۂ و تربیت کا جو جہاد اس پہلے دور میں ہو رہا تھا، اسے "جہاد کبیر" سے تعبیر کیا۔ کیونکہ فی الحقیقت بڑا جہاد یہی جہاد تھا: فلا تطع الکافرین وجاہدہم بہ جہادا کبیرا (٢٥:٥٢)

* بالاتفاق سورۂ فرقان مکی ہو۔ مکی زندگی میں جس بڑے جہاد کا حکم دیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ وہ قتال کا جہاد نہ تھا۔ صبر و استقامت اور عزم و ثبات کا جہاد تھا اور انہی اوصاف میں جماعت کی داخلی استعداد کی اصلی بنیادیں تھیں

ہجرۃ تکمیل کار کا اعلان تھی

ہجرۃ کا واقعہ اس دور کی مصیبتوں کی انتہا تھا، اس لئے اُس کی برکتوں اور سعادتوں کی بھی آخری تکمیل تھا۔ صحابۂ کرام اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے۔ اور کیونکر بے خبر ہوسکتے تھے جبکہ اُن کی داعی تربیت کی اصلی روح اسی معاملہ میں مضمر تھی؟ پس جب یہ سوال سامنے آیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا کس واقعہ سے کی جائے؟ تو اُنھیں کسی ایسے واقعہ کی جستجو ہوئی جو امت کے قیام و اقبال کا اصلی سرچشمہ ہو۔ آنحضرۃ کی پیدائش کا واقعہ یقیناً سب سے بڑا واقعہ تھا لیکن اُس کے تذکار میں شخصیت سامنے آتی تھی۔ شخصیت کا عمل سامنے نہیں آتا تھا۔ بعثت کا واقعہ بھی سب سے بڑا واقعہ تھا، لیکن وہ معاملہ کی ابتدا تھی، انتہا و تکمیل نہ تھی۔ بدر کی جنگ اور مکہ کی فتح، عظیم واقعات تھے لیکن وہ اسلام کی فتح و اقبال کی بنیاد نہ تھے۔ کسی دوسری بنیاد کے نتائج و ثمرات تھے۔ یہ تمام ... واقعات انکے سامنے آئے، لیکن ان میں سے کسی پر بھی طبیعتیں مطمئن نہ ہوسکیں۔ بالآخر جب ہجرۃ کا واقعہ سامنے آگیا، تو سب کے دلوں نے قبول کرلیا، کیونکہ تم انھیں یاد آگیا، اسلام کے ظہور و عروج کا مبدأ حقیقی اسی واقعہ میں پوشیدہ ہو، اور اس لئے یہی واقعہ ہو جسے اسلامی تاریخ کا مبدء بننا چاہئے۔

ہجرۃ مدینہ کی فتح تھی

اور پھر یہ حقیقت کس درجہ واضح ہوجاتی ہو جب اس پہلو پر نظر ڈالی جائے کہ ظہور اسلام کی تمام فتحمندیوں میں سب سے پہلی فتح مدینہ کی فتح تھی اور اُس کی تکمیل ہجرۃ ہی کے واقعہ سے ہوئی۔ شاید مدینہ کے ساتھ "فتح" کا لفظ سنکر تعجب ہوا ہوگا کیونکہ تم صرف اُسی فتح کے شناسا ہو جو جنگ کے میدانوں میں حاصل کی جاتی ہو۔ لیکن تمھیں معلوم نہیں کہ میدان جنگ کی فتح سے بھی بڑھ کر دلوں کی آبادیوں اور روحوں کی اقلیموں کی فتح ہو، اور اسی فتح سے میدان جنگ کی فتحمندیاں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ عین اُسوقت جبکہ اسلام کا داعی اپنے وطن اور اہل وطن کی شقاوتوں سے مایوس ہوگیا تھا۔ باشندگان یثرب کی ایک جماعت پہنچتی ہو، اور رات کی تاریکی میں پوشیدہ ہوکر اپنی روح کا ایمان اور دل کی اطاعت پیش کرتی ہو۔ اُسوقت دنیوی جاہ و جلال کا نام و نشان نہیں ہوتا سیف و سنان کی ہیبت و جبروت کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سرتاسر غربت و بے کسی کی بے سروسامانیاں اور عہد مصائب و محن کی درماندگیاں ہوتی ہیں۔ بایں ہمہ یثرب کی پوری آبادی اُس کے سامنے جھک جاتی ہو، اور ایمان کے ایسے جوش اور عشق و اطاعت کی ایسی خود فروشیوں کے ساتھ اُس کے استقبال کے لئے طیار ہوجاتی ہو جو تاریخ عالم کے کسی بڑے سے بڑے فاتح اور شہنشاہ کو بھی میسر نہ آئی ہوگی۔ قیس بن صرمہ انصاری نے کیسے سچے اور دلنشیں لفظوں میں اہل مدینہ کے جوش و خروش ایمانی کی تصویر کھینچی ہو؟ وکان عبد اللہ ابن عباس یختلف الیہ و یتحفظ منہ ہذہ الابیات:

ثوی فی قریش بضع عشرة حجة — یذکر لو یلقی حبیبا مواتیا
ویعرض فی اہل المواسم نفسہ — فلم یر من یؤوی ولم یر داعیا
فلما اتانا واستقرت بہ النوی — واصبح مسرورا بطیبة راضیا
واصبح لا یخشی ظلامة ظالم — بعید ولا یخشی من الناس باغیا
بذلنا لہ الاموال من حل مالنا — وانفسنا عند الوغی والتآسیا
نعادی الذی عادی من الناس کلہم — جمیعا، وان کان الحبیب مصافیا
ونعلم ان اللہ لا رب غیرہ — وان کتاب اللہ اصبح ہادیا!

دلوں اور روحوں کی اس فتح و تسخیر سے بڑھکر بھی اور کوئی فتح ہوسکتی تھی؟ لیکن یہ فتح کیونکر ہوئی؟ دور ہجرۃ کے آلام و محن میں اس کا آغاز ہوا، اور ہجرۃ نے اس فتح کی تکمیل کردی!

یہی وجہ ہو کہ قرآن حکیم نے واقعہ ہجرۃ کا ذکر اس طریقہ پر کیا ہو، جس سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ بے سروسامانی و غربت کے اس عمل ہی میں فتح و نصرت الٰہی کی سب سے بڑی معنویت پوشیدہ تھی:

ثانی اثنین اذ ہما فی الغار، اذ یقول لصاحبہ: لا تحزن ان اللہ معنا! فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروہا، وجعل کلمة الذین کفروا السفلی و کلمة اللہ ہی العلیا، واللہ عزیز حکیم (٩:٤٠)

غار کے دو ساتھیوں میں سے جب ایک نے دوسرے سے کہا۔ غم و رنج نہ کرو یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہے، اور اُسکی مشیت و حکمت ہمارے لئے فتح و نصرت کی راہ باز کرنے والی ہے پھر ایسا ہوا کہ خدا نے اپنی تسکین و طمانیت اُس پر اُتار دی اور فتح و نصرت کے ایسے لشکروں سے اسکی مدد کی جنھیں دنیا کی ظاہر بیں اور حقیقت ناآشنا آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُن سرکشوں کی بات جو انکار کرتے تھے، ہمیشہ کے لئے پست ہوگئی، اور کلمۂ حق ہی کو سربلندی اور کامیابی حاصل ہوئی۔ *

* یہ آیت سورہ براۃ کی ہو۔ سورہ براۃ بالاتفاق اُس وقت نازل ہوئی ہو جب اسلام کی ظاہری فتحمندیاں تکمیل تک پہنچ گئی تھیں اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی تمام فتح مندیوں کے ظہور کے بعد بھی اس کی ضرورت باقی تھی کہ واقعۂ ہجرۃ کی معنوی فتحمندی یاد دلائی جائے

فہرست

(۲) روڈسیا کا انکشاف : سنه ۱۹۲۱ ع میں ایک سیاح کو جنوبي افریقه میں ایک کهوپڑي ملي - یه بهي پہلي کهوپڑي کي طرح ایک تیسري تشریحي حالت رکهتي هے - علماء تشریح و وظائف اعضاء کي تحقیق میں یه غالباً ابتدائي قسم کے وحشي انسان کي کهوپڑي هے -

(۳) جاوا کا انکشاف : جاوا کي ایک غار سے بهي ایک قیمتي کهوپڑي ملي هے جسکي نسبت دو مختلف رائیں قائم کي گئي هیں - ایک جماعت کا خیال هے ' یه گم شده حلقه کي خبر دیتي هے - دوسري جماعت کا خیال هے ' یه بندر هي کي کوئي زیاده اونچي قسم هے - وه کہتے هیں ' اس کهوپڑي میں پیشاني کا بیحد اُبهار اور رخسار کي هڈیوں کي نوعیت ' گم شده حلقه کي نوعیت سے مختلف هے -

(۴) سب سے زیاده قیمتي انکشاف " وحشي انسان " کا انکشاف هے جسکے جسم کي هڈیاں اور سر کي ' کهوپڑیاں بکثرت جمع هوگئي هیں - اسکا جسم اور چہره بالکل موجوده انسانوں کا سا تها - لیکن اسکے جسم پر بکثرت بال تهے - ایسے بال جیسے بندر کے جسم پر هوتے هیں - بعض قدیم سیاحوں نے استریلیا ' امریکه ' اور جزائر جنوب میں ایسے زنده انسان دیکهے بهي هیں -

(۵) آخري انکشاف پروفیسر ڈارٹ کا مشهور انکشاف هے جو سنه ۱۹۲۵ - میں هوا - پروفیسر موصوف کو تانگس میں ایک بالکل نئي قسم کي کهوپڑي ملي هے جو پچاس قدم سے زیاده زمین کے اندر مدفون تهي - یه کهوپڑي تمام پچهلے آثار سے کہیں زیاده گم شده حلقه کا اذعان پیدا کرتي هے - اسکے تمام حصے موجوده انسان کي کهوپڑي جیسے هیں - البته منهه کا نچلا حصه بہت زیاده باهر نکلا هوا هے ' اور یه بات علم وظائف اعضاء میں طے پاچکي هے که انساني چہرے کا نچلا حصه ابتدا میں ایسا هي اُبهرا هوا تها - پهر به تدریج گهٹتے گهٹتے موجوده تناسب تک پہنچ گیا -

تونگس سے جو کهوپڑي ملي هے ' زندگي میں وه ایسا چہره رکهتي هوگي ' جیسا اس تصویر میں دکهلایا گیا هے -

ریڈیم

خزانۂ فطرة کا سب سے زیاده کمیاب جوهر !

حال میں اخبارات نے یه خبر شایع کي تهي که " ریڈیم کا بازار گر گیا هے اور ایک اونس ریڈیم کي قیمت ۳۳٬۰۰۰٬۰۰۰ ڈالر کي جگه اچانک ۲۵٬۰۰۰٬۰۰۰ ڈالر هوگئي هے - اِس کمي کي وجه یه هے که بلجیم کانگو (افریقه) کے علاقه " کاتنکا " میں ریڈیم کي ایک بہت بڑي مقدار نظر آئي هے - زیگوسلاویا کي تانبے کي بعض قدیم کانوں میں بهي ریڈیم پایا گیا هے - اگر یه تمام ریڈیم حاصل کر لیا گیا تو قیمت میں اور بهي کمي هوجائے گي "

لیکن اِس خبر سے لوگوں کو غلط فہمي هوسکتي هے - ممکن هے کوئي خیال کر بیٹهے که جب ریڈیم کے بهاؤ میں اس طرح اُتار چڑهاؤ هو رها هے تو هر دولت مند آدمي کیلیے اسکي زیاده سے زیاده مقدار خرید لینا ممکن هے - مثلاً امریکه کا هنري فورڈ جیسا کروڑ پتي اگر چاهے ' تو بآساني آده سیر ریڈیم خرید لے - اپنے بیگ اوڈون کا بیگ بغل میں دبالے ' اور بازار جاکر جب چاهے ریڈیم لے آئے -

لیکن یه صحیح نہیں هے - هنري فورڈ کي تمام دولت بهي آده سیر ریڈیم خرید نہیں سکتي - امریکا کے دوسرے کروڑ پتي اور ملکیں بهي اگر اپنے خزانے جمع کردیں ' اور امریکا ' فرانس ' انگلستان ' بلکه سارے عالم کي سلطنتیں بهي اپنے جمله خزانے پیش کردیں ' جب بهي آده سیر ریڈیم حاصل نہیں کیا جاسکتا !

یه عجیب بات هے - مگر واقعه هے - کیوں ؟ اس لیے که گزشته اٹهائیس برس میں ' یعني جب سے ریڈیم دریافت هوا هے ' دنیا اُس کي اِتني مقدار حاصل هي نہیں کرسکي هے ' جسے ترازو میں آده سیر کے باٹ سے تول سکیں - اِس وقت تک وه صرف آده پاؤ کي مقدار میں حاصل هوسکا هے !

جن خوش نصیبوں کے قبضه میں ریڈیم هے ' یا جنهیں اُس کي ضرورت پڑتي هے - مثلاً سائنس داں اور ڈاکٹر ' وه اُس کے ایک ایک ذره کي قدر کرتے اور زیاده سے زیاده قیمت پر خریدنا چاهتے هیں - ریڈیم کي خرید و فروخت اونس کے حساب سے نہیں هوتي ' تن کے حساب کا تو وهم بهي نہیں کیا جا سکتا - کیونکه ریڈیم سونے سے بهي کہیں زیاده قیمتي هے - اُس کي قیمت سونے سے ایک لاکهه گنا زیاده هے - ریڈیم کي خرید و فروخت رتیوں کے حساب سے هوتي هے - اِس وقت تک ریڈیم کي سب سے بڑي مقدار جو ایک جگهه سے دوسري جگهه منتقل هوئي هے ' صرف دو گرام هے - اور معلوم هے که ایک گرام ' اونس کا تیسواں حصه هوتا هے - یه مقدار بهي فروخت نہیں هوئي هے بلکه حکومت زیگوسلاویا نے انگلستان کو علمي تحقیقات کے لیے عاریتاً دي هے -

اِس کي کوئي امید نہیں که کانگو میں ریڈیم کي کان اُس کي موجوده مقدار میں غیر معمولي اضافه کردے گي - خیال کیا جاتا هے که اِس وقت اُس کي جتني مقدار دنیا کے هاتهه میں موجود هے ' اُس سے صرف ۲۵ گنا زیاده ریڈیم کانگو کي کان سے حاصل کیا جاسکتا هے - لیکن اُس کا نکالنا بجائے خود ایک نہایت مشکل اور بڑے خرچ کا کام هے - اِس کان کي هر ۵۰۰ تن وزني چٹان میں سے زیاده سے زیاده ایک گرام ریڈیم نکلے گا - وه بهي خالص نہیں بلکه " کلورل " اور دوسرے مواد سے ملا هوا - اِن مواد سے اُسے علحده کرنے

مذاکرۂ علمیّہ

نظریۂ ارتقا کا گم شدہ حلقہ

کیا حلقۂ مفقودہ مل گیا ہے ؟

گوریلا کا دماغ — انسان کا دماغ

نظریۂ ارتقا کے "حلقۂ مفقودہ" سے مقصود وہ ذہنی حیوان ہے' جسکی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ انسان کی موجودہ شکل اور ہیئت کے ارتقا سے پہلے زمین پر موجود تھا - وہ انسان میں' جو سلسلۂ ارتقا کی آخری کڑی ہے' اور ترقی یافتہ جانوروں میں' جو ہئیت انسانی سے بہت زیادہ قرب رکھتے ہیں' درمیانی برزخ تھا -

اس نظریہ کے قائلین کا خیال ہے کہ بندر کی ترقی یافتہ قسمیں مثلاً گوریلا' اس قسم کی مخلوق ہیں جنکی ظاہری ہیئت' جسمانی بناوٹ' تشریحی نظام' اور اعضاء معنوی کے وظائف و خواص' انسان سے بہت زیادہ قریب اور ملتے جلتے ہیں - لیکن اسدرجہ قرب اور تماثل نہیں ہے کہ اسکے بعد ہی انسان کا وجود آجاے - ضروری ہے کہ درمیان میں کوئی ایک یا ایک سے زیادہ کڑیاں رہی ہوں اور وہاں "جانور" کی سرحد ختم ہوئی ہو اور "انسان" کی حدود کا آغاز ہوا ہو- چونکہ علم الحیوانات کی موجودہ اور مدون معلومات میں کوئی ایسا مخلوق موجود نہیں ہے' اسلیے انہیں اسکی جستجو ہوئی' اور اسکا نام "حلقۂ مفقودہ" یعنی گم شدہ حلقہ قرار پا گیا- علماء علم الحیوانات نصف صدی سے اس گم شدہ حلقہ کی جستجو میں ہیں - آثار قدیمہ اور علم طبقات الارض کی تحقیقات کے سلسلہ میں بارہا اس طرح کی چیزیں دستیاب ہوئیں کہ خیال ہوا' گم شدہ حلقہ کا سراغ ملگیا ہے' لیکن پھر مطالعۂ و تفحص سے اس خیال کی تصدیق نہو سکی -

لیکن سنہ ۱۹۲۰ - سے بعض نئے انکشافات پے درپے ہو رہے ہیں' اور انہوں نے ایک نیا مرلہ بحث پیدا کر دیا ہے - اگرچہ ان میں بھی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے علمی وثوق کے ساتھہ "حلقۂ مفقودہ" قرار دیا جا سکے - تاہم علماء حیوانات و تشریح کا خیال ہے کہ قرائن و آثار بہت حد تک تشفی بخش ہیں' اور بہت ممکن ہے کہ انکی بحث و فحص سے گم شدہ حلقہ کا مسئلۂ حل ہو جاے -

حال میں امریکہ کے بعض علماء حیوانات نے اس قسم کا مواد یک جا کرکے اس کی نوعیت پر نہایت دلچسپ نظر ڈالی ہے - ہم اس کا مختصر خلاصہ قارئین الہلال کی معلومات کے لیے درج کردیتے ہیں -

یہ امریکن پروفیسر (جس کا نام ڈاکٹر رھائٹ ہے) لکھتا ہے :

" گزشتہ دس سال کے اندر جو انکشافات ہوئے ہیں' وہ سلسلۂ بحث کا نہایت قیمتی سرمایہ ہیں - علم کی احتیاط کا مقتضی یہی ہے کہ اظہار وثوق میں جلدی نہ کی جائے - لیکن اگر ایسا نہ ہوتا' تو یہ انکشافات اپنی موجودہ حالت میں بھی اتنے واضح ہیں' کہ کہا جا سکتا تھا' گم شدہ حلقوں کا سراغ مل گیا ہے -

اس وقت سب سے زیادہ قوی قرائن رکھنے والے آثار پانچ ہیں :

(۱) انسان ہڈل برگ : یہ ایک کھوپڑی ہے جو جرمنی کے مندرجۂ بالا مقام میں ملی تھی - تشریحی تحقیقات کے بعد ثابت ہوگیا ہے کہ یہ نہ تو موجودہ انسان کی کھوپڑی ہوسکتی ہے' نہ کسی جانور کی - یہ ضرور ایک تیسری اور درمیانی قسم ہے -

وہ کھوپڑی جو ٹرنگس میں ملی ہے' اور جسکی نسبت خیال کیا گیا ہے کہ گم شدہ حلقہ کی کھوپڑی ہے

برخلاف اِسکے شعاع " بیٹا " اُس سے دس گنی زیادہ تیز ہے ' یعني ہر سکنڈ میں ۲،۰۰،۰۰۰ میل کي سرعت رکھتي ہے - گویا آفتاب کے نور کي طرح تیز رفتار ہے - تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ یہ شعاع جلد میں نصف انچ تک گہري اتر جاتي ہے ' اور شیشہ ' ایلومینیم ' اور سیسے کي پتلي چادرون کو بھي توڑ کر ۱۲/۱ - انچ گہرائي تک چلي جاتي ہے !

تیسري شعاع " گاما " شعاع ایکس (ایکس راز) سے بہت مشابہ ہے - فرق صرف یہ ہے کہ اُسکي مثبت لہر X (ایکس) سے طول میں کم ہے - لیکن یہ شعاع نفوذ و سریان کي بہت بڑي قوت رکھتي ہے - سیسے کي بارہ انچ موٹي تختي کو بھي توڑ کر نکل جاتي ہے !

اِس سے بھي زیادہ حیرت انگیز تحقیق یہ ہے کہ " شعاع الفا " پھوٹنے کے بعد نامعلوم طریقہ پر اپنے اندر دو منفي کہربائي لہریں جمع کر لیتي ہے ' اور یہ لہریں بالآخر ھیلیم (Helium) کے ذرے بن جاتي ہیں - اِسکے معني یہ ہوے کہ ریڈیم سے ہمیشہ ایک اور مادے کا فوارہ بھي چھوٹتا رہتا ہے - یہ مادہ ریڈیم سے مختلف ہے - اتنا مختلف ' جتنا کوئي مادہ کسي دوسرے مادہ سے مختلف ہو سکتا ہے -

(سورج اور ریڈیم)

درحقیقت یہ عجیب بات ہے کہ خود ریڈیم کے اندر ھیلیم بالکل موجود نہیں ہے - تاہم کسي مخفي سبب سے اُسکے ذرے ریڈیم سے برابر بہتے رہتے ہیں !

یہي بات دیکھکر علماء کا خیال اِس سب سے زیادہ حیرت انگیز حقیقت کي طرف منتقل ہوا کہ کائنات کا قیام دراصل صرف کہرباء یا بجلي کي قوت پر ہے - اِسي سے کائنات کے اُس سب سے زیادہ مخفي اور عجیب راز کي تحقیقات کا دروازہ کھلا جسکا تصور بھي کبھي انسان نہیں کرسکتا تھا - یعني آفتاب کي روشني ' حرارت ' اور قوت کے سرچشمے کا انکشاف ہوا -

آفتاب میں ھیلیم کا وجود ' زمین میں اُسکے وجود کي تحقیق سے پہلے ھي معلوم کر لیا گیا تھا - اسپکٹروسکوپ کے ذریعہ پتہ چل گیا تھا کہ آفتاب کے ہالے میں ھیلیم کي بہت بڑي مقدار موجود ہے - وہ عظیم الشان ہالہ جو سورج کے گرد حلقہ بنائے قائم ہے اور خلا میں لاکھوں میل تک اپني آتشیں زبانیں پھیلائے ہوے ہے !

ریڈیم کا طلسم یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ آفتاب کے آتشي ہالے میں ھیلیم کا وجود کیا اِس بات کي دلیل نہیں ہے کہ خود آفتاب کے اندر بھي ریڈیم سے لبریز خزانے موجود ہیں ؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آفتاب کا تمام نور ' حرارت ' اور قوت ' اِسي ریڈیم کا کرشمہ ہو ؟

اگر ایک گرام ریڈیم سے اِتني حرارت پیدا ہوتي ہے کہ ۴/۳ گھنٹہ میں ایک گرام یخ کو پگھلا کر کھولا دیتي ہے ' تو آفتاب میں ریڈیم کا خزانہ کتني سخت حرارت پیدا کرتا ہوگا ؟

اِس کا اندازہ کرنے کیلیے اس قدر جان لینا ضروري ہے کہ آفتاب کا وزن یہ ہے :

۱،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ - ٹن ہے -

یعني زمین سے ۳،۳۲،۰۰۰ - گنا وزني ہے - ظاہر ہے ' اِتنے بڑے کرہ میں کتنا بڑا خزانہ ریڈیم کا موجود ہوگا جو آفتاب کي اس محیر العقول روشني ' گرمي ' اور قوت کا منبع ہے !

سائنس نے یہ بات دریافت کرلي ہے کہ آفتاب کي حرارت اُسکے احتراق (جلنے) کا نتیجہ نہیں ہے - یہي حال ریڈیم کا بھي ہے - اُسکي حرارت ' احتراق کي وجہ سے نہیں ہے - بلا شبہ کچھہ احتراق بھي ہوتا ہے مگر اِس قدر کم ' کہ نہ ہونے کے برابر ہے - پھر یہ بھي ثابت ہوگیا ہے کہ ریڈیم کي قوي النفوذ شعاع " گاما " سورج کي شعاعوں سے بہت مشابہ ہے - پس کیا یہ ممکن نہیں کہ آفتاب کي یہ شعاعیں جو ہم تک ۹،۳۰،۰۰،۰۰۰ میل مسافت طے کرکے منظم شکل میں پہنچتي ہیں ' دراصل ریڈیم کي " گاما " شعاعیں ھي ہوں ؟ بہت ممکن ہے ' کہ ایسا ھي ہو - دنیا بھر کے سائنس داں اِس وقت اِس اہم مسئلہ پر غور و بحث کر رہے ہیں -

ٹھیک اِسي معقول اور علمي طریقہ پر زمین کے اندروني گرم مادوں ' مثلاً آتش فشاں لاوا اور کھولتے اور گرم معدني چشموں وغیرہ کا اصلي سبب بھي ' ریڈیم ھي قرار دیا جا رہا ہے - تحقیقات کا سلسلہ جاري ہے - ممکن ہے چند سال بعد اِس باب میں علم کوئي قطعي رائے قائم کر سکے ' اور وہ حقائق اچانک دنیا کے سامنے آجائیں ' جو ابتک قدرت کے سربستہ راز سمجھے جاتے تھے -

پھر یہ بھي ایک عجیب بات ہے ' جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا کہ ریڈیم اگرچہ مسلسل حرارت و قوت پیدا کرتا رہتا ہے ' مگر خود اُسکے جوہر میں کوئي نمایاں کمي واقع نہیں ہوتي - اِس کا اندازہ اِس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک گرام ریڈیم سال بھر میں ۱۱،۶۰،۰۰۰ - وزن حرارت پیدا کرتا ہے - یہ حرارت تقریباً تیرہ سیر منجمد برف کو پگھلا کر کھولا دے سکتي ہے - مگر اِس سے خود ریڈیم میں صرف ۲،۵۰۰/۱ - کي کمي لاحق ہوتي ہے جو بہ منزلۂ عدم ہے - تاہم کمي ضرور ہے ' اور ایک بہت بڑي مدت کے بعد وہ اِس بیش قیمت جوہر کو حقیر دھات کي شکل میں تبدیل کردے سکتي ہے - علماء کا خیال ہے ' ریڈیم اپني خصوصیات سے محروم ہونے کے بعد سیسہ ہو جاتا ہے - لیکن اس تبدیلي کے لیے کم سے کم ۲،۴۶۰ - برس کا زمانہ گذرنا چاہیے - اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ مثلاً جو ریڈیم زمین میں ۱۵۰۰ - برس قبل از مسیح سے موجود ہے ' وہ ابتک ریڈیم ھي ہے - سیسہ نہیں ہوا ہے !

اِس سے بھي زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ریڈیم ایک بالکل مختلف مادے سے کیمیاوي طریق پر تبدیل ہوکر اپني شکل میں آتا ہے - اِس تبدیلي کا تصور قدیم حکماء کو بھي ہوگیا تھا - وہ اپني عقل کے زور سے خیال کرتے تھے کہ تمام دھاتیں سونے کي شکل میں تبدیل کي جا سکتي ہیں اور ان دھاتوں سے اکسیر حیات طیار ہو سکتي ہے -

ریڈیم کي تکوین ' علماء کي نظر میں نہایت ھي حیرت انگیز معما ہے - تحقیقات سے ثابت ہوگیا ہے کہ ریڈیم کا مورث اعلی یا اصل اورانیم ہے - اِس اورانیم میں تین بڑي تبدیلیاں ہوتي ہیں - علماء نے اِن تبدیلیوں کے تین نام رکھے ہیں : اورانیم س ۱ - اورانیم س ۲ - اورانیم س ۳ - آخر الذکر تبدیلي کے بعد اورانیم ' یونیم ہو جاتا ہے ' پھر یونیم ترقي کرکے ریڈیم ہو جاتا ہے - ریڈیم میں تنزل ہوتا ہے تو وہ پہلے پولونیم ہوتا ہے ' پھر سیسہ بن جاتا ہے - اورانیم اور سیسہ کے مابین اصلي ذرے ۱۶ - ہیں - پوري تبدیلي کے لیے کم از کم ۶،۰۰،۰۰،۰۰،۰۰۰ سال درکار ہوتے ہیں -

کے لیے کم از کم ۵۰۰ ٹن دوسرے کیمیاوی اجزاء درکار ہونگے - ۱۰۰۰ ٹن پتھر کا کوئلہ خرچ ہوگا - ۱۰۰۰۰ ٹن مقطر پانی لگے گا - ایک مہینہ تک ۱۵۰ - مزدور کام کرینگے - پانچ ہفتے ماہرین کیمیا کی ایک بڑی جماعت کو صرف کرنا ہونگے - پھر اِس کے بعد مزید چار مہینے اُسے کار آمد بنانے میں لگیں گے - اِن تمام کوششوں ' محنتوں اور کثیر مصارف کے بعد ' شاید ایک گرام ریڈیم دستیاب ہو سکے - اگر کانگو کی پوری کان سے فایدہ اٹھایا جائے ' تو بھی زیادہ سے زیادہ نصف اونس ریڈیم ملنے کی امید ہے - اِس کے معنی یہ ہوے کہ اِس تمام درد سری کے بعد ریڈیم کی موجودہ مقدار میں یعنی تقریباً دو چھٹانک میں صرف تیس گرام کا اور اضافہ ہو جائیگا !

(ریڈیم کی نوعیت)

آخر ریڈیم ہے کیا چیز جس کی جستجو میں سارا عالم سرگرداں ہو رہا ہے ' اور جس کی مدح و ثنا میں دنیا کے تمام علماء رطب اللسان ہیں ؟

ماہر کیمیا سے پوچھو - وہ بڑے جوش سے جواب دے گا " ریڈیم اگرچہ لوہے ' تانبے ' توتیے کی طرح ایک دھات ہے ' مگر سب دھاتوں سے زیادہ وزنی ہے ' حتی کہ سیسے سے بھی زیادہ - سب دھاتوں سے زیادہ قیمتی ہے ' حتی کہ سونے چاندی بلکہ لعل اور الماس سے بھی زیادہ - ریڈیم ' نیچر کے خزانے کا سب سے زیادہ بیش قیمت جواہر ہے - یہی وہ پارس ہے جس کے عشق میں قدیم فلاسفہ اور حکماء دیوانے ہو رہے تھے ' اور سمجھتے تھے ' اس کے ذریعہ ہر دھات سونا بن جا سکتی ہے ! "

ڈاکٹر کے پاس جاؤ - اُسے بھی قصیدہ خواں پاؤگے - وہ کہے گا " یہی وہ اکسیر حیات ہے جس کی مدتوں سے تلاش تھی - یہ عنقریب دنیا کی جملہ بیماریوں کا تریاق بننے والا ہے "

سائنس داں سے سوال کرو - فوراً بول اٹھے گا " یہ سب سے زیادہ عجیب چیز ہے جو دنیا نے دیکھی ہے - یہ اِسی کے خواص کی برکت ہے کہ ذراتی ترکیب (ایٹم) کا نظریہ قائم ہوسکا ہے جو عنقریب تمام علوم میں عظیم الشان اور حیرت انگیز انقلاب پیدا کردیگا "

عالم طبقات الارض (جیالوجی) سے مخاطب ہو - وہ فوراً کہے گا " ریڈیم ' آتش فشاں پہاڑوں اور زمین کی اندرونی حرارت کا بہترین مفسر ہے "

عالم فلکیات سے دریافت کرو - وہ کہے گا " ریڈیم ' آفتاب اور ستاروں کے نور حرارت کا سر چشمہ اور اُن کی قوت کا راز ہے "

علم الحیاۃ (بیالوجی) کا ماہر تو یہانتک کہدیگا " شاید ریڈیم ہی زندگی کا اصلی منبع ہے "

علم ہندسہ کا عالم کہیگا " اگر ریڈیم کی کافی مقدار حاصل ہوجائے تو اتنی عظیم الشان قوت انسان کے قبضہ میں آجائے جس کا اسوقت تصور بھی مشکل ہے - ایسے حیرت انگیز آلات ایجاد ہو جائیں جنکے مقابلہ میں موجودہ آلات بالکل ہیچ ہیں - وہ آلات ایسے محیر العقول کام کو سکینگے جن کا عشر عشیر بھی حال کے آلات سے ممکن نہیں - پھر صنعت و حرفت میں بھی بالکل کایا پلٹ ہو جایگی - ابھی ریڈیم کی جتنی قلیل مقدار موجود ہے ' وہی بے شمار فوائد پہنچا رہی ہے - اُسکا ایک ادنی کرشمہ یہ ہے کہ اُس سے ایک ایسا روغن ایجاد ہوگیا ہے جو گھڑیوں کی سوئیاں ' بحری اور ہوائی جہازوں کے آلات ' اور برقی کنجیاں ' اندھیری راتوں میں روشن رکھتا ہے - قیمتی جواہرات اُس سے طیار ہو جاتے ہیں - اگر کچھ مدت کے لیے سفید (بے رنگ) یاقوت ' ریڈیم کے زیر اثر رکھدیا جائے ' تو سبز رنگ کے ایسے زمرد بن جاتا ہے - نقلی اور مصنوعی نہیں ' حقیقی ' بیش قیمت زمرد ! "

اس عجیب و غریب اور نادر چیز " ریڈیم " کا خاصہ کیا ہے ؟ مختصر جواب یہ ہے کہ " شعاعی قوت " - شعاعی قوت کے کیا معنی ہیں ؟ ٹھیک وہی جو اِن دو لفظوں سے سمجھے جاتے ہیں - یعنی شعاعوں کی شکل میں قوت - مزید تفصیل آگے آتی ہے -

(ریڈیم کا انکشاف)

حیرت انگیز ریڈیم کا انکشاف اِس طرح ہوا کہ سنہ ۱۸۹۵ء میں مشہور فرنچ سائنس داں ہنری بکریل اپنی علمی تحقیقات میں مصروف تھا - فوسفورسی روشنی کے تجربے کر رہا تھا ' اچانک اُسنے دیکھا ' ایک خاص عنصر " اورانیم " کے اجزاء فوٹو گرافی کی تختی پر تاریکی میں اثر ڈال رہے ہیں - حتی کہ اگر سیاہ کاغذ سے چھپا دیا جاے ' جب بھی اُنکا اثر پہنچ جاتا ہے - اِس پر اُسے بڑی حیرت ہوئی مگر ریڈیم کی طرف رہنمائی نہ ہوسکی - البتہ علمی دنیا نے یہ تسلیم کر لیا کہ اورانیم میں شعاعی قوت موجود ہے ' اور اُس سے کام لیا جانے لگا - چنانچہ اُسوقت سے شیشہ اور چینی کے ظروف رنگنے میں اکسائڈ اورانیم برابر استعمال ہونے لگا ہے -

اِسکے بعد ایک نوجوان پولش خاتون میڈم کیوری نے اورانیم کے مخفی خواص کی پیرس میں تحقیقات شروع کی - اُسنے بہت جلد معلوم کر لیا کہ یہ شعاعی قوت والا مادہ ' خود اورانیم نہیں ہے ' بلکہ کوئی اور عنصر ہے اور اکسائڈ اورانیم سے ملا ہوا ہے - یہ دیکھکر اُسنے یہ مادہ تحلیل کرنا اور مختلف قسم کے تیزابوں سے بار بار دھونا اور صاف کرنا شروع کیا - اب اُسکی حیرت و مسرت بے حساب تھی - کیونکہ تحلیل کے بعد جو مادہ باقی رہگیا تھا ' اُسکی شعاعی قوت برابر بڑھتی چلی جا رہی تھی - اِسکے بعد وہ الکٹرسکوپ کی مدد سے تین اونس ایک نیا عنصر حاصل کر لینے میں کامیاب ہوگئی - یہ عنصر اورانیم سے بھی ساٹھہ گنا زیادہ سخت تھا - فوراً اِس مادہ کے چند کیمیاوی خواص بھی دریافت ہوگئے - اُسنے بڑے فخر و مباہات سے اپنے عظیم انکشاف کا اعلان کردیا ' اور اپنے وطن کے نام پر اُسکا نام " پولونیم " رکھا - یہ " پولونیم " ریڈیم کے انکشاف کی طرف عملی قدم تھا - تین سال کی مزید تحقیقات کے بعد اِسی خاتون نے اعلان کیا کہ اکسائڈ اورانیم میں شعاعی قوت کا اصلی سر چشمہ اُسنے دریافت کر لیا ہے - اِسی سر چشمہ کا نام بالاخر " ریڈیم " پڑا - اور آہستہ آہستہ اُسکے مزید خواص معلوم کیے گیے -

اِسکے بعد سر ارنسٹ آرتھر فورڈ نے دریافت کیا کہ ریڈیم کی شعاعیں تین قسم کی ہیں - چنانچہ یونانی ابجد کے تین ابتدائی حرفوں پر اُنکے نام رکھے گئے - پہلی شعاع کا نام " الفا " دوسری کا " بیٹا " تیسری کا " گاما " -

(ریڈیم کے خواص)

پھر تحقیقات سے ثابت ہوا کہ پہلی شعاع " الفا " مثبت کہربائی لہروں کا مجموعہ ہے - وہ اِس قدر تیز رفتار ہے کہ ہر سکنڈ میں ۲۰۰۰۰ میل حرکت کرتی ہے - یعنی توپ کے گولے سے بھی ۴۰۰۰۰ مرتبہ زیادہ تیز رفتار ہے - لیکن یہ شعاع ' نفوذ و سریان کی زیادہ قوت نہیں رکھتی - شیشے کی نہایت رقیق تختی حائل کرکے اُسے روک دیا جا سکتا ہے -

مغرب کي تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتین

" دنیا میں ہر شخص کا ایک کام ہوتا ہے - میرا کام یہي ہے کہ میں تلخ مگر مفید سچائي عوام پر ظاہر کردوں - جہانتک میري استطاعت میں تھا ' میں نے انسانیت ' شرافت ' اور روا داري کي دعوت دي ہے - اگر دنیا نے نہیں سنا ' تو یہ میرا قصور نہیں ہے - میں نے اپنے لیے ایک قاعدہ بنا لیا ہے - میں عالمگیر سچائیوں کا ساتھہ دونگا - میں کسي پر الزام نہیں لگاتا ' کسي کي تضحیک نہیں کرتا ' کسي معین شخص پر حملہ نہیں کرتا - میرا حملہ انسانوں پر ہے - میں کسي خاص فعل کو برا نہیں کہتا - میں شر کو برا کہتا ہوں " (روسو)

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

جان جاک روسو

JEAN JACQUES ROUSSEU

یہ سلسلہ شروع کرتے ہوے گذشتہ نمبر میں ہم نے والٹیر کے مختصر حالات درج کیے تھے ' اور لکھا تھا کہ آیندہ نمبروں میں اسکے اجتماعي اصول و مبادیات پر ایک مقالہ شائع کیا جائیگا - پھر اس پر نقد و تبصرہ کیا جایگا - لیکن پھر ہمیں خیال ہوا کہ اس ترتیب کي جگہہ یہ ترتیب بہتر ہوگي کہ پہلے اِن تینوں ارکان انقلاب کے مختصر حالات و افکار شائع کر دیے جائیں - پھر اُنکے اصول و مبادیات کا خلاصہ دیدیا جاے - اُس کے بعد بہ یک دفعہ اُن پر نقد و تبصرہ کیا جاے - چنانچہ آج روسو پر ایک مختصر تحریر شائع کي جاتي ہے - یہ غالباً دو نمبروں میں ختم ہو جایگي - اسکے بعد فرانسیسي انسایکلو پیڈیا اور اسکے مصنفین کے حالات و افکار پر نظر ڈالي جائیگي ' اور اسکي اشاعت کے بعد نقد و تبصرہ کا سلسلہ شروع ہوگا - حال میں ایک نہایت قیمتي مجموعہ روسو کے تمام مکاتبات کا بھي پیرس سے شائع ہورہا ہے - تین جلدیں گذشتہ سال شائع ہو چکي تھیں - چوتھي جلد پچھلي ڈاک سے ہندوستان پہنچي ہے - یہ مجموعہ اسقدر دلچسپ اور گوناگوں معلومات سے لبریز ہے کہ ضرورت ہے ' کم از کم ایک دو تحریریں روسو کے مکاتیب پر بھي لکھي جائیں - اگر یہ لکھي جا سکیں تو یہ بھي اسي سلسلہ کي ایک کڑي ہوگي -

انقلاب فرانس کے دماغي ارکان در اصل از منۂ وسطی (میڈل ایجز) کے کلیسائي اور شاہي استبداد کا رد فعل تھے - اسلیے ناگزیز تھا کہ پچھلے افراط کے مقابلہ میں ایک نئي تفریط پیدا ہو جاے - والٹیر ' روسو ' اور ڈیدرو ' ذہن و عقل کي اسي تفریط کي مخلوق ہیں - انکي ذہني روح تعمیر سے نہیں بلکہ تخریب کے ہیجان سے پیدا ہوئي - وہ اثبات کے نہیں ' نفي کے واعظ تھے - مسیحي کلیسا کے جمود اور شاہي نظام کے استبداد نے " اثبات " اور " اعتقاد " کا جو غلو پیدا کردیا تھا ' اس نے اس رد فعل میں " نفي " اور " شک " کا اغراق پیدا کردیا - یہ بلا شبہ اُس زمانے کي طبیعت کا قدرتي مقتضی تھا - پچھلي " تعمیر " کي درستگي کیلیے ایک نئي " تخریب " کي ضرورت تھي - انہوں نے کلیسائي اور شاہي جمود کا بت توڑ دیا - لیکن جیسا کہ قاعدہ ہے ' اس بت شکني میں وہ خود بھي ایک نیا بت کدہ بنا گئے - اور اسکے لیے پھر دنیا کو ایک نئے بت شکن کا انتظار ہے !

بہر حال انقلاب فرانس کے مبادیات پر یہ جدید نقد و نظر ' اس سلسلہ کي اصلي چیز ہوگي - جو مولانا ابو الکلام کے قلم سے نکلي ہے ' اور اُن کے قید خانہ کے مسودات میں سے ہے -

ایک مرتبہ ایک مجلس میں انگریزي علم ادب کا غیر معمولي انسان اور انقلاب فرانس کا سب سے بہتر وقائع نگار ' کارلائل موجود تھا - لوگ حکما کي خیالي نقشہ آرائیوں پر بحث کر رہے تھے - ایک شخص نے کہا " اجتماع و معاشرت کے انقلابات کے نقشے ایک دل خوش کن تخیل سے زیادہ نہیں ہیں " جونہي اس رائے زني کي بھنک کارلائل کے کانوں میں پڑي ' اُس نے مجمع کو مخاطب کرکے کہا :

" حضرات کچھہ عرصہ گزرا ' اس دنیا میں ایک شخص تھا - روسو - اس نے ایک کتاب لکھي تھي - جب یہ کتاب شایع ہوئي تو بہت سے آدمیوں نے اُس کي ہنسي اڑائي - لیکن جب اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ' تو اُس کي جلد باندھنے کے لیے اُنھي لوگوں کے جسم کا چمڑا استعمال کیا گیا تھا ' جنھوں نے اس کي ہنسي اڑائي تھي ! "

اگر ریڈیم بگڑکر سیسہ ہو جاتا ہے تو یہاں قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شروع ہی سے زمین مین ریڈیم کی بہت بڑی کمیت موجود تھی؟ اور کیا تمام موجودہ سیسا اصل میں ریڈیم ہی تھا؟ بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو' اگر ایسا ہی ہے تو پھر زمین شروع میں اپنی موجودہ حالت سے بالکل مختلف ہوگی- شروع میں زمین ایک ننھا سا آتشیں کرہ تھی یا خود آفتاب کا ایک چھوٹا سا جزء -

عام طور پر علماء کا یہی خیال ہے کہ زمین اصل میں ایک آتشی کرہ تھی اور آفتاب یا کسی دوسرے عظیم کرہ سے کٹ کر جدا ہوئی ہے - پہلے زندگی سے بالکل خالی تھی- پھر بتدریج سرد ہونے کے بعد زندگی کے تخم سے آباد ہوئی' اور ذی روح کا مسکن بن گئی- زندگی کے یہ تخم' ایتھر میں پڑے بہہ رہے تھے - اگر واقعہ یہی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے' کیا یہ ممکن نہیں کہ زندگی کے یہ تخم اصل میں ریڈیم ہی کے گیس ہوں؟ بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو - کیونکہ سائنس نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ شعاعی قوت کا زندگی کے حقیقی عناصر سے گہرا تعلق ہے - دلیل اسکی یہ ہے کہ بعض بیج ریڈیم کی شعاعوں کے زیر اثر آتے ہی فوراً کونپلیں پیدا کر دیتے ہیں' اور پھر غیر معمولی سرعت و قوت سے بڑھنے لگتے ہیں!

لیکن علماء کا پختہ خیال ہے کہ ریڈیم کی' اُس کی اصلی اور بے میل شکل میں زیادہ کمیت' زمین کی سطح پر کبھی موجود نہ تھی - یہ اسلیے کہ اُسکے کیمیاوی خواص اسے تقریباً نا ممکن ثابت کر رہے ہیں - وہ ہمیشہ دوسرے مواد سے مرکب ملتا ہے - خالص ریڈیم کا حصول بہت ہی مشکل ہے - اگر حاصل ہو بھی جاے تو اُسکا اصلی حالت میں محفوظ رکھنا اور بھی مشکل ہوگا - کیونکہ وہ ہوا سے جلد متأثر ہو جاتا ہے - یہی وجہ ہے کہ ریڈیم کی عام تجارت اُسکے مختلف نمکوں: برومائڈ' کلورائڈ' کاربونیت' سلفیت' کی شکل میں ہوتی ہے -

(طبی فوائد)

روشنی کے روغنوں کے علاوہ ریڈیم سے طب میں بھی بڑے بڑے کام لیے جا رہے ہیں - طب میں اُسکے استعمال کی طرف سب سے پہلے سنہ ١٩٠١ - میں پیئیر کوری نامی طبیب کو رہنمائی ہوئی - یہ شخص ریڈیم کی دریافت کرنے والی میڈم کوری کا شوہر ہے - لیکن ریڈیم کے علاج کا اصلی موجد ہنری ڈومینیسی ہے - سنہ ١٩٠٦ - میں اِسنے دریافت کیا کہ اگر سیسہ کی تختی میں ریڈیم کی شعاعیں ہر مرتبہ چھان لی جائیں' تو وہ جسم کے اُن ریشوں کو زائل کردیتی ہیں جو سرطانی مادوں سے آلودہ ہوتے ہیں - مگر تندرست ریشوں پر اُن کا کوئی برا اثر نہیں پڑتا -

اُس وقت سے ریڈیم مختلف امراض کے علاج میں استعمال ہونے لگا - مثلاً سرطان' طرح طرح کے ورم' نقرس' عصبی درد' عرق النساء' ریڑھ کا درد' ذیابیطس' خون کی کمی' ہیضہ' ٹیفوڈ وغیرہ - خیال کیا جاتا ہے کہ ریڈیم' ایکس ریز کے جلے ہوے زخم اچھے کردیتا ہے - ٹیفوڈ' ہیضہ' اور بسہری کے جراثیم قتل کر ڈالتا ہے - معدے کو درست کرتا ہے - اشتہا پیدا کرتا ہے' اور اُن تمام کیمیاوی تبدیلیوں میں مساعد ہوتا ہے جو انسانی جسم میں برابر جاری رہتی ہیں -

(ریڈیم کے مضر اثرات)

لیکن جہاں ریڈیم کے بے شمار فوائد ہیں' اُسکی مضرتیں بھی ہیں - مدت تک ریڈیم کے زیر اثر رہنا سخت نقصان کا موجب ہوتا ہے-

جو لوگ ریڈیم کے علاج میں مشغول رہتے ہیں' وہ اپنی حفاظت سیسے کی صدریاں پہنکر کرتے ہیں - تاہم اُنکی صحت کو آخر کار سخت نقصان پہنچتا ہے - ریڈیم کی شعاعیں براہ راست کوئی تکلیف نہیں پہنچاتیں - لیکن آہستہ آہستہ خون کے سفید اور سرخ ذرے بگاڑ دیتی ہیں - خون کا دباؤ ہلکا کردیتی ہیں - اکثر خون میں کمی بھی پیدا ہوجاتی ہے - ناخون بد صورت اور اُنکے گرد کی کھال کھری اور موٹی ہوجاتی ہے - چہرہ اور ہاتھوں کی جلد میں بھی التہاب پیدا ہو جاتا ہے -

ریڈیم کی ابھی جتنی مقدار حاصل ہوئی ہے' وہ تمام مریضوں کے علاج کیلیے بالکل نا کافی ہے - تا ہم اُسے نہایت ہوشیاری سے استعمال کیا گیا ہے' اور ایسے طریقے ایجاد کیے گئے ہیں کہ اُسکا نفع زیادہ سے زیادہ عام ہو سکے - ریڈیم کی شعاعی قوت کا گیس چھوٹی چھوٹی نلیوں میں اس طرح بند کیا گیا ہے' کہ اُس سے علاج میں کام لیا جا سکے- ہر نلی ١٨ - ٢٠ - روپیہ میں فروخت ہوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ چار دن تک کام دیتی ہے - یہ نلی بیمار کے جسم میں اُسی طرح داخل کردی جاتی ہے' جس طرح انجکشن کی سوئی داخل کی جاتی ہے -

اِس وقت کوئی شخص بھی پیشین گوئی نہیں کرسکتا کہ ریڈیم کے آئندہ فوائد اور کیا کیا دریافت ہونگے؟ اور کن کن طریقوں پر اُسے استعمال کیا جا سکے گا؟ امید کی جاتی ہے کہ سائنس کوئی ایسا طریقہ ایجاد کر سکے' جس سے ریڈیم کے حصول میں آسانی ہو جاے' اور علماء طبقات الارض کا یہ نظریہ ایک دن صحیح ثابت ہو جاے کہ ہماری زمین کے شکم میں سراسر ریڈیم ہی بھرا پڑا ہے - اگر کبھی یہ نظریہ صحیح ثابت ہوگیا تو کون اندازہ کرسکتا ہے کہ انسان کو کتنی قوت' کتنی حرارت' اور کسقدر روشنی حاصل ہو جائیگی؟

آخري عهد مصائب کي يادگار هيں - أنميں سب سے بلند درجه أسکے " مکالمات " اور " اعترافات " کو حاصل هے - اِن سے بهي بڑهکر أسکي وہ تحريريں هيں ' جو أسنے پيرس کے أسقف (لاٹ پادري) اور جنيوا کي حکومت کے جواب ميں لکهي تهيں -

(روسو اور کليسا کا معرکه)

اِس جنگ ميں کون فتحمند رها : روسو يا أسکے دشمن ؟

اِسکا جواب مدت هوئي خود زمانه دے چکا هے ! زندگي ميں أسکے ليے دنيا چار بالشت زمين کا گوشه بهي مهيا نه کر سکي ' ليکن اسکے مرنے کے بعد يورپ کا تمام بر اعظم اپنے ذهن و فکر کا صرف ايک هي حکمراں رکهتا تها ' اور وہ يهي معتوب عالم " روسو " تها !

ليکن آج هميں روسو کي زندگي پر تبصرہ کرنا نہيں هے - روسو کي زندگي پر تبصرہ رسائل کے مقالات ميں نہيں ' ضخيم کتابوں ميں هوسکتا هے - آج هم صرف أسکي فکري اور قلمي معرکه آرائيوں ميں سے ايک خاص معرکه دکهانا چاهتے هيں - يهي اسکے قلم کے معرکے هيں جو تهوڑے عرصے کے اندر انقلاب فرانس کے خونيں معرکوں کي شکل ميں مبدل هوگئے - يه معرکه أس ميں اور پيرس کے أسقف کے درميان واقع هوا تها - بلکه يوں کهنا چاهيے ' علم و عقل کے نئے ظهور اور مسيحي کليسا کے قديم جهل و جمود ميں هوا تها - هم اختصار پر مجبور هيں -

(أسقف کا بيان)

أسقف نے اپنا بيان اس افسوس کے ساتهه شروع کيا هے که فرانس ميں کفر اور الحاد پهيلتا جاتا هے - پهر يه ثابت کيا هے که يه صورت حال ' قرب قيامت کي علامت هے جيسا که پولس رسول نے پيشين گوئي کي هے - پهر اس مقدس مگر هولناک تمهيد کے بعد وہ روسو پر پے در پے حملے شروع کر ديتا هے :

" يهي وہ الحاد هے جسے ايک شخص (يعني روسو) نے اپني کتاب " اميل " Emilius ميں پيش کيا هے - اِس شخص نے گناہ ميں نشو و نما پائي هے - وہ ايک ايسي زبان بولتا هے جو فلاسفه کي زبان هے - مگر وہ خود فلسفه سے تهي دست هے - يه ايک ايسا ذهن هے جس ميں معلومات بے ترتيبي سے تهونس دیے گئے هيں - مگر وہ هنوز تاريک هے ' اور صرف اپني تاريکي هي پر قانع نہيں هے بلکه دوسرے دلوں ميں بهي تاريکي اتار رها هے - يه ايک ايسي طبيعت هے جو عجيب و غريب افکار کي دلدادہ اور مجهول راستوں کي شيفته هے - اِس ميں اخلاق کا افلاس اور فکر کي ثروت ' دونوں بيک وقت جمع هوگئي هيں - ايک طرف أسے متقدمين کے اصول سے شغف هے ' دوسري طرف عقلي بدعتوں کي ايجاد کا جنون هے - وہ خلوت پسند بهي هے اور شهرت پسند بهي - علم کي محبت کا بهي دعوی رکهتا هے اور علم کي عداوت کا بهي علم اٹهائے هے - انجيل کے کمال کا بهي اعتراف کرتا هے اور أسے جڑ سے اکهاڑ پهينکنے کي بهي کوشش کرتا هے - فضيلت کي ايسي خوبصورت تصويريں اتارتا هے که بے اختيار تحسين و آفرين کا نعرہ بلند هو جاتا هے - مگر پهر فوراً هي فسق و فجور کے پهاوڑوں سے اپني بنائي هوئي شاندار عمارت گرا بهي ديتا هے - يه نوع انساني کا معلم بنکر سامنے آيا هے ' مگر الحاد اور گمراهي کے سوا کچهه نہيں رکهتا - يه ضلالت کا امام هے - فساد کا مرشد هے - شيطان کا پيام بر هے - تاريکي کا رهبر هے - اور اس سے بهي کچهه زيادہ هے - وہ اپني کتاب ميں انسان کو حيوان کے درجه ميں رکهتا هے - ايک اور رساله ميں نفس پرستي کي تبليغ کرتا هے - پهر تربيت کي کتاب لکهتا هے - مگر سراسر الحاد کي دعوت ديتا هے ! "

آگے چلکر أسقف نے روسو کي کتاب " تربيت " پر اعتراض کیے هيں اور اس پر زور ديا هے که يه " دعوت الحاد " هے - يه کتاب آج همارے هاتهوں ميں موجود هے - اسميں جس " الحاد " کي دعوت دي گئي هے وہ صرف يه هے ' که وہ کهتا هے : " بچه کي دماغي تربيت و تعليم ايسي هوني چاهيے که وہ خود اِس قابل هوجائے که دين حق کي معرفت پيدا کرسکے ' اور اسے تقليد و رسوم کي بنا پر نہيں بلکه فهم و بصيرت کے ساتهه منتخب کرے - هميں اس بات سے احتراز کرنا چاهيے که أسے کوئي ايسي دماغي جکڑ بندي کي تعليم ديں جس سے أس ميں دماغي بصيرت اور مجتهدانه فکر کي قوت پيدا نه هوسکے اور دل و دماغ کسي جابرانه تاثير سے منفعل هوجائيں - هميں اس سے بهي احتراز کرنا چاهيے که اسکے دماغ ميں کوئي ايسي بات أتار ديں ' جسے وہ خود اپني عقل سے معلوم نہيں کرسکتا "

اِس پر اسقف نے اعتراض کرتے هوئے لکها هے : " هميں اِس نظريه پر کوئي اعتراض نہيں هے - ليکن سوال يه هے که کيا بچه کو گمراہ هوجانے کيليے چهوڑ دينا چاهيے ؟ اگر ايسا نہيں کرنا چاهيے بلکه أسے هميشه فطرة کي سچي راہ پر رکهنا چاهيے ' تو وہ سچا طريقه کيا هے ؟ کتاب تربيت کا مولف بلند بلند لفظوں ميں الحاد کي طرف دعوت ديتا هے - ليکن هم فطرت کے سچے طريقے يعني مسيحيت کو پيش کرتے هيں - در حقيقت دين مسيحي فطرتي دين هے - فطرت هميشه اِسي کي طرف رهنمائي کرتي هے - عقل انساني بجز انجيل کے راسته کے کوئي دوسري راہ قبول هي نہيں کرسکتي - يه اس ليے که انجيل کا دين ' فطرت اور عقل کا دين هے ! "

روسو أسقف کي تمام تشريحات برداشت کر لے سکتا تها ' ليکن يقيناً اس بات کي برداشت أسکي طاقت سے باهر هوگي که " مسيحيت فطرة کي سچائي هے " اور وہ " فطرة اور عقل کے دين کي طرف رهنمائي کرتي هے " ياد رکهنا چاهيے که يه پرجوش أسقف اور اسکے تمام هم مشرب جس " مسيحيت " اور " انجيل " پر عامل تهے اور أسکي دعوت دے رهے تهے ' وہ " کليسا " اور " پوپ " کي " مسيحيت " تهي - نه که مسيحيت کي پہلے عهد کي سادہ اور بے ميل مسيحيت - امريکن مصنف ڈريپر کے لفظوں ميں " اٹهارويں صدي کے تمام اجتماعي انقلابات غير ضروري هوجاتے ' اگر کليسا اور پوپ کي نمايندگي کي جگه مسيحيت اور مذهب کي کوئي دوسري نمايندگي وجود ميں آ سکتي "

در اصل ازمنۂ وسطی سے مسيحيت کا جو جهل پرور اور مستبد مزاج پيدا هوگيا تها ' اسکا قدرتي رد فعل والٹير اور روسو کا انکار اور کفر تها !

اسکے بعد اسقف کهتا هے " اگر دين مسيحي هي وہ سچا طريقه هے جسکے سوا فطرت انساني کوئي دوسري راہ تصور هي نہيں کرسکتي - تو پهر روسو کا ديني تعليم و تربيت پر نکته چيني کرنا بجز اسکے کوئي معني نہيں رکهتا که وہ مخلوق کو هدايت سے هٹا کر ضلالت کي طرف بلا رها هے ! "

روسو نے کها تها " هر بچه جو اپنے بچپنے ميں خدا پر ايمان رکهتا هے ' ايک طرح کا بت پرست هے ' اور خدا کو انسان کي

یه هے یورپ کے اٹھارهویں صدي کي عجیب و غریب شخصیت جان جاک روسو - اور یه هے اُس کي انقلاب انگیز اور عالم افگن تعلیمات کا ساحرانه نفوذ ' جس کي طرف کارلائل نے ان ضرب المثل بن جانے والے لفظوں میں اشارہ کیا تھا !

نپولین کہا کرتا تھا " انقلاب فرانس کچھه نه تھا مگر روسو " ایک اور موقعه پر اُس نے کہا " روسو هي انقلاب کا باپ تھا " بلاشبه روسو انقلاب فرانس کا باپ تھا ' لیکن وہ اس سے بھي بڑھکر تھا - اُس نے صرف فرانس هي میں نہیں بلکه اپنے پورے عہد کي عقلي و اجتماعي زندگي میں انقلاب پیدا کر دیا - اس کے مبادیات و اصول کو لوگ صحیح سمجھیں یا غلط ' لیکن عملي دنیا کا فیصله یہي هوا که وہ آنکھه بند کرکے اُس کي رهنمائي پر چل پڑي ' اور اُس کے سوا دوسروں کي رهنمائي قبول کرنے سے انکار کردیا - اٹھارهویں صدي سے لیکر اس وقت تک دنیا کے قوموں کي حکومتوں میں ' ان کي سوسایٹي اور معاشرت میں ' اُن کے عقلي اعمال و عقائد میں ' ان کے علم و فن کے کار و بار میں ' ایک بہت بڑي زندہ حقیقت روسو اور روسو کے اصول و مبادي هیں !

(مختصر حالات زندگي)

سنه ۱۷۱۲ ع میں روسو جنیوا میں پیدا هوا تھا - اُس کا باپ آیزک روسو ایک غریب آدمي تھا ' مگر سست ' ناکارہ ' اور بد اخلاق - گھڑیوں کي مرمت کرتا اور عورتوں کو ناچنا سکھا کر پیٹ پالتا - لیکن اُس کي ماں بہت هي شریف عورت تھي - اُس کي شرم و حیا اور شریفانه نسواني جذبات کا تمام سوانح نگاروں نے اعتراف کیا هے - روسو میں اپنے ماں اور باپ ' دونوں کے اخلاق جمع هوگئے تھے - البته بعد میں اُس نے بہت کچھه اصلاح کرلي تھي -

روسو کي ابتدائي تعلیم نہایت ناقص تھي - اُسے بچپن هي سے افسانے اور خیالي قصے پڑھنے کا شوق هوگیا تھا - لیکن اُس کے تمام سوانح نگار تسلیم کرتے هیں که یه مطالعه اُس کے عجیب ذهن کے لیے مضر نہیں بلکه مفید ثابت هوا -

روسو ابھي پوري طرح جوان بھي نہیں هوا تھا که اپني روزي کمانے پر مجبور هوگیا - اُس کے والد نے اُسے دستکاري کا پیشه اختیار کرنے پر مجبور کیا مگر اس میں کامیابي نہیں هوئي - کئي مقامات میں اُس نے نوکري کي مگر اپني تنک مزاجي اور خاص قسم کي طبیعت کي وجه سے کہیں جم نه سکا - نه وہ اپنے کسي آقا کو خوش کرسکتا تھا - نه اُس کا کوئي آقا اُسے مطمئن کردینے کي قابلیت رکھتا تھا !

اپني زندگي کا یه زمانه اُس نے سخت مصائب میں گزارا - تنگ دستي همیشه اُس کي رفیق رهي - بے اطمینانی نے کبھي ساتھه نه چھوڑا - صحبت نہایت خراب تھي - سوسائٹي کا سب سے زیادہ بدترین طبقه اُس کے حصے میں آیا تھا -

(ترقي و شہرت کا پہلا موقعه)

۳۹ - سال اِس طرح گزر گئے - اب تک وہ بالکل گم نام تھا - لیکن قدرت کي نظر عنایت اُس پر شروع هي سے تھي - وہ اُسے اپنے مدرسهٔ مصائب میں طیار کر رهي تھي -

سنه ۱۷۴۹ ع میں اچانک اُس کے اقبال کا ستارا طلوع هوا - فرانس کے ایک علمي مجمع (اکاڈیمي) نے ایک موضوع مقرر کیا ' اور اهل علم کو اُس پر بحث کي دعوت دي - مقابله سخت تھا - منتخب علماء میدان میں اتر پڑے تھے - تاهم روسو نے همت کي اور مضمون لکھا - اُس کا مضمون سب سے بہتر ثابت هوا - مجمع علمي نے اِس گمنام " عالم " کي قابلیت کا اعتراف کیا - اور اُسے مقابله کا انعام دیکر همت افزائي کي - اِس طرح دنیا نے پہلي مرتبه سنا که روسو ' فرانس میں ایک بڑا عالم هے !

(حکومت اور کلیسا کا متحدہ حمله)

اب روسو پر شہرت کا دروازہ کھل گیا - بڑي تیز گامي سے وہ آگے بڑھا ' اور تھوڑے هي عرصه کے اندر اپنے عہد کا سب سے بڑا عالم تسلیم کر لیا گیا -

مگر کیا اِس شہرت و عزت سے اُس کي زندگي کي مصائب دور هوگئیں ؟ نہیں ' اور زیادہ هوگئیں - پہلے وہ صرف تنگ دستي کا شکار تھا ' اب وہ حکومت اور کلیسا کي دشمني کا بھي شکار هوگیا - جوں هي اُس کي تصانیف سوشل کنٹریکٹ ' هلواز ' اور امیل نامي شائع هوئیں ' حکومت اور کلیسا کے ایوانوں میں تہلکه مچ گیا - دونوں نے بیک وقت اُس پر یورش کردي ' اور انتقام لینے کیلیے اپنے تمام هتیار سنبھال لیے !

(مصائب و محن اور خاتمه)

" امیل " کے شائع هوتے هي ' ۹ جون سنه ۱۷۶۲ ع میں حکومت فرانس نے روسو کي گرفتاري کا فرمان جاري کردیا - مجبوراً اُسے فرار هي میں سلامتي نظر آئي - فرانس سے بھاگ کر جنیوا پہنچا مگر یہاں کي حکومت بھي اُس کے لیے فرانس سے بہتر ثابت نه هوئي - اُس نے بھي اس کي گرفتاري ضروري سمجھي - یه حال دیکھکر اس نے هالینڈ کا رخ کیا - مگر هالینڈ بھي ایک ایسے شخص کے استقبال کے لیے طیار نه تھا - اُس نے بھي دار و رسن سے استقبال کرنا چاها - اب اس کے سوا چارہ نه تھا که اٹلي میں پناہ لے - وہ اٹلي پہنچا - مگر اٹلي پوپ کا پایهٔ تخت تھا - وہ اِس کے پہنچنے سے پہلے هي اس کے کفر و انکار پر گرفتاري و قتل کا فتوی صادر کرچکا تھا - بے بس هوکر وهاں سے بھي نکلا - اور انگلستان کي راہ لي - اُسے امید تھي که انگلستان کے ایک گوشه میں پناہ حاصل کر سکیگا - لیکن افسوس هے که وہ بھي بے رحم نکلا - اب اُس کي مصیبت کا جام چھلک گیا تھا -

اب یورپ میں اُسے کہیں پناہ نہیں مل سکتي تھي - جہاں چھپتا تھا - وهیں دشمن کا هاتھه دراز هوجاتا تھا : ضاقت علیهم الارض بما رحبت و ضاقت علیهم انفسهم کے عالم میں مبتلا تھا - ابھي یه مصیبت بڑھتي هي جاتي تھي که ایک دوسري مصیبت بھي شروع هوگئي - یعني طرح طرح کے جسماني امراض و آلام نے آگھیرا - آخر اِسي حالت میں ' که دنیا اپني ساري وسعت کے ساتھه اُس پر تنگ هوچکي تھي ' سنه ۱۷۷۸ ع میں انتقال کیا ' اور گوشهٔ قبر میں پناہ لي !

اِن مصائب نے روسو کے دل و دماغ پر کیا اثر ڈالا ؟ کیا وہ اِن سے مرعوب هوگیا تھا ؟ کیا اپنے عقائد و افکار سے دست بردار هوگیا تھا ؟ کیا اُسنے اپنے بے پناہ دشمن کے سامنے هتیار ڈالدیے تھے ؟

اگر وہ ایسا کرتا تو یقیناً عیش کي زندگي بسر کرتا - مگر صرف زندگي هي بسر کرتا - زندگي کي عظمت حاصل نه کر سکتا - اپني موت کے ساتھه هي مرجاتا - اُسکي ساري عظمت ' اُسکي دماغي قابلیتوں سے زیادہ ' اُسکے دل کي مضبوطي میں هے - بلا شبه وہ اپنا جسم کونے کونے میں چھپاتا پھرا ' مگر اُسکا قلم بے پناہ شمشیر بنکر همیشه دشمن کا قلع قمع کرتا رها - اُسکي بلیغ ترین کتابیں ' اِسي

معرکوں کے بعد اُنکي هیبت فرانسیسي فوجوں پر اِس قدر بیٹھه گئي تھي که اُنکا نام سنتے هي میدان سے بھاگ جاتي تھیں - پچھلے دو سال برابر دروزیوں کا پله بھاري رها ' واقعات ثابت کر رهے تھے که فرانس کو بہت جلد سرجھکانا پڑیگا - بلکه حقیقت یه هے که دو مرتبه فرانس نے اندر هي اندر سر جھکا دینے کا فیصله بھي کر لیا تھا -

مگر افسوس ' نتیجه بالکل برخلاف نکلا - فرانس نے وهي طریقه اختیار کیا جو ایسے موقعه پر همیشه طاقتور حریف اختیار کیا کرتا هے - اُس نے جنگ کو طول دینا شروع کر دیا - یه طوالت بے سر و سامان دروزیوں کیلیے نا قابل تحمل تھي - وه دنیا کي اول درجه کي سلطنت کے مقابله میں تنہا تھے - خود انکے وطن کي دوسري جماعتیں بھي انکے ساتھه شریک نه تھیں - جنگ نے زراعت ' تجارت ' اور هر طرح کے وسائل معیشت سے انھیں محروم کر دیا تھا - بہت دنوں تک جمے رهے - لیکن آخر کب تک قدرتي موانع سے جنگ کرتے ؟ بے بس هوکر ترک جنگ پر آماده هوگئے - اب پورا ملک پھر فرانس کے رحم پر هے ' اُسوقت تک کیلیے ' که مجاهدین وطن تازه دم هوکر کوئي دوسرا قدم اُٹھا سکیں -

یه واقعه تمام مشرق کیلیے ایک نیا تازیانۂ عبرت هے - اِسنے ایک مرتبه پھر یه حقیقت ظاهر کردي که تمام دول یورپ کس طرح مشرق کے غلام بنانے اور غلام رکھنے پر متفق هوگئي هیں - اُنمیں باهم کتني هي منافست و رقابت کیوں نه هو ' مگر مشرقي قوموں کا سر کچلنے میں وه اپني تمام رقابتیں بھول جاتي هیں - اِتنا هي نہیں بلکه ایک دوسري کي امداد و اعانت پر بھي آماده هو جاتي هیں - شامي جهاد آزادي ' اِس کي تازه مثال هے - جاننے والے اچھي طرح جانتے هیں که وه فرانس نہیں هے جسنے آج وطن پرستاران شام کو نیچا دکھایا هے - بلکه وه برطانیا هے جسکي اخلاقي و مادي امداد و اعانت نے فرانس کو فتحمند کیا هے - فرانس تو اپنا پورا زور لگا کر تھک چکا تھا - وه پایۂ تخت دمشق کي بھي حفاظت نہیں کر سکتا تھا - روز دروز آتے تھے اور پوري آزادي سے دمشق کي سڑکوں پر حملے کرتے تھے - حالانکه یہاں فرانس کا جنگي مرکز قائم تھا - لیکن یه اُس وقت کي بات هے ' جب فرانس اِس جهاد کے مقابله میں اکیلا تھا - برطانیا کي اعانت اُسے حاصل نه تھي - یه واقعه هے که اُس نے گھبرا کر دو مرتبه اِراده کرلیا تھا که شامیوں کے مطالبات منظور کرلے ' اور اپنے ظالمانه مطامع سے باز آجاے -

شام کے پایۂ تخت دمشق کا ایک منظر عام

برطانیه اِس معامله میں کیونکر شریک هوا ؟ مختصر تفصیل اِس کي یه هے که جب دروزیوں کو فرانس کے مقابله میں نمایاں کامیابیاں هونے لگیں تو فلسطین ' شرق اردن ' اور عراق میں بھي اس کي صداے بازگشت بلند هونے لگي - شرق اردن کے تیور سب سے زیاده خراب تھے - بلکه جابجا شورش بھي شروع هوگئي تھي - برطانیا نے دیکھا که اگر اس علاقه میں آگ لگ گئي تو فلسطین اور عراق تک اس کے شرارے پہنچ جائینگے ' اور پوري عربي قوم میں حریت طلبي کي نئي سرگرمي پیدا هوجائیگي - برطانیا نے خیال کیا که یه تمام بے چیني صرف اِس وجه سے هے که دروزیوں کي کامیابیوں نے عربوں کے دل بڑھا دیے هیں اور فرانس کي پیهم شکستوں سے خود برطانیا کا رعب و داب بھي بے اثر هوتا جاتا هے - وه فرانس کي پیٹھ ٹھوکنے کیلیے طیار هوگئي - فلسطین کے برطانوي حکام نے علانیه فرانس کي طرف امداد کا هاتھه بڑھایا ' اور اپني جنگي قوت سے دروزیوں پر دباؤ ڈالنے لگے -

بد قسمتي سے جغرافیائي اور جنگي حالات نے دروزیوں کو شرق اردن کا سخت محتاج بنا دیا تھا - اُن پر تمام دروازے بند تھے - صرف شرق اردن کا دروازه کھلا تھا - یہیں وه پناه لیتے تھے - یہیں تازه دم هوتے تھے - اور اسي راسته سے انھیں باهر کي مدد بھي مل جاتي تھي - برطانیا کے مخالف هوتے هي یه دروازه بھي اُنپر بند هوگیا - اِتنا هي نہیں بلکه انھیں سرحدوں پر پریشان بھي کیا جانے لگا - اب دروزیوں کو دو سلطنتوں سے به یک وقت مقابله کرنا پڑا : فرانس اور برطانیا - یه بھي انھوں نے کیا - اور پورے باره مہینے تک میدان میں جمے رهے - مگر کبتک جمے رهتے ؟ سامان جنگ ختم هوگیا - رسد بند هو گئي - اب بجز بیٹھه جانے کے کوئي چارۂ کار باقي نہیں رها تھا - چنانچه اِس هفته بے بس هوکر بیٹھه جانے کا فیصله کرلینا پڑا ! انا لله و انا الیه راجعون !

یقیناً تاریخ عرب و اسلام شریف حسین اور اُسکے بیٹوں کو کبھي معاف نہیں کریگي ' جنکي بدولت یه تمام مصائب بلاد عربیه پر نازل هوے - شام ' فلسطین ' شرق اردن ' عراق ' یه تمام ممالک برطانیا

اور فرانس کے قبضه میں صرف اِسي خاندان کي خیانت اور طماعي سے گئے - اِس شامي جهاد آزادي کي ناکامي میں بھي شریف حسین کے منجھلے لڑکے امیر عبداللہ کا بہت بڑا حصه هے - یه بے حمیت برطانیا کے ٹکڑوں پر شرق اردن میں پڑا هے - اور برطاني ملک گیري کي بنیادیں اپني عزت فروشي سے مضبوط کر رها هے - اس نے دروز سے بڑي هي بے دردي اور بے حمیتي کا سلوک کیا - وه جب پناه کي امیدیں لیکر اسکي سر زمین میں پہنچے ' تو اس نے انھیں فوراً نکل جانے کا حکم دیا - اُنھوں نے پہاڑوں اور ریگستانوں میں جاکر پناه لي - مگر اسنے وهاں بھي اُنکا تعاقب کیا ' اور ایک ایک کرکے سب کو فرانس کے حواله کردیا !

اُنکي سب سے آخري جماعت ' علاقۂ ازرق میں پناه گزیں تھي - اِسکي تعداد دو هزار تھي - امیر عبداللہ کو معلوم هوا تو اُسنے وهاں ایک طاقتور فوج بھیجدي - جنگي قانون کا اعلان کردیا ' اور انھیں مجبور کردیا که اپنے آپ کو فرانس کے حواله کردیں - چنانچه تمام لوگوں نے مجبور هوکر اپنے تئیں فرانس کے حواله کر دیا - حواله کرنے والوں میں خود خاندان اطرش کے لوگ بھي هیں - مثلاً متعب بک اطرش ' علي بک اطرش ' عبدالغفار اطرش وغیرهم -

صورت میں یقین کرتا ہے - عقل انسانی اِس عمر میں' خدا کا منـزہ اور مطلق تصور کر ہی نہیں سکتی !"

اسقف کا اِس پر اعتراض یہ ہے "اگر بچہ بت‌پرست ہوتا' تو کئی خداؤں کا قائل ہوتا - اگر اسکے تفکر میں تجسم ہوتا (یعنی خدا کو انسان کی صورت دیتا) تو پروردگار کا جسم بتاتا - حالانکہ مسیحی بچوں کا کبھی ایسا اعتقاد نہیں ہوتا - وہ صحیح معنوں میں موحد ہوتے ہیں - مولف (روسو) نے یہ کہکر در اصل مسیحیت کو بت پرستی قرار دیا ہے !"

روسو نے لکھا تھا "میں جانتا ہوں کہ نظام عالم کو ایک قادر و حکیم ارادہ چلا رہا ہے - میں یہ دیکھتا یا محسوس کرتا ہوں' اور اسکی معرفت میری زندگی کیلیے ضروری ہے - لیکن یہ عالم کب سے اور کس طرح ہے ؟ اشیاء کی اصل ایک ہے یا متعدد ہیں ؟ انکی طبیعت کیا ہے ؟ یہ میں نہیں جانتا' اور نہ مجھے جاننے کی ضرورت ہے ... یہی باعث ہے کہ میں یہ حقیر مسائل نظرانداز کر جاتا ہوں - ممکن ہے یہ میری عقل کو مشغول کر لیں' مگر مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے - پھر یہ مسائل میری عقل سے بالا تر بھی ہیں ..."

اِس پر اسقف اعتراض کرتا ہے "بے باک مصنف کا اِس قول سے کیا مقصود ہے ؟ وہ جانتا ہے کہ کائنات کا نظام ایک قادر و حکیم ارادہ کے ماتحت ہے - وہ اعتراف کرتا ہے کہ اِس حقیقت کا علم اسکے لیے ضروری ہے - لیکن باوجود اِسکے کہتا ہے' نہیں معلوم اشیاء کی اصل ایک ہے یا ایک سے زیادہ ہے ؟ پھر دعوی کرتا ہے کہ مجھے اِس نقطہ کے معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں - مصنف' دراصل خدا کی وحدانیت پر شک رکھتا ہے - اِس علم کے بعد کہ کائنات ایک قادر و حکیم ارادہ کے تصرف و اختیار میں ہے' کیا یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اشیاء کی اصل ایک ہے یا کئی ہیں ؟ کیا یہ ممکن ہے کہ پہلی حقیقت کا علم ضروری ہو اور دوسری کی معرفت غیر ضروری قرار پائے ؟ کیا یہ صریح تناقض اور الحاد نہیں ہے ؟ وہ کہتا ہے میں خدا کی طبیعت و حقیقت سے باخبر ہوں' لیکن ساتھہ ہی یہ دعوی بھی کرتا ہے کہ یہ موجود حقیقی' علم' قدرت' ارادہ' اور حکمت رکھتا ہے ! اس سے تو معلوم ہوا کہ وحدانیت اسکے خیال میں ایک "حقیر سا مسئلہ" ہے' اور کسی طرح بھی اسکی عقل میں نہیں آسکتا - لیکن معلوم ہوتا ہے' متعدد خداؤں کا تصور اسکی عقل کے نزدیک معقول ہے - بھلا اِس حماقت سے بڑھ کر بھی کوئی حماقت ہو سکتی ہے ؟"

روسو' معجزات کو اس معنی میں تسلیم نہیں کرتا کہ وہ خارق عادت ہیں - معجزات پر گفتگو کرتے ہوئے اسنے لکھا ہے "یاللعجب ! ہمیشہ آدمیوں ہی کی گواہیاں ! آدمی' اپنے ہی جیسے آدمیوں سے سنتے ہیں اور دوسرے آدمیوں کو سناتے ہیں ! میرے اور خدا کے درمیان آدمیوں کے کتنے اَن گنت واسطے قائم ہوگئے ہیں !"

اِس پر اسقف لکھتا ہے "اگر آدمیوں کی گواہی معتبر نہیں ہے' تو پھر ہم پوچھتے ہیں مؤلف نے اسپارٹا' ایتھنز' اور روم کو کیونکر جانا جنکی عظمت کا وہ ہمیشہ راگ گایا کرتا ہے ؟ اِن قدیم جمہوریتوں اور مؤلف کے مابین آدمیوں کے کتنے بہت سے واسطے موجود ہیں ؟ وہ اِن واسطوں پر شک نہیں کرتا - لیکن مسیحی معجزات کی روایت میں وہ کوئی واسطہ منظور کرنا نہیں چاہتا - در اصل اسکے اعتراض کی اصلی علت' الحاد ہے - وہ خدا ہی کو نہیں مانتا !"

مکتوب شام

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

دروزی جہاد آزادی کا خاتمہ

میں یہ مکتوب اِس حال میں لکھہ رہا ہوں کہ ہاتھہ میں رعشہ ہے' آنکھوں میں آنسو ہیں' دل میں حسرت و الم ہے - میں ہی نہیں' اِس وقت شام میں کون ہے جو خون کے آنسو نہیں رو رہا ہے ؟ دمشق کے آسمان پر اندھیرا چھا گیا ہے - اور شام کے مرغزار مایوسی کی خزاں سے مرجھا گئے ہیں - اسلیے کہ آزادی کی امیدیں ملتوی ہوگئیں - تین سال ہوئے شام کے ابطال وطن نے آزادی کا علم بلند کیا تھا - آج وہ علم گر گیا ہے - اِس لیے پورا ملک اور اُسکی قومی غیرت' سر نگوں ہے !

ملک شام خصوصاً دمشق نے اپنی سرزمین پر تاریخ کے عظیم ترین واقعات مشاہدہ کیے ہیں - دروز کا جہاد آزادی بھی ایک ایسا ہی عظیم واقعہ ہے - مشرق کی تاریخ میں ہمیشہ یہ زرین حروف میں ثبت رہےگا - جبل دروز' جو اِس جہاد کا مرکز تھا' صرف پچاس ساٹھہ ہزار کی آبادی رکھتا ہے - یہی آبادی' دروزیوں کی مرکزی آبادی ہے - اور یہی دروز ہیں جنھوں نے فرانس جیسی عظیم الشان سلطنت کے قدم' شام سے اُکھاڑ دیے تے ! ابتدائی

اسقف کا بیان بہت طویل ہے - اِس مضمون میں اُسکا پورا خلاصہ بھی ممکن نہیں - لیکن اُسکا آخری اعتراض ضرور نقل کر دینا چاہیے - روسو نے بادشاہوں کے وجود پر سختی سے حملہ کیا ہے - اسقف اسکے جواب میں لکھتا ہے :

"یہ بھی مؤلف کا الحاد ہی ہے جس سے متأثر ہوکر وہ بادشاہوں کے وجود پر نکتہ چینی کرتا ہے - بادشاہوں کو برباد کرکے وہ ایسے قواعد جاری کرنا چاہتا ہے' جنکا نتیجہ بجز بد امنی اور طوائف الملکی کے اور کچھہ نہیں ہوگا - مصنف کے مذہب اور دین حق میں کتنا تضاد ہے ؟ مصنف بد اخلاقی اور بد امنی کی تعلیم دیتا ہے - لیکن دین حق خشیت الہی اور بادشاہ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے - دین کا حکم یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے آقا کی فرمانبرداری کرے - دین کہتا ہے پادشاہی' خدا کی قوت ہے- اُسکا پاک سایہ ہے- اور اُسی نے زمین پر نازل کی ہے - جو اِس کا مخالف ہے' وہ خود خدا کا باغی ہے - اُس پر خدا کی ابدی لعنت ہو !"

اس طرح اُسقف نے اپنا رسالہ قرب قیامت کی ہولناکی سے شروع کرکے "ابدی لعنت" کی پیشکش پر ختم کر دیا ہے !

یہ روسو کے سب سے بڑے کلیسائی مناظر کا حملہ تھا - اب دیکھنا چاہیے' روسو نے اسکا دفاع کیونکر کیا ہے؟ روسو کے سخت سے سخت نکتہ چیں بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اُسکا جواب اُسکی مناظرانہ قوت بیانیہ کا بے نظیر ثبوت تھا -

ہم آیندہ اشاعت میں اسکا خلاصہ درج کرینگے -

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

عمرو بن العاص

حضرت عمرو بن العاص (رض) کی شجاعت، تدبر، فتوحات سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں۔ مصر کی فتح سراسر انہی کے تدبر و قیادت کا نتیجہ تھی۔ خلافت اموی کے قیام میں انہی کی سیاست کارفرما تھی۔ اپنے عہد کی سیاست میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ مورخین نے اتفاق کیا ہے کہ عرب کی سیاست تین سروں میں جمع ہو گئی تھی: عمرو بن العاص، معاویہ بن ابی سفیان، زیاد بن ابیہ۔ اتفاق سے یہ تینوں سر ملکر ایک ہو گئے۔ انھوں نے سیاسی حکمت عملیوں سے اسلامی سیاست کا دھارا اُس طرف پھیر دیا جدہر وہ پھیرنا چاہتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام اور خلافت راشدہ کے نظام کو صرف امیر معاویہ کی سیاست نے شکست نہیں دی تھی۔ اس میں سب سے زیادہ کارفرما دماغ عمرو بن العاص کا تھا۔

ایک ایسے سیاسی مدبر نے موت کا کس طرح خیر مقدم کیا تھا؟ ذیل کی سطروں میں اس کی تفصیل ملے گی:

ایک عجیب سوال

جب بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور عرب کے اس دانشمند کو زندگی کی کوئی اُمید باقی نہ رہی، تو اُسنے اپنی فوج خاصہ کے افسر اور سپاہی طلب کئے۔

لیٹے لیٹے اُن سے سوال کیا "میں تمھارا کیسا ساتھی تھا؟"

"سبحان اللہ! آپ نہایت ہی مہربان آقا تھے۔ دل کھول کر دیتے تھے۔ ہمیں خوش رکھتے تھے۔ یہ کرتے تھے۔ وہ کرتے تھے..."

وہ بڑی سرگرمی اور جوش سے جواب دینے لگے۔

ابن عاص نے یہ سنکر سنجیدگی سے کہا "میں یہ سب کچھ صرف اس لئے کرتا تھا کہ تم مجھے موت سے بچاؤ گے کیونکہ تم سپاہی تھے اور میدان جنگ میں اپنے سردار کے لئے سپر تھے۔ لیکن یہ دیکھو، موت سامنے کھڑی ہے اور میرا کام تمام کر دینا چاہتی ہے۔ آگے بڑھو اور اُسے مجھ سے دور کر دو!"

سب ایک دوسرے کا حیرت سے مُنہ تکنے لگے۔ پریشان تھے، کیا جواب دیں؟

"اے ابو عبد اللہ!" دیر کے بعد اُنھوں نے کہا "واللہ ہم آپکی زبان سے ایسی فضول بات سننے کے ہرگز متوقع نہ تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ موت کے مقابلہ میں ہم آپکے کچھ بھی کام نہیں آسکتے"

انھوں نے آہ سرد بھری "واللہ میں یہ حقیقت خوب جانتا ہوں" اُنھوں نے حسرت سے کہا "واقعی تم مجھے موت سے ہرگز نہیں بچا سکتے لیکن اے کاش! یہ بات پہلے سے سوچ لیتا! اے کاش میں نے تم میں سے کوئی ایک آدمی بھی اپنی حفاظت کے لئے نہ رکھا ہوتا۔ ابن ابی طالب (حضرت علی) کا بھلا ہو۔ کیا ہی خوب کہہ گیا ہے: آدمی کی سب سے بڑی محافظ خود اُس کی اپنی موت ہے!" (طبقات ابن سعد)

دیوار کی طرف منہ کرکے رونے لگے

راوی کہتا ہے ہم عمرو بن العاص کی عیادت کو حاضر ہوئے۔ وہ موت کی سختیوں میں مبتلا تھے۔ اچانک دیوار کی طرف مُنہ پھیر لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اُنکے بیٹے عبد اللہ نے کہا "آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا رسول اللہ آپ کو یہ یہ بشارتیں نہیں دے چکے ہیں؟" اُنھوں نے بشارتیں سُنائیں۔ لیکن ابن عاص نے روتے ہوئے سر سے اشارہ کیا۔ پھر ہماری طرف منہ پھیرا اور کہنے لگے:

زندگی کے تین دور

"میرے پاس سب سے افضل دولت "لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ" کی شہادت ہے۔

"مجھ پر تین حالتیں گزری ہیں:

"ایک وقت وہ تھا کہ رسول اللہ سے زیادہ میں کسی کی اپنے دل میں دشمنی نہیں رکھتا تھا۔ میری سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح قابو پاکر آپ کو قتل کر ڈالوں۔ اگر میں اس حالت میں مر جاتا تو یقیناً جہنمی مرتا"

"پھر ایک وقت آیا جب خدا نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا۔ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! ہاتھ بڑھائیے، میں بیعت کرتا ہوں۔ آپنے دست مبارک دراز کیا۔ مگر پھر میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ فرمایا "عمرو! تجھے کیا ہوا؟" میں نے کہا "ایک شرط چاہتا ہوں" فرمایا "کونسی شرط؟" میں نے عرض کیا "یہ شرط کہ میری بخشش ہو جائے" اسپر ارشاد ہوا "اے عمرو! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہ مٹا دیتا ہے؟ ہجرت بھی مٹا دیتی ہے! حج بھی مٹا دیتا ہے؟" (یہ ابن العاص کی مشہور روایت ہے جسے شیخین نے بھی روایت کیا ہے)

"اُسوقت میں نے اپنا یہ حال دیکھا کہ نہ تو رسول اللہ سے زیادہ مجھے کوئی دوسرا انسان محبوب تھا، اور نہ رسول اللہ سے زیادہ کسی کی عزت میری نگاہ میں تھی۔ میں سچ کہتا ہوں، اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ پوچھے، تو میں بتا نہیں سکتا۔ کیونکہ انتہائی عظمت و ہیبت کی وجہ سے میں آپ کو نظر بھر کے دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر اس حالت میں مر جاتا تو میرے جنتی ہونے کی پوری اُمید تھی!"

"پھر ایک زمانہ آیا جس میں ہمنے بہت سے اونچ نیچ کام کئے۔ میں نہیں جانتا اب میرا کیا حال ہوگا؟"

مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا

"جب میں مروں تو میرے ساتھ رونے والیاں نہ جائیں، نہ آگ جائے۔ دفن کے وقت مجھ پر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا۔ میری قبر سے فارغ ہو کر اُسوقت تک مجھ سے قریب رہنا، جب تک جانور ذبح کرکے اُن کا گوشت تقسیم نہ ہو جائے۔ کیونکہ تمھاری موجودگی سے مجھے انس حاصل ہوگا پھر میں جان لوں گا کہ اپنے پروردگار کے قاصدوں کو کیا جواب دوں؟" (طبقات ابن سعد)

بگڑتا زیادہ ہوں، بنتا کم ہوں!

ہوش حواس آخر وقت تک قائم تھے۔ معاویہ بن خدیج عیادت کو گئے۔ تو دیکھا نزع کی حالت ہے۔ پوچھا کیا حال ہے؟ آپنے جواب دیا "پگھل رہا ہوں۔ بگڑتا زیادہ ہوں، بنتا کم ہوں۔ اس صورت میں بوڑھے کا بچنا کیونکر ممکن ہے؟" (عقد الفرید و ابن سعد)

حضرت ابن عباس سے سوال جواب

حضرت عبد اللہ بن عباس عیادت کو آئے۔ سلام کیا۔ طبیعت پوچھی۔ کہنے لگے "میں نے اپنی دنیا کم بنائی مگر اپنا دین زیادہ بگاڑ لیا۔ اگر میں نے اُسے بگاڑا ہوتا جسے سنوارا ہے، اور اُسے سنوارا ہوتا جسے بگاڑا، تو یقیناً بازی لیجاتا۔ اگر مجھے اختیار ملے تو ضرور اسکی آرزو کروں۔ اگر بھاگنے سے بچ سکوں تو ضرور بھاگ جاؤں۔ اس وقت تو میں منجنیق کی طرح آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہو رہا ہوں۔ نہ اپنے ہاتھوں کے زور سے اوپر چڑھ سکتا ہوں، نہ اپنے پیروں کی قوت سے نیچے اُتر سکتا ہوں۔ اے میرے بھتیجے! مجھ کوئی ایسی نصیحت کر جس سے فائدہ اُٹھاؤں"

ابن عباس نے جواب دیا "آہ! اے ابو عبد اللہ! اب نصیحت کا وقت کہاں؟ آپ کا بھتیجا تو خود بوڑھا ہو کر آپ کا بھائی بن گیا ہے۔ اگر آپ رونے کے لئے کہیں تو میں رونے کو حاضر ہوں۔ جو مقیم ہے وہ سفر کا کیونکر یقین کر سکتا ہے؟"

عمرو بن العاص یہ جواب سنکر بہت افسردہ ہوئے اور کہنے لگے "اُف! کیسی سخت گھڑی ہے! کچھ اوپر اسّی برس کا ہوں۔ اے ابن عباس تو مجھے پروردگار کی رحمت سے مایوس کرتا ہے؟ الٰہی! یہ ابن عباس ہے جو مجھے تیری رحمت سے نا امید کر رہا ہے! الٰہی! مجھے خوب تکلیف دے، یہاں تک کہ تیرا غصہ دور ہو جائے اور تیری رضامندی لوٹ آئے"!

ابن عباس نے کہا "ہیہات! ابو عبد اللہ! آپنے جو چیز لی تھی وہ تو نئی تھی اور اب دے رہے ہیں وہ چیز جو پرانی ہے! یہ کیسے ممکن ہے؟"

اسپر وہ آزردہ خاطر ہو گئے: "ابن عباس! مجھے کیوں پریشان کرتا ہے؟ جو بات کہتا ہوں، اُسے کاٹ دیتا ہے!" (استیعاب)

موت کی کیفیت

عمرو بن العاص زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے "مجھے اُن لوگوں پر تعجب ہے جن کے موت کے وقت حواس درست ہوتے ہیں مگر موت کی حقیقت بیان نہیں کرتے" لوگوں کو یہ بات یاد تھی۔ جب وہ خود اس منزل میں پہونچے، تو حضرت عبد اللہ بن عباس نے یہ مقولہ یاد دلایا (ایک روایت میں ہے کہ خود اُنکے بیٹے نے سوال کیا تھا) عمرو بن العاص نے ٹھنڈی سانس لی: "جان من!" اُنھوں نے جواب دیا "موت کی صفت بیان نہیں ہو سکتی۔ موت ناقابل بیان ہے۔ لیکن میں اسوقت صرف ایک اشارہ کر سکتا ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آسمان، زمین پر ٹوٹ پڑا اور میں

(سلطان پاشا اطرش)

لیکن جهاد آزادي کے علم بردار سلطان پاشا اطرش نے هتیار ڈالنے سے انکار کر دیا - دمشق میں اُنکے بعض دوستوں کے پاس میں نے اُنکا ایک تار پڑھا هے - اُسمیں وہ لکھتے هیں :

" میں نے هتیار رکھنے سے انکار کر دیا هے - کیونکہ مرد هتیار نہیں رکھا کرتے - میں صحراء کي طرف اپنے خاندان کے ساتھہ جا رها هوں کیونکہ برطاني حکام اور امیر عبداللہ نے مجھے علاقۂ ازرق میں رهنے نہیں دیا ! "

مجھے معتبر ذرایع سے معلوم هوا ہے کہ انگریزوں نے سلطان پاشا اطرش سے کہا تھا کہ " فلسطین چلے آئیں ، هم امن دینگے " اِس سے اُنکي غرض یہ تھي کہ فرانس پر دباؤ رکھنے اور اپني مطلب براریوں کے لیے اُنھیں نظر بند کرکے رکھہ چھوڑیں - مگر سلطان پاشا نے انکار کر دیا :

" میں نے قسم کھائي هے کہ کسي ایسے ملک میں هرگز نہیں رهونگا جس پر اجنبي علم لہراتا هو ! "

یہہ اُنکا قطعي جواب تھا !

پھر آخر سلطان پاشا کہاں پناہ لینگے ؟ یہ سوال تھا جو برطاني ' فرانسیسي ' اور عربي حلقوں میں گشت لگا رها تھا - مگر اسکا جواب بہت جلد مل گیا اور ایسا ملا کہ سب کو حیرت هوگئي - لوگوں کو اچانک معلوم هوا کہ سلطان پاشا اطرش اور اُنکے ۴۵ رفیق سلطان ابن سعود کے مہمان هوکر حجاز جا رهے هیں ' اور پانچ سو سے زیادہ دروزي جو ابتک مسلح هیں اور هتیار نہ رکھنے کا فیصلہ کر چکے هیں ' وہ بھي عنقریب اسي طرف روانہ هونے والے هیں -

لوگوں کو حیرت اِس وجہ سے هوئي کہ نجدي از حد متعصب مشہور هیں - اس صورت میں وہ دروزیوں کے سردار کا کیونکر استقبال کرسکتے هیں جو اسلام کے تمام فرقوں میں سب سے زیادہ عام اسلامي رسوم و عوائد سے دور هیں ؟ لیکن واقعہ یہ هے کہ سلطان ابن سعود نے ایک مرتبہ پھر اپني اور اپني قوم کي بے تعصبي اور عربي حمیت کا ثبوت دنیا کے سامنے پیش کردیا - اُنھوں نے جونھي سنا کہ دروزي مجاهدین پر عرصۂ زمین تنگ هے ' فوراً دعوت دي اور اپنے جوار حمایت میں پناہ دینے کا اعلان کردیا - اُن کے طرز عمل نے صرف یہي ثابت نہیں کردیا نہ وہ اپنے عقائد میں حد درجہ بے تعصب هیں ' حتی کہ دروز جیسے عقائد رکھنے والوں کو بھي اپنا مہمان بنالیتے هیں ' بلکہ یہ بھي ثابت کردیا کہ وہ فرانس اور برطانیا ' دونوں سے بے خوف هیں اور اداء فرض اسلامي و عربي کي راہ میں ان کي کوئي پروا نہیں کرتے - میں یہ بات بھي آپ کے علم میں لاني چاهتا هوں کہ مجاهدین شام اور سلطان ابن سعود کے درمیان راہ و رسم پیدا کرنے کے لیے بعض هندوستاني زعماء نے جو سعي مشکور کي تھي ' اس کا یہاں هر شخص کو اعتراف هے - یقیناً آپ کے لیے اس کي ضرورت نہ هوگي کہ مزید تشریح کي جائے -

سب سے زیادہ تعجب لوگوں کو اِس پر هوا کہ سلطان پاشا اطرش ' دومۃ الجندل میں قیام کریں گے - " دومۃ الجندل " کے لفظ میں عربي تاریخ و روایت کے جو جذبات پوشیدہ هیں ' ان سے آپ بے خبر نہ هونگے - جغرافیائي حیثت سے اس مقام کي جو اهمیت هے ' وہ بھي آپسے پوشیدہ نہ هوگي - یہ وهي مقام هے جسے آج کل " جوف " کہتے هیں - یہ نجد ' حجاز ' اور شرق اردن کي سرحدوں پر واقع هے ' اور جنگي نقطۂ نظر سے تینوں ملکوں کے لیے اهم ترین مقام هے - سلطان پاشا کا یہاں قیام یہ معني رکھتا هے کہ وہ شام کي سیاست سے بالکل الگ نہیں هوگئے هیں ' اور اُن کے دلوں کي امیدیں اب تک زندگي کي آرزوئیں رکھتي هیں !

(امن کے مظاهرے)

دروزیوں کے هتیار رکھدینے کے بعد هي هر طرف حکومت نے امن کے مظاهرے کرنا شروع کردیے هیں - دمشق کے اندر جتنے مورچے اور جنگي چوکیاں تھیں ' سب اٹھا لي گئي هیں - فوجي قانون کي عدالت بھي اٹھہ گئي هے - جنگي قوانین بھي امروز فردا میں اٹھا دیے جائینگے - حکومت کي طرف سے کئي نئي سڑکیں جاري کرنے کا اعلان هوا هے - کئي نئي عمارتوں کي تعمیر بھي شروع هوگئي هے - اِن تمام باتوں سے حکومت کا مقصد یہ دکھلانا هے کہ اب ملک حالت امن میں هے ' اور اُس کي قوت تمام مخالفوں پر غالب آگئي هے -

هاں ' ان کے جسموں پر تو غالب آگئي هے ' لیکن دلوں پر جو زخم لگ چکے هیں ' وہ ایسے نہیں هیں جو صدیوں سے پہلے مندمل هو سکیں !

(هائي کمشنر کي مہر سکوت)

اب تک هائي کمشنر موسیو بونسو ' بالکل خاموش تھے ' اور اپنا انداز کچھہ اس طرح کا بنا رکھا تھا ' گویا وہ ملک کو کچھہ دینے اور اُس کے مطالبات منظور کرنے والے هیں - مگر دروزیوں کے هتیار رکھتے هي اُن کي مہر سکوت بھي ٹوٹ گئي - اُنھوں نے ایک اخبار کے نامہ نگار سے شام کے مستقبل کے متعلق یہ عجیب تصریح کي هے :

" اخبارات مجھے ملامت کر رهے هیں کہ میں خاموش هوں - مجھسے بولنے کا اصرار کیوں هے ؟ کیا یہ چاها جاتا هے کہ میں کوئي ایسا وعدہ کرلوں جسے بعد میں پورا نہ کروں ؟ میں عمل پسند کرتا هوں - قول پسند نہیں کرتا "

اخبار کے نمائندے نے بہت اصرار سے پوچھا " آخر شام کے مطالبات کب منظور کیے جائنگے ؟ کچھہ تو کہیے ؟ " هائي کمشنر نے جواب دیا " آپ مجھسے یہ خواهش کیوں کرتے هیں کہ دو دن کے اندر آسمان طیار کردوں ؟ "

همیں اس جواب کي معقولیت سے انکار نہیں - دو دن کے اندر موسیو بونسو کا آسمان جبھي بن سکتا هے ' جب بنانے والے نوک شمشیر سے بنا ڈالنے کا عزم کرلیں - اگر ایسا نہیں هے تو یقیناً دو صدیاں بھي اس کے لیے کافي نہیں - شام نے مجبور هوکر تلوار اٹھائي اور اپنا آسمان سیاست تعمیر کرنا شروع کردیا ' مگر افسوس هے کہ یہ مرحلہ پہلے قدم میں طے هونے والا نہ تھا - ان کي شمشیریں جن سے وہ آلۂ تعمیر کا کام لے رهے تھے ' ٹوٹ گئیں - اب دنیا کو انتظار کرنا چاهیے کہ یہ ٹوٹي هوئي شمشیریں پھر ڈھالي جائیں ' اور از سر نو شام کي قسمت کا آسمان تعمیر کیا جا سکے !

نہیں کہا جاسکتا یہ وقت کب آئیگا ؟ مگر یقین رکھیے اِس وقت کي آمد میں همیں کوئي شک نہیں هے - اگر شام کي تمام آبادي سے قطع نظر بھي کرلي جائے ' جب بھي صرف دروزي قبائل هي کا گروہ ایک ایسا گروہ هے جو اس طرح کي هزار نا کامیابیوں اور بربادیوں کے بعد بھي جنگ آزادي سے باز نہیں آسکتا - آج وہ تھک کر بیٹھہ گئے هیں ' تو کسي دوسرے دن اُٹھہ بھي سکتے هیں - اس سفر میں وقفۂ و سکون کے بغیر چارہ نہیں - یہ ضروري هے کہ جونھي اُنھیں دوسرا موقعہ ملا ان میں سے هر متنفس کا سر اُس کي هتیلیوں پر آجائیگا - اور وہ پھر دنیا کو اپنے جہاد آزادي سے متعجب کردیں گے !

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُنکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں و ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دُنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرے سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

لیکن ۱۹۲۵ء میں تعداد اموات ...، ۹ ۵ تک پہنچ گئی۔ اسی طرح آتشک اور ملیریا بھی بہت عام ہو اور بُری طرح مخلوق کو برباد کر رہا ہو۔

شراب

"میں شراب نوشی کے بارے میں آپ سے کچھ کہوں گا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم اٹالین شراب نوشی میں افراط کرنے لگے ہیں۔ پروفیسر موتارا نے اپنی کتاب "اصول اقتصاد" میں لکھا ہو کہ اٹلی میں ۴۰ لاکھ ایکٹر زمین میں انگور کے باغ نصب ہیں۔ یعنی اٹلی کے انگوری باغوں کا رقبہ فرانس اور اسپین کے انگوری باغوں کے رقبہ سے ۱۰ لاکھ ایکٹر زیادہ ہے۔ اور یہ معلوم ہو کہ دنیا میں سب سے زیادہ شراب انہی دو ملکوں میں بنتی ہو۔"

"لیکن یہ امر قابل اطمینان ہو کہ شراب خواری سے موتیں برابر کم ہوتی جاتی ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں ۱۹۶۴ موتیں ہوئی تھیں لیکن ۱۹۳۰ء میں گھٹ کر ۱۳۱ ہو گئیں۔ پہلے ملک میں ...، ۱۸۷ شراب خانے تھے۔ ہمنے ۲۵ ہزار بند کر دئے۔ آئندہ ہم اور بھی بہت سے شراب خانے بند کرنے والے ہیں۔ ہم بڑی آسانی سے یہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم فیسٹزم والے شرابیوں کے ووٹوں کے محتاج نہیں ہیں، جیسا کہ جمہوری عہد میں لوگ محتاج ہوا کرتے تھے۔ اب وہ عہد، ایک افسانہ بن چکا ہو"

آبادی

"ہمیں اُمید ہو کہ تمباکو نوشی کے محصول سے حکومت کو سالانہ ۲ کروڑ سے ۵ کروڑ پونڈ تک آمدنی ہوگی لیکن کیا آپ سمجھتے ہیں یہ محصول میں نے خزانہ بھرنے کے لئے لگایا ہو؟ ہرگز نہیں۔ پھر اس کی کیا وجہ ہو؟ میں ابھی جواب دیتا ہوں۔

"بعض "عقلمند" کہتے ہیں ہم بہت ہیں، ہماری آبادی بہت زیادہ ہو۔ لیکن واقعہ یہ ہو کہ ہم بہت ہی کم ہیں۔ سیاسی، اقتصادی، اور معنوی قوت کے حصول کے لئے قوم کی آبادی زیادہ سے زیادہ ہونی چاہئے۔ میں صاف لفظوں میں سوال کرتا ہوں کہ ۴۰ ملین (ایک ملین ۱۰ لاکھ کا ہوتا ہو) اٹالین، نوے ملین جرمن، اور دو سو ملین سلاویوں کا کیونکر مقابلہ کر سکتے ہیں؟ یہ مٹھی بھر اٹالین، ۴۰ ملین فرانسیسیوں اور ۹۰ ملین اُن کے مفتوحہ ممالک کی آبادی کے سامنے کتنی دیر ٹھہر سکتے ہیں؟ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ۴۹ ملین انگریزوں اور ساڑھے چار سو ملین اُن کی مفتوحہ آبادیوں کے سامنے ہماری کیا حیثیت ہو سکتی ہو؟ اگر اٹلی چاہتا ہو کہ آفتاب کے نیچے اپنی ہستی برقرار رکھے، تو بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ آئندہ ۲۰ سال میں اُسے اپنی آبادی کم سے کم ۶ کروڑ تک پہونچا دینی چاہئے"

"نسل کی کمی، قوموں کی تباہی کا سب سے پہلا سبب ہوتی ہو۔ روم کی تاریخ ہماری عبرت کے لئے کافی ہو۔ شہنشاہ آگسٹس کے عہد میں روم کی کیا حالت تھی؟ ظاہر میں تو بڑی شان و شوکت تھی، مگر باطن میں سلطنت، نمک کے پہاڑ کی طرح پگھل رہی تھی۔ رومن جمہوریت کی آخری صدی، یعنی جولیس سیزر کے وقت سے آگسٹس تک وہ زمانہ تھا جسمیں رومن ارباب حل و عقد روم کی نسل کی کمی سے لرزہ براندام تھے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہنشاہ آگسٹس نے جبری نکاح کا قانون جاری کر دیا۔ مورخوں میں اختلاف ہو کہ یہ قانون مفید ہوا یا مضر؟ میرے خیال میں قانون کی مثال دوا کی سی ہو۔ دوا وقت ہی پر مفید ہو سکتی ہو۔ بے وقت استعمال سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح قانون بھی جب ضرورت کے وقت نافذ ہوتا ہو تو نفع پہونچاتا ہو، ورنہ بیکار یا نقصان رساں ثابت ہوتا ہو۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ یہ قانون مفید ہوا یا مضر لیکن میرے خیال میں یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہو کہ قوموں کی قوت، نسل کی کمی بیشی سے وابستہ ہو"

"تاریخ پر ایک نظر ڈالئے۔ یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ فرانس کس زمانہ میں دُنیا کا حاکم تھا؟ صرف اُس زمانہ میں، جبکہ اُس کے پاس خاص اپنے فرزندوں کی ایک جرار فوج موجود تھی۔ اُس زمانہ میں جبکہ ۲۰ ملین فرانسیسیوں کے مقابلہ میں صرف چند ملین جرمن اور چند ملین اسپینی تھے۔ مگر بعد میں فرانس کمزور ہو گیا، کیونکہ اُس کی نسل گھٹنے لگی۔ ۱۸۱۴ء سے اب تک فرانس کی آبادی میں صرف ۱۰ لاکھ کا اضافہ ہوا ہو، حالانکہ اس کے مقابلہ میں جرمنی کی آبادی میں ۴۶ ملین اور اٹلی کی آبادی میں ۱۹ ملین کا اضافہ ہو چکا ہو"

"اسوقت یورپ کے بعض ملکوں میں شرح پیدائش یہ ہو:

سویڈن میں فی ہزار ۱۷
فرانس میں فی ہزار ۱۸
ناروے میں ۱۹
جرمنی میں ۲۰
ڈنمارک میں ۲۱
اٹلی میں ۲۹
بلغاریہ میں فی ہزار ۴۰

بلغاریہ سے زیادہ آبادی یورپ کے کسی ملک میں بھی نہیں بڑھ رہی ہو"

یہ تمام اعداد و شمار پیش کرنے کے بعد مقرر نے کہا:

"پس اگر ہماری آبادی ترقی نہیں کرے گی، تو ہم ہرگز اپنی عظیم الشان سلطنت قائم نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ ہم عنقریب مفتوح و محکوم ہو جائیں گے۔ اب وقت آ گیا ہو کہ حقائق کا اعلان کر دیا جائے۔ ورنہ ہم ہمیشہ یونہی اوہام اور دل خوش کن مگر بے نتیجہ خیالات میں زندگی بسر کرتے رہیں گے"

انتظامی حالت

اس کے بعد مسولینی نے ملک کی انتظامی حالت پر بحث کرتے ہوئے بتایا کہ اسوقت حکومت کے ہاتھ میں ایک لاکھ کی تعداد میں پولیس موجود ہو اور وہ جدید ترین اسلحہ سے مسلح اور بہترین ذرائع نقل و حرکت کی مالک ہو۔ چنانچہ فی الحال اٹالین پولیس کے پاس ۴۸، تیز موٹر کاریں ۲۹۰ لاریاں، ۱۹۸ موٹر سائیکلیں، ۹۸ اسٹیمر اور ۱۲ ہزار بائیسکلیں ہیں۔

پھر اتنی کثیر مقدار میں پولیس رکھنے کی ضرورت ثابت کرنے کے لئے مسولینی نے اعداد و شمار پیش کئے اور بتلایا کہ ملک میں جرائم کی کس قدر کثرت ہو؟ چنانچہ صرف ایک علاقہ "پونیتین" میں ایک سال کے اندر حسب ذیل بڑے بڑے جرم واقع ہوئے:

پولیس سے لڑائیاں ۱۷۱ مرتبہ۔
عمداً آگ لگانے کے واقعات ۳۷۸
قتل ۱۶۹
چوریاں ۲۰۸۲
لوٹ ۴۰۴

فیسٹ حکومت کے مقاصد

اٹالین ڈکٹیٹر کی تقریر کا یہ حصہ سب سے زیادہ اہم ہو۔ اس لئے ہم اُس کا بڑا حصہ ترجمہ کرنے پر مجبور ہیں:

"آپ سب اُن حالات سے باخبر ہیں جن میں میں نے وزارت عظمیٰ کا قلمدان لیا تھا۔ نیز آپ کو ۱۳ نومبر کا وہ تاریخی دن بھی یاد ہو جبکہ منظر اس ملک میں مدتوں سے نہیں دیکھی گئی۔ ساتھ ہی وہ معمولی واقعہ بھی آپکے ذہن میں ہوگا جو میرے قتل کے اقدام سے تعلق رکھتا ہو ٹھیک اُسی تاریخی دن، میں نے میز پر سے ایک کاغذ اٹھایا تھا اور اس پر وہ نظام عمل لکھ دیا تھا جس پر ملک کی حکومت کو چلنا چاہئے۔ اس نظام عمل کا خلاصہ یہ تھا کہ فیسٹزم کے مخالف مٹا دئے جائیں۔ یہ نظام عمل پوری طرح کامیاب ہوا، اور آج اس سرزمین پر ہمارا کوئی مخالف باقی نہیں رہا ہو!"

"بیرونی دنیا میں مشہور کر دیا گیا ہو کہ میں نے ۲ لاکھ سیاسیوں کو نظر بند کر رکھا ہو۔ یہ سفید جھوٹ ہو۔ حقیقت صرف اس قدر ہو کہ ہم نے ۱۵۴۱ سیاسیوں کو تنبیہ کی، ۱۹۰۹ کو ملامت کی، اور صرف ۹۹۸ کو جلاوطن کر دیا"!

قارئین الہلال شاید ان دو لفظوں "تنبیہ" اور "ملامت" کے موجودہ اٹالین معانی نہ سمجھے ہونگے۔ مسولینی کی لغت میں "تنبیہ" کے معنی یہ ہیں کہ مخالف کو زبردستی کسٹرائیل (ریڈی کے تیل) کی ایک پوری بوتل پلا دینا۔ اور "ملامت" کے معنی یہ ہیں کہ اُس کے پیٹ میں پٹرول کا ایک پورا ٹین اُتار دینا! یہ کسٹرائیل اور پٹرول مسولینی کے بہت ہی خوفناک ہتیار ہیں۔ ان کے نام سے مخالف تھراتے ہیں۔ ادنیٰ سی مخالفت پر یہ عجیب و غریب مگر خوفناک سزائیں بے تامل دیدیجاتی ہیں!

اس کے بعد مقرر نے کہا

"بعض لوگ سمجھتے ہیں، سیاسی مجرموں کو جلد معافی ملنے والی ہو۔ میں اس کی تغلیط کرتا ہوں۔ ۱۹۳۲ء سے پہلے معافی کا سوال پیش ہی نہیں ہو سکتا۔ کہا جاتا ہو یہ بہت سختی ہو۔ کیا یہ سختی ہو؟ ہرگز نہیں۔ یہ ایک قسم کا علاج ہو اور اس سے مقصود بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو کہ وہ عناصر دُور کر دئیے جائیں جو ہماری ہیئت اجتماعیہ میں فساد پیدا کرتے ہیں۔ کیا طبیب کا مریض کو مسہل دینا سختی ہو؟ میں نہیں سمجھتا دنیا کا کوئی دانشمند انسان اس کا جواب اثبات میں دے سکتا ہو"

اٹالین انقلاب

"ہمارے انقلاب کو کون خونخوار قرار دے سکتا ہو؟ ہمارا انقلاب درحقیقت دنیا کا سب سے زیادہ قدرتی انقلاب ہو۔ جو ہمیں سفاک کہتا ہو، وہ ہمارے سامنے آئے، اور ہم سے رو در رو باتیں کرلے۔ کیا دنیا اس قدر جلد انقلاب فرانس کو بھول گئی ہو؟ انقلاب فرانس صحیح معنوں میں خونریز تھا۔ تقریباً ۲۰ آدمی روزانہ گلوٹین (انقلاب فرانس کے آلہ قتل) کی نذر ہوتے تھے۔ یہ اُن ہزاروں مقتولوں کے علاوہ ہیں جنھیں قید خانوں میں مارا گیا، آگ میں جلایا گیا! پانی میں غرق کیا گیا۔ صرف مرد ہی قتل نہیں کئے جاتے تھے بچے اور عورتیں بھی قتل ہوتی تھیں۔ مجھے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ آپنے یقیناً وہ کتاب پڑھی ہوگی جس کا نام "عہد ہولناکی میں مقتول عورتیں" ہو۔ اس کتاب میں لکھا ہو کہ دو ہزار عورتیں بے دردی سے مار ڈالی گئی تھیں۔ بہت سی عورتیں صرف اس جرم میں ماری گئیں کہ اُنھوں نے صلیب کو بوسہ دیا تھا۔ اور انقلاب فرانس کے حکمراں سمجھتے تھے، یہ مذہبی عقیدت، رجعت پسندی کی علامت ہو۔ فرانس کے انقلابیوں کا عقیدہ تھا کہ "انقلاب کی کامیابی کے لئے خونریزی ضروری ہو" پھر ہم پر کیوں ملامت کی بوچھاڑ ہو رہی ہو؟ ہم تو صرف اپنی "مدافعت" کر رہے ہیں۔ نہ کہ انقلاب فرانس کی طرح حملہ!"

"بعض لوگ کہتے ہیں، ہر مجلس (پارلیمنٹ) میں مخالف جماعت کا وجود ضروری ہو۔ میں حقارت کے ساتھ یہ اصول ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ میں کوئی مخالف جماعت دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا۔ اٹلی میں فیسٹیوں کے علاوہ کسی جماعت کے لئے گنجائش نہیں ہو۔ ہاں میں نہ تو کوئی مخالف اخبار جاری ہونے دوں گا، نہ کسی مخالف جماعت کا قائم ہونا گوارا کروں گا۔ آج پورا اٹلی صرف ایک جماعت رکھتا ہو، اور وہ میری جماعت ہو!"

"بعض لوگ خیال کرتے ہیں، مجھے حکومت کرنے کا شوق ہو۔ لیکن یہ غلط ہو۔ میرا سخت سے سخت دشمن بھی مجھے خود غرض اور حکومت کا بھوکا پیاسا نہیں بتا سکتا۔ میں حکومت کے بہت صرف اس لئے پسند

بریدِ فرنگ

اٹلی کے نئے اصولِ حکمرانی

مسولینی کی عجیب و غریب تقریر

دنیا میں جمہوریت کے رد عمل نے شخصیت اور شخصی استبداد کے جو مظاہر پیدا کر دئے ہیں، شاید ان میں سب سے زیادہ عجیب مظہر اٹلی کا مسولینی ہے۔ ضرورت ہے کہ پوری توجہ کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا جائے۔

پچھلے دنوں اٹلی کی مجلس (پارلیمنٹ) کا افتتاح کرتے ہوئے مسولینی نے جو تقریر کی تھی، وہ اپنی نوعیت کی پہلی تقریر ہے جو کسی موجودہ زمانے کی مجلس حکومت کے سامنے کی گئی ہے۔ اسمیں مسولینی نے وہ تمام پارلیمنٹری روایات پس پشت ڈالدیں جن پر آجتک عمل درآمد چلا آتا تھا۔ یورپ نے یہ تقریر دہشت اور استغراب کے ساتھ سُنی، لیکن اپنے سیاسی حلقوں کے پیچ در پیچ معاملات کی وجہ سے نکتہ چینی کی جرأت نہ کرسکا۔ البتہ امریکہ کے اخبارات نے اسپر سختی سے نکتہ چینی کی ہے۔ اُن کا متفقہ فیصلہ ہے کہ "مسولینی مجنون ہوگیا ہے"!

مسولینی مجنون ہو یا نہ ہو، لیکن اسمیں شک نہیں کہ یورپ کی موجودہ سیاست کا دماغ کوئی مجنونانہ قدم ضرور اُٹھانے والا ہے!

اس تقریر کا بہت مختصر خلاصہ ریوٹر ایجنسی نے ہندوستان کے اخبارات میں بھیجا تھا۔ اب یورپ کی تازہ ڈاک میں پوری تقریر آگئی ہے۔ ہم اُس کے بعض حصوں کا ترجمہ شایع کر دیتے ہیں تاکہ قارئین الہلال یورپ کے موجودہ سیاسی مزاج کی ایک اہم حالت کا صحیح اندازہ لگا سکیں۔

مسولینی نے مجلس کا افتتاح کرتے ہوئے کہا:

"مجھے نہایت افسوس سے اعلان کرنا پڑتا ہے کہ آج میری تقریر مختصر نہیں ہوگی جیسی میری پچھلی تقریریں ہوا کی ہیں۔ آج مجھے بہت سے معاملات پر بحث کرنی ہے۔ آج میں اطالین قوم کے سامنے اُسکی اصلی تصویر پیش کرنی چاہتا ہوں۔ آج میری تقریر میں بہت سے اعداد و شمار بھی ہوں گے، اس لئے نہیں کہ اعداد و شمار، قوموں کی قسمت کا فیصلہ کرتے ہیں، جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے۔ بلکہ اس لئے کہ اعداد و شمار قوموں پر صحیح حکومت کرنے کے لئے ضروری ہیں، خصوصاً موجودہ زمانہ میں، جبکہ حکومتوں کے فرائض از حد پیچیدہ ہو رہے ہیں۔

"بنابریں میری یہ تقریر بہت ضروری بھی ہوگی، اور شاید بہت تکلیف دہ بھی ثابت ہو۔ ضروری اس لئے کہ میں کوئی غیر ضروری بات نہیں کہوں گا۔ تکلیف دہ اس لئے کہ میں ایسی تصریحیں کروں گا جو شاید تلخ ہوں اور دنیا کے بعض مسلّم مبادیات کا خاتمہ کر دیں۔ البتہ وہ دلچسپ بھی ضرور ہوگی۔ کیونکہ میں اُسمیں وہ خاص منطق استعمال کروں گا جو خود میں نے ایجاد کی ہے، جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے (قہقہہ)

"میں اپنی تقریر کے اس حصہ میں ہنسوں گا، ہنساؤں گا، اور فیسیٹزم کے داخلی اور خارجی دشمنوں پر طعنہ زنی کروں گا۔ میں یہ تسلیم نہیں کرتا کہ حکومت کے وزیر اعظم کو ہمیشہ غیر دلچسپ تقریر کرنی چاہئے اور اُس میں صرف پیچیدہ اور مغلق الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔

"میری تقریر تین حصوں پر منقسم ہوگی:

(۱) نسل اور صحت کے لحاظ سے اطالین قوم کی حالت

(۲) ملک کی انتظامی حالت

(۳) حکومت کی حکمت عملی کے نتائج حال و مستقبل میں۔

تندرستی

"ہر متمدن ملک میں تندرستی کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہونا چاہئے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ہماری تندرستی فی الحال کیسی ہے؟ قوم کی جسمانی قوت بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ یہ سوال صرف ڈاکٹروں ہی سے مخصوص نہیں ہے۔ اسپر حکومت کو، بلکہ پورے ملک کو، نہیں، ملک کے ایک ایک فرد کو غور کرنا چاہئے"

اس کے بعد مقرر نے بتایا کہ گذشتہ ۴۰ برس کے اندر جلد موٹی ہو جانے کی بیماری اٹلی میں سب سے زیادہ عام رہی، مگر اب حکومت کی کوششوں نے ملک کو اس سے نجات دیدی ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء میں پورے ملک میں اس بیماری کے صرف ۱۸۰ مریض باقی رہ گئے تھے۔

تپ دق کے متعلق وزیر اعظم نے بتایا کہ اسوقت بھی یہ مرض بہت عام ہے اور ترقی کر رہا ہے۔ ۱۹۲۲ء میں اس سے ۵۲،۲۹۳ موتیں ہوئیں

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۳)

دونوں کے درمیان پڑ گیا ہوں (الکامل جلد ۱) گویا میری گردن پر رضوی پہاڑ رکھا ہے۔ گویا میرے پیٹ میں کھجور کے کانٹے بھر گئے ہیں۔ گویا میری سانس سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہے!" (ابن سعد)

دولت سے بیزاری

اسی حال میں اُنھوں نے ایک صندوق کی طرف اشارہ کر کے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا "اسے لے لے"۔ آپکے بیٹے عبداللہ کا زہد مشہور ہے۔ اُنھوں نے کہا "مجھے اس کی ضرورت نہیں" عمرو نے کہا "اسمیں دولت ہے" عبداللہ نے پھر انکار کیا۔ اسپر ہاتھ مل کر کہنے لگے "کاش اسمیں سونے کے بجائے بکری کی مینگنیاں ہوتیں!" (الکامل ج ۱)

دعا

جب بالکل آخری وقت آگیا تو اُنھوں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے مٹھیاں کس لیں۔ اور دعا کے یہ کلمات زبان پر تھے: "الٰہی! تو نے حکم دیا اور ہمنے عدول حکمی کی۔ الٰہی! تو نے منع کیا اور ہمنے نافرمانی کی۔ الٰہی! میں بے قصور نہیں ہوں کہ معذرت کروں، طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آجاؤں۔ اگر تیری رحمت شامل حال نہ ہوگی تو ہلاک ہو جاؤں

گے؟" میں نے سوال کیا۔

سب لاجواب ہوکر میرا مُنہ تکنے لگے۔ ایک نے کہا "پھر تمھاری کیا رائے ہے؟" میں نے کہا:

"ایک سخت اور نتیجہ خیز حرکت کی ضرورت ہے!"

"مگر ہمارا کیا حشر ہوگا؟ یہ برطانوی توپیں دیکھ رہے ہو!" وزیر داخلیہ نے آہستہ سے کہا۔

"تم وہاں چلے آنا جہاں میں جا رہا ہوں!" یہ میرا آخری جواب تھا۔

اب میں سلطان وحیدالدین سے رخصت ہونے کے لئے قصر "یلدز" میں پہونچا۔ سلطان نے اپنے کمرے میں مجھ سے باتیں شروع کیں۔ کمرے کی کھڑکیاں کھلی تھیں۔ باسفورس کی نیلگوں سطح سامنے تھی۔ برطانی بیڑے لنگر انداز تھے۔ اُن کی توپوں کے دہانے خاص سلطان کے محل کی طرف تھے۔ ہم دونوں کی نظریں ایک ساتھ اُٹھیں اور انگریزی آہن پوشوں (ڈریڈ ناٹوں) پر پڑیں۔ سلطان اپنی خیانت سے واقف تھا۔ ہماری نظریں سمندر سے اُٹھ کر کمرے میں واپس آئیں، اور ایک دوسرے سے مل گئیں۔ مگر سلطان نے اپنی نظریں فوراً نیچی کرلیں۔ ریاکاری سے کہا "مصطفی! یہ دیکھتے ہوا میرا دل خون ہوتا ہے! افسوس عظیم ترکی قوم اب اس حالت کو پہنچ گئی کہ اُس کا سلطان، دشمنوں کے ہاتھ میں قید ہے! اُس کی زندگی اُنکی توپوں کے رحم پر ہے! تم اناطولیہ جا رہے ہو۔ میری دعا ہے خدا تمھارا رفیق و مساعد ہو۔ ترکی قوم سے کہنا کہ اُس کا سلطان اس حال میں ہے!"

ایک لمحہ خاموش رہ کر سلطان نے پھر کہا "تمھارے کارنامے اب اس کتاب میں چلے گئے ہیں!" یہ کہکر اُنھوں نے اپنے سامنے رکھی ہوئی ایک کتاب پر زور سے ہاتھ مارا۔ پھر کہنے لگے "ہاں، اب تمھارے کارنامے تاریخ کے حوالے ہوگئے ہیں۔ اب تم اُنھیں بھول جاؤ اور نئے کارنامے کر دکھاؤ کہ سلطنت تباہی سے نکلے!"

اس جملہ سے سلطان کا مطلب یہ تھا کہ میں اناطولیہ جاکر اتحادیوں کے مخالف خیالات کا خاتمہ کرڈالوں۔ میں اُن کی غرض سمجھ گیا:

"اعلیٰ حضرت! یقین کریں میں کسی ایسے کام کی انجام دہی میں کبھی کوتاہی نہیں کروں گا جس سے ملک کو نجات حاصل ہو!"

میں نے یہ کہا اور سلطان کو تسکین ہوگئی۔ دونوں کی زبانوں پر بات ایک ہی تھی، لیکن دونوں کے مقصد میں کتنا عظیم بُعد تھا؟

قصر سے میں نہایت متأثر نکلا اور "شیشلی" میں اپنے مکان پہونچا۔ یہاں مجھے ایک دوست نے خبر پہنچائی کہ "اتحادی طاقتوں نے سازش کی ہے کہ تمھارے جہاز کی روانگی میں دیر ہوجائے تاکہ اُنکے جہاز بھی سفر کے لئے طیار ہوجائیں اور بیچ سمندر میں تمھارا جہاز غرق کردیں!"

یہ سنتے ہی میں فوراً موٹر پر تیزی سے ساحل کی طرف روانہ ہوگیا کیونکہ اب ایک منٹ کی دیر بھی خطرناک تھی۔ میں نے جہاز پر پہنچتے ہی کپتان کو روانگی کا حکم دیا۔ لیکن جہاز روانہ نہ ہوا۔ بار بار میرے سوال کرنے پر کپتان نے کہا: "محکمۂ جہازرانی کے ماہر اسوقت جہاز کے کل پُرزے معائنہ کررہے ہیں۔ اُن کا حکم ہے، جبتک وہ اجازت نہ دیں جہاز نہ چلے"۔ اب مجھے یقین ہوگیا کہ واقعی سازش کی گئی ہے۔ میں نے بڑی سختی سے کپتان کو حکم دیا "ان ماہروں سے کہدو۔ فوراً جہاز سے نکل جائیں۔ اگر وہ نہ مانیں تو تم اُن کی پروا نہ کرو، جہاز کا لنگر اُٹھادو"

کپتان کو مجبوراً یہی کرنا پڑا۔ کچھ دُور آگے چلکر میں نے کپتان کو حقیقت حال سے واقف کیا۔ وہ بہت گھبرایا اور کہنے لگا "میرا جہاز بہت پرانا اور سُست رفتار ہے۔ جنگی جہازوں سے بھاگ نہ سکے گا" میں نے کہا "کوئی پروا نہیں۔ ساحل کے قریب قریب چلو، اگر جہاز غرق ہوگا تو میں خشکی تک جان بچالے جاسکوں گا"

چنانچہ میری حسب ہدایت جہاز کنارے کنارے چلا۔ یہاں تک کہ میں منزل مقصود تک پہنچگیا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ انگریزوں کے جنگی جہاز میرے پیچھے چلے تھے۔ مگر خوش قسمتی سے میں بہت آگے نکل گیا تھا۔ اور سمندر میں طوفان شروع ہوگیا تھا جسنے انگریزی جہازوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اصل یہ ہے کہ اُس حکیم کارساز کا فیصلہ ہوچکا تھا کہ میرے ناچیز ارادے کامیاب ہوں۔ اس لئے دشمنوں کی کوئی تدبیر میری راہ روک نہ سکی!"

غازی کا ورود

بہرحال تالیوں اور نعروں کے شور میں غازی ممدوح کا جہاز قدیم شاہی محل "طولما باغچہ" پہونچا۔ ایک طرف پُرجوش باشندوں کا شور تھا، دوسری طرف تمام قلعوں اور جنگی نقطوں سے توپوں کی سلامی داغی جارہی تھی!

"طولما باغچہ" میں غازی نے آرام نہیں کیا۔ فوراً فوجی اور ملکی افسروں کو ملاقات کے لئے طلب کرلیا۔ اُس کے بعد ملاقات کے ایوان میں پہنچے۔ یہاں شہر کے ۵۰۰ نمائندے سلام کے لئے جمع تھے۔

میں نے ایک مرتبہ یہ شاہی ایوان اب سے پہلے بھی دیکھا تھا۔ یہ وقت سلطانوں کا تھا۔ اسمیں پُرشکوہ تخت شاہی رکھا تھا۔ اُسکے گرد مزرکش لباسوں، چکیلے تمغوں، مطلا تلواروں سے آراستہ، وزراء و اُمراء کھڑے تھے۔ اور شاہی ہیبت و جلال کا ایک عجیب منظر پیدا ہوگیا تھا!

آج پھر مجھے اس کی زیارت کا موقعہ ملا۔ لیکن آج وہ ہر قسم کی چمک دمک سے خالی تھا۔ بالکل سادہ تھا۔ کسی قسم کا کوئی تکلف نظر نہیں آتا تھا۔ صرف شہر کے نمائندے جمع تھے۔ آزادی سے چلتے پھرتے تھے۔ اور مساویانہ رُوح میں اپنے رئیس حکومت سے مصافحہ کررہے تھے۔ بلاشبہ پچھلی شوکت و جبروت اب مفقود ہوگئی ہے لیکن سادگی اور حقیقت نے اس سے کہیں زیادہ حقیقی تاثیر عظمت پیدا کردی ہے!

یہیں آستانہ کی مجلس بلدیہ (میونسپلٹی) کا سپاس نامہ پیش ہوا۔ غازی نے جواب میں ایک برجستہ تقریر کی۔ اُن کی آواز حسب عادت بہت صاف، بلند، اور مضبوط تھی۔ پورا ایوان گونج رہا تھا۔ تقریر کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

غازی کی تقریر

"میں خوش نصیب ہوں کہ آج آپکے واسطہ سے آستانہ، اُسکے باشندوں، اُس کی انجمنوں، اور اُس کی تمام جماعتوں کو سلام کررہا ہوں سچ یہ ہے کہ میں اُن شاندار مظاہرات سے ازحد متأثر ہوا ہوں جن کے ذریعہ میرے ہموطنوں نے مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔ آپ میری جانب سے بہت بہت شکریہ قبول کیجئے۔

"آج پورے ۸ سال کے بعد میں نے آستانہ کی صورت دیکھی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ حسرت اور فراق کی گھڑیاں بہت سخت، دراز، اور تلخ ہوتی ہیں، تو آپ آسانی سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ میں نے آستانہ کی جدائی میں یہ آٹھ برس کیونکر گذارے ہونگے؟"

"آستانہ، جو دو عظیم دنیاؤں کے مابین واقع ہے، ترکی وطن کی زینت، ترکی تاریخ کی دولت، ترکی قوم کی آنکھ کا تارا ہے۔ تمام ابنائے وطن کے دلوں میں اُس کی محبت جڑ پکڑے ہوئے ہے۔ ایک مرتبہ جب منحوس حوادث نے یہ شہر گھیر لیا تھا، تو نہ صرف تمام ترکوں کے بلکہ تمام مشرق کے دل زخمی ہوگئے تھے۔ اُن میں ایک میں بھی تھا اور اپنے پہلو میں خونچکاں دل لئے پھرتا تھا"

"لیکن آج ہم دیکھتے ہیں، تاریک راتوں نے نورانی آفتاب کی شعاعیں پیدا کردیں۔ رات کب کی ختم ہوچکی ہے، اور ہماری تاریخ کا نیا دن طلوع ہوچکا ہے!"

"مضطرب اور روتے ہوئے آستانہ کو میں نے ۸ سال پہلے اس حال میں چھوڑا تھا کہ میرا دل زخموں سے چُور تھا، اور ایک شخص بھی مجھے خداحافظ کہنے کو نہیں آیا تھا۔ لیکن آج میں آستانہ آیا ہوں، تو اُس کا خندۂ مسرت اور قہقہۂ انبساط میرے سامنے ہے۔ اُس کا حسن اب دوبالا ہوگیا ہے۔ میرا دل بھی مطمئن ہے، میں اسوقت اپنے آپ کو استانبولیوں کی محبت بھری گود میں پاتا ہوں۔

"گزشتہ ۸ سال، یعنی ہماری ہیئت اجتماعیہ کا عہد جدید، بغاوتوں، انقلابوں، اور اُن کے نتائج سے لبریز ہے۔ ہماری قوم نے سیاسی، اجتماعی، تمدنی ترقی کے لئے اس عہد میں جو قابلیت ظاہر کی ہے، وہ بلاشبہ عظیم قابلیت ہے۔ ہمپر فرض ہے کہ پوری ہوشیاری اور پورے عزم سے اس قابلیت کو برابر ترقی دیتے رہیں۔ وطن کی تعمیر اور قوم کی ترقی، بہت ہی عظیم غیرت اور بہت ہی عظیم جہاد کا مطالبہ کرتی ہے۔ اسوقت ہمارا ایک عظیم ترین کام یہ ہے کہ مفید اور ضروری علم و فن کے ذریعہ قوم کے جذبات اور ضمیر کی تربیت کریں تاکہ وہ جلد سے جلد حقیقی تمدن اور حقیقی سعادت تک پہنچ جائے۔"

"میں آپسے اے عزیزان آستانہ! یہ کلمے اس محل میں کہہ رہا ہوں۔ اب سے ۸ برس پہلے خیال کیا جاتا تھا کہ اسمیں ایک ایسی شخصیت رہتی ہے جسے، ولیوں کی قوت حاصل ہے! آج یہ محل اُس شخص سے خالی ہے جسے "ظل اللہ فی الارض" (زمین پر خدا کا سایہ) کہتے تھے۔ آج یہ محل، قوم کی ملکیت ہے، جو سایہ نہیں بلکہ محسوس حقیقت ہے۔ اسوقت میرا وجود اس محل میں صرف اس لئے ہے کہ میں بھی قوم کا ایک فرد اور اپنی قوم کا مہمان ہوں..."

اس تقریر کے بعد غازی نے ایک ایک کرکے تمام حاضرین سے مصافحہ کیا۔ پھر محل کے باغ میں فوجی قواعد دیکھی۔ یہاں تک کہ رات ہوگئی۔

خیال کیا جاتا ہے کہ موصوف اسی اثنا میں تھریس کا بھی دورہ کریں گے۔ یہ افواہ بھی گشت کررہی ہے کہ صوفیا اور بلگراڈ بھی جائیں گے تاکہ بلغاریہ اور یوگوسلاویا سے عہدنامے سرانجام دیں۔

کہ حکومت کو میری ضرورت ہو۔ اٹلی کا فیصلہ یہی ہو کہ موسولینی حکومت کرے۔ لہذا موسولینی برابر حکومت کرتا رہیگا!"

دُنیا کا امن

"حضرات! دُنیا کا امن ہنوز خطرے میں ہو۔ ابھی کل کی بات ہو کہ برلن میں ۱ لاکھ ۲۰ ہزار آدمیوں کا مظاہرہ ہوا تھا۔ اُن کے جھنڈوں پر یہ عبارت کندہ تھی: "ٹرلیسٹ سے ریگا تک!" لہذا ابھی امن و امان کی گفتگو قبل از وقت ہو۔ ہمیں پوری مستعدی سے اپنی بَرّی، بحری، اور ہوائی قوتوں کو ترقی دینی چاہئے۔ ہمارے پاس کم سے کم ۵۰ لاکھ بَرّی فوج ہر وقت طیار رہنی چاہئے۔ میری نظر میں سب سے زیادہ اہمیت ہوائی قوت کی ہو۔ ہمارا ہوائی بیڑا زیادہ سے زیادہ طاقتور ہونا چاہئے۔ ہمارے ہوائی جہازوں کو اتنا بڑا ہونا چاہئے کہ اُن کی آواز، دُنیا کی تمام آوازوں کو دبا دے، اور اُن کے پَر سُورج کی کرنیں زمین تک پہنچنے سے روک دیں۔ ۱۹۳۵ سے ۱۹۴۰ء تک کا درمیانی زمانہ یورپ کی قسمت کا آخری فیصلہ کرے گا۔ اُسوقت ہمارے پاس اتنی قوت ہونی چاہئے کہ ہم دُنیا کو اپنی آواز سُننے اور اپنے حقوق منوانے پر مجبور کرسکیں"...!

اِس تقریر کا ایک قابل لحاظ پہلو یہ بھی ہو کہ اِس میں بادشاہ کا کہیں ذکر نہیں ہو۔ آمریکن اخبار اِس سے استدلال کرتے ہیں کہ عنقریب شاہ معزول ہوجائے گا اور اٹلی کے تخت شاہی پر بھی موسولینی ہی کے قدم چڑھتے نظر آئیں گے۔

تصحیح

الہلال نمبر ۳-۴ کے مذاکرۂ علمیہ میں ایک مضمون بعنوان "عمالیق" درج ہوا تھا۔ اسمیں درازی قد کے طبی اسباب پر بحث کرتے ہوئے ایک خاص قسم کی سَر کی گلٹی کا ذکر کیا گیا ہو۔ اسمیں ایک غلطی ہوگئی ہو۔ براہ عنایت قارئین الہلال اس کی تصحیح کرلیں۔ انگریزی میں اِس گلٹی کا نام Paraliad gland چھپ گیا ہو۔ حالانکہ صحیح نام Pituitary gland ہو۔ میں عبدالرحیم صاحب میڈیکل اسکول امرتسر کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اسپر توجہ دلائی۔ انگریزی کی غلطی کی وجہ سے اِس کے ترجمہ میں بھی غلطی ہوگئی۔ چونکہ مضمون کے مسودہ ہی میں یہ غلطی ہوگئی تھی، اِس لئے جب اُس کے لئے عربی اصطلاح دیکھی گئی تو قدرتی طور پر وہ لفظ اختیار کیا گیا جو Paraliad gland کے لئے ہو اور وہ "الغدۃ النکفیۃ" ہو۔ لیکن چونکہ یہ وہ گلٹی ہی نہیں ہو۔ اِس لئے یہ "غدۃ النکفیۃ" بھی نہیں ہو۔ Pituitary gland کے لئے عربی تشریح میں دماغی اور مخاطی غدہ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہو۔

اِن دونوں گلٹیوں کے محل اور خواص میں فرق یہ ہو کہ "غدہ نکفیہ" کان اور کنپٹی کے درمیان ہوتی ہو، اور اِس کا فعل یہ ہو کہ ایک خاص طرح کی رطوبت خارج کرتی ہو۔ لیکن غدۂ دماغی کا محل دوسرا ہو۔ وہ سَر کے نیچے اور ناک کے عقب میں واقع ہو، اور اس کے خواص وہی ہیں جو مضمون مذکور میں بیان کیے گئے ہیں۔ صاحب "توضیح فی اصول التشریح" نے (جو جدید فن تشریح میں لکھی گئی ہو) اِس کے لئے صرف دماغی گلٹی کا لفظ استعمال کیا ہو۔ (ابوالکلام)

بریدِ شرق

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی آمد۔ تاریخ کی یاد۔ غازی کی تقریر

غازی کی آمد

بالآخر غازی مصطفیٰ کمال پاشا، قسطنطنیہ پہنچ گئے۔ کئی ہفتے سے پورا شہر استقبال کی طیاریاں کر رہا تھا۔ آج صبح سُورج نکلا تو شہر عروس نو کی طرح آراستہ تھا۔ پہلے سے معلوم تھا کہ بندرگاہ "ازمیت" سے غازی، یخت (جہاز) "ارطغرل" پر بیٹھیں گے اور اُسی پر آستانہ پہنچیں گے۔ چنانچہ مقامی حکام اور شہر کے نمائندے پہلے ہی سے ازمیت کی طرف استقبال کو روانہ ہوگئے تھے۔ یہاں کے سمندر میں جتنے بھی جہاز، اسٹیمر، اور کشتیاں موجود تھیں، باشندوں سے لبریز ہوگئی تھیں، اور سب "جزائر امراء" کی طرف استقبال کے لئے روانہ تھیں۔ باقی جتنی مخلوق تھی، ساحلوں پر سمٹ آئی تھی۔ سویرے میں نے مکان کی بالائی منزل سے منہ نکالکر دیکھا، تو سمندر کے کنارے کنارے انسانی سروں کا ایک صحرائے بے کنار نظر آتا تھا!

غازی کا یخت، جوں ہی "جزیرۃ الامراء" کے سامنے پہونچا، بیک وقت لاکھ منہ کھل گئے، اور اتنا بڑا نعرہ بلند ہوا، کہ سواحل ایشیا اور سواحل یورپ کے پہاڑ تک گونج اُٹھے!

یہ منظر دیکھ کر بے اختیار میرے آنسو نکل پڑے۔ مجھے اب سے ۸ سال پہلے کا زمانہ یاد آگیا۔ یہ زمانہ ترکی تاریخ کا سب سے زیادہ تاریک زمانہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب جنگ عظیم نے ترکی سلطنت کی جڑیں ہلا ڈالی تھیں، تمام شیرازہ بکھر گیا تھا۔ خود پایۂ تخت پر اتحادیوں کا قبضہ تھا۔ اور سلطان اُنکے ہاتھ میں قیدی تھا۔ مجھے یاد آیا، اُس وقت اِس شہر پر کیسا سناٹا چھایا ہوا تھا؟ موت کا سا سناٹا! تمام زبانیں گنگ تھیں۔ اتحادی بیڑے اپنی بے پناہ توپوں کے دہانے محل سلطانی کی طرف کئے صف آرا تھے، اور سلطان کا دل خوف سے تھرا رہا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ یہی مصطفیٰ کمال جن کے سامنے آج لاکھوں نظریں فرش راہ ہو رہی ہیں، اب سے ۸ برس پہلے اسی قسطنطنیہ میں سر نیچا کئے، غمگین صورت بنائے، بازاروں میں جا رہے تھے، اور خود میں نے اپنی انھیں آنکھوں سے اُن کا پژمردہ چہرہ دیکھا تھا۔ وہ اُسوقت بھی گمنام نہ تھے۔ درۂ دانیال کے ہیرو تھے۔ مگر جنگ، شکست پر ختم ہوئی تھی، اِس لئے جنگ کے تمام ہیرو سرنگوں ہو رہے تھے۔ کوئی اُن کی بات تک نہ پوچھتا تھا، بلکہ اُن سے نفرت کیجاتی تھی، کیونکہ عام اعتقاد یہی تھا کہ ملک پر تمام مصیبتیں انہی کے ہاتھوں نازل ہوئی ہیں!

مصطفیٰ کمال پاشا کی آمد نے تمام پچھلے ہولناک واقعات کی یاد دلوں میں تازہ کردی۔ جنھیں معلوم ہو اُنھیں معلوم ہو، جنھیں معلوم نہیں، وہ دوسروں سے پوچھتے ہیں، ۸ سال پہلے غازی مصطفیٰ کمال قسطنطنیہ سے کیونکر گئے تھے؟ یقیناً یہ سوال اب تاریخ کا عنوان بن گیا ہو۔ ضروری ہو، ہم اُس پر چند کلمے کہیں۔ لیکن ہماری تشریح سے کہیں بہتر یہ ہوگا کہ خود غازی موصوف کی زبان سے یہ کہانی سنا دی جائے۔ حال ہی میں اُنھوں نے ایک اخبار کے نمائندے سے کہا تھا:

اب سے ۸ برس پہلے!

"جب آستانہ میں اتحادیوں کے مظالم حد سے تجاوز کرگئے، اور علانیہ زیادتیاں ہونے لگیں، تو میرے لئے یہاں قیام ناممکن ہو گیا۔ میں نے عزم بالجزم کرلیا کہ اناطولیہ چلا جاؤں۔ وہاں ترکی قوم کو تمام حالات سے مطلع کردوں، اور اگر ممکن ہو، تو اِس راہ میں اپنی جان بھی قربان کردوں۔ میں نے اپنے اِس ارادہ سے بعض دوستوں کو آگاہ کیا۔ اُن کی سعی و اعانت سے مجھے کامیابی ہوئی۔ تقریب یہ ہوئی کہ علاقۂ صامسون اور اناطولیہ کے بعض حصوں میں اتحادیوں کے خلاف شورش پیدا ہونے لگی۔ داماد فرید پاشا وزیر اعظم ڈرے، کہیں یہ شورش خطرناک صورت اختیار نہ کرلے۔ اُنھوں نے ایک ایسا شخص اناطولیہ بھیجنا چاہا جو ہر طرح کی بےچینی کا قلع قمع کردے سکتا ہو۔ اُن کی نظر انتخاب مجھ پر پڑی اور مجھے مشرقی صوبوں کا جنگی انسپکٹر مقرر کردیا گیا۔ مگر اُن کے دلمیں کچھ کھٹک ضرور تھی۔ وہ بار بار اپنا فیصلہ منسوخ کردیتے تھے۔ خود وہی نہیں، وزیر جنگ کو بھی میرے انتخاب پر اعتراض تھا۔ حتیٰ کہ وزیر جنگ نے حکم پر دستخط ثبت کرنے سے انکار بھی کردیا تھا۔ اُسنے کہا تھا: میں مہر کئے دیتا ہوں۔ اگر اِس انتخاب سے کوئی خرابی پیدا ہوئی تو میں انگریزوں سے یہ کہکر پیچھا چھڑا لوں گا کہ مجھے اِس شخص کے انتخاب کا کوئی علم نہیں تھا۔ میری مُہر چوری سے لگا دی گئی ہو!"

لیکن بالآخر میری باضابطہ تقرری ہوگئی۔ ۱۶ مئی ۱۹۱۹ء کو مجھے جہاز "باندرمہ" سے روانہ ہونا تھا۔ روانگی کے وقت میں وزیروں سے رخصت ہونے کے لئے باب عالی گیا۔ وزراء نہایت بدحواس ہو رہے تھے۔ وزیر داخلیہ نے دَوڑ کر مجھ سے کہا:

"تم نے کچھ سُنا؟ شرارت کی حد ہوگئی! یونانیوں نے سمرنا پر فوجیں اُتار دیں!"

وزیر بحریہ نے بھی یہی کہا۔ میں نے کہا:

"پھر اب کیا کروگے؟"

"ہم احتجاج کرینگے" اُنھوں نے دیر تک سوچنے کے بعد افسردگی سے کہا۔

"یہ ٹھیک ہو۔ مگر کیا تمھارے احتجاج سے یونانی سمرنا خالی کردیں

یہ وہ علاقہ ہے جس میں قدرت اپنی تمام رعنائیوں اور نعمتوں کے ساتھ خود اُتر آئی ہے۔ میں آپ کو ایک بہت بڑے راز سے واقف کرتا ہوں۔ میرے دوست موسیو ڈلکاسا برطانیہ سے گفت و شنید کر رہے ہیں کہ فرانس انگریزوں کے لئے مصر چھوڑ دے، اور انگریز مراکش میں ہماری کوئی مخالفت نہ کریں"

"میرے دوستو! ایک لمحہ کے لئے دولت و ثروت کے اُن خزانوں کا تصور کرو جو مراکش میں تمھیں حاصل ہونگے۔ پوری سرزمین زرخیز ہے بیش قیمت کانوں سے لبریز ہے۔ تم وہاں کی کانیں کھولوگے۔ بےحساب غلہ پیدا کروگے۔ روئی اتنی حاصل ہوگی، جس کا اسوقت تصور بھی نہیں کیا جا سکتا"

"کیا اس کے بعد بھی تم باہمی منافست میں مبتلا رہوگے؟ حالانکہ تم ہی دونوں گروہ اس نئی سرزمین کے مالک ہو۔ تم دونوں کو تمام فرانسیسیوں پر خاص امتیاز حاصل ہے۔ سب سے پہلے تم ہی نے اس سرزمین میں اسلام کا جھنڈا نیچا کیا۔ اسلام کے ملک پر مسیحیت کا سکہ بٹھا دیا، اور اسلام اور مسلمانوں سے واقفیت بہم پہونچائی۔ لہٰذا تم ہی افریقہ کے تمام اسلامی ملکوں کے مالک بنوگے۔ راس قابس سے بحر اٹلانٹک تک، اور بحر متوسط سے صحرا اعظم تک، تمام علاقے تمھارے ہی ہیں لیکن باہم متحد ہو جاؤ، اور پھوٹ ڈالکر فرانس کی مجتمعہ قوت پارہ پارہ نہ کرو"

اس تقریر پر ہر طرف سے مرحبا کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ دونوں طرف سے حریف اُٹھے اور باہم مصافحہ کرنے لگے۔ شراب کے نئے جام بھرے گئے، اور مسرت کے نعروں میں خالی ہو گئے!

یہ واقعہ اور اس واقعہ کا پورا منظر اب تک میری آنکھوں میں ہے اُس دن میں سمجھا کہ فرانس کی مشرقی حکمت عملی کیا ہے اور اُس کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ اُس دن مجھے معلوم ہوا کہ ہمارا ملکی اتحاد صرف اس بنیاد پر قائم ہے کہ اہل ملک کے لئے ہمیشہ مشرق میں نئے شکار مہیا کرتے رہیں ہماری سوسائٹی کے مختلف طبقوں کا باہمی اتحاد اس لئے نہیں ہے کہ انصاف میں وہ متفق ہیں۔ صرف اس لئے ہے کہ ظلم میں کوئی اختلاف نہیں!

اٹلی اور یمن

یمن پر اٹلی کا دانت مدت سے ہے لیکن برطانیہ کی رقابت ہمیشہ اُس کا راستہ روک دیتی تھی۔ اب باہم سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ اور اٹلی یمن کی طرف بے کھٹکے بڑھ رہا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ پچھلے چند ماہ کے اندر اٹلی نے صنعا میں بہت اثر پیدا کر لیا۔ ایک زمانہ میں امام یحییٰ اٹلی کا نام بھی سننا نہیں چاہتے تھے، مگر اب وہ اُس سے معاہدہ کر رہے ہیں، سامان جنگ لے رہے ہیں اور اپنی فوجی تربیت کے لئے اٹالین افسروں کے طلبگار ہیں!

گزشتہ ہفتہ ان "دوستانہ علائق" نے ایک نیا قدم اُٹھایا ہے۔ یمن کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اُس کا سیاسی وفد یورپ گیا ہے۔ سرکاری طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ "یمنی وفد، یورپ کے بڑے بڑے شہروں کی سیاحت کرے گا تاکہ یورپین تمدن کا مطالعہ کرے، پھر قسطنطنیہ اور انگورہ جائے گا" اس اعلان میں اٹلی کا کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ اس کی اصلی غرض اٹلی ہی ہے۔ یہ وفد روم پہنچ گیا ہے۔ امام یحییٰ کے منجھلے بیٹے "امیر محمد" اُس کے رئیس ہیں، اور سید عبداللہ ابراہیم، سید عباس علی، قاضی علی عمری، قاضی راغب رکن ہیں۔ قاضی راغب، حکومت صنعا کے وزیر خارجہ ہیں اور یمن میں تنہا شخص ہیں جو ایک یورپین زبان (فرانسیسی) جانتے ہیں۔ اس وفد نے آتے ہی موسولینی اور شاہ اٹلی سے طویل ملاقاتیں کیں۔ ہم نہیں چاہتے اپنے سوء ظن کا بے نشانہ بنائیں لیکن اٹلی کے نیم سرکاری اخبار "کوریرا ڈیلا سیرا" کا ایک جملہ نقل کرنے پر مجبور ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ جملہ اٹلی اور یمن کی دوستی کی بہترین شرح ہے:

م "اٹلی کی یمن اور امام یمن سے دوستی کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ وہ حجاز یا ابن سعود پر دست درازی کرنا چاہتا ہے۔ موسولینی نے یمن سے جو "حلف نامہ" کیا ہے، اُس کا مقصد صرف یہ ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں امن امان برقرار رہے۔ اٹلی بحر احمر میں وسعت حاصل کرنے پر مجبور ہے، اس توسیع کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اٹالین آبادی اریتریا کے تعلقات، عربی قوموں اور مشرقی ارتقا کے قبیلوں سے قائم ہو جائینگے" (البلاغ)

باب التفسیر

تفسیر سورۂ فاتحہ کا ایک صفحہ

صفات الٰہی کے انسانی تصور کی تکمیل

اور

اُس کا سلسلۂ ارتقا

الحمد للہ رب العالمین

قرآن حکیم نے انسان کو خدا کے اعتقاد اور تصور کی دعوت دیتے ہوئے، سب سے پہلے جن صفات کا حسن و جمال بے نقاب کیا ہے، وہ تین صفتیں ہیں: ربوبیت، رحمت، عدالت!

الحمد للہ رب العالمین:	ساری تعریفیں، ہر قسم اور ہر
الرحمٰن الرحیم،	طرح کی ثنائیں، حسن و جمال
مالک یوم الدین!	کی شیفتگی اور خوبیوں کمالوں
(فاتحہ)	کے اعتقاد کے ساتھ جو کچھ بھی

کہا جا سکتا ہے، وہ سب کچھ، اللہ کے لئے ہے! وہ اللہ، جو تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے۔ جس کی ربوبیت کائنات ہستی کی ہر مخلوق کو اس کی زندگی اور بقا کا تمام سامان بخشتی، اور اُس کی پرورش کی ساری ضرورتیں مہیا کرتی ہے! جو رحمت والا ہے، اور جس کی رحمت کی بخشائشیں تمام عالم خلقت کو اپنے نوال محبت سے مالامال کر رہی ہیں! جس کے قبضہ و تصرف میں جزا و سزا اور مکافات کا دن ہے، اور جس کی عدالت نے ہر کام کے لئے بدلہ اور ہر بات کے لئے نتیجہ کا قانون جاری و نافذ کر دیا ہے!

سورۂ فاتحہ قرآن کی ابتدا ہے، اور فاتحہ کی ابتدا تصور الٰہی کی اسی بنیادی جلوہ نمائی سے ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن نے خدا کے تصور و اعتقاد کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ ربوبیت، رحمت، اور عدالت کا نقشہ ہے۔ انہی تین صفتوں کے تفکر سے ہم قرآن کے تصور الٰہی کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

تصور الٰہی کا تدریجی ارتقا

دنیا کی ہر چیز کی طرح انسان کا فکر و عمل، اور انسانی فکر و عمل کی ہر بات کی طرح اُس کے روحانی تصورات نے بھی بہ تدریج پستی سے بلندی کی طرف اور نقص سے کمال کی طرف ترقی کی ہے۔ روحانی تصورات کی پہلی بنیاد ایک خالق کائنات ہستی کا تصور ہے۔ جس وقت سے انسان کی تاریخ روشنی میں آئی ہے، اُس کے اس تصور کی تاریخ بھی شروع ہو جاتی ہے۔ اگر پرانے سے پرانے عہد کے تصور سے لیکر، موجودہ ادیان عالم کے عہد تک کے تمام تصورات سامنے رکھے جائیں، اور یکے بعد دیگرے اُن کی نوعیت پر نظر ڈالی جائے، تو صاف نظر آ جائے گا کہ ایک تدریجی ارتقا کا سلسلہ ہے جو اشیاء و اجسام کے ارتقا کی طرح انسان کے تصور و اعتقاد میں بھی جاری ہے، اور جوں جوں انسان کی فکری اور معنوی استعداد ترقی کرتی جاتی ہے، اُس کا یہ تصور بھی زیادہ بلند اور شائستہ ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ارتقا کے ہر سلسلے کی طرح اس سلسلہ کی بھی تکمیل کی آخری کڑی نمایاں ہو جاتی ہے!

فطرۃ کا ولولہ اور ذہن کا تصور!

لیکن یاد رہے کہ یہاں خدا کے تصور سے مقصود اُس کی صفات کا تصور ہے۔ اُس کی ہستی کا اعتقاد نہیں ہے۔ اُس کی ہستی کا اعتقاد ذہن و فکر کی پیداوار نہ تھی جو اُس کی استعدادی تبدیلیوں سے متأثر ہوتی۔ یہ اُس کی فطرۃ کی آواز تھی، جو خود اُس کے اندر سے اُٹھتی تھی، اور ایک بالاتر ہستی کے یقین کے جوش سے اُسے معمور کر دیتی تھی۔ چونکہ یہ ایک فطری جذبہ تھا، اور فطری جذبات و میال کی نوعیت ہر وقت اور ہر حالت میں یکساں رہتی ہے، اس لئے انسان کا اعتقاد الٰہی بھی ہمیشہ یکساں رہا۔ اُس میں ذہن و فکر کے تغیرات مداخلت نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن خدا کی ہستی کا تصور، اُس کی صفات کے تصور سے الگ نہیں ہو سکتا تھا۔ انسانی عقل ذات مجرد کے تصور سے عاجز ہے۔ وہ جب کبھی کسی چیز کا تصور کرتی ہے تو گو اُس کی ذات کا تصور کرنا چاہے، لیکن تصور میں اُس کی صفتیں ہی آتی ہیں، اور صفتوں ہی کے جمع و تفرقہ سے ذات کے تصور کا نقشہ وجود میں آتا ہے! یہیں سے اس فطری جذبہ میں انسانی عقل کی مداخلت شروع ہوئی، اور یہی اُس کی درماندگیوں اور غلط اندیشیوں کی پہلی ابتدا ہے۔ فطرۃ کے جذبۂ یقین نے ایک بالاتر ہستی کے [illegible]

خواطر و سوانح

"میری صحیفہ نگاری کی زندگی کا ایک لمحہ"

(مشہور فرانسیسی اخبار نویس، فرانسس ڈلیزی کے قلم سے)

قارئین الہلال ابھی بھولے نہ ہونگے کہ ہم نے الہلال کے پہلے اور دوسرے نمبر میں ایک فرانسیسی کتاب کا ذکر کیا تھا جس میں فرانس کے تیس بڑے بڑے اخبار نویسوں نے اپنی صحافتی زندگی کے اہم واقعات لکھے ہیں۔ اسی کتاب میں فرانسس ڈلیزی نے الجزائر اور ٹیونس کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور عبرت انگیز سانحہ قلمبند کیا ہے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب فرانس میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ ٹیونس کا باقاعدہ الحاق دفتر مستعمرات سے کردیا جائے یا اسے قائم و جاری حالت میں رہنے دیا جائے؟ غاصبانہ تسلط تو دونوں حالتوں میں تھا لیکن پہلی حالت صاف اور کھلی تھی، دوسری میں منافقانہ پردہ پوشی تھی۔ اسی اثنا میں پیرس کی ایک مقتدر سیاسی جماعت نے ایک سیاسی ضیافت کا انتظام کیا اور اسمیں ملک کے بڑے بڑے اخبارات کے اڈیٹر بھی مدعو کئے گئے۔ مقالہ نگار بھی انہی لوگوں میں سے ہے اور اُس کی سرگزشت حوالۂ قلم کرتا ہے۔ اس مختصر سی سرگزشت میں یورپ کے سیاسی اور سرمایہ دارانہ اخلاق کا جیسا مکمل نقشہ دکھلایا گیا ہے، شاید ایک بہت بڑی کتاب سے بھی اُتنی وضاحت نہ ہوسکے۔ طرز بیان کی تعریضی ظرافت نے سرگزشت کی دلچسپی اور زیادہ بڑھا دی ہے:

فرانس کی مشرقی حکمت عملی کے راز

میں نے ابھی اخبار نویسی کے پیشہ میں قدم رکھا ہی تھا کہ سنہ ۱۹۰۱ء میں مجھے اُس ضیافت (ڈنر) میں شرکت کا اتفاق ہوا جو "انجمن قومیا" ہر ماہ ملک کے مدبروں کو جمع کر کے دیا کرتی تھی۔

گرانڈ ہوٹل کے بڑے ہال میں تقریباً ۱۵۰ آدمی جمع تھے۔ ہال کی دیواروں کی آرائش نظر فریب تھی۔ وسط میں خوبصورت گول میز تھا۔ گرد قیمتی کرسیاں بچھی تھیں۔ حاضرین میں لیون اور بورڈو کے سرمایہ دار، لیل اور نانسی کے کارخانہ دار، مارسیلز کی جہاز راں کمپنیوں کے مالک، مجلس (سینٹ) کے سربرآوردہ ممبر، ماوراء البحر نوآبادیوں کے نمائندے، اور چند مشاہیر اخبار نویس شامل تھے۔

قسم قسم کے لذیذ کھانے اور نفیس شرابیں ہماری منتظر تھیں۔ دلفریب جاموں میں جب معطر شمپین انڈیلی گئی، اور بلبلے سطح پر جوش مار کر اُبھرے، تو ہم اخبار نویسوں کا جوش، حد جنون تک پہنچ گیا۔ ہم بیچین تھے کہ فرانسیسی پرچم سمندر پار کے تمام ملکوں پر لہراتا دیکھیں!

کھانے کے بعد رئیس مجلس مسیو اٹین نے اعلان کیا "ہم ایک اہم مسئلہ پر غور کرنا چاہتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ٹیونس کو نوآبادیوں کی وزارت کے ماتحت کردیا جائے یا ابھی اسمیں توقف کیا جائے؟"

شروع میں ہم اخبار نویسوں نے خیال کیا۔ اس مسئلہ پر کوئی بحث نہیں ہوگی۔ چنانچہ بددلی کے ساتھ ہمنے اپنی جیبوں سے یادداشت کی کاپیاں نکال لیں۔

ایک سابق وزیر اُٹھا اور تقریر شروع:

"ٹیونس، اب تک فرانس کے زیر حمایہ (پروٹکٹریٹ) ہے اس لئے قانون کی نظر میں وہ محکوم نہیں ہے۔ ایک اجنبی ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُس کا تعلق براہ راست وزارت خارجیہ سے ہے۔ اُس کا دستور حکومت الگ ہے۔ اُس کا جنگی خانہ مستقل ہے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ الجزائر میں رہنے والے فرانسیسیوں کے ساتھ ہم ایک خاص قسم کا برتاؤ کرتے ہیں، اور ٹیونس کے فرانسیسیوں کے ساتھ دوسری قسم کا۔ یہ صورت اُسوقت جائز ہوسکتی تھی جب فرانسیسی نوجوں نے ٹیونس کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ لیکن اب جبکہ ہمنے پورا تسلط حاصل کرلیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس ملک کا وہ امتیاز باقی رکھا جائے جس کا وہ مستحق نہیں ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ فرانس سے ٹیونس کا کامل الحاق ہوجائے۔"

وزیر کی تقریر پر حاضرین کی ایک جماعت نے بڑے جوش سے تالیاں بجائیں۔ ہم سمجھے بحث ختم ہوگئی۔ مگر اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک اور سابق وزیر کھڑا ہوگیا:

"مجھے اس گمراہ کن تجویز سے قطعی اختلاف ہے" اُسنے شانے ہلاکر کہا۔ "فرانس نے بورڈو کے معاہدہ میں وعدہ کیا ہے کہ ٹیونس کے بائی (بادشاہ) کی حکومت باقی رکھے گا۔ فرانس نے یہی عہد تمام دول سے بھی کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی خلاف ورزی سخت سیاسی مشکلات کا موجب ہوگی۔ ملک کی دیسی آبادی میں شورش پیدا ہوجائیگی، اور فرانس کی پیشانی پر بدعہدی کا سیاہ دھبا لگ جائے گا"

اس تقریر پر بھی تالیاں بجیں، دونوں تقریروں کا لب و لہجہ ویسا ہی شاندار تھا جیسا مجلس (پارلیمنٹ) کی تقریروں کا ہوتا ہے۔ دونوں تقریروں میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد "فرانس کی عظمت" "ٹیونس کی مصلحت" "تہذیب کی خدمت" "خدمت اقوام کا فرض" اور اس قسم کے تمام پامال جملے آتے تھے اور حاضرین تحسین و آفرین کی صدائیں بلند کرتے تھے۔ ہم غریب اخبار نویس کسی شمار قطار میں نہ تھے۔ لوگوں کو تالیاں بجاتے دیکھتے تو خود بھی بے تحاشا تالیاں بجانے لگتے!

اب گرم مباحثہ شروع ہوگیا۔ سرمایہ داروں، کارخانہ داروں، تاجروں، کمپنیوں کے مالکوں نے بھی تقریریں شروع کردیں۔

ایک مقرر نے کہا "یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم ٹیونس کی کانیں تباہ کرنی چاہتے ہو؟"

"اور تم الجزائر کی کانوں کے دشمن ہو" دوسرے مقرر نے بغیر کسی تامل کے جواب دیا!

"اور تم بدمعاش ہو!" ایک تاجر جوش میں بیخود ہوکر چلایا۔

"لیکن تم ڈاکو ہو، بےحیا بدزبان!" ایک طرف سے آواز بلند ہوئی۔

"شریرو!" ایک تاجر نے غصہ سے کانپتے ہوئے کہا "فرانس کے کیو پوا تمھاری چوری، کھلا ہوا راز ہے۔ تم مارسیلز میں روسی گیہوں منگاتے ہو مگر چنگی سے بچنے کے لئے اُسے پہلے ٹیونس بھیجتے ہو پھر وہاں سے فرانس میں داخل کرتے ہو تاکہ ٹیونس کی کم چنگی سے فائدہ اُٹھا سکو!"

"یہ کون گدھا بول رہا ہے؟" ایک شخص نے پوری بے پروائی سے پکار کر کہا۔

"تم گدھوں کے جد امجد ہو" برجستہ جواب تھا!

اب مجھ پر یہ راز کھلا کہ ٹیونس کا معاملہ، نہ تو فرانس کی عظمت سے تعلق رکھتا ہے نہ تہذیب و تمدن کی خدمت سے۔ محض سرمایہ داری کا سوال ہے۔ الجزائر کے فرانسیسی اور اُنکے حامی ٹیونس کو نوآبادیوں کی وزارت کے ماتحت اس لئے کردینا چاہتے ہیں تاکہ وہاں کے فرانسیسی اُن سے زیادہ فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔

"تم ٹیونس کی دولت کھاکے پھول گئے ہو!" ایک مقرر نے کہا۔

"حاسدو! شیطان کے بھائیو! ہم تمھیں پیروں سے روند ڈالیں گے" ٹیونس کے ایک فرانسیسی کا جواب تھا جبکہ وہ جوش سے کھڑا ہوگیا تھا!

غرضکہ کوئی گالی نہ تھی جو استعمال نہ کی گئی ہو۔ کوئی الزام نہ تھا جو ایک نے دوسرے پر نہ لگایا ہو۔ اب شراب، سروں پر خوب چڑھ چکی تھی۔ آنکھیں لال تھیں۔ گھونسے تن رہے تھے۔ خطرناک ارادوں نے ہر چہرہ پر ہولناکی کا غازہ مل دیا تھا۔ آخر ایک آواز بلند ہوئی "مسیو اٹین! مسیو اٹین!"

مسیو اٹین اپنی کرسی سے اُٹھے۔ اب ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ اسوقت بھی میری آنکھوں میں اس چوڑے سینہ والے سیاسی مدبر کی تصویر پھر رہی ہے۔ اُسکی آنکھیں نہایت متحرک اور تیز تھیں چہرہ سے از حد مکار معلوم ہوتا تھا۔

"میرے ٹیونسی دوستو!" مقرر نے داہنی طرف منہ کرکے کہا "تم یقیناً میرے اخلاص سے انکار نہیں کرسکتے۔ آج سے بیس برس پہلے میں ہی وہ پہلا شخص تھا جسنے فرانس کو ٹیونس کی فتح پر آمادہ کیا تھا۔ میں نے ہی تحریک کی تھی کہ اُس "نیم وحشی" ملک میں تمدن و تہذیب کی روشنی پھیلائی جائے ..."

جملہ حاضرین نے پرجوش تالیاں بجائیں۔

"اور اے میرے الجزائری دوستو!" مقرر نے بائیں طرف رُخ کرکے کہا "تم بھی میری خیر خواہی اور دوستی سے بخوبی واقف ہو الجزائر سے میری محبت کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ الجزائر بھی میرا وطن ہے۔ کیونکہ میں اسی خوبصورت ملک میں پیدا ہوا تھا۔ الجزائر کی محبت مرتے دم تک میرے دل میں باقی رہیگی"

بائیں رُخ سے پرجوش تالیوں کا شور بلند ہوا!

غرضکہ اس چالاک مقرر نے کچھ ایسی شیریں زبانی سے گفتگو شروع کی کہ دونوں فریق خوش ہوگئے اور اس فرانس کے سب سے بڑے مکار انسان کے اخلاص پر ایمان لے آئے!

"عزیزو!" مقرر نے اپنی آواز کو حد درجہ موثر بنا کر کہا "جب میں تمھیں باہم اس طرح لڑتے جھگڑتے دیکھتا ہوں، تو میرا دل سینہ میں بیٹھنے لگتا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ الجزائر اور ٹیونس بغیر ایک دوسرے پر حسد کئے ترقی کریں؟ میں آپسے اُمید کرتا ہوں کہ یہ پست خیالات دور کردیں۔ ذرا اپنی آنکھیں اُٹھاکر اوپر کی طرف دیکھئے!

"یہ دیکھئے، مراکش کی زرخیز سرزمین آپکے سامنے موجود ہیں

اُس میں حسن و جمال کے سوا کچھ نہیں ہو۔ لیکن تعمیر و ایجاب کا عمل بغیر تخریب و سلب کے انجام نہیں پا سکتا۔ ہر بناؤ کے لئے ایک بگاڑ اور ہر نظم کے لئے ایک برہمی ناگزیر ہو۔ اس لئے اُس کے جمال تعمیری دلاویزیوں پر تخریب کی ہولناکیوں کا پردہ پڑ گیا۔ بارش کا عمل زمین کے لئے پیام روح ہو۔ اُس کے ایک ایک قطرہ کے اندر، نہیں معلوم زندگی کی کتنی تعمیریں اور وجود کی کتنی بخششیں پنہاں ہوتی ہیں؟ لیکن تعمیر حیات کا یہ پُرسکون عمل جبھی ظہور میں آسکتا ہو جب پہلے سلسلۂ تخریب کی ایک ہیبت انگیز ہولناکی پھیل جاتی ہو۔ بادل گرجنے لگتے ہیں۔ بجلی کڑکنے لگتی ہو۔ اضطراب و تصادم سے فضا ر کائنات لرز اُٹھتی ہو۔ اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہو، جیسے کوئی بڑی ہی سخت بربادی و خوفناکی ظہور میں آنے والی ہو۔ لیکن پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد یہ حالت منقلب ہو جاتی ہو، اور اچانک دکھائی دیتا ہو کہ فطرۃ نے قہر و جلال کا جامہ اُتار کر رحمت و جمال کا لباس پہن لیا۔ کیونکہ رعد و برق کی خوفناکیوں کی جگہ باران رحمت کی ربوبیتیں نمایاں ہو جاتی ہیں۔ قرآن حکیم نے جابجا قدرت الٰہی کی اس بظاہر قہر نمائی اور بباطن رحمت فرمائی کی طرف اشارات کئے ہیں:

ومن آیاته یریکم البرق خوفاً و طمعاً، وینزل من السماء ماءً فیحی به الارض بعد موتها، ان فی ذلک لآیاتٍ لقومٍ یعقلون! (۳۰ : ۲۳)	اور اُس کی حکمت و قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہو کہ بجلی کڑکتی ہو اور تمھارے اندر خوف اور امید، دونوں طرح کے اثرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر

وہ آسمان سے پانی برساتا ہو اور زمین کو اُس کی موت کے بعد از سر نو زندگی بخشدیتا ہو۔ بلاشبہ اسمیں قدرت الٰہی کی بڑی نشانیاں ہیں۔ مگر اُن کے لئے جو عقل رکھتے ہیں!

سورۂ بقرہ کی تمثیل میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہو: اوکصیب من السماء فیه رعدٌ و برق۔ تخریب کے عمل میں شورش اور ظہور ہو۔ اس لئے رعد و برق کی ہولناکی بارش کی حیات پرور دلاویزی سے زیادہ نمایاں اور بے پردہ ہوتی ہو۔ انسان کا ذہن طفولیت طبیعت حیوانی کے مقتضیٰ کے مطابق، بارش کی دلاویزی تو جلد نہیں پا سکتا تھا۔ لیکن رعد و برق کی ہولناکی سے فوراً ڈر گیا تھا۔ بجلی کی کڑک میں اس کے لئے پہلے خوف تھا۔ طمع پیچھے تھی!

بہرحال زندگی اور فطرۃ کائنات کے مظاہر کی پہلی تاثیر خوف و دہشت ہی کی تاثیر تھی۔ بادلوں کی گرج، بجلی کی کڑک، آتش فشاں پہاڑوں کا انفجار، زمین کا بھونچال، آسمان کی ژالہ باری۔ دریاؤں کا سیلاب، سمندروں کا تلاطم؛ اِن سب میں اُس کی عقل کے لئے رعب اور ہیبت تھی، اور اسی ہیبت کے اندر وہ ایک غضبناک خدا کی ڈراونی صورت دیکھ رہا تھا۔ وہ بجلی کی کڑک اور ہلاکت سے محبت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بادلوں کی گرج پر شیفتہ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ پہاڑوں کی آتش افشانی اور آسمان کی سنگ باری سے پیار نہیں کر سکتا تھا۔ اور اُس کا ذہن و ادراک خدا کے صرف انہی کاموں سے آشنا ہوا تھا!

ایک اور قریبی سبب بھی اس تصور کا باعث ہوا خود اُس کی زندگی بھی امن و راحت سے زیادہ اضطراب و ہلاکت سے دوچار تھی۔ وہ اپنی حقیقی اور فطری جبلت سے محروم ہو چکا تھا، اور اب [illegible] کمزور اور نہتا تھا، اور زمین زندگی اور [illegible] تعمیر در پیش تھی۔ وہ [illegible] اُس کے چاروں [illegible] دشمن تھی۔ زلزل کے بچھڑوں کے جھنڈ [illegible] تھے۔ طرح طرح [illegible] تھے۔ زہریلے جانور ہر طرف رینگتے تھے۔ [illegible] کھانے در پے حملہ تھا۔ اُس کی زندگی سرتاسر جنگ اور کشمکش تھی جس طرف دیکھتا تھا، ہلاکت ہی کا سامان نظر آتا تھا۔ اس ماحول کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ خالق کائنات کا تصور کرتے ہوئے اُس کا ذہن اُس کی ہلاکت آفرینیوں کی طرف جاتا۔ وجود اور زندگی بخشنے والی صفتوں کی طرف نہ جاتا۔ وہ صرف صفات سلبیہ کا تماشائی ہو سکتا تھا۔ ایجاب و تعمیر کی حقیقت شناسی ابھی اُس پر نہیں کھلی تھی!

تصور الٰہی کا یہ دَور سرتاسر قہر و غضب کے تصور کا دَور تھا۔ اس کی ابتدا ایک مبہم اور غیر معین خوف سے ہوئی اور پھر بہ تدریج ایک معین شکل و شباہت کی صورت اختیار کرلی۔ پھر اس صورت کی وضع و قطع میں ترقی شروع ہوئی اور ایک ناتراشیدہ حالت سے ایک مکمل خال و خد تک پہنچ گئی۔ امریکہ، آسٹریلیا، اور افریقہ میں عہد قدیم کے جو آثار ایسے ملے ہیں جن سے نوع انسانی کی ابتدائی پرستشوں کا پتہ چلتا ہو، اُن سے اس ابتدائی تصور کی کڑی طیار کی جا سکتی ہو۔ پرستش کی ناتراشیدہ، بے ڈھنگی، اور ناقص، مگر خوفناک صورتیں انسان کے عہد طفولیت کی یادگار ہیں۔ انسان کے دَور حجری (یعنی وہ زمانہ جب آلات و ظروف کے لئے صرف پتھر استعمال کیا جاتا تھا) کے آثار میں بھی اس تصور کا سراغ لگتا ہو۔ اس طرح کے بکثرت پتھر ملے ہیں جن پر انسان کے ابتدائی ذہن کی مصوری نے اپنے معبود کی صورت کا نقشہ کھینچنا چاہا تھا، اور کوشش کی تھی کہ زیادہ سے زیادہ ہولناک صورت بنا دے۔ اُس میں عجیب طرح کا دھڑ ہو۔ غیر متعلق و مربوط چہرہ ہو، مختلف قسم کے خوفناک جانوروں کی صورت کے غیر متناسب اجزا جمع کر دئے ہیں، اور مصوری کے نقص اور تصور کی ناتمامی نے ہیئت کی بدصورتی اور ہولناکی کا اثر اور زیادہ کر دیا ہو۔ خوفناک جانوروں کی پرستش بھی اسی عہد میں شروع ہوئی سانپ، اژدہا، مگرمچھ، اور اسی طرح کے جانور جن پر انسان بہ آسانی قبضہ نہیں کر سکتا تھا، اُس کے تصور میں ایک طرح کی الوہیت پیدا کر لیتے تھے۔

اس دَور کے ابتدائی عہد سے جب انسان آگے بڑھا۔ تو خدا کے تصور میں زیادہ نظم و اُسلوب پیدا ہوا۔ اب ایسی ایسی طاقتوں کا تصور کیا گیا جن کی الگ الگ صورتیں، الگ الگ دائرے، اور الگ الگ اعمال تھے۔ لیکن جہاں تک صفات کا تعلق ہو، سب قہر و غضب ہی کی صفات رکھتے تھے۔ ہندوستان، مصر، بابل، یونان، وغیرہ ممالک جہاں نوع انسان کو مختلف مرز بومی اسباب سے ترقی و تربیت کا زیادہ موقعہ ملا تھا، اس دَور میں نمایاں ہوتے ہیں، اور آثار قدیمہ ہمیں سراغ رسانی میں مدد دیتی ہیں۔ ان تمام ممالک میں علم الاصنام کی سب سے ابتدائی کڑیاں وہی ہیں، جو خالص قہر و غضب کی تصویرات تھیں۔ ہیرو ڈوٹس نے مصریوں کے جو حالات بیان کئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہو کہ اُن کا سب سے زیادہ قدیمی معبود ہورس تھا جو ہلاکت اور بربادی کی طاقت تھی۔ یونان کا علم الاصنام اپنی لطافت تخیل اور بلندی نوعیت کے لحاظ سے تمام دُنیا کے اصنامی تخیلات پر فوقیت رکھتا ہو، لیکن اُن کے یہاں بھی غضب و قہر کے دیوتاؤں کے تصورات، باقی دیوتاؤں سے زیادہ قدیم تھے۔ آریس جو آگے چلکر جنگ کا خدا ہو گیا، دراصل غضب و انتقام کا خدا تھا۔ آذلیس جسے آگے چلکر جہنم کی داروغگی ملی، شروع شروع میں ہلاکت اور انتقام کا دیوتا تھا۔ بابل اور آشور کے آثار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہو۔ بابل تصور الٰہی کے اُس عہد کا سب سے بڑا مرکز ہو، جو مظاہر سماوی کی پرستش کے سلسلے میں کواکب پرستی کا عہد تھا۔ لیکن یہاں بھی پرستش کی تمام ابتدائی صورتیں غضب و قہر ہی کی مظاہر تھیں۔ بابل کے آثار اصنام میں سب سے زیادہ قدیم اثر ایک عجیب الخلقت

عالم مطبوعات و صحائف

پروفیسر ہیوار کی یادداشتِ کتب

یورپ کے مستشرقین (اورنٹیلسٹ) نے قدیم آثار و علوم کی تحقیقات کے جو مختلف طریقے اختیار کئے ہیں، اُن میں ایک نہایت قیمتی طریقہ نوادر کتب کی مکمل یادداشتیں مرتب کرنے کا ہو۔

"یادداشتوں" سے مقصود یہ ہو کہ پرانی اور نادر کتابوں کے مختلف نسخے دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے ہیں کہیں اُن کا کوئی حصہ ہو، کہیں کوئی حصہ۔ کہیں ایک حصہ مسلّم ہو اور باقی ناقص ہو۔ کہیں دوسرا حصہ محفوظ اور پہلا حصہ ناقص ہو گیا ہو۔ کسی نسخہ کی کتابت غلط ہو لیکن ضخامت پوری ہو۔ کسی کی ضخامت ناقص مگر کتابت اچھی ہو۔ اب اس منتشر اور مختلف الاوصاف ذخیرہ سے ایک مکمل نسخہ کیونکر فراہم کیا جائے؟ اس کا صرف یہی طریقہ ہو کہ ان تمام نسخوں پر نظر ڈالی جائے، اور ایک جگہ کا نقص دوسری جگہ کی تکمیل سے پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔ مثلاً اگر ایک کتاب کی ۵ جلدیں ہیں اور دس جگہ اسکے نسخے موجود ہیں، تو بہت ممکن ہو کہ ایک جگہ جو جلد کم ہو، وہ دوسری جگہ موجود ہو، یا ایک جگہ کے نسخے میں جو ورق ناقص ہو گیا ہو، وہی دوسری جگہ کے نسخے میں صحیح و سالم مل جائے۔ مستشرقین یورپ نے متعدد اہم اور نادر کتابوں کے متعلق اس طرح کی معلومات فراہم کی ہیں اور انھیں یادداشت کی صورت میں قلمبند کر لیا ہو۔

یہ یادداشتیں نہایت قیمتی ہیں ان سے بہ یک نظر معلوم ہو جاتا ہو کہ فلاں کتاب کا مکمل نسخہ دُنیا کے فلاں فلاں کتب خانوں کے فلاں فلاں نسخوں، جلدوں، صفحوں، صفحوں کی سطروں، سطروں کے صحیح و سالم لفظوں کے باہمدگر جمع ہو جانے سے وجود میں آجا سکتا ہو!

یہ یادداشتیں مستشرقین یورپ کے ذوق علم اور محنت جستجو کی سب سے بڑی نمائش گاہ ہیں۔ بعض حالتوں میں صرف ایک چھوٹی سی کتاب کے مکمل اور صحیح نسخہ کی معلومات جمع کرنے کے لئے تمام دُنیا کھنگر کیا گیا ہو، اور ۵۰-۵۰-۶۰-۶۰ جگہوں کے نسخوں سے اُس کا ایک ایک ورق، ایک ایک سطر، ایک ایک لفظ، جمع کیا گیا ہو۔ ہمدانی کا جغرافیۂ عرب ۱۸۹۱ء میں پروفیسر ڈیوڈ مولیر Muller نے تصحیح و ترتیب کے بعد شائع کر دیا۔ شائع کرنے سے پہلے جو یادداشت انھوں نے اور لیڈن یونیورسٹی کے دیگر مستشرقین نے مرتب کی تھی، وہ ہمارے پاس موجود ہو، اور اسے دیکھ کر ان پرستاران علم کی محنتوں کی بے اختیار داد دینی پڑتی ہو۔ ہمدانی کے جغرافیہ کے سترہ نسخوں کا اُنھوں نے پتہ لگایا تھا جو کرۂ ارضی کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے تھے لیکن ان میں کوئی بھی نقص سے خالی نہ تھا۔ انھوں نے ان سب کے ایک ایک صفحہ، ایک ایک سطر، ایک ایک لفظ پر نظر ڈالی، اور نسخوں اور انکے اوراق و سطور کے حوالوں کے ساتھ ایسی یادداشت مرتب کر لی جس سے بہ یک نظر معلوم ہو جاتا ہو کہ ان سترہ جگہوں سے ایک ایک ٹکڑہ چن کر، کس طرح ایک صحیح و مکمل نسخہ مرتب کر لیا جا سکتا ہو۔

مثلاً یادداشت بتلاتی ہو کہ کتاب کے صفحہ ۴ کی سطر کا پہلا لفظ برلین کے نسخہ میں کرم خوردہ ہو لیکن روم کے نسخہ میں صحیح باقی

کا ولولہ پیدا کیا، تو ذہن و فکر نے چاہا، اُس کا تصور کرے۔ لیکن جب تصور کیا، تو یہ اُس کی ذات کا تصور نہ تھا۔ اُس کی صفات کا تصور تھا۔ وہ یکے بعد دیگرے صفات الٰہی کے نقشے کھینچتا گیا، اور اپنی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اپنے خالق و معبود کی شکل و شباہت بھی بدلتا گیا۔ وہ ہر تبدیلی کے بعد ایک نئی صورت کا خدا اپنے سامنے دیکھتا، مگر نہیں سمجھتا کہ یہ صورت اُسکے خدا کی صورت نہیں ہے۔ خود اُسی کے ذہن و ادراک کی صورت ہے۔ خدا کی صورت ایک ہی تھی، لیکن اس کی نظر ہمیشہ یکساں نہ تھی۔ نظر و مشاہدہ میں جیسی جیسی تبدیلیاں ہوتی گئیں، منظور و مشہود بھی بدلتا گیا۔ اس راہ میں عقل انسانی کی پہلی اور بنیادی درماندگی یہی ہے:

اے بروں از وہم و قال و قیل من!
خاک بر فرق من و تمثیل من!

عقل انسانی کا ادراک محدود تھا۔ اُس کے تصور کے سامنے محسوسات کی دیوار کھنچ گئی تھی۔ وہ حواس کے دائرہ میں محصور اور حدود و امکان کی جبلی بندشوں میں اسیر تھا۔ وہ صرف محسوسات ہی کا تعقل کرسکتا تھا، اور اُنہی کی شکل و شباہت میں ہر چیز کو دیکھ سکتا تھا۔ پھر اُس کے عقل و ادراک کی یہ جتنی بھی رسائی تھی، بہ یک دفعہ کام نہیں دے سکتی تھی۔ نشوونما اور ارتقاء کی محتاج تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جونہی فطرۃ کے مجرد اور بے میل جذبہ سے ذہن و فکر کی صورت آرائیاں اور شباہت آفرینیاں ملیں، خدا کے تصور کی جگہ ایک ایسی ہستی کا تصور پیدا ہوگیا، جو خالق کا تصور نہ تھا۔ خود انسان کے ذہنی تصورات کی مخلوق تھا۔ وہ اپنے ادراک کے آئینہ میں خود اپنے چہرہ کا عکس دیکھتا، اور اُسی کو اپنا معبود سمجھ کر سربسجود ہوجاتا۔ اُس کا دل ہمیشہ خدا کی صورت دیکھنی چاہتا۔ مگر اُس کا دماغ ہمیشہ اپنی ہی صورت کی پرستش کرتا۔ مولنا نے ایک چرواہے کی حکایت میں جس کے لئے حضرت موسیٰ کا زمانہ فرض کیا گیا ہے، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

اے کہ اندر چشمۂ شور ست جات ۔۔۔ تو چہ دانی شط و جیحوں و فرات؟
چوں قدم آمد، حدث گردد عبث ۔۔۔ پس کجا داند قدیمی را حدث؟
چوں توہم میکنی تو نور ذات ۔۔۔ ذات نبود، وصف اسما و صفات
وہم مخلوق ست و مولود آمدست ۔۔۔ حق نزائیدست او لم یولدست!

بہرحال خدا کی ہستی کے اعتراف و یقین کے فطری جذبہ نے جب تصور کی شکل اختیار کی، تو یہ ذہن و فکر کا عمل تھا، اور ضروری تھا کہ اُس کی حالت اور استعداد کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسمیں بھی ترقی ہوتی رہتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اگر آج انسان کے تمام الٰہی تصورات یکے بعد دیگرے سامنے لائے جائیں، تو وہ انسانی ذہن کے سلسلۂ ارتقا کی سب سے زیادہ واضح تاریخ ہوگی۔ وہ اگرچہ بظاہر خدا کے تصور کا ارتقا ہوگا، لیکن بہ باطن خود ذہن انسانی کے ارتقا کے تمام حلقے ایک ایک کرکے سامنے آجائیں گے۔ کانٹ کے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ "ذہن انسانی کی استعداد فکر کا سب سے بڑا معیار، اُس کا تصور الٰہی ہے۔ جب کبھی اُسنے ایک نچلا درجہ چھوڑ کر بلند تر درجے پر قدم اُٹھایا ہے، تو سب سے پہلے خدا ہی کی طرف نظر اُٹھائی ہے" اسی مطلب کی طرف اخوان الصفا کے مصنفوں نے زیادہ صاف لفظوں میں اشارہ کیا تھا: "انسانوں کی کسی جماعت اور اُس کے کسی عہد کی عقلی استعداد کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اُسکے تصور الٰہی پر نظر ڈالی جائے۔ جس درجہ یہ تصور شائستہ اور بلند ہوگا، اُتنی ہی اُس جماعت اور اُس عہد کی عقلی استعداد ترقی یافتہ ثابت ہوگی"! ہیگل نے بھی اسی طرف توجہ دلائی ہے: "تاریخ میں کسی قوم کی عقلی اور تمدنی استعداد معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ معلوم کرو کہ اُسنے اپنی پرستش کے لئے کیسا خدا منتخب کیا تھا؟"

انسانی ذہن و فکر کی اس درماندگی میں وحی و نبوت کی دستگیری ہمیشہ نمایاں ہوتی رہی۔ لیکن وہ اس راہ میں عقل انسانی کی اُسی حد تک رہنمائی کرسکتی تھی، جس حد تک اُس کی استعداد ساتھ دینے کے لئے طیار تھی۔ انبیاء کرام (علیہم السلام) کی تعلیمات کا پیرایۂ و اُسلوب بھی دراصل اُن کے زمان و مکان کی عقلی استعداد کا نتیجہ ہوتا ہے وہ مجمع انسانی کے معلم و مربی تھے۔ اس لئے اُسی درجہ کا سبق دے سکتے تھے، جس درجہ کہ فہم و تحمل کی استعداد مخاطبین میں پیدا ہوگئی تھی۔ وہ اس سلسلۂ ارتقاء سے باہر نہیں ہیں۔ اسی کے نشوونما ترقی کی مختلف کڑیاں ہیں۔

تصور الٰہی کے دو بنیادی اصول

نوع انسانی کے تصور الٰہی کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے، تو اگرچہ اُس کی نوعیت کی بے شمار صورتیں اور قسمیں سامنے آئیں گی، لیکن بڑی اور اصولی تقسیم دو بنیادی نوعیتوں کی بنا پر کی جاسکتی ہے:

(۱) تجسم اور تنزہ

(۲) صفات جلالیہ اور جمالیہ

ذہن انسانی نے جب فطرۃ کی آواز سنی اور خدا کا تصور کرنا چاہا، تو وہ بغیر شکل و شباہت کے اُس کا تصور نہ کرسکا۔ یہی تجسیم اور تمثیل کی بنیاد ہے۔ یعنے خدا کے لئے ایسی صفات تجویز کرنا جیسی صفات مخلوقات و موجودات کے ہم محسوس کر رہے ہیں۔

پھر چونکہ اُس کا ذہن و فکر عہد طفولیت میں تھا اور نشوونما ترقی کے لئے ایک طولانی عمر کا محتاج تھا، اس لئے اس شکل و شباہت کا نقشہ بھی زیادہ شائستہ اور بلند نہ کھینچ سکا۔ وہ دراصل اپنے ہی صفات کا عکس طیار کر رہا تھا، اُس کی صفات ابتدائی عہد کے ناقص اور ادنیٰ درجہ میں تھیں اس لئے ویسے ہی صفات سے اُسنے اپنے خدا کا خال و خد بھی آراستہ کیا!

یہ صفات ابتدا میں سرتاسر قہر و جلال کی صفات تھیں۔ پھر ان میں رحم و جلال کی بھی آمیزش ہوئی، لیکن غلبہ قہر و جلال ہی کو رہا۔ اُس کے تصور میں پہلے دہشت آئی۔ پھر اُمید نے ظہور کیا۔ وہ پہلے خدا سے صرف ڈرتا تھا۔ پھر اُمید کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ محبت بھی کرنے لگا!

چنانچہ اس سلسلہ کے ارتقائی تغیرات میں یہی دو باتیں سب سے زیادہ نمایاں اور بمنزلہ اصل و معیار ہیں۔ اس سلسلہ کی ابتدا تجسم اور قہر و جلال سے ہوتی ہے، اور تکمیل تنزہ اور رحمت و جمال پر۔ درمیان کی تمام کڑیاں، ارتقائی کڑیاں ہیں۔ جوں جوں انسان کی معنوی استعداد ترقی کرتی گئی، وہ تجسم سے تنزہ کی طرف اور صفات قہر و جلال سے رحمت و جمال کی طرف ترقی کرتا گیا۔ یہاں تک کہ تکمیل کی آخری منزل نمودار ہوگئی۔

تجسم اور تنزہ پر دوسری جگہ مستقلاً بحث کی گئی ہے۔ یہاں اس کا ذکر تبعاً آگیا ہے۔ یہاں کا اصلی موضوع صرف صفات قہر و جلال اور رحمت و جمال کے ارتقائی تغیرات ہیں۔

(یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں "ابتدا" اور "ابتدائی عہد" کے الفاظ سے نوع انسان کی حقیقی ابتدا مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم کی تصریحات کے مطابق نوع انسانی کی ابتدائی زندگی، اُس کی فطری اور بے آمیز زندگی تھی، اور چونکہ وہ فطرۃ حالت ہدایت میں پیدا کیا گیا ہے نہ کہ ضلالت میں، اس لئے اُس کے تمام عقائد و تصورات بھی اپنی فطری ہدایت پر قائم تھے۔ منحرف اور کج اندیش نہ تھے۔ لیکن اُس کے بعد مختلف اسباب سے وہ حالت باقی نہ رہی فطرۃ کی سادہ ہدایت کی جگہ اکتساب کی گمراہیاں پیدا ہوگئیں، اور بڑھتے بڑھتے اس درجہ تک پہنچ گئیں، کہ پہلی حالت بالکل منقلب ہوگئی۔ اسی عہد سے انسان کی معنوی زندگی کی ایک دوسری نشئتہ شروع ہوتی ہے، اور اُس کی "ابتدائی" زندگی اور "عہد طفولیت" سے اسی دوسرے عہد کی ابتدا مقصود ہے۔ شرح اس حقیقت کی اشارات میں ممکن نہیں اور یہ محل تفصیل نہیں)

دَور قہر و جلال

یہ عجیب بات ہے کہ تاریخ میں انسان کا قدیم سے قدیم تصور الٰہی جو ہمارے سامنے آتا ہے، وہ سرتاسر خوف اور دہشت کا تصور ہے۔ رحم، محبت، اور جمال کا اسمیں کوئی عنصر نظر نہیں آتا۔ خدا کا تصور اُسکے لئے صرف ڈرنے کی چیز تھی۔ امید، اُنس، اور محبت کی چیز نہ تھی۔ وہ اُس کے قہر و غضب کی ہولناکیوں سے ڈرتا تھا، اس لئے اُس سے بچنے کے لئے اُس کی پرستش کرتا تھا۔

انسان کی پرستش خدا سے بچنے کے لئے تھی۔ خدا کی طرف بڑھنے اور اُس سے محبت کرنے کے لئے نہ تھی۔ وہ ایک ڈراؤنی اور ہولناک طاقت سے محبت کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا!

بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے مگر فی الحقیقت عجیب نہیں ہے۔ انسان خدا کی صفات کو کائنات عالم کے فطری مظاہر میں دیکھتا تھا۔ یہی مظاہر اُس کے تصور میں خدا کے اعمال کا تصور پیدا کرتے تھے۔ فطرۃ کائنات میں کون و فساد ہے۔ یعنے وہ کائنات کی زندگی اور بقا کے لئے بہ یک وقت بناؤ اور بگاڑ، دونوں کا عمل جاری رکھتی ہے۔ انسان نے جب اپنی ابتدائی عقل و ادراک سے مظاہر فطرۃ پر نظر ڈالی، تو اُس کی نظر فطرۃ کے بناؤ کا حسن نہ دیکھ سکی۔ اُسکے بگاڑ کی ہولناکیوں سے سہم گئی۔ فطرۃ کا جمال ایجاب و تعمیر سلبِ تخریب کے نقاب میں پوشیدہ ہے۔ اُس تک پہنچنے کے لئے عقل و ادراک کی زیادہ تیز اور دوررس نگاہ کی ضرورت تھی۔ یہ ابھی اُسے میسر نہیں آئی تھی۔ پس صورت کائنات کا پہلا اثر جو اُس کے ذہن و ادراک کی نارسائی نے قبول کیا، جمال و رحمت کی دلآویزی نہ تھی۔ جلال و قہر کی ہولناکی تھی۔ اسی ہولناکی سے اُسنے خدا کی شکل و شباہت کا نقشہ بھی کھینچ لیا۔ قدرتی طور پر یہ نقشہ ڈراؤنا تھا۔ محبوب و دلآویز نہ تھا۔

اس عالم اثر و تاثر میں ہر چیز کی طرح ہر فعل بھی ایک قدرتی طبیعت اور مزاج رکھتا ہے۔ تخریب کے مزاج میں شورش اور ہولناکی ہے، اور تعمیر سرتاسر سکون اور خاموشی ہے۔ تعمیر جمع، نظم، ترتیب، اور ایجاب ہے۔ تخریب تفرقہ، برہمی، اضطراب، اور سلب و نفی ہے۔ جمع و نظم کی حالت ہی سکون ہے۔ اور تفرقہ و برہمی کی حالت ہی شورش و اضطرا کی حالت ہے۔ دیوار جب بنتی ہے تو کوئی ہولناکی محسوس نہیں ہوتی لیکن اُس کے گرنے میں دھماکا ہوتا ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر تخریب کا عمل تعمیر سے زیادہ نمایاں اور پرشور ہے۔ تخریب کی ہیبت فوراً ڈرا دیتی ہے، لیکن تعمیر کی دلآویزی آہستہ آہستہ نمایاں ہوتی ہے۔ تخریب کا دھماکا دور سے بھی سُن لیا جاسکتا ہے، لیکن تعمیر کا خاموش عمل دیکھنے کے لئے نزدیک آنے کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانی طبیعت تعمیری اور ایجابی افعال سے اُنس پکڑنے میں دیر لگاتی ہے لیکن تخریبی اور سلبی افعال سے فوراً ڈر جاتی ہے۔ جانور ڈرتے زیادہ ہیں۔ اُنس کم پکڑتے ہیں۔ انسان کا بچہ بھی ابتدا میں ہر چیز سے سہمتا اور ڈرتا ہے۔ پھر جوں جوں اُس کی ذہنی استعداد بڑھتی جاتی ہے، ڈر کم ہوتا جاتا ہے اور موانست بڑھتی جاتی ہے۔

نوع انسانی کا اُسکے عہد طفولیت میں یہی حال تھا۔ کائنات فطرۃ فی الحقیقت سرتاسر وجود، تعمیر، اور ایجاب ہے، اور اسمیں کو

لاتهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحکیم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۹ | کلکتہ : جمعہ ۱۳ ۔ صفر ۱۳۴۶ ہجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 12, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رہکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الہلال چھپتا ہی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاہین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ہمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اہم مسئلہ ہی ۔ ضروری ہی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔ الہلال

قارئین الہلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۵۶۱ مراسلات وصول ہوی ہین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہی :

عربی حروف کی حق مین	۵۶	اردو حروف کی حق مین	۱۸۲
موجودہ مشترك طباعۃ کی حق مین	۱۰۵	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۱۷۸	نستعلیق ہون	۴۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری مین بعض اہم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ہی، اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ہی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت ہی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الہلال

ہی۔ وہاں سے لے لیا جا سکتا ہی۔ روم کے نسخہ میں پانچویں سطر پڑھی نہیں جاتی لیکن سلوسٹر دے ساسی کے نسخہ میں موجود ہی۔ وہاں سے لے لی جائے۔ اسی طرح پوری کتاب کا ایک ایک لفظ بذریعہ یادداشت مرتب کرلیا ہی۔ ساتھ ہی تمام نسخوں کے چھوٹے چھوٹے لفظی اختلافات کے بھی حوالے دیدیئے ہیں۔ بعد کو یہ اختلافات کتاب کے ساتھ شائع کردیئے گئے۔ ان کی ضخامت اصل کتاب سے بھی دو گنی ہی۔ ایک پوری جلد صرف فہرست اور اختلافات پر مشتمل ہی!

اسی طرح طبقات ابن سعد کی یادداشت دو جلدوں میں مرتب ہوئی تھی۔ اس کے ایک ایک ورق اور ایک ایک سطر کے لئے بار بار دنیا کا سفر کیا گیا تھا۔ اس کی ایک ایک سطر، دس دس بیس بیس جگہوں کے نسخوں کو باہم کر ملانے کے بعد حاصل ہو سکی۔ بعد کو یہ کتاب چھپ گئی، لیکن اس کی یادداشت اب بھی علم و جستجو کا ایک قیمتی خزانہ ہی۔

یہ یادداشتیں زیادہ تر علمی جماعتوں نے مرتب کی ہیں مگر بعض ایسی بھی ہیں جو کسی ایک شخص کی تنہا جستجوئے علم کا نتیجہ ہیں۔ انیسویں صدی کے مستشرقین میں پروفیسر رینوڈ Reinaud، اتین کاٹریمر Etienne Quatremere، ڈیرنبرگ Fliegel، گستاؤ فلوگل Deren bourg، فلایشر Fleischer، اور دی گویہ De goeje، کی یادداشتیں نہایت قیمتی ہیں۔ زمانۂ حال کے مستشرقین میں مشہور جرمن مستشرق پروفیسر تھیوڈر نولڈیک Theodar Noeldeke اور پروفیسر گولڈزیہر Goldziher کی یادداشتیں شائع ہو چکی ہیں اور نہایت قیمتی معلومات پر مشتمل ہیں۔

حال میں ایک نہایت قیمتی یادداشت پروفیسر ہیوار Huart نے شائع کی ہی جو ہمیں گزشتہ مہینے پیرس سے وصول ہوئی ہی۔ اس یادداشت میں پروفیسر موصوف نے نہ صرف اپنی جستجوؤں کے نتائج درج کئے ہیں بلکہ گزشتہ دور کے دو بہت بڑے فرانسیسی مستشرقوں پروفیسر دی سلان De Slane اور پروفیسر ڈیرن برگ Deren bourg کی بعض غیر مطبوعہ یادداشتوں سے بھی ضروری فوائد اخذ کئے ہیں۔

پروفیسر دی۔ سلان کا انتقال ۱۸۷۹ء میں ہوا۔ وہ انیسویں صدی کے مشاہیر مستشرقین میں تھے۔ مقدمۂ ابن خلدون، تاریخ بربر ابن خلدون، اور ابن خلکان کا فرانسیسی ترجمہ انہی کے قلم کا رہین منت ہی۔ مقدمہ ابن خلدون کے ترجمہ و اشاعت کا کام در اصل ایٹن کواترمیر نے شروع کیا تھا۔ مگر تکمیل انہی کے قلم دستی سے ہوئی۔ قومی کتب خانہ پیرس کے مشرقی مخطوطات کی فہرست بھی انہی نے مرتب کی تھی۔

پروفیسر ڈیرن برگ کا انتقال ۱۹۰۸ء میں ہوا۔ یہ اسی نام کے مستشرق باپ کا مستشرق بیٹا ہی۔ سیبویہ کی الکتاب (جو کلکتہ میں ایشیاٹک سوسائٹی چھاپ چکی ہی) یورپ میں اسی کے اہتمام سے چھپی تھی۔ کتاب الفخری، دیوان نابغہ، کتاب الاعتبار ابن منقذ وغیرہ بھی اسی کی سعی و محنت سے مرتب و شائع ہوئی۔ بعد کو الفخری کی نقل مصر میں شرکت احیاء کتب عربیہ نے بھی چھاپ دی۔

پروفیسر ہیوار موجودہ عہد کے مستند فرانسیسی مستشرق ہیں۔ پہلے مصر کے فرانسیسی قنصل خانہ میں کاتب تھے۔ پھر ترقی کرتے کرتے قنصل جنرل ہوگئے۔ اب ایک عرصے سے پیرس کے مدرسہ لغات حیۂ عالیہ کے معلم ہیں۔ اسلامی و عربی علوم و ادب پر ان کی

مصنفات بکثرت شائع ہو چکی ہیں۔ تاریخ عرب، تاریخ ادبیات عرب، تاریخ بغداد جدید، وغیرہ کتابیں مشہور و مقبول ہیں۔ ابو زید بلخی کی کتاب الخلیقہ انہی کی سعی و اہتمام سے شائع ہوئی۔ کای فونگو (چین) کی ایک قدیم مسجد کے عربی و فارسی نقوش پر بھی ان کا ایک رسالہ شائع ہو چکا ہی۔ اس یادداشت میں عربی اور فارسی، دونوں زبانوں کے بعض نوادر پر معلومات موجود ہیں۔ (ایک ترکی (عثمانی) کتاب کا بھی ذکر ہی۔ ہم آئندہ اس کے بعض اہم فوائد ہدیۂ قارئین کریں گے۔

امام ابن قیم کی کتاب العلم والعلماء

امام ابن قیم کی مصنفات کا بڑا ذخیرہ شائع ہو چکا ہی، لیکن روز بروز نئی کتابیں نکلتی ہی آتی ہیں۔ حافظ ابن رجب نے طبقات میں ان کی ایک کتاب کا نام "کتاب العلم والعلماء" لکھا ہی۔ اب تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اب معلوم ہوا ہی کہ اس کا ایک نہایت عمدہ نسخہ جس پر ان کے شاگرد فیروزآبادی (صاحب قاموس) کا دستخط ثبت ہی، دمشق میں نکل آیا ہی اور اسکی اشاعت کا اہتمام کیا جا رہا ہی۔

العبر فی اخبار البشر

البلال نمبر ۲ میں ہم نے امام شمس الدین ذہبی، کی تاریخ کبیر کی نسبت اطلاع دی تھی۔ اب معلوم ہوا ہی کہ ان کی ایک دوسری تاریخ "العبر فی اخبار البشر" بھی زیر تصحیح و طباعت ہی۔

امام موصوف نے اپنے تذکرہ میں خود تصریح کی ہی کہ انھوں نے پہلے مطول و مبسوط تاریخ الاسلام (تاریخ کبیر) لکھی۔ پھر اس سے مختصر اور منتخب کرکے چار چھوٹی چھوٹی کتابیں الگ کرلیں:

(۱) الدول الاسلامیہ: یہ تاریخ کبیر کا اختصار ہی، اور بعض کتابتوں میں چار جلدیں ہیں بعض میں دو۔ اس کا سب سے زیادہ بہتر اور مکمل نسخہ قسطنطنیہ کے کتب خانہ کوپرلی میں ہی۔

(۲) طبقات الحفاظ: اسمیں صرف ان حفاظ حدیث کے حالات لے لئے ہیں جن کے تراجم بسلسلۂ تاریخ تاریخ کبیر میں آئے تھے۔ حافظ جلال الدین سیوطی کی طبقات اسی کا اختصار و تکملہ ہی۔ ۱۸۳۳ء میں پروفیسر وسٹنفیلڈ نے اسے تین جلدوں میں چھاپکر شائع کیا۔

(۳) طبقات القراء: اسمیں قراء کے تراجم تاریخ کبیر سے اخذ کرکے بترتیب طبقات جمع کئے ہیں۔ اسکے نسخے پیرس کے قومی کتبخانہ اور قسطنطنیہ کے کتبخانہ کوپرلی اور ینی جامع میں موجود ہیں۔ متعدد علماء نے اس کے ذیل بھی لکھے تھے۔ حافظ سیوطی کا ذیل چھپ گیا ہی۔

(۴) العبر فی اخبار البشر یہ ایک مختصر تاریخ عام دو جلدوں میں ہی۔ اسمیں اور دول الاسلامیہ میں یہ فرق ہی کہ اسکی ترتیب حروف تہجی کی ترتیب ہی۔ اس کی ترتیب سنین کی ترتیب ہی۔ سنہ ہجری کی ابتدا سے لے کر ۷۴۰ھ کے تمام حوادث و وفیات اسمیں مل جاتے ہیں۔ ابن شماع (متوفی ۹۳۶ھ) نے اس کا ذیل لکھا تھا۔ اسکے نسخے برٹش میوزیم اور ایا صوفیا قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

اسی آخری کتاب کے متعلق معلوم ہوا ہی کہ بعض اہل علم کی سعی سے قاہرہ میں چھپنا شروع ہوگئی ہی۔ عنقریب پہلی جلد مکمل ہوکر شائع ہو جائے گی۔

فہرست

نوجوان چونک اُٹھا - اِدھر اُدھر گھبراھٹ سے دیکھنے لگا - سمجھا ' اُسکے هم مدرسه پکار رهے هیں - مگر وهاں کوئي انساں بھي نظر نه آیا -

" دیوکلس !" ــــ " دیوکلس !" نوجوان تمنائي نے نگاہ اُٹھا کر بت کو دیکھا - کیا دیکھتا هے که سچ مچ کو اُسکے هونٹ هل رهے هیں ! ... اچانک سنگ مرمر کے هاتھه میں جنبش هوئي ......

دیوي نے اپنا هاتھه دیوکلس کے کندھے پر رکھه دیا ...... بجلي کي ایک طاقتور لہر اُسکے بدن میں دوڑ گئي - بید کي طرح تھر تھرانے لگا - خوف کي شدت سے اُسکے حواس معطل هوگئے ......

لیکن آواز ابتک آ رهي تھي " دیوکلس ! " " دیوکلس !"

"دیوکلس ! تونے مجھے پکارا - لے ' میں آگئي - تیري مناجات میں نے سن لي - بول ' کیا مانگتا هے ؟"

دهشت سے نوجوان کي سانس رک گئي - بے اختیار زمین پر گر پڑا - قریب تھا ' بیهوش هو جائے - جب کچھه عرصه کے بعد اُسکے هوش حواس واپس آنے لگے - تو اُس نے خوفزدہ نظروں سے دیوي کو دیکھا :

" هاں مقدس دیوي !" اُسنے کانپتي هوئي آواز سے کہا " میں هي تیرے حضور زار نالي کر رها تھا - مجھے " حقیقت " کي جستجو هے - میں " حقیقت " کو دیکھنا چاهتا هوں - میں اُسے بے نقاب دیکھنا چاهتا هوں ... "

" تو حقیقت کي کھوج میں هے !" دیوي نے اپني پر رعب آواز میں کہا " حقیقت خود یہي " وجود " هے - حقیقت کہاں نہیں هے ؟ لیکن هاں ' بے پردہ ' بے نقاب حقیقت ' کبھي کوئي کائناتي نگاہ نه دیکھه سکي - کسي نے اسکے دیکھنے کي جرأت بھي نہیں کي - بے نقاب حقیقت انسان کي حد نگاہ سے باهر هے - تاهم اگر تیري یہي ضد هے تو سمجھه لے ' تجھے بڑي قیمت ادا کرني پڑیگي ' ایسي بڑي ' جسکي شاید تجھے قدرت نہیں - تجھے دولت ' عظمت ' حسن ــــ سب سے دست بردار هوجانا پڑیگا - تجھے زندگي کا بھي آرزومند نه هونا چاهیے - دیوتاؤں نے " حقیقت " سے بڑھکر کوئي دولت کائنات کي اولاد کو نہیں دي هے "

" میں اِن سب سے همیشه کیلیے بخوشي دست بردار هوتا هوں " دیوکلس نے خوش هوکر کہا " میں سورج بھي چھوڑنے پر طیار هوں "

دیوي نے اپنا سر جھکا لیا - هر طرف خاموشي پھیل گئي - درخت " زفس " کي اِس با عظمت لڑکي کي تعظیم میں جھک گئے !

دیوي نے پھر سر اٹھایا :

" بہتر " اُسنے آدمیوں کي طرح لفظوں میں کہا " تجھے حقیقت دکھادي جائیگي - لیکن ایک هي مرتبه میں تو اُسے نہیں دیکھه سکتا - میں هر سال ایک دفعه تجھے وهاں لیجایا کرونگي - تو اُسکے چھپانے والے پردوں میں سے ' هر مرتبه ' ایک پردہ چاک کرسکے گا ... تو زندگي کے لباس میں رهے گا ' یهانتک که حقیقت عریاں اپني آنکھوں سے دیکھه لے "

***

نوجوان کا چهرہ مسرت امید سے دمکنے لگا - وہ خاموش رها که دیکھے اب دیوي کیا کرتي هے - اچانک وہ حیرت سے دم بخود هوگیا - دیوي نے اپني سنگ مرمر کي چادر اتار دي - دیوکلس کي آنکھیں دختر زفس کے حسن و جلال سے چکا چوند هوگئیں - چشم زدن میں بت نور کا پتله بن گیا - ... اب اُس میں حرکت هوئي - ... اُسنے نوجوان کو گود میں اٹھا لیا - لامتناهي فضا میں پرواز شروع کردي - ایک نامعلوم خطه میں جا پہنچي - دیوکلس نے دیکھا ' ایک سر بفلک پہاڑ پر وہ کھڑا هے ...

یہاں ' پہاڑ پر ' نوجوان نے کالي بدلیوں کے اندر ایک پر چھائیں سي دیکھي - جوش شناخت میں اسکي روح اُسکے حلقه هائے چشم میں سمٹ آئي مگر وہ اسکے خال و خط نه دیکھه سکا !

" یہي حقیقت هے " دیوي نے اپني انگلي سے اشارہ کرکے کہا " یہي اپني دھندلي شعاعیں زمین پر ڈالتي هے اور فلسفي اور حکیم اُن میں نور حق کا سایه ڈھونڈھتے هیں - اگر یه شعاعیں نه هوتیں تو دنیا تاریک رات کي طرح اندھیري هوجاتي - انسان کي نگاہ حقیقت کو اِنهي شعاعوں میں دیکھه سکتي هے - تم دیکھه رهے هو ' وہ کس قدر هلکي ' کیسي دھندلي شعاعیں هیں ؟ حقیقت بے حد روشن هے - اتني روشن که سورج کي روشني سے بھي تم اسکا قیاس نہیں کرسکتے - مگر وہ اِن پردوں کے اندر چھپي هوئي هے - صرف اُسکا سایه هي نظر آسکتا هے - آگے بڑھ ' اور اُسکا ایک پردہ چاک کوڈال"

دیوکلس نے دیوي کے حکم کي تعمیل کي -

هاتھه لگتے هي پردہ سفید پرند بن گیا - تھوڑي دیر نوجوان کے سر پر منڈلایا - پھر سیدھا آسمان کے طرف اُڑ گیا !

دیوکلس نے اب دیکھا - حقیقت کي شعاعیں پہلے سے زیادہ صاف اور روشن هیں !

دیوي اُسے پھر زمین پر اُڑا لائي - وہ اپني اکاڈیمي میں گیا ' اور دیوي اپنا مرمري جامه پہنکر پھر بت بن گئي !

***

دیوکلس نے دیوي سے اپنا وعدہ پورا کیا - آرام و راحت سے منهه موڑ لیا ' خلوت میں بیٹھا ' اور غور و فکر میں یکقلم مستغرق هوگیا -

اب وہ انسانوں کے کسي مجمع میں نظر نہیں آتا تھا - اِیتھنس کے تمام میلے اس سے خالي هو گئے تھے -

دوسرے سال اپنے مقررہ وقت پر ' وہ پھر سنگ مرمر کے بت کے سامنے سر بسجود تھا - دیوي نے حرکت کي ' اور پہلي مرتبه کي طرح اُسے غیر معلوم پہاڑ پر اُڑا لے گئي - اب اُسنے حقیقت کا دوسرا پردہ چاک کردیا - اس مرتبه روشني اور بھي زیادہ تیز هو گئي - پھر وہ زمین پر واپس آ گیا - اُسکي زهد و خلوت پسندي اب اور زیادہ گہري هو گئي تھي -

***

اُسکے رفیق اِس تبدیلي پر متعجب تھے - اُنھوں نے اُسے بہت بہت پھسلایا ' مگر وہ اپنے گوشۂ انزوا سے باهر نه نکلا -

ایتھنس کي بعض حسین دوشیزہ لڑکیوں سے اُسکي ملاقات تھي - ایک فتنه گر حسن اُس سے محبت بھي کرتي تھي - اُسکي یه حالت دیکھکر ایک دن اُسکے پاس گئي :

" دیوکلس ! کیا بات هے ؟ " دوشیزہ نے مسکرا کر کہا " تم مجھه سے بیزار کیوں هوگئے ؟ یه دیکھو ' میري آنکھیں ستاروں کي طرح چمکتي هیں - میرے بال شعاعوں سے بھي زیادہ چمکیلے هیں - میرا جسم کیسا دلفریب هے ؟ میں نے تمھارے سوال محبت کا جواب دیا تھا ' مگر اب میں خود تم سے جواب محبت کي سائل هوں - مجھے دیکھو ' میري محبت کي تحقیر نه کرو - خود دیوتا بھي محبت سے انکار نہیں کرتے "

افسانہ

حقیقت، کہاں ہے ؟

یونانی علم الاصنام کا ایک افسانۂ حکمت

قدیم یونان کے مرکز ایتھنس ' فلسفه کے گہوارے اور حکمت کے سر چشمے پر ' رات کي خاموشي چھا گئي تھي -

رات نے اپني سیاہ قناتیں تان دیں - محو خواب شہر کي لمبي سانسوں کے سوا کوئي آواز سنائي نہیں دیتي - اتنے میں چاند نکل آیا - روپہلي چاندني کوہ و دشت پر پھیل گئي - مندروں کي سنہري برجیاں چمک اٹھیں - زیتون اور خرمے کے درخت بے ساختہ کھلکھلا اٹھے !

شہروں کي ملکه ایتھنس سو رہي ہے - دروازوں پر چوکیدار اونگھہ رہے ہیں - لیکن ' صرف ایک نوجوان ہے جو اب تک جاگ رہا ہے !

دیوکلس حسن ' ذہانت ' دولت کے خزانوں کا مالک ہے - اکاڈیمي میں حکمت کا طالب علم ہے - اپنا پورا دن ' اور رات کے بھي بہت سے گھنٹے ' علم و حکمت کے پہلو میں گزارتا ہے - صحبت و معاشرت سے بیزار ہے - ایک پورے حکیم کي طرح پورا خلوت پسند ہے - تفکرات کے سمندر میں شب و روز غواصي ؛ بس یہي اُس کا مشغله ہے -

ایتھنس ' یعني حکمت کي دیوي کا مرمري خوبصورت بت اکاڈیمي کے صحن میں نصب تھا - دیوکلس سب طالب علموں سے زیادہ ' حکمت کے اس خاموش مجسمه کے پاس جاتا اور ہمیشه اُس کے تصور میں غرق رہتا - اُس کي دل کي مناجاتوں کا قبله یہي تھا - اُس کے دماغ کے استغراق کا مرکز اِسي میں تھا - وہ اس کي دلفریب صورت پر غور کرتا - وہ اُس کے جمال معني و حقیقت کي جستجو میں محو ہوجاتا - وہ اُس سے حکمت کي وحي اور علم کا پیام رباني طلب کرتا - وہ حکمت کي جستجو میں حکمت کے مجسمه کا عاشق تھا !

***

آج رات دیوکلس پھر دیوي کے سامنے دست بسته کھڑا ہے -

رات ڈھل گئي ' مگر وہ بے حس و حرکت کھڑا ہے - اچانک اُس نے سر اٹھایا اور بت کے قدموں پر گر پڑا - بوسوں پر بوسے لیے - آنسوؤں سے اُس کے پاؤں دھونے لگا :

" اے علم و حکمت کے مظہر محبوب ! رحم ' رحم ' مجھے ایک نظر دیکھه لے ! ایک مرتبه کے لیے میري التجائیں سن لے ! "

وہ دیر تک آنکھوں کے آنسوؤں اور زبان کي دعاؤں سے مناجات کرتا رہا - پھر اُس نے نظر اُٹھائي - چاند نے اپني شعاعیں جمع کرکے دیوي کے چہرے کي رعنائي بے حساب کردي تھي !

ہوا چلتے چلتے رک گئي - پتوں کا شور تھم گیا - پہلے سے زیادہ سکون طاري ہوگیا - نوجوان کا دل تنگ ہوا - اُس نے لمبي آہ بھري ' اور آہ کے ساتھه ہي آنسوؤں کي لڑیاں رخساروں پر پھیل گئیں :

" مقدس دیوي ! " دیوکلس نے جوش سے چلا کر کہا " تیرے ہي قدموں پر میرا سر دھرا ہے - تیري ہي عبادت پر میري روح جھکي ہے - تو نے میرے دل کو حکمت کے عشق سے معمور کر دیا - تونے کمال کا لازوال شوق پیدا کردیا - تو نے حقیقت کي جستجو کي آگ سلگا دي - یه آگ اب جلائے ڈالتي ہے - یا تو ہمیشه کے لیے اِسے ٹھنڈا کردے ' یا حقیقت کا جمال پنہاں ایک مرتبه دکھا دے - ہاں ' حقیقت ' مقدس ' عظیم حقیقت ' اِس مہیب کائنات کي حقیقت ' اس ہولناک ازلیت و ابدیت کي حقیقت ' ہر وجود کي روح ' مجرد حقیقت ' عریاں حقیقت - وہ حقیقت ' جس کي جستجو میں تمام فلاسفه سرگرداں رہے ' اور حکیموں کو بستر خواب پر کبھي نیند نه آئي - حکمت کي پاک دیوي ! حقیقت کا چہرہ میري آنکھوں کے سامنے بے نقاب کردے - میں اسے جاننا اور دیکھنا چاہتا ہوں - میں اُسے سارے پردوں اور نقابوں کے اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں - میں اس کي پرستش پر دل بد چکا ہوں - میں اُس کي راہ میں اپني زندگي اور زندگي کي تمام مسرتیں ' اپني دولت ' عزت ' حسن ' شباب ' محبت ' سب کچھه قربان کردونگا "

دیوکلس نے یه کہا اور گردن اٹھا کر دیوي کا منھه دیکھا - وہ بدستور خاموش اور بے حس و حرکت تھي - نوجوان نے اپني پیشاني پھر اُس کے مرمري قدموں پر رکھدي اور گڑگڑانے لگا - اُس کي روح ' اُس کي آنکھیں ' اُس کي زبان ' تینوں دیوي کے قدموں پر تھے - روح آتش شوق سے جل رہي تھي - آنکھیں جوشش عشق میں بہه رہي تھیں - زبان ولولۂ مناجات سے وارفته تھي !

***

اچانک درختوں کے پتے ہلے ' ڈالیوں میں جنبش ہوئي ' نسیم کے جھونکے چلے - ہوا میں ایک آواز گونجي : " دیوکلس ! " " دیوکلس ! "
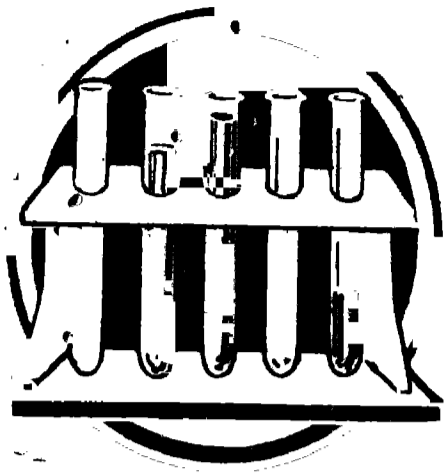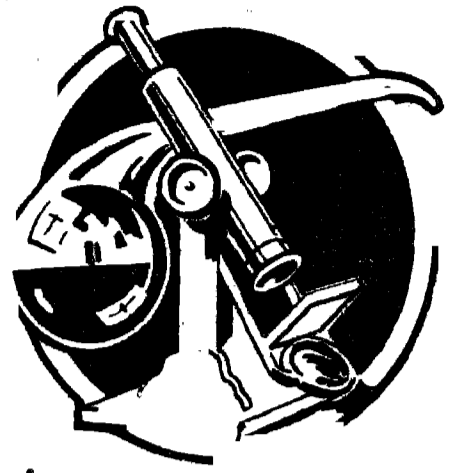
زمین پر کائنات حیات کا آغاز

علم و نظر کي درماندگیاں

روئے زمین پر ذي روح مخلوقات بہت مدت سے موجود ھیں - ماھرین طبقات الارض کا تخمینہ دس کروڑ سال کا ھے - بلا شبہ یہ تخمینہ ظني ھے - لیکن یہ یقیني ھے کہ بہت ھي قدیم زمانوں سے زمین پر زندگي موجود ھے - زمین کي زیادہ سے زیادہ گہري اور پراني پرتوں اور تہوں میں بھي زندہ کائنات کے نشان ملے ھیں -

(نظام شمسي)

زمین پر زندگي کا آغاز کب ھوا اور کس طرح ھوا ؟ اِس سوال سے پہلے یہ بحث سامنے آتي ھے کہ موجودہ صورت اختیار کرنے سے پہلے خود زمین کي حالت کیا تھي اور اُس پر کتنے دور انقلاب کے گزر چکے ھیں ؟

زمین ' نظام شمسي میں داخل ھے - اِس نظام میں آفتاب مرکزي حیثیت رکھتا ھے - اور سیارہ (گردش کرنے والے ستارے) اُسکے گرد گھوم رھے ھیں - یہ ستارے سورج سے بہت دور ھیں - مرکز سے جتني دوري بڑھتي ھے' اُتنا ھي فاصلہ بھي زیادہ ھو جاتا ھے - ذیل میں تخمیني فاصلہ ملاحظہ ھو :—

عطارد	—	۱،۴۰،۰۰،۰۰۰	میل
زھرہ	—	۲،۶۰،۰۰،۰۰۰	"
زمین	—	۳،۷۰،۰۰،۰۰۰	"
مریخ	—	۵،۶۰،۰۰،۰۰۰	"
مشتري	—	۱۹،۲۰،۰۰،۰۰۰	"
زحل	—	۵۵،۵۰،۰۰،۰۰۰	"
اورانوس	—	۷۳،۰۰،۰۰،۰۰۰	"
نبتون	—	۱،۱۵،۰۰،۰۰،۰۰۰	"

مریخ اور مشتري کے مابین ایک عظیم دائرہ موجود ھے - اِس میں سو سے زیادہ چھوٹے چھوٹے سیارات ' آفتاب کے گرد گردش کرتے ھیں - اور اُس سے تقریباً دس کروڑ میل دور ھیں -

ھر بڑے ستارے کے ساتھہ ایک یا کئي چاند ھیں - اور اسکے گرد چکر لگاتے رھتے ھیں - چنانچہ زمین کے ساتھہ ایک ' مشتري کے ساتھہ چار' زحل کے ساتھہ دس' اورانوس کے ساتھہ چار' اور نبتون کے ساتھہ ایک ھے -

آفتاب اپنے مرکز میں رہ کر تمام کواکب کو اپني طرف جذب کرتا اور کھینچتا ھے - یہ تمام کواکب اور آفتاب مختلف قسم کي دھاتوں چٹانوں ' اور مشتعل گیسوں سے مرکب ھیں - یہ دھاتیں اُسي قسم کي ھیں ' جیسي زمین میں ھم دیکھتے ھیں - آفتاب اِن تمام کواکب سے بہت بڑا ھے - زمین کا قطر اسکے مقابلہ میں صرف ۱/۱۰۸ ھے - زمین کا حجم آفتاب کے حجم کے سامنے صرف ۱/۱۲۸۰۰۰۰ ھے - مشتري سب سے بڑے ستاروں میں ھے - مگر اسکا قطر بھي آفتاب سے ۱/۱۵ کي نسبت رکھتا ھے - فلکیین نے تمام کواکب اور آفتاب کے وزن کا بھي تخمینہ لگایا ھے - انکے اندازہ میں آفتاب اپنے تمام کواکب کے مجموعي وزن سے بھي سات سو گنا زیادہ وزني ھے - زمین تو اسکے مقابلہ میں بالکل ھي بے حقیقت ھے - وہ زمین سے ۳۲۴۰۰۰ گنا زیادہ وزني ھے !

آسمان پر آفتاب کے علاوہ اور نظام شمسي سے باھر' بعض اور کرے بھي موجود ھیں - ان میں سے بعض نظام شمسي سے بھي زیادہ بڑے ھیں - یہ اثیر (ایتھر) اور گیسي مواد سے مرکب ھیں - اور خود اپنے گرد گردش کرتے رھتے ھیں -

اِس مشاھدہ کے بعد اگر ھم نظام شمسي کو دیکھیں' اس کے انداز پر غور کریں' اور اپنے مرکزي آفتاب' اور اسکے حلقہ کے کواکب کي گردش پر نظر ڈالیں' پھر اسکے بعد اثیر کے کروں پر غور کریں' تو باھمي مشابہت کي وجہ سے فوراً ذھن میں یہ خیال پیدا ھو جایگا کہ شاید آفتاب کي تاریخ اثیر ھي سے وابستہ ھے -

اِس خیال کي تائید اِس امر واقع سے بھي ھوتي ھے کہ اگر ھم کسي سیال مادہ میں گردشي حرکت پیدا کردیں' تو فوراً دیکھینگے کہ وہ کئي حلقوں میں منقسم ھوگیا ھے - سب حلقے مرکز کے گرد گھوم رھے ھیں اور خود ھر حلقہ اپنے اندر ایک گردشي حرکت رکھتا ھے - یہ حرکت بہت بڑي علمي اھمیت رکھتي ھے - جیسا کہ ابھي معلوم ھوگا -

(زمین میں حرارت)

اگر ھم زمین کے اندر اُتریں (جیسا کہ کانوں میں یا کنویں کھودتے وقت دیکھا گیا ھے) تو ھر ۳۳ میٹر گہرائي میں حرارت' سنٹي گرید کا ایک درجہ بڑھتي جائیگي- اِس حساب سے ایک لاکھہ کیلو میٹر نیچے' حرارت کا درجہ تقریباً تین ہزار ھوگا - معلوم ھے کہ اتني حرارت جملہ معدنیات کے پگھلا ڈالنے اور اکثر معلومہ مرکبات کو گیس بنادینے کیلیے بالکل کافي ھے - پھر ھمیں یہ بھي معلوم ھے کہ زمین کا نصف قطر تقریباً چھہ ہزار کیلومیٹر (۰۰۰،۰۰،۶۰ متر) ھے - بنابریں زمین کے مرکزي حصہ کا حجم ' جو مشتعل معدني مواد سے مرکب ھے ' اُسکي اِس سطح یا چھلکے کے حجم سے بہت زیادہ ھے ' جسپر ھم آباد ھیں -

زمین کا مرکزي حصہ سیال ھے یا ٹھوس ؟ اِس بارے میں علماء میں اختلاف ھے - بڑا گروہ اُسے ٹھوس بتاتا ھے ' کیونکہ زمین کي

دیوکلس نے دو شیزۂ پر ایک سرد نظر ڈالي اور کہا :

" محبت میرے دل سے اُسي طرح اڑ گئي هے جس طرح دوسرا پردہ اڑ گیا تها " اُسنے یہ کہا اور ایک طرف کو چلدیا !

دو شیزۂ حیرت سے اُسے دیکهتي رهي - بهلا یہ رمز وہ کیونکر سمجهه سکتي تهي ؟ اُسنے خیال کیا ' دیوکلس دیوانہ هوگیا هے -

* * *

ایک سال بعد دیوکلس نے تیسرا پردہ چاک کیا - اُسکي نظر اور بهي زیادہ تیز هو گئي - اسکا نفس ناطقہ زیادہ شائستہ اور بلند مرتبت هوگیا !

اب فلسفہ کے حلقوں سے بهي وہ الگ هوگیا - اگر کبهي اتفاق سے وہ عوام کے سامنے بولتا تو لوگوں کے کان اُسکے لیے وقف هو جاتے - انساني دلوں کے لیے اُسکي آواز میں ایک ایسي تاثیر تهي کہ یونان کے صحنہاے حکمت میں کسي بڑے سے بڑے حکیم کي آواز کو بهي نہ ملي هوگي - پورے ایتهنس نے جمع هوکر فیصلہ کردیا کہ دیوکلس ' استاد عظیم افلاطون اور دوسرے تمام حکیموں سے بازي لیگیا - اُس سے منتیں کي گئیں کہ فلسفہ کي امامت قبول کرلے مگر اسنے بے پروائي سے انکار کر دیا -

اُسي زمانہ میں ایسا هوا کہ ایتهنس پر دشمنوں نے حملہ کر دیا - دیوکلس وطن کي مدافعت میں پیش پیش تها - بے نظیر شجاعت سے لڑا - آخر زخموں سے چور چور لوٹا - ایتهنس کو فتح هوئي - بہادروں کو فورم میں پهولوں کے تاج تقسیم کیے گیے - سب سے بڑا تاج دیوکلس کے واسطے طیار هوا تها - مگر عین وقت پر جب اُسے پکارا گیا ' تو وہ موجود نہ تها !

* * *

برسوں پر برس گذرتے چلے گیے - هر برس دیوکلس حقیقت کا ایک پردہ چاک کر آتا تها - ابهي وہ جوان تها مگر اسکا سر سفید هو گیا - کمر جهک گئي - آنکهیں دهنس گئیں - قوی کمزور پڑ گیے - لیکن پهر بهي وہ خوش تها ' کیونکہ وہ عنقریب " حقیقت " کا مشاهدہ کرنے والا تها ' اُس حقیقت کا بے پردہ بے ' نقاب مشاهدہ ' جسے کبهي کسي بشر نے نہیں دیکها !

* * *

آخر فیصلہ کي رات آگئي - آج " حقیقت " پر سے آخري پردہ بهي اٹهہ جائیگا - آج بے نقاب حقیقت اسکے سامنے هوگي !

دیوي ' دیوکلس کو حسب عادت اڑالے گئي - اور حسب معمول حقیقت ' کے سایہ کے سامنے کهڑا کر دیا :

" دیکهہ ' حقیقت کس قدر تاباں هے ! پچهلے برسوں میں جتنے پردے تونے چاک کیے ' وہ اسکے چہرے کے پردے نہ تهے - تیري هي غفلت کے پردے تهے جو تونے اپني آنکهوں پر ڈال لیے تهے - تونے ایک ایک کر کے تمام غفلتیں دور کردیں - آج آخري پردے کي باري هے - اسکے بعد تو روبرو حقیقت کا جلوہ دیکهہ لیگا - اگر تو اپنے کیے پر پشیمان هے ' یا تیرے دل میں ذرا بهي خوف موجود هے ' تو اب بهي وقت هے - لوٹ جا ' اور باقي زندگي چین سے گزار "

دیوکلس ' جوش طلب سے دیوانہ هوکر چلایا :

" اِسي منزل کي طلب میں تو میں نے ساري عمر گزاردي - اب میں " حقیقت " سے کس طرح منهہ موڑ سکتا هوں ؟ میں آخري پردہ بهي چاک کرونگا - میں حقیقت کو ضرور بے نقاب دیکهونگا "

اُسنے یہ کہا اور آگے بڑها - اُسکا دل دهڑکنے لگا - هاتهہ کانپنے لگا - وہ اپني بزدلي پر شرمندہ هو رها تها مگر عمل کي هیبت و دهشت سے بے بس تها - اس نے دانت بهینچے ' آنکهیں بند کیں ' دل کڑا کر کے آگے بڑها ' هاتهہ بڑهایا ' اور آخري پردہ بهي کهینچ لیا ......

اُف ' هولناکي !

پردہ هٹتے هي روشني غائب هوگئي — گهٹا ٹوپ اندهیري چها گئي ... کچهہ بهي دکهائي نہیں دیتا تها !

دیوکلس نے اتنے زور سے چیخ ماري کہ قریب تها ' اسکا سینہ شق هو جاے :

" حقیقت کہاں هے ؟ حقیقت کہاں هے ؟ اے دیوي ! حقیقت کہاں هے ؟ مجهے تو کچهہ سوجهائي نہیں دیتا - وہ ' جو آخري پردے کے پیچهے تهي ' کہاں چلي گئي ؟ ساري دنیا تاریک هو رهي هے ... "

" تیري آنکهیں پهوٹ گئیں ! " حکمت کي دیوي نے وقار سے کہا " اے کائنات کے بچے ' تیري آخري غفلت بهي اڑ گئي ! بے نقاب حقیقت کوئي بهي نہیں دیکهہ سکتا - اگر دیکهہ سکتا هے تو اُسے پردوں هي میں لپٹا دیکهہ سکتا هے - کوئي دس پردوں کے اندر سے دیکهتا هے - کوئي اِس سے کم میں دیکهتا هے - کوئي اِس سے بهي زیادہ میں - مگر حقیقت عریاں کا مشاهدہ ناممکن هے ... تونے دیکهنا چاها ' تو تونے دیکهہ لیا کہ تو کیا دیکهہ سکتا هے ! ... "

دیوکلس نے یہ سنا اور منهہ کے بهل زمین پر گر پڑا - اب اُسکے جسم میں روح موجود نہ تهي ... شاید " حقیقت " کي جستجو میں اُسنے دوسري دنیا کي راہ لي تهي ... "

اسوقت تک ضرورت باقي هے کہ توسیع اشاعت کي طرف آپ کو توجہ دلائي جاے -

اس میں شک نہیں کہ اصحاب ذوق نے جس طرح الہلال کا استقبال کیا ' شاید هي اُسکي کوئي دوسري نظیر اردو اخبارات میں مل سکے - لیکن مشکل یہ هے کہ پرچہ کي ترتیب و طباعت کا معیار بہت بلند هے ' اور قیمت اُسکے مقابلہ میں بہت کم - اب یا تو قیمت بڑهاني چاهیے - یا اتني وسیع اشاعت هوني چاهیے کہ اُس سے قیمت کي کمي کي تلافي هوجاے -

پیدا هوتے هیں ' اور ایک جان سے دوسرے رجود کي جان متولد هوتي هے - چنانچه اس نے تجربه کرکے دکها دیا که انجیکشن کا قوام "گوشت کا ست ' اور آلو جیسي ترکاریاں جو انکي مزعومه پیدایش کا سب سے بهتر اور اصلح محل هیں ' جب هوا سے بالکل محفوظ کردي جاتي هیں یا بہت اچهي طرح اُبالدي جاتي هیں ' تو ان میں جراثیم کي پیدایش بالکل نہیں هوتي - موجوده علماء مادیئین کا خیال هے که پاسٹیور نے اپنے تجارب سے مذهب تولد ذاتي کي دلیلیں کمزور کردي هیں -

عهد آخر کے حکما میں • ارنست هیگل' مذهب تولد ذاتي کا سب سے بڑا عالم هے - وه کہتا هے " اگر فی الحال تولد ذاتي کا وقوع ناممکن نظر آتا هے تو اِس سے بطلان لازم نہیں آجاتا - کیونکه جس زمانه میں یه واقع هوا تها ' اُس وقت سمندروں کا پاني ایک خاص طبعي حالت اور کیمیاوي خاصیت رکهتا تها - حرارت کا درجه ' نمک کي نوعیت ' اور پگهلے هوئے گیسوں کي کیفیت کچهه اور هي طرحکي تهي - ایک محدود زمانه تک یهي حالت رهي - پهر اُس کے بعد کبهي پیش نہیں آئي - لهذا تولد ذاتي کے اِس وقت محال نظر آنے سے یه ثابت نہیں هو سکتا که اُس عهد میں بهي محال تها - اب زمین کي وه حالت باقي نہیں رهي هے جو اُس وقت تهي جب تولد ذاتي شروع هوا تها -

لیکن اس مذهب کے مخالف کہتے هیں ' مشاهده اس خیال کي تصدیق نہیں کرتا - علماء علم الحیات نے سخت کوششیں کیں - طرح طرح کے تجربے کیے ' قسم قسم کے ما حول طیار کیے ' مختلف مواد میں کمي بیشي کي ' حرارت اور تمام معلوم شعاعوں کي روشني مہیا کي ' لیکن پهر بهي زندگي بے جان مواد سے پیدا نه هوسکي - وه یه بهي کہتے هیں که زندگي کے آغاز کے وقت سمندروں کي حالت کیسي هي خاص اور زندگي پیدا کرنے کے لیے صالح کیوں نه هو ' لیکن اس حالت سے بهتر نہیں هوسکتي جو مختلف سوائل جمع کرکے علماء حیات نے اب مہیا کردي هے - تاهم کوئي کامیابي نہیں هوئي -

(مختلف نظریے)

پهر آخر زمین پر زندگي کا آغاز کیوں کر هوا ؟ اوپر کي بحث سے یه گتهي ذرا بهي نه سلجهي -

ایک بہت بڑا ماهر علم الحیات کہتا هے " زمین پر زندگي ننهے ننهے کیڑوں اور سوکهے جراثیم کي شکل میں آئي ' مگر یه اُن چهوٹے بڑے معدني ٹکڑوں کے ذریعه پہنچي تهي جو دوسرے ستاروں سے ٹوٹ کر همارې زمین پر گرے تهے - اس وقت وه اُس زندگي کے لیے مناسب ماحول رکهتي تهي " اِس عالم کا خیال هے که کواکب میں زندگي ازل سے موجود هے - اِنهي کواکب کے اجزاء ٹوٹ کر دوسرے کواکب میں زندگي کے جراثیم پہنچاتے رهے هیں -

مشهور عالم علم الحیات هل مہٹز اور تامسن کي بهي یهي رائے هے - پروفیسر ارهنیس نے یه نظریه اور زیاده وضاحت و اضافه کے ساتهه بیان کیا هے - وه کہتا هے " زندگي بهي اُسي طرح ازلي هے جس طرح خود ماده ازلي هے - زندگي کے تخم یا جراثیم کواکب سے همیشه جدا هوتے رهتے هیں - آفتاب کے نور میں یه خاصیت موجود هے که وه اِن حقیر جراثیم کو پهیلاتا اور فضا میں بهاتا هے - آفتاب کے نور کي یه خاصیت مکسویل کے تجربوں سے یقیني طور پر ثابت هوچکي هے -

بنابریں فضا اِن جراثیم سے لبریز هے - یه جراثیم پاني اور هوا سے محروم هونے پر بهي زنده رهتے هیں - نیز بالائي فضا کي سخت سردي بهي برداشت کرلیتے هیں - علماء کا خیال هے که وهاں برودت صفر سے ۲۲۰ - درجه نیچے هے - یه جراثیم هر لمحه بہت بڑي مقدار میں آسماني اجزاء کے ساتهه ایک ستاره سے دوسرے ستارے میں گرتے رهتے هیں - آفتاب کي قوت دافعه اس نقل و حرکت میں اُنهیں مدد دیتي هے "

لیکن تولد ذاتي کا مذهب بهي اس وقت تک سپر انداز نہیں هوا هے - ارنست هیگل کے بعد بفلوگر نے اس کي از سر نو صدائیں بلند کیں - اُس کا نظریه بهي هیگل کے نظریه سے مشابه هے - وه کہتا هے " قابل حیات مادۂ زلالیه (Albumen) بلا کسي واسطے کے اُس وقت خود بخود موجود هوگیا تها جب زمین کے پاني میں زندگي قبول کرنے کي صلاحیت پیدا هوگئي تهي - اِس ماده کي تکوین ' سیانوجین (نٹروجن اور کاربون کا مرکب) آکسیجن ' اور دوسرے پگهلے هوئے معدني مواد کے اتحاد کا نتیجه تهي - جوں هي اِن اشیاء کا باهم اجتماع هوا ' قابل حیات مادۂ زلالیه وجود میں آگیا - پهر تدریجي ترقي کے بعد ادنی جانداروں کي شکل میں تبدیل هوگیا - یهي ابتدائي جاندار ' جمله حیوانات و نباتات کي اصل هیں " اِس عالم کا خیال هے که شروع میں صرف ایک جاندار نے ظهور کیا تها - پهر اُس سے دو جاندار پیدا هوگئے - یهي دونوں جمله ذي روح کائنات کے مورث اعلی هیں - ایک سے نبات کا سلسله شروع هوا - دوسرے سے حیوان کا -

سنه ۱۸۸۰ - میں ایک عالم پریئر نے تمام علماء سے مختلف مذهب اختیار کیا - وه کہتا هے "عالم کون میں زندگي ازلي و قدیم هے - زمین پر زندگي اسوقت بهي موجود تهي جب وه ایک آتشي کره تهي " وه یه بهي تسلیم نہیں کرتا که جمادات سے زندگي کا آغاز هوا - اُسکا دعوی هے که خود جمادات کسي ازلي زندگي سے پیدا هوے هیں - ظاهر هے که یه قول شاذ اور کمزور هے - مشاهدے کے بهي خلاف هے - هر کس و ناکس جانتا هے که زنده کائنات ایک خاص درجه تک هي حرارت برداشت کرسکتي هیں - زیاده سے زیاده حرارت برداشت کرنے والے جراثیم کے تخم بهي سنٹي گریڈ کے ۱۲۰ - درجه میں ۲۰ - منٹ سے زیاده زنده نہیں ره سکتے - ایسي حالت میں زندگي کا اسوقت موجود هونا جب یه کره ایک آتشي کره تها ' کیونکر تسلیم کیا جا سکتا هے ؟

(وما اوتیتم من العلم الا قلیلا)

غرضکه زندگي کي گتهي باوجود علم کي اس تمام جد و جهد کے ' ابتک سلجهه نہیں سکي هے - یه ایک معما هے جس کا حل عقل انساني کي دسترس سے باهر تها اور اب تک باهر هے - جس قدر بهي نظریے قائم کیے گئے هیں ' اول تو وه نظریه سے زیاده نہیں ' پهر ان میں بهي اس قدر فکر کا اضطراب اور راے کا اختلاف هے که ظلمات بعضها فوق بعض کے مصداق هیں - اب سے تیره سو برس پہلے اس بارے میں ادعاء علم نے نہیں بلکه زبان وحي نے ایک اعلان کیا تها یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربي دنیا آج بهي اس سے زیاده کچهه نہیں جانتي - اور اس لیے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا کا حکم بدستور عقل انساني پر حکمران هے !

***

منجمد سطح اور اُسکے اوپر کي فضا اپنا بوجهه اُس پر ڈالے هوئے هے -
زمين پر اِس وقت جِس طرح کے آتش فشاں پہاڑ نظر آتے هيں ايسے هي پہاڑ اُن قديم زمانوں ميں بهي موجود تهے جو زمين کي عمر کا ابتدائي زمانه تها - اصطلاح طبقات الارض ميں يه دور " عهد ارضي " کہلاتا هے -

گرم چشموں کا وجود اِس بات کي قطعي دليل هے که زمين کا باطن ايک عظيم مشتعل کره هے - چونکه جزء هميشه کل کے ماتحت هوتا هے اس ليے عملاً تسليم کرنا پڑتا هے که زمين کي يه پتلي پپڑي يا چهلکا بهي ايک زمانه ميں اپنے کل کي طرح مشتعل هوگا - زمين اپني تاريخ کے کسي قديم دور ميں آتشي کره تهي -

چاند کو بهي اگر دوربين سے هم ديکهيں تو اُس ميں آتش فشانوں کے نماياں نشان پائينگے - اِس سے صاف ثابت هوتا هے که چاند پر بهي تقريباً ويسے هي تاريخي انقلاب طاري هوچکے هيں جيسے زمين پر گزر چکے هيں -

(کانت اور لاپلاس کا نظريه)

اِس طرح کے مشاهدات پر غور کرنے کے بعد جرمن فلاسفر کانت اور اس کے بعد فرنچ رياضي داں لاپلاس نے يه نظريه قائم کيا که شروع ميں پورا نظام شمسي نهايت هي گرم گيس کا کتله تها - يه کتله کسي نامعلوم محرک کے ذريعه خود اپنے گرد گهومنے لگا - اِس حرکت نے حلقے پيدا کيے - پهر ان کے مرکز ميں کثافت و انجماد پيدا هوگيا ' اور اِس کيفيت کے بعد يهي مرکز آفتاب بن گيا - پهر گردشي حرکت کي وجه سے اُن حلقوں کے اندر بهي حلقے پيدا هوتے گئے - اِن ثانوي حلقوں ميں سے هر حلقے کے مرکز ميں کثافت و انجماد کي کيفيت پيدا هوئي اور ايک نيا کوکب ناري بن گيا - پهر اس مرکز سے محيط حلقوں ميں بهي کثافت و انجماد کا عمل شروع هوا اور بتدريج ايک يا کئي چاند پيدا هو گئے - مگر يه بهي اُس وقت آتشين تهے - بتدريج ٹهنڈے هوکر موجوده شکل ميں آئے هيں - بعض کواکب کے گرد اب تک اُس تاريخي عهد کے حلقے موجود هيں - چنانچه دوربين ميں زحل کے گرد علاوه اُس کے دس چاندوں کے ' تين تهيں رکهنے والا گيسي حلقه بهي دکهائي ديتا هے -

خاص زمين کے متعلق مذکوره بالا علماء کا نظريه يه هے که وه بتدريج ٹهنڈي هونا شروع هوئي ' يهانتک که اُس کي سطح جم گئي - جب زمين کي حرارت ۳۵۰ درجه پر پهنچي تو اُس پر پارے کي موسلا دهار بارش هوئي - جب حرارت اور کم هوئي اور ۱۰۰ درجه پر آئي ' تو کهولتے هوئے پاني کي بارش شروع هوگئي - مگر چونکه زمين اور اُس کي فضا کي حرارت هنوز بهت زياده تهي ' اِس ليے پاني جمع نه هوسکا اور بهاپ بنکر اڑ گيا - پهر جب حرارت ۱۰۰ درجه سے بهي کم هوگئي ' تو اُس وقت بارش کا پاني جمع هوا اور سمندروں کي تکوين هوئي - اُس زمانه کے سمندروں کا رقبه موجوده سمندروں سے بهت زياده تها - کيونکه اُس وقت زمين کا داخلي حصه به سبب شدت حرارت کے پاني سے خالي تها - اور اُسکي موجوده سلوٹيں وجود ميں نهيں آئي تهيں جنهوں نے بعد ميں پہاڑ اور سمندر کي گهرائياں بنائيں - سمندر کے متعلق يه خيال محض نظريه نهيں هے بلکه علماء طبقات الارض کا مشاهده هے -

(کائنات حيات)

اب زنده کائنات کي بحث سامنے آتي هے - ظاهر هے بهت شديد حرارت ميں زندگي موجود نهيں هوسکتي - اس ليے لازمي طور پر تسليم کرنا پڑتا هے که زمين اپنے اولين زمانوں ميں زندگي سے خالي تهي - يه تسليم کرنے کے معني يه هوئے که هم يه بهي تسليم کرتے هيں که زمين پر زندگي هميشه سے موجود نهيں تهي - بعد ميں اُسکا آغاز هوا -

اب يه سوال پيدا هوتا هے که زندگي يا اولين ذي روح کائنات کا آغاز کن مواد سے هوا ؟ کيا اُن جمے هوے معدني مواد سے جو شديد حرارت کي وجه سے اولين سمندروں ميں پاني کي طرح بهه رهے تهے ' اور گرمي کے کم هونے پر جم گئے ؟ اگر يه مان ليا جائے تو بحث ختم هوجاتي هے -

(دو مذهب)

ليکن بعض موانع ايسے موجود هيں که اِس بات کا فوراً تسليم کرلينا ممکن نهيں - اس کا فيصله اِس مسئله کے فيصله پر موقوف هے که غير ذي روح اشيا سے ذي روح اشيا پيدا هوسکتي هيں يا نهيں ؟ اس بارے ميں جمهور اهل علم کا مذهب يه هے که نهيں هوسکتيں يا کم از کم نهيں هوتي هيں' ليکن تولد ذاتي کے قائل اسکے خلاف هيں -

مذهب جمهور کي بنياد واضح هے - وه کهتے هيں اس طرح کي کوئي تخليق علمي طريقه پر ثابت نهيں هوئي هے - ايک زمانه ميں عوام کا يه خيال خواص ميں بهي پهيلا هوا تها که بهت سے جانور مٹي ' پاني ' اور مختلف غير ذي روح مواد سے پيدا هو جاتے هيں - مثلاً وه سمجهتے تهے ' حشرات الارض مٹي اور پاني سے پيدا هو جاتے هيں - مکهياں اور مچهر گندگي اور کيچڑ سے پيدا هوکر اڑنے لگتے هيں - مينڈک کے بچے بارش کے ساتهه هي زمين سے اُٹهنے لگتے هيں - يا پنير اور اسي طرح کي چيزوں ميں خود بخود کيڑے رينگنے لگتے هيں - ليکن اب تحقيقات سے ثابت هوگيا که يه تمام جاندار غير جاندار مادے سے پيدا نهيں هوتے - بلکه جاندار مخلوق هي سے جان حاصل کرتے هيں - ان سب کي پيدايش مختلف قسم کے کيڑوں اور مکهيوں کے انڈے سے هوتي هے جن ميں سے بعض چشم غير مُسلح سے اور بعض خورد بينوں سے ديکهے جاسکتے هيں - پنير کے کيڑوں پر ايک زمانه ميں بهت زور ديا جاتا تها - مگر ثابت هوگيا که وه خاص قسم کي مکهي کے انڈوں سے پيدا هوتے هيں ' اور اگر انکي حفاظت کي جائے تو وه بڑے هوکر مکهي کي شکل اختيار کرلينگے - يه بات سترهويں صدي کے وسط هي ميں پايۂ تحقيق تک پهنچ گئي تهي که مٹي وغيره سے جانداروں کي پيدايش کا خيال غلط هے -

ليکن دوسرا مذهب اُن لوگوں کا هے جو " تولد ذاتي " کے قائل هيں - خوردبين کي ايجاد نے اِنهيں تقويت دي - اُنهوں نے اعلان کيا که ايک خاص طرح کے جاندار ' مرده پتيوں کے رس جيسے سيال مادوں ميں پيدا هو جاتے هيں - ليکن ميلن اڈورز اور شوان وغيره علماء علم الحيات نے اس سے انکار کيا - وه کهتے هيں اگر هم ان سيال مادوں کو آگ پر رکهکر کهولائيں اور اُن جراثيم سے آلوده نه هونے ديں جو هوا ميں موجود هيں ' تو ان ميں کبهي يه جاندار پيدا نه هونگے - يه بهي در اصل هوا کے جراثيم کي پيداوار هيں -

مذهب " تولد ذاتي " کے ماننے والوں نے جراثيم (خوردبيني کيڑوں) کي نسبت بهي دعوا کيا تها که يه اُن قابل حيات اور معدني مواد سے پيدا هوتے هيں جو سيال مادوں اور بيمار جسموں ميں موجود هيں - ليکن پاسٹيور نے اسکي تغليط کي - اس نے ثابت کيا که اس ميں بهي وهي غلطي هے جو بڑے جانوروں کي پيدايش کے سطحي معائنه ميں هوئي تهي - يه جراثيم بهي هوا کے جراثيم سے

دارا شاہ ایران کے نقوش خط میخي میں جن سے اولرعسن نے خط میخي کے پڑھنے کي کنجي معلوم کي -

رشید (مصر) کا مشہور پتھر جس سے شمپولین نے ھیرو گلیفي خطوط کا راز حل کیا -

ہوا ہے - خیال کیا جاتا ہے ' دسریں صدي میں یہہ دفن ہوگیا تھا - اِسمیں تبتي ' چیني' اور ترکي زبانوں کي ۵۰۰ فٹ مکعب تحریریں موجود ہیں -

شمالي ایشیا اور جنوب روس میں ایک اسکیتھي بادشاہ کي قبر ملي ہے - یہ قبر دریائے ڈینیپر کے کنارے علاقہ ملیتو پول کے قریب واقع ہے - اِس کي تاریخ چوتھي صدي قبل مسیح تک پہنچتي ہے - بادشاہ کے ساتھہ اُس کي تلواریں ' کمانیں ' ذرع ' خود ' قسم قسم کے زیور ' طلائي کنگھا ' اور دوسري بہت سي چیزیں دفن تھیں - اِتنا ھي نہیں بلکہ اِس سامان کے پہلو میں بادشاہ کا سائیس ' خادم خاص ' شمشیر بردار ' اور پانچ گھوڑے بھي مدفون ملے ہیں -

آثار قدیمہ کے انکشاف کا میدان ابھي بہت وسیع ہے - کیونکہ ابھي مصر میں بکثرت ایسے قبرستان موجود ہیں جنھیں ہاتھہ بھي نہیں لگایا گیا ہے - عرب ' چین ' اور وسط ایشیا میں تو اب تک کچھہ کام ہوا ھي نہیں ہے - یمن میں بے شمار آثار' بتوں کي شکل میں نمایاں ہیں ' اِس وقت تک اِن کي تحقیق نہیں ہوئي ہے - زمین کے اندر جو کچھہ دفن ہے ' وہ اِس کے علاوہ ہے -

امید کي جاتي ہے کہ جس وقت آثار قدیمہ کا علم ترقي کرجائیگا تو انسان کي تدریجي ترقي کي پوري تاریخ معلوم ہوجائیگي -

ذیل کي فہرست سے معلوم ہوگا کہ اِس وقت کن کن ملکوں میں آثار قدیمہ کي تحقیقات ہو رہي ہے اور کون کون جماعتیں یہ کام کر رہي ہیں :

(۱) امریکہ کا عجائب خانۂ تاریخ طبیعي - اِسکي جماعتیں مکسیکو اور منگولیا میں کام کر رہي ہیں - اِنکا موضوع بحث علم الحیوان ' طبقات الارض ' اور تنقیب ہے -

(۲) امریکن مٹروپولیٹ عجائب خانۂ فنون - اِسکي جانب سے قدیم مصري تمدن کي تحقیقات ہو رہي ہے -

(۳) پنسلفانیا کي یونیورسٹي ' بابل ' فلسطین ' اور مصر میں تحقیقات کر رہي ہے -

(۴) ہار فرڈ یونیورسٹي اور عجائب خانۂ فنون جمیلہ کي جماعتیں مصر میں ایتھوپیا کي شہنشاہي کے عہد کي تحقیقات میں مصروف ہیں -

(۵) ہارفرڈ یونیورسٹي ' ہونڈوراس میں تحقیقات کر رہي ہے -

(۶) کارنیگي انسٹیٹیوٹ ' یوکاتن (امریکا) میں تحقیقات کر رہا ہے -

(۷) امریکن سوسائٹي ایشیا ئے کوچک میں -

(۸) امریکن انڈین میوزیم ' میکسیکو اور کوہ اوزارک میں - اِس کا موضوع بحث امریکا کے سرخ فام انسانوں کي اصلیت معلوم کرنا ہے -

(۹) برٹش فرنچ امریکن کمیٹي - بیت المقدس میں -

(۱۰) کارنافون (کانت کمیٹي) مصر میں -

(۱۱) ولي ر (برطانیا) کي کمیٹي - بابل اور اُور میں -

(۱۲) محکمۂ آثار قدیمہ اور کونٹ پرورک - ٹیونس میں قرطاجنہ کي تحقیقات کر رہے ہیں -

(۱۳) سر جوزف ڈولین کے قسطنطنیہ میں عہد بیزنطیني کي تحقیقات کر رہے ہیں -

توت آنخ آمون کا تابوت اور اُس کي نعش کا نظارہ

علم الآثار

(Archaeology)

جديد علم الآثار کي بنا غالباً سب سے پہلے شمبولين نے ڈالي - اِسنے علاقہ " رشيد " (مصر) ميں ايک سنگي لاٹ ديکھي - اِس لاٹ پر ايک ھي تحرير تين قسم کے رسم الخط ميں لکھي تھي : ھيرو گليفي (قديم مصري کاھنوں کا خط) ' ديموتيکي (قديم مصري عوام کا خط) ' خط قبطي (يہ خط در اصل يوناني ھے - مصر کے فرمانروا خاندان بطليموس نے اِسے جاري کيا تھا) درحقيقت يہي تحرير بعد ميں علم الآثار کي بنياد بن گئي - اُس سے ھيروگليفي اور ديموتيکي ' دونوں رسم الخط معلوم ھو گئے - اِتنا ھي نہيں بلکہ قديم مصري زبان بھي اسکے ذريعہ مدون کرلي گئي -

ايک سب سے زيادہ محفوظ ممي

آثار قديمہ کے انکشاف ميں اتفاقات زمانہ کو بہت دخل ھوتا ھے ' اگرچہ صحيح قياس و اندازہ سے بھي بڑي مدد ملتي ھے -

چنانچہ يورپ کا ايک قديم ترين اثر اِس طرح دريافت ھوا کہ اسپين [...] بعض آدميوں نے محض اتفاق سے ايک غار ميں جھانکا تو [...] ديواروں پر اُنھيں تصويريں نظر آئيں - يہ تصويريں اُن حيوانات [...] ھيں جو اب روئے زمين پر موجود نہيں ھيں - ليکن قديم ترين [...] ميں موجود تھے - دور حجري کے انسانوں نے يہ تصويريں بنائي [...] - ان سے ايک طرف يہ معلوم ھوگيا کہ اِس قسم کے حيوان ايک [...] ميں موجود تھے ' دوسري طرف يہ پتہ چل گيا کہ انسان کي فني [...] کے ابتدائي نمونے کيسے تھے ؟

اِسي طرح يونان کے ايک [...] ميں ايک مرتبہ ريل [...] ٹوٹ گئي - بعض مسافر [...] تے ھوئے اتفاق سے ايک [...] پر چڑھ گئے - وھاں [...] ايک قديم آبادي کے [...] ملے - تحقيقات سے [...] ھوا کہ يہ آبادي سن [...] سے ايک ھزار برس [...] يہاں قائم تھي -

اِسي طرح يونان ميں ايک شخص کو اتفاق سے ٹوٹے ھوئے ظرف کا ايک ٹکڑہ ملا - اِس پر يہ پہيلي کندہ تھي " ڈيو جانس فلسفي سے پوچھا گيا : وہ کون حبشي ھے جو سفيد روٹي کھاتا ھے ؟ حکيم نے جواب ديا : وہ رات ھے جو دن کو نگل ليتي ھے "

آثار قديمہ کے انکشاف ميں افواھوں اور افسانوں سے بھي بڑي مدد ملتي ھے - چنانچہ شہر تدمر کا پتہ اِسي طرح چلا کہ اُن اطراف کے بدؤں ميں ايک ٹيلہ کے متعلق مشہور تھا کہ اسکے نيچے شہر تدمر مدفون ھے -

ايک دوسري نعش مکمل حالت ميں

اسي طرح شہر ٹراوڈہ کا پتہ اس طرح چلا کہ ايک جرمن لڑکا ھومر کي اليڈ پڑھ رھا تھا - پڑھتے پڑھتے اُسے شوق ھوا کہ اس عجيب مقام کي سير کرے جسکي توصيف ميں ھومر نے فصاحت و بلاغت کے دريا بہا ديے ھيں - لڑکے پر بڑي بڑي مصيبتيں پڑيں مگر يہ شوق اُسکے دل سے نہ گيا - علماء تاريخ کہتے تھے کہ ٹراوڈہ کا کوئي وجود نہيں ھے ' محض ھومر کا تخيل ھے - ليکن نوجوان نے اُنکي بات نہ سني اور ۳۵ سال کي عمر ميں اُس مقام پر جا پہنچا جہاں ٹراوڈہ کي موجودگي بتائي گئي تھي - چند سال زمين کھودتا رھا - يہانتک کہ ٹراوڈہ کے نشان مل گئے !

سب سے بڑا قديم اثر جو اس وقت تک دريافت ھوا ھے ' وہ مشہور اٹالين شہر " پامپي " ھے - پہلي صدي عيسوي ميں آتش فشاں پہاڑ نے اسے اپني راکھہ سے ڈوپ ديا تھا - اب يہ کھود کر نکال ليا گيا ھے - اسکي سڑکوں پر ابتک گاڑي کے پہيوں کے نشان موجود ھيں - ديواروں پر سرکاري اعلان چسپاں ھيں - دکانيں بدستور موجود ھيں - ايک شراب خانہ ميں مرمري ميز اپني اصلي حالت پر رکھا ھوا ھے - اسکے کنارے کثرت استعمال سے گھسے ھوئے ھيں - گھروں ميں پاني کے نل لگے ھوئے ھيں - کمروں ميں تصويريں آويزاں ھيں - محلوں ميں بدستور باغيچے اور چمن ھيں - اگرچہ سب تقريباً پتھرا گئے ھيں -

اسي طرح تيونس کے سمندر ميں ايک کشتي ملي ھے - يہ دو ھزار برس پہلے غرق ھوئي تھي - اِس ميں سنگ مرمر کے ۶۵ ستون رکھے گئے تھے -

مغربي چين ميں ايک مدفون کتب خانہ دستياب

دنيا کي سب سے پراني کتاب طب : مسٹر اڈوين اسمتھ نے اس منقش پتھر پر طبي مسائل پڑھے جو مصر سے برامد ھوا تھا - اس پر ھيدرٹيک حروف کندہ ھيں جو ھيرو گليفي خط کي ايک شاخ ھے -

(پادریوں کا چنگل)

" مرمر کے اسنے جلادوں کے پنجۂ سے رهائي حاصل کي تھي - مگر وائے بدنصیبي ' فوراً قسیسوں کے چنگل نے اُسے آ دبوچا ! میں یه اس لیے نہیں کہتا که مجھ اِس پر کوئي تعجب ہے - لیکن بلا شبہه یه عجیب هے که ایسا شریف و نجیب انسان اور پیرس کا اُسقف اعظم' جو صرف شریف النسب هي نہیں بلکه شریف النفس بھي هے' کیونکر اپني جماعت کي بزدلي میں شریک هوگیا ؟ حالانکه اُسے ایسي دنائت سے بلند هونا چاهیے تھا - ایک مذهبي پیشوا هونے کي حیثیت سے اُسکا فرض تھا که مظلوم پر ترس کھائے ' نه یه که اُلٹا مظلوم کے کچلنے پر کمربسته هو جائے - وہ مظلوم ' جو پہلے هي سے زمانه کے هاتھوں کچلا جاچکا هے "

" اِس اسقف اعظم کے تمام حاشیه بردار اِس ناکردہ گناہ کے مٹادالنے پر تل گئے هیں - وہ یقین کرتے هیں که هم اُسے ضرور بالضرور مٹادینگے - حقیر سے حقیر واعظ اور ادنی سے ادنی مجاور بھي کوشش کر رها هے که اِس خود ساخته دشمن کے گلا گھونٹنے کا فخر صرف اُسي کو حاصل هو' اور اِسکے سر پر فیصله کن ضرب اُسي کے پاؤں کي ٹھوکر سے لگے !

(اُسقف نے کیوں فتوی شائع کیا ؟)

" اے میرے سردار ! کون شک کرسکتا هے که اگر پیرس کي مجلس حکومت نے میرے خلاف حکم صادر نه کیا هوتا ' تو آپکو میري کتاب سے بغض کم هوتا ؟ بلاشبه بعض لوگ یہي خیال ظاهر کرتے هیں - مگر آپ کا حق پسند دل اِسے هرگز تسلیم نہیں کرسکتا ' کیونکه یه خلاف واقعه هے - اے میرے آقا! مجھے بتاییے آپنے ابسے پہلے میرا رد کرنے کي زحمت کیوں گوارا نہیں کي ؟ میں نے آپکے منصب کے خلاف رساله شائع کیا ' میں نے دي لامبرت کے نام خطوط چھاپے ' کئي کتابیں لکھیں' مگر آپکے قلم کو کبھي جنبش نه هوئي ! حالانکه میري اِن کتابوں میں بالکل ویسے هي خیالات موجود تھے' جیسے کتاب التربیت میں ظاهر کیے گئے هیں - کیا آپنے میري یه کتابیں نہیں پڑھي تھیں ؟ حالانکه اگر نه پڑھي هوتیں تو اپنے اِس رد میں اُن پر بحث نه کرسکتے - کیا آپ کي یه خاموشي آپکے دیني فرائض کے خلاف نه تھي ؟ حالانکه بقول آپکے اِن کتابوں میں بھي الحاد کي دعوت دي گئي هے - کیا یه حقیر مؤلف اُس وقت کم خطا کار تھا' اور اب زیادہ هوگیا هے ؟ حالانکه آپ اُسے پیدائشي خطا کار قرار دیتے هیں - آخر کیا بات تھي جو اِتني مدت تک زبان مبارک نه هلي ؟ یه وجه تو نه تھي که اُس وقت آپکے دشمن کم تھے' اور میں بھي خائنوں سے گھرا هوا نه تھا ؟ اُس وقت عوام میں میري کتابیں مقبول هوچکي تھیں اور آپ عوام کے غصے سے ڈرتے تھے ؟ لیکن اب ' جبکه حالات میں تبدیلي پیدا هوئي - میرے دشمنوں نے ایکا کرکے مجھه پر یورش کردي' مجھے ملحد اور باغي مشہور کیا ' حکومت نے بھي هتیار سنبھال لیے ' اور آپکے دشمنوں نے بھي کہنا شروع کر دیا که پیشوائے اعظم هوکر آپ اِس ملحد کے خلاف کچھه نہیں کہتے ' گویا اپني خاموشي سے اُسکي حمایت کر رهے هیں' تو آپ اپنے منصب کي حفاظت کے خیال سے اُٹھے ' اور اپنے دشمنوں کا منهه بند کرنے کیلیے میرے خلاف فتوی شائع کردیا - اے میرے آقا ! کیا اسي سبب نے آپکو میرے خلاف برانگیخته کیا ؟ اگر ایسا هي هے تو بلاشبه میرے دماغ کو شدت تحیر سے سکته هوجانا چاهیے ! "

اِس تمہید کے بعد روسو' اُسقف کے بیان کا رد شروع کرتا هے -

(صفات الهي)

اُسقف نے لکھا تھا :

" روسو کہتا هے - میں خدا کي حقیقت سے بے خبر هوں ؛ لیکن ساتھه هي یه دعوی بھي کرتا هے که یه موجود حقیقي علم ' قدرت ' ارادہ ' اور حکمت رکھتا هے !"

روسو جواب دیتا هے : " خدا کي صفت ' علم هے - لیکن اسکا علم کیا هے ؟ انسان کا علم تو اُسکي قوت تفکر میں هے ' لیکن علم اقدس کسي تفکر و تأمل کا محتاج نہیں - اُسکي تفکیر کے لیے نه تو مقدمات هیں ' نه نتائج هیں ' نه فرض و قیاسات هیں - اُسکا علم ازلي هے - جو تھا ' جو هے ' جو هوگا ' سب اُس پر آشکارا هے - تمام حقائق اُسکے سامنے ذرۂ ریگ سے بھي چھوٹے هیں - تمام دنیا اُسکي نظر میں قطرۂ آب سے بھي محدود هے ' تمام اگلے پچھلے زمانے اُسکے نزدیک لمح بصر سے بھي مختصر هیں "

" باقي رهي قدرت الهي ' تو قدرت الهي کا یه حال هے که انسان کو اپني قوت عمل کے لیے وسائل عمل کي ضرورت هوتي هے - لیکن خدا کو کسي وسیلے کي ضرورت نہیں - قوت الهي خود اپني قوت سے عمل کرتي هے - خدا قادر هے ' کیونکه وہ ارادہ رکھتا هے - اور اُسکا ارادہ هي اُسکي قدرت هے !"

" خدا' لاریب خیر هے - انسان کا خیر یه هے که اپنے بني نوع سے محبت کرے - لیکن خدا کا خیر اُسکا وہ نظام هے جس سے وہ کائنات کو سنبھالے اور تمام اجزاء کو باهم جوڑے هوئے هے -

" خدا لاریب عادل هے - عدل الهي بھي اُسکے خیر هي کا ایک نتیجه هے - انسان کا ظلم ' خود انسان کا اپنا عمل هے ' خدا کا عمل نہیں هے - روح کا اضطراب' جس کي وجه سے فلاسفه قدرت الهي کے منکر هوجاتے هیں ' میري نظر میں اِس لا متناهي قدرت کو اور زیادہ واضح کرنے والا هے - انسان کا عدل یه هے که هر حقدار کو اُسکا حق دیدے - خدا کا عدل یه هے که هر ایک سے اپني نعمتوں اور بخششوں کا حساب لے ! "

(حقیقت الهي)

" یه صفات میں نے عقل کي منطق کي راہ سے معلوم کي هیں - لیکن میرے دماغ میں اُنکا مفہوم مرتب و مفصل نہیں هے - میں اُنهیں تسلیم کرتا اور انپر اصرار کرتا هوں' مگر اُنکي پوري حقیقت کا احاطه نہیں کر سکتا - عقل اِسکا احاطه کر هي نہیں سکتي - اِسکے معني دوسرے لفظوں میں یه هوے که میں حقیقت سے لا علم هوں - اور اسلیے میري حیثیت یه نہیں هے که میں جانتا هوں اور اصرار کرتا هوں - میں اپنے دل سے بے فائدہ کہتا هوں " یہي خدا هے " میں بے فائدہ اُسکا شعور کرنا چاهتا هوں - میں بے فائدہ اپنے ذهن میں اُسکا تصور کرتا هوں - " بے فائدہ" اس لیے که اِس سے خدا کي حقیقت پر ذرا بھي روشني نہیں پڑتي - میں هرگز معلوم نہیں کرسکتا ' خدا ایسا کیوں هے ؟ اُس میں یه صفات کیونکر قائم و موجود هیں ؟

" میں اُسکي حقیقت جاننے کي جتني زیادہ کوشش کرتا هوں اُتني هي اُسکي حقیقت پوشیدہ هوتي جاتي هے - میري یه عقل کي بے بسي مجھه میں اُسکا اعتقاد و ایمان اور بھي زیادہ مستحکم کر دیتي هے - میں جس قدر اُس کا تصور کم کر سکتا هوں ' اُسي قدر اُس سے زیادہ وابسته هوتا اور اُتنا هي اُسکي عبادت پر جھکتا جاتا هوں - بالاخر اُس کے رو برو گر پڑتا هوں اور کہتا هوں " میرا وجود تجھي سے هے اے خالق کائنات ! میں جس قدر زیادہ تجھه میں غور کرتا هوں تو اتنا هي زیادہ میرا نفس بلند کرتا جاتا هے ' مگر تیري حقیقت برابر مجھه سے مستور هي رهتي هے ! تجھه میں میرا فنا هو جانا ' میري عقل کا سب سے بڑا کارنامه هے ! تیري عظمت نے میري عقل مبہوت کردي هے' مگر میري نا توانی کو بھي قوت سے بدل دیا هے !"

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتین

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثه

جان جاک روسو

أسقف کا جواب

(۲)

پچھلے نمبر میں قارئین الهلال پیرس کے أسقف اعظم کے اعتراضات روسو پر سن چکے هیں - آج روسو کا جواب پیش کیا جاتا ہے - یه جواب پورے دو سو صفحے کی باریک حروف کی کتاب میں پهیلا هوا هے - اس لیے اختصار کے سوا چارہ نه تها - تاهم اهم اور مفید پہلو ایک حد تک واضح کردیے گئے هیں -

(معذرت)

روسو نے اپنا جواب معذرت سے شروع کیا هے :

" اگر آپ صرف میری کتاب هي پر اعتراض کرتے تو میں هرگز آپ سے کوئي تعرض نه کرتا - آپکو چھوڑ دیتا که جتني چاهیں نکته چیني کرتے رهیں - لیکن آپنے صرف کتاب هي پر نهیں بلکه میري ذات پر بهي بحث کي هے - آپ کو دنیا میں جتني عزت اور قوت حاصل هے ' اُسی مناسبت سے آپ میں یه بات بهي هوني تهي که اُن تهمتوں سے بلند تر هوتے جن سے آپ نے مجھے آلوده کرنا چاها هے "

(داستان مظلومي)

اِسکے بعد روسو نهایت بلاغت و مهارت سے اپنے قارئین کي همدردي حاصل کرني چاهتا هے - وه اپني مسکیني و مظلومي ظاهر کرتا هے ' تمام یورپ کا اُسکے خلاف متحد هو جانا اور عرصهٔ زمین تنگ کر دینا یاد دلاتا هے ' پھر لکھتا هے :

" جنیوا کے غلام ' روسو کے هاتهه میں کوئي قوت نهیں که اُن ظالم اور سرکش ججوں سے جواب طلب کرسکے ' جنکے سامنے اُس پر تهمت لگائي گئي ' اور جنهوں نے اُسے طلب کیے بغیر اُسکے خلاف فیصله صادر کردیا هے - اِتنا هي نهیں بلکه اُسے قید کرنے کے بهي درپے هو گئے هیں - یه " غلام " اگر عدالت میں طلب کیا جاتا ' تو اپني برأت ظاهر کرنے ضرور حاضر هوتا ' مگر چونکه اُسے بلایا نهیں گیا ' اس لیے اُسے از خود حاضر هونے کي ضرورت بهي نه تهي - چنانچه وه حاضر نهین هوا - اس پر اُسکے خلاف جنگي قوت جمع کي گئي - اُسنے قوت کے مقابله سے گریز کیا ' اور اس سر زمین سے بهاگ نکلا جهاں کمزوروں پر ظلم کیا جاتا هے ' بغیر جرم کے سزا دیدي جاتي هے ' اور بغیر جواب سنے بیڑیاں پهنا دي جاتي هیں "

" اُسنے مجبوراً اپنا محبوب خلوت خانه چھوڑا - اُن دوستوں کي جدائي سهي جس سے بڑھ کر اُسکے لیے کوئي عیش نه تها - اپنا ناتواں جسم لیکر هزاروں زحمتوں کے ساتهه سر زمین حریت میں پهنچا - آه میرا وطن جنیوا ! میں نے تیري آزادي کے کیسے کیسے گیت گائے ؟ تیرے حسن و جمال کي کیسي کیسي تصویریں بنائیں ؟ دنیا میں تیرا نام کس درجه روشن کیا ؟ آه ! میں کیا کهوں ؟ میرا دل سینے میں بیٹھا جاتا هے ' میرا هاتهه کانپ رها هے ' میرا قلم گرا پڑتا هے . . .

لیکن مجھے خاموش هي رهنا چاهئے - مجھے جرم کا ذکر بهي نهیں کرنا چاهئے . . . کاش میں خفیه طور پر هي اپني ناقابل برداشت مصائب کهه سکتا ! کاش میں اپني دل کي گهرائي هي میں اپنے وطن کي شکایت کا خیال کر سکتا ! . . . . . "

" یه سب کچھه کیوں هے ؟ میں اسکا حقیقي سبب نهیں پوچھتا - میں صرف اِسکا قریبي موجب معلوم کرنا چاهتا هوں - مجھه پر الحاد کي تهمت لگانے کي جرأت کي گئي هے - مگر تهمت لگانے والے بالکل بهول گیے که جس کتاب پر انهیں اعتراض هے ' وه سب کے هاتهوں میں موجود اور سب کي آنکهوں کے سامنے کهلي هوئي هے - مجھه پر تهمت لگانے والے افسوس سے هاتهه ملتے هیں : " کاش یه کتاب کسي طرح مفقود هو جائے تا که هم پیٹ بهرکے تهمتیں تراش کرسکیں ! " لیکن اُنکي یه امید کبهي پوري نهیں هوگي - کتاب اُنکي حسرت کے لیے همیشه باقي رهے گي ' اور آئنده آنے والي نسلیں فیصله کرینگي - وه اعلان کرینگي که یه تمام گناه ' اُسکے مؤلف کي بد عملیاں نهیں هیں ' لیکن فضیلت کے ایک دوست کي ٹھوکریں هیں ! "

(ایک ملحد کا ذکر)

" میں معاصرین پر اظهار رائے نهیں کرونگا - میں کسي کو بهي نقصان پهنچانا نهیں چاهتا - لیکن کیا تم نے سپنوزا کا نام نهیں سنا ؟ اُسکے الحاد میں کسے شک هو سکتا هے ؟ وه خود الحاد کا مدعي تها - علانیه الحاد کي تعلیم دیتا تها - مگر نه کوئي اُسکے اطمینان میں خلل ڈالتا تها - نه اُسکي کتابیں چھپنے سے روکي جاتي تهیں - اور نه هي تاجروں کو اُنکي اشاعت کي ممانعت کي گئي - وه فرانس آیا تو اسکے لیے ایک پر جلال استقبال طیار تها - تمام ملکوں کے دروازے اُس پر کهلے تهے - وه هر جگهه امن کي بلکه حکومتوں کي حمایت پاتا تها - بادشاه اُنکا خیر مقدم کرتے تهے ' اور وعظ و درس کے ممبر اُسکے لیے نصب کراتے تهے - یه ملحد زندگي بهر مسرت و آرام بلکه عزت و احترام پاتا رها "

(عهد حکمت و انسانیت !)

" لیکن آج ' جبکه ببانگ دهل دعوي کیا جاتا هے که یه فلسفهٔ و حکمت اور انسانیت کا زمانه هے ' دنیا کا حال کیا هے ؟ یه هے که ایک شخص انساني محبت کے جذبه سے مجبور هوکر آتا هے ' اور پوري احتیاط و احترام سے اپنے بعض خیالات پیش کرتا هے - کیسے خیالات ؟ وه خیالات جو اُس موجود اعظم کي عظمت نے اُسکے دماغ پر نازل کیے هیں - لیکن دین الهي و حقیقت کے اِس حامي و ناصر کي زندگي تلخ کردي جاتي هے - یورپ بهر میں اُسے کهیں پناه نهیں ملتي - اُسے خدا کا پیدا کیا هوا پاني پینے سے اور اُسکے اگائے هوے درختوں کي لکڑي جلانے سے بهي روک دیا جاتا هے - وه ذلیل و خوار پهرتا هے - جس گوشه میں جاکر پناه ڈهونڈهتا هے ' وهیں سے نکالدیا جاتا هے - نه اُسکي غربت پر کسي کو ترس آتا هے - نه اُسکي بیماریوں پر کسي کا دل کڑهتا هے - شریر سے شریر مجرموں اور خوني سے خوني ڈاکوؤں کا بهي اِس بے دردي سے کبهي تعاقب نهیں کیا گیا هوگا ' جیسا اِس بیکس و مظلوم کا کیا گیا هے - اگر وه ایک لمحه کیلیے بهي کسي حکومت کے رحم پر بهروسه کرلیتا ' تو آج یقیناً تاریک قید خانے میں پڑا سڑتا هوتا ' یا پهانسي کے تختے پر آه سوکهه رهي هوتي !

حکمت اور شعر کے مختارات

حکماء و شعراء مغرب کے بعض افکار و خواطر

(حسن)

حسن خدا کي مخلوق پر اُس کا مہر ہے — بيتشر '

حسن بغير نزاکت کے ايسا ہے ' جيسے بے نمک کھانا — امرسن -

ارسطو سے پوچھا گيا " حسن کيا ہے ؟ " اُس نے جواب ديا " يہ سوال اندھوں سے کرنا چاہيے " — بيکن

حسن ' جہاں بھي ہوتا ہے ' سراہا جاتا ہے — گوئٹے

حسن ' ايک جال ہے ' جس سے قدرت عقلوں کا شکار کرتي ہے — ليگس -

عورت کا اپنے حسن پر غرور اُس کي طرف سے اقرار ہے کہ اُس کے پاس حسن کے سوا کوئي چيز قابل فخر نہيں — ميڈ موزيل ڈي لسپيناس

خوبصورت عورت آنکھ کے ليے جنت ہے ' قلب کے ليے دوزخ ہے ' جيب کے ليے ويراني ہے -

خوبصورت ' بد صورت سے اُسي طرح بچے ' جس طرح ذهين ' غبي سے بچتا ہے — پوپ

تمهاري يہي کيا کم فتح مندي ہے کہ تم خوبصورت ہو ؟ — ہوگز

جب ہم ميں اِس قدر صلاحيت پيدا ہو جائيگي کہ ہم خدا کے ہر عمل ميں حسن و جمال محسوس کرنے لگيں گے ' تو اُس وقت ہم دعوی کرسکيں گے کہ ہم اُس کي حقيقت سے واقف ہو گئے ہيں — رسکن

حسن ' تمام نوع انساني کے ليے سعادت ہے - ہر مخلوق اُس کے زير اثر آکر بھول جاتي ہے کہ وہ محدود ہے — شيلر

حسن سے محروم عورت ' زندگي کي نصف لذت سے محروم ہوتي ہے — مڈيم ڈي مونٹارين

حسن بہت ھي کم عمر چيز ہے — ڈي لنکلو

اِس يقين سے زيادہ عورت کے ليے کسي بات کا يقين مشکل نہيں کہ وہ اپنے حسن سے محروم ہوگئي ہے — روشبراون

کبھي عورت خوبصورت ہوتي ہے ' مگر اُس کا حسن اُس وقت تک نہيں کھلتا ' جب تک اُس کا دل محبت کے ليے نہيں کھل جاتا — لا پرويير -

حسن ' قدرت کا عورت کو سب سے پہلا عطيہ ہے ' اور يہي سب سے پہلے اُس سے چھن بھي جاتا ہے — ميرہ -

عورت اپنے محبوب کي جدائي گوارا کرسکتي ہے مگر اپنے حسن کي جدائي گوارا نہيں کرسکتي — روشبراون

مرد کو شادي کے معاملہ ميں اعلى حسن سے پرہيز کرنا چاہيے کيونکہ حسن قبضہ ميں آتے ھي گھٹ جاتا ہے ' مگر اُس کي مصيبتيں زندگي بھر باقي رہتي ہيں — روسو

جس عورت ميں بجز حسن کے اور کوئي جوہر نہيں ہوتا ' اُس کي مثال رغني روٹي کي سي ہے - يہ گرم اچھي معلوم ہوتي ہے اور سرد ہوتے ھي اپنا سارا ذائقہ کھوديتي ہے — سيجور

(عورت)

تمدن اچھي عورتوں کے اقتدار کا نام ہے — امرسن

عورت کي شيريني گلاب کي طرح جلد ختم ہو جاتي ہے — گوئٹے

زندگي کي سب سے لذيذ شيريني ' بيوي کا اپنے شوهر کو مخلصانہ سلام ہے — ولز

عورت کي انانيت اپنے اندر دو انانيتيں رکھتي ہے — مڈيم ڈي استائل

خدا کي انسان پر سب سے قيمتي بخشش ' عورت ہے - گوبار

کاش ' عورت تنہا ميرا ھي حصہ ہوتي ! — اريڈس

عورت انسان اور فرشتہ کے بين بين ايک مخلوق ہے — بلزاک

عورت اُس شخص کو حقير سمجھتي ہے جو اُس سے محبت نہيں کرتا ہے ' مگر وہ خود اُس سے محبت نہيں کرتي — ايلزبيتھ ' استوڈرٹ

***

انسان اپنے نفس کو اُسي وقت سمجھہ سکتا ہے جب وہ مصيبت ميں پڑتا ہے — الفرڈ ڈي موسيہ

شک ' ہميشہ اميد کے پيچھے لگا رہتا ہے — بلزاک -

ترقي لنگڑي چال چلتي ہے — سانت بو

نا مکمل تعزيت سے رنج زيادہ ہوجاتا ہے — روسو

عظمت ' طمع ' فوج ' جنگي جہاز ' تاج ' تخت ! يہ انسان کے کھلونے ہيں جب وہ بڑا ہوجاتا ہے — وکٹر ہيوگو

ميري تمام مصائب کي علت يہ ہے کہ ميں لوگوں سے حسن ظن رکھتا تھا — روسو

(ذهانت)

ذهانت کيا ہے ؟ يہ محض سمجھنے کي صلاحيت ھي کا نام نہيں ہے - کيونکہ حيوان بھي سمجھہ رکھتا ہے مگر ہم اُسے ذهين نہيں کہہ سکتے - سپاهي اپني ڈيوٹي سمجھتا اور پوري کرتا ہے مگر ذهين نہيں کہلاتا - بندر کي ذهانت ' محض ايک بے نتيجہ عقلي اضطراب ہے - جو بچہ اپني حرکتوں سے تمہيں ہنساتا ہے ' ذهين نہيں ہے - کيونکہ اُس ميں بندر کي جبلت آگئي ہے - جو عورت بہت سي اشياء کا علم رکھتي ہے ' ذهين نہيں ہے - کيونکہ معمولي باتيں اُس کے دماغ کو پراگندہ کر ڈالتي ہيں - کيا حساب داں ذهين ہوتا ہے ؟ شاعر کي نظر ميں حساب داں ماليخوليا کا مريض ہے ! کيا شاعر ' ذهين ہوتا ہے ؟ رياضي داں شاعر کو سراسر بيوقوف سمجھتا ہے ! ماهر ماليات کي نظر ميں ناول نويس ' دو پاؤں کا احمق حيوان ہے ! جو آدمي ' دور از کار نظريے بناتا ہے ' کيا ذهين ہے ؟ کيا ہميشہ خاموش رہنے والا ذهين ہے ؟ کيا اپني عينک کے شيشوں سے ' سرد اور بے اثر نظروں سے تمہيں ديکھنے والا ذهين ہے ؟ نہيں !

ذهانت کي تعريف ناممکن ہے — لا مارٹين

بریدِ فرنگ

رُوس کا نفس پرست شاہی راہب

راسپوٹین

خاندان زار کی تاریخ کا آخری صفحہ

زمن حذر نہ کنی گر لباس دیں دارم
نہفتہ کافرم و بُت در آستیں دارم!

انیسویں صدی کا سب سے زیادہ ہولناک مگر عبرت انگیز واقعہ روس کے خاندان شاہی کی بربادی ہو۔ خود زار، زارینہ، ولی عہد، تمام شاہزادے، تقریبًا پورا خاندان گولی مار کر قتل کر ڈالا گیا! یہ واقعہ فرانس کے لوئی شانزدہم اور اُس کے خاندان کے قتل سے بھی دہشتناک ہو! روس کے خاندان شاہی کی بربادی اور انقلاب سلطنت پر بکثرت کتابیں لکھی جاچکی ہیں، اور اُن تمام اسباب پر شرح و بسط سے بحث کی جاچکی ہو جو ان عظیم تغیرات و حوادث کا موجب ہوئے۔ ان اسباب میں سب سے بڑا اور سب سے عجیب سبب وہ ہو، جو بیسویں صدی کی متمدن دنیا کے لئے سخت حیرت انگیز ہو رہا ہو۔ یعنی روس کے حکمران اور اُس کی ملکہ کی مذہبی توہم پرستی، زود اعتقادی، اور علم و عقل سے محرومی ہو! یہ بات ثابت ہو چکی ہو کہ ان تمام تباہیوں کی اصلی علت ایک راہب تھا، جسکے دامِ تزویر میں زارینا اور زار پھنس گئے تھے۔

مشہور روسی شاہزادہ پرنس یوسوپوف کا روز نامچہ پچھلے دنوں شائع ہوا ہو۔ اس سے اس معاملہ پر اور بھی زیادہ گہری روشنی پڑتی ہو۔ اس بارے میں پرنس کے بیانات بہت اہم ہیں کیونکہ وہ تمام واقعات کا شاہد عینی تھا۔ صرف شاہد عینی ہی نہیں بلکہ راہب راسپوٹین کا قاتل بھی وہی ہو۔

اس روز نامچہ پر ابھی دنیا نے پوری طرح رائے زنی نہیں کی تھی، کہ اس سلسلہ کے ایک دوسرے راز کا انکشاف ہوگیا۔ یعنے یکایک دنیا کے ہاتھوں میں ایک نئی کتاب پہنچ گئی جو خود اسی راہب کی لڑکی صوفیا کے قلم سے نکلی ہو اور اُس کی یادداشتوں کا مجموعہ ہو۔ اس نئے بیان نے معاملہ کا ایک دوسرا رُخ واضح کردیا، اور دنیا اس نئے انکشاف سے انگشت بدنداں ہو کر رہ گئی!

پچھلے دنوں ان دونوں کتابوں کا مختصر خلاصہ ہندوستان کے انگریزی اخبارات میں شائع ہوا تھا، لیکن ہمیں جستجو تھی کہ زیادہ تفصیل کے ساتھ حالات روشنی میں آئیں۔ خصوصًا پرنس کی بیان کردہ تفصیلات معلوم ہوں جسنے ملکہ کے اصلی خطوط بھی شائع کردیئے ہیں۔ اب یہ تمام ذخیرہ ہمارے سامنے ہو۔ ہم پہلے پرنس کے روز نامچہ کی ایک پوری فصل درج کرتے ہیں، جس سے اس عجیب و غریب راہب کے حالات و اعمال پر پوری روشنی پڑے گی:

راسپوٹین کون تھا؟

راسپوٹین، جس سے زارینا کی عقیدت، پرستش کی حد تک پہنچ گئی تھی، سائبریا کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ اپنے عہد کا مشہور قزاق تھا، راسپوٹین نے ہوش سنبھالتے ہی باپ کا پیشہ اختیار کرلیا اور قرب و جوار کے علاقے تاخت و تاراج کرنے لگا۔ یہ بڑا ماہر ڈاکو تھا۔ گھوڑے چرانے میں اُسے خاص کمال تھا۔ بار بار گرفتار ہوا مگر حیرت انگیز طور پر ہمیشہ بچ نکلتا رہا۔ ایک مرتبہ اُسے پولیس نے بُری طرح زد و کوب بھی کیا تھا۔ چنانچہ اُس کے زخم کا نشان عمر بھر اُس کے سر میں نمایاں رہا۔

راہب کیسے بنا؟

ایک مرتبہ اتفاق سے اُس کا گزر ایک پُرانی خانقاہ میں ہوا۔ یہ خانقاہ دراصل خطاکار راہبوں کے قید کرنے کا محبس تھا۔ راسپوٹین کی ملاقات وہاں چند راہبوں سے ہوئی۔ وہ بلا کا ذہین تھا اُسنے دیکھا راہبوں کی زندگی، دُنیا کمانے کے لئے بہترین زندگی ہو۔ قزاقانہ طرز معیشت نے اُسے جسمانی تکالیف برداشت کرنے کا خوگر بنا دیا تھا۔ اُسنے خیال کیا "میں بڑی آسانی سے راہب بن سکتا ہوں" چنانچہ وہ برابر ان راہبوں سے ملتا جُلتا رہا۔ اُن سے انجیل پڑھی۔ عبادت و ریاضت کے طریقے معلوم کئے۔ وہ بہت جلد مسیحی مذہب اور رہبانیت کا عالم بن گیا۔

اب اُسنے سخت مجاہدے اور ریاضتیں شروع کردیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُس کی شہرت قرب و جوار میں پھیل گئی۔ لوگ اس قزاق کو "ولی اللہ" سمجھنے لگے۔ اسی زمانہ میں سینٹ پیٹرزبرگ (لینن گراڈ) کے ایک بشپ نے اُسے دیکھا، اس کے زہد و تقشف اور مجاہدہ و ریاضت سے نہایت متأثر ہوا۔ اپنے ساتھ پایۂ تخت لے گیا اور محل شاہی میں داخل کردیا۔

زارینا کی عقیدت

زارینا (ملکۂ روس) اُسے دیکھتے ہی معتقد ہوگئی۔ راسپوٹین نے بھی یہ بات محسوس کرلی۔ اپنا اثر اور زیادہ پختہ اور وسیع کرنے لگا۔ حتیٰ کہ زار پر بھی اُس کا جادو چل گیا۔ شہنشاہ اور ملکہ انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ اُس کے آگے اپنے گھٹنوں پر جھکتے تھے،

یاد رکھئے — صرف ہمدرد دواخانہ دہلی کا

موسم گرما کا نایاب تحفہ

شربت روح افزا ۲۹۳ (رجسٹرڈ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم باسمی ہو کر بلا تفریق مذہب عام ہر دلعزیزی و شرف مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ ممالک غیر تک شہرت حاصل کر چکا ہے اور جسکو چشم بد (حریص) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے گورنمنٹ سے رجسٹرڈ بھی کرا لیا گیا ہے۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں اُن سے تو اس کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل و پیہم شائقانہ خریداری اسکی پسندیدگی و قدر دانی کی خود دلیل ہے لیکن ہندوستان جیسے وسیع عالم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا اُن سے اس کی بیشمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید عمر و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔

ناظرین! یہ شربت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فواکہات مثل انگور، سیب۔ زنگترہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور گھبراہٹ دور کرتا ہے۔ اختلاج قلب دوران سر درد سر و متلی وغیرہ کی شکایات کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہرا طور پر رنگ دلفریب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اسکی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مدنظر ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپ بوتل دیکھ کر اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُمید افزا نمونہ ہے اور جس کی ہر چیز دیسی ہے خوش ہوں گے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اُٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہے۔ لہذا آپ شربت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنما لیبل اور اس پر لفظ رجسٹرڈ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں

واضح رہے کہ یہ شربت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی ہی سے مل سکتا ہے۔

پتہ۔ ہمدرد دواخانہ دہلی — تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما گائڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات، اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپ کو مطلع کر دے۔ نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop Guide to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

دمہ

(ضیق النفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

راہب نے بھی یہ بات محسوس کرلی تھی، اور اُس کی فاسقانہ طبیعت ہرگز گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ ایسی حسین لڑکی اُس کے دائرہ عقیدت سے نکل جائے۔ چنانچہ ہر ممکن تدبیر سے اپنا اثر بڑھاتا اور دوشیزہ کو اپنے سے زیادہ سے زیادہ قریب کرتا جاتا تھا"

"مس موصوفہ نے مجھے اپنے والد کے محل میں راسپوٹین سے ملاقات کے لئے دعوت دی۔ وہ اُس کے بارے میں اس طرح گفتگو کرتی تھی جس طرح پیغمبروں کے بارے میں کی جاتی ہے۔ لیکن مجھے اُس سے طبعًا نفرت تھی۔ اُسے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، تاہم میرا دل اُس کی کراہت سے لبریز تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ ایوان میں داخل ہوا، تو مجھے اپنا احساس چھپانے کے لئے جدوجہد کرنی پڑی۔ اُسنے سب سے مصافحہ کیا اور سب کا بوسہ لیا، حتیٰ کہ مس م... کا بھی۔ میں نے بھی مصافحہ کیا مگر اپنا بوسہ لینے نہیں دیا (روس میں قاعدہ ہے کہ بزرگ چھوٹوں کا بوسہ لیا کرتے ہیں) میں نے دیکھا کہ مس کا بوسہ لیتے وقت اُس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمکنے لگی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ اُس کے اندر بہیمیت پوری طرح کام کر رہی ہے۔

میں نے اُس کے خط و خال پر نظر غائر ڈالی۔ درمیانہ قد تھا۔ مضبوط کاٹھی تھی۔ سر بڑا، بال لمبے اور داڑھی گھنی تھی۔ سر کا ایک حصہ بالوں سے بالکل خالی تھا۔ یہ اُسی زخم کا نشان تھا جو قزاقی کے زمانہ میں لگا تھا۔ اُس وقت اُس کی عمر ۴۰ سال کی ہوگی۔ لمبا اُدورکوٹ اور بہت ڈھیلے پائنچوں کا پائجامہ پہنے تھا۔ اُس کا چہرہ بالکل روسی کسانوں کا سا تھا۔ بیضوی شکل کا، مگر ہر طرح کے تناسب سے محروم وہ یقینًا نہایت بدصورت آدمی تھا۔ جیسے کہ تمام بدنفس انسان ہوا کرتے ہیں"

"اُس کی حرکات و سکنات متکبرانہ تھیں۔ حاکمانہ شان رکھتی تھیں یہ صرف اس لئے کہ اُسے حاضرین پر اپنے اثر کا یقین تھا۔ سب لوگ اُسے انتہائی عقیدت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ وہ خود بھی اُنھیں متجسسانہ نظروں سے دیکھتا۔ وہ اُنکے خیالات معلوم کرنے کی کوشش میں تھا۔ لیکن مس م... پر اُس کی نظریں بالکل دوسرا انداز رکھتی تھیں وہ اُسے پُرہوس نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ ہر لحظہ میری نفرت بڑھتی جاتی تھی اور صاف نظر آتا تھا کہ ولیوں کے اس لباس میں ایک خبیث نفس ملفوف ہے۔

"چائے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر میرے قریب آگیا اور رندانہ انداز سے کہنے لگا "تمھاری دوست مس م... کس قدر حسین ہے! کوشش کرو کہ تمھاری رفیق زندگی بنجائے، صرف جسم ہی سے نہیں بلکہ رُوح سے بھی۔ تمھارے بارے میں اُسنے مجھ سے بارہا گفتگو کی ہے۔ وہ تمھاری طرف بہت مائل ہے۔ مجھے یقین ہے، شادی کے بعد تم دونوں حقیقی مسرت و سعادت پاؤگے!"

اس ملاقات سے چند دن بعد مس م... نے مجھ سے کہا "راسپوٹین تم سے از حد حسن ظن رکھتا ہے اور دوبارہ ملاقات کرنی چاہتا ہے"

راہب اور زار کی والدہ

"اُسوقت کوئی بھی اُس خطرے سے واقف نہ تھا جو روس کے شاہی خاندان کو اس پُراسرار راہب کی وجہ سے لاحق ہو گیا تھا۔ یہی سبب تھا کہ قصر شاہی میں اُس کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ زار کے تمام مقرب اُس کا اثر و اقتدار دیکھ کر اُس کی خوشامد میں لگے رہتے۔ لیکن مجھے اور میری ماں کو اُس سے سخت نفرت تھی۔ ہم محسوس کرنے لگے تھے کہ ایک نہ ایک دن زار کو اس راہب کے ہاتھوں روز بد دیکھنا پڑے گا۔ چنانچہ میری ماں نے زارینہ کو کئی مرتبہ متنبہ کیا اور اس چالباز کے دُور کر دینے پر زور دیا۔ خاندان شاہی کے چند اور لوگوں کا بھی یہی خیال تھا۔ اُنھوں نے بھی میری ماں سے اتفاق، کیا۔ حتیٰ کہ خود زار کی والدہ نے بھی راہب کی بہت مخالفت کی۔ مگر زارینہ کچھ اس طرح اس "مقدس مرشد" کے دام میں پھنس گئی تھی کہ اُس کی مخالفت میں ایک لفظ بھی سُن لینا گوارا نہیں کرتی تھی"!

جنگ عظیم

۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ ہم سب خوف سے کانپ اُٹھے کیونکہ جانتے تھے، اب اس راہب سے کیسے کیسے خطرے پیدا ہونیکو ہیں۔ مصیبت یہ تھی کہ زار اور زارینہ نے اپنے دوستوں سے بے اعتنائی برتی اور سراسر راہب کے ہو رہے۔ جب کبھی ہم لوگوں نے اُس کے خلاف منتیں التجائیں کرنی چاہیں، تو ملکہ نے صاف صاف کہدیا:

"میں اپنے روبرو راسپوٹین کی شان میں ایک حرف بھی کہنے کی اجازت نہ دوں گی!"

راہب کی تصویر

"جنرل ڈاہنکو نائب وزیر داخلیہ، راسپوٹین کی حقیقت سے واقف تھا۔ اُسنے بڑی کوشش سے "کلیسٹینرم" والوں کے ایک جلسہ کا مرقع حاصل کیا۔ اس مرقع میں راسپوٹین ناگفتہ بہ فسق و فجور کی حالت میں نظر آتا تھا۔ جنرل نے تصویر، زارینہ کے سامنے رکھ دی۔ مگر زارینہ کی عقیدت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ اُلٹی جنرل پر خفا ہوئی۔ تصویر جعلی قرار دی گئی، اور جن جن لوگوں پر راسپوٹین نے جعل بنانے کا شبہ کیا، اُنھیں سخت سزائیں ملیں"!

راہب جرمن جاسوس تھا

جنگ میں روسی فوجیں جس طرح برباد ہوئیں، اُس کی داستان بہت ہی دردناک ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان تمام مصائب کی اصلی علت راسپوٹین ہی کی ذات اور اُس کی خیانت تھی۔ وہ در اصل، جرمن جاسوس بن گیا تھا۔ روسی فوجوں کی نقل و حرکت کی خبریں جرمنی اور آسٹریا کے جنگی دفاتر کو روز بھیجا کرتا تھا۔ یہ بات زیادہ مدت تک چھپ نہیں سکتی تھی۔ بہت جلد تمام ملک اس عظیم مکار کی حقیقت سے واقف ہوگیا، اور محل شاہی سے اُس کی علحدگی پر زور دینے لگا مگر جوں جوں اُس کی مخالفت بڑھتی گئی، زارینہ کی عقیدت بھی بڑھتی گئی۔ آخر اُس کا اقتدار یہاں تک بڑھ گیا کہ سپہ سالاروں کا عزل و نصب اور میدان جنگ کے نقشوں کی تجویز بھی اُسی کی رائے سے ہونے لگی۔ وہ خود اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتا تھا۔ جرمن افسر اُسے وقتًا فوقتًا لکھتے رہتے تھے کہ فلاں روسی افسر کو معزول کرا دینا چاہیئے فلاں مقام ہمارے لئے مضر ہے۔ وہاں سے فوج ہٹا دینی چاہیئے۔ یہ اُنکے احکام کے مطابق یہاں رائے ظاہر کر دیتا، اور زار اُسکی فورًا تعمیل کرتا۔ نہ کرتا تو زور ڈالنے کے لئے ملکہ موجود تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روس کی تمام فوجیں گاجر مولی کی طرح کٹنے لگیں۔ وہ جس طرف رُخ کرتیں، دیکھتیں جرمن فوج پہلے سے اُن کی ہلاکت کا سامان طیار کئے موجود ہے۔

بایں ہمہ زار اور ملکہ کا تمام اعتماد اسی "مرشد" پر تھا۔ وہ کہتے تھے اس جنگ میں ہم فوج سے نہیں بلکہ اپنے مرشد کی توجہ اور برکت سے فتح پائیں گے"!

راہب کی لڑکی کا بیان

یہ تو پرنس یوسوپوف کا بیان تھا۔ اب خود راسپوٹین کی لڑکی کا بیان سُنئے۔ وصاحب البیت ادری بما فیہ۔ اس لڑکی کا نام صوفیہ راسپوٹین، ہے۔ ابتک دنیا اس کے وجود سے بے خبر تھی۔ لیکن حال ہی میں یہ ظاہر ہوئی، اور ایک مختصر کتاب میں اپنی یادداشتیں جمع کرکے چھاپ دیں۔ یہ اپنے باپ اور زارینہ کے تعلقات پر ایک بالکل مختلف قسم کی روشنی ڈالتی ہے۔ اُس کے بیان نے یورپ کے اخبارات میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ وہ لکھتی ہے:

عقیدت نہیں عشق تھا!

"زارینہ کا تعلق میرے باپ سے دینی عقیدت کے رنگ میں شروع ہوا۔ مگر بہت جلد عقیدت نے محبت کی شکل اختیار کرلی اور بتدریج محبت، عشق کے درجہ تک پہنچ گئی۔ اُسنے کئی بار میرے والد سے کہا "میں، زار سے بیزار ہو گئی ہوں، وہ ایک دوسری عورت سے وابستہ ہے۔ میں اُس سے طلاق لے لوں گی، بشرطیکہ تم مجھ سے شادی کرلو!" میرا باپ نادان نہ تھا۔ وہ جانتا تھا، یہ واقعہ کیسے ہولناک نتائج پیدا کرے گا؟ چنانچہ وہ زارینہ کو ایسا کرنے سے ہمیشہ روکتا تھا"

اس کے بعد صوفیہ لکھتی ہے

"یہ کوئی فرضی بات نہیں ہے۔ اس کا ثبوت خود زارینہ کے روزنامچے میں موجود ہے، جو اسوقت بالشویک حکومت کے قبضہ میں ہے۔ زارینہ، خود مجھ سے بھی بہت محبت کرتی تھی اور اکثر کہا کرتی تھی "میں بہت جلد تمھارے گھر میں آجاؤں گی۔ اُس وقت میں تمھاری ماں اور تم میری لڑکی ہوجاؤ گی!"

صوفیہ نے اپنے روس سے بچ نکلنے کی داستان بھی لکھی ہے۔ وہ کہتی ہے

"جب میرا باپ قتل ہوگیا تو میرے پاس دو ہزار نقرئی روبل (روسی سکہ) موجود تھے۔ میں نے سپاہیوں کو یہ رقم رشوت میں دی اور جان لے کر بھاگ نکلی"

راسپوٹین کی اخلاقی سیرۃ، ملکہ کی اُس سے بعید و غایت وابستگی اور وہ تمام حالات جو اس سلسلے میں سامنے آتے ہیں، اگر بغور دیکھے جائیں، تو صوفیہ کا بیان قرین صواب معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس صورت میں بدنصیب ملکہ کو "مرشد" کی مذہبی عقیدت سے خالی تصور کرلیا جائے۔ اس دنیا میں مذہبی عقیدت جب جہل و توہم پرستی سے لمجاتی ہے تو اُس کے عجائب و خوارق کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ بارہا یہ بات دیکھی گئی ہے کہ لوگ مذہبی عقیدت کے ساتھ ہر طرح کے اخلاقی اور مذہبی معاصی کے بھی مرتکب ہوتے ہیں، اور نہ صرف اس سے مذہبی عقیدت متاثر نہیں ہوتی، بلکہ معاصی و فسوق پر بھی مذہب کے پُراسرار تقدس کا پردہ پڑ جاتا ہے۔ ہمیں اس میں کوئی تعجب نہ ہوگا اگر ثابت ہوجائے کہ یہ بدبخت ملکہ اپنے اس "مرشد" کی ناجائز خواہشوں کا شکار تھی اور اسپر بھی اُسے اپنا مرشد اور "مقدس ولی" یقین کرتی تھی۔ جب جواز و عدم جواز کا معیا حقیقت کی جگہ عقیدت ہوجاتی ہے، تو پھر کوئی چیز بھی ناجائز نہیں ہوسکتی۔ مذہب و تقدس کی ریاکاری کی تاریخ اس طرح کے واقعات کی ایک مسلسل داستان ہے اور ابتک دنیا اُس میں برابر اضافہ کئے جاتی ہے۔

اور اُسے "مسیح ثانی" تصور کرتے تھے۔ وہ جب چاہتا بلا اجازت محل میں داخل ہوجاتا۔ زار اور زارینا کو طلب کرلیا کرتا۔ محل میں اُسے بالکل ویسی ہی آزادی حاصل تھی جیسی خود زار کو۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ راسپوٹین کی شان میں ایک لفظ بھی منہ سے نکال سکتا۔ ملکہ کو از حد غلو تھا اُسنے اپنے آپ کو بالکل اِس دجّال کے حوالہ کردیا تھا"

ملکہ کی مجنونانہ عقیدت کا ثبوت اُس کے اُن خطوں سے بھی ملتا ہے جو دسمبر ۱۹۱۶ء یعنی انقلاب حکومت سے صرف تین مہینے پہلے اُسنے زار کو لکھے تھے۔ پرنس یوسوپوف نے یہ خطوط اپنے روزنامچہ میں نقل کردئیے ہیں۔ اِن سے روس کے خاندان شاہی کی ذہنیت پر عجیب روشنی پڑتی ہے۔ صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ زار کس درجہ کمزور دل و دماغ کا آدمی تھا، اور زارینہ کس درجہ پست خیال مگر ساتھ ہی اپنے شوہر پر کس قدر حاوی تھی؟ ذیل میں صرف چند خط بطور نمونے کے ملاحظہ ہوں:

زارینہ کے خطوط

ایک خط میں زارینہ "بروٹوف" کو وزیر داخلیہ بنانے کی سفارش کرتی ہے۔ یہ شخص راسپوٹین کا پروردہ تھا۔ راسپوٹین چاہتا تھا اسے وزیر داخلیہ بناکر پس پردہ تمام ملک پر حکومت کرے۔ زارینہ اپنے شوہر کو لکھتی ہے:

"بروٹوف کو وزیر بنادو۔ مخالفوں کی مخالفت کی ذرا بھی پرواہ نہ کرو، ورنہ وہ جری ہوجائیں گے اور برابر یوں ہی دباتے رہیں گے وہ سمجھیں گے تم اُن سے ڈر گئے ہو۔ وزیر اعظم اور ڈوما (پارلیمنٹ) کے صدر کی کیا حقیقت ہے؟ یہ ذلیل آدمی ہیں۔ کیونکہ "مقدس باپ" (یعنی راسپوٹین) نے اُن کی بابت یہی خیال ظاہر کیا ہے۔ بروٹوف کو میری خاطر وزیر بنادو۔ کیونکہ وہ تم پر، تمھارے بچوں پر، اور روس پر جان دیتا ہے۔ ایک بڑے پادری نے مجھ سے کہا ہے" وہ سلطنت کبھی برباد نہیں ہوسکتی، جس کی حفاظت پر ولی ہوتے ہیں!" یہ قول بالکل صحیح ہے۔ لہذا ہمیں چاہئے کہ اپنے ولی (راسپوٹین) پر بھروسہ کریں، اس کی اطاعت کریں، اُس کی نصیحتوں پر عمل کریں۔ ہمارے وَلی کی یہی نصیحت ہے کہ بروٹوف وزیر بنا دیا جائے۔ لہذا اسکے قبول کرنے میں تامل نہ کرو۔ یہ نہ سمجھنا کہ ہمارے ولی سے کوئی بات بھی مخفی رہتی ہے۔ مسیح نے اُسے سب کچھ دکھا دیا ہے۔ وہ جب کوئی دعا کرتا ہے، پوری ہوجاتی ہے۔ جس بات کو اچھا کہدیتا ہے، اچھی ہوجاتی ہے۔ جسے بُرا کہدیتا ہے، وہ بُرا ہی ثابت ہوتا ہے۔ ہم سے تم سے بہت غلطیاں ہوجاتی ہیں، مگر ہمارے اِس مقدس مرشد سے کبھی غلطی نہیں ہوتی۔ اُس سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی ...!"

ایک دوسرے خط میں لکھتی ہے:

"ڈوما (پارلیمنٹ) فوراً توڑ دو۔ مخالفوں کی کوشش ہے کہ اِس وقت ڈوما کے جلسے برابر جاری رہیں، تاکہ فساد کی راہیں بند نہ ہوجائیں وزیر اعظم نے یہ کہکر تمھیں دہوکا دیا ہے کہ اگر ڈوما توڑ دی جائے گی تو اُسکے ممبر ملک میں پھیل کر رعایا کو بھڑکائیں گے۔ یہ وزیر اعظم کا کھلا دہوکا ہے۔ کیونکہ ہمارے مرشد کا قول ہے: اگر یہ لوگ رعایا سے جاکر بدگوئی کریں گے تو کوئی بھی اِن کا یقین نہ کرے گا۔ اِن کی اصلی قوت، اِن کے ایک جگہ جمع رہنے میں ہے۔ لہذا ڈوما توڑ کر اِن شریروں کو منتشر کردو"

ایک دوسرے خط کا مضمون یہ ہے:

"معاملہ خوب سوچ لو۔ یقین کرو ہمارے مرشد کی نصیحت میں تمھارے لئے سراسر بھلائی ہے ... پیارے! میری دلی آرزو ہے کہ تم ڈوما توڑ دو۔ یہ لوگ اندر اندر سازش کر رہے ہیں اور تم سے آکر چکنی چپڑی باتیں بناتے رہتے ہیں۔ تم اپنی نیکی کی وجہ سے ان کی باتوں میں آجاتے [illegible]

نصیحت پر چلکر ہم کامیاب ہوسکتے ہیں..."

ایک اور خط میں حسب ذیل پرجوش الفاظ ملتے ہیں:

"یہ لوگ تمھیں بیوقوف بنا رہے ہیں۔ تمھارا مذاق اُڑاتے ہیں تم اتنے کمزور کیوں ہوگئے ہو؟ اٹھو، پیٹر اعظم بنجاؤ۔ اِن بدمعاشوں کو لات مار کر گرادو۔ مجھے تمھاری کمزوری دیکھ کر سخت صدمہ ہوتا ہے ہمت باندہو اور ڈوما کو توڑ دو۔ اِن تمام بغاوت پسندوں کو ایک ایک کرکے سائبریا جلاوطن کردو۔ ہم اس وقت جنگ میں ہیں۔ اندرونی بغاوت، میدان جنگ کی شکست سے بھی زیادہ مہلک ہوگی۔ تمھارا خیال وہ کیوں نہیں ہے جو میرا ہے؟ میں نہیں سمجھ سکتی ایسا کیوں ہے؟ بلاشبہ میں ایک عورت ہوں۔ لیکن عقل و ضمیر رکھتی ہوں میں جانتی ہوں، روس کی نجات اُسی میں ہے جو ہمارے مرشد کا حکم ہے۔ تمھیں یاد نہیں فرانسیسی مدبر سیو فلپ نے کیا کہا تھا؟ اُسنے کہا تھا: روس کو حکومت خود اختیاری دینا، روس کو برباد کرڈالے گا اور خود زار کو بھی! یہی ہر سچے روسی کا بھی خیال ہے۔ میں جانتی ہوں، تمھیں میری اِس سخت کلامی سے تکلیف ہوگی۔ مگر میں اسپر مجبور ہوگئی ہوں۔ روس کی ملکہ، زار کی بیوی، اور ولی عہد کی ماں ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ اپنے خیالات تم تک پہونچا دیا کروں نیز اپنے مرشد کی نصیحتوں سے بھی تمھیں خبردار کرتی رہوں ...!"

پانچویں خط میں بھی "مرشد" کے احکام کی تعمیل پر پورا زور دیا گیا ہے:

"میری زندگی کا سب سے بڑا ارمان یہ ہے کہ تمھیں دشمن کے سامنے اِس طرح سربلند دیکھوں، جس طرح شیر، لومڑیوں کے سامنے ہوتا ہے تم اِن جمہوریت پسند کمینوں کے ساتھ کیوں بیٹھتے ہو؟ طاقتور حاکم کیوں نہیں بنجاتے؟ اگر تم اکڑ جاؤ گے تو یہ سب بزدل سر جھکا دینگے۔ یاد رکھو، تمھاری اور روس کی نجات صرف اسمیں ہے کہ اِس مرشد کامل کے حکموں کی تعمیل کرتے رہو...!"

مقدس نفس پرستی!

یہ حال ملکہ کی عقیدت کا تھا، حالانکہ اِس راہب کی نجی زندگی ناقابل بیان حد تک فاسقانہ تھی۔ اُسوقت روس میں "کلیسٹیزم" کا بہت زور تھا۔ "کلیسٹیزم" باقاعدہ نفس پرستی کا دوسرا نام ہے۔ اِس مذہب کے متبعین کا عقیدہ تھا کہ قوائے شہوانی، خدا کا ایک عظیم عطیہ ہیں۔ اِس بخشش کا شکریہ اسی طرح ادا کیا جاسکتا ہے کہ اُن سے انسان دل کھولکر متمتع ہو، اور ہرگز اُنکے استعمال میں بخل نہ کرے۔ چنانچہ یہ لوگ فسق و فجور میں اِس درجہ بے روک تھے کہ کسی طرح بھی قلم اُس کی طرف اشارہ نہیں کرسکتا۔ تفصیلات ناگفتہ بہ ہیں۔ راسپوٹین بھی اسی گروہ میں شامل تھا۔ قصر شاہی میں زہد و تقشف ظاہر کرتا، اور باہر آکر شراب خواری اور ہر طرح کے فسق و فجور میں منہمک ہوجاتا!

زمن حذر نہ کنی گر لباس دیں دارم
نہفتہ کافرم و بت در آستیں دارم!

راہب سے پرنس کا تعارف

آگے چلکر پرنس یوسوپوف لکھتا ہے:

"راہب راسپوٹین سے میری پہلی ملاقات ۱۹۰۹ء میں یعنی جنگ عمومی سے ۵ سال پہلے ہوئی تھی۔ میرے دوست ج ... کی لڑکی مس م ... روس کی حسین ترین دوشیزہ تھی۔ پہلی ہی نظر میں انسان اُسکے معصوم حسن و جمال اور قلب کی طہارت کا قائل ہوجاتا تھا۔ میرے بھائی کو اُس سے عشق تھا۔ وہ بھی اُس کی محبت میں سرشار تھی۔ لیکن بدقسمتی سے وہ بھی راسپوٹین کے جال میں پھنس گئی۔ اپنے دل کی نیکی اور حد سے زیادہ تقوی کی وجہ سے [illegible]

اختتام پر مجلس کے انتخاب کے ساتھ صدر جمہوریت کا بھی انتخاب ہوتا ہے۔ پُرانا صدر دوبارہ صدر ہو سکتا ہے بشرطیکہ مجلس وطنی کے انتخاب میں کامیاب ہو جائے۔

خاص روایات

مجلس وطنی کی بعض روایات بالکل انوکھی ہیں مثلاً یہ کہ وہ کسی حال میں بھی برخواست نہیں کی جا سکتی، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ پھر وہ سال کے بارہ مہینوں میں کبھی چھٹی نہیں لیتی۔ ہمیشہ اُس کے جلسے منعقد ہوتے ہیں۔ حالانکہ دُنیا کی دوسری پارلیمنٹیں عام طور پر کسی ایک موسم میں بند رہتی ہیں۔ لیکن خود مجلس کو اختیار ہے کہ جب چاہے اپنے آپکو منتشر کر دے۔ اس صورت میں انتخابات از سر نو جاری ہونگے۔ اسی طرح اگر مجلس کبھی چھٹی لے لے تو اُس کے دوبارہ اجتماع کے لئے صدر جمہوریت یا مجلس وکلاء (وزراء) کی دعوت کی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہی بلا کسی کی دعوت یا حکم کے جمع بھی ہو جاتی ہے۔ جب کبھی مجلس چھٹی پر ہو یا ٹوٹ جائے تو اُس کے دوبارہ اجتماع یا انتخاب سے پہلے حکومت نہ کوئی قانون جاری کر سکتی ہے نہ کوئی اور نئی کارروائی کر سکتی ہے۔ حالانکہ دوسرے ملکوں میں طریقہ یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں حکومت ضروری قانون جاری کر دیا کرتی ہے اور بعد میں پارلیمنٹ کی منظوری حاصل کر لیتی ہے۔

دینی امور

لیکن ملک میں صرف ایک شعبہ ایسا موجود ہے جس پر مجلس وطنی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ شعبہ دینیات کا ہے۔ یہ اس لئے کہ ٹرکی میں سیاست اور دین کو بالکل الگ کر دیا گیا ہے۔ دینی امور کی انجام دہی کے لئے ایک مستقل شعبہ بنا دیا گیا ہے۔ اس شعبہ کے صدر کا رتبہ، وکیل یا وزیر کا رتبہ ہے۔ یہ صدر مجلس کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ رئیس الوکلاء یا وزیر اعظم اُس سے جواب طلب کر سکتا ہے۔ اور وہی مجلس وطنی کو اس شعبہ کے حالات سے مطلع کرتا ہے۔

مجلس وطنی تمام معاملات پر اپنے ارادہ و اختیار سے بحث کرتی ہے اُس میں دوسری پارلیمنٹوں کی طرح پارلیمنٹری کمیٹیاں موجود نہیں ہیں۔ مجلس وکلاء ضروری مسائل مجلس وطنی کے سامنے پیش کرتی ہے اور وہ براہ راست اُس پر بحث کرتی ہے۔

"محاکم استقلال"

ٹرکی کے "محاکم استقلال" کا نام تمام عالم میں مشہور ہو چکا ہے۔ یہ بھی مجلس وطنی کی ایک غیر معمولی عدالتی قوت کا نام ہے۔ محاکم استقلال سے مقصود وہ خاص عدالتیں ہیں جو جمہوریت پر خطرے کے وقت وسیع اختیارات کے ساتھ قائم کر دی جاتی ہیں۔ یہ ایک طرح کی جنگی عدالتیں کہی جا سکتی ہیں۔ یہ فوراً فیصلہ کرتی ہے۔ لیکن اُس کے فیصلہ کی تنفیذ بغیر مجلس وطنی کی منظوری کے نہیں ہو سکتی۔ جب یہ عدالتیں قائم ہو جاتی ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ملک حالت امن و سلامتی میں نہیں ہے۔

مخالف پارٹیاں

مجلس وطنی میں مخالف پارٹیاں موجود نہیں ہیں۔ اُسمیں صرف ایک ہی پارٹی ہے اور وہ جمہوریت یا مصطفےٰ کمال پاشا کی پارٹی ہے مجلس وطنی کے کل ممبروں کی تعداد ۲۸۸ ہے۔ اسمیں کمالی پارٹی کے آدمی ۲۷۰ ہیں۔ یعنی کل ۱۸ ممبر اس پارٹی سے باہر ہیں۔ ظاہر ہے اتنی قلیل جماعت کو مخالف پارٹی نہیں کہہ سکتے۔

مجلس کا الاؤنس

مجلس وطنی کے ممبروں کو ماہوار الاؤنس نہیں ملتا۔ بلکہ انتخاب میں کامیابی کے دن پورے پارلیمنٹری سال کے لئے یکمشت ملجاتا ہے۔ ہر ممبر کو ۵ سو ترکی پونڈ یعنی تقریباً ساڑھے ۵ سو انگریزی پونڈ الاؤنس ملتا ہے۔

صدر جمہوریت کا سالانہ الاؤنس تیرہ ہزار ترکی پونڈ ہے۔ اُس کے قیام اور سرکاری جلسوں کے مصارف اس کے علاوہ ہیں۔ اُسے تین موٹریں بھی دی جاتی ہیں۔ ایک اُس کی ذات خاص کے لئے ہوتی ہے اور دو، اُس کے وزراء کے لئے۔ ہر وکیل یا وزیر کو سالانہ ۷ سو ترکی پونڈ ملتے ہیں۔ مجلس وطنی کے مصارف کا آخری بجٹ ۹۶،۱۴۴ پونڈ ترکی تھا۔

"تورک اوجاغی"

"تورک اوجاغی" کا نام مدت سے اخبارات کے صفحوں پر گشت کر رہا ہے۔ مگر کم آدمی اس کی حقیقت سے واقف ہیں "تورک اوجاغی" کے معنی ہیں ترکی وطن۔ یہ دراصل ایک عظیم الشان انجمن ہے۔ ۱۹۱۲ء میں قائم ہوئی تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ترکی قوم میں قومیت و وطنیت کے جذبات برانگیختہ کئے جائیں۔ اُسے ذہنی و دماغی ترقی کے لئے طیار کیا جائے، اور ملک کو اجنبی مداخلت و تسلط سے بچایا جائے۔ جنگ سے پہلے اسے بہت اہمیت و قوت حاصل تھی۔ عام طور پر نوجوان ترک اُس کے حامی تھے۔ حکومت کے اکثر عہدے دار اُسی کے ارکان اور ممبر تھے۔ جنگ عمومی نے اسے عارضی طور پر کمزور کر دیا تھا۔ مگر جنگ کے شکست پر ختم ہوتے ہی پھر اُسنے قوت حاصل کر لی اور پچھلے جہاد آزادی میں ..... بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دئیے۔ یہ جہاد کامیابی پر ختم ہوا اور انجمن کا ایک اساسی مقصد بھی پورا ہو گیا۔ اس لئے اُس کے پروگرام میں ترمیم کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ ۱۹۲۳ء میں اُس کی عام کانفرنس انگورہ میں منعقد ہوئی اور پروگرام میں تغیر و تبدل کیا گیا..... اُس کے موجودہ پروگرام میں یہ تین دفعات بہت اہم ہیں۔

(۱) جمہوری افکار کی اشاعت۔

(۲) جدید تمدن کو مقبول بنانا۔

(۳) مساوات کی تعلیم و تبلیغ۔

جنگ آزادی کے بعد سے اس انجمن کا صدر دفتر قسطنطنیہ کے بجائے انگورہ میں منتقل ہو گیا ہے۔ ۱۹۲۶ء میں اُس کی سالانہ کانفرنس کا افتتاح خود غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے کیا تھا۔ اسوقت سے اُسے بہت زیادہ اہمیت و مقبولیت حاصل ہو گئی ہے۔

اس انجمن کی ۲۷۳ شاخیں ہیں اور تمام ملک میں پھیلی ہوئی ہیں مرکزی انجمن کی انتظامی مجلس ۱۲ ارکان سے مرکب ہوتی ہے۔ شاخوں کی انتظامی مجلسوں میں سے ۷ رکن ہوتے ہیں۔ ہر شاخ کو پوری آزادی ہے کہ مقامی حالات و مصالح کی رعایت سے اپنا الگ پروگرام بنالے چنانچہ بعض علاقوں میں یہ انجمن صرف وبائی امراض کے خلاف جدّ و جہد کرتی ہے۔ بعض میں بچوں کی تربیت اُسنے اپنے ذمّہ لے لی ہے۔ بعض میں عورتوں کی ترقی اُس کا مقصد ہے۔

اس انجمن میں مرد اور عورتیں یکساں طور پر شریک ہیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ کی انجمن کی صدر ایک عورت ہی ہے۔ یہ خاتون نہایت تعلیم یافتہ اور معزز ہے۔ اس کا نام نقیبہ خانم ہے۔ انجمن کی صدارت کے ساتھ ساتھ وہ ایک ثانوی مدرسہ (سکنڈری اسکول) کی مہتمم بھی ہے۔

ٹرکی میں "خلق فرقہ سی" کے بعد سب سے زیادہ طاقتور انجمن یہی ہے اور بہت مفید کام کر رہی ہے۔

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے سفر آستانہ کی تفصیل گزشتہ ہفتہ لکھ چکا ہوں۔ لیکن جس جوش و خروش کا اظہار باشندگان شہر نے اُنکے استقبال کے موقعہ پر کیا اور جس کا سلسلہ آجتک جاری ہے، اُس کی تصویر قلم سے کھینچنا آسان نہیں ہے۔ میں نے گزشتہ ۱۵ سال میں یہاں بڑے بڑے تاریخی مظاہرے دیکھے۔ ان میں سے ہر مظاہرے کے متعلق یہی خیال ہوتا تھا کہ اس سے بڑے مظاہرے کا ہونا مشکل ہے۔ لیکن مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جو کچھ میں نے اس موقعہ پر دیکھا، اسکے مقابلے میں پچھلے تمام مظاہرے بے حقیقت ہیں!

غازی بروسہ میں

پرسوں غازی ممدوح شہر بروسہ تشریف لے گئے جہاں عصمت پاشا تبدیل آب و ہوا کے لئے مقیم ہیں۔ اُن کی ملاقات کے بعد غازی اُسی دن رات کو واپس چلے گئے۔ اس سفر میں اُن کے ساتھ وزیر خارجہ توفیق رشدی بک اور وزیر عدالت محمود اسعد بک وغیرہ بھی تھے۔

افغانستان اور ٹرکی

۴ دن پہلے یہاں ہز اکسلنسی محمود طرزی خاں وزیر خارجہ افغانستان ترکی وزیر خارجہ توفیق رشدی بک کے ساتھ وارد ہوئے۔ آمد کی غرض غازی مصطفےٰ کمال پاشا سے ملاقات کرنا تھی۔ چنانچہ ملاقات ہوئی اور ممدوح یورپ روانہ ہو گئے۔

سیاسی حلقوں میں اس ملاقات کو اہمیت دیجاتی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ اپنے پچھلے مکتوب میں عرض کر چکا ہوں، اسوقت روسی انگریزی نزاع نے افغانستان کے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہے اور وہ برطانیہ کی تعدی سے بچنے کے لئے ابھی سے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔

بیزنطینی آثار

تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ روم کی عظمت کے زوال کے بعد ایک زمانہ میں قسطنطنیہ نے کتنا عروج حاصل کر لیا تھا؟ یونان اور روم کا تمام علم و فن سمٹ کر اسی عروس البلاد میں جمع ہو گیا تھا۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ یونان اور روم کے عہد عظمت میں گھوڑ دوڑ کے میدانوں کو کتنی اہمیت تھی۔ اُنکی آرائش کا کیسا اہتمام کیا جاتا تھا؟ ان میں کامیابی حاصل کرنے والوں کی کتنی تعظیم و تکریم ہوتی تھی؟ اُس عہد میں یہ چیز اس قدر اہمیت رکھتی تھی کہ ہومر کو بھی اس کا ذکر کرنا پڑا۔ عام طور پر یہ میدان کسی بلند ٹیکرے پر بنائے جاتے تھے۔ تقریباً ۵۰۰ میٹر لمبے اور ۲۰۰ میٹر چوڑے ہوتے تھے۔ ان کا نام "ہپڈروم" تھا۔ قسطنطنیہ میں بھی ایک "ہپڈروم" تھا اور از حد وسیع اور شاندار تھا۔ قسطنطنیہ کے شہنشاہوں نے اس کی آراستگی پر صدیوں محنت کی یہاں تک کہ وہ دُنیا بھر میں مشہور ہو گیا تھا اور دُور دُور سے سیّاح اُسے دیکھنے کے لئے آتے تھے۔

تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ "ہپڈروم" ٹھیک استنبول کے قلب میں اُس میدان کے اندر واقع تھا جس کے ایک طرف اب جامع سلطان احمد ہے، اور دوسری طرف جامع ایا صوفیہ ہے۔ حکومت عثمانیہ نے اس میدان میں تنقیب (کھدائی) کی اجازت دینے سے ہمیشہ انکار کر دیا تھا لیکن جمہوری حکومت نے اجازت دے دی۔ چنانچہ پروفیسر اسٹیلی کاسن کی ماتحتی میں ماہرین آثار کی ایک جماعت کھدائی میں مشغول ہے۔ اسوقت تک جتنے آثار برآمد ہو چکے ہیں اور آئندہ جتنے نکلیں گے، وہ سب ترکی حکومت کی ملک ہونگے۔

بریدِ شرق

نوجوان ٹرکی پر ایک نظر

کچھ عرصہ سے بعض متاجرائد مصر نے ایک خاص نمائندہ ٹرکی بھیجا ہے تاکہ وہاں کی موجودہ اجتماعی زندگی کا مطالعہ کرے۔ اس کی بکثرت تحریریں مصر کے اخبارات میں شایع ہو رہی ہیں، اور اہم فوائد پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں ہم بعض تحریروں کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

انگورہ

ترکی جمہوریت کی جنم بھومی "انگورہ" ہنوز ایک قصبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُسے شہر کہنا ایک حد تک غلط ہوگا۔ مکان عموماً پست، یک منزلہ اور قدیم طرز کے ہیں۔ سڑکیں بھی تنگ ہیں۔ ہوٹل نہایت معمولی درجے کے ہیں۔ شہری زندگی کے لوازم کم دستیاب ہوتے ہیں معیشت بہت گراں ہے۔ متوسط زندگی بسر کرنے کے لئے ڈیڑھ پونڈ سے بھی زیادہ صرف ہو جاتے ہیں۔ ہوٹلوں کا کرایہ بہت زیادہ ہے۔ دس بارہ روپیہ روز دینا پڑتے ہیں، مگر پھر بھی آرام نہیں ملتا۔ وجہ یہ ہے کہ انگورہ بڑے شہروں سے دُور ہے اور ضروریات زندگی بہ آسانی نہیں مہیا کیجا سکتیں۔

سوال ہو سکتا ہے کہ پھر ترکی مدبروں نے آستانہ اور دوسرے آباد شہر چھوڑ کر یہی گاؤں اپنا پایۂ تخت کیوں قرار دیا؟ اس کا جواب خود ترک مدبر بار بار دے چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "اناطولیہ، اس ملک کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ سلاطین آل عثمان نے اناطولیہ کی طرف سے ہمیشہ غفلت و اعراض کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی قومیت برباد ہو گئی۔ ترکی قومیت کی بربادی خود سلطنت کی بربادی تھی۔ اب ہم اپنے اصلی ملک کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اب ہماری تمام اُمیدیں صرف اسی میں مرکوز ہیں، لہذا ہم نے قلب کو مرکز بنایا ہے تاکہ یہیں سے نئی قومیت کی روح ملک کی رگ رگ میں دوڑا دیں" علاوہ بریں وہ اس پہلو پر بھی توجہ دلاتے ہیں کہ "اب ہم یورپ کے اثر سے دُور رہنا چاہتے ہیں یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی اگر ہم اس دُور افتادہ مقام میں اپنی حکومت قائم نہ کرتے"

سوال ہو سکتا ہے کہ اگر یہی بات ہے تو پایۂ تخت کو شہر کی صورت کیوں نہیں دیتے؟ اس کا جواب ترک مدبروں نے یہ دیا ہے کہ "ہمارا ملک جنگوں نے برباد کر ڈالا ہے۔ ہماری قوم کا دل و دماغ صدیوں کے ظلم و جمود سے تباہ ہو چکا ہے۔ ہم پہلے اپنے ملک کی اقتصادی، تجارتی، زرعی، حالت درست کریں گے۔ قوم کو قوم بنائیں گے۔ اسکے بعد ہمیں شہروں کی آراستگی کا خیال کرنا چاہیے"!

انگورہ کو پایۂ تخت قرار دینے میں ترک مدبروں کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ وہ شہروں کے عیش و نشاط اور لہو و لعب سے دُور رہنا اور شب و روز محنت اور کام کرنا چاہتے ہیں۔ قسطنطنیہ میں جبتک حکومت کا مرکز رہا، کبھی اس مستعدی سے کام نہیں ہوا جیسا اب انگورہ میں ہو رہا ہے۔

لیکن یہ بات نہیں ہے کہ ترکوں نے انگورہ کو بالکل اُسکی سابق حالت ہی میں چھوڑ دیا ہو۔ وہ آہستہ آہستہ اُسے ترقی دے رہے ہیں۔ انگورہ کے اطراف میں ایک نئے شہر کی بنیادیں پڑ گئی ہیں۔ اپنے وقت پر وہ مکمل ہو جائے گا۔ فی الحال انگورہ کی آبادی ۴۰ سے زیادہ ۵۰ ہزار ہے۔

انگورہ کے مناظر پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن جس منظر نے میرے دل پر سب سے زیادہ اثر کیا، وہ ترک افسروں اور سپاہیوں کا وقار اور خاموشی سے سڑکوں پر سے گزرنا تھا۔ میں جب اُنھیں دیکھتا تھا تو بے اختیار قلب اُن کی عظمت کے سامنے جھک جاتا تھا میں سوچتا تھا "یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے خونریز جنگیں سر کیں اور تمام یورپ کو مغلوب کر کے اپنی قوم کا گرا ہوا جھنڈا از سر نو بلند کر دیا!" ترکی افسر اور سپاہی ہمیشہ سے اپنی سنجیدگی اور وقار میں مشہور ہیں۔ مگر اب اتنی طویل جنگوں کے بعد اُن کی کچھ عجیب حالت ہو گئی ہے۔ وہ رعب و جلال ہے کہ اُس کی نظیر دنیا کی کسی فوج میں نہیں ملتی۔

مجلس وطنی کی عمارت

انگورہ کی سب سے زیادہ شاندار عمارت، مجلس وطنی یا ترکی پارلیمنٹ کی عمارت ہے۔ یہ دو منزلہ عمارت ہے۔ اوپر کے طبقہ میں صدر مجلس کا دفتر ہے۔ نیچے کے کمروں میں مجلس کے مختلف شعبوں کے دفتر ہیں۔ بائیں پہلو میں ایک وسیع ایوان ہے۔ ۲۵ میٹر لمبا اور ۱۲ میٹر چوڑا۔ یہی پارلیمنٹ کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ اسمیں ترکی قالینوں کا فرش ہے۔ صدر میں ڈیڑھ میٹر بلند چبوترہ ہے۔ چبوترے کے وسط میں صدر مجلس کی جگہ ہے۔ اسکے دونوں پہلوؤں پر نصف میٹر نیچے کاتبوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اس سے ذرا اور نیچے ایک اور چبوترہ ہے۔ اور اسی پر کھڑے ہو کر مقرر تقریریں کرتے ہیں۔ اس کے سامنے ایک کٹہرا ہے جسمیں سرکاری رپورٹر بیٹھتے ہیں۔ اس کے بعد ممبروں کے بیٹھنے کی جگہیں ہیں۔ ہر نشست میں دو اور کبھی تین آدمی بیٹھتے ہیں۔ یہ تمام نشستیں باہم قریب قریب ہیں، کیونکہ ایوان باوجود اپنی وسعت کے ناکافی ہے۔ ایوان کی سطح سے تین میٹر بلندی پر پیچھے تماشائیوں کی جگہ ہے۔ اسی کے داہنے پہلو پر ایک مذہب و مطلا نشست ہے جس کے لئے ایک خاص دروازہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ نشست غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی ہے۔ وہ جب چاہتے ہیں، اسمیں بیٹھ کر جلسے کی کارروائی دیکھا کرتے ہیں۔ ایوان کے صدر میں مجلس کے دائیں بائیں سفرار دول کی نشستیں ہیں۔ مجلس کے جلسے عموماً عصر کے بعد شروع ہوتے ہیں۔

مجلس وطنی

ترکی انقلاب کا سب سے عجیب کارنامہ یہی مجلس ہے۔ اس میں بیک وقت دو متضاد چیزیں جمع ہو گئی ہیں: شخصی تفویض اور جمہوری روح۔ یہ مجلس اپنے اندر ایسے عجیب اصول و قواعد اور غیر معمولی روایات رکھتی ہے جس کی نظیر دنیا کی کسی پارلیمنٹ کی تاریخ میں موجود نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے:

موجودہ مجلس وطنی کا نام ترکی زبان میں "بویوک ملت مجلسی" ہے۔ یہ اُس مجلس قومی کی پیداوار ہے جو جنوری ۱۹۲۱ء میں قائم ہوئی تھی۔ اسی نے اپنے حوصلہ مندانہ اقدامات سے ٹرکی کی تاریخ بدل دی۔ اسی نے قدیم نظام سلطنت توڑا، اور جمہوریت قائم کی (۲۳ راکتوبر ۱۹۲۳ء میں) اسی نے خلافت سے دست برداری کا اعلان کیا (۱۹۲۴ء) اسی نے دستور اساسی بنایا (۲۰ اپریل ۱۹۲۴ء) یہی وہ دستور اساسی ہے جس پر موجودہ مجلس وطنی قائم ہوئی ہے۔

ٹرکی میں جملہ قوتیں اور اختیارات صرف مجلس وطنی ہی کو حاصل ہیں۔ اس کے ہم پلہ کوئی دوسری قوت موجود نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ترکی دستور حکومت صرف ایک ہی مجلس پر قائم ہے۔ حالانکہ دُنیا کے دوسرے دستوری ملکوں میں عموماً دو مجلسیں ہوتی ہیں: مجلس عوام اور مجلس خواص۔

ترکی مجلس وطنی کو دُنیا کی دوسری پارلیمنٹوں سے یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ وہ تقسیم اختیارات کا نظریہ تسلیم نہیں کرتی۔ یہی باعث ہے کہ تینوں قسم کے اختیارات اور قوتیں یعنی تشریعی (قانون سازی) تنفیذی، اور عدالتی، تنہا اُسی میں جمع ہیں۔ اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ ٹرکی میں وزارتی مسئولیت کا وجود نہیں ہے، بلکہ سرے سے اُس معنی میں کوئی وزارت اور تنفیذی قوت موجود ہی نہیں ہے، جس معنی میں دُنیا کے دوسرے دستوری ملکوں میں ان کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ تنفیذی قوت، خود مجلس وطنی ہی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے ارکان کی ایک جماعت کے ذریعہ یہ قوت استعمال میں لاتی ہے۔ ارکان کی اس جماعت کو صدر جمہوریت یا صدر مجلس منتخب کرتا ہے اور معلوم ہے، صدر جمہوریت اور صدر مجلس دونوں کا انتخاب خود مجلس کرتی ہے۔ پھر ان ارکان کے انتخاب کی لازمی شرط یہ بھی ہے کہ مجلس اُنھیں منظور کر لے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صدر جمہوریت یا صدر مجلس کے انتخاب کردہ ارکان بھی درحقیقت مجلس ہی کے منتخب کردہ ہوتے ہیں۔ یہی ارکان، وزراء ہیں جنھیں ترکی اصطلاح میں "وکیل" کہتے ہیں۔ یعنی وہ تنفیذی قوت کے اجراء میں مجلس کے وکیل یا نائب ہیں۔ انہی وکلاء کی مجلس، حکومت کی مجلس (کیبنٹ) ہے۔

اس صورت حال کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ قانون اساسی کی رُو سے مجلس وطنی کسی حال میں بھی توڑی یا برخواست نہیں کی جا سکتی۔ اگر کبھی مجلس وکلاء اور مجلس وطنی میں اختلاف پیدا ہو جائے، تو آخر الذکر نہیں، ہمیشہ اول الذکر ہی کو مستعفی ہونا پڑے گا!

اسی طرح عدالتی قوت بھی مجلس وطنی ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اسکے استعمال کا حق عدالتوں کو بخشتی ہے۔ گویا عدالتیں بذات خود کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ وہ بھی مجلس وطنی کے محض "وکیل" ہیں۔

مجلس وطنی اور صدر جمہوریت

صدر جمہوریت ہی مجلس وطنی کا صدر ہوتا ہے۔ وہ جب چاہے مجلس کے جلسوں کی صدارت کرے۔ اُس کی عدم موجودگی میں اُس کا نائب صدارت کرتا ہے۔ صدر جمہوریت کے اختیارات یہ ہیں کہ مجلس وکلاء کا انتخاب وہی کرتا ہے (جس کی تصدیق کے لئے مجلس وطنی کی منظوری ضروری ہے) سفراء کے کاغذات وہی قبول کرتا ہے۔ مجلس وطنی کے جملہ قوانین اُسی کے نام سے شایع ہوتے ہیں۔ مجلس کے سالانہ افتتاح کے موقعہ پر یکم جنوری کو وہی افتتاحی تقریر کرتا ہے۔ مجرموں کو معافی دینے کا بھی اُسے حق ہے، مگر بہت محدود۔ لیکن جنگ و صلح کا اعلان اور معاہدوں کا انعقاد اُس کے اختیارات سے بالکل باہر ہے۔ یہ کام صرف مجلس وطنی کے ہیں۔ صدر جمہوریت مجلس کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ مجلس اُس سے صرف اُسی وقت باز پرس کر سکتی ہے جب وہ ملکی خیانت کا مرتکب ہو۔ اُس کی صدارت کی مدت ۴ سال ہے۔ یہی مدت مجلس وطنی کی طبعی عمر ہے۔ اس کے

ملت ترک کردي تهي - راه حق سے کٹ گیا تها - صالحین کے طور طریقه سے دور هوگیا تها - تو نے نیک انسان قتل کرکے اُن کي جماعت فنا کر ڈالي - تابعین کي جڑیں کاٹ کر اُن کا پاک درخت اکهاڑ پهینکا - افسوس تو نے خالق کي نافرماني میں مخلوق کي اطاعت کي - تو نے خون کي ندیاں بہادیں - جانیں لیں - آبروئیں برباد کیں - کبر و جبر کي روش اختیار کي - تو نے نه اپنا دین هي بچایا ' نه دنیا هي پائي - تو نے خاندان مروان کو عزت دي ' مگر اپنا نفس ذلیل کیا - اُن کا گهر آباد کیا ' مگر اپنا گهر ویران کرلیا - آج تیرے لیے نه نجات هے نه داد فریاد - کیونکه تو آج کے دن اور اِس کے بعد سے غافل تها - تو اِس امت کے لیے مصیبت اور قهر تها - الله کا هزار هزار شکر که اُسنے تیري موت سے امت کو راحت بخشي ' اور تجهے مغلوب کرکے اُسکي آرزو پوري کردي ! "

(حجاج کي عجیب رحمت طلبي !)

راوي کهتا هے - حجاج یه سن کر مبهوت هوگیا - دیر تک سناٹے میں رها - پهر اُس نے ٹهنڈي سانس لي ' آنکهوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ' اور آسمان کي طرف نظر اُٹها کر کها :

" الهي ! مجهے بخش دے ' کیونکه لوگ کهتے هیں که تو مجهے نهیں بخشے گا ! " پهر یه شعر پڑها :

رب ان العباد قد أیأسوني و رجائي لک الفداة عظیم !

الهي ! بندوں نے مجهے نا امید کر ڈالا ' حالانکه میں تجهه سے بڑي هي امید رکهتا هوں !

یه کهکر اُسنے آنکهیں بند کرلیں -

اسمیں شک نهیں ' رحمت الهي کي بے کنار وسعت دیکهتے هوئے اُسکا یه انداز طلب ایک عجیب تاثیر رکهتا هے اور اِس باب میں بے نظیر مقوله هے - یهي وجه هے که جب حضرت حسن بصري سے حجاج کا یه قول بیان کیا گیا تو وه پهلے تو متعجب هوے " کیا واقعي اُسنے یه کها ؟ " کها گیا " هاں اُسنے ایسا هي کها هے " فرمایا " تو شاید ! " (یعني شاید اب بخشش هو جائے)

اطلاع

اُس نمبر کے تمام فارم طیار هوچکے تهے - صرف آخري چو صفحه باقي تها که ایک حادثه کي وجه سے خوشنویس اپنے وطن چلے گئے ' اور اُن کي جگه جس خوشنویس سے کتابت کا انتظام کیا گیا ' وه بهي بروقت کام نه کر سکے - نتیجه یه نکلا که اُن تمام مضامین کي کتابت رهگئي جو آخري چو صفحه میں دیے جاتے هیں - ممکن تها که یه تمام حصه کمپوز کراکے شامل کردیا جاتا ' لیکن اسکي وجه سے ایک دن کي تاخیر هوجاتي - چونکه اب هم سب سے زیاده ضروري بات رساله کي بروقت اشاعت سمجهتے هیں - اسلیے یهي مناسب نظر آیا که یه نمبر ۲۴ صفحه هي کا شائع کردیا جاے ' مگر اشاعت میں تاخیر نهو - انشاء الله اسکي تلافي آینده اشاعت میں هوجائیگي - اب خوشنویسوں کا بهي ایسا انتظام کر لیا گیا هے که آینده رکاوٹ پیش نه آے - منیجر

مراسله

لکهنو سے ایک انگریزي روزانه کا اجراء

لیمیٹڈ کمپني

هندوستان میں صوبه جات متحده آگره و اوده کا جو اهم مرتبه هے وه محتاج تشریح نهیں - مگر صوبۂ هذا کے مسلمانوں کي انتهائي بد نصیبي هے که اس زمانه میں جب که اُن کو قدم قدم پر ایک حقیقي رهنما و همدرد وکیل کي ضرورت هے ' اُن کے پاس ایک بهي روزانه انگریزي اخبار نهیں هے -

اله آباد اور علي گڑه سے دو انگریزي اخباروں کے نکالنے کي کوشش هوئي مگر اول الذکر محض تجارتي اغراض لیکر دنیا میں آیا تها اور مؤخر الذکر اگرچه اسلام کے تعلیمي مرکز سے جاري هوا ' مگر اس میں بد قسمتي سے شخصي عنصر اس درجه غالب تها که وه ترقي نه کر سکا - دونوں جس بے سروساماني کي حالت میں آئے تهے اُسي طرح رخصت هوگئے - اُن کي موت نے افسوس ناک نتائج پیدا کردیے - یعني مسلمانوں کو اپنے روزانه انگریزي اخبارات سے بد ظني پیدا هوگئي - جس کے باعث معقول انگریزي روزانه اخبار اب تک نهیں نکل سکا - چنانچه اس وجه سے اور کچهه اس سبب سے که جناب آنریبل سید رضا علي صاحب پبلک سروس کمیشن کے ممبر هوگئے تهے - انگریزي روزانه اخبار کي وه اسکیم جو وسط سنه ۱۹۲۶ع میں لکهنو میں طیار هوئي تهي عملي جامه نه پهن سکي - لیکن اس ایک برس کي مدت سیاسي نقطۂ نظر سے نهایت اهم ثابت هوئي - اور موجوده اور آنے والي پیچیدگیوں نے قوم کے رهنماؤں کو مجبور کیا که وه آنریبل سر مهاراجه صاحب بهادر محمودآباد کي سرکردگي میں معقول سرمایه اور بهترین اسٹاف کے ساتهه مسلمانوں کا انگریزي روزانه اخبار لکهنؤ سے جاري کریں - یه اسکیم نهایت شاندار هے جو نه صرف مسلمانوں کے ایک زبردست روزانه انگریزي اخبار اور بهترین پریس کي حامل هوگي ' بلکه مسلمانوں کي ذاتي منفعت کا بهي معقول ذریعه ثابت هوگي -

ایک کمپني قائم کي گئي هے جس کے ڈائرکٹر حسب ذیل هیں :

سر مها راجه صاحب بهادر والي محمود آباد - سر سید علي امام صاحب بیرسٹر ایٹ لا - پٹنه - راجه صاحب نانپاره ضلع بهرائچ - آنریبل راجه نواب علي خاں صاحب تعلقه دار - ممبر کونسل آف اسٹیٹ - مولوي محمد نسیم صاحب - بي - اے - ایڈوکیٹ لکهنؤ -

کمپني مذکور کي اسکیم نهایت تجربه کار اور واقف کار اصحاب نے تیار کي هے ' اور ایک اعلى درجه کے پریس اور انگریزي اخبار کے اجراء کا مشوره دیا هے - پریس انگریزي اور اُردو هر قسم کا بهترین کام کریگا - پریس اور اخبار کے انتظامات صرف معتبر اور آزموده کار هاتهوں میں رهینگے - چنانچه ایڈیٹوریل اور انتظامي خدمات کے لیے بهترین اشخاص منتخب کیے گئے هیں - اور اسکیم میں کثیر منافع کا پهلو رکها گیا هے تا که جو لوگ کمپني کے حصص خریدیں اُن کو منافع کي شکل میں معقول مالي فائده پهونچتا رهے -

کمپني کے متعلق پراسپکٹس انگریزي اور اُردو میں چهپ رهے هیں - حصوں کے خریداري کے فارم بهي تیار هیں - مسٹر حسن عابد جعفري رکن بیرسٹر ایٹ لا سے محمود آباد هاؤس قیصر باغ لکهنو کے پته پر ملسکتے هیں - اور اُنهي سے تمام مزید حالات بهي معلوم هو سکتے هیں -

خاکساراں

آل نبي - محمد یعقوب - تصدق احمد خاں - وغیره

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

حجاج بن یوسف الثقفی

خلافت اموی کے حکام میں حجاج ابن یوسف سے زیادہ کسی شخص کو شہرت حاصل نہیں ہوئی، مگر یہ شہرت عدل و فیض رسانی کی نہیں تھی۔ سیاست و قہر کی تھی۔ تاریخ اسلام میں حجاج کا قہر ضرب المثل ہوگیا ہے!

یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد اموی سلطنت کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔ وہ حجاج ہی تھا جسنے اپنی بے پناہ تلوار اور بے روک سفاکی سے ازسر نو اس کی گرتی ہوئی عمارت مستحکم کردی۔

بنی امیہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر سے تھا۔ ان کی حکومت کا مرکز مکہ میں تھا اور اُس کا دائرہ شام کی سرحدوں تک پہنچگیا تھا۔ حجاج ابن یوسف نے یہ خطرہ ہمیشہ کے لئے دُور کردیا۔ مکہ کا محاصرہ کیا، کعبہ پر منجنیقیں لگادیں، اور حضرت عبد اللہ بن الزبیر کو نہایت سفاکی کے ساتھ قتل کرڈالا۔

عراق شروع سے شورش پسند قبائل کا مرکز تھا۔ یہاں کی سیاسی بےچینی کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی۔ والیوں پر والی آتے تھے، اور بے بس ہوکر لَوٹ جاتے تھے۔ لیکن حجاج ابن یوسف کی تلوار نے اپنی ایک ہی ضرب میں عراق کی ساری شورہ پشتی ختم کرڈالی۔ خود اُس عہد کے لوگوں کو اسپر تعجب تھا۔ قاسم بن سلام کہا کرتے تھے "کوفہ کی خودداری اور نخوت اب کیا ہوگئی؟ اُنھوں نے امیر المومنین علی کو قتل کیا، حسین بن رسول کا سر کاٹا۔ مختار جیسا صاحب جبروت ہلاک کردیا، مگر اس بدصورت ملعون (حجاج) کے سامنے بالکل ذلیل ہوکر رہ گئے! کوفہ میں ۱لاکھ عرب موجود ہیں، مگر یہ خبیث ۱۲ سوار لے کر آیا اور سب کو غلام بنا ڈالا!"

حجاج کا عراق میں اولین خطبہ، ادب عربی کی اتنی مشہور چیز ہے کہ صرف اشارہ کردینا کافی ہوگا: اَما واللہ، انی لاحمل الشر بحمله، واحذوه بنعله، واجزیه بمثله، وانی لاری ابصاراً طامحه، واعناقاً متطاوله، ورؤساً قد اینعت وحان قطافها، وکانی انظر الی الدماء بین العمائم واللحی تترقرق! حجاج کی تلوار جس درجہ سفاک تھی، اُتنی ہی اُس کی زبان بھی بلیغ تھی۔ اُس کا یہ خطبہ خطیبانہ بلاغت کا بے نظیر نمونہ ہے "میں دیکھتا ہوں کہ نظریں اُٹھی ہوئی ہیں، گردنیں اونچی ہو رہی ہیں، سروں کی فصل پک چکی ہے، اور کٹائی کا وقت آگیا ہے! میری نظریں وہ خون دیکھ رہی ہیں جو پگڑیوں اور داڑھیوں کے درمیان بہ رہا ہے!"

حجاج نے جیسا کہا تھا، ویسا ہی کر دکھایا۔

بیان کیا گیا ہے کہ جنگوں کے علاوہ حالت امن میں اُسنے ایک لاکھ ۲۰ ہزار آدمی قتل کئے تھے (عقد الفرید۔ البیان والتبیین وغیرہ) بڑے بڑے اخیار و ابرار مثلاً سعید بن جبیر وغیرہ کی گردنیں اُڑادیں۔ مدینہ میں بے شمار صحابہ کے ہاتھوں پر سیسے کی مُہریں لگادیں، حضرت عبد اللہ بن الزبیر اور حضرت عبد اللہ بن عمر جیسے جلیل القدر صحابیوں کو قتل کیا، موجودہ زمانے کی استعماری سیاست کی طرح اس کا بھی اصول یہ تھا "حکومت کے قیام کے لئے ہر بات جائز ہے" اور "حکومتیں رحم و عدل سے نہیں بلکہ قہر و تعزیر سے قائم ہوتی ہیں"!

اس عہد کے عرفاء و صلحاء، حجاج کو خدا کا قہر و عذاب خیال کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے "حجاج، اللہ کا عذاب ہے۔ اسے اپنے ہاتھوں کے زور سے دُور کرنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ خدا سے تضرع و زاری کرو۔ کیونکہ اُسنے فرمایا ہے "ولقد اخذناہم بالعذاب فما استکانوا لربہم وما یتضرعون"

یہی سبب ہے کہ جوں ہی اُس کی مَوت کی خبر سُنی گئی حضرت حسن اور عمر بن عبد العزیز سجدے میں گر پڑے۔ "اس امت کا فرعون مرگیا!" بے اختیار ان کی زبانوں سے نکل گیا!

اب دیکھنا چاہیے اس جابر و قہرمان انسان نے مَوت کا مقابلہ کیونکر کیا؟ جس گھاٹ ہزاروں مخلوق کو اپنے ہاتھوں اُتار چکا تھا، خود اسمیں کیسے اُترا؟

بیماری

عراق پر ۲۰ برس حکومت کرنے کے بعد ۵۴ سال کی عمر میں حجاج بیمار ہوا۔ اُس کے معدے میں بے شمار کیڑے پیدا ہوگئے تھے۔ اور جسم کو ایسی سخت سردی لگ گئی تھی کہ آگ کی بہت سی انگیٹھیاں بدن سے لگاکر رکھدیجاتی تھیں پھر بھی سردی میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی!

مَوت پر خطبہ!

جب زندگی سے نااُمیدی ہوگئی تو حجاج نے گھر والوں سے کہا "مجھے بٹھادو اور لوگوں کو جمع کرو" لوگ آئے تو اُسنے حسب عادت ایک بلیغ تقریر کی۔ مَوت اور اُسکی سختیوں کا ذکر کیا، قبر اور اُس کی تنہائی کا بیان کیا، دنیا اور اُس کی بے ثباتی یاد کی، آخرت اور اُسکی ہولناکیوں کی تشریح کی، اپنے گناہوں اور ظلموں کا اعتراف کیا پھر یہ شعر اُس کی زبان پر جاری ہوگئے:

ان ذنبی وزن السموات والارض ظنی بخالقی ان یحابی

میرے گناہ آسمان اور زمین کے برابر بھاری ہیں، مگر مجھے اپنے خالق سے اُمید ہے کہ رعایت کرے گا۔

فلئن من بالرضاء فہو ظنی ولئن مر بالکتاب عذابی

اگر وہ اپنی رضامندی کا احسان مجھ پر کرے تو یہی میری امید ہے۔ لیکن اگر وہ عدل کرکے میرے عذاب کا حکم دے۔

لم یکن ذاک منہ ظلما وہل یظلم رب یرجی لحسن مآب؟

تو یہ اُس کی طرف سے ہرگز ظلم نہیں ہوگا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ رب ظلم کرے جس سے صرف بھلائی ہی کی توقع کی جاتی ہے؟

پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ موقعہ اس قدر عبرت انگیز تھا کہ مجلس میں کوئی بھی اپنے آنسو روک نہ سکا!

خلیفہ کے نام خط

اس کے بعد اُسنے اپنا کاتب طلب کیا اور خلیفہ ولید بن عبد الملک کو حسب ذیل خط لکھوایا:

"امابعد، میں تمھاری بکریاں چراتا تھا۔ ایک خیرخواہ گلہ بان کی طرح اپنے آقا کے گلے کی حفاظت کرتا تھا۔ اچانک شیر آیا، گلہ بان کو طمانچہ مارا، اور چراگاہ خراب کرڈالی۔ آج تیرے غلام پر وہ مصیبت نازل ہوئی ہے جو ایوب صابر پر نازل ہوئی تھی۔ مجھے اُمید ہے کہ جبار و قہار اس طرح اپنے بندے کی خطائیں بخشنا اور گناہ دھونا چاہتا ہے!"

پھر خط کے آخر میں یہ شعر لکھنے کا حکم دیا:

اذا ما لقیت اللہ عنی راضیا فان شفاء النفس فیما ہنالک

اگر میں نے خدا کو اپنے سے راضی پایا تو بس میری مُراد پوری ہوگئی

فحسبی بقاء اللہ من کل میت وحسبی حیاۃ اللہ من کل ہالک

سب مرجائیں مگر خدا کا باقی رہنا میرے لئے کافی ہے! سب ہلاک ہو جائیں مگر خدا کی زندگی میرے لئے کافی ہے!

لقد ذاق ہذا الموت من کان قبلنا ونحن نذوق الموت من بعد ذلک

ہم سے پہلے یہ مَوت چکھ چکے ہیں، ہم بھی اُنکے بعد مَوت چکھیں گے!

فان مت فاذکرنی بذکر محبب فقد کان جانی رضاک مسالکی

اگر میں مرجاؤں تو مجھے محبت سے یاد رکھنا، کیونکہ تمھاری خوشنودی کے لئے میری راہیں بے شمار تھیں۔

والا، ففی دبر الصلوۃ بدعوۃ یلقی بہا المسجون فی نار مالک

یہ نہیں تو کم سے کم ہر نماز کے بعد دعا میں یاد رکھنا کہ جس سے جہنم کے قیدی کو کچھ نفع پہونچے۔

علیک سلام اللہ حیا ومیتا ومن بعد ما تحیا عتیقا لمالک

تجھ پر ہر حال میں اللہ کی سلامتی ہو، جیتے جی، مرے پیچھے، اور جب دوبارہ زندہ کئے جاؤ!

سکرات مَوت کے شدائد

حضرت حسن بصری عیادت کو آئے تو حجاج نے اُن سے اپنی تکلیفوں کا شکوہ کیا۔ حسن نے کہا "میں تجھے منع نہیں کرتا تھا کہ نیکو کاروں کو نہ ستا، مگر افسوس تو نے نہیں سُنا" حجاج نے خفا ہوکر جواب دیا "میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ اس مصیبت کے دُور ہونے کی دعا کر۔ میں تجھ سے یہ دعا چاہتا ہوں کہ خدا جلد میری روح قبض کرلے اور اب زیادہ عذاب نہ دے!"

اسی اثناء میں ابو منذر یعلی بن مخلد مزاج پرسی کو پہنچے۔

"حجاج! مَوت کے سکرات اور سختیوں میں تیرا کیا حال ہے؟" اُنھوں نے سوال کیا۔

"اے یعلی!" حجاج نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "کیا پوچھتے ہو؟ شدید مصیبت! سخت تکلیف! ناقابل بیان الم! ناقابل برداشت درد! سفر دراز! توشہ قلیل! آہ! میری ہلاکت! آہ! میری ہلاکت! اگر اُس جبار و قہار نے مجھ پر رحم نہ کھایا!"

ابو منذر کی بے لاگ تقریر

ابو منذر نے کہا "اے حجاج! خدا اپنے اُنھیں بندوں پر رحم کھاتا ہے جو رحم دل اور نیک نفس ہوتے ہیں۔ اُس کی مخلوق سے بھلائی کرتے ہیں، محبت کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو فرعون ہامان کا ساتھی تھا۔ کیونکہ تیری سیرت بگڑی ہوئی تھی۔ تو نے اپنی

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۰ — کلکته : جمعه ۲۰ ـ صفر ۱۳۴۶ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 19, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی ۔
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چھپتا هی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وه هی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گی هین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئلہ هی ۔ ضروری هی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۵۸۳ مراسلات وصول هوی هین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل هی :

رای	تعداد	رای	تعداد
عربی حروف کی حق مین	۶۰	اردو حروف کی حق مین	۱۹۰
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۱۱۱	حروف کی حق مین بشرطیکہ نستعلیق هون	۴۳
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۱۷۹		

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاهر کیا هی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم هوا کہ اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین هی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی ۔ آینده اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ **الهلال**

کسي موقعه پر بھي اُنھوں نے میري زبان سے کوئي ایسا لفظ سنا جو اُس سے مختلف تھا' جسکا میں اپني کتابوں میں اعلان و اشتہار کرتا رہا ھوں ؟ وہ صاف صاف کہیں' اُنکي دلیلیں' اُنکي نکتہ چینیاں' اُنکا تمسخر' کبھي میرے عقیدے میں کوئي تزلزل پیدا کر سکا ہے ؟ وہ بتائیں ' کبھي ' ایک لمحہ کیلیے' اُنھوں نے محسوس کیا کہ میں کوئي ایسا عقیدہ یا خیال رکھتا ھوں جو علي الاعلان دنیا کے سامنے ظاھر نہیں کرتا ؟ ھاں' میں اپنے تمام دوستوں اور تمام دشمنوں کو ایک ساتھہ دعوت دیتا ھوں - دوستوں کو دوستي کا واسطہ دیتا ھوں - دشمنوں کو دشمني کي قسم دیتا ھوں - بے رو و رعایت' بے خوف و خطر' مردانہ وار میدان میں آئیں' اور جو کچھہ بھي میري نسبت کہہ سکتے ھوں' بے کھٹکے کہہ ڈالیں ! میں اپنے دوستوں اور دشمنوں' دونوں کي شرافت و دیانت پر بغیر کسي پس و پیش کے بھروسہ کرتا ھوں - میں اپني پوري شرافت اُنکے سامنے رکھ دیتا ھوں - میں ھرگز کسي سے بحث اور حجت نہیں کرونگا - جو کچھہ بھي وہ کہہ دینگے' بے چون وچرا تسلیم کر لونگا !"

(انبیاء کرام کي عظمت)

" میں اُن تمام انسانوں کي عزت کرتا ھوں جنھوں نے مذاھب وادیان قائم کیے ھیں - وہ سب عظیم کمال اور اعلی فضائل کے مالک تھے - اُنکي عظمت وفضیلت ھمیشہ محترم و مسلم رھے گي - سب کا دعوی تھا کہ وہ خدا کے پیغام بر ھیں - ممکن ہے وہ حقیقت میں پیغمبر ھوں یا نہ ھوں - سب لوگ کوئي ایک دعوی تسلیم نہیں کرلے سکتے - دلائل یکساں طور پر سب کي دسترس میں نہیں ھیں - لیکن اگر وہ في الواقع پیغمبر نہ بھي ھوں' جب بھي اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کذاب اور دجال ھوں - کون کہہ سکتا ہے کہ الاھیات میں مسلسل تفکر اور فضائل کا غیر مقید عشق انساني روح کو کس حد تک پہنچا دے سکتا ہے ؟ منطق کو کیا حق ہے کہ مداخلت کرکے یہ معاملہ عامیانہ سطح پر لے آئے ؟ غیر متناھي بلندي پر پہنچنے کے بعد ھمارا سر چکرا جاتا ہے' اور ھماري نظریں اشیاء کو اُنکي حقیقي شکل میں دیکھنے سے قاصر ھو جاتي ھیں "

(معجزات)

معجزات پر روسو نے لکھا تھا " یا للعجب ! ھمیشہ آدمیوں ھي کي گواھیاں ! آدمي اپنے ھي جیسے آدمیوں سے' سنتے ھیں اور دوسرے آدمیوں کو سناتے ھیں ! میرے اور خدا کے درمیان آدمیوں کے کتنے اَن گنت واسطے قائم ھوگئے ھیں ؟ "

اِس پر اُسقف نے اعتراض کیا تھا " اگر آدمیوں کي گواھي معتبر نہیں تو ھم پوچھتے ھیں - مؤلف نے اسپارٹا ' ایتھنز' اور روم کو کیونکر جانا ... ؟ "

روسو جواب دیتا ہے :

" اگر معاملہ اِس درجہ اھم نہ ھوتا ' یا میں اے آقا ' آپکا اِس درجہ احترام نہ کرتا ھوتا ' تو آپ دیکھتے ' آپ کے اِس طریق استدلال نے میرے لیے اپنے ناظرین کو ھنسانے کي کیسي عمدہ فرصت مہیا کردي تھي - لیکن حاشا وکلا ! میں ھرگز اُس لہجہ سے دست بردار نہیں ھونگا جو اِس موضوع بحث کے لیے ضروري ہے' اور اُس شخص کے مرتبہ کے لایق ہے جس سے تخاطب کي عزت حاصل کرنے پر مجبور ھوگیا ھوں - میرے لیے اِس قدر کافي ہے کہ آپ کي غلطي ظاھر کردوں "

" میں نہایت عاجزي سے جناب والا کو یاد دلاتا ھوں - بے شک یہ بالکل معقول ہے کہ انساني معاملات انساني شہادتوں سے طے کیے جائیں ' کیونکہ اُن کے ثابت ھونے کا اِس کے سوا کوئي طریقہ موجود نہیں - بلا شبہ میں نے اسپارٹا اور ایتھنز کو آدمیوں ھي کي شہادتوں سے جانا - لیکن میں بہ ادب دریافت کرتا ھوں کہ میرے اور خدا کے درمیان اِن واسطوں کي کیا ضرورت ہے ؟ کیا ضرور ہے کہ یہ واسطے مجھہ سے اتنے دور ھوں کہ خود اُن کے جاننے کے لیے ' مجھے اور بہت سے انساني واسطے تلاش کرنے پڑیں ؟ کیا یہ معقول ہے کہ خدا ' جان جاک روسو سے گفتگو کرنے کے لیے ھمیشہ ایک موسی (علیہ السلام) کو ڈھونڈھتا پھرے ؟ "

" پھر یہ بھي نہیں بھولنا چاھیے کہ اسپارٹا پر ایمان لانا ضروري نہیں ہے - اگر کوئي اُس پر ایمان نہ لائے تو لعنت کا مستحق نہیں ھو جائیگا - اسپارٹا کے وجود پر شک کرنے کي وجہ سے ھرگز کوئي دوزخ کا کندا نہیں بن جا سکتا - لیکن اگر ایک شخص دیني تعلیمات کي تصدیق نہیں کریگا تو اسکے لیے ابدي عذاب ہے - جس بات کے نہ ماننے کي اتني بڑي سزا ھو' ضروري ہے کہ اسکے ماننے کے ذرائع و دلائل بھي اسي مناسبت سے قطعي اور واضح ھوں "

" کوئي بات بھي جو ھماري چشم دید نہیں ہے ' بغیر معقول دلیل کے ثابت نہیں ھو سکتي - اور ھر بڑي سے بڑي روایت بھي صدق و کذب کي محتمل ہے ...... "

" اگر معجزات خود میں نے اپني آنکھوں سے دیکھے ھوتے ' جب بھي میں اِس غیر معقول طریق ایمان سے انکار کر دیتا - سحر کي تصدیق میرے لیے اِس سے کہیں آسان ہے کہ خدا کے کلمہ کي غیر معقول طریقہ پر تصدیق کروں "

(موجودہ مسیحیت)

اِسکے بعد روسو موجودہ مسیحي دین پر اظہار خیال کرتا ہے :

" اُسقفوں اور پادریوں نے مسیحیت کو اُسکي اصلي روح سے محروم کردیا ہے - اب یہ سوال نہیں کیا جاتا کہ ایک مومن فرائض و واجبات کہاں تک انجام دیتا ہے ؟ اور نیکي میں اُسکي دوڑ کہانتک ہے ؟ سوال صرف یہ ھوتا ہے کہ وہ کس فرقہ کے خرافات (جنھیں غلط طور پر " عقائد " کا نام دیدیا گیا ہے) مانتا ہے ؟ وہ کیتھولک ہے یا پروٹسٹنٹ ؟ تم سے یہ کوئي نہیں پوچھیگا کہ خدا سے ڈرتے بھي ھو یا نہیں ؟ لیکن ھر کوئي اِس بات پر تمھاري جان لینے کیلیے طیار ھوجائیگا کہ تم فلاں ولي کي کرامت کے قائل بھي ھو یا نہیں ؟ دین اپني اصلي شکل میں صاف ' سادہ ' ستھرا تھا - اُسے اِن جبہ پوشوں نے خرافات و خزعبلات اور غیر مفہوم قیل وقال کا غیر مرتب مجموعہ بنا دیا ہے - اگر تم اِس تمام کثافت سے جو آج کل دین کے نام سے موسوم ہے ' از سر تا پا آلودہ ھو' تو بس' تم مومن کامل ھو - اب تمھیں کسي نیکي کي ضرورت باقي نہیں رھي - سیدھے آسمان کي بادشاھت (جنت) میں داخل ھوجاؤگے !"

" انساني جماعت کو دین سے کیا فائدہ حاصل ھو سکتا ہے' جبکہ دین اتني پست سطح پر آجاے ؟ اِس صورت میں دین کا مقصد کیا رہ جاتا ہے ؟ صرف یہ کہ انسانوں میں بغض و عداوت کي تخم ریزي کرے ' اور خونریز میدانوں کا سامان بہم پہنچائے ! بلا شبہ جب دین اِس حالت میں آجاے تو اُسکے وجود سے اُسکا عدم کہیں زیادہ بہتر ہے - ھمیں کوشش کرني چاھیے

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتین

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

جان جاک روسو

اسقف کا جواب

(۳)

(وحدانیت یا تعدد ؟)

اسقف نے لکھا تھا " ... وحدانیت اسکے (روسو) خیال میں ایک حقیر مسئلہ ہے اور کسی طرح بھی اسکی عقل میں نہیں آسکتا - لیکن متعدد خداؤں کا تصور اسکی عقل کے نزدیک معقول ہے ... "

روسو جواب دیتا ہے :

" متعدد خداؤں کا کس نے ذکر کیا ؟ اے میرے آقا اسقف ! تجھہ پر میرا صبر پڑے ! میں نے یہ کب کہا ؟ بے شک تمہاری دلی آرزو یہی ہوگی کہ میں اِس درجہ احمق ہوتا ' اور اِس طرح کی احمقانہ گفتگو کرتا - لیکن اگر میں ایسا احمق ہوتا تو تمہیں میرے " عالمانہ رد " لکھنے کا یہ فخر بھی حاصل نہ ہوتا ! "

" بلا شبہ میں نہیں جانتا کائنات کیوں بنی ہے ' اور کیونکر بنی ہے ؟ میرے سوا جو لوگ معرفت کے مدعی ہیں ' وہ بھی اِس باب میں مجھہ سے زیادہ علم نہیں رکھتے - لیکن میں صاف دیکھتا ہوں کہ اِس تمام حرکت کا محرک ایک ہی وجود ہے - تمام کائنات ایک ہی رخ رکھتی ' اور ایک ہی قسم کے مقاصد پورے کر رہی ہے - یہ اِس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ کوئی ایک بلند تر ارادہ کارفرما ہے ' اور کوئی ایک ہی بالاتر قوت عمل پیرا ہے - اِس ارادے اور اِس قوت کو میں ایک ہی ذات سے منسوب کرتا ہوں ' کیونکہ یہ دونوں باہم متفق ہیں ' اور اِن دونوں کو ایک ہی ذات کا خاصہ سمجھنا ' دو ذاتوں کی طرف منسوب کرنے سے زیادہ معقول ہے - تعدد ' صرف اُسی وقت تسلیم کیا جاسکتا ہے جب اُسکا کوئی ثبوت موجود ہو - لیکن کائنات میں کوئی اِس قسم کا ثبوت موجود نہیں - یہ خیال سراسر وہم ہے کہ خیر کا خالق اور شر کا خالق ایک نہیں ہوسکتا - جس چیز کو ہم شر سمجھتے ہیں ' وہ علی الاطلاق شر ہے ہی نہیں - شر مطلق سے مجھے انکار ہے - یہ اعتباری شر بھی خیر سے برسر پیکار نہیں ہے ' بلکہ نظام عالم کی تکمیل میں خیر کا ممد و معاون ہے "

(روسو کا عقیدہ)

اسکے بعد روسو اپنی کتاب اور اپنے شخصی عقیدے کی طرف متوجہ ہوتا ہے :

" اب میں وہ سبب بیان کرتا ہوں جس نے مجھے یہ کتاب شائع کرنے پر مجبور کیا - اِس تمام شور و غوغا کے باوجود بھی میں اس کتاب کو اپنے عہد کی بہترین کتاب یقین کرتا ہوں - آگ کے شعلے ' حکومتوں کے فیصلے ' مذہبی پیشواؤں کے فتوے ' مجھے ہرگز مرعوب نہیں کرسکتے - وہ میرے لب و لہجہ میں ہرگز کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرسکتے - نہ تو لاھوتی ' ایمان کی ریاکارانہ تلقین کرکے مجھے جھوٹا بناسکتے ہیں ' نہ فلاسفہ مجھے منافقت کا طعنہ دیکر الحاد پر آمادہ کرسکتے ہیں - میں برابر اپنے دین کا اعلان کرونگا ' کیونکہ میں دین رکھتا ہوں - میں ببانگ دھل آے شہرت دونگا ' کیونکہ مجھہ میں اعلان و اشتہار کی شجاعت موجود ہے - آہ ! میں نے کتنی تمنائیں کیں کہ سب لوگوں میں اتنی ہی شجاعت ہوتی ! اگر سب میں اتنی شجاعت ہوتی ' تو انسانیت کو کتنا نفع پہنچتا ؟

(" حضرت مسیح کا شاگرد ")

" اے میرے آقا ! میں مسیحی ہوں - میں اخلاص کے ساتھہ انجیلی مذھب کا مسیحی ہوں - ہاں میں مسیحی ہوں ' لیکن پادریوں کا شاگرد نہیں ہوں ' بلکہ خود مسیح (علیہ السلام) کا شاگرد ہوں - میرا استاد ' کتابوں کی عبارتوں پر بحث نہیں کرتا تھا ' لیکن عمل پر نظر رکھتا اور عمل ہی پر زور دیتا تھا - اُس نے ہمیں جس ایمان کی تلقین کی ہے ' اُس کے قواعد و اصول بہت زیادہ اور پیچ در پیچ نہیں ہیں - صرف گنتی کی چند موٹی موٹی باتیں ہیں - لیکن اُس نے جس نیکی کی تعلیم دی ہے ' اُس کی شاخیں بے شمار اور اُسکی راہیں بے حساب ہیں - اُسنے ہمارے ایمان میں موشگافیاں نہیں کی ہیں ' لیکن عمل صالح کی پورے شرح و بسط سے تفسیر کی ہے - اُس نے ایمان کیلیے صرف دو تین موٹی موٹی باتیں ضروری ٹھہرائی ہیں ' لیکن عمل کی نیکی کیلیے کوئی گنتی نہیں بتائی ہے ' کیونکہ عملی نیکیاں اَن گنت ہیں - اُسنے جہاں کہیں انبیاء کے نمونوں پر زور دیا ہے ' وہاں ایمان سے زیادہ اُن کے اعمال بتائے ہیں - اُس نے اپنی اور تمام نبیوں کی تعلیم کا لب لباب اِس ایک جملہ میں بیان کر دیا " اپنے بھائی سے محبت کرنا ' پورا دین ہے ! "

(دوستوں اور دشمنوں کو دعوت)

اِسکے بعد لکھتا ہے :

" مجھے ہمیشہ خلوت کی پر مسرت زندگی حاصل نہیں رہی - لوگوں سے ملنے جلنے پر بھی مجبور ہوتا رہا ہوں - میری ہر طبقہ کے لوگوں سے ملاقات ہے - میں نے مختلف سیاسی اور دینی جماعتوں کے لوگ دیکھے ہیں - میں مومنوں سے بھی ملا ہوں اور ملحدوں سے بھی - میں نے حکماء بھی دیکھے ہیں ' جہلاء بھی - متعصب بھی دیکھے ہیں ' غیر متعصب بھی - سنجیدہ بھی میری صحبت میں بیٹھے ہیں ' اور مسخرے بھی - میرے دوست بھی بہت ہیں اور دشمن بھی - میں دنیا میں تمام آدمیوں کو ' جنھوں نے مجھے کبھی دیکھا یا جانا ہے ' گلا پھاڑ پھاڑ کر پکارتا اور دعوت دیتا ہوں - وہ سامنے آئیں ' اور میرے عقیدے کی بابت جو کچھہ جانتے ہوں ' برملا کہہ ڈالیں ! وہ جرأت سے بڑھیں ' اور بتائیں ' کبھی ' کسی حال میں بھی اُنھوں نے میرے عقیدے میں کوئی تبدیلی دیکھی یا محسوس کی ؟ قہوہ خانے کی صحبتوں ' کھانے کی میز کی نشستوں ' بے تکلفی کی ملاقاتوں ' سنجیدہ یا مذاح کی گفتگوئیں ' غرضکہ کبھی

سر کونن ڈائل

لومبروزو (Lombroso) جو اٹلی کا مشہور ماہر طبیعیات ہے اور جس نے باستیور کے بعد جراثیم کے علم کی تدوین کی ' نہ صرف اس کا معترف ہوا بلکہ اس موضوع پر ایک رسالہ بھی لکھکر شائع کیا - کیمیل فلا ماریان (Camille Flammarian) اُنیسویں صدی کے علماء فلکییات میں نہایت سر برآوردہ عالم تھا - غالباً چار پانچ سال ہوے اُس کا انتقال ہوا ہے - یہ نہ صرف اِسکا معترف تھا بلکہ نہایت پر جوش معتقد تھا - اُسکی آخری دو کتابیں اسی موضوع پر ہیں اور یورپ کی تمام زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں - پروفیسر ھکسلی ' ڈاکٹر لوئس ' سر جان کاکس ' پروفیسر پارکس ' پروفسر ژولنر ' ڈاکٹر ریبر ' ولیم لیو پولڈ وغیرھم ؛ جو انیسویں صدی کے دائرۂ علم و نظر کے مسلم ارکان تھے ' کم و بیش اس کا اعتراف کرچکے ہیں -

امریکہ کے مشاہیر علم و نظر میں چارلس ناڑٹن اور ولیم ڈاسن جو شکاگو یونیورسٹی (امریکہ) میں علم النفس (سائکو لوجی) کے استاد تھے ' اسکی تصدیق و حمایت میں برابر مقالات و رسائل شائع کرتے رہے - انگلستان کے عام مشاہیر سیاست و ادب میں مسٹر بالفور اور مسٹر اسٹید (سابق محرر ریویو آف ریویوز) کا نام بھی اسکے معتقدین کی فہرست میں مشہور ہو چکا ہے - مسٹر اسٹید نے تو روحانی سوال و جواب کا ایک باقاعدہ دفتر کھول دیا تھا - اُنکے عالم ارواح کے دوستوں میں سب سے زیادہ مشہور دوست اسکاٹ لینڈ کی " مارگریٹ " تھی - اُنکا بیان تھا کہ وہ مارگریٹ کے ذریعہ عالم ارواح کی تمام ضروری شخصیتوں سے نامہ و پیام کر لیا کرتے ہیں !

موجودہ عہد کے مشاہیر اہل علم میں چارلس الیٹ ' ولیم جیمس ' جیمس ھیزلوپ ' اور سر آلیور لاج Oliver Lodge خصوصیت کے ساتھہ قابل ذکر ہیں - چارلس الیٹ اور ولیم جیمس ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) میں علم النفس کے استاد ہیں ' جیمس ھیزلوپ کولمبیا یونیورسٹی (امریکہ) میں علوم عقلیہ کے مستند ماہر تسلیم کیے جاتے ہیں ' اور سر آلیور لاج کی علمی شہرت محتاج بیان نہیں - یہ تمام علماء اس مذہب پر علمی تیقن کے ساتھہ اعتقاد رکھتے ہیں اور اُسکی اشاعت و تبلیغ انکی تحریر و تقریر کا موضوع بحث ہے - سر آلیور لاج کا لڑکا پچھلی عالمگیر جنگ میں قتل ہوگیا تھا - اُن کا بیان ہے کہ مرنے کے بعد ہی اُس کی روح نے اِنہیں مخاطب کیا ' اور اب بھی وہ جب چاہیں ' آسے بلا سکتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کر سکتے ہیں !

(سر کونن ڈائل)

لیکن موجودہ زمانے کے مغربی روحانیین میں شاید ہی کسی اہل قلم نے اس تبلیغی جوش و سر گرمی کے ساتھہ اس مذہب کا اعتقاد ظاہر کیا ہوگا ' جیسا کہ کچھہ عرصہ سے انگلستان کے مشہور فسانہ نویس سر کوُنن ڈائل Conan Doyle کی شخصیت میں ظاہر ہوا ہے - عالمگیر جنگ یورپ کے بعد سے لیکر اِس وقت تک ' بمشکل کوئی مہینہ ایسا گزرا ہے ' جس میں سر ڈائل کی کوئی نہ کوئی تحریر و تقریر اس موضوع پر شائع نہ ہوئی ہو - حال میں انگلستان کی انجمن روحانیئین نے ایک نہایت دلچسپ مجموعہ بارہ مقالات کا شائع کیا ہے - اِن میں سے آٹھہ مقالات سر ڈائل کے لکھے ہوے ہیں - یہ کتاب پچھلی ڈاک سے ہمیں وصول ہوئی ہے اور اس موضوع پر افکار و تاثرات کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے -

موجودہ انگریزی علم ادب میں سر کونن ڈائل کا نام اُن کے مخصوص مذہب افسانہ نویسی کی وجہ سے اس قدر مشہور ہوچکا ہے کہ شاید ہی کوی افسانہ نویس اس قدر مشہور ہوا ہو - انھوں نے فن سراغ رسانی کی افسانہ نویسی میں ایک نئے مذھب (اسکول) کی بنیاد ڈالی اور " شرلاک ہومز " کے نام سے اُس کے حیرت انگیز کارنامے قلمبند کیے - اُن کے قلم سے اگرچہ مختلف معاشرتی اور نفسیاتی مواضیع پر بہت سے افسانے نکل چکے ہیں ' لیکن انکی شہرت کی اصلی تاریخ شرلاک ہومز کے کارناموں ہی سے شروع ہوی - ان افسانوں کی مقبولیت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ شرلاک ہومز کا جو فرضی مکان نمبر ۱۰ - بیکر اسٹریٹ لندن میں دکھایا گیا تھا ' وہ ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دماغ میں ایک حقیقی شے کی طرح موثر ہو چکا ہے ' اور جب کبھی سیاحان عالم پہلی مرتبہ لندن جاتے ہیں تو یہ جاننے پر بھی کہ " شرلاک ہومز " محض ایک فرضی سراغ رساں سیرۃ (کیرکٹر) ہے ' اپنی طبیعت کو اس جذبہ سے نہیں روک سکتے کہ ایک مرتبہ بیکر اسٹریٹ جاکر کسی ایسے مکان کی زیارت کرلیں جسکا نمبر دس ہو !

احمد ریاض بے " عبد الحمید ثانی و دور سلطنتی " (یعنی سلطان عبد الحمید ثانی اور اسکے عہد حکومت کی تاریخ) میں لکھتا ہے کہ سلطان موصوف شرلاک ہومز کے کارناموں کے اسقدر شائق تھے کہ حکم تھا ' جونہی کوئی نیا افسانہ شائع ہو ' فوراً ترکی میں ترجمہ کرکے پیش کردیا جاے - ایک خاص شخص ادیب بے اس کام پر مامور تھا - آخری زار روس کی نسبت بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتا تھا " مجھے کتابوں کی قسم میں سے کوئی چیز بھی دل پسند نہیں ہے - الا شرلاک ہومز "

روح کا تمثل ایک سفید دھویں کی شکل میں جیسا کہ اس مذہب کے معتقدین کا خیال ہے

یہی شرلاک ہومز کا مصنف اب دنیا میں عالم ارواح کا سب سے زیادہ پرجوش و سرگرم نقیب اور داعی ہے !

(سر کونن ڈائل کے مقالات)

جس نئی کتاب کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے ' اسکے آٹھہ مقالات دراصل سر کونن ڈائل کے روحانی اعتقاد کی پیدایش و تکمیل کی مسلسل داستان ہیں - پہلے مقالہ میں اُس نے بتلایا ہے کہ کس

مطبوعات جدیدہ

که دین کو اِس پستي سے نکالیں - انسانیت کے هم پر حقوق هیں - یهي حقوق همیں مجبور کرتے هیں که دین کو خرافات سے پاک کرکے اصلي صورت میں پیش کردیں - تمهاري یه سزائیں، دهمکیاں، پهانسیاں، اور آگ کے شعلے همیں هرگز مرعوب نهیں کرسکتے "

(عهد جدید کي پیشین گوئي)

" جب لوگوں کي آنکهوں پر سے پردہ اٹهیگا اور حقیقت نظر آئیگي تو بلاشک و شبه وہ موجودہ دین کو حقارت کے ساتهه ٹهکرا دینگے - کیونکه یه حقیقي دین نهیں هے - وہ سب سے پهلا کام یه کرینگے که اِن خود غرض اور ریاکار پیشواؤں کے احترام سے انکار کردیں - وہ ان سے کهینگے : تم هي نے همارا دین بگاڑا، اور تم هي هماري شقاوت کا سبب هو - جب وہ مبارک زمانه آئیگا تو اُس کا سب سے زیادہ مبارک عمل یهي هوگا "

(خاتمه)

اپنا جواب روسو اس عبارت پر ختم کرتا هے :

" اے اُسقف اعظم ! تم اور تمهارے گروہ کے لیے باتیں بنانا بهت آسان هے - تم لوگ اپنے حقوق کے سوا دوسروں کے حقوق نهیں جانتے - تمهیں صرف وهي قانون معلوم هیں جن سے غیروں کو جکڑتے هو - خود اپنے نفس کے مقید کرنے والے قانون تمهاري کتاب میں نهیں لکهے گئے - تم صرف اتنے هي پر قانع نهیں هو که عدالت و انصاف سے بالاتر رهو، بلکه انساني عواطف و جذبات کا بهي اپنے تئیں پابند نهیں سمجهتے - تم کمزور پر تکبر سے ظلم کرتے هو، اور تم سے کوئي باز پرس نهیں کرتا - لوگوں کي توهین تمهارے لیے ویسي هي آسان هے، جیسي انکے لئے تمهاري سنگ دلي سهل هے - تم همیں اِس طرح روندتے هو جس طرح خاک روندي جاتي هے - تم کبهي همیں آگ میں جلاتے هو، کبهي سولي پر چڑهاتے هو، کبهي صرف توهین و تذلیل پر اکتفا کرلیتے هو - تمهارے قهر و غضب کیلیے ضروري نهیں که هم سے کوئي خطا بهي سرزد هوئي هو - اگر تمهاري مصلحت کا اقتضا یهي هے تو پهر اثبات جرم کے لیے کسي بات کي ضرورت نهیں - اور همیں شکایت کرنے کي بهي اجازت نهیں - اگر هم اِسکي جرأت کریں که اپني براءت اور تمهاري غلطي ظاهر کریں، تو هم گستاخي کے مجرم قرار دیے جاتے هیں ! "

(اُسقف سے آخري خطاب)

" اے میرے آقا ! آپ نے مجهه پر علانیه طعن و تشنیع کي - بلکه مجهے گالیاں بهي دے ڈالیں - اگر میري طرح آپ بهي کوئي معمولي آدمي هوتے اور میں اپني کتاب کے ساتهه آپ کو عدالت کے سامنے لے جا سکتا، تو آپ دیکهه لیتے که عدالت کا فیصله آپ کے حق میں اتنا هي سخت هوتا، جتنا سخت یه گناه هوا هے - لیکن آپ ایک ایسي جماعت میں سے هیں، جو منصف و عادل هونے سے همیشه کے لیے مستثنیٰ کردي گئي هے - رها میں، تو میں ایک محض بے حقیقت آدمي هوں - مجهے اتنا اور کهنے کي اجازت دیجیے که آپ دیني پیشوا هیں - انجیل کے عالم هیں - آپ کا فرض هے که مخلوق کو اُس کے فرائض کي تعلیم دیں - لیکن یه تعلیم خود اپنے نفس سے شروع هوني چاهیے - آپ کو ایک لمحه کے لیے سونچنا تها که میرے معامله میں آپ کا فرض کیا تها ؟ اور کهانتک تها ؟ میں نے اپنا فرض ادا کردیا - اب کچهه کهنے کو باقي نهیں رها، اِس لیے چپ هوجاتا هوں ! "

استحضار و مخاطبات ارواح

(عالم ارواح اور سر کونن ڈائل کے نئے مباحث)

قارئین الهلال اس سے بے خبر نه هونگے که اُنیسویں صدي کے وسط میں استحضار و مخاطبات ارواح (روحوں کے آنے اور مختلف محسوس ذرائع سے سوال و جواب کرنے) کا جو مذهب امریکه میں ظاهر هوا تها، وہ برابر نشوؤ نما پاتا رها، اور اِس وقت یورپ اور امریکه میں اُس کے معتقدوں کي ایک بهت بڑي جماعت موجود هے - اس جماعت میں هر درجه اور هر طبقه کے آدمي پائے جاتے هیں - فلسفهٔ و حکمت کے ماهر، علوم و فنون کے اساتذہ، علمي و صناعي انکشافات و اختراعات کے مشاهیر، ادب و کتابت کے مسلم ارکان، عام اهل قلم و نظر: کوئي حلقه ایسا نهیں هے جهانتک اس اعتقاد کے اثرات نه پهونچ چکے هوں - اسکے اصول و قواعد مدون هو چکے هیں، بے شمار کتابیں لکهي جا چکي هیں، تحقیقات و تجارب کے با قاعدہ مجامع کام کر رهے هیں، پچاس سے زیادہ اخبارات و رسائل صرف اسي موضوع پر پر شائع هورهے هیں، ایک مکمل مذهب علمي کي شکل میں قواعد و مبادیات مرتب هوگئے هیں، اور معامله نے اس حد تک اهمیت حاصل کرلي هے که وقت کے بعض اکابر اهل علم نے اپنے درس و نظر کے لیے صرف یهي موضوع منتخب کر لیا هے !

اُنیسویں صدي کے اواخر کے علماء میں سے پروفیسر رسل ویلز نے جو ناموس نشو و ارتقا کے انکشاف میں ڈارون کا معاصر و شریک تها، صاف صاف لفظوں میں اسکا اعتراف کیا تها، اور اسے عصر حاضر کے خوارق سے تعبیر کیا تها - پروفیسر ولیم کروکس نے جو انگلستان کا سب سے بڑا عالم کیمیا تسلیم کیا گیا هے، اور جس نے سب سے پهلے مادہ کے اشعاع کي حقیقت معلوم کي اور برق کے لیے وہ نیا آله ایجاد کیا جو اُسي کے نام سے مشهور هے، کئي ماہ کي تحقیقات و امتحان کے بعد یه راے قائم کي تهي که " مخاطبات ارواح کے مشاهدات نا قابل انکار هیں " ڈاکٹر میرس (Muers) اور رچرڈ هاڈسن، کیمبرج یونیورسٹي میں علم النفس کے مسلم اساتذہ تهے - ان دونوں نے بهي بغیر کسي جهجهک کے اپنے اعتراف کا اعلان کردیا تها - پروفیسر

اردو طباعت کا مسئله اور افکار و آراء

(تصویر کا دوسرا رخ)

یه اس تصویر کا ایک خاص رخ تها جو سر کونن ڈائل اور اُن کے هم مشرب دیکهه رهے هیں ' لیکن اِس کا دوسرا رخ بهي هے ' اور اگر اُس پر نظر ڈالي جاے تو یه معامله اسقدر سهل و آسان نهیں رهتا که سر کونن ڈائل کي طرح کسي غیر آباد مکان میں بهوتوں اور روحوں کے " موتي لاٹهي سے میز ٹهونکنے " کا شور سنکر فیصله کر دیا جاے !

جهانتک اس مذهب کے مخالفین و منکرین کا تعلق هے ' دور حاضر کی تین جماعتیں همارے سامنے آتي هیں :

(۱) عام علماء مادیئین جنهوں نے اس معامله کو اس درجه اهمیت هي نهیں دي که اس پر توجه کي جاے -

(۲) ایک بڑي تعداد اُن علماء مادیئین کي جنهوں نے اسپر بحث کي هے ' اور اس نتیجه پر پهنچے هیں که علمي اصول پر " اثبات " کے حد تک یه معامله نهیں پهنچا هے -

(۳) بعض اهل علم جنهوں نے خصوصیت کے ساتهه اس مذهب کا مطالعه کیا اور عرصه تک تحقیقات میں مشغول رهے ' اور بالاخر اس نتیجه پر پهنچے که استحضار اَرواح کا معامله اس سے زیاده اهمیت نهیں رکهتا که یا تو کمزور طبائع کا انفعالي تاثر هے ' یا خوش اعتقادي کا ذهني فریب ' یا چند ایسے شعبده گروں کي شعبده گري جو جدید علم کیمیا اور فنون عجیبه کي مدد سے زیاده بهتر اور محفوظ قسم کا شعبده دکهلا سکتے هیں -

صحیح راے قائم کرنے کیلیے ضروري هے که معتقدین ' متوقفین ' اور منکرین ' تینوں کے مباحث و دلائل پر نظر ڈالي جاے - هم آینده کسي موقع پر شرح و بسط کے ساتهه اس موضوع پر اپنے مطالعۂ و نظر کے نتائج شائع کرینگے -

ضروري اطلاع

جو حضرات الهلال وي - پي - پارسل کے ذریعه طلب فرماتے هیں ' اُنهیں معلوم هونا چاهیے که وي - پي کا روپیه مني آرڈر کي طرح وقت پر وصول نهیں هوجاتا - اکثر دیر هوجاتي هے ' اور چونکه روپیه کي وصولي کے بعد هي خریدار کا نام رجسٹر میں درج کیا جا سکتا هے ' اسلیے اسوقت تک پرچه جاري نهیں هوتا جب تک روپیه وصول نه هو جاے - اگر اس وجه سے اجراء میں دیر هوجاتي هے تو اس میں دفتر کي مجبوري ظاهر هے - اس کا علاج یهي هے که قیمت بذریعه مني آرڈر بهیج دي جاے -

منیجر

اردو ٹائپ

ایک مراسلة

آپ نے ۲۹ جولائي کے " الهلال " میں پہلے صفحه پر اردو ٹائپ کے متعلق ایک اعلان شایع کیا هے اور اس بارے میں رائیں طلب فرمائي هیں - اپني رائے آپ نے یه دي هے که جس ٹائپ میں الهلال چهپتا هے یعني جو ٹائپ صفحه ۳ سے استعمال کیا گیا هے وه اعلان مذکور کے ٹائپ سے بهتر هے - مجهے بهي اس سے اتفاق هے - لیکن اس ٹائپ میں بهي اصلاح اور ترمیم کي گنجایش اور ضرورت هے - یه مان کر که اردو کي لیے ٹائپ کي اشد ضرورت هے اس بارے میں اپني رائے عرض کرتا هوں -

سب سے اول ایک اصول کي بات بتانا ضروري هے - چونکه اب یه سوال اٹهایا گیا هے اسلیے نهایت ضروري هے که پنجاب اور یو - پي - کے تعلیمي محکموں سے سب سے پہلے استصواب کیا جائے - پنجاب کي نسبت مجهے زیاده واقفیت هے - یهاں تعلیمي اور سرکاري مطبوعات کي کتابت کے خاص قاعدے وضع کئے جاچکے هیں جن پر برسوں سے عمل هو رها هے -

بهتر تو یه هوتا که آپ اپنے اعلان کے ساتهه تمام حروف تهجي اور علامات وغیره کي ساري شکلیں جو آپ کے مجوزه ٹائپ میں هیں دیدیتے تاکه رائے دینے والوں کو آساني هوتي - خیر ' سردست جو کچهه میري سمجهه میں آیا عرض کیا جاتا هے -

" مد " کي علامت آپ کے ٹائپ میں صرف خفیف سي فتحه کي علامت کي شکل میں پائي جاتي هے - جیسي صفحه ۳ کالم اول کي اخیر سطر میں " آخر " پر موجود هے - یه علامت زیاده واضح اور نستعلیق کے الف ممدوده کي سي هوني چاهیے - اعلان مذکور یعني صفحه اول میں جو علامت " آج " پر لگائي گئي هے کیوں نه اسي کو اختیار کیا جائے ؟ وه بهت صاف اور واضح هے -

تشدید کي علامت اس ٹائپ میں نهیں پائي جاتي - یه اضافه هوني چاهیے -

جزم کي علامت بهي اس ٹائپ میں نهیں پائي جاتي - یه بهي اضافه هوني چاهیے -

شین معجمه اس ٹائپ سے غایب معلوم هوتا هے - سین مهمله پر نقط لگا کر کام چلایا گیا هے - اسے کیوں خارج کیا جائے ؟

آجکل کتابت اور املا کا مسلمه قاعده یه هے که صرف هائے مخلوط التلفظ دو چشمي لکهي جاتي هے - مگر آپ کے ٹائپ میں اس کا لحاظ نهیں - اِس کے بنانے والے ذوق کے " کتابت والے " کے هم مشرب معلوم هوتے هیں جن سے شیخ مرحوم کو یه شکایت تهي :

هائے رے حسرت دیدار میري هائے کو بهي
لکهتے هیں هائے دو چشمي سے کتابت والے

یه کیوں هے لکها جائے ؟ یه ضرور هے که اس کلمه کو هائے هوز سے لکهیں تو نیچے ایک شوشه بڑهانا پڑیگا کیونکه یه ' حرف جب

طرح پہلے پہل اُسے مذہب مخاطبات ارواح کي طرف توجہ ہوي' اور کس طرح ایک جاحد منکر کي جگہ وہ مصدق معتقد بن گیا - دوسرے میں اپنے متعدد تجربے اور مشاهدے بیان کیے هیں - تیسرے اور چوتھے میں منکرین کے رجوہ انکار پر بحث کي ھے - پانچویں سے لیکر آٹھویں مقالہ تک کا موضوع عالم مادي و روحي کے علائق هیں اور اس ضمن میں اُن امکانات کي نہایت دلنشیں تصویر کھینچي ھے جو بیان کردہ علائق کي ترقي سے دنیا کي معنوي زندگي میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دینگے !

(سرکونن ڈائل کا بیان)

پہلے مقالہ کا خلاصہ حسب ذیل ھے :

" سنہ ۱۸۸۶ - سے پہلے میں جنوبي افریقہ میں طبابت کرتا تھا - اُس وقت میرے عقائد کا یہ حال تھا کہ اُن لوگوں پر هنستا تھا جو روح کے مصطلحہ وجود پر یقین رکھتے هیں - میں خیال کرتا تھا کہ اِس سے زیادہ بے عقلي اور وهم پرستي کي اور کوئي بات نہیں هوسکتي -

میں بھي آج کل کے تمام جدید تربیت یافتوں کي طرح سائنس پر ایمان رکھتا تھا - میرا مذهب ' مذهب مادي تھا - میرا اعتقاد تھا کہ روح بجز اسکے کچھہ نہیں کہ جسم کے وظائف و ترکیب هي کا ایک نتیجہ ھے ' اور عقل کا مرکز دماغ میں ھے - میرا یقین تھا کہ دوائیں انساني طبیعت میں تبدیلي پیدا کر سکتي هیں - اور اُسے نیک اور بد بنادے سکتي هیں - اُس وقت کبھي میرے ذهن میں یہ موٹي سي بات نہیں آئي کہ ایک ماهر موسیقي همیشہ ماهر موسیقي هي رهیگا اگرچہ اُسکي بانسري ٹوٹ جائے - زیادہ سے زیادہ یہ هوگا کہ وہ اپنا هنر ظاهر نہ کر سکے گا ' لیکن اُسکا کمال اُس میں بدستور موجود رهیگا -

سب سے پہلے جس کتاب نے میرے خیالات میں تبدیلي پیدا کي اور مجھے الحاد و مادیت سے نکالا ' وہ " میرز " کي کتاب " شخصیت انساني " ھے - یہ کتاب اس لائق ھے کہ اُن کتابوں میں سے شمار کي جائے جنھوں نے انساني افکار کا بہاؤ ایک طرف سے دوسري طرف پھیر دیا ھے - مثلاً ڈارون کي کتاب اصلیت انواع اور بیکن کي کتاب منطق جدید -

اِس کتاب کے مطالعہ کے بعد میں نے انتقال فکري کے تجربے شروع کیے - میرے ایک دوست مسٹر پال کو بھي اِس موضوع سے بڑي دلچسپي تھي - میں اُنکے پیچھے بیٹھہ جاتا اور کاغذ پر بعض نقشے بناتا - مجھے هر مرتبہ یہ دیکھکر حیرت هو جاتي تھي کہ وہ میرے بنائے هوئے نقشے بعینہ اپنے کاغذ پر اتار لیتے تھے ' حالانکہ وہ میرا کاغذ نہیں دیکھتے تھے - پھر میں نے یہ تجربہ بھي کیا کہ وہ دوسرے مکان میں بیٹھا کریں - لیکن پھر بھي میں نے دیکھا وہ نقشوں کي بالکل صحیح نقل اتار لیتے تھے !

اُس وقت مجھے یقین هوا کہ عقل کو دماغ کا ویسا فعل سمجھنا صحیح نہیں هو سکتا جس طرح هم صفرہ کو جگر کا فعل سمجھتے هیں -

اِسکے بعد میں نے تھیاسوفي کا مطالعہ شروع کیا - میں نے دیکھا کہ اِس تحریک کي علم بردار اور رهنما مدام بلیوٹسکي ذهین مگر مکار عورت ھے - لیکن اِس دروغ گو عورت کي موجودگي سے اِس تحریک پر حرف نہیں آسکتا - یہ ایک صحیح تحریک ھے - یہ ضرور ترقي کریگي - مگر اُسي وقت ' جب اسکے ارکان وہ چولا اتار دینگے جو اِس عورت نے اسے پہنا رکھا ھے ' اور اِس تحریک کے حقیقي سر چشموں تک پہنچینگے جو مشرق کي سر زمین پر موجود هیں -

پھر میں نے وہ تمام کتابیں پڑھیں جو علماء عقلیات نے مذهب کے خلاف لکھي هیں - لیکن مجھے کوئي تشفي نہیں هوئي - کیونکہ وہ کبھي ایجابي بات کہتے هي نہیں - اُنکے پاس جو کچھہ ھے ' سلبي اور انکاري ھے -

مدت تک دنیا کي دوسري مشغولیتوں اور مسلسل سفر میں رهنے کے بعد پھر مجھے اِس اهم موضوع کے لیے مہلت ملي - بتدریج مجھہ میں یہ خیال پیدا هونے لگا کہ هماري اس زندگي کے علاوہ کوئي اور مخفي زندگي بھي ضرور موجود ھے ' اور وہ شاید هماري زندگي سے زیادہ لطیف اور خوشگوار ھے -

سنہ ۱۸۹۲ یا سنہ ۹۳ میں انجمن علوم نفسیہ نے مجھے اور ڈاکٹر اسکاٹ اور مسٹر بوڈمر کو ایک مکان کي تحقیقات کیلیے بھیجا - اِس مکان کے متعلق مشہور تھا کہ اُس میں روحیں رهتي هیں اور شور و هنگامہ برپا کیا کرتي هیں -

هم دو رات اِس مکان میں رهے - پہلي رات کوئي واقعہ نہیں هوا - دوسري رات ڈاکٹر اسکاٹ مایوس هوکر چلے گئے - صرف میں اور مسٹر بوڈمر رہ گئے - هم نے هر طرح کے دھوکے سے بچنے کا پورا انتظام کرلیا تھا - زینہ پر تار بچھا دیے تھے تاکہ ادنی سي حرکت کا بھي همیں علم هو جائے -

ٹھیک آدھي رات کو هم نے اچانک سخت شور سنا - ایسا معلوم هوا ' گویا کوئي میز کو موٹي لاٹھي سے پیٹ رها ھے - هم نے فوراً دروازہ کھولا اور باورچي خانہ کے طرف دوڑ پڑے جہاں سے آواز آ رهي تھي - مگر همیں سخت حیرت هوئي - باورچي خانے کا دروازہ اور کھڑکیاں بالکل بند تھیں - زینہ پر بچھے هوے تار بھي اپني جگھہ سے نہیں هٹے تھے !

اِسکے بعد رات بھر هم نے کوئي آواز نہیں سني -

اِس واقعہ کے چند سال بعد یہ مکان جل گیا - اُسکا باغ کھودا گیا تو زمین سے دس برس کے ایک لڑکے کي هڈیاں نکلیں - یہ رات کا شور در حقیقت اِسي لڑکے کي روح کا شور تھا - وہ اِسي گھر میں قتل هوا تھا اور اُسکي روح اس میں رهنے والوں کو پریشان کیا کرتي تھي -

اِس سلسلہ میں یہ نظریہ بہت سے لوگوں کے سامنے ھے کہ اگر کسي جوان آدمي کي زندگي کسي غیر طبیعي اچانک حادثہ سے تلف هو جائے ' تو اُسکي روح کي حیویت موت کے بعد بھي باقي رهتي ھے اور عجیب عجیب صورتوں میں ظاهر هوتي ھے "

کانن ڈائل نے آخر میں لکھا ھے " اِس قسم کے بے شمار واقعات مشاهدہ کرنے کے بعد میں نے اِس علم کا وسیع مطالعہ کیا - یہانتک کہ اب مجھے اِس پر پورا یقین هوگیا ھے - میرا اعتقاد ھے کہ روحوں سے گفتگو کي جاسکتي ھے "

اس کے بعد کے مقالات میں وہ تجربے اور مشاهدے بہ تفصیل بیان کیے هیں جو سالہا سال تک وہ " اپنے اذعان و تشفي کیلیے " جمع کرتا رها - پھر اُن اعتراضات اور شکوک کے جوابات دیے هیں جو اُن کے خیال میں منکرین مذهب استحضار کے " بنیادي " اعتراضات هیں -

چھپائي اور سیاهي وغیره مساله کا صرف لابدي طور پرکس میں زیاده هوتا هے ؟ ٹائپ میں یا لیتھو میں ؟ یه یاد رهے که اگر ٹائپ میں طباعت کا صرف لیتھو سے بہت زیاده هوا تو کاتب جو ٹائپ کي وجه سے بیکار هوگئے هونگے ' کتابت کي اُجرت کا نرخ گھٹا دینگے ' اور اس طرح ٹائپ کي ترویج عام میں مزاحم هونگے ' کیونکه سب کاتب تو کمپوزیٹر بن جانے سے رهے -

آخر میں یه عرض کرنا هے که میں نهیں سمجھا اعلان مذکور میں آپ نے عربي کے ساتھه فارسي اور ترکي زبانوں کو بھي " سامي " کیسے قرار دیا ؟ یه تو کوئي بات نهیں که اگر ان دونوں زبانوں کا املا دهنے سے بائیں کو چلتا هے اور عربي کا بھي یهي حال هے جو حقیقت میں سامي زبان هے ' تو یه دونوں زبانیں بھي سامي بنائي جائیں - غالباً آپ عجلت میں فارسي اور ترکي زبانوں کو سامي کهه گئے -

آپ کا مخلص

برج موهن دتا تریه - کیفي دهلوي

الهلال :

یه اور بعض دیگر مراسلات جو اس باب میں آئي هیں ' شائع کردي جاتي هیں - جناب کیفي نے اس معامله میں جو دلچسپي لي هے اور اپنے خیالات تفصیل سے ظاهر کیے هیں ' اسکے لیے هم اُن کے شکرگذار هیں - لیکن اس تحریر سے معلوم هوتا هے که اردو ٹائپ کے اقسام ' اُس کي تاریخ ' اور اُس کي فني اور صناعي مشکلات اُن کے سامنے نهیں هیں - ضرورت هے که ایک مرتبه به تفصیل یه امور واضح کردیے جائیں - هم اِن مراسلات کي اشاعت کے بعد اس موضوع پر به تفصیل اپنے خیالات ظاهر کرینگے -

البته دو باتیں ایسي هیں جنهیں اسي وقت واضح کردینا ضروري هے - صاحب مراسلة لکھتے هیں " خود آپ نے اپني پسند اُس ٹائپ کي نسبت ظاهر کي هے جس میں رساله کمپوز هوتا هے " حالانکه واقعه یه هے که اُس ٹائپ کي نسبت ظاهر کي هے جس میں پہلے صفحه کا اعلان کمپوز هوا هے -

فارسي اور ترکي کے سامي نه هونے کي نسبت اِنهوں نے جو کچھه لکھا هے صحیح هے ' اور اُن کے متنبه کرنے کے بعد عبارت پر نظر ڈالي گئي تو واقعي یه غلطي موجود هے - دراصل مقصود یه تھا که فارسي اور ترکي بھي سامي رسم الخط میں لکھي جاتي هیں - یه مطلب نه تھا که یه زبانیں بھي سامي هیں -

سات عجائب عالم

جدید علم آثار و تنقیب کی روشني مین

ایک زمانے میں دنیا کي سب سے زیاده عجیب اور مشهور چیزیں سات " عجائب عالم " سمجھي جاتي تھیں - قدیم دنیا کي کتب تواریخ میں ' سیاحت ناموں میں ' نظر و فکر کے عام مباحث میں ' بول چال کي ضرب المثلوں میں ؛ هرجگه ان سات عجیب چیزوں کا ذکر برابر آتا هے :

(۱) اهرام مصر
(۲) بابل کے معلق باغ
(۳) اسکندریه کا ساحلي منارہ
(۴) ڈائنا کا مندر
(۵) مسولوس کا مقبره ،
(٦) روڈس کا مجسمه
(۷) مشتري کا مجسمه

قدیم یوناني اور عبراني مورخوں کي زباني ان عجائب کي تفصیل دنیاے جدید کے تاریخي اوراق تک پہنچي هے - بعض قدیم آثار کے کتبوں میں بھي اِنکي طرف اشارات پائے گئے هیں - آخري عهد کے بعض حکماء یونان و اسکندریه نے مشتري کے مجسمه اور معبد کا ذکر ایسے موقعوں پر کیا هے ' جب اُنهیں عجائب و غرائب کیلیے کسي قریبي اور معروف تمثیل کي ضرورت هوي هے - مثلاً ایک حکیم ' افلاطون کي تعریف کرتے هوئے لکھتا هے :

" وه انسان هونے پر بھي صرف ایک هي مرتبه پیدا هوسکا ' جس طرح مشتري کا مجسمه پتھر سے بنائے جانے پر بھي صرف ایک هي مرتبه بن سکا هے ! "

(عرب مورخین کي تصریحات)

عربي مورخین کے علم و نظر کي وسعت اُن کے پیش روؤں کے اِس مشهور خیال سے بے خبر نهیں رهسکتي تھي - اُنهوں نے بھي " سات عجائب عالم " کا جابجا ذکر کیا هے ' اور یوناني علم ادب کي طرح عربي ادب و محاضرات کي بھي یه ایک ضرب المثل هوگئي هے - مشهور عرب جغرافیه نویس ابو عبد الله ادریسي منارۂ اسکندریه کا ذکر کرتے هوئے لکھتا هے " یه اُن سات عجیب عمارتوں میں سے ایک تھي جن کي تمام دنیا میں شهرت رهچکي هے "

عربي ادبیات میں غالباً کسي ایک کتاب میں اِن کے حالات نهیں لکھے گئے - ابن الندیم کئي کتابوں کا ذکر کرتا هے جو " عجائب دنیا " پر لکھي گئي تھیں - لیکن نهیں کها جاسکتا اُ...

لفظ کے شروع میں آئے تو شوشہ لابد ہے۔ درمیان اور آخر میں نہیں - معلوم یہ ہوتا ہے کہ عربی کے املا میں چونکہ ہائے ہوز کا دوچشمی شکل میں استعمال بہت تھا بلکہ وہ ہمیشہ دوچشمی ہی لکھی جاتی ہے جبکہ وہ آخر کلمہ نہو' اسی کا اتباع اردو ٹائپ میں کیا گیا۔ اردو کے مروجہ قاعدۂ املا کے مطابق تو آپ کے جریدہ کا نام ہی غلط لکھا ہوا ہے - لوح کو تو جانے دیجیے کیونکہ وہاں "الہلال" خط نسخ میں ہے اور اس لیے ہائے دوچشمی ہے - لیکن ہر صفحہ پر جو جریدہ کا نام درج ہے وہ تو نسخ نہیں بلکہ اردو خط میں ہے - مگر یہاں بھی ہائے دوچشمی ہی استعمال کی گئی ہے۔ یہ قاعدہ مذکور کے مطابق غلط ہے - آپ کے ٹائپ میں ہائے ہوز جہاں دوچشمی نہیں وہاں عجیب مروڑ والی شکل اختیار کرتی ہے۔ جیسے صفحہ ۳ کالم ۲ میں "چہرے" اور "نہیں" کا چہرہ بگاڑا گیا ہے - حالانکہ یہی ہائے ہوز اسی کالم میں مضمون "علم الآثار مصر" کی اول سطر میں "پہلے" کی شکل میں بہت خوب اور صحیح لکھی گئی ہے - متشابہ موقعوں پر ہائے ہوز کو اس "پہلے" کی شکل میں ہی کیوں نہ لکھا جائے ؟

نون غنہ جب لفظ کے آخر میں آیا ہے اوس میں نقطہ نہیں دیا گیا - یہ بالکل درست ہے۔ لیکن یہی نون غنہ جب کلمہ کے بیچ میں واقع ہو تو کسطرح لکھا جائیگا ؟ اس وقت کے املا میں اس پر الٹا جزم لگاتے ہیں - مگر جزم آپ کے یہاں ہے ہی نہیں -

میں نہیں کہہ سکتا کہ کسرۂ اضافت کا وجود آپ کے ٹائپ میں ہے کہ نہیں -

کشش اکثر قاعدۂ نستعلیق قدیم و املاے جدید کے خلاف پائی جاتی ہے - جیسے مضمون مذکور کی چوتھی اور پانچویں سطروں میں "رکھتے" اور "کردیتے" میں "ی" سے پہلے واقع ہوئی ہے -

املاے قدیم اور جدید دونوں کا مسلمہ اصول ہے کہ حروف کے امتزاج میں کوئی شوشہ فالتو نہیں ہوتا - مثلاً "بنتا" میں تین شوشے یا دندانے ہونگے - اگر آپ ایک اور دندانہ بڑھا دیں تو املا کی غلطی کے علاوہ قاری کو زحمت ہوگی۔ اسی مضمون کی گیارھویں سطر میں "ایجاد" کا لفظ آیا ہے - اس میں "ی" اور جیم کے درمیان ایک دندانہ یا شوشہ ٹائپ میں پیدا کردیا ہے جو نہونا چاهیے - اگر یہ کمپوزیٹر کا تصرف نہیں تو اسکی اصلاح ہونی چاهیے -

کوئی وجہ نہیں کہ ہاے ہوز آخر کلمہ' نسخ میں لکھی جائے' جیسی کہ "آثار عتیقہ" میں لکھی ہے۔ "نہ" کی شکل آپ کے ٹائپ میں "نہ" ہے جو نستعلیق نہیں - یہ کیوں ؟

"یا" آخر کلمہ کی تین صورتیں ہوتی ہیں : یاے معروف - یاے مجہول - یاے مفتوح - آپ کے ٹائپ میں صرف دو موجود ہیں - یاے معروف گول لکھی گئی ہے - یہ ٹھیک - لیکن یاے مجہول و مفتوح دونوں لمبی ہیں - یہ ٹھیک نہیں - جب یا کی ایک اور شکل ہمارے پاس موجود ہے - یعنی نصف دایرہ یا کٹی ہوئی' تو کیوں نہ اُسے بھی استعمال کیا جائے' تا کہ یاے مفتوح و یاے مجہول باہم متمیز ہو جائیں ؟

اردو ٹائپ چونکہ کہیں کہیں موجود ہے' اس لیے ہمکو یہ موقع میسر ہے کہ اُس کی اصلاح و ترمیم کرکے اپنا ایک مکمل ہندوستانی قومی ٹائپ بنائیں جو لیتھو کی جگہ لے - اور کیا پبلک اور کیا سررشتۂ تعلیم' دونوں اُسے قبول کرلیں - آپ کے ٹائپ میں "یا" آخر کلمہ کے نیچے بھی دو نقطے دیے جاتے ہیں - مگر آپ کے اخبار کے اسی نمبر کے اُس حصہ میں جو کاتب کا لکھا ہوا ہے' ایسی "ی" کے نیچے نقطے نہیں دیے گئے - یہ دو عملی کیا معنی ؟ ان دو نقطوں کی ضرورت کیا ہے ؟ کاتب کا وقت اور پریس کی سیاہی فضول کیوں خرچ ہو؟ جرمنی کا اردو ٹائپ بھی اسی اسراف کا مرتکب ہے - دیوان غالب جو وہاں سے ٹائپ میں چھپ کر آیا ہے' اوس میں چند ایسی بد عنوانیاں نظر آئیں جو شاید آپ کے ٹائپ میں نہیں ہیں - اس کتاب کا صفحہ ۱۲۱ ملاحظہ فرمائیں - اِس کے آخر میں ایک نا مکمل غزل ہے :

رهیے اب ایسی جگہ چل، کر جہاں کوئی نہو:
زباں کوئی نہو

"کوئی" کا لفظ چار جگہ تو ردیف کا جز بنکر آیا ہے اور دو جگہ مصرعوں کے متن میں - پانچ جگھہ تو اس حرف کی شکل اور شان یکساں ہے' لیکن ایک جگہ اُن سے نرالی شان میں لکھا گیا ہے :

"پڑیئی" گر بیمار تو کوئی نہو بیمار دار

سمجھہ میں نہیں آتا کہ ایک ہی لفظ اور ایک ہی تحریر اور ایک ہی معنی میں دو شکلین کیونکر اختیار کر سکتا ہے ؟ یہ بد عنوانی نہ ہونی چاهیے - اسی غزل کے مطلع کے دوسرے مصرع میں "ہم سخن" کا لفظ آیا ہے - لفظ "سخن" میں "س" اس انداز سے "خ" کے ساتھہ ملایا گیا ہے جس طرح حرف شناس بچے لکھا کرتے ہیں - حروف کی ملاوٹ کا یہ طریق پسندیدہ نہیں -

اردو ٹائپ کی وکالت کرتے ہوئے مطمح نظر صرف یہی نہ ہونا چاهیے کہ ارباب صحافت کو کاتبوں کی ناز برداری سے نجات ملے' اور اخبار و جرائد جلد اور ایک ہی خط میں چھپ جائیں - بلکہ آپ کا فرض ہے کہ اسے ایک قسم کا قومی ادارہ تصور فرمائیں - اور آج کل کے مروجہ طرز املا پر کچھہ ترقی کریں - نہ یہ کہ اس کی ضروریات بھی پوری نہوں - مبتدیوں کے لیے اردو کا قاعدہ بھی چھپیگا اور علما کی تصانیف عالیہ بھی - اس لیے یہ ایسا ہونا چاهیے کہ انشا کی تمام ضروریات اس سے پوری ہو جائیں' اور یہ فن املا کا کماحقہ نمایندہ بنکر کتابت کا نعم البدل ثابت ہو -

اور مولانا ! اس کا بھی خیال رکھیے کہ آج کل انسانی مصروفیت کے ہر شق میں جمالیت کا بڑا زور اور رسوخ ہے - جو ٹائپ تجویز ہو' وہ خط نستعلیق کے برابر تو دیدہ زیب ہونا چاهیے - یہ کیا ہوا کہ بچوں کے کنکھنے یا کیڑے مکوڑے کاغذ پر چھاپ کر پیش کردیے - میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ ٹائپ وضع کرتے وقت خوبصورتی کا خون کیا جائے - کیا وجہ ہے کہ نستعلیق کی نقل نہ کی جائے ؟ کیوں اُسے ارل جلول بنایا جائے ؟ آپ کے ٹائپ میں تمام دائرے بد نما اور چپٹے ہیں - کیوں نہ گول ہوں ؟ آخر اِس میں کون سی دقت حایل ہے ؟

میں دیکھتا ہوں کہ آپکے ٹائپ میں بڑی سرخیاں نسخ میں ہیں - یعنی اردو ٹائپ کے ساتھہ ایک مطبع کو نسخ کا ٹائپ بھی رکھنا پڑیگا - یہ دو عملی بد عملی کا حکم رکھتی ہے۔ خفی و جلی کے کئی درجے قائم کرکے تمام و کمال ٹائپ نستعلیق میں ہونا چاهیے -

میں پھر عرض کرونگا کہ سب سے پہلے آپ یہ کیجیے کہ ٹائپ رایٹر کے "کی بورڈ" کی طرح آپ کے ٹائپ میں جو جو چیزیں ہیں' اُن سب کا نمونہ ایک صفحہ پر چھپوا کر شایع فرمائیے تاکہ پتہ چلے اس میں کیا کچھہ ہے اور کیا نہیں ہے -

ٹائپ سے متعلق ایک اقتصادی پہلو بھی ہے جسے نظر انداز نہیں کر سکتے - یعنی یہ بھی دیکھنا ہے کہ کاغذ اور اِس کے ساتھہ

کي تعمير کس زمانه ميں هوئي تهي ؟ چهٹي صدي قبل مسيح ميں يه مندر پهر گر پڑا اور يونانيوں نے عوام سے روپيه جمع کرکے تيسري مرتبه تعمير کيا -

پانچويں صدي قبل مسيح ميں يوناني مورخ هيرودوٹس نے يه عمارت ديکهي تهي - وه لکهتا هے :

" پورا مندر سنگ مرمر کا هے ' اور اُن قديم مندروں سے ' جن کي بنيادوں پر قائم هوا هے ' چارگنا زياده وسيع هے - چاروں طرف سنگ مرمر کے ستونوں کي قطاريں هيں ' اور هر زاويه ميں آٹهه آٹهه مزيد ستون هيں - هر ستون کئي بيٹهک يوناني تصويروں سے آراسته کي گئي هے " -

سنه ۳۵۶ ق م ميں مشهور ظالم بادشاه هيروسٹراٹس کو خيال هوا که کوئي ايسا کام کر جائے جس سے اُس کا نام تاريخ ميں يادگار رهے - اُس نے اس مندر کي عمارت يک قلم برباد کردي - کيونکه دنيا کي اِتني عجيب اور قيمتي عمارت کا برباد کرنے والا يقيناً تاريخ کے حافظه ميں فراموش نهيں هوسکتا - اُسي وقت سے يوناني زبان ميں يه ضرب المثل مشهور هوگئي هے " اگر شهرت کے ليے ڈائنا کا مندر بنا نهيں سکتے تو اسے برباد کرڈالو "

ليکن يونانيوں کو يه معبد اس درجه عزيز تها که وه اس کي عدم موجودگي برداشت نهيں کر سکتے تھے - انهوں نے پهر از سر نو تعمير شروع کي اور قومي سرمايه سے مصارف کا انتظام کيا - بيان کيا گيا هے که تمام ملک ميں اس کي تعمير کا جوش اس قدر پهيل گيا تها که عورتوں نے اپنے زيور تک چندے ميں ديدیے تھے - اُسي زمانه ميں سکندر اعظم کا اس شهر ميں گزر هوا - اُس نے خواهش کي که اپنے جيب خاص سے پورا عبادت خانه بنوا کر ديوي کي نذر کردے - مگر شهر کے باشندوں نے يه ذلت گوارا نه کي ' اور سکندر کي ناراضي سے بچنے کے ليے يه حيله کرديا که " آپ خود بهي ديوتا هيں ' اور ايک ديوتا کے ليے دوسرے ديوتا کو نذر دينا جائز نهيں "

خيال کيا جاتا هے که سنه ۳۲۳ ق م ميں يه عمارت مکمل هوگئي تهي - يه ۴۲۵ فٹ لمبي تهي - سنگ مرمر کے ۱۲۷ - کهمبے تھے - اور هر کهمبا ۶۰ فٹ بلند تها - پورا عبادت خانه بڑي سليقه مندي سے آراسته کيا گيا تها - بڑے بڑے مصوروں نے تصويريں بنائي تهيں اور اس کے در و ديوار کي آرايش کے ليے بطور چڑهاوے کے پيش کي تهيں - ايک تصوير سکندر اعظم کي بهي تهي - وه اپنے گهوڑے پر سوار دکهايا گيا تها - کها جاتا هے که سکندر نے جب يه تصوير ديکهي تو ناپسند کي - ليکن جب قريب پهنچا تو اُس کا گهوڑا هنهنا اٹها - اِس پر مصور نے طعنه زني کي راه سے کها : " حضور کا گهوڑا اپنے سوار سے کهيں بهتر فن کي شناخت رکهتا هے " يه قول يوناني زبان ميں ضرب المثل هوگيا تها - يوناني سے يورپ کي زبانوں ميں منتقل هوگيا -

اِسکے بعد سنه ۲۶۰ ع ميں يه مندر پهر برباد هوگيا - اس مرتبه اِسے عيسائيوں نے ڈهايا تها اور اُس پر گرجا بناديا تها - مگر يه گرجا بهي زياده عرصه تک قائم نه ره سکا - تهوڑے هي عرصه کے بعد بے نام و نشان هوگيا -

ڈائنا ' ايشيائي ديوي ارٹميس کي مورت هے - اشوريوں نے اسے امومة يعني مامتا کے جذبات کا مظهر قرار ديا تها - يهي وجه هے که اسکے سينه پر بهت سے پستان دکهائے گئے تھے ' ليکن جب يونانيوں نے اسکي عبادت شروع کي تو اُسکي شکل بدل دي - اُنهوں نے اِسے ايک ذهين ' قوي ' اور جوان عورت کي صورت ميں طيار کيا تها -

(۲) ۱۰

مقبرۂ موسولس

(The Tomb of Mausolus)

ايشيائے کوچک ميں بدرم نام ايک ساحلي شهر هے - يه عهد مسيحي سے پہلے ايران کے ماتحت تها - سمندر اور پهاڑ کے درميان واقع هونے کي وجه سے اُسکا جغرافيائي موقعه اِس قدر مستحکم هے که باوجود ماتحت هونے کے بهي وه عرصه تک اپني اندروني خود مختاري برقرار رکهه سکا - چوتهي صدي قبل مسيح ميں يهاں ايک بادشاه حکمراں تها - اُسکا نام " موسولوس " تها - اُسنے اپنا پايۂ تخت يهي شهر بدرم قرار ديا تها - اِس شهر کا نام اُس وقت هيلي کارنيسس (Halicarnasous) تها -

سنه ۳۵۳ ق - م - ميں اِسنے وفات پائي - اسکي ملکه ارٹي ميزيا (Artemisia) بهت غمگين هوئي اور کسي طرح بهي تسلي حاصل نه کرسکي - آخر اُس نے اِس طرح اپنا دل بهلانا چاها که اپنے شوهر (بادشاه) کي قبر پر ايک ايسا مقبره طيار کرے جيسا دنيا ميں کهيں موجود نه هو - يه ايک بيوي کے طرف سے اپنے شوهر کيليے وه يادگار محبت تهي ' جو آگے چل کر ايک شوهر (شاهجهان اعظم) کے طرف سے اپني بيوي (تاج محل) کيليے قائم هونے والي تهي - دراصل يه مقبره " بيوي " کا " شوهر " پر ايک قرض محبت تها ' جسے سر زمين هند کے ايک وفا پرست " شوهر " شاهجهاں نے ادا کرديا !

چنانچه اُسنے ماهر يوناني معمار جمع کيے - اُنهيں بهت کچهه انعام و اکرام ديا ' اور مقبره بنوانا شروع کيا - ليکن ابهي دو برس بهي پورے نهيں گزرے تھے که فرط غم سے ملکه کا بهي انتقال هو گيا -

مقبره ابهي طيار نهيں هوا تها - معماروں نے باهم مشوره کيا که اب هميں کيا کرنا چاهيے ؟ بالاخر سب کي راے يهي قرار پائي که اس ملکه نے هم پر بڑے بڑے احسان کيے هيں - هميں چاهيے اُن کے شکريه ميں اُس کا نا تمام کام پورا کرديں - چنانچه اُنهوں نے کام جاري رکها ' يهانتک که تعمير ختم هوگئي ' اور ايک ايسا مقبره طيار هوگيا جيسا چشم فلک نے پہلے کبهي نهيں ديکها تها -

اب " موسولوس " يورپ کي تمام زبانوں ميں مقبره کيليے بولا جاتا هے - انگريزي لفظ " Mausoleum " اِسي " موسولوس " سے بنا هے -

مقبره ايک منزل کا تها - اِسي منزل ميں بادشاه کي قبر تهي - چهت پر سفيد سنگ مرمر کے ۳۶ سڈول ستون نصب کيے گئے تھے - اِن ستونوں پر مخروطي شکل کا باره منزلوں کا مناره تها - اِس پر بادشاه کي رتهه بنائي گئي تهي جسے چار اصيل گهوڑے کهينچ رهے تھے - عمارت کي پوري بلندي ۱۴۰ - فٹ تهي -

خود عمارت زياده بلند اور شاندار نه تهي - ليکن سبک اور نازک اِس قدر تهي که حيرت هوتي تهي - مخروطي مناره کي بنياديں جن ستونوں پر قائم تهيں ' وه اِس قدر پتلے تھے که دور سے بالکل نظر نهيں آتے تھے - شبه هوتا تها که عمارت هوا ميں معلق کهڑي هے !

مورخين کا خيال هے که يه مقبره بارهويں صدي عيسوي تک صحيح و سالم موجود تها - اِسي زمانے ميں صليبي فوجوں نے شهر بدرم پر قبضه کيا اور مقبره کے پتهر اکهاڑ کر اپنا قلعه بنانے لگے - پهر سنه ۱۵۲۲ ع ميں جب سلطان سليم نے اِس شهر پر حمله کيا ' تو صليبيوں نے مقبره کے باقي مانده ستون بهي اکهاڑ ليے -

میں اِن عجائب کا بھي ذکر تھا یا نہیں ؟ البته تاریخوں ' سفر ناموں' اور تقویم بلدان کي کتابوں میں فرداً فرداً اِن کا ذکر موجود ھے - خصوصاً بابل کے معلق باغوں ' اسکندریه کے منارہ ' اور مصر کے اھرام (مخروطي مناروں) کا تو نہایت مفصل تذکرہ موجود ھے - ابن جریر طبري ' ابن حوقل' ادریسي ' مسعودي ' ابوعبد للہ البکري (صاحب المسالک و الممالک) ابوعبداللہ غرناطي (صاحب نخبة الاعجاب) ابن جبیر' ابوالفداء ' ابن اثیر ' بیروني ' عبداللطیف بغدادي ' یاقوت حموي ' قزویني ' مقریزي ؛ سب نے اِن کا ذکر کیا ھے - حموي ' بغدادي ' اور مقریزي کے مباحث اھرام مصر اور منارۂ اسکندریه کے متعلق اس درجه محققانه ھیں' که جن جن پہلوؤں پر انہوں نے روشني ڈال دي ھے ' اُن پر موجودہ زمانے کي اثري تحقیقات بھي کوئي اضافه نہیں کرسکتي - حالانکه مصري آثار کي جدید تحقیقات نے نئے نئے انکشافات کے انبار لگا دیۓ ھیں -

دنیا کي تمام عجیب اور مشہور چیزوں کي طرح ان عمارتوں کي نسبت بھي عوام میں طرح طرح کے دور از عقل خرافات مشہور ھوگئے تھے ' اور عہد قبل از اسلام کے بعض مورخوں اور سیاحوں نے بھي انہیں قبول کر لیا تھا - لیکن محققین عرب نے پوري دقت نظر کے ساتھه اُن روایات پر نظر ڈالي ' اور بعض کي مشاھدات کي بنا پر اور بعض کي علمي قواعد کي بنا پر تغلیط کي - یاقوت حموي ' بیروني ' عبد اللطیف بغدادي ' اور مقریزي ؛ اگرچه تمام روایات نقل کردیتے ھیں ' لیکن جابجا اُن کي تغلیط بھي کرتے جاتے ھیں - حموي اور بغدادي نے منارۂ اسکندریه کا مشاھدہ اور تخطیط کرکے جو کچھه لکھا ھے ' اور جس طرح بے اصل روایتوں کي تکذیب کي ھے ' اس سے زیادہ تحقیق آج تک نہیں کي جا سکي -

یاقوت حموی اسکندریه کے منارہ اور مصر کے عجائب کا ذکر کرتے ھوئے لکھتا ھے " وھذہ أخبار نقلناھا کما وجدناھا في کتب العلماء وھي بعیدة المسافة من العقل' لایؤمن بھا اِلا من غلب علیه الجھل" یعني یه تمام روایتیں ھم نے جس طرح علماء کي کتابوں میں پائیں' بجنسه نقل کردیں' لیکن یه عقل سے نہایت ھي بعید ھیں' اور انہیں کوئي نہیں مان سکتا' الا وہ شخص که اُس کي عقل پر جہل غالب آگیا ھو" آگے چل کر ایک دوسرے موقعه پر لکھتا ھے " اما خبرالمنارة فقد رووا لھا اخباراً ھائلة وادعوا لھا دعاوي عن الصدق عادلة " یعني منارہ کے متعلق عجیب عجیب باتیں روایت کي گئي ھیں اور طرح طرح کے دعوے کیے گئے ھیں جو سچائي سے ھٹے ھوئے ھیں - پھر جہاں اپنے معائنه کا ذکر کیا ھے ' وھاں لکھتا ھے " شاھدته في جماعة من العلماء وکل عاد منا متعجباً من تخرص الرواة " یعني میں نے علماء کي ایک جماعت کے ساتھه منارہ کي سیر کي ' اور ھم میں سے ھر شخص جب مشاھدہ کے بعد لوٹا ' تو وہ راویوں کے اوھام و ظنون پر متعجب تھا (معجم البلدان - ١ : ٢۴٢) عبد اللطیف بغدادي اور مقریزي کي تصریحات بھي ایسي ھي ھیں - حموي نے منارہ کي تعمیري حالت دیکھکر جو اُس کے عہد تک باقي تھي ' اُس کي شکل و مساحت پر بھي غور کیا تھا اور اس کا نقشه بنایا تھا - حموي کے بعد کے مصنفین مثلاً قزویني وغیرہ نے اُسي سے منارہ کا نقشه نقل کیا ھے -

(جدید علم الآثار کي تحقیقات)

اب سے تقریباً ڈیڑھه سو برس پہلے قدیم آثار کي تحقیقات و تنقیب کا نیا دور شروع ھوا ' اور اس سلسله میں ان سات عجائب عالم کي تحقیقات پر بھي انفرادي اور جمعیتي کوششیں مبذول ھوئیں - روڈس ' اسکندریه ' اور اھرام کي تحقیقات اسقدر دشوار نه تھي - کیونکه مقامات معلوم تھے اور محل معین ؛ لیکن بقیه عمارتوں کي تحقیقات کا کام بہت دشوار تھا - تاھم جستجو جاري رھي ' اور بالاخر تمام ضروري معلومات روشني میں آگئیں -

جہانتک ھمیں معلوم ھے ' اُردو میں ان قدیم عجائب کي جدید اثري تحقیقات پر اِس وقت تک کچھه نہیں لکھا گیا ھے - ھم چاھتے ھیں ' مختصراً انکي تاریخ اور موجودہ اثري تحقیقات ایک دو مقالوں میں بیان کر دیں - یورپ کے اھل قلم ان عجائب کي تاریخ لکھتے وقت عموماً عربي عہد کي تاریخي و علمي تحقیقات نظر انداز کر جاتے ھیں - یا معلوم کرتے ھیں تو اکثر حالتوں میں ناقص اور غیر محققانه ھوتي ھیں - اس سلسلۂ مقالات سے ایک مقصود یه بھي ھے که جن جن عمارتوں کے متعلق عربي مورخین کي تصریحات موجود ھیں ' وہ اپنے اپنے موقعوں پر نمایاں ھو جائیں -

(١)

ڈائنا کا مندر

The Temple of Diana

ایک قدیم مورخ کا قول ھے :

" میں نے بابل کے معلق باغ دیکھے - مشتري اور روڈس کے مجسمے دیکھے ' اھرام مصر اور موسولس کا عالیشان مقبرہ دیکھا ' لیکن جب میں نے ڈائنا کا سربفلک مندر دیکھا تو تمام عجائب عالم میري نظر سے گر گئے "

قدیم مورخوں نے دنیا کي سات عجیب چیزوں میں سے کسي کے متعلق بھي اس قدر نہیں لکھا ھے ' جس قدر اِس مندر کے متعلق لکھا ھے - لیکن باوجود اِس کے یه کیسي عجیب بات ھے که دنیا نے سب سے زیادہ یہي چیز فراموش کردي ؟ حتی که یه بھي کسي کو یاد نه رھا که یه عمارت واقع کس جگه تھي ؟

سب سے پہلے سنه ١٨٦٥ع میں ایک انگریز ڈاکٹر ووڈ نامي نے شہر افسس میں اس کا پته لگایا - اِس کے بعد سنه ١٩٠۴ع میں برٹش میوزیم نے ایک اور شخص مسٹر ھوگارث کو مزید تحقیقات کے لیے بھیجا - اس شخص نے عرصه تک تحقیقات جاري رکھي ' اور اس کے بعد اپني تحقیقات کے نتائج شایع کیے - اُس کا بیان ھے که یه مندر تین پرانے مندروں کے کھنڈروں پر تعمیر ھوا تھا - مندر کي دیواروں کے نیچے تقریباً تین ھزار آثار پائے گئے - یه مشرقي طرز کے ھیں ' اور اِس بات کي زندہ شہادت ھیں که یونان کي صنعتي ترقي دراصل مشرق ھي کي تقلید سے شروع ھوئي تھي -

قدیم یوناني شہر افسس جہاں یه مندر واقع تھا ' اب بالکل برباد ھوگیا ھے - اُس کي جگه اِس وقت ایک ترکي شہر ایاسو لوگ نامي آباد ھے اور ایشیاے کوچک میں واقع ھے -

مندر کي تاریخ سنه ٧٠٠ قبل مسیح سے شروع ھوتي ھے - کیوں که اُس کي دیواروں میں بعض ایسي علامتیں موجود ھیں که خیال کیا جاتا ھے ' اُن کا تعلق اُسي زمانه سے ھے -

سنه ٦٦٠ ق م میں یورپ کي ایک وحشي قوم نے اِس علاقه پر حمله کیا اور یه عمارت برباد کر ڈالي - اِس کے بعد پھر از سر نو تعمیر کیا گیا - مگر زیادہ مدت تک قائم نه رہ سکا - کیونکه مساله خراب لگایا گیا تھا - یه اب تک تحقیق نہیں ھوسکا که دوسري مرتبه

عالم شرق و اسلام

شامی جہاد وطنی کا التوا

موجودہ عہد کی ایک قومی جد و جہد پر نظر تودیع !

شہر دمشق کا ایک عمومی منظر
جس کی دو تہائی تاریخی رونق و عظمت فرانسیسی توپوں کی گولہ باری اور فوجی حکام کے قتل و غارت گری سے ہمیشہ کیلیے برباد ہوگئی !

سلطان پاشا اطرش اور دروزی مجاہدین کا معسکر سویداء میں
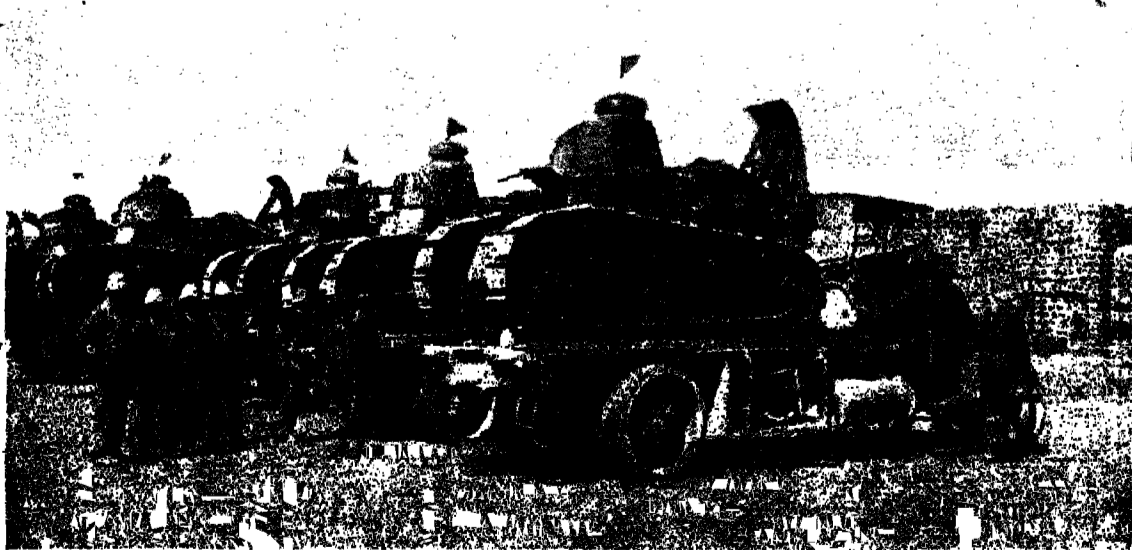
فرانس اعلان کرتا ہے کہ " اب ملک میں امن قائم ہوگیا ہے " مگر یہ " امن " کیونکر قائم ہوا ؟ اس طرح قائم ہوا کہ دمشق کے چاروں طرف اور خود شہر کے اندر، بڑی تباہ کن مرابت کی صفوں سے ناکہ بندیاں کی گئیں، اور اس طرح " امن " کے لیے قتل عام کا اعلان کیا گیا !

ان تمام اصحاب کیلیے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتے ھین

دنیا مین عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

مغرب و مشرق کے قدیم آثار' پرانی قلمی اور مطبوعه کتابیں' پرانی تصویریں' پرانے سکے اور نقوش' پرانے زیور' آرائش و تزئین کا هر قسم کا سامان' اور هر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر' اگر آپ کو مطلوب هیں' تو هم سے خط و کتابت کیجیے - کم از کم هماری نمایش گاهوں اور ذخائر کی فہرستیں هی منگوا لیجیے - اهل علم اور اهل دولت' دونوں کیلیے همارا ذخیره قیمتی هے -

نوادر عالم کا یه ذخیره

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا هے -

دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر' شام' فلسطین' هندوستان' ایران' ترکستان' چین' وغیره ممالک میں همارے ایجنت همیشه گردش کرتے رهتے هیں -

با این همه

قیمتیں تعجب انگیز عهد تک ارزاں هیں !

براعظم یورپ ' امریکه ' اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل' کتب خانے' اور عجائب خانے' هم سے نوادر حاصل کرتے رهتے هیں - قاهره کے نئے ایوان شاهی کے نوادر ابهی حال میں هم هی نے فراهم کیے هیں -

اگر آپکے پاس نوادر موجود هوں

تو آپ فروخت کرنے کیلیے بهی پہلے هم هی سے خط و کتابت کیجیے - بهت ممکن هے که همارا سفری یا مقامی ایجنت آپسے مل سکے -

ادب عربی اور جدید مصری مباحث

ليلى مجنون

ايك مصرى اهل قلم كي نظرى تحقيقات

بلاد اسلاميه کے ادبي و علمي مباحث و افكار كي صدائيں بهت كم هندوستان تک پهنچتي هيں - اول تو يهاں ايسے علمي مجامع كا وجود هي نهيں جو مشرقي و اسلامي ممالک کے علمي مجامع و محافل سے تعارف ركهتے هوں - ثانياً ' عربي کے ادبي و علمي مباحث کے ذوق سے نه صرف نئي تعليم يافته جماعتيں بلكه قديم جماعتيں بهي تقريباً محروم هيں - اس ليے نه تو اِن واديوں كي اُنهيں خبر هے - نه وهاں كي صداؤں كيليے كوئي ذوق اور دلچسپي ركهتي هيں -

هم چاهتے' هيں گاه گاه الهلال کے صفحات پر وهاں کے بعض اهم عصري مباحث کے نمونے شايع كرتے رهيں -

كچهه عرصه سے مصر ميں ادب و شعر عربي كي دو متقابل جماعتيں پيدا هوگئي هيں' اور اُن ميں بحث و مناظره كا معركه گرم هے - ايک جماعت متجددين مفرطين كي هے جنهيں اردو اخبارات كي اصطلاح ميں ادبي " انتها پسند " (اكسٹريمسٹ يا ريڈيكل) كهنا چاهيے - دوسري جماعت ادبي محافظين كي هے ' جنهيں سياسي جماعتوں كي تقسيم ميں قدامت پسند (كنسرويٹو) وغيره الفاظ سے ياد كيا جاتا هے - ادب و شعر كي اِن دو انتهائي جانبوں نے افراط وتفريط کے عجيب عجيب زاويے پيدا كرديے هيں - ان دونوں انتهائي جماعتوں کے درميان بعض اصحاب اقتصاد واعتدال بهي هيں' ليكن بهت كم - كيونكه جماعت كا ذهني مزاج فكر وعمل کے هر گوشے ميں' اعتدال سے مالوف نهيں هوتا - افراط و تفريط هي كي طرف مائل رهتا هے -

سياست كي طرح ادب و شعر ميں بهي اِن دو مذهبوں كا ظهور' هر ملک کے علمي اور فكري عهد کے ذهني خواص ميں سے هے - انيسويں صدي کے اوائل ميں جب يورپ كي ادبيات كا آخري انقلاب ظهور ميں آيا' تو اُس وقت بهي طريق مدرسيه (Classic) اور طريق رومانيه (Romantic) کے متبعين ميں كشمكش پيدا هوئي اور انتهائي اطراف نماياں هوگئے - البته يورپ كي زبانوں اور عربي زبان كي نوعيت ميں يه اصولي فرق هے كه اٹهارويں صدي ميں جب رومانيه طريقه کے متجددين پيدا هوئے تهے' تو اُس وقت يورپ كا مدرسي علم ادب كوئي ايسي ترقي يافته حالت نهيں ركهتا تها كه هر گوشه ميں ترقي و توسع كا محتاج نهو - وه زياده سے زياده دو صديوں كي ابتدائي ادبي ترقي كا نتيجه تها جو حروب صليبيه کے بعد سے يورپ ميں شروع هوئي تهي - اور پهر جو كچهه بهي تها' صرف ادب كي ايک خاص شاخ ميں محدود تها -

يعني شعر قصصي اور قصص تمثيليه ميں - ليكن عربي علم ادب كي حالت اس سے بالكل مختلف هے - اُس پر نشو و ترقي كي تيره صدياں گزر چكي هيں - وه تمدن و علوم كي تمام حالتيں' اور اساليب بيان وتعبير افكار کے تمام دور طے كر چكي هے - اس ليے اُسكي عصري احتياج بهت حد تک محدود هے' اور نئے نئے اساليب و مذاهب کے اخذ و اختيار ميں بهت زياده احتياط و توسط كي ضرورت هے - مغربي اساليب بيان كي كورانه تقليد اور ابداع و تجدد کے افراط و غلو كي جگه چاهيے كه مجتهدانه نظر واعتبار سے كام ليا جاے' اور عربي ادب و شعر كي خصوصيات كمال و جمال کے تحفظ کے ساتهه قديم راهوں ميں نئي نئي راهوں كي داغ بيل ڈالي جاے -

بهر حال سياست و معاشرت كي طرح ادب و شعر ميں بهي دو متقابل جماعتيں پيدا هوگئي هيں - ادبي تجدد و انقلاب كي اِس حركت كا سب سے بڑا قائد ڈاكٹر طه حسين استاذ جامعۂ مصريه هے - ڈاكٹر موصوف كي شخصيت ميں مصر کے موجوده عهد كي ايک غير معمولي ذهانت نماياں هوئي هے - وه پيدايشي نابينا هے - اُس كا دماغ حواس خمسه ميں سے ايک سب سے بڑے حاسۂ علم سے محروم تها - ليكن باوجود اسكے اُس نے جامع ازهر ميں علوم عربيه كي تحصيل كي اور يورپ كي متعدد زبانوں ميں بهي درجۂ رسوخ و نظر حاصل كرليا - وه ابهي جامع ازهر ميں مشغول تعليم تها كه جامعۂ مصريه اُسكي حيرت انگيز ابوالعلائي ذهانت كي شهرت سے متاثر هوئي اور اپنے صرف سے پيرس اور روم بهجواديا تاكه مغربي لغات و علوم كي تحصيل سے بهي فارغ هوجاے - كئي سال وهاں بسر كرنے کے بعد جب قاهره واپس آيا تو اِسي جامعه ميں استاذ (پروفيسر) مقرر هوگيا -

پچهلے دنوں ڈاكٹر موصوف نے عهد مولدين کے شعراء پر ايک سلسلۂ مقالات شروع كيا تها' جس نے مصر کے ادبي حلقوں ميں موافق و مخالف آراء کے پرجوش مباحثے پيدا كرديے - ان مقالات ميں وه اوائل عهد بنو اميه کے بعض شعراء غزليئين کے وجود سے انكار كرتا هے' اور اُنكے وجود كو محض قصصي اور شعري وجود قرار ديتا هے جيسا كه بعض مستشرقين يورپ كا بهي خيال هے - هم آج اُن مقالات كا ايک حصه' حذف و اختصار کے بعد شائع كرتے هيں - اِس كا تعلق " ليلى مجنوں " کے مشهور قصه سے هے - يه سوال كه كيا في الحقيقت قيس عامري اور ليلى کے معاشقه كا قصه حقيقي هے ؟ پہلے بهي اُٹهه چكا هے - چنانچه ابوالفرج اصفهاني نے كتاب الاغاني ميں اُن لوگوں كي رائيں نقل كي هيں جنهيں ان شخصيتوں كي حقيقت ميں شبه تها' ليكن هم خيال كرتے هيں اس ادعا اور وثوق کے ساتهه غالباً كبهي انكار نهيں كيا گيا جيسا انكار ڈاكٹر موصوف كو هے -

هم بالفعل اس باب ميں اپني راے ظاهر نهيں كرينگے كيونكه اسكے ليے شرح و تفصيل كي ضرورت هے - صرف ڈاكٹر موصوف اور اُن کے ناقدين کے مباحث كا خلاصه هديۂ قارئين كر دينگے - ڈاكٹر موصوف كي تحرير كا ترجمه حسب ذيل هے :

اطراف دمشق کا ایک تاریخي قصبہ جو گولہ باري سے بالکل تباہ کردیا گیا - تباهي کے بعد فرانسیسي پہنچے هیں اور دیکھہ رهے هیں کہ مکانوں کے کهنڈروں اور مقتول لاشوں کے سوا کوئي زندہ چیز باقي نہیں ھے !

حتى المحاريب تبكى وهى جامدة
حتى المنابر ترثى وهى عيدان !

دمشق کي ایک قدیم مسجد جسے فرانسیسي حکام نے منہدم کردیا اور انہدام کے بعد اب اس سے کمین گاہ کا کام لے رهے هیں !

ي مشہور اور تاریخي مسجد " جامع التکیه " کا داخلي منظر - جسے سلطان سلیم خاں نے تعمیر کیا تھا - فرانسیسیوں نے اس پر قبضہ کرکے اسے فوجي اصطبل بنا دیا - عین محراب و ممبر کے پاس گھوڑے باندھ گئے !

ليلى مجنون

از ڈاکٹر طه حسين

اب سے پہلے میں بہت سے ادیبوں کو ناراض کرچکا ھوں - بشاربن مبرد پر اُنکي خلاف توقع میں نے نکته چیني کي تھی - افسوس ' آج پھر میں اُنھیں ناخوش کرنے پر مجبور ھوں میں سچ کہتا ھوں ' مجھے اُنکي ناخوشي میں کوئي لطف حاصل نہیں ھوتا - لیکن کیا کروں - بحث ونقد کي دیانت مجھے اِس پر مجبور کرتي ھے - جب سے میں نے عربي شاعري پر بحث شروع کی ھے ' اھل ادب کي ملامت کانشانه بن گیا ھوں - وہ ناخوش ھیں - کیونکه میں نے ابونواس اور حسین بن الضحاک کو بشار بن مبرد پر ترجیح دي تھي - آج اُنکي ناراضی آور زبھي یادہ ھوجائیگي ' کیونکه میں متعدد شعراء کے وجود سے انکار کرونگا ' یا اُنکي شخصیت کي اھمیت گھٹاونگا - میں آج کہونگا که یه شاعر یا تو سرے سے موجود ھي نه تھے - یا تھے ' مگر اپنے زمانه میں کوئي نمایاں شخصیت نہیں رکھتے تھے - بعد میں لوگوں نے اُنھیں بڑھا دیا - اُنکي طرف بہت سے ایسے اشعار منسوب کردیے جو اُنھوں نے کبھی نہیں کہے تھے -

میں جانتا ھوں' بہت سے اھل ادب میرا طریق بحث پسند نہیں کرتے - وہ صرف اثبات اور ایجاب ھي کا ذوق رکھتے ھیں' اور ھر وہ طریق بحث ناپسند کرتے ھیں جو انکار یا شک پر ختم ھو - اُنکے خیال میں وہ شخص محقق نہیں ھے جو "مجنوں" کے وجود سے انکار کرے' یا اسمیں شک وشبه کا اظہار کرے - جو کوئي ایسي جرأت کرے ' وہ اُنکے نزدیک مجرم ھے - کیونکه اُنکے خیال میں وہ عربي علم ادب کي عظمت گھٹانے والا ھے - اُنکے نزدیک بڑا محقق وہ ھے جو ادبي قصص ومحاضرات کے ھر وجود پر علمي ایمان رکھتا ھو' اور ھر افسانۂ شعري ' حقیقت کے لباس میں دیکھتا ھو - کیونکه اُنکے خیال میں ایسا کرنے سے عربي عظمت بڑھتي اور عربي ادب کي خدمت ھوتي ھے ' اور اسلیے ایسا کرنے میں حقیقت کي پروا کرنا ضروري نہیں - آنکھیں بند کر لیني چاھئیں' اور جہل و اعتراف کي وادیوں میں بڑھے چلنا چاھیے !

وہ علم و ادب میں بھي وھي راہ اختیار کرني چاھتے ھیں جو سیاست میں اختیار کي جاتي ھے - صرف جذبات برانگیخته کرو اور مرحبا کے نعرے سنو ! بلا شبه اِس طرح تم اِن لوگوں کو خوش کردے سکتے ھو - لیکن افسوس ھے که اس طریقه میں اُن لوگوں کیلیے کوئي دعوت نہیں ھوسکتي جو قوم' ملک ' اور جماعت کي رضامندي دیکھنے سے پہلے علم ' حقیقت ' اور دیانت کے چشم و ابرو پر نظر رکھتے ھیں !

(شعراء غزلیئین)

بد قسمتي یا خوش قسمتي سے میں نے علم اور ضمیر کي رضا مندي کو لوگوں کي تعریف وتحسین پر ترجیح دے رکھي ھے - یھي سبب ھے که آج میں بغیر کسي احتیاط اور پیش بندي کے اعلان کرتا ھوں که شعراء کي وہ جماعت ' جسے میں " اھل غزل " کے نام سے پکارتا ھوں ' عربي ادب کي تاریخ میں وہ درجه نہیں رکھتي تھي جو آج لوگوں نے اُسے دے رکھا ھے -

یه شعراء در اصل دو نمایاں قسموں میں بٹے ھوئے ھیں - دونوں کے متعلق میرے خاص خیالات ھیں - ایک قسم " خیالي شعراء " (" شعري سیرتوں ") کي ھے - اسمیں مجنوں' قیس بن ذریح' عروہ بن حزام ' جمیل بن معمر' وغیرہ داخل ھیں - دوسري قسم " حقیقي شعراء " کي ھے - یه وہ لوگ ھیں جو نه تو خیالي محبت کے قائل تھے - نه فکري مراتب عفت وتنزہ کے دلدادہ تھے - وہ ھر ارضي انسان کي طرح زندگي اور اُسکي آلودگیوں سے آلودہ ھوئے اور اپنے اشعار میں اُنکے راگ گاتے رھے - اِس جماعت کا سرگروہ " عمروبن ابي ربیعه " ھے -

ھاں' مجھے عمروبن ابي ربیعه کے تاریخي وجود سے انکار نہیں - میں یه بھي تسلیم کرتا ھوں که جتنے اشعار اُسکي طرف منسوب ھیں' اکثر اُسي کے ھیں ' اور یه که اُسکي شخصیت اُس زمانه میں بھي تقریباً ویسي ھي تھي ' جیسي اس زمانه میں ھم تصور کرتے ھیں - یھي حال کثیر اور عبیداله بن قیس الرقیات کا ھے -

(قیس مجنوں)

لیکن مجھے قیس بن ملوح (مجنوں) کے بارے میں پورا شک ھے - میں اُسے تاریخي شخص یقین نہیں کرتا - میں تسلیم نہیں کرتا که اس نام کا کوي شاعر موجود تھا اور لوگ اُسے جانتے اور اُسکے منھه سے اشعار سنتے تھے - مجھے یه بھي یقین نہیں که جو اشعار اُسکي طرف منسوب ھیں ' اُسي کے ھیں - میں خیال کرتا ھوں که قیس بن ملوح (مجنوں) من جمله اُن خیالي آدمیوں کے تھا جنھیں جماعتیں اپنا کوئي خاص تخیل یا زندگي کا کوئي خاص اسلوب ظاھر کرنے کے لیے فرض کر لیا کرتي ھیں (یعني افسانۂ و شعر کي ایک خیالي سیرۃ) میرے خیال میں قیس بن ملوح ایک خیالي شخص ھے - شعر کے راویوں اور داستاں سراؤں نے اُسے شعري و عشقي ضرورتوں سے ایجاد کیا تھا - تا که مجالس و محافل کي دلچسپیوں کا سامان کریں - یا وقت کي ایک ادبي و شعري ضرورت پوري کردیں -

یہاں پر میں اُن اصحاب کو مخاطب کیے بغیر نہیں رہ سکتا جنھوں نے مجنوں کے سچے عشق اور رقیق جذبات کي ثنا خواني میں بے فائدہ کوشش کي ھے - اگر وہ اس کي جگه یه بات دکھاتے که مجنوں ' عہد اموي کے بعض خیالات و جذبات اور شعر و نثر کے خاص خاص اُسلوبوں کا رمز و مظہر ھے ' تو اُنکي کوشش زیادہ مفید ھوتي' اور آموي دور کي ایک ایسي خصوصیت ظاھر ھو جاتي جسے عہد عباسي نے شروع ھوکر اپنے لہو و لعب اور جسماني عیش وعشرت کے سیلاب میں ھمیشه کے لیے غرق کردیا -

مجنوں پر ایمان رکھنے والوں کو سمجھه لینا چاھیے که یه قصه محض افسانه ھے - صحیح تنقید ھرگز اِس کا وجود تسلیم نہیں کر سکتي - اُس شخص کے بارے میں تم کیا فیصله کروگے - جسکے نام نسب ' قبیله ' اور واقعات میں اتفاق کي جگه سخت اختلاف ھو ؟ اِس سے بھي بڑھه کر یه که راوي خود اُس کے وجود پر متفق نه ھوں اور اُسکے حالات سخت مشتبه لہجه میں روایت کرتے ھوں ؟

ایسے شخص کے بارے میں تمھاري رائے کیا ھو سکتي ھے جس کے واقعات ابو الفرج اصفہاني صرف اس وجه سے روایت کرنا چاھتا ھے که اس کا موضوع اُسے مجبور کرتا ھے ؟ پھر لطف یه که روایات کي صحت کي ذمه داری لینے سے اسے پوري طرح انکار ھے - وہ پورا بوجھه اصلي راویوں کي گردن پر ڈال دیتا ھے اور خود الگ ھو جاتا ھے - راویوں کے متعلق ھمیں معلوم ھے که وہ ' بجز رواۃ حدیث کے ' زیادہ محتاط نه تھے - اکثر مشتبه واقعات بھي بیان کر جاتے تھے - لیکن باوجود اپني اس بے احتیاطي کے وہ مجنوں کے بارے میں اختلاف رکھتے ھیں اور اُسکے وجود سے انکار کرتے یا شک ظاھر کرتے ھیں - نیز اُسکا نام ' نسب ' حلیه ' اور سوانح حیات بالاتفاق بیان نہیں کرسکتے - پس جب خود اصل راویوں کا یه حال ھے ' تو کیا ھمارے لیے یه سمجھنا نا مناسب ھوگا که مجنوں محض ایک افسانه ھے ؟

هے ' تو اِس کي بنياد غالباً اسي طرح اور اسي عهد ميں پڑي تهي -

اگر ايک طرف شاهي و تاجداري کي پيدايش اور اُس کي درجه به درجه ترقي سامنے رکهي جاے' اور دوسري طرف تصور الهي کي اس کڑي پر اور اُسکي تمام ارتقائي کڑيوں پر نظر ڈالي جاے؛ تو به يک نظر واضح هوجايگا که دوسرا تصور' ٹهيک ٹهيک پہلے کا عکس هے' اور دونوں نقشے ايک هي ذهني مبدء سے نکلے هيں - انسان نے ايک هي زمانه ميں اور ايک هي طرح کے ذهن و خيال سے حکومت و کبريائي کے دو تخت بنائے - ايک زمين پر آراسته کيا - دوسرا آسمانوں کي ملکوتي فضا ميں بچها ديا - ايک پر وه اپنے ابناء جنس کو بٹها کر اُن کے سامنے اطاعت و غلامي کا سر جهکاتا - دوسرے پر اپنے خدا کا جاه و جلال ديکهکر سر بسجود هو جاتا -

يه جو مختلف قوموں کے قديم الهي تصورات ميں هم ديکهتے هيں که چهوٹے اور بڑے خداؤں کي تقسيم کي گئي' هر جگه کيليے محلي (مقامي) خداؤں اور آسماني سر پرستوں کا تخيل پيدا هوا - نذر' بهينٹ' اور قرباني' کي پيش کش ضروري سمجهي گئي' تقرب الهي کے ليے وسائط و وسائل کے عقيده نے رواج پايا' بڑے خدا تک پہنچنے کيليے چهوٹے خداؤں کي شفاعت ضروري تصور کي گئي' معبودوں کے غضب و انتقام سے بچنے کيليے طرح طرح کے مادي اعمال استعمال ميں لائے جانے لگے' خدا کي تمثيلي صورت کي نشست کيليے تخت يا تخت کے قسم کي کوئي چيز ضروري سمجهي گئي' اُس کے سر کي آراسنگي کيليے "تاج" بهي وضع کيا گيا' اور اُس کي حکمراني کے انصرام اور مشوروں کيليے دربار اور دربار کے ارکان بهي پيدا هوگئے؛ تو يه تمام باتيں في الحقيقت دنيا کي شاهي و حکمراني هي کا پرتو هيں -

دنيا ميں جس وقت سے شاهي و حکمراني کي بنياد پڑي هے' يه تمام باتيں اُس کے لوازم و خصائص ميں سے سمجهي جاتي هيں اور مفهوم حکومت کے بنيادي اجزاء هيں - طاقت اور اختيار کي سب سے بڑي بڑائي پادشاه کيليے هوتي هے - ليکن پادشاه بذات خود تمام کار و بار حکومت انجام نهيں دے سکتا اور نه دينا پسند کرتا هے - اُس کے ماتحت وزير و امير هوتے هيں' اور وه احکام شاهي کے مطابق تمام کام انجام ديتے هيں - اسي چيز نے تصور الهي ميں بڑے معبود اور چهوٹے معبودوں کا تخيل پيدا کيا - خيال کيا گيا که چهوٹے معبود بڑے معبود کے نيچے رهکر کائنات قدرت کے تمام کار و بار انجام ديتے هيں -

يهيں سے تصور الهي ميں " تقسيم عمل " کا تخيل بهي ترقي پذير هوا - حکومت اور انتظام کے هر صيغه کے ليے کوئي ايک امير اور وزير مقرر هوتا اور هر بستي اور شهر کے اوپر کوئي ايک حاکم با اختيار هوتا - پادشاه سب کے اوپر تها' ليکن رعايا کا علاقه اپنے اپنے حاکموں سے تها - براه راست پادشاه سے نه تها - حاکموں اور وزيروں کو اختيار پادشاه هي سے ملتا هے' ليکن جب مل جاتا هے' تو وه اپنے اپنے دائرۂ حکومت ميں خود مختار هوتے هيں - رعايا کا فرض هوتا هے که اُنهي کے کهے پر چلے اور اپني ساري داد فرياد اُنهي کي چوکهٹوں پر لے جاے - اسي تقسيم عمل اور حکومت بالوسائط کا نقشه تصور الهي ميں بهي قائم هوا - اور پہلے کارخانۂ کائنات کے هر صيغه کے ليے الگ الگ خداؤں کي' پهر زمين کے هر حصے اور آبادي کے ليے محلي خداؤں اور کارسازوں کي تقسيم عمل ميں آئي - يه بات که خدا تک براه راست کوئي نهيں پهونچ سکتا - هر انسان کي پهونچ صرف درميان کے وسيله هي تک هو سکتي هے' اور اُسي کے وسيله سے وه معبود حقيقي تک پهونچ سکتا هے' ٹهيک ٹهيک يهي بات تهي که کوئي آدمي براه راست پادشاه تک نهيں پهونچ سکتا - هر شخص کي پهونچ صرف اپنے اپنے حاکموں اور وزيروں اميروں هي تک هوسکتي هے - وه چاهيں تو دربار شاهي تک بهي پهنچاديں -

پادشاهوں تک عوام کا براه راست نه پهنچ سکنا' شاهي عظمت و کبريائي کے تخيل کا نتيجه تها - بنياد اس خيال کي يه تهي که جو شخصيت جس قدر بهي عوام کي رسائي سے بلند هوگي' اُتني هي عظيم اور مقدس هوگي - جوں جوں يه تخيل' پادشاهوں کي شخصيت کے ساتهه ترقي کرتا گيا' اور اُن تک پهنچنے کے ليے نئے نئے واسطے اور وسيلے بنتے گئے' خدا کے تصور ميں بهي ايک منظم سلسلۂ وسائل کا تخيل پيدا هوتا گيا - اس تخيل کي انتها يه تهي که کوئي انسان معبود حقيقي سے واسطه پيدا هي نهيں کرسکتا - اُسکا علاقه جو کچهه بهي اور جيسا کچهه بهي هے' صرف وسائط سے هے - يعني اُن کارفرما طاقتوں سے هے جن کے سپرد تدبير عالم کا تمام کارخانه کر ديا گيا هے - اسي طرح نذرانه' پيش کش' قرباني' بهي ٹهيک ٹهيک وهي بات هے' جو ايک طرف انساني پادشاهي و سروري کے ليے وجود ميں آئي' دوسري طرف تصور الهي ميں بهي سرايت کر گئي -

علم مصريات Egyptiology سے مصر کے قديم الهي تصورات پر نهايت قيمتي روشني پڑي هے - اس سے معلوم هوتا هے که مصريوں کے سب سے زياده قديم معبود وهي تهے جنهيں محلي يا جماعتي معبود کهنا چاهيے - حضرت مسيح (عليه السلام) سے تقريباً نو هزار برس پہلے تمام سر زمين مصر محلي معبودوں ميں منقسم تهي - اِس عهد کے ايک هزار برس بعد (يعني ۸۰۰۰ - قبل مسيح) ميں ايسے معبودوں کا تصور پيدا هوا جو محلي نه تهے - مثلاً " اوزي ريس " اور اُس کے ثالوث کي پرستش شروع هوئي جو انسانيت کا ديوتا تسليم کيا جاتا تها - بعض کتبوں سے معلوم هوتا هے که اس عهد کے بعد مشرق سے کواکب پرستي کا تخيل مصر پهنچا اور " راع " (سورج کے ديوتا) کا عالمگير اقتدار تسليم کر ليا گيا - هيرودوتس اگرچه اس عهد کے هزاروں برس بعد مصر پهنچا هے' ليکن اُس نے بهي يه پراني روايتيں معلوم کي هيں - وه لکهتا هے که مصر کے قديم زمانے مين هر هر بستي کيليے الگ الگ خدا تها - جب ايک آدمي اپنے گانوں سے نکل کر کسي دوسرے گانوں ميں جاتا تها' تو جب تک وهاں رهتا' اپنے گانوں کے خدا کي پرستش ترک کرديتا اور اُسي دوسرے گانوں کے خدا کي پوجا کرتا " کيونکه وه لوگ يقين کرتے تهے که ايک مقام کا خدا صرف اپني هي حکومت ميں کارسازي کي قدرت رکهتا هے - دوسرے مقام کے انتظامات ميں دست اندازي نهيں کر سکتا " !

مصر کي طرح هندوستان بهي تاريخ تمدن کي سب سے بڑي قدامت رکهتا هے - يهاں بهي محلي اور قبائلي معبودوں کا تصور' اقتدار الوهيت کي درجه بدرجه تقسيم' کارخانۂ کائنات کے نظم کيليے تقسيم عمل' اور اسي طرح کے تمام تخيلات' اسي عهد کے نشؤ و نما کا پته ديتے هيں -

يونانيوں کے تصور نے تو کوه المپس کے معبودوں کا ايک پورا دربار حکومت ترتيب ديديا تها جسکا مرقع آج تک در و ديوار کي آرايش کا کام دے رها هے اور جسکے مناظر هومر کي زندۂ جاويد الئڈ ميں بار بار

تفسیر سورہ فاتحہ کا ایک صفحہ

انسانی تصور الہی کی تکمیل
اور
اس کا سلسلۂ ارتقا

(۲)

(دور قہر و جلال)

گذشتہ نمبر میں اس دور کي شرح و تفصیل کا صرف ابتدائي حصه درج ھوسکا - جس مقام پر پچھلا مقاله ختم ھوا ھے ' اُسکے بعد مسودہ میں مزید شرح و تفصیل ھے - خلاصه اُس کا یه ھے که علم الآثار اور قدیم اصنامي و مذھبي روایات و قصص سے معلوم ھوتا ھے که اِس ابتدائي دور میں تصور انساني درجه بدرجه حسب ذیل منزلوں سے گزرا - یه گویا اس سلسلۂ ارتقا کي پہلي اصولي کڑي کي فرعي کڑیاں تھیں :

(۱) ایک مجہول خوف و دھشت کا تصور -
(۲) ابتدائي تشخص و تعین -
(۳) مظاھر فطرت کي مہلک اور سلبي قوتوں کا تصور -
(۴) خوفناک اور مہلک جانوروں میں ما فوق الطبیعۃ طاقتوں کا تخیل -
(۵) غیر مرئي دیوتاؤں کا تصور -
(۶) دیوتاؤں کے تصور میں ترتیب و نظم کا ظہور -
(۷) کائنات فطرت کے اعمال و مظاھر میں تقسیم عمل کا تصور - یعني اس تصور کي ابتدا که ھر چیز کي تخلیق و نگراني کیلیے الگ الگ خدائي طاقتیں ھیں - آگے چلکر یه تقسیم عام ھوگئي - لیکن اس دور میں صرف فطرۃ کے سلبي اور تخریبي افعال میں ھوئي تھي -

(صفات رحمت و جمال کي آمیزش)

ایک مدت تک ذھن انساني صرف صفات قہر و جلال ھي کا تماشائي رھا - خود اُسکا ذھني مزاج بھي ابھي رقیق و لطیف صفات کے نشو و بلوغ سے محروم تھا ' اسلیے وہ خدا کے تصور میں بھي اُن کا جلوہ نہیں دیکھه سکتا تھا - لیکن جب کچھه عرصه کے بعد انسان کي مدني زندگي نے چند قدم آگے بڑھاے اور اجتماعي معیشت میں ترقي ھوي ' تو معیشت کے نظم ' روابط کے قیام ' علائق کي وسعت ' زندگي کے امن ' اور عقل و ادراک کے منجھه جانے سے فکر و احساس کا دائرہ اُتنا تنگ نہیں رھا ' جس قدر پہلے تھا - اس لیے قدرتي طور پر اُسکے جذبات و خیال کي کیفیت میں بھي ترقي ھوي ' اور ابتدائي زندگي کي سختي اور نا تراشیدگي کي جگه رقت و لطافت کے احساسات اُبھرنے لگے - اس حالت کا لازمي نتیجه یه تھا که تصور الہي کے دائرہ میں بھي ایک نئي وسعت پیدا ھوگئي ' اور نئے نئے جذبات سے وہ آشنا ھونے لگا -

یه تصور الہي کي دوسري اصولي کڑي ھے - اس منزل میں پہنچ کر انسان نے دیکھا که خدا کا چہرہ اگرچه غضب و ھیبت کے خال و خد سے ھولناک ھے ' لیکن کبھي کبھي اس پر رحمت و جمال کا تبسم بھی طاري ھو جاتا ھے - یه تبسم ابتدا میں بہت ھلکا تھا - جوں جوں انسان کے لطیف جذبات منجھتے گئے ' یه تبسم جمال بھی زیادہ نمایاں اور دلاویز ھوتا گیا - یہانتک که انسان کے تصور الہي میں قہر و جلال کے ساتھه ' رحمت و جمال کے تصور کا عنصر بھي شامل ھوگیا -

یه رحمت و جمال کے دور کي ابتدا تھي - اس دور میں خدا کي ایجابي صفات کا تصور بالکل ابتدائي اور ناقص حالت میں شروع ھوتا ھے ' اور ایک خاص حد تک نشو و نما پاتا ھے - ابتدائي درجه میں اسکا عنصر بہت خفیف ھوتا ھے - آگے چل کر زیادہ نمایاں ھو جاتا ھے - تاھم مجموعي حیثیت سے غلبه قہر و جلال کي صفات ھي کا رھتا ھے -

(تجسم و تمثل کا دوسرا قدم)

اِس دوسرے دور میں تجسم و تمثل (یعني خدا کي صفات کو مخلوق کي صفات کي طرح تصور کرنے) نے بھي ایک بہت ھي سست قدم آگے کي طرف بڑھایا - تنزیہه کي منزل ذھن انساني کیلیے بڑي مشکل اور بڑي ھي دور کي منزل تھي - اسلیے اس راہ میں اُسکے قدم تیز نہیں اُٹھه سکتے تھے - تاھم اُٹھتے تھے ' اور اھسته اھسته تمثل کي سطح بلند ھوتي جاتي تھي -

پہلے تمثل سرتا سر ادنی قسم کے حیواني صفات کا تھا - کیونکه خود انساني صفات بھي اسي درجه میں تھیں - پھر انسان کي معنوي ترقي کے ساتھه ساتھه تمثل کي نوعیت میں بھي ترقي ھوتي گئي ' اور اونچے درجه کي حیواني صفات سے تصور آشنا ھوگیا - پھر اس میں بھي ترقي ھوئي - انساني اور کائناتي صفات و اعمال میں سے جو صفات و اعمال اونچے درجے کے انسان کي نظروں میں آ سکتے تھے ' اُن سے خدا کا تصور آراسته کیا جانے لگا -

(الوھیت اور شاھیت)

مثلاً جب اجتماعي معیشت کي ترقي و وسعت سے حکومتوں اور حکمرانوں کا ظہور ھوا ' اور طاقتور انسانوں نے کمزور افراد کو مسخر کرکے اپني شاھي و مالکي کي عظمت و سطوت پیدا کرلي ' تو ذھن انساني کے سامنے طاقت اور اقتدار کا ایک نیا پر شکوہ نمونه آگیا - اسلیے قدرتي طور پر وہ خدا کے تصور میں بھي ایک طرح کي شاھي و حکمراني کا جاہ و جلال دیکھنے لگا ' اور ساز و سامان حکومت کے وہ تمام اجزاء اُس میں بھي پیدا ھوگئے ' جو دنیا کے پادشاھوں اور انکے درباروں میں پیدا ھوگئے تھے - یه جو آگے چلکر خدا کے عالمگیر تصور میں ایک شہنشاہ اور اُسکے دربار حکومت کے تمام لوازم کا تخیل سرایت کرگیا - حتی که آج خدا کا نام سنتے ھي ھمارے تصور میں ایک بڑے پادشاہ کے تخت عظمت و جلال کا نقشه پیدا ھوجاتا

لاتهنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (القرآن الحکیم)

ایک هفته وار مصور رساله

نمبر ۱۱ — کلکته : جمعه ۲۷ ـ صفر ۱۳٤٦ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 26, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی ـ
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای ـ
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی ـ

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی ـ اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی هین ـ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین ـ لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ـ

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیي ـ یاد رکهیي ـ طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیي سب سی زیاده اهم مسئله هی ـ ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ـ

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ٦٥٧ مراسلات وصول هوی هین ـ تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۸٤	اردو حروف کی حق مین	۲۱۰
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۱۲۱	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	۱۸٦	نستعلیق هون	٥٦

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی ـ

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی ـ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی ـ آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین ـ

الهلال

همارے سامنے آتے هیں - اس دربار میں زفس یا زیوس Zeus (مشتری) عصاء شاهی هاتهه میں لیکر تخت ریاست پر متمکن هوتا - هیرا اُسکی بیوی ملکه کی طرح اُسکے بائیں جانب بیٹهتی - دونوں طرف تخت کے نیچے بقیه معبود اور دیوتا بیٹهتے ' اور هیبیا Hebe (زفس کی بیٹی اور شباب کی دیوی) ساقی گری کا فرض انجام دیتی - هومر الیڈ کی چوتهی نظم شروع کرتے هوے کہتا ھے :

" دیوتاؤں نے زفس کے گرد مجلس شوری آراسته کی - سنہری ایوان میں سب جمع هوئے - هیبیا نے عیش و نشاط کے جاموں کو گردش دی " الخ

هندوستان اور یونان ' دونوں نے اپنے معبودوں کیلیے سر بفلک پہاڑ کی پراسرار چوٹیاں منتخب کی تهیں- هندوستان میں هماله کی برف آلود چوٹیاں دیوتاؤں کا مسکن اور دربار بنیں - یونانیوں کے پاس هماله جیسا پہاڑ نه تها ' لیکن اِلمپس کی ابر آلود چوٹیاں کافی بلند تهیں - اُنهوں نے خیال کیا ' ابر کے پر اسرار اور هیبت انگیز پردہ کے پیچهے اُن کے معبودوں کا دربار جاہ و جلال آراسته ھے !

دیوتاؤں کیلیے طرح طرح کی سواریوں کا تخیل ' هندوستان ' یونان ' اور مصر کے مقدس رتهه ' آشور اور بابل کے تخت رواں ' ایران کا عجیب الخلقت مرکب ؛ سب اسی تخیل کے برگ و بار هیں - هندوستان ' مصر ' یونان ؛ تینوں نے معبودوں کی سواری کے جلوس اور تزک و احتشام کے سامان ویسے هی آراسته کیے تهے ' جیسے پادشاهوں کی سواریاں اُن وقتوں میں نکلا کرتی تهیں - علم و تاریخ کی خوش قسمتی سے اُن عہدوں کی شاهیت اور الوهیت ؛ دونوں کے نقشے همارے سامنے آگیے هیں !

پادشاهت اور اُلوهیت کے اسی تماثل کا نتیجه تها که دونوں میں ایک عجیب طرح کا مخفی لزوم و علاقه پیدا هوگیا - یعنی دونوں باهمدگر ایک دوسرے کے تخیل سے اِسطرح متاثر و منفعل هونے لگے که ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ' اور دوسرے کے اثر سے پہلا متاثر هوتا - کیونکه دو قریب قریب اور متماثل تخیل به یک وقت نشوؤ نما پانے لگے تهے - اگر ایک طرف شاهی و سروری کے اعتقاد نے خدا کے تخیل میں اپنا ساز و سامان حکومت پیدا کر دیا ' تو دوسری طرف خدا کے تصور کی شان الوهیت و تقدیس ' شاهی و سروری میں بهی پیدا هوگئی ' اور اس طرح ذهن انسانی کے لیے دو هم شکل چیزوں میں حد امتیاز قائم کرنا دشوار هوگیا -

یهیں سے انسانی پادشاهت میں شان اُلوهیت و کبریائی کے اعتقاد کی بنیاد پڑی- هندوستان ' مصر ' دو آبۂ دجله و فرات ' اور ایران ' قدیم تمدن کے چار بنیادی مقامات هیں ' لیکن ان چاروں جگهوں کی تاریخ میں شاهی و سروری کے تاج کے گرد ' اُلوهیت و سماویت کا مقدس هاله نظر آرها ھے - هندوستان اور مصر میں پادشاه کا منصب ایک آسمانی منصب تسلیم کیا گیا - اُن کے خاندان ' نسب ' پیدایش ' نشو و نما ' موت ' اور هر طرح کے معاملات میں غیر انسانی قسم کے اسرار و رموز کی تقدیس پیدا هوگئی - وہ خود بهی ایک دیوتا هوگئے ' خدا کا مظهر ' اوتار ' اور پهر زیادہ هلکے لفظوں میں خدا کا سایه تسلیم کیے گئے ' اور " مشبه " اور " مشبه به " کا امتیاز اس طرح اُٹهه گیا که اب اس کا فیصله دشوار هوگیا ھے که ان دونوں چیزوں میں " مشبه " کون تها اور " مشبه به " کسے قرار دینا چاهیے ؟

یه جو تمام قدیم قوموں میں اُنکی پادشاهتوں کی ابتدا دیوتاؤں سے تسلیم کی گئی ھے ' یا پادشاهوں کا سلسلۂ نسب اجرام سماویه سے ملا دیا گیا ھے ' یا پادشاهت کی ابتدا آغاز خلقت کے کسی ایسے عہد سے هوتی ھے جب دیوتاؤں اور آسمانی طاقتوں کے ما وراء طبیعت کارنامے انجام پا رهے تهے ؛ تو یه بهی اِسی صورت حال کا قدرتی نتیجه ھے - قدیم مصریوں کا عام اعتقاد تها که تخت مصر پر پہلا دور دیوتاؤں کی براہ راست حکومت کا گزرا ھے - دوسرا دور ایسے انسانوں کی حکومت کا تها جن میں پوری نہیں آدهی دیوتائی تهی - بیس هزار برس جب ان دونوں دوروں پر گزر چکے ' تب انسانوں کا دور حکومت شروع هوا - هندوستان میں بهی چندر بنسی اور سورج بنسی خاندانوں کا تخیل قائم هوا ' جنکا سلسلۂ نسب چاند اور سورج پر جا کر ختم هوتا ھے - آشوریوں اور بابلیوں کا بهی یهی خیال تها - وہ کہتے تهے ' پادشاهت کا سب سے پہلا سلسله سورج دیوتا سے شروع هوا ھے -

انسانی پرستش کے تخیل نے بهی اسی دور میں نشوؤنما پائی - تمام ایسے انسان جو عام سطح سے کوئی بلند طاقت حاصل کر لیتے تهے ' به آسانی دیوتاؤں کا درجه حاصل کر لیتے - عجب نہیں اِس کی ابتدا اِسی الوهیت اور پادشاهت کے تشابه سے هوئی هو -

مظاهر فطرة کی پرستش کے سلسله میں اجرام سماوی کی پرستش بهی اسی دور میں شروع هوئی ' اور انسانی تخیل نے به تدریج اپنے ماحول سے متاثر هوکر اُن کی جسمانی شکل و شباهت وضع کر لی - غالباً کواکب کی مختلف جسمانی صورتیں سب سے پہلے دو آبۂ دجلۂ و فرات میں پیدا هوئی هیں - اُس کے بعد مصر اور یونان میں کواکبی اصنام کی پرستش کا ظهور هوا ' اور اُن کی اِلهی روایات نشوؤ نما پانے لگیں - پهر ایک مدت کے بعد جب علم هئیة کی ابتدائی معلومات سے انسان آشنا هوا ' تو کواکب پرستی کے تخیل میں زیادہ نظم و اسلوب پیدا هو گیا ' اور ذهن و فکر کی رقت و لطافت ترقی کرنے لگی -

مختارات

شرم اور خاموشی ' عورت کا بہترین زیور ھے — اریپڈس

تهوڑی فرقت محبت کو بڑهاتی ' اور زیادہ فرقت محبت کو قتل کر ڈالتی ھے — میرابو

عورت کے محبت بهرے دل سے زیادہ بڑی چیز دنیا میں کوئی نہیں — لوتهر

عورت اس لیے پیدا کی گئی ھے که مرد کو مانوس کرے — والٹیر

مرد کو خدا سے همیشه دعا کرنی چاهیے که عورت اُس کی حقیقت نه جاننے پائے — تهیکرے

ادم سب سے زیادہ خوش نصیب انسان تها - کیونکه اُس کی ساس نه تهی — پارنیه

(اتفاق سے ایک شعری خطاب)

" اتفاق ' آہ تم کیا جانو اتفاق کیا ھے ؟ اتفاق ایک سفید کبوتر ھے جو اپنی چونچ میں زیتون کی شاخ لیے هوئے ' نااتفاقی کے طوفان سے نجات دینے کی خوش خبری سنا رها ھے !

اتفاق چهچهاتی هوئی ایک بلبل ھے اور اپنے شیریں راگوں سے غمزدہ دلوں میں طرب پیدا کر رهی ھے !

اتفاق ' خوبصورت عندلیب ھے - آسمان میں اڑتی چلی جاتی ھے ' اور وهاں سے نسیم جنت بن کر واپس آتی ھے !

اتفاق ' آسمانی فرشته ھے جو اپنے نورانی پر پهادر روحوں پر پهیلا دیتا ھے ! "

لیلی مجنون

از ڈاکٹر طاھہ حسین

(۲)

قیس کے بارے میں عام راوي تو صرف اختلاف بیان ھي پر قانع ھیں لیکن ثقہ راویوں کو انکار یا شک میں تامل نہیں ھے - میں تمام اقوال پیش کرکے تحریر کو طول دینا نہیں چاھتا - آغاني کي پہلي اور دوسري جلد میں کافي ذخیرہ موجود ھے ' اور بآساني دیکھا جا سکتا ھے -

بعض راویوں کا انکار تو اِس درجہ تک بڑھ گیا تھا کہ وہ کہتے تھے :

" بني عامر (مجنوں کے قبیلہ) کے دل اِس قدر ٹھوس ھیں کہ ان میں اِتني زیادہ محبت ھو ھي نہیں سکتي - ھاں بے عقل باشندگان یمن سے یہ بعید نہیں - لیکن بني نزار اِس سے کوسوں دور ھیں "

ایک اور راوي تصریح کرتا ھے :

" میں قبیلۂ عامر کے ایک ایک خاندان میں پھرا اور سب سے مجنوں کے متعلق سوال کیا - مگر کسي نے بھي اُس کي واقفیت کا اظہار نہیں کیا - بلکہ سخت انکار کیا "

ایک دوسرے راوي کا بیان ھے :

" میں نے بني عامر کے ایک بدوي سے مجنوں کا حال پوچھا - اُس نے بہت سے عامري مجنوؤں کے نام بتائے اور اُن کے اشعار سنائے مگر قیس بن ملوح کے وجود سے برابر انکار کرتا رھا "

پھر اُن راویوں پر نظر ڈالو جو اس مجنوں کے واقعات کے راوي ھیں - وہ خود آپس میں سخت اختلاف رکھتے ھیں ' حتی کہ اُس کے نام تک پر متفق نہیں - کوئي قیس بتاتا ھے - کوئي مہدي کہتا ھے - کوئي اقرع قرار دیتا ھے - کوئي بحتري پر زور دیتا ھے - پھر اُس کے حسب و نسب کے بارے میں اختلاف شروع ھوجاتا ھے - پھر خود اُس کا جنون بھي سب تسلیم نہیں کرتے - کوئي کہتا ھے ' وہ بالکل دیوانہ تھا - کوئي اُسے عاقل گردانتا ھے - اصمعي کا قول ھے " وہ مجنون نہیں تھا - صرف ابو حیۃ نمیري کي طرح تھوڑي سي سنک تھي " اِس کے بعد یہ بحث شروع ھوتي ھے ' آخر وہ مجنوں کیسے مشہور ھوا ؟ بعض کہتے ھیں " وہ پہلے ھي سے دیوانہ تھا " بعض اِس کے خلاف ھیں اور یہ وجہ بیان کرتے ھیں کہ " اُس نے ایک شعر میں اپنے آپ کو مجنوں کہا تھا - اِس لیے اُس کا یہ لقب پڑگیا جیسا کہ بہت سے شعراء کا حال ھے - مثلاً نابغہ " اختلاف ابھي ختم نہیں ھوتا ' بلکہ جنون کے سبب تک پہنچتا ھے - کچھ لوگ کہتے ھیں " محبت نے اُسے دیوانہ بنا دیا تھا " بعض کہتے ھیں " در اصل اُس نے اپنے ایک شعر میں خدا کي مشیئت پر اعتراض کیا تھا ' اس لیے خدا نے اُس پر اپنا قہر نازل کیا ' اور دیوانہ ھوگیا وہ شعر یہ ھے : (اور کیا بے نظیر شعر ھے !)

قضاها لغیري و ابتلاني بحبها
فہلا بشیئي غیر لیلی ابتلانیا ؟

(خدا نے میري محبوبہ کو تو دوسرے کے لیے کردیا - لیکن مجھے اُس کي محبت میں مبتلا کردیا - کیا یہ نہیں ھو سکتا تھا کہ لیلی کے سوا مجھے کسي دوسري مصیبت میں مبتلا کر دیا جاتا ؟)

بعض راوي اِس کا رد کرتے ھیں - اُن کا بیان ھے کہ خدا کا قہر جنون کي شکل میں نہیں بلکہ برص کي شکل میں اُترا تھا - غرضکہ جتنے منھہ اُتني ھي باتیں ھیں - ایسي صورت میں کون یقین کر سکتا ھے کہ مجنوں جیسا کوئي مشہور شخص دنیا میں کبھي موجود تھا ؟

بلا شبہ یہ اعتراض پیدا ھوتا ھے کہ اگر مجنوں موجود نہ تھا تو یہ پورا قصہ کہاں سے آگیا ؟ اس کا جواب خود ادب اور شعر کے راویوں نے دیدیا ھے - ابن کلبي لکھتا ھے :

" بني امیہ کا ایک نوجوان اپني چچیري بہن پر عاشق ھوگیا تھا - جوش عشق میں اُس نے اشعار کہے - پھر ڈرا ' مبادا راز کھل جائے اور طرفین کي رسوائي ھو - لہذا اُس نے اس راز داري کے لیے مجنوں کا نام اختراع کرلیا اور اپنے اشعار اُس کي طرف منسوب کردیے "

پھر ھم یہ بھي جانتے ھیں کہ اُس زمانہ میں شعر و ادب کے ایسے راوي موجود تھے جنکا کام محض لوگوں کا دل بہلانا اور گرمي صحبت کے لیے داستانسرائي کرني تھي - وہ اشعار و حکایات بناتے تھے اور بصرہ ' کوفہ ' بغداد وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں پھیلا دیتے تھے - جس طرح آج کل کے بعض اخبار نویس لندن اور پیرس میں طرح طرح کے افسانے مشہور کردیا کرتے ھیں - یہ معمولي لوگ نہ تھے - اِن میں ایسے لوگ بھي داخل تھے جنھیں آج کل ثقہ راوي یقین کیا جاتا ھے - اِنھوں نے اشعار و حوادث گڑھنے میں غیر معمولي مہارت حاصل کي تھي - وہ صاحب علم و فکر تھے - اس لیے اُس زمانہ میں بھي عوام اُنھیں صادق و معتبر سمجھتے تھے اور ان کي روایت بغیر شک و شبہ کے قبول کرلیتے تھے - اس طرح کے راویوں میں سے دو راویوں کے نام میں یہاں پیش کرونگا - " حماد راویہ " اور " خلف احمر " اِن دونوں شخصوں نے بے شمار مصنوعي واقعات و اشعار بنائے ھیں - یہ دونوں عربي زبان کے ماھر اور بدوي قبائل سے بھي بہتر عربیت کے اسرار و دقائق جاننے والے تھے - دونوں اپنے دین میں متہم اور لہو و لعب کے دلدادہ تھے - بعض ھم عصر شعراء انکے شریک حال ہوگئے تھے - اسلیے ان کے راز جانتے تھے اور انکي صداقت میں شبہ کرتے تھے -

یہ حال صرف رواۃ ادب و شعر ھي کا نہیں ھے - اھل علم جانتے ھیں کہ انساب ' سیر ' اور فتوح و غزوات کے بہت سے راوي بھي ایسے ھي تھے - سیرت ابن ھشام اٹھاکر دیکھو - اس میں ایک بڑا ذخیرہ اشعار کا پاؤگے - لیکن خود ابن ھشام روایت کے بعد تصریح کرتا جاتا ھے " فن شعر کے اکثر عالم اس قصیدہ سے انکار کرتے ھیں "

کے باپ نے قیس کو اپنی لڑکی دینے سے انکار کردیا - سبب یہ بتایا
کہ قیس اُس کی لڑکی پر عاشق ھے اور عشق طشت از بام ھوچکا
ھے - بعینہ یہی واقعہ ھم دوسرے عشقیہ قصوں میں بھی پاتے ھیں -
یہ گویا اُس عہد کے عشقیہ قصوں کا ایک مقبُول عام انداز بیان تھا -
راویوں کا بیان یہ ھے کہ عربوں میں یہ رسم تھی کہ وہ عاشق سے لڑکی
کا بیاہ نہیں کرتے تھے - میں نہیں جانتا یہ بیان صحیح ھے یا غلط ؟
عرب جاھلیة کا دستور تو اِس کے برعکس تھا - گمان غالب یہ ھے
کہ راویوں نے یہ دستور محض اپنے دل سے ایجاد کیا ھے تا کہ عشقیہ
قصوں میں عشاق کی محرومیوں کی ایک معقول وجہ ھاتھہ آجاے -

یہ واقعۂ بھی کچھہ کم مضحکہ انگیز نہیں کہ خلیفۂ وقت نے
اعلان کر دیا تھا کہ اگر قیس، پردہ میں بیٹھنے کے بعد بھی لیلی
سے تعرّض کرے تو قتل کر ڈالا جائے - پہلے واقعہ کی طرح یہ واقعہ
بھی اکثر عشقیہ قصوں میں دھرایا گیا ھے - ھم بجا طور پر سوال
کرسکتے ھیں کہ کیا خلفاء کیلیے بجز اِسکے کوئی کام باقی نہیں رھا
تھا کہ بدوی عاشقوں کے معاملات محبت میں حاکمانہ مداخلت
کرتے رھیں ؟ کبھی اُنکے قتل کا حکم دیں - کبھی اُنھیں معاف کردیں ؟
آخر وہ کون سی شرعی بنیاد تھی جس کی بنا پر وہ اِس قسم
کے احکام صادر کرتے تھے ؟ کیا شریعت میں بے اختیارانہ عشق اتنا
بڑا جرم ھے کہ اُس کی تعزیر قتل ھے ؟

اِسی طرح یہ واقعہ بھی ایک پر لطف ایجاد ھے کہ قیس جنون
عشق میں وحشی ھوگیا تھا - ایسا وحشی کہ اُس کا جنگل کے سوا
کہیں جی نہیں لگتا تھا - ھرنوں سے موانست ھوگئی تھی - اور شب
و روز کا ساتھہ تھا - داستان گو کی مبالغہ پسندی کے لیے اِتنا کافی
نہ تھا - وہ ایک قدم اور آگے بڑھتا ھے، اور ھمیں بتلاتا ھے کہ ایک
دن وہ (راوی) قیس کی جستجو میں اُس درخت تک پہنچ گیا
جسکے نیچے قیس ھرنوں کے ساتھہ بسیرا لیتا تھا - اور اِس طرح
پہنچا کہ نہ تو قیس کو اُسکی خبر ھوئی، نہ اُسکے رفیق و مونس
ھرنوں کو - پہلے یہ سراغ رساں راوی چپکے سے درخت پر چڑھ جاتا ھے،
پھر اُترتا ھے اور قیس سے سوال و جواب شروع کر دیتا ھے - ھرن آواز
سنتے ھی بھاگ گئے - قریب تھا کہ قیس بھی چل دے - مگر راوی
نے فوراً لیلی کا نام لے لیا - علی بابا کے " سم سم " کی طرح
" لیلی " کے لفظ نے فوراً اپنا طلسمی اثر دکھایا اور قیس کی وحشت
دور ھوگئی - اب وہ آدمیت سے باتیں کرنے لگا - لیکن پھر اچانک ایک
نازک بدن ھرنی نظر آگئی اور اُس کا جوش جنوں از سرنو تازہ
ھوگیا !

یہ سب راویوں کا تخیل و تصنع ھے - ھم اِسے ھرگز واقعہ نہیں
سمجھہ سکتے - یہ مبالغہ کی ایک خاص قسم ھے - داستان گو جب
معقول گفتگو کرنے سے عاجز ھو جاتے ھیں تو بے سر و پا باتیں شروع
کر دیتے ھیں - اکثر قدیم عشقیہ قصوں میں یہی چیز نظر آتی ھے -
دنیا کی سب سے پرانی قصصی نظم الیڈ کا بھی یہی حال ھے -
یونانی شعر و ادب کے مغربی نقادوں نے اِسی اسلوب پر الیڈ کی
بھی تنقید کی ھے - اُسکے غیر معقول رکیک، اور مبالغہ آمیز اشعار،
کم زور شعراء کا الحاقی کلام قرار دیا ھے - اور معقول و دلچسپ اشعار
کو ماھر شاعروں کا تخیل بتایا ھے - (یعنے اُن مغربی نقادوں نے
جنھوں نے ھومر کے حقیقی وجود سے انکار کیا ھے)

میرے خیال میں اِس تفصیل کے بعد اگر مجنوں کے ساتھہ
بہت رعایت کی جائے اور اُسے محض خیالی شخص نہ قرار
دیا جائے، جب بھی اُسکے مشکوک و مشتبہ ھونے میں تو کلام نہیں
ھوسکتا - بلا شبہ بحث کا خاتمہ شک و انکار پر ناپسندیدہ ھے -
لیکن ھمیں علم و حقیقت کی خاطر کبھی کبھی اس پر مجبور
ھوجانا پڑتا ھے -

ھمارے سامنے متعدد عشقیہ عربی قصے موجود ھیں - یہ قصے
کئی باتوں میں باھم مشترک ھیں اور کئی باتوں میں مختلف
ھیں - مثلاً یہ چیز سب میں یکساں طور پر موجود ھے کہ ان تمام قصوں
کے ابطال عشق (ھیروز) بدوی ھیں - سب کی محبت یکساں طور
پر انتہائی قسم کی ھے - محبت نے سب کو یکساں طور پر بڑی بڑی
تکلیفیں دیں - سب کی محبت پاک تھی - سب نے تقریباً ایک
ھی طرح اپنے جذبات کا اپنے اشعار میں اظہار کیا ھے - سب کے اشعار
رقیق اور تقریباً ایک ھی درجہ کے ھیں - سب کے واقعات، مصائب،
طرز عمل، اور خلفاء و حکام کی مداخلت کی نوعیت بھی یکساں
ھے - اختلاف صرف اُن کے ناموں میں ھے، اُن کے قبائل میں ھے، یا
اُس ماحول میں جس میں انھوں نے پرورش پائی تھی -

قیس بن ملوح (مجنوں) کے انکار اور قیس بن ذریح
(عاشق لبنی) میں شک کرنے کے بعد ھمیں اُن کی جگہ
دوسرے اشخاص یا دوسری چیزیں قائم کرنی چاھئیں، ورنہ بحث
بے نتیجہ ھوگی - نفی و سلب کے بعد اثبات و ایجاب ناگزیر ھے - میری
رائے میں قیس بن ملوح، قیس بن ذریح، جمیل بن معمر، اور عروہ
بن حزام کی جگہ صحیح لفظوں میں صرف ایک چیز ثابت و موجود
ھے - یعنی عہد مولدین کے قصص عشقیہ کا فن اور مذھب (اسکول)
میرا یقین ھے کہ یہ فن، عہد اموی میں ظاھر ھوچکا تھا، یا کم سے
کم اُس کی نمایاں بنیادیں پڑچکی تھیں - آھستہ آھستہ اِس میں
ترتیب و ترقی ھوئی، یہاں تک کہ ایک مستقل فن بن کر موجودہ
زمانہ کی عشقیہ قصہ نویسی کے قریب قریب پہنچ گیا -

اس حقیقت کے انکشاف کے بعد مجھے اس کی کوئی پروا نہیں
کہ قیس بن ملوح کی شخصیت تاریخی ھے یا غیر تاریخی ؟ میرے
سامنے چند عشقیہ قصے موجود ھیں : قصۂ قیس بن ملوح، قصۂ
قیس بن ذریح، قصۂ جمیل بن معمر ... وغیرہ - اب میری بحث
کا موضوع یہ قصے ھیں جنھیں متمدن تخیل نے پیدا کیا ھے، نہ
کہ خود عشاق - مجھے وہ اشخاص تلاش کرنے چاھیئیں جنھوں نے
یہ قصے بنائے - نہ کہ وہ عشاق جن کے حالات یہ قصے بیان کرتے
ھیں - مجھے قصہ نویسوں کی اختراعی قابلیت اور نظم و نثر میں
اُن کی مہارت فنی سے بحث کرنی ھے - مجھے اُس ادبی فن
پر غور کرنا چاھیے جو ادب و علوم کی دوسری شاخوں کی طرح،
اسلام سے پہلے عرب میں نا پید تھا، اور اسلامی تمدن کے گہوارہ میں
پیدا ھوگیا -

بلا شبہ میں جانتا ھوں، اِس بحث کی راہ میں سخت موانع
درپیش ھیں - یہی ایک مانع کیا کم ھے کہ ان قصوں کے مصنفوں
کے نام معلوم نہیں - تاھم ھمیں چاھیے کہ ادب عربی کی خصوصیات
و کمالات کی تحقیق و کشف کے لیے اس دشوار گزار وادی میں
قدم اٹھائیں، اور اِن قصوں کا ادبی تجزیۂ و تعلیل کرکے اُن کا
عیب و ھنر الگ الگ دکھادیں - ھمیں چاھیے کہ عہد اموی کے
اُن ادبی، اخلاقی، سیاسی، اجتماعی، اسباب کا سراغ لگائیں
جنھوں نے ان قصوں کے لیے پہلے پہل زمین طیار کی، اور پھر ان
اسباب کی بھی جستجو کریں جنسے عہد عباسی میں یہ تمام
عمارتیں منہدم ھوگئیں -

اصل یہ ہے کہ عرب ' روم ' ایران ' اور یونان ؛ باہم بہت حد تک مشابہ ہیں - رومیوں نے یونان پر جنگی فتح حاصل کی تھی مگر یونان نے رومیوں پر ادبی فتح پا لی - یہی حال عربوں کا ہوا - اُنھوں نے ایران کو اپنے قومی جوش سے مسخر کیا ' مگر خود ایرانی ادب و ذہنیت سے مغلوب ہوگیے - اس ادبی فتح کے جلوے روم اور بغداد میں یکساں طور پر نظر آتے ہیں - یونان اور ایران ' دونوں نے یہ کیا کہ روم اور عرب کے تمدن پر دست درازی کی اور قطع و برید کرکے اسے مسخ کر ڈالا - یہی صورت حال انساب اور تاریخ و سیر میں بھی پیش آئی ہے -

ان وجوہ کی بنا پر ہمیں پورا حق ہے کہ اپنے ثقہ راویوں کی روایت پر بھی شبہ کریں - اور جب وہ مجنوں جیسے قصہ میں اس قدر باہم مختلف ہوں تو اور بھی زیادہ شک و احتیاط کریں -

ہمارے پاس بحث و تحقیق کا ایک طریقہ اور بھی ہے - لیکن وہ محض ایک فنی طریقہ ہے - تاریخ سے تعلق نہیں رکھتا - مجنوں کے اشعار میں ہم اِس طریقہ سے کام لے سکتے ہیں - شعر ہمیں خود بتادے گا کہ یا تو وہ بتکلف بنایا گیا ہے ' اس لیے محبت کا سچا جذبہ پیش نہیں کرتا - یا مختلف شاعروں کا کلام ہے اور راویوں نے سہواً یا عمداً اُسے مجنوں کی طرف منسوب کر دیا ہے -

جاحظ نے بالکل ٹھیک کہا ہے :

" کوئی شعر نہیں جس میں لیلی کا ذکر ہو اور لوگوں نے قیس بن ملوح (مجنوں) کی طرف منسوب نہ کر دیا ہو - اور کوئی شعر نہیں جس میں لبنی کا ذکر ہو اور قیس بن ذریح کے سر تھوپ نہ دیا گیا ہو - یہ واقعہ ہے کہ مجنوں کی طرف بہت سے شعر منسوب کر دیے گئے ہیں ' حالانکہ خود مجنوں کو اُنسے کوئی تعلق نہیں - یہ شعر اُن شاعروں کے ہیں جو نہ تو مجنوں تھے ' اور نہ محبت نے اُنکا وہ حال کر دیا تھا جو مجنوں کا تھا "

شاعر کی تحقیق کس طریقہ پر کرنی چاہیے ؟ خود شاعر کی شخصیت سب سے پہلی چیز ہے - یہ اس لیے کہ شاعر اپنے شعر میں اپنی شخصیت ضرور رکھتا ہے - اگر شاعر ' کامل ہے تو اُسکا دیوان اُسکی نفسیت اور جذبات کا آئینہ اور اُسکی پوری شخصیت کا مظہر ہوتا ہے - اُس کی مختلف نظموں میں ایک ہی روح ' ایک ہی نفسیت ' ایک ہی قوت کار فرما نظر آئیگی - بلا شبہ تمام اشعار یکساں نہ ہونگے - لطافت و رونق اور رقت و جودت میں کمی بیشی ہوگی - لیکن شاعر کی شخصیت سب میں نمایاں ہوگی ' اور وحدت شعری اِس درجہ واضح ہوگی کہ ذوق سلیم فوراً فیصلہ کر دیگا کہ یہ شعر فلاں کا ہے یا یہ شعر فلاں شاعر کے اسلوب پر ہے - ہمارے خیال میں یہ طریق تحقیق نا قابل شک اور فنون ادب میں یکساں طور پر قابل عمل ہے - خصوصاً شعر غنائی (گانے کے اشعار) میں اُسکی اہمیت غیر معمولی ہے - کیونکہ شعر کی یہ صنف ' نفس کا شفاف آئینہ اور جذبات کا سچا مظہر ہوتا ہے -

اِس اصول کی بنا پر کیا ہم مجنوں کے اشعار میں اُس کی کوئی نمایاں شخصیت دیکھہ سکتے ہیں ؟ میرا دعوی ہے کہ نہیں - اِس دعوے کے ثبوت میں بحث دراز کرنی نہیں چاہتا - میری تحقیقات کا خلاصہ مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ مجنوں کی طرف جتنے اشعار منسوب کیے گئے ہیں ' وہ :

(۱) یا تو مشہور شعراء کے ہیں اور راویوں نے غلطی سے مجنوں کی طرف منسوب کر دیے ہیں -

(۲) یا مجہول شعراء کے ہیں اور لیلی کا ذکر دیکھکر لوگوں نے مجنوں کے سمجھہ لیے ہیں -

(۳) یا خود راویوں نے جان بوجھہ کر بنائے ہیں -

(۴) یا مغنیوں نے اپنی گرم بازاری کے لیے گڑھے ہیں اور مجنوں کے سر تھوپ دیے ہیں -

میں نے بڑی کوشش کی ' مگر ان اشعار میں کسی مشترک شخصیت کی روح نہ دیکھہ سکا -

مجنوں کے بارے میں اپنی رائے ایک اور طریقہ سے بھی ہم ثابت کر سکتے ہیں - وہ یہ کہ راوی اُس تعلق کی نوعیت بیان کرنے میں بھی بہت مختلف ہیں جو قیس بن ملوح (مجنوں) اور لیلی کے درمیان تھا -

بعض کہتے ہیں لیلی مجنوں میں بچپنے ہی سے تعارف ہوگیا تھا - دونوں بکریاں چرایا کرتے تھے - آہستہ آہستہ دل کو تعلق ہوا - یہاں تک کہ بچپنے کے اُنس نے جوانی میں عشق کی صورت اختیار کرلی - جوان ہونے پر لیلی قیس سے چھپا دی گئی تھی - اِس صدمہ نے اُسے مجنوں بنا دیا -

بعض یہ قصہ تسلیم نہیں کرتے - اُن کا دعوی ہے کہ دونوں میں بچپن سے تعارف نہیں ہوا - بلکہ اتفاق سے ایک سفر میں ملاقات ہوگئی - ایک سفر میں قیس نے چند نازنینیں دیکھیں - سلام کیا - اُنھوں نے جواب دیا اور بات چیت کے لیے بٹھا لیا - قیس سواری سے اُترا - امرء القیس کی طرح اپنی اونٹنی ذبح کرڈالی اور گوشت بھون بھون کر اُنھیں کھلانے لگا - یہاں تک کہ شام ہوگئی - شام کو ایک اور نوجوان وارد ہوا - سب لڑکیاں قیس کو چھوڑ کر اُس کی ہو رہیں - اِس پر قیس خفا ہوکر چلا گیا اور جوش میں اشعار کہے - دوسرے دن صبح پھر اُدھر گیا تو لڑکیاں موجود نہ تھیں - صرف لیلی موجود تھی - اُس نے قیس کو بلایا - قیس نے کل کی طرح پھر اپنی اونٹنی ذبح کی اور محبت کا اظہار کیا - ابتدا میں لیلی نے بے رخی دکھائی - قیس بہت غمگین ہوا - لیکن پھر لیلی کو ترس آگیا - اپنی محبت کا بھی اعتراف کرلیا -

بعض اِسے بھی تسلیم نہیں کرتے - وہ کہتے ہیں - قیس عورتوں کے صحبت کا دلدادہ تھا - لیلی ایک سرو قامت ' خوش اندام ' خوش رفتار ' نازک بدن دوشیزہ تھی - قبیلہ کے نوجوان اُس کے ہاں بیٹھتے اُٹھتے تھے - قیس نے سنا تو وہ بھی آنے جانے لگا - آخر کار دام محبت میں گرفتار ہوگیا !

اِسی قسم کی اور روایتیں بھی ہیں - اِنسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لیلی کی شخصیت بھی قیس سے کچھہ کم ما بہ النزاع نہیں ہے - ایک روایت میں اُسے بکریاں چرانے والی لڑکی بتایا ہے - دوسری میں بدوی دوشیزہ ' جو نوجوانوں کو روکتی اور اُن سے گفتگو کرنا پسند کرتی ہے - تیسری میں اُس وضع کی ایک مہذب اور نستعلیق خاتون ' جیسی بڑے بڑے اسلامی شہروں میں ہوا کرتی تھیں - کیا صرف یہی ایک اختلاف ' لیلی کی شخصیت مشتبہ کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے ' جیسا کہ پہلا اختلاف مجنوں کی شخصیت پوری طرح مشکوک کر دیتا ہے ؟

مجنوں کے قصہ میں اور بھی اندرونی شہادتیں ایسی موجود ہیں جو میری رائے کی تائید کرتی ہیں - مثلاً یہ روایت کہ لیلی

صحبت اور معاشرت بهي اكتسابي تعليم و تربيت كا سب سے بڑا ذريعه هے' بلكه بسا اوقات درس و تدريس كي باقاعده تعليم سے بهي كهيں زياده موثر هوتي هے - ليكن جهاں تك اسكي زندگي كے حالات روشني ميں آئے هيں ' كوئي قرينه اس كا موجود نهيں كه آسے مشرق و ايشيا كي عام مقلدانه ورسمي سطح سے كوئي بلند درجه كي صحبت ملي هو -

سير و سياحت بهي ذهن كي نشو و ترقي كا بهت بڑا ذريعه هے' ليكن اس نے اپني ابتدائي زندگي ميں هندوستان اور حجاز كے سوا اور كسي مقام كا سفر نهيں كيا تها - ظاهر هے كه ان دونوں مقامات ميں كوئي سر چشمه ايسا موجود نه تها جس سے ايك مجتهدانه فكر و نظر كي پيدايش هو سكے - انيسويں صدي كے اوائل ميں ان مقامات كا تعليمي تنزل منتهاء كمال تك پهنچ چكا تها -

قسطنطنيه ميں بار دوم : سنه ۱۸۹۲

سب سے زياده يه كه اس نے جتني بهي اور جيسي كچهه بهي تعليم حاصل كي تهي ' وه وهي تعليم تهي جو بجاے خود مسلمانوں كے ذهني تنزل كي پيداوار هے اور كئي صديوں سے اسلامي دنيا كے دماغي تنزل كا سب سے بڑا سبب بن گئي هے - اس تعليم سے ذهن و فكر كي تمام قوتيں پژمرده هو جا سكتي هيں ' ليكن آزادانه نشو و نما نهيں پا سكتيں -

بايں همه وه سنه ۱۸۷۰ - ميں جب كه اس كي عمر به مشكل تيس برس كي هوگي ' يكايك قاهره ميں نماياں هوتا هے ' اور صرف چاليس دن كے قيام سے اس عظيم مشرقي دار الحكومت كے تمام علمي حلقوں كو اپني طرف متوجه كر ليتا هے - حتى كه اس كي " عجيب اور نئي قسم كي علمي قابليتوں " كي شهرت دار الخلافة قسطنطنيه تك پهنچتي هے ' اور اس كي تمام اصلاحي اور انقلابي قوتيں نماياں هوجاتي هيں !

وه ادب عربي كا ايك عجمي متعلم تها جس نے بعيد ترين عجمي ممالك ميں عجمي اساتذه سے ناقص اور گمراه قسم كي ادبي تعليم حاصل كي تهي - ليكن وه عربي زبان كے سب سے بڑے مركز ' قاهره ميں سب سے پہلے صحيح و صالح فن عربية كا درس ديتا هے اور عربي كتابت و تحرير كا ايك نيا دور پيدا كر ديتا هے - آج مصر و شام كے تمام مشاهير اهل قلم اعتراف كرتے هيں كه " كتابت عربيه ميں هم سب اسي عجمي كے عيال هيں " موجوده عهد ميں عربي كا سب سے بهتر كاتب ' شيخ محمد عبده تها ' اور وه اسي كا شاگرد تها !

اس نے علوم حكميه كي جسقدر بهي تعليم حاصل كي تهي ' وه وهي موجوده مدارس عربيه كے متون و شروح كي عقيم و كج انديش تعليم تهي ' ليكن وه ذهين و مستعد طلبا كي ايك جماعت منتخب كركے علوم حكميه كا درس و املاء شروع كرديتا هے' اور قديم معقولات كي وه تمام گمراهياں ايك ايك كركے واضح كرتا هے جنكے اعتقاد و جمود نے صديوں سے مشرقي دنيا كا ذهني ارتقا معطل كرديا هے !

مذهب اور علم ' دونوں ميں اسكي مصلحانه ذهنيت نماياں هوتي هے ' اور كسي گوشه ميں بهي اسكے قدم وقت كي مقلدانه سطح سے مس نهيں هوتے - سياست ميں وه سر تا پا انقلاب كي دعوت هوتا هے ' اور جهاں كهيں جاتا هے ' چند دنوں كے اندر مستعد اور صالح طبيعتيں چن كر انقلاب و تجدد كي روح پهونك ديتا هے - اس نے به يك وقت مصر ' ايران ' اور عراق ؛ تينوں مقامات ميں اصلاح و انقلاب كي تخم ريزي كر دي !

وه اپنے اولين قيام مصر سے تقريباً باره برس بعد پهلي مرتبه يورپ كا سفر كرتا هے ' اور پيرس ميں وقت كے سب سے بڑے فلسفي اور علم و دين كي نام نهاد نزاع ميں سب سے بڑے حريف دين و مذهب ' پروفيسر ريناں سے ملتا هے - وه پهلي هي ملاقات ميں اس " عجيب الاطوار مشرقي فيلسوف " سے اس درجه متاثر هوتا هے كه اخبار طان ميں سيد موصوف كے ايك مقاله كا رد كرتے هوے لكهتا هے :

" ميں نے اسكے شخصيت ميں ابن سينا اور ابن رشد كي روح ديكهي " جيسا كه اوپر گزر چكا هے - ياد رهے كه انسان كي قابليت كيسي هي كيوں نه هو ' ليكن مخاطب كے تاثر كے ليے وه بهت كچهه قوت بيانيه اور فصاحت تكلم كا محتاج هوتا هے - جس وقت سيد جمال الدين ريناں سے پيرس ميں اور لارڈ سالسبري سے لندن ميں ملا هے ' اس وقت اسكي فرانسيسي زبان كي تعليم كي تاريخ صرف اتني تهي كه اثناء قيام مصر ميں ايك شخص سے لاطيني الف بے ' قلمي لكهوا لي تهي ' اور پهر كچهه عرصه كے بعد ايك كتاب خريد لي تهي جو عربي ميں فرانسيسي كي ابتدائي تعليم كيليے لكهي گئي تهي - كوئي ثبوت موجود نهيں كه اس نے كسي انسان سے با قاعده فرانسيسي زبان كي

ايران ميں بار دوم : سنۂ ۱۸۹۰

قسطنطنیہ میں : سنہ ۱۸۷۰

پیرس میں : سنہ ۱۸۸۳

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

قائدین فکر :

سید جمال الدین اسد آبادی

" تقریباً دو ماہ گزرے ہیں کہ ایک شخص سید جمال الدین نامی سے میری ملاقات ہوئی - اس شخص کی شخصیت کا میرے دماغ پر جو اثر پڑا ' وہ ایسا ہے جو بہت کم شخصیتیں مجھہ پر ڈال سکی ہیں - یہ اثر بہت قوی اور گہرا تھا ' اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مجھے خیال ہوا ' سوربون یونیورسٹی کے خطبات کا موضوع یہ قرار دوں کہ " اسلام اور اُس کا علم سے علاقہ " سید جمال الدین کی ذہنیت ایک ایسی ذہنیت ہے جو رسمی اسلام کے موثرات کی پوری طرح مقاومت کرسکتی ہے - میں جب اِس شخص سے باتیں کر رہا تھا ' تو اُس کے افکار کی آزادی ' طبیعت کی فضیلت ' اور اظہار حقیقت کی جرأت دیکھکر مجھے خیال ہوا ' میں اِس وقت اُن مشاہیر عالم میں سے کسی ایک کو مخاطب کر رہا ہوں جو دنیا کے گزشتہ علمی زمانوں میں گزر چکے ہیں اور جن سے تاریخ کے ذریعہ ہم نے واقفیت حاصل کی ہے - میں گویا ابن سینا ' ابن رشد ' یا اُن حکماء عظام میں سے کسی حکیم کو اپنے سامنے دیکھہ رہا تھا جنھوں نے فکر انسانی کو جہل و اوہام کے قیود سے نجات دلانے کیلیے تاریخ عالم کی پانچ صدیوں تک اپنی شجاعانہ جد وجہد جاری رکھی تھی " ! (فیلسوف رینان)

بغیر کسی تامل کے کہا جا سکتا ہے کہ مشرق جدید کے رجال تاریخ اور قائدین فکر کی صف میں اُس کی شخصیت کئی اعتبار سے اپنا سہیم و شریک نہیں رکھتی !

۳۰ - برس کی عمر میں مصر کا پہلا سفر : سنہ ۱۸۶۹

وہ ایک گمنام اور مجہول ماحول میں پیدا ہوا - ایسے مجہول ماحول میں کہ آج تک یہ بات بھی قطعی طور پر معلوم نہ ہوسکی کہ وہ فی الحقیقت باشندہ کہاں کا تھا ؟ اسعدآباد کا جو ہرات کے قریب اور افغانستان میں واقع ہے ' یا اسدآباد کا جو ہمدان کے قریب اور ایران میں واقع ہے ؟

اُس کے وطن کی طرح اُس کی ابتدائی زندگی کے حالات پر بھی ظن و تخمین کے پردے پڑے ہوئے ہیں - تاہم یہ قطعی ہے کہ تعلیم و تربیت کا اسے کوئی موقع ایسا نہیں ملا تھا جو کسی اعتبار سے بھی ممتاز اور قابل ذکر ہو - انیسویں صدی کے کامل تنزل یافتہ افغانستان اور پنجاب کے علماء اپنے گھروں اور مسجدوں میں علوم رسمیۃ کی جیسی کچھہ تعلیم دیا کرتے تھے ' زیادہ سے زیادہ تعلیم جو اُس نے حاصل کی تھی ' وہ وہی تھی - جن اُستادوں سے اُس نے تعلیم حاصل کی ' وہ بھی یقیناً معمولی درجہ کے تھے - اُن میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی علمی شخصیت قابل ذکر ہو -

(سید جمال الدین)

انیسویں صدی کی تاریخ مشرق نے اصلاح و تجدد کی جس قدر شخصیتیں پیدا کی ہیں ' اُن میں کوئی شخصیت بھی وقت کی عام پیداوار سے اس قدر مختلف اور اپنی طبعی ذہانت اور غیر اکتسابی قوتوں میں غیر معمولی نہیں ہے ' جس قدر سید جمال الدین کی شخصیت ہے -

کلکتہ میں : سنہ ۱۸۷۹

دنیا کے نئے تمدنی انقلاب اور نئے علوم سے آشنا ہونے کا بھی اُسے کوئی خاص موقع حاصل نہیں ہوا تھا - اُس کا ابتدائی زمانہ زیادہ تر افغانستان میں بسر ہوا ' یا ایک روایت کے مطابق ایران میں ' اور یہ دونوں مقامات اُس وقت مغربی تمدن و علوم کی تعلیم و تعلم کا کوئی سامان نہیں رکھتے تھے -

بصرہ میں بہ لباس عربی سنہ ۱۸۸۹

اِس منارہ کی تعمیر سے غرض یہ تھی کہ جہازوں کو کھاڑیوں اور چٹانوں سے ہوشیار کیا جائے اور بندرگاہ کا سیدھا راستہ دکھا دیا جائے - اِس وقت مختلف مقامات میں کئی "اور منارہ بھی موجود ہیں - مثلاً "منارۂ اوستیا" لیکن اِن مناروں سے بعض خطرے بھی پیدا ہوگیے ہیں - کیونکہ اُنکی روشنی دور سے ستارہ کی طرح معلوم ہوتی ہے اور جہازوں کو راستہ بھلا دیتی ہے "

مورخ نے منارہ کا خرچ ۸۰۰ وزن بتایا ہے - اِسکے معنی یہ ہوئے کہ تقریباً ۱۵ - لاکھہ روپے صرف ہوئے تھے - منارہ کی عظمت کے مقابلہ میں یہ رقم بہت کم معلوم ہوتی ہے -

منارہ کا بنانے والا سوستراتس سکندر اعظم کے مشہور معمار ڈیمکراتیس کا بیٹا تھا - اِسنے اپنا نام منارہ پر اِن لفظوں میں کندہ کیا تھا :

" کنیڈوس کے باشندے سوستراتس ولد ڈیمکراتیس کی طرف سے نجات دینے والے دیوتاؤں کو ہدیہ ' تاکہ وہ سمندر میں سفر کرنے والوں کو نجات بخشیں "

جن سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے تیرھویں صدی عیسوی میں یہ منارہ دیکھا تھا ' اُنکا بیان ہے کہ یہ ۶۰۰ فٹ یعنی سو قد آدم بلند تھا - عمارت کی وضع بابلی تھی - کئی منزلیں اوپر نیچے تھیں - ہر منزل اپنے نیچے کی منزل سے چھوٹی اور اوپر کی منزل سے بڑی تھی - زیریں دو منزلیں مربع تھیں اور اوپر کی دو مستدیر تھیں - ہر منزل میں ایک بڑا روشن دان تھا - بنیادیں سنگلاخ تھیں اور چونے کی جگہ سیسہ کی جڑائی کی گئی تھی تا کہ سمندر کی موجیں نقصان نہ پہنچا سکیں - پوری عمارت سنگ مرمر کی تھی - چوٹی پر ایک بہت بڑا تنور تھا - اس میں شب و روز آگ جلا کرتی تھی - رات کو اُس سے روشنی حاصل ہوتی اور دن کو دھواں نکلتا رہتا -

کہا جاتا ہے کہ منارہ کے اندر تین سو کمرے تھے اور انمیں فوجی پہرا رہتا تھا -

بعض قدیم راویوں نے بیان کیا ہے کہ مینار کی زمین پر شیشہ جڑا تھا اور چوٹی پر ایک عظیم الشان آئینہ لگا تھا جسے حرکت دے سکتے تھے اور اُسکے ذریعہ آفتاب کی شعاعیں جمع کرکے سو میل کی مسافت پر جہاز جلا دیے جاتے تھے - لیکن یہ محض بے بنیاد باتیں ہیں - البتہ یہ ممکن ہے کہ معمار نے کوئی معدنی آئینہ اِس غرض سے لگا دیا ہو کہ روشنی میں اضافہ ہو جائے -

فتح مصر کے بعد عربوں نے ایک مدت تک اِس منارہ کی حفاظت کی اور اُس سے کام لیتے رہے - لیکن ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں شہنشاہ قسطنطنیہ نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلیے ایک مکار آدمی دمشق بھیجا اور اُس نے یہ کہکر خلیفہ کو دھوکا دیا کہ اِس منارہ کے نیچے بہت بڑا خزانہ مدفون ہے - خلیفہ نے لالچ میں آکر کھودنے کا حکم دیدیا - لیکن ابھی صرف آدھی عمارت منہدم ہوئی تھی کہ ولید متنبہ ہوگیا اور اُس نے خیال کیا ایسی قیمتی اور مفید عمارت کا ڈھانا سخت غلطی ہے - اس نے انہدام کے روکنے کا حکم دیا اور از سر نو تعمیر کی کوشش کی - لیکن اب اگلی سی تعمیر دشوار تھی - کئی باکمال معماروں نے کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے - یہانتک کہ اُسکی چوٹی کا آئینہ زمین پر گر گیا اور پاش پاش ہوگیا - اِسکے بعد نصف عمارت باقی رہگئی تھی - باشندوں نے اسے مسجد بنا لیا تھا - لیکن سنہ ۱۳۷۵ ع میں زلزلہ آیا اور پورا منارہ سمندر میں جا گرا - کہا جاتا ہے کہ قلعۂ قائد بک کے قریب ابتک سمندر کی تہہ میں منارہ کے پتھر چمکتے دکھائی دیتے ہیں -

(٤)

مشتری کا مجسمہ

The Statue of Jupiter

"جوپیٹر" رومانیوں کا مشہور دیوتا ہے - بعینہ یہی دیوتا ' یونان میں "زفس" (Zeus) کے نام سے پوجا جاتا تھا - بلا استثنا تمام قدیم مورخوں نے اِس بت کا ذکر کیا ہے جسے ایتھنز میں "فیڈیاس" نے بنایا تھا - سب اِسے بالاتفاق دنیا کے سات عجائب میں شمار کرتے ہیں - موجودہ دنیا اُس کے نام و نشان سے بالکل خالی ہے - صرف چند سکے دستیاب ہوئے ہیں جن پر اُسکی شکل کا ٹھپا ہے ' اور شہر ایتھنز میں اُسکی بنیادیں اور بیٹھک کا نچلا حصہ بر آمد ہوا ہے -

جرمن ماہرین آثار عتیقہ کی تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ "زفس" کا بت خانہ مستطیل تھا - اُسکے دونوں کناروں پر چھہ چھہ ستون اور دونوں پہلوؤں پر ۱۳ - ستون تھے - اندر کا ایوان ۹۵ فٹ لانبا اور ۴۳ فٹ چوڑا تھا ' اور ستونوں کی دو قطاریں کھڑی کرکے تین حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا - "زفس" کا بت درمیانی حصہ میں ایک کنارے پر نصب تھا - بت اصل میں چوبی تھا مگر اُس پر ہاتھی دانت اور سونا جڑا ہوا تھا - ہاتھی دانت جسم کو ظاہر کرتا تھا اور سونا لباس کو -

قدیم مورخ بوسینیا کی تصریح کے مطابق ' بت ایک تخت پر بیٹھا تھا - اُسکے سر پر زیتون کی پتے والی شاخ کا تاج تھا - دھنے ہاتھہ میں فتح کا نشان تھا جو ہاتھی دانت اور سونے سے بنی ہوی عورت کی شکل میں تھا - بائیں ہاتھہ میں عصا تھا ' جس پر مختلف قیمتی معدنیات کی پچے کاری تھی - عصا پر جھکا ہوا ایک گدہ تھا - بت کا جوتا اور تمام لباس ' سونے کا تھا - تخت سونے ' آبنوس ' ہاتھی دانت ' اور جواہرات سے بنایا گیا تھا اور اُس پر بکثرت دلفریب تصویریں منقش تھیں !

ایک رومانی شہنشاہ ہاڈرین کے ایک سکے میں اِس بت کی تصویر پائی گئی ہے اور اُس سے مورخ موصوف کے قول کی پوری تصدیق ہوتی ہے - فرق صرف اس قدر ہے کہ عصا پر بیان کردہ گدہ موجود نہیں ہے -

بت کی تعمیر کے سلسلہ میں یہ بات مشہور ہے کہ جب اُسکا سر بنانے کا وقت آیا تو لوگوں نے فیڈیاس سے پوچھا "سر کی وضع کیسی رکھوگے ؟" اُس نے فوراً جواب دیا "میں ہومر کے اِس قول کی پیروی کرونگا : ابن قرونس گویا ہوا - اپنی سیاہ ابروؤں والا سر عجب سے ہلایا - بالوں کے گچھے اُسکے لازوال سر پر ہل رہے تھے !"

بت کی تصویر ایک اور سکہ پر بھی ملی ہے - اِسمیں سر کے بال لانبے ہیں ' اور گردن پر پڑے ہیں - داڑھی بھی گھنی اور لمبی ہے اور اُس پر دونوں طرف سے مونچھیں پھیلی ہوئی ہیں -

خیال کیا جاتا ہے کہ ایتھنز میں اِس بت کی تعمیر سنہ ۴۵۰ ق م میں ہوئی تھی -

(عرب مورخین)

ہم آئندہ نمبر میں بقیہ عجائب کا ذکر کرکے بتلائینگے کہ عرب مورخین کی تصریحات کیا ہیں ؟

تعلیم حاصل کي هو ' لیکن یه واقعه هے که وه فرانسیسي زبان میں بهتر سے بهتر تحریر و تقریر کر سکتا تها - ترکي ' روسي ' اور انگریزي بهي اسي طرح اُس نے سیکهه لي تهي -

مشهور هے که جب پیرس میں روسي سفیر نے اُس سے ملنا چاها ' تو اُس نے ملاقات کي تاریخ ایسي مقرر کرائي جو دو هفته بعد آنے والي تهي - اُس کے بعد وه ایک کتب فروش کے یهاں گیا اور اُس سے کها " مجهے فرانسیسي میں روسي زبان سکهانے والي کتاب چاهیے - میں خرید لونگا - بشرطیکه تم اس کا بهي انتظام کردو که آج سے ایک هفته بعد کوئي روسي زبان بولنے والا آدمي مجهه سے ملاقات کرسکے " کتب فروش نے کتاب بهي دیدي ' اور ایک ایسے شخص کا انتظام بهي کردیا جو اُسي کے یهاں ملازم تها - جمال الدین نے ایک هفته تک بطور خود کتاب دیکهي ' پهر آٹهویں دن سے چودهویں دن تک روز ایک گهنٹه روسي سے باتیں کرتا رها - اور پندرهویں دن وه طیار هوگیا تها که روسي سفیر سے بغیر کسي مترجم کي وساطت کے ملاقات کرے !

(سید کے سوانح حیات)

اگر سید جمال الدین کي زندگي میں لوگ اُس کے حالات سے واقف نه هوسکے تو یه چنداں عجیب بات نهیں هے - دنیانے همیشه اپنے اکابر و اعاظم سے اُن کي زندگي میں غفلت برتي هے ' اور جب تک وه دنیا سے رخصت نهیں هوگئے هیں ' اُن کے حقوق کا اعتراف نهیں کیا هے - خصوصاً مصلحین و مجددین اُمم کے لیے تو زندگي میں تغافل اور موت کے بعد تعظیم و احترام ' اس دنیا کا ایک عام اور غیر متغیر قانون هے - لیکن یه صورت حال کس درجه عجیب اور تاسف انگیز هے که اُس کي وفات پر پورے تیس برس گزر چکے هیں ' اور وه تمام مشرقي ممالک بیدار هو چکے هیں جهاں اُس نے اصلاح و انقلاب کي ابتدائي تخم ریزي کي تهي ' تاهم اُس کي زندگي بدستور تاریخ کي روشني سے محروم هے ' اور اُس سے زیاده مشرق کچهه نهیں جانتا ' جتنا یورپ کے بعض محب شرق اهل قلم نے بتلا دیا هے !

افسوس اس جهل و غفلت پر! هم صرف اپنے قدماء کي شناخت هي کے لیے یورپ کے محتاج نهیں هیں - بلکه اپنے عهد کے اهل فضل و کمال کیلیے بهي اس کے محتاج هیں - جب تک وه انگلي سے اشاره کر کے نه بتلادے ' هم خود اپني قوم اور عهد کے بڑے بڑے انسانوں کو بهي نهیں پهچان سکتے !

هندوستان میں تو الهلال کي اشاعت سے پہلے ' غالباً لوگ سید جمال الدین کے نام سے بهي آشنا نه تهے - سنه ۱۸۷۹ع میں جب وه حیدرآباد اور کلکته میں مقیم تها ' تو هندوستاني مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص یعني مرحوم عبدالغفور شهباز تها ' جسے اسکے فضل و کمال کي تهوڑي سي شناخت نصیب هوي تهي ' اور اُس کے چند فارسي مقالات کا اُردو ترجمه شائع کیا تها !

حال میں برلن سے ایک رساله سید جمال الدین کے اعمال حیات پر شائع هوا هے - اُسکے مطالعه سے خیالات میں بے اختیار جنبش پیدا هوگئي - خیال هوا که پورے شرح و تفصیل کے ساتهه مشرق جدید کے اس قائد فکر کے سوانح حیات پر نظر ڈالني چاهیے - متفرق لفظوں اور متعدد تصویروں کا یه مرقع جو آج شائع هو رها هے ' اسي سلسلهٔ مضامین کي تمهیدي قسط هے -

سات عجائب عالم

(۳)

اسکندریه کا مناره

(THE PHAROS OF ALEXANDRIA)

سکندر اعظم نے مصر فتح کرنے کے بعد هي شهر اسکندریه آباد کیا تها - پچاس سال کے اندر اِس شهر نے پوري ترقي حاصل کرلي ' اور بحر متوسط کي سب سے بڑي بندرگاه بن گیا - سکندر کے بعد اُسکے جانشین مصر میں علم دوست تهے - اُنهوں نے اسکندریه کو اور رونق دي اور علم و حکمت کا مرکز بنادیا - سنه ۲۸۵ ق م میں بطلیموس اول حاکم هوا - اُسنے شهر کي روز افزوں تجارتي ترقي دیکهکر خیال کیا که رات کے وقت جهاز راني کي سهولت کیلیے ایک مناره تعمیر کردینا چاهیے - چنانچه اسکندریه کے قریب جزیرۂ فیروس میں یه مناره طیار کیا گیا اور فیروس کے نام سے مشهور هوگیا -

مورخین میں اختلاف هے که اصل میں یه نام جزیره کا تها یا مناره کا ؟ بهر حال یه واقعه هے که اِسکے بعد جهاز راني کیلیے روشني کے جتنے بهي مناره تعمیر هوئے ' اُنمیں سے اکثر " فیروس " هي کے نام سے پکارے گئے - بلکه لاتیني ' اطالي ' اسپیني ' اور قدیم انگریزي زبان میں تو اِس لفظ کے معني هي مناره روشني کے هوگئے - فرانسیسي میں ابتک اس معني میں " فار " کا لفظ مستعمل هے -

خیال کیا جاتا هے که مصري ' روشني کے مناروں سے واقف تهے ' اور بهت سے مناره بنا چکے تهے - مگر بطلیموس کا یه مناره اپني بلندي اور ساخت کي وجه سے بهت ممتاز اور مشهور هوگیا -

مشهور روماني مورخ پلیني نے (جو سنه ۷۹ ع میں آتش فشاں پهاڑ ویزوف کے پهٹنے سے هلاک هوا) اسکندریه کا شهر اور یه مناره دیکها تها - وه لکهتا هے :

" اسکندریه کي ایک شهرۂ آفاق عمارت ' وه برج هے جسے شاه مصر نے جزیرۂ فیر میں تعمیر کیا هے - یه جزیره ' اسکندریه کے راسته میں واقع هے - برج کي تعمیر میں ۸۰۰ وزن خرچ هوئے تهے - بطلیموس کي عظمت اور فراخ دلي کي یه شهادت کافي هے که اُسنے برج کے معمار سوستراتس کو اجازت دیدي تهي که اِس حیرت انگیز عمارت میں اپنا نام کنده کرکے بقاء دوام حاصل کرلے !

خوار بچہ چھوڑ گیا - جب بچہ جوان ہوا اور اپني ماں سے اپنے باپ کا حال سنا تو سخت غضب ناک ہوا اور تمہارے ملک پر ٹوٹ پڑا - اُس نے بے حساب مخلوق قتل کي - جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اُس نے مغلوبوں کو اس وضع کے اختیار کرنے پر مجبور کردیا جو آج کل تمہاري وضع ھے ! " راوي کا اِس قصہ سے مقصود یہ تھا کہ ھماري وضع ذلت کي وضع ھے ' اور اُنھي کے ایک بادشاہ نے ھمیں اُس کے اختیار کرنے پر مجبور کیا ھے ! میں نے یہ افسانہ سن کر اُن کے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا کہ معاملہ اِتنے ھي پر ختم ھوگیا اور اُس " فاتح " نے ھمیں ھندو بننے اور ھندو رسم و رواج اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا !

(۴) مسلمانوں کا حملہ :- منافرت کي بڑي وجہ ' ھندوستان پر مسلمانوں کا حملہ ھے - یمین الدولہ سلطان محمود غزنوي کي جنگوں نے اُنھیں بہت ھي سخت نقصان پہنچایا - اُن کي آبادیاں برباد ھوگئیں - اُنھیں منتشر و پراگندہ کردیا گیا - اُن کي صرف سلطنت ھي نہیں گئي ' بلکہ مفتوحہ علاقوں سے اُن کے علوم و فنون بھي مٹ گئے ' اور ایسے دور دراز خطوں میں جلا وطن ھوگئے ' جہاں تک رسائي مشکل ھے - مثلاً کشمیر اور بنارسي (بنارس) وغیرہ - (بنارس کو دور اس لیے کہا ھے کہ یہ پنجاب اور وسط ھند سے دور ' مشرق کي طرف ھٹا ھوا ھے)

یہي دیني اور سیاسي اسباب ھیں جن کي بنا پر ھندؤں میں مسلمانوں اور تمام اجنبیوں سے سخت نفرت و عداوت پیدا ھوگئي ھے -

(۵) پھر اُنکے اخلاق میں ایک اور بات بھي راسخ ھوگئي ھے اور کسي طرح نکل نہیں سکتي - یہ اُن کے انتہائي علمي و ذھني تنزل کا نتیجہ ھے - وہ یقین کرتے ھیں کہ دنیا صرف اُنھي کي دنیا ھے - انسان صرف اُنھي کي سرزمین پر موجود ھیں - بادشاہ صرف اُنھي کے بادشاہ ھیں - دین صرف اُنھي کا دین ھے - اور علم صرف اُنھي کا علم ھے - یہي وجہ ھے کہ نہایت مغرور اور بر خود غلط ھوگئے ھیں - اگر اُنسے علماء عرب و عجم کا ذکر کیا جاتا ھے تو مخاطب کو جاھل خیال کرتے اور اُسکي تصدیق پر ھرگز آمادہ نہیں ھوتے ھیں - حالانکہ اگر وہ سیر و سیاحت کے عادي ھوتے اور اپنے پہاڑي حدود طے کرکے غیر قوموں سے ملتے ' تو یہ جاھلانہ و طفلانہ خیال اُنمیں پیدا نہ ھوتا -

لیکن یاد رھے کہ اُن کے پیش رؤں کا یہ حال نہ تھا - اُنکا مشہور فاضل " براھمہر " برھمنوں کي تعظیم کے بیان میں کہتا ھے " جب یونانیوں نے باوجود ناپاک ھونے کے علوم و فنون میں کمال حاصل کیا اور سب پر بازي لے گئے ' تو اُنکي بھي تعظیم واجب ھوگئي - اُن کا درجہ بھي برھمن کا درجہ ھوگیا " !

خود میري حالت یہ ھوئي کہ مدت تک اُنکے منجموں کے سامنے زانوے شاگردي تہہ کرتا رھا - کیونکہ میں اُنکي زبان اور اُنکے طریقوں سے بے خبر تھا - لیکن جب کچھہ اُن کي زبان میں دخل پیدا ھوگیا تو میں اُنھیں اپنے یہاں کے علوم کي بنا پر اشیاء کي علتوں اور حساب و ریاضي کے براھین سمجھانے لگا - اسپر وہ سخت متعجب ھوئے اور استفادہ میں باھم پیش قدمي کرنے لگے - بڑي حیرت سے پوچھتے تھے : " ھندوستان کے کن کن علماء کو تم نے دیکھا ھے ؟ کن کن سے فائدہ اٹھایا ھے ؟ " کیونکہ اُنکے خیال میں علم ' ھندوستان کے سوا کہیں ھے ھي نہیں - جب میں نے اُن سے کہا کہ میں پہلي مرتبہ اُن سے ملا ھوں اور جو کچھہ کہہ رھا ھوں ' یہ دنیا کے دوسرے حصوں کے علوم ھیں ' تو وہ اور زیادہ متعجب ھوے ' اور بعضوں نے تو مجھے جادوگر سمجھنا شروع کر دیا "

قدیم یونانی ادب کا ایک نمونہ

(بلیٹس کا گیت)

(فرانسیسي ترجمے سے اردو میں منتقل کیا گیا)

(میري سہیلي کي شادي)

راستے میں ابتک گلاب کے پھول بکھرے پڑے ھیں - شمعیں بھي ٹمٹما رھي ھیں ....

یہ میري سہیلي " ملیسا " کي شادي کي رات کا واقعہ ہے - میں اپني ماں کے ساتھہ گھر لوٹي - اس وقت میرے سر میں خیالات کا ھجوم تھا :

" آج میري سہیلي کو جو بات نصیب ھوئي ھے ' کل مجھے بھي نصیب ھوگي " میں خیال کرنے لگي " میں بھي ایسے ھي شاندار جلوس میں نکلوں گي - میري رتھہ بھي پھولوں سے لدي ھوگي ' زیتون کي شاخیں اُسپر سایہ کیے ھونگي ' بانسریاں بجتي ھونگي ' اور میري سہیلیوں کي میٹھي آوازیں سریلي بانسریوں میں مل جائینگي - میں بھي ایک دن اپنے بر کے پہلو میں " ملیسا " کي طرح نگاھیں نیچي کیے بیٹھونگي - مجھپر وہ عجیب رازکھل جائینگے جو یہ موقعہ اپنے دامن میں چھپائے ھوئے ھے ... ... اسکے بعد ؟ ...... یہ کہ میں اپنے بچوں کو اپني دودھہ بھري چھاتیوں سے لگاؤں گي -

(راز)

... دوسرے دن میں اپني سہیلي سے ملنے گئي - آنکھیں ملتے ھي دونوں کے رخسار سرخ ھوگئے - وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گئي اب ھم بالکل اکیلے تھے - مجھے اس سے بہت سي باتیں کہني تھیں - مگر اُسکي صورت دیکھتے ھي کچھہ یاد نہ رھا !

میري سہیلي جیسي ھمیشہ سے تھي ' ویسي ھي اب بھي ھے - کوئي فرق اس میں نظر نہیں آیا - لیکن یہ عجیب بات ھے کہ میں اُس سے کچھہ مرعوب سي تھي - میں اُس سے آنکھہ نہیں ملا سکتي تھي -

اچانک میرا ڈر دور ھوگیا - میں اُسکے زانو پر بیٹھہ گئي - اُسکے کان میں سب باتیں کہدیں - اُس نے بھي اپنا سر میرے سر پر رکھدیا اور پورا راز کہہ ڈالا !

(بانسري)

" لیکاسي " نے خوبصورت بانسري مجھے ھدیہ دي - وہ مجھے بانسري بجانا سکھانے لگا ......

ہندوستان اور حکیم ابو ریحان بیرونی

نو سو برس پہلے ہندوستان کي ذهني اور معاشرتي حالت

ایک عرب محقق و سیاح کے مشاهدات و تاثرات

مستشرقین یورپ کي کوششوں سے ابو الریحان محمد بن احمد البیروني کي شہرۂ آفاق کتاب "کتاب الہند" یا " تحقیق ما للہند من مقولۃ مقبولۃ فی العقل او مرذولۃ " سنہ ۱۸۸۷ میں شائع هوچکي هے - بیروني پانچویں صدي هجري کا مشہور حکیم اور محقق هے - گیارهویں صدي مسیحي کے اوائل یعني اب سے نو سو برس پہلے اس نے هندوستان کي سیاحت کي تهي - یه زمانه سلطان محمود غزنوي کي فتوحات کا تها - محمد بن القاسم کي فتح سنده کے بعد یه پہلا موقعه تها که مسلمان به حیثیت جماعت اندرون هند میں بڑهے - مسلمان ' یہاں کے باشندوں سے نا واقف تهے ' اور هندو ' مسلمانوں سے نا آشنا - بیروني ' هندوستان میں بطور سیاح کے داخل هوا - سنسکرت زبان حاصل کي - هندو علماء کي صحبت میں بیٹها - هندو علوم کي تحصیل کي - اُنکے حالات سے واقف هوا - اور پهر غزني میں بیٹهکر اپني یه جلیل القدر کتاب مرتب کي - اس کتاب کے متعلق بالاتفاق تمام محققین حال کا فیصله هے که اُس عهد کے هندوستان پر اس سے بہتر اور محققانه بیان کسي مصنف کا موجود نہیں - یه کتاب همارے سامنے نو صدي پہلے کا هندوستان پیش کرتي هے - اِس میں زیادہ تر بحث هندو فلسفه ' الہیات ' نجوم ' ریاضي وغیرہ علوم سے کي هے - لیکن ضمناً اُس وقت کي معاشرتي حالت پر بهي بہت کچهه روشني پڑتي هے - ذیل میں هم اُسکے جسته جسته اقتباسات پیش کرتے هیں - اِن سے قارئین الہلال اندازہ کر سکینگے که قدیم هندوستان کي معاشرتي ذهنیت کا کیا حال تها ' اور اس طویل مدت میں کتنا کم تغیر اُس میں واقع هوا هے ؟ غالباً کسي ملک کے ذهني اور معاشرتي جمود و تصلب کي اس سے بہتر مثال دنیا میں موجود نہیں -

(هندوستان کے سمجهنے میں دشواریاں)

بیروني نے اپني کتاب کے مقدمه میں وہ دشواریاں بیان کي هیں جو غیر قوموں کو هندوستان کے سمجهنے میں پیش آتي تهیں - وہ لکهتا هے :

" هندوستاني هم سے اُن تمام باتوں میں مختلف هیں جو قوموں میں اشتراک یا تعارف کا ذریعه هوا کرتي هیں - مثلاً :

(۱) زبان — اگرچه سب قوموں کي زبانیں الگ الگ اور مختلف هیں لیکن هندوستان کي زبان (سنسکرت) عربي کي طرح بہت هي وسیع و دقیق هے - اجنبي کے لیے اُسکي تحصیل ' عربي سے بدرجہا زیادہ دشوار هے - اِس زبان میں ایک هي چیز کے بہت سے نام ' اور ایک هي لفظ کے بہت سے معني پیدا هوتے هیں - اُنکا احاطۂ و ادراک اِس قدر مشکل هے که اسماء و مسمیات کي تمیز بجز خاص ذهانت و قابلیت رکهنے والوں کے ' عام لوگوں کے لیے تقریباً نا ممکن هے - هندو اپني زبان کي اِس پیچیدگي پر اُسي طرح ناز کرتے هیں جس طرح بعض دوسري قومیں کرتي هیں ' حالانکه یه در حقیقت زبان کا عیب هے - نه که خوبي -

هندوستان کي زبان کي دو قسمیں هیں : عامي اور فصیح — عامي ' عوام اور بازاریوں کے استعمال کے لیے هے - فصیح ' علم و ادب اور مجالس سلاطین و حکماء کے لیے - یه اپنے اشتقاق ' تصریف ' نحو کے دقائق ' اور بلاغت کي باریکیوں کي وجه سے اِس قدر مغلق هے ' که ماهر علماء کے سوا اس سے کوئي فائدہ نہیں اٹها سکتا -

پهر یه زبان ایسے حروف سے مرکب هے جنمیں سے بعض حروف عربي اور فارسي حروف سے کوئي مشابہت نہیں رکهتے - بلکه یوں کہنا چاهئے که هماري زبانیں اور حلق اُنکے صحیح تلفظ کي قدرت هي نہیں رکهتے - یہي باعث هے که عربي خط میں انکي تحریر نا ممکن هے ' اگرچه نقطوں ' علامتوں ' اور اعراب سے انہیں کتنا هي مقید کردیا جائے -

پهر بعض حروف مستعمل هیں ' بعض متروک - ساتهه هي نقل و صحت کا بهي اُن کے هاں زیادہ اهتمام نہیں هے - نتیجه یه هے که کتاب ایک دو نقلوں کے بعد برباد هو جاتي هے ' اور اُس کي زبان ایک نئي زبان بن جاتي هے - عوام کیا خواص بهي اُسے سمجهه نہیں سکتے - خود میرا تجربه هے که میں نے اُنهي کے منهه سے کوئي لفظ سنا ' پهر مزید تاکید و تصحیح کے خیال سے اُن کے سامنے دهرایا ' تو میں نے دیکها ' خود اُن کے لیے اُس کا دوبارہ سمجهنا دشوار هو گیا تها !

ایک اور خصوصیت یه هے که بعض دوسري عجمي زبانوں کي طرح ان کي زبان میں بهي دو تین ساکن حرف ایک ساتهه جمع هو جاتے هیں ' اور اکثر الفاظ میں ابتدا به سکون هے - هماري زبانیں اِس قسم کے الفاظ بولنے کي عادي نہیں - یہي سبب هے که ان کے اکثر الفاظ هم آساني سے بول نہیں سکتے -

(۲) دیني اختلاف — باشندگان هند هم سے دین میں بهي کلي اختلاف رکهتے هیں - نه اُن کا کوئي عقیدہ همارے لیے قابل تسلیم هے ' نه همارا کوئي عقیدہ اُن کے لیے قابل قبول - وہ آپس میں بهي مذهبي اختلافات رکهتے هیں - مگر یه اختلافات فرعي هیں - دوسري قوموں سے اُن کا اختلاف اصولي هے - وہ سب قوموں کو " ملیچ " (ملیچهه) یعني ناپاک کے لقب سے پکارتے هیں اور اُن سے ملنا جلنا ناجائز سمجهتے هیں - حتیٰ که اُس پاني اور آگ کو بهي نا پاک سمجهتے هیں جو کسي غیر باشندۂ هند کے استعمال میں آگئي هو !

پهر اُن کے خیال میں یه نجاست اِس درجه شدید هے که پاکي کي کوئي صورت بهي ممکن نہیں - یه کسي حال میں بهي جائز نہیں که غیر هندو ' اگرچه هندو مذهب کا کتنا هي قائل هوجائے ' اُن میں داخل هوسکے ' یا جو آدمي اُن کے دین سے ایک مرتبه نکل گیا هے ' وہ پهر اُس میں لوٹ سکے - اِس صورت حال کا قدرتي نتیجه یه هے که وہ تمام دنیا سے بالکل الگ هوگئے هیں - کوئي بندهن بهي همیں اور اُنهیں جوڑنے والا موجود نہیں -

(۳) رسوم و عادات — یه مغایرت اِس درجه شدید هے که وہ اپنے بچوں کو هم سے ' همارے لباس سے ' هماري وضع قطع سے ڈرایا کرتے هیں - حتیٰ که همیں شیطنت کي طرف منسوب کرتے هیں - هم سے نفرت اُن کے دلوں میں اِس قدر راسخ هے که خود میں نے اپنے کانوں سے اُنهیں کہتے سنا " تمهاري سر زمین کے ایک بادشاہ نے آکر همارا ایک بادشاہ مار ڈالا تها - مقتول اپنے پیچهے ایک شیر

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

جو

دُنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُنکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھے ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصّل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

میرے دل میں اُس وقت کوئی عجیب اور نا معلوم اثر پیدا ہو رہا تھا - لیکاسی نے بانسری میرے ہاتھ سے نرمی کے ساتھ لے لی اور بہت ہی دھیمی آواز میں ایک راگ سنایا - میرا دل زور سے دھڑکنے لگا ......

ہمارے پاس کہنے کو کوئی بات نہ تھی - ہم باری باری بانسری بجا کر دل بہلاتے رہے -

ہم بالکل بے خودی کے عالم میں تھے - اچانک مینڈک چلانے لگے - اب ہم چونکے - رات قریب آ پہنچی -

مجھے بہت دیر ہو گئی ہے - لیکن میں اپنی ماں کو یقین دلانے کی کوشش کرونگی کہ میں اِس وقت تک اپنی کھوئی ہوی پیٹی ڈھونڈھ رہی تھی !

(جھونپڑا)

میرا چھوٹا سا جھونپڑا ، جہاں ہمارا نرم بستر رکھا ہے ؟ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے - وہ مجھے اس لیے پسند ہے کہ ہم نے اسی میں اپنی سب سے اچھی راتیں بسر کی ہیں !

ہمارا بستر ، درختوں کے پتوں اور پھولوں سے بنا ہے - وہ بھی مجھے بہت محبوب ہے ، کیونکہ وہ ہم دونوں کو جمع کرتا ہے !

میں کبھی کبھی بہت غمگین ہو جاتی ہوں - لیکن جب محبت کے پہلو میں ہوتی ہوں ؟ تو اپنے آپ کو بھی بھول جاتی ہوں - مجھپر ایک طرح کی غشی سی طاری ہو جاتی ہے -

(قسم)

" اُس " نے کہا :

" جب دریا کا پانی اُبل کر برف آلود پہاڑوں کی چوٹیاں چھپادے "

" جب انسان ، سمندر کی موجوں پر گیہوں اور جو بوکر کاٹنے لگے "

" جب سورج کی روشنی ، تاریکی ہوجائے "

" جب چاند گر کر چور چور ہو جائے "

" تو اُس وقت میرے لیے بھی روا ہوگا کہ تجھسے منہہ موڑلوں ، اور تجھے بھی حق ہوگا کہ مجھے بالکل بھلا دے ! اے بلیٹس ! اے میری محبت ! "

(رات)

جب رات آجاتی ہے اور اندھیرا پھیل جاتا ہے ، تو میں خاموشی کے ساتھ گھر سے نکل جاتی ہوں - ہرے بھرے میدانوں میں پہنچتی ہوں - میرا شوہر وہاں بے خبر پڑا سوتا ہے -

کبھی میں گھنٹوں کھڑی اُسے دیکھتی رہتی ہوں - بالکل چپ ، سناٹے میں ...... میں اُسے اپنے قریب تنہا دیکھکر خوش ہوتی ہوں - پھر میں اپنا منہ اُسکے منہ سے قریب کرتی ہوں - کیوں ؟ اسلیے کہ اُسکی سانس کے بوسے لوں !

اُس وقت ستاروں کی چمکیلی آنکھوں کے سوا ہمیں کوئی نہیں دیکھتا !

صبح ہو جاتی ہے -

" اِتنی جلدی روشنی لوٹ آئی ! " میں اپنے دل سے کہتی ہوں کس جگہ روشنی نہیں پہنچ سکتی ؟ کس غار میں سورج کی شعاع کبھی دکھائی نہیں دیتی ؟ مجھے اُسکی تلاش ہے - تاکہ ہمارا استغراق محبت کبھی ختم نہ ہو ... ہمیشہ کیلیے ! سورج کی کرنیں ہمیں پریشان کرنے نہ پائیں -

اقتباسات

—<>—

ترازکی اور بد مستی

کون ہے جس نے مشہور روسی رہنما اور لینن کے بعد سب سے زیادہ حیرت انگیز روسی انسان " ترازکی " کا نام نہیں سنا ؟ یہ شخص جس نے اپنی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا لوہا دشمن تک سے منوا لیا ہے ، انقلاب روس سے پہلے امریکہ میں ایک معمولی درجہ کا بے وقعت اخبار نویس تھا اور شہر بوسٹن میں غریبانہ زندگی بسر کرتا تھا - اُسی زمانہ کا یہ واقعہ اب اخباروں میں شایع ہوا ہے کہ ایک دن ترازکی کو شہر کے کوتوال نے اِس جرم میں گرفتار کرلیا کہ وہ سڑکوں پر بدمست پھر رہا تھا - چنانچہ ۲۴ گھنٹہ قید میں رکھا گیا -

اُس وقت کوتوال کو کیا معلوم تھا کہ اُسکا یہی قیدی عنقریب دنیا کے مشہور انسانوں میں شمار کیا جایگا ؟ (السیاسہ)

(ہنسی)

مشہور فرانسیسی مصنف زیبلے کہتا ہے :

" ہنسی ، انسان کا ایک امتیازی وصف ہے "

یہ قول بالکل صحیح ہے - بہت سے قدیم فلاسفہ بھی یہی کہہ چکے ہیں - ہنسی اور مسکراہٹ ، دو الگ الگ چیزیں ہیں - ہنسی کی بھی کئی قسمیں میں : گونجنے والی ہنسی ، خشک ہنسی ، کھوکھلی ہنسی ...

ہنسی کا خاصہ انسان میں بے فائدہ نہیں ہے - ہنسی میں بہت سے جسمانی فوائد ہیں - دل کھولکر ہنسنے کے بعد انسان کو سانس لینے میں بہت آرام محسوس ہوتا ہے - کیونکہ جس طرح دوڑنے کے بعد پھیپھڑونکی ہوا صاف ہوجاتی ہے ، اُسی طرح ہنسنے کے بعد اسکی حالت ہوتی ہے - پھر ہنسی کا اعضاء ہضم یعنی معدہ و جگر وغیرہ پر بھی بہت اچھا اثر پڑتا ہے - پیٹ بھرکے کھانے کے بعد ہنسی غیر معمولی سرعت سے کھانا ہضم ہونے میں مدد دیتی ہے - اسی لئے دستر خوان پر ہنسنے ہنسانے والی باتیں کرنا مستحسن ہے ، اور اسی لیے تنہا بیٹھہ کر کھانا ناپسند کیا جاتا ہے ، کیونکہ اس کا نتیجہ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ انسان ضعف معدہ یا دائمی قبض میں مبتلا ہو جاتا ہے - لقمہ منہہ میں لیکر ہنسنا نہیں چاہیے ، ورنہ آلات تنفس میں لقمہ کے اجزاء اٹک جانے کا اندیشہ ہے - اگر کبھی ایسی صورت پیش آ جائے تو پیٹھہ پر زور سے گھونسا نہیں مارنا چاہیے ، کیونکہ یہ سخت خطرناک ہے -

ہنسی پورے نظام عصبی کے لیے مفید ہے - جب انسان ہر خوشی کے موقعہ پر ہنسنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اُسے ہر مرتبہ ہنسنے میں خوشی حاصل ہونے لگتی ہے - البتہ بلا وجہ ہنسنا حماقت ہے -

لیکن آخر ہم ہنستے کیوں ہیں ؟ جو باتیں ایک شخص کو ہنساتی ہیں ، بسا اوقات دوسرے کو نہیں ہنسانیں - اس کا جواب مشکل ہے !

(سنڈے ریویو)

—<>—

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دنیا کا بہترین فاونٹن قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہی؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپکو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہی

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو "شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہئے!

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابو الکلام صاحب کی یہ تحریر سنہ ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کیجا سکتی ہی؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہی؟

سنہ ۱۹ء میں جسقدر نسخے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی کو دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہی۔ ۱۲ار (مینیجر الہلال کلکتہ)

حیرت انگیز رعایت

پندرہ روپے کی تین گھڑیاں

صرف دس روپے میں

محصول ڈاک اور پیکنگ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے کمرہ کے لئے + بیوی کے لئے

قابل دید گولڈن رسٹ واچ | ریلوے ریگولیٹر پاکٹ واچ | شہرۂ عالم بی ایم جرمن میڈ

نئے نئے ڈیزائن کی خوشنما فینسی پادشاہ ہتائی کی بچی نہیں ۔۔۔ استراپ سات روپیہ آٹھ آنہ ۔۔۔ محصول ڈاک پیکنگ منی آرڈر فیس | اصل سوکیس خوبصورت مضبوط مالیم نہایت صحیح تانبوالی قیمت معہ چین پانچ روپے آٹھ آنے (ﷲ) محصول ڈاک پیکنگ منی آرڈر فیس | دیکھنے میں خوبصورت ہیا کام اچھا پرزوں کا مضبوط ٹائم کا سچا بہت سستا قیمت دو روپے محصول ڈاک پیکنگ منی آرڈر فیس

یہ تینوں گھڑیاں اگر آپ یکمشت طلب فرمائیں تو صرف دس روپے میں بھیجی جائیں گی یہ رعایت محض مال کی نکاسی اور فرم کی شہرت کی وجہ سے ہی اور یہ رعایت اسی وقت تک رہیگی جب تک یہ گھڑیاں اسٹاک میں ہیں گی اسکے بعد ہم نہیں دے سکیں گے آپ فوراً ہی آرڈر بھیجدیں ایسا نہ ہو کہ اسٹاک ختم ہو جائے اور آپ کی فرمائش کی تعمیل نہ ہوسکے

نوٹ۔ ایک یا دو گھڑی کے خریدار کیلئے کوئی رعایت نہیں ہی۔ اُن سے پوری قیمت مندرجہ چارج کیجائیگی۔ اور محصول ڈاک و پیکنگ وغیرہ بھی اُن کو ادا کرنا ہوگا +

پتہ: ہلنے کا پتہ امریکن واچ ہوس اسٹاکسٹ ولیٹ اینڈ واچ کمپنی ۸۳ مقام دہلی

فدائیان اسلام پر مصائب کا ہجوم

کیوں ہی؟

اگر آپ کو قوم کے ظاہری و باطنی امراض اور انکے علاج کا علم حاصل کرنا ہے تو الجمعیۃ ملاحظہ فرمائیے

"الجمعیۃ" تمام ہندوستان میں ایک ہی اخبار ہی جو علما کی زبان کہلانے کا مستحق ہی اور جسکا اہم ترین مقصد ملت بیضا کی محافظت ہی۔ مقدس مذہب اسلام کے خلاف حملوں کا دنداں شکن جواب دینا اور واقعات کی محققانہ تنقید اس کا مخصوص طریقہ ہی

اس زمانے میں اجتماعی اور تمدنی زندگی کے لئے اخبار بھی ایک ضروری چیز ہوگیا ہی اور ہر قوم کو اپنی تمدنی زندگی قائم رکھنے کے لئے اسکی حاجت ہی۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو لازم ہی کہ وہ مذہب کی حفاظت کے فریضے کو تمام فرائض سے اہم سمجھیں اور اس اخبار کو جو مذہب کا محافظ ہی اور صلاح قوم کا علمبردار بھی اشاعت اور ترقی کے اعلی درجے پر پہنچائیں حق کی آواز جسقدر کثرت سے لوگوں کے کان میں جائے اسیقدر کامیابی ہی

اخبار الجمعیۃ کی پانچ (۵) خصوصیات

(۱) تمام سیاسی و مذہبی مسائل پر عالمانہ و فاضلانہ بحث کرتا ہی۔

(۲) تبلیغ و اشاعت اسلام کے متعلق مسلسل مضامین شائع کرکے مخالفین اسلام کو خاموش کرتا ہی۔

(۳) عربی، فارسی، اردو، انگریزی اخبارات کے تراجم پیش کرتا ہی۔

(۴) حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند کے فتاوے کی اشاعت کرتا ہی۔

(۵) ایک کالم تفریح کا بھی ہوتا ہی جس سے اسکی دلچسپی میں اندیاد اضافہ ہوتا ہی۔

ہفتہ میں دوبار شائع ہوتا ہی۔ چندہ سالانہ چھ روپیہ۔ (ﷲ)
ششماہی تین روپئے چار آنے (ﷴ)

منیجر "الجمعیۃ" دہلی

...ستان پر	۴۴۶	ملین (ایک ملین - ۱۰ لاکھ)	ڈالر تقریباً ۳ روپیہ	
...ن " "	۳۸۴۴	"	"	
...آ "	۱۹۳۲	"	"	
"	۴۴۷	"	"	
...ی "	۲۳۲	"	"	
...ڈ " "	۱۵۳	"	"	
سلاویا "	۱۰۶	"	"	

امریکہ میں الحاد کی مقبولیت

الحادی انجمنوں کی دعوت و تبلیغ

اسوقت آمریکہ میں سب سے زیادہ طاقتور اور مقبول دعوت، الحاد ...ترک ادیان کی دعوت ہے۔ ملحدانہ خیالات دنیا میں قدیم زمانوں سے ...جود ہیں اور دنیا کے نئے علمی دور نے مذہبی عقائد کا قدیم رسوخ ...متزلزل کر دیا ہے، تاہم اسوقت تک کسی ملک میں بھی الحاد عوام میں مقبولیت ...حاصل نہ کر سکا، اور عامتہ الناس کا میلان مذہب ہی کی طرف رہا مگر ...اب آمریکہ میں الحاد ایک عام پسند دعوت کی حیثیت اختیار کر رہا ہے اور ...روز بروز اُس کی جماعتیں زیادہ قوت و رواج حاصل کر رہی ہیں۔ ...امریکہ کے کالج اور یونیورسٹیاں اس دعوت کی اشاعت و تبلیغ کا سب ...سے بڑا میدان ہیں۔ انہی میدانوں میں قوم کے دل و دماغ طیار ہوتے ...ہیں، اور اگر یہ الحاد کی اشاعت و تبلیغ کا مرکز بن گئے ہیں، تو ظاہر ...ہے کہ آمریکی دل و دماغ کا سانچا اب مذہب کا نہیں بلکہ الحاد کا سانچا ...ہے!

مشہور امریکی اخبار "ورلڈ" نے اس ملحدانہ تحریک کی تحقیقات کے ...لئے اپنا ایک خاص نمائندہ مقرر کیا تھا۔ اسنے ۱۸ مہینے دورہ کر کے اپنا ...مفصل بیان شائع کر دیا ہے۔ ہم اس بیان کے بعض اہم نقاط پر نظر ...ڈالیں گے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دہریت عام کرنے کے لئے ایک ...نہایت طاقتور انجمن موجود ہے۔ یہ انجمن اسوقت تک ۲۰ کالجوں اور ...یونیورسٹیوں میں اپنی باقاعدہ شاخیں قائم کر چکی ہے۔ نیز آمریکی ...جنگی بیڑہ کے افسروں اور سپاہیوں میں بھی اُسنے بہت اثر پیدا کر لیا ...ہے۔ آمریکہ کے بیشمار اساتذہ انجمن کے ممبر ہیں اور اُس کے مقاصد ...پھیلا رہے ہیں۔

سب سے پہلے جس یونیورسٹی نے علانیہ الحاد کو اپنا مذہب قرار دیا، وہ صوبہ نیویارک کی روچیسٹر یونیورسٹی ہے۔ اسنے باضابطہ طور پر انجمن الحاد کی رکنیت قبول کر لی ہے اور اپنے دائرے میں اُس کی شاخ قائم ...کر دی ہے۔ اس شاخ کا نام عجیب ہے "ملعون ارواح والوں کی انجمن" اس نام نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ اب تمام الحادی مدارس کے طالب علموں نے یہی نام اختیار کر لیا ہے۔ اسی قسم کے کئی اور نام بھی مختلف شاخوں نے تجویز کئے ہیں۔ مثلاً نیویارک کی ایک الحادی کمیٹی کا نام ہے "اُن لوگوں کی انجمن جن کا کوئی خدا نہیں ہے" فیلاڈلفیا کی ایک انجمن کا نام "سیاہ بھیڑوں کی انجمن" ہے۔ ایک اور شاخ "شیطان کے فرشتوں" کے نام سے مشہور ہے۔ ایک انجمن "دائرۂ کفارہ" کہلاتی ہے۔ ایک دوسری جماعت اپنے آپ کو "ملعون روحوں کی جماعت" کہتی ہے! اور اس کے صدر کا لقب "اعلیٰحضرت شیطنت پناہ" ہے!

انجمن الحاد حسب ذیل اصول کی تبلیغ کرتی ہے:

۱- عقل کے سوا کوئی خدا نہیں۔
۲- آسمانی کتابوں میں جتنے قصے مذکور ہیں، محض بے بنیاد افسانے ہیں۔
۳- جنت، دوزخ کا کوئی وجود نہیں۔
۴- دین، طبیعت سے ماوراء امور کی پرستش کا نام ہے، اور ایسے امور کا کوئی وجود نہیں۔ اس لئے اُسے مٹا دینا چاہئے۔
۵- کلیسا کا نظام، دنیا کے لئے خطرہ ہے۔

حکومت سے اُس کے مطالبے حسب ذیل ہیں:

۱- تمام گرجوں پر بلا کسی امتیاز کے محصول مقرر کرنا چاہئے۔
۲- سرکاری عہدوں پر اور مجلس خواص اور مجلس عوام میں جتنے بھی پادری ہیں، سب نکال دئے جائیں۔
۳- مذہبی انجمنوں کو کوئی مالی مدد نہ دی جائے۔
۴- تمام مدارس میں دینی تعلیم ممنوع قرار دی جائے۔
۵- ہر قسم کے دینی رسوم اور تہوار موقوف کر دئے جائیں۔
۶- تورات و انجیل کی قسم ناجائز قرار دی جائے۔
۷- اتوار کو مذہبی دن تسلیم نہ کیا جائے۔
۸- وہ تمام دینی فرائض و شعائر منسوخ کر دئے جائیں جنھیں دینی فضائل و حسنات خیال کیا جاتا ہے۔ اُن کی جگہ صحیح آداب اور آزادی و مساوات کے اصول عام کئے جائیں۔
۹- امریکی سکے پر سے یہ عبارت محو کر دی جائے "خدا پر میرا توکل ہے"

اخبار "ورلڈ" کے خاص نمائندے نے اپنی تحقیقات کے دوران میں ان لوگوں سے ملاقاتیں کیں جو اس دعوت کے رہنما ہیں۔ انجمن الحاد کے ناظم مسٹر ہوپوڈ نے اپنی گفتگو میں کہا:

"ہم جانتے ہیں کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علموں میں ایک بہت بڑی جماعت ہے جو الحاد قبول کر چکی ہے مگر خوف سے اعلان نہیں کرتی۔ خاموشی اور سکون سے اپنے دائرے میں اُس کی تبلیغ و اشاعت کر رہی ہے"

ایک اور بڑے ملحد نے کہا

"خدا پر ایمان، اب ایک فرسودہ عقیدہ ہے اور موجودہ متمدن روح کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ جن کتابوں کو آسمانی کتابیں خیال کیا جاتا ہے خرافات و قصص سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ اگر ہم اِن کتابوں پر عمل کرینگے تو اپنے ہاتھوں اپنی قدر کھو دیں گے اور اپنی خوشی سے پاگلوں کے زمرے میں داخل ہو جائینگے۔ مزید برآں، اِن نام نہاد آسمانی کتابوں میں ایسے فحش قصے درج ہیں جنھیں کوئی بااخلاق آدمی پڑھنا گوارا نہیں کر سکتا (موجودہ تورات کے بعض مضامین کی طرف اشارہ ہے) موجودہ علم، دین کی بیخ کنی کر رہا ہے۔ علماء وقت، جدید ترین علمی افکار کی اشاعت کر کے تحریک الحاد کی عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ انجمن الحاد نے حال میں چند سوالات شائع کئے تھے۔ انکے جوابوں سے معلوم ہوا کہ ۷۵ فیصدی علماء عصر ملحد ہیں، یا کم از کم لاادری ہیں۔ اُن کی تعلیم کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا، روح، اور ابدیت کے اعتقاد سے انکار کیا جائے"

انڈیانا یونیورسٹی سے ایک رسالہ "داگا بونڈ" نام شائع ہوتا ہے یہ اس درسگاہ کے ملحد طالب علموں کا ترجمان افکار ہے۔ اسکے محرر نے پچھلی اشاعت میں اپنے دستخط سے ایک مضمون "میں ملحد کیوں ہوں؟" کی سرخی سے شائع کیا ہے۔ اسمیں وہ لکھتا ہے:

"خدا کا عقیدہ بھی فیشن کا حکم رکھتا ہے۔ آج ایک عقیدہ مقبول ہوتا ہے، کل دوسرا اُس کی جگہ لے لیتا ہے۔ ایک زمانہ میں "زفس" کا نام یونان میں آدمیوں کے دل ہلا ڈالتا تھا۔ یہ یونان کا سب سے بڑا معبود تھا۔ اسی طرح "جوبیٹر" (مشتری) کے سامنے رومانیوں کے سر ہیبت و اجلال سے خم ہو جاتے تھے۔ لیکن آج دنیا اِن ناموں پر ہنستی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ تاریخ اپنا اعادہ کرتی رہتی ہے تو ہمیں یقین کرنا چاہئے کہ وہ زمانہ دور نہیں جب "یہواہ" (عبرانی میں خدا کا نام) بھی اپنی تمام عظمت کھو کر مضحکہ بن جائے گا!"

یہ تحریک صرف مردوں ہی میں نہیں بلکہ عورتوں میں بھی عام ہو رہی ہے۔ متعدد الحادی انجمنوں کی صدر، عورتیں ہیں۔ چنانچہ مینیسوٹا کی انجمن کی صدر مس کرسٹن واکر ہے۔ اس کی عمر ۱۸ برس کی ہے۔ تین سال پہلے بہت سخت مذہبی تھی، لیکن اب سرگرم ملحد ہے۔ اسی طرح مغربی صوبوں میں ایک سترہ برس کی دوشیزہ اس تحریک کی قائد ہے۔ اس کا نام کوئن سلکو ہے۔ اسی نام سے وہ ایک رسالہ بھی نکالتی ہے۔ یہ رسالہ الحاد کی تبلیغ میں بہت پیش پیش ہے۔ اس کا مطلع ہے "جو شخص بھی خدا پر یقین رکھتا ہے، مزید ہے کہ اُس کے عقلی قوا میں خلل ہو!"

آمریکہ کے سیاسی مدبر اس الحادی طوفان سے سخت خائف ہیں اور اس کی مقاومت کی تدبیروں پر غور کر رہے ہیں۔

ترکی قالین

ترکی کے قالین دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ پچھلے چند سال سے یونانی تاجروں نے یہ پروپیگنڈا جاری کر رکھا ہے کہ قالین بافی کی صنعت ٹرکی کے یونانیوں کے ہاتھ میں تھی وہ جب جلا وطن کر دئے گئے ہیں، یہ صنعت بھی ٹرکی سے یونان میں چلی گئی ہے۔ اس پروپیگنڈا نے بالآخر ترکی حکومت کی توجہ اپنی طرف منعطف کی۔ چنانچہ اُسنے اس بارے میں ایک بیان شائع کیا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ علاقۂ سمرنا میں (جو اس صنعت کا مرکز ہے) جنگ سے پہلے ۲۹۰۸ کارخانے قالین سازی کے تھے۔ اُن میں ۵۲۰۰، ۲۰ ترک، اور ۳۷۵۰ یونانی اور ارمنی کاریگر کام کرتے تھے۔ یعنی اُسوقت بھی ترک کاریگروں کی تعداد یونانیوں اور ارمنوں کی تعداد سے تقریباً دگنی تھی۔

ان دونوں قوموں کے اخراج کے بعد اس صنعت کا کیا حال ہوا؟ کیا وہ باقی نہیں رہی جیسا کہ یونانی کہتے ہیں؟

نہیں۔ کیونکہ اس سرکاری بیان میں مذکور ہے کہ باوجود جنگ کی بربادیوں کے یہ صنعت برابر ترقی کرتی رہی۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں ۳۰۵، ۱۱ کارخانے تھے جن میں اسوقت ۹۴۰، ۳۰ ترک کاریگر کام کر رہے ہیں جنگ سے پہلے ۶۸۰، ۹۰۹ ہاتھ مربع قالین ہر سال بنتے تھے لیکن سنہ ۱۹۲۶ء میں اُن کی مقدار ۹۲۴، ۸۴، ۱۱ ہاتھ مربع تک پہنچ گئی۔ اس سے ٹرکی کی صنعتی ترقی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

خدیو عباس کے مقدمہ کا فیصلہ

قسطنطنیہ میں کسی شخص کو بھی شبہ نہ تھا کہ خدیو عباس اپنے مقدمہ میں کامیاب ہونگے۔ لیکن افسوس ہے کہ عدالت کا فیصلہ اُنکے خلاف صادر ہوا: "موجودہ عدالت کو اس دعوے پر غور کرنے کا کوئی حق نہیں ہے" ججوں کا متفقہ فیصلہ یہ ہے۔ یعنی عدالت نے انگریزی وکیل کی منطق تسلیم کر لی، اور اپنے آپ کو ایسے مقدمات کے فیصلہ کا مختار نہیں سمجھا۔ عدالت نے مدعی سے مدعا علیہ کو ۵۰۰ ترکی پونڈ مصارف مقدمہ بھی دلائے ہیں!

اس فیصلہ پر ٹرکی کے اخبارات سخت برہم ہیں اور اسے صریح ناانصافی پر محمول کر رہے ہیں۔ اس فیصلہ نے ایک نئی تحریک پیدا کر دی ہے، اخبارات زور دے رہے ہیں کہ اس قسم کی مخلوط عدالتیں آئندہ قطعی

بریدِ فرنگ

ریاستہائے متحدہ امریکہ

بین الاقوامی سیاست سے علحدگی

مورخہ ۲ دسمبر ۱۸۲۳ء میں یعنی ایسے ایک سو چار برس پہلے ولایات متحدہ آمریکہ کے پانچویں صدر جیمس مونرو نے آمریکہ کی مجلس حکومت (سینٹ) کے سامنے ایک تقریر کی تھی۔ یہ تقریر بعد میں تاریخی تقریر بن گئی اور اسنے عظیم الشان سیاسی نتائج پیدا کئے۔ اس تقریر میں پریسیڈنٹ نے امریکہ کی خارجی حکمت عملی کے لئے ایک اصول پیش کیا تھا جو بعد میں "مذہب مونرو" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس اصول کا منشا یہ تھا کہ "آمریکہ کو اپنے معاملات خود ہی طے کرنے چاہئیں اور کسی بیرونی سلطنت کو اُن میں مداخلت کا موقعہ نہیں دینا چاہئے"، مقصود اس سے یہ تھا کہ براعظم امریکہ تمام دوسرے براعظموں سے الگ تھلگ رہ کر اپنے لئے ایک مخصوص اور مستقل سیاسی دنیا پیدا کرلے۔

چونکہ ولایات متحدہ آمریکہ اپنے براعظم میں سب سے زیادہ آباد، مالدار اور طاقتور جمہوریت ہے، اس لئے دوسرے براعظموں سے الگ تھلگ ہوجانے کی وجہ سے اُسے آمریکہ کے تمام دوسری جمہوریتوں پر ایک طرح کی فوقیت یا وصایت (منڈٹ) حاصل ہوگئی ہے اور اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے متعدد موقعوں پر وہ دوسری جمہوریتوں کے معاملات میں مداخلت بھی کرچکی ہے۔ چنانچہ ۱۸۶۷ء میں جب فرانس اور میکسیکو میں نزاع ہوئی، اور پھر جب ۱۸۹۸ء میں اسپین اور کوبا کا معاملہ پیش آیا، تو ولایات متحدہ نے اسی اصل کی بنا پر عملاً مداخلت کی۔ مونرو سے پہلے صدر واشنگٹن نے بھی اپنے ہموطنوں کو یہی نصیحت کی تھی کہ یورپی سلطنتوں سے اس طرح کے معاہدات نہ کریں جن سے امریکہ کی بین الاقوامی سیاست سے علحدگی کی حالت میں خلل پیدا ہونے کا امکان ہو۔

یہی وہ قاعدہ تھا جس کی بنا پر عالمگیر جنگ کے بعد مجلس صلح کے موقعہ پر آمریکہ میں سخت اختلاف آراء پیدا ہوگیا۔ ڈاکٹر ولسن اور اُنکے ہم خیال لوگوں کی رائے تھی کہ اب آمریکہ کو گوشۂ تنہائی سے نکلکر دنیا کی بین الاقوامی سیاست میں حصہ لینا چاہئے۔ لیکن مذکورۂ بالا قاعدہ کے معتقد اس کے مخالف تھے۔ وہ کہتے تھے آمریکہ کو بدستور بین الاقوامی سیاست سے علحدہ رہنا چاہئے۔ بالآخر دوسری جماعت ہی کو فتح حاصل ہوئی کیونکہ آمریکہ کی عام رائے اُنہی کے حق میں تھی ڈاکٹر ولسن کو اپنی شکست کا اعتراف کرلینا پڑا۔

بلاشبہ اس اختلاف میں ڈاکٹر ولسن کو شکست ہوئی اور پرانا قاعدہ بدستور برقرار رہا لیکن یہ سوال بہرحال ہمیشہ معرض بحث میں رہے گا کہ آخر آمریکہ کب تک دنیا کے سیاست سے علحدہ رہیگا؟ بلکہ یوں کہنا چاہئے حوادث کا سیلاب اُسے کبتک اُسکی جگہ پر چھوڑے رکھیگا؟ ظاہر ہے، جنگ کے بعد دنیا کے سیاسی اور اقتصادی حالات میں انقلاب عظیم ہوگیا ہے، آمریکہ کی تجارت بھی بیحد وسیع ہوگئی ہے، ایسی حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ مذہب مونرو کے حامی زیادہ عرصہ تک اپنی استقامت رائے قائم رکھ سکیں،

امریکی صدر جمہوریت

ولایات متحدہ آمریکہ کا نظام حکومت، انگلستان اور فرانس وغیرہ ممالک کے نظام سے بہت مختلف ہے۔ دنیا میں کسی صدر جمہوریت کو اتنے اختیارات حاصل نہیں ہیں جتنے آمریکی صدر جمہوریت کو ہیں۔ شاہ انگلستان اور صدر جمہوریۂ فرانس قریب قریب جملہ اختیارات سے محروم ہیں۔ لیکن آمریکہ کے صدر کے ہاتھ میں وسیع اختیارات ہوتے ہیں خصوصاً جنگ یا دوسرے نازک موقعوں پر اُسے تقریباً مطلق العنان حاکم کی حیثیت از روئے قانون حاصل ہوجاتی ہے۔

دنیا کی دوسری حکومتوں کی طرح آمریکہ میں وزیر اعظم کا عہدہ نہیں ہے۔ صدر جمہوریت ہی اپنے مددگاروں کی مجلس کا رئیس ہوتا ہے لیکن ان مددگاروں کو مجلس حکومت (سینٹ) اور مجلس خواص میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ صدر آمریکہ اور صدر فرانس میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ آخر الذکر کا انتخاب، عوام اور خواص کی دونوں مجلسیں یکجا ہوکر کرتی ہیں لیکن امریکی صدر کا انتخاب اس طرح ہوتا ہے کہ ہر ریاست خاص اس غرض کے لئے اپنے نمائندے مقرر کردیتی ہے۔ یہ نمائندے اپنی اپنی ریاستوں کے صدر مقام میں جمع ہوتے ہیں اور صدر جمہوریت کے لئے کسی شخص کا انتخاب کرتے ہیں۔ تمام ولایتوں کے سربمہر اصوات (ووٹس) پایۂ تخت واشنگٹن بھیجدئے جاتے ہیں۔ پھر واشنگٹن کی دونوں مجلسیں جمع ہوکر ان اصوات کا شمار کرتی ہیں اور ۴ سال کے لئے صدر جمہوریت کا اعلان کردیتی ہیں۔

صدر جمہوریت آمریکہ کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اُس کی عمر کم سے کم ۳۵ سال کی ہو، اُسنے کم سے کم ۱۴ برس آمریکہ میں گذارے ہوں اور اس ملک کا مستقل باشندہ ہو۔ صدر جمہوریۂ فرانس کے برخلاف آمریکہ کے صدر کا ایک نائب بھی ہوتا ہے۔ اور اپنی مدت کے دوران میں صدر کے فوت ہوجانے، یا مستعفی ہوجانے یا اپنے فرائض نہ ادا کر سکنے کی حالت میں نائب صدر اُس کی جگہ کام کرتا ہے اور صدر کا نیا انتخاب نہیں ہوتا۔ صدر کی موجودگی میں نائب صدر کا کام صرف اس قدر ہوتا ہے کہ وہ مجلس خواص کی صدارت کرتا ہے۔

ولایات متحدہ

جمہوریہ آمریکہ ۴۸ ریاستوں سے مرکب ہے ہر ریاست میں دو مجلسیں ہیں انکا کام اندرون ریاست میں قانون بنانا اور حکومت کرنا ہے لیکن تمام ریاستوں کے مشترک اور عام معاملات نیز خارجی سیاست، جمہوریت کے مرکزی مقام واشنگٹن کی دونوں مجلسوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں مجلس عوام کے ممبروں کی تعداد ۴۳۵ ہوتی ہے جو ہر دو برس میں ایک مرتبہ منتخب ہوتے ہیں۔ مجلس خواص میں ۹۶ ممبر ہوتے ہیں۔ یعنی ہر ریاست کی طرف سے عام اس سے کہ اُس کی آبادی کم ہو یا زیادہ، دو دو نمائندے ہوتے ہیں۔ ان کی مدت ۶ سال ہوتی ہے مگر ہر دو سال بعد ان میں سے ایک تہائی کا انتخاب از سر نو ہوا کرتا ہے اور اس طرح ۶ سال کے اندر نئی مجلس پیدا ہوجاتی ہے۔ مجلس خواص صدر جمہوریت کے ساتھ معاہدے منظور کرنے میں شریک ہوتی ہے۔ بغیر اُس کی منظوری کے کوئی معاہدہ جائز نہیں ہوسکتا۔

آمریکہ کے بیرونی مقبوضات

ایک طرف جمہوریۂ آمریکہ، دول یورپ کو آمریکہ کے معاملات میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ دوسری طرف خود بھی ملک گیری کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہے اور براعظم امریکہ کے باہر بھی نوآبادیاں رکھتی ہے!

(۱) جزیرۂ کوبا کا شمار اگرچہ ماتحت ممالک میں نہیں ہے لیکن عملاً آمریکہ ہی کی اُس پر حکومت ہے۔ اس جزیرہ کی آبادی ۲۹،۰۰،۰۰۰ ہے

(۲) الاسکا ایک وسیع علاقہ ہے مگر آبادی ۵۵،۰۰۰ سے زیادہ نہیں ہے۔ اسمیں شکار کے جانور اور قیمتی کانیں بہت ہیں۔

(۳) پورٹو ریکو۔ اس کی آبادی ۱۲،۳۰،۰۰۰ ہے، یہاں قہوہ، تمباکو اور شکر کی پیداوار بہت ہے۔

(۴) جزائر ہاوائی۔ آبادی ۲۵۵،۰۰۰۔ اکثر باشندے زرد رنگ کے ہیں، قہوہ، چاول، اور کیلا بہت پیدا ہوتا ہے۔

(۵) جزائر فلپائن وسیع علاقہ ہے۔ آبادی ایک کرور ہے۔

امریکہ اور باقی دنیا کا مقابلہ

ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ کرۂ ارض میں مختلف حیثیتوں سے آمریکہ کا درجہ کیا ہے:

دنیا کے مجموعی رقبہ میں آمریکہ کا رقبہ

فی ہزار ۵۴		۸٫۰ ملین کیلومیٹر مربع

دنیا کی مجموعی آبادی میں آمریکہ کی آبادی

فی ہزار ۶۹		۱۰۵ ملین آبادی

دنیا کی مجموعی پیداوار میں آمریکہ کی پیداوار

فیصدی	پیداوار
۸۳	جوار
۲۷	گیہوں
۶۴	روئی
۴۵	کوئلہ
۷۲	پٹرول
۶۰	لوہا
۲۰	سونا
۲۰	چاندی

آمریکہ کے بڑے بڑے قرضے دول یورپ پر علاوہ سود کے حسب ذیل ہیں

اگر ہم مرجائینگے تو کیا کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہیگا۔ کیا موت کسی کے لئے کوئی عیب ہی؟

(استیعاب)

وفات

عین وفات کے وقت یہ شعر پڑہے:

الا لیتنی لم اُغن فی الملک ساعۃ   ولم اکُ فی اللذات اعشی النواظر

کاش میں نے کبھی سلطنت نہ کی ہوتی! کاش لذتیں حاصل کرنے میں میں اندہا نہ ہوتا!

وکنت کذی طمرین عاش ببلغۃ   لیالی حتی زار ضنک المقابر

کاش میں اُس فقیر کی طرح ہوتا جو تھوڑے پر زندہ رہتا ہی!

(عقد الفرید)

یزید کا مرثیہ

یزید نے مرثیہ کے یہ شعر کہے تھے:

جاء البرید بقرطاس یخب بہ   فاوجس القلب من قرطاسہ فزعا

قاصد خط لئے دوڑا ہوا آیا، تو قلب خوف زدہ ہوگیا۔

قلنا لک الویل ماذا فی کتابکم   قالوا الخلیفۃ امسی مثبتا وجعا

ہم نے کہا تیری ہلاکت! خط میں کیا ہی؟ کہنے لگا خلیفہ سخت بیماری اور تکلیف میں ہی۔

فمادت الارض او کادت تمید بنا   کأن اغبر من ارکانہا انقلعا

قریب تھا زمین ہمیں لیکر جھک جائے۔ گویا اُس کا کوئی ستون اکھڑ گیا ہی

اودی ابن ہند واودی المجد یتبعہ   کانا جمیعا فظلا یسریان معا

ہند کا لڑکا (معاویہ) مرگیا اور عزت بھی مرگئی۔ وہ دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے تھے اب بھی دونوں ساتھ چلے جارہی ہیں۔

لا یرفع الناس ما اوہی وان جہدوا   ان یرفعوہ ولا یوہون ما رفعا

جو گر رہا ہے اُسے آدمی لاکھ کوشش کریں اُٹھا نہیں سکتے اور جو اُٹھ رہا ہے اُسے لاکھ چاہیں گرا نہیں سکتے۔

اغر ابلج یستسقی الغمام بہ   لو قارع الناس عن احلامہم قرعا

مبارک و خوبصورت جس کے واسطے سے باران رحمت طلب کیا جاتا ہی۔ اگر لوگوں کی عقلوں کا امتحان ہو تو وہ سب پر بازی لے جائیگا۔

(استیعاب۔ طبری)

یزید کا خطبہ

تین دن یزید گھر سے نہیں نکلا۔ پھر مسجد میں آیا اور حسب ذیل خطبہ دیا:

"تمام ستائش اُس خدا کے لئے ہی جو اپنی مشیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہی، دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہی محروم کردیتا ہی کسی کو عزت دیتا ہی، کسی کو ذلت دیتا ہی۔ لوگو! معاویہ، خدا کی رسیوں میں سے ایک رسی تھا۔ جب تک خدا نے چاہا اُسے دراز کیا پھر اُسے اپنی مشیت سے کاٹ ڈالا۔ معاویہ اپنے پیش روں سے کمتر اور بعد والوں سے بہتر تھا۔ میں اُسے پاک ثابت کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اب وہ اپنے رب کے پاس پہنچ گیا ہی۔ اگر اُس سے درگزر کرے تو یہ اُس کی رحمت ہی اگر اُسے عذاب دے تو یہ اُس کے گناہ کا عذاب ہوگا۔ میں اُس کے بعد برسرِ حکومت آیا ہوں۔ نہ سرکش ہوں نہ کمزور ہوں۔ جلد بازی نہ کرو۔ اگر خدا کوئی بات ناپسند کرتا ہی، بدل ڈالتا ہی۔ اگر پسند کرتا ہی تو آسان کردیتا ہی"

بریدِ شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

ایشیائے کوچک اور یورپ کا اتصال۔ ٹرکی میں اشاعت اسلام۔ ۲۳ جولائی کی عید۔ ترکی موسیقی یا مغربی موسیقی؟ - غازی مصطفےٰ کمال کا سفر آدرنہ۔ درہ دانیال کی قلعہ بندی

ایشیا اور یورپ کا اتصال

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا سفر آستانہ، محض تفریح کے لئے نہ تھا بلکہ وہ برابر اہم مسائل کے حل میں مصروف رہی۔ ایک ضروری مسئلہ یہ بھی تھا کہ یورپین ٹرکی کو ایشیائے کوچک سے متصل کردیا جائے۔ چنانچہ اس بارے میں دو تجویزیں زیر غور ہیں۔ ایک یہ کہ باسفورس پر ایک عظیم معلق پل تعمیر کیا جائے۔ یہ پل اُسی طرح کا ہوگا جیسا بروکلین کا پل ہی، جو اس جزیرے کو نیویارک سے متصل کرتا ہی۔ دوسری تجویز یہ ہی کہ باسفورس کے نیچے سرنگ کھودی جائے اور اُس میں زیر زمین ریلوے جاری ہو۔ مبصرین کا رجحان اسی آخری تجویز کی طرف ہی۔ ترکی میزانیہ میں اس غرض کے لئے ایک رقم موجود ہی۔ مگر وہ ناکافی ہے۔ خیال کیا جاتا ہی کسی جرمن کمپنی کو اس کا ٹھیکہ دیا جائے گا۔ جب یہ پل یا زمین دوز ریل جاری ہوجائے گی تو ایشیائے کوچک سے یورپین ٹرکی بالکل متصل ہوجائے گا اور نقل و حرکت میں بڑی سہولت ہوجائے گی۔

ٹرکی میں اشاعت اسلام

ادہر کچھ مدت سے اُن لوگوں کے لئے دقتیں پیش آرہی تھیں، جو دین اسلام قبول کرنا چاہتے تھے، کیونکہ جدید قانون مدنی کے اعلان کے بعد وہ قواعد منسوخ ہوگئے ہیں جو اس بارے میں پہلے جاری تھے۔ پہلے دستور یہ تھا کہ جب کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرنا چاہتا تھا تو حاکم کے سامنے درخواست پیش کرتا تھا۔ حاکم اُس کے اصلی دین کے پیشوا کو طلب کرتا، اور پیشوائے دین اپنے اس ہم مذہب کو جس قدر سمجھا بجھا سکتا تھا، سمجھاتا بجھاتا۔ اگر وہ اُس کی نصیحت قبول کرلیتا، تو اپنے سابق دین پر برقرار رہتا۔ ورنہ مسلمان قاضی کو بلایا جاتا اور وہ اُسے کلمۂ اسلام کی تلقین کرکے مسلمان بنالیتا۔

لیکن اب جدید قانون نے یہ سب رسمیں موقوف کردی ہیں۔ اب اسلام لانے کے لئے صرف اس قدر کرنا پڑتا ہی کہ مفتی کے سامنے اپنی درخواست پیش کردیتا ہی اور وہ اسلام کے اصول و تعلیمات واضح کرکے اُسے مسلمان بنالیتا ہی۔

یہاں کے اخبارات کا بیان ہی کہ نو مسلموں کی تعداد روز بروز بڑہتی جاتی ہی۔

۲۳ جولائی کی عید

تمام ترکی قوم نے ۲۳ جولائی کو بڑے جوش و خروش سے عید منائی۔ یہ عید دراصل اُس تاریخی دن کی یادگار ہی جبمیں قوم نے سلطان کی مطلق العنان حکومت کو "دستور" یا "مشروطیت" (کانسٹیٹیوشن) پر مجبور کیا تھا۔ یہ واقعہ ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء میں پیش آیا تھا۔ اگرچہ اب اعلان جمہوریت کے بعد یہ دستور بھی منسوخ ہوگیا ہی، لیکن چونکہ یہ دن، دور جدید کا سنگ بنیاد ہی، اس لئے ترکی قوم ابتک اُسے ایک قومی و وطنی عید کی طرح مناتی ہی۔

ترکی موسیقی یا مغربی موسیقی؟

یہاں ایک مدت سے یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ ترکی موسیقی باقی رہی یا اُس کی جگہ مغربی موسیقی قبول کرلی جائے؟ یورپین موسیقی کے حامی کہتے تھے کہ ترکی موسیقی، ناقص ہی۔ اتنی ناقص کہ ۵ آدمی بھی ایک ساتھ ہوکر کوئی راگ پوری طرح ادا نہیں کرسکتے۔ ترکی موسیقی کے حامی کہتے تھے کہ بلاشبہ ترکی موسیقی میں ترقی کی بہت گنجایش ہی مگر وہ ناقص نہیں ہی۔ اس بحث نے بالآخر مقابلہ کی صورت اختیار کرلی اور کل ترکی موسیقی کے ۱۲۰ ماہر اپنا فن دکھانے کے لئے جمع ہوئے۔

(آپکے قارئین غالبًا اس واقعہ سے واقف ہونگے کہ ایک زمانہ میں ترکی موسیقی ترقی یافتہ موسیقی تھی۔ ترک اس فن کے اُستاد تسلیم کئے جاتے تھے۔ اُنھوں نے اس میں بہت سی ایجادیں کی تھیں اب تک اُن کی بعض ایجادیں مغربی موسیقی میں موجود ہیں۔ یہی باعث ہے کہ وہ اب تک اپنی موسیقی پر ناز کرتے اور اس سے دست بردار ہونے پر طیار نہیں ہیں (یورپ کے مورخین نے اعتراف کیا ہی کہ موجودہ قسم کا فوجی باجہ اور فوجی راگ سب سے پہلے ترکوں ہی نے ایجاد کیا۔ الہلال)

چنانچہ کل کے یادگار جلسے میں بے شمار مخلوق جمع تھی۔ جلسہ کا افتتاح، موسیقی کے مشہور پروفیسر رؤف یکتا بک نے اپنی تقریر سے کیا۔ اُنھوں نے کہا:

"ترکی موسیقی کو یورپین موسیقی پر نمایاں امتیاز حاصل ہی لیکن چونکہ ہمارے مخالف اس فن شریف ۔ ۔ ۔ بے بہرہ ہیں اس لئے میں نئی دلائل کی جگہ شہرۂ آفاق فرانسیسی ماہر فن، مسٹر سالس کا قول پیش کرتا ہوں۔ اس اُستاد نے لکھا ہی "جس موسیقی کو ہم حقارت کے ساتھ مشرقی موسیقی کہتے ہیں، وہ مغربی موسیقی سے بہت بلند اور ممتاز ہی!"

اس کے بعد ۱۲۰ ترکی اُستادوں نے اپنے اسلاف مثلًا بکر الدبی سید نوح، شیخ ذکائی وغیرہ کے راگ ایک ساتھ گائے، اور اس

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقاتِ وفات میں

امیر معاویہ بن ابی سفیان

امیر معاویہؓ بن ابی سفیان کی شخصیت تعارف سے بے نیاز ہے عرب کا عزم، حزم، عقل، تدبر، پورے تناسب سے اس دماغ میں جمع ہوگیا تھا۔ عربی کتب ادب و تاریخ اُن کی تدبر و سیاست کے واقعات سے لبریز ہیں۔ تقریبًا پوری زندگی امارت و حکومت میں بسر ہوئی۔ اور ہمیشہ اُن کی سیاست کامیاب رہی وہ اُس عہد کے ایک پورے سیاسی آدمی تھے۔

ایک عجیب عزم

جب مرض نے خطرناک صورت اختیار کرلی اور لوگوں میں اُنکی موت کے چرچے ہونے لگے، تو امیر معاویہؓ کو فتنہ و فساد کا اندیشہ پیدا ہوا۔ ولی عہد، یزید، (جسے جبرًا بزور شمشیر ولی عہد منوایا گیا تھا) دارالخلافہ سے دُور تھا اور ابتری پیدا ہوجانے کا قوی احتمال تھا۔ اُنھوں نے فورًا اپنے تیمارداروں سے کہا:

"میری آنکھوں میں خوب سُرمہ لگاؤ۔ سر میں تیل ڈالو"

حکم کی تعمیل کی گئی، سرمہ اور روغن نے بیمار چہرے میں تازگی پیدا کردی۔

پھر اُنھوں نے حکم دیا:

"میرا بچھونا اونچا کرو۔ مجھے بٹھا دو۔ میرے پیچھے تکئے لگا دو"

اس حکم کی بھی تعمیل کی گئی۔

پھر کہا:

"لوگوں کو حاضری کی اجازت دو۔ سب آئیں اور کھڑے کھڑے سلام کرکے رخصت ہوجائیں۔ کوئی بیٹھنے نہ پائے"

لوگ اندر آنا شروع ہوئے۔ جب وہ سلام کرکے باہر جاتے تو آپس میں کہتے "کون کہتا ہے خلیفہ مر رہے ہیں؟ وہ تو نہایت تر و تازہ اور تندرست ہیں!"

جب سب لوگ چلے گئے تو امیر معاویہ نے یہ شعر پڑھا:

وتجلدی للشامتین اریھم ۔۔۔ انی لریب الدھر لا اتضعضع

شماتت کرنے والوں کے سامنے اپنی کمزوری ظاہر ہونے نہیں دیتا میں انھیں ہمیشہ یہی دکھاتا ہوں کہ زمانہ کی مصائب مجھے مغلوب نہیں کرسکتیں۔ (طبری ج ۶)

دُنیا کی بے ثباتی

ان ہی دنوں علالت میں قریش کی ایک جماعت، عیادت کو آئی۔ امیر معاویہ نے اس کے سامنے دُنیا کی بے ثباتی کا نقشہ ان لفظوں میں کھینچا: "دنیا! آہ دنیا! اس کے سوا کچھ نہیں جسے ہم اچھی طرح دیکھ چکے ہیں اور جس کا خوب تجربہ کرچکے ہیں۔ خدا کی قسم، ہم اپنی جوانی کے عالم میں دُنیا کی بہار کی طرف دوڑے، اور اُس کے سب مزے لُوٹے مگر ہمنے دیکھ لیا کہ دنیا نے جلد پلٹا کھایا۔ بالکل کایا پلٹ کردی۔ ایک ایک کرکے تمام گرہیں کھول ڈالیں۔ پھر کیا ہوا؟ دُنیا نے ہم سے بیوفائی کی۔ ہماری جوانی چھین لی۔ ہمیں بوڑھا بنادیا۔ آہ، یہ دُنیا کتنی خراب جگہ ہے؟ یہ دُنیا کیسا بُرا مقام ہے؟"

(احیاء علوم الدین جلد ۴)

آخری خطبہ

امیر معاویہ نے اپنی بیماری میں آخری خطبہ یہ دیا:

"اے لوگو! میں اُس کھیتی کی بالی ہوں جو کٹ چکی ہے۔ مجھے تم پر حکومت ملی تھی۔ میرے بعد جتنے حاکم آئیں گے، مجھ سے بُرے ہونگے ٹھیک اُسی طرح، جیسے اگلے حکام مجھ سے اچھے تھے۔

(احیاء ج ۴)

حسرت

جب وقت آخر ہوا تو کہا، مجھے بٹھا دو۔ چنانچہ بٹھا دئیے گئے۔ دیر تک ذکر الٰہی میں مصروف رہے۔ پھر رونے لگے اور کہا:

"معاویہ! اپنے رب کو اب یاد کرتا ہے جبکہ بڑھاپے نے کسی کام کا نہیں رکھا اور جسم کی چولیں ڈھیلی ہوگئیں۔ اُسوقت کیوں نہ یہ خیال آیا جب شباب کی ڈالی تر و تازہ اور ہری بھری تھی؟

پھر چلا کر روئے اور دعا کی:

"اے رب! سخت دل، گنہگار، بوڑھے پر رحم کر! الٰہی! اُس کی ٹھوکریں معاف کردے! اُس کے گناہ بخش دے! اپنے وسیع حلم کو اُس شخص کے شامل حال کر جسنے تیرے سوا کسی سے اُمید نہیں کی، تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کیا!"

(احیاء ج ۴)

بیٹیوں سے خطاب

تیمارداری اُن کی دونوں لڑکیاں کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ اُنہیں کروٹ بدلانے لگیں تو اُنھیں بغور دیکھ کر کہا: تم ایک ڈانواں ڈول وجود کو کروٹیں بدلوا رہی ہو۔ اُسنے دُنیا بھر کے خزانے جمع کرلئے لیکن کاش وہ دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

لقد سعیت لکم من سعی ذی نصب ۔۔۔ وقد کفیتکم التطواف والرحلا

میں نے تمھارے لئے بہت سخت محنت سے کوشش کی اور تمھیں دربدر ٹھوکریں کھانے سے بے پرواہ کردیا۔ (طبری)

اپنی فیاضی کی یاد

وفات سے کچھ پہلے اشہب بن رمیلہ کے یہ شعر پڑھے جو اُسنے قباع کی مدح میں کہے تھے:

اذا مت، مات الجود وانقطع الندی ۔۔۔ من الناس الا من قلیل مصرد

تیری موت کے ساتھ سخاوت اور فیاضی بھی مرجائیگی۔

وردت اکف السائلین وامسکوا ۔۔۔ من الدین والدنیا بخلف مجدد

سائلوں کے ہاتھ لوٹا دئیے جائینگے اور دین اور دُنیا کی محرومیاں اُن کے انتظار میں ہوں گی۔

یہ سُن کر اُن کی لڑکیاں چلا اُٹھیں "ہرگز نہیں، امیر المومنین! خدا آپ کو سلامت رکھے!"

اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف یہ شعر پڑھ دیا:

واذا المنیۃ انشبت اظفارھا ۔۔۔ الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

جب موت اپنے ناخن گاڑ دیتی ہے تو کوئی تعویذ بھی نفع نہیں پہنچاتا

نصیحت

پھر بیہوش ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد آنکھ کھولی اور اپنے عزیزوں کو پاس دیکھ کر کہا:

"اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا۔ کیونکہ جو ڈرتا ہے، خدا اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ اُس شخص کے لئے کوئی پناہ نہیں جو خدا سے بے خوف ہے"

(طبری)

یزید کی آمد

امیر معاویہؓ کی نازک حالت سے، قاصد کے ذریعہ، ولی عہد یزید کو مطلع کیا گیا۔ وہ فورًا روانہ ہوا۔ پہنچتے پہنچتے حالت اور بھی ابتر ہو چکی تھی۔ یزید جب پہونچا تو سکرات موت کی حالت شروع ہوچکی تھی اسنے باپ کو پکارا مگر وہ بول نہ سکے۔ یزید رونے لگا اور یہ شعر پڑھے:

لو عاش حی علی الدنیا لعاش اما ۔۔۔ م الناس لا عاجز لا دکل

اگر کوئی آدمی بھی دنیا میں ہمیشہ زندہ رہتا تو بلا شک آدمیوں کا امام زندہ رہتا، وہ نہ عاجز ہے، نہ کمزور ہے۔

الحول القلب والاریب ولن ۔۔۔ یدفع وقت المنیۃ الحیل

وہ بڑا ہی عاقل و مدبر و فہیم ہے۔ لیکن موت کے وقت کوئی تدبیر بھی کام نہیں آتی"۔

یزید سے خطاب

معاویہ نے یہ سُنکر آنکھیں کھول دیں اور کہا:

"اے فرزند! مجھے جس بات پر خدا سے سب سے زیادہ خوف ہے وہ تجھ سے میرا برتاؤ ہے۔ جان پدر! ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ سفر میں تھا۔ جب آپ ضروریات سے فارغ ہوتے یا وضو کرتے تو میں دست مبارک پر پانی ڈالتا۔ آپنے میرا کُرتا دیکھا وہ مونڈھے سے پھٹ گیا تھا۔ فرمایا "معاویہ! تجھے کرتا پہنا دوں؟" میں نے عرض کیا "میں آپ پر قربان! ضرور" چنانچہ آپنے کرتا عنایت کیا مگر میں نے ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں پہنا۔ وہ اب تک میرے پاس موجود ہے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال ترشوائے میں نے تھوڑے سے بال اور کترے ہوئے ناخن اُٹھالئے تھے وہ بھی آجتک میرے پاس شیشی میں رکھے ہیں۔ دیکھ، جب مرجاؤں تو غسل کے بعد یہ بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں اور منہ میں رکھ دینا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کُرتا بچھا کر مجھے اُس پر لٹانا اور کفن پہنانا۔ اگر مجھے کسی چیز سے نفع پہنچ سکتا ہے تو وہ یہی

(استیعاب۔ عقد الفرید)

سکرات موت

سکرات کے عالم میں یہ شعر زبان پر جاری تھا:

فہل من خالد اما ہلکنا ۔۔۔ وہل بالموت یا للناس عار

ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ اُس کے ارکان کا انتخاب، تمام باشندوں کی طرف سے ہو۔ لیکن وقت کی تنگی اور باشندوں کے اشغال کی کثرت مانع آئی۔ مجبوراً ہمنے یہ کیا کہ ہر محلے سے معزز آدمیوں کی ایک ایک جماعت طلب کی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ صرف یہی لوگ معزز اور نیک ہیں۔ کیونکہ تمام مسلمان جسم واحد کی مانند ہیں۔ ہمنے تمھیں اسی غرض سے طلب کیا ہے کہ جدید مجلس شوریٰ کے لئے ارکان کا انتخاب کرو۔ انسان پر فرض ہے کہ ایسے معاملات میں اپنے قلب کا فرمانبردار نہ بنے، کیونکہ قلب ہمیشہ ہوا و ہوس کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔ تمھیں عقل و تدبر سے کام لینا چاہئے اور تجربہ کار اور قابل لوگوں کو منتخب کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر مجلس صحیح بنیادوں پر قائم ہوجائے گی تو ملک اُس سے بڑے بڑے فوائد حاصل کرسکے گا۔ تم وہی لوگ منتخب کرو جنھیں مخلص اور باشندوں کے حقوق کی حفاظت کرنے والا یقین کرتے ہو۔ یہ اس لئے کہ حکومت تو اپنے حقوق کسی نہ کسی طرح حاصل ہی کرلیتی ہے۔ لیکن باشندوں کے حقوق تلف ہوسکتے ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں کا انتخاب ہونا چاہئے جو تمھارے حقوق کے تحفظ کی قابلیت و جرأت رکھتے ہوں۔ یہ لوگ تمھارے نمائندے اور وکیل ہونگے۔ والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ"

سُلطان کی دوسری تقریر

سُلطان نے دوسری تقریر مجلس شوریٰ کے ارکان کے سامنے کی۔ اُس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"حضرات ارکان مجلس! میں آپ کو سلام کرتا اور اُس اعتماد پر آپکو مبارکباد دیتا ہوں جس کا آپکے ابنائے ملک نے آپ کو اہل سمجھا اور آپ کو اس مجلس کے لئے منتخب کیا۔ مجلس شوریٰ درحقیقت اُن بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے جن پر قانونی حکومتیں قائم ہوا کرتی ہیں۔ یہی وہ شوریٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں وارد ہے "وامرہم شوریٰ بینہم" میں یہ دیکھ کر نہایت مسرور ہوں کہ آپ اس مجلس میں شریک ہوکر ملک کی خدمت اور حدود شرعیہ کے قیام و حفاظت کی کوششوں میں حکومت کا ہاتھ بٹانے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری گردن پر ایک بڑی امانت رکھ دی ہے۔ ہم اس بوجھ کے اُٹھانے میں اپنے تئیں اہل فضل و حمیت کی امداد و اعانت کا محتاج پاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہم نے شہر کے رؤسا و اکابر کو اس مجلس کے لئے دعوت دی اور اُنھوں نے آپ کو اپنے اعتماد کا اہل سمجھکر منتخب کرلیا۔ اب ہم نے اپنی ذمہ داری اُٹھاکر آپکے کاندھوں پر رکھ دی ہے۔ میں بصد عجز و زاری اللہ بزرگ و برتر سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو ملک اور اہل ملک کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ اپنے فرائض کی انجام دہی کے اثنا میں دیکھ لیں گے کہ حکومت اصلاحات کے جاری کرنے میں پوری طرح سنجیدہ اور مستعد ہے۔ یقیناً آپنے اس کا آغاز اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا ہوگا۔ ہمنے تفتیش و اصلاح کی ایک علحدہ مجلس بنا دی ہے جس کا کام یہ ہے کہ حکومت کے تمام محکموں کی جانچ کرے، اور اُن صورتوں پر غور کرے جن سے اُن کی اصلاح و درستگی ہوسکتی ہے۔ یہ کمیٹی اپنے عمل کا ایک مرحلہ طے کر چکی ہے، لیکن ابھی اُسے بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

عنقریب آپکی مجلس میں بڑی بڑی تجویزیں پیش ہوں گی۔ حکومت کے محکموں کے میزانیہ بھی پیش ہونگے۔ آپ اُن پر غور کرینگے اور اپنے فیصلے صادر کریں گے۔ ملک کو سب سے زیادہ ضرورت پانی کی ہے۔ آپکے سامنے جدید قسم کے کنوئیں کھودنے کی تجویز آئے گی۔ اسی طرح اور بہت سے مفید کام آپ کو کرنا ہونگے۔ مثلاً جدہ اور مکہ کے مابین عمدہ سڑکوں کا اجرا، مکہ کی بعض سڑکوں کی توسیع، ڈاک اور تار کے صیغہ کی اصلاح، اس محکمہ نے وہ تمام طیاریاں مکمل کرلی ہیں جو بین الاقوامی ڈاکخانوں کے ضمن میں شامل ہونے کے بعد اب اُسے عمل میں لانی ہیں۔ نیز تعلیم کی اشاعت کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے۔ آپکو اس پر غور کرنا اور تمام ملک کے لئے ایک ہی تعلیمی لائحہ (پروگرام) بنانا ہے۔ حکومت چاہتی ہے کہ تعلیم تمام ملک میں عام ہوجائے۔ کوئی قریہ بلکہ کوئی قبیلہ بھی اس سے محروم نہ رہنے پائے۔ نیز حفظان صحت، حجاج کے آرام و راحت، مطوفون کی تنظیم، اور اسی طرح کے تمام اہم کام آپکے سامنے ہیں اور آپکی توجہ کے منتظر ہیں۔ آخر میں اس مجلس کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ ہمارے تمام کاموں کو کامیاب کرے۔ والسلام علیکم"

مجلس شوریٰ کا نظام

مجلس شوریٰ کا نظام بالاختصار حسب ذیل ہے:

دفعہ (۱) یہ مجلس ۸ ارکان سے مرکب ہوگی۔

دفعہ (۲) مجلس شوریٰ کا صدر نائب السلطنت ہوگا۔

دفعہ (۳) ارکان مجلس کا انتخاب حسب ذیل اصول پر ہوگا:

(۱) ۴ رکن، اہل فضل و تجربہ کے مشورے سے منتخب ہونگے۔

(۲) باقی ۴ رکن حکومت اپنی رائے سے نامزد کرے گی۔ ان میں دو (۲) رکن نجدی ہونگے۔

دفعہ (۴) مجلس شوریٰ کی رکنیت کی مدت دو (۲) سال ہوگی۔ لیکن نصف ارکان ہر سال بدلجایا کرینگے (عام اس سے کہ منتخب ہوں یا نامزد کئے ہوئے) پُرانے ارکان کا دوبارہ انتخاب بھی ہوسکتا ہے۔

دفعہ (۵) مجلس شوریٰ کے رکن بننے کے لئے حسب ذیل شرطیں ہیں:

(الف) اسکی عمر ۲۵ سال سے کم نہ ہو۔

(ب) تجربہ کار اور معاملات کا سمجھنے والا ہو۔

(ج) سزایافتہ اور دیوالیہ نہ ہو۔

(د) نیک چلن ہو۔

دفعہ (۶) حسب ذیل امور مجلس شوریٰ کے سامنے حکومت کی جانب سے پیش ہونگے:

(۱) حکومت کے مختلف محکموں اور بلدیہ (میونسپلٹی) اور سنہ زبیدہ کے میزانیہ (بجٹ)

(۲) اقتصادی و عمرانی لوائح پر عمل کرنے کی اجازت۔

(۳) تجارتی امتیازات اور اقتصادی و مالی تجاویز۔

(۴) نظارت نافعہ (پبلک ورکس) کے لئے کسی جائداد کی ضبطی۔

(۵) نئے قوانین اور انتظامات۔

(۶) میزانیہ میں اگر سال کے اندر مزید اضافہ کی ضرورت ہو۔

(۷) اگر کسی محکمہ کو ۱۰۰ پونڈ سے زیادہ کسی خرچ کی ضرورت پیش آجائے۔

(۸) اجنبی ملازموں کی تقرری۔

(۹) حکومت کے محکمے اگر کمپنیوں یا تاجروں سے دو سو (۲۰۰) پونڈ سے زیادہ کی خرید و فروخت کریں۔

دفعہ (۷) مجلس دو قسموں پر تقسیم ہوگی۔ ہر قسم اُن معاملات پر غور و بحث کرے گی جو اُس کا ناظم پیش کریگا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرینگی اور اپنے کاغذات کا مبادلہ کریں گی تاکہ دونوں کو غور و بحث کا موقعہ ملے۔ اس کے بعد مجلس کے کسی عام جلسے میں دونوں کا فیصلہ منظوری کے لئے پیش کیا جائے گا۔

دفعہ (۸) مجلس کا نصاب (کورم) چار ارکان اور صدر کی موجودگی سے پورا ہوجائے گا اور تجویزیں مجلس کی ۲/۳ ثلث اصوات (ووٹس) سے پاس ہوں گی۔

دفعہ (۹) مجلس ہر ہفتہ دو مرتبہ منعقد ہوگی۔ لیکن صدر کی دعوت پر اس سے زیادہ مرتبہ بھی جمع ہوسکتی ہے۔

دفعہ (۱۰) مجلس کو حق ہے کہ قوانین کی تطبیق میں اگر حکومت سے کوئی غلطی واقع ہوجائے، تو اُسے متنبہ کردے۔

دفعہ (۱۱) اگر حکومت کوئی لائحہ پیش کرے اور مجلس اُسے رد کردے یا اُسمیں ترمیم ضروری سمجھے، اور حکومت مجلس کا فیصلہ منظور نہ کرے، تو ایسی صورت میں نائب السلطنت کو حق ہوگا کہ لائحہ کو مزید توضیح و تشریح کے ساتھ دوبارہ مجلس کے سامنے پیش کردے۔ اگر مجلس اب بھی اسے منظور نہ کرے، تو پھر آخری فیصلہ خود سلطان المعظم کرینگے۔

مجلس کو حق ہے کہ اپنے صدر کے ذریعہ ہر اُس تجویز کے بارے میں سُلطان سے رجوع کرے جسپر ایک ماہ گزرچکا ہو اور کوئی شاہی حکم جاری نہ ہوا ہو۔

مجلس کے ارکان

مجلس شوریٰ کے لئے حسب ذیل ارکان منتخب ہوئے ہیں:

(۱) شیخ یوسف قطان۔

(۲) شیخ احمد سبحی۔

(۳) شیخ صالح شطا۔

(۴) شیخ عبداللہ زوادی۔

(۵) شیخ محمد بن یحیٰی بن عقیل۔

(۶) شیخ عبداللہ ابراہیم جفالی۔

(۷) شیخ عبدالعزیز بن زید۔

(۸) شیخ عبدالوہاب عطار۔

ایک اُمید افزا واقعہ

کچھ مدت ہوئی، بعض اہل مکہ نے سلطان ابن سعود کے پاس بھیجنے کے لئے ایک محضر طیار کیا تھا اور اُس میں محکمۂ حفظان صحت کی شکایتیں لکھی تھیں۔ یہ محضر ایک شخص حسن سلیمان کو دیا گیا تاکہ سلطان تک پہنچا دے۔ اُس زمانہ میں نائب السلطنت امیر فیصل مکہ میں موجود نہ تھے۔ اُن کی غیر موجودگی میں اُن کے مشیر خاص شریف حسین عدنان اور شیخ عبدالعزیز عتیقی، حکومت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اس محضر کا حال ان دونوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے شخص مذکور کو طلب کیا اور حکم دیا کہ محضر انکے حوالہ کردے۔ اُسنے انکار کیا۔ امیر شریف حسن عدنان نے غصہ میں آکر اُسے دو گھنٹہ کے لئے قید کردیا۔

شخص مذکور نے رہا ہوتے ہی حکومت کے ان دونوں بڑے عہدے داروں پر (جو گورنر کے قائم مقام تھے) مقدمہ دائر کردیا۔ نالش میں حسب ذیل الزام لگائے تھے:

(۱) اُنھوں نے سلطان المعظم کی توہین کی کیونکہ وہ محضر لے لینا چاہا جو سلطان کی خدمت میں پیش ہونے والا تھا۔

(۲) اُنھوں نے مدعی کو سلطان تک پہنچنے سے روکنا چاہا۔

(۳) اُنھوں نے بغیر کسی قانونی موجب کے مدعی کو قید کیا۔

(۴) اُنھوں نے سرکاری محکمہ کے خلاف شکایتوں کی تحقیقات نہیں کی۔

سلطان نے دعویٰ مع کاغذات مجلس تفتیش کے حوالے کردئے اور حسب ذیل دو سوالوں کے جواب طلب کئے:

(۱) کیا مدعا علیہما کو اس کارروائی کا حق تھا جو اُنھوں نے کی؟

(۲) کیا اُنھیں ایسی کارروائیاں کرنے کے لئے چھوڑ دینا چاہئے؟

مجلس تفتیش نے پوری طرح تحقیقات کی، مدعی، مدعا علیہما اور گواہوں کے بیانات سُنے، اور بالآخر سلطان کے سوالوں کے یہ جواب بھیجے:

(۱) اُنھیں اس کارروائی کا ہرگز حق نہ تھا۔

(۲) اُنھیں بغیر سزا کے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

نیز مجلس نے یہ قانون بھی بنایا کہ جو عہدہ دار بھی خلاف انصاف و قانون کام کرے گا، یا کسی کے حق پر دست درازی کرے گا، اُسے سرکاری خدمت سے بلاتوقف الگ کردیا جائے گا۔

مجلس کا فیصلہ معلوم کرکے سلطان نے دونوں عہدے داروں کو فوراً برخاست کردیا اور آئندہ کے لئے بھی انھیں سرکاری خدمت سے محروم کردیا۔

خوبی سے ادا کئے کہ سب کو تسلیم کرلینا پڑا کہ ترکی موسیقی عظیم صلاحیت رکھتی ہے۔

غازی مصطفےٰ کمال کا سفر ادرنہ

مشہور ترکی تاریخی شہر ادرنہ کے ایک وفد نے آکر غازی مصطفےٰ کمال پاشا کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دی۔ موصوف نے دعوت منظور کرلی۔ خیال کیا جاتا ہے اس سلسلہ میں وہ تھریس کے اہم شہروں کا بھی معائنہ کریں گے۔

درۂ دانیال کی قلعہ بندی

اخبارات کا بیان ہے کہ مصطفےٰ کمال پاشا نے آستانہ میں پہنچ کر جنگی اور ملکی افسروں اور ماہروں کے ساتھ اُن تدابیر پر بھی غور کیا ہے جن سے مستقبل میں قسطنطنیہ کی حفاظت بھی ہوجائے اور وہ آزاد تجارتی بندرگاہ بھی باقی رہے۔ چنانچہ طے پایا ہے کہ امریکہ سے ایک قرض حاصل کیا جائے اور اس روپیہ سے درۂ دانیال، اور باسفورس کی پورے طور پر قلعہ بندی کردی جائے۔ ناظرین کو معلوم ہے کہ معاہدۂ لوزان میں اس بارے میں بعض پابندیاں موجود ہیں۔ مگر اب بظاہر ترک اُن پابندیوں کی پرواہ کرنا نہیں چاہتے۔

اطلاع ضروری

الہلال میں لاہور کی "الہلال بک ایجنسی" کا اشتہار شائع ہو رہا ہے۔ اور اُس کا پتہ صاف درج ہے لیکن بعض حضرات صرف الہلال کا نام دیکھ کر درخواست الہلال کے دفتر میں بھیجدیتے ہیں اور بلا ضرورت خط و کتابت کرنی پڑتی ہے۔

اس "الہلال بک ایجنسی" سے رسالہ الہلال کلکتہ کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ لاہور کی ایک بک ایجنسی ہے۔ اور اسی کا پورا پتہ اس کے اشتہار کے نیچے درج ہے۔

مکتوب حجاز

اصلاح و ترقی کا اعلان اور عالم امید و بیم!

ذیل میں ہم اپنے مقالہ نگار مقیم جدہ کا مکتوب ترجمہ و اختصار کے بعد درج کرتے ہیں۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ آئندہ مسلسل مقالات بھیجتے رہیں گے۔ مقالہ نگار نے جس احتیاط اور اعتدال نظر کے ساتھ حالات حجاز پر نظر ڈالی ہے، ہم اُس کا اعتراف کرتے ہیں، مگر ہمیں خوف ہے کہ بحالت موجودہ اُنھوں نے حکومت کی بیان کردہ "اصلاحات" سے جو امیدیں قائم کی ہیں وہ قبل از وقت ثابت ہوں گی اس راہ میں سب سے پہلی چیز اہل، کارداں، اور مخلص کارکنوں کا وجود ہے، اور جہاں تک ہماری معلومات ہے، ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حکومت حجاز اُن سے یکقلم تہی دست ہے۔ خود مقالہ نگار بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا

امید و بیم

حجاز کی موجودہ حالت، ہر اعتبار سے، امید و بیم کے متضاد اثرات کی ایک مرکب تصویر ہے!

ایک طرف امید کی شعاعیں چمکنا شروع ہوگئی ہیں تاکہ صدیوں کی تاریکی کا مقابلہ کریں۔ دوسری طرف مایوسی کی ظلمت اتنی شدید و وسیع ہے کہ نہیں کہا جاسکتا مستقبل قریب میں ہمیں روشنی کی تابناکی کا انتظار کرنا چاہئے، یا ظلمت کے احاطۂ در فتح مندی کا؟

ایک طرف سلطان ابن سعود کی شخصیت اور اُس کی سطوت و طاقت کا ظہور ہے جسنے تھوڑے ہی عرصہ کے اندر ملک میں امن قائم کردیا، تمام سرکش جماعتیں قابو میں آگئیں نظم و اصلاح کے لئے زمین طیار ہوگئی، اور اگر حکومت کے مزاج میں صلاحیت اور اعضاء حکومت میں کاردانی ہو، تو بہت جلد سرزمین حجاز کا ایک نیا دور شروع ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری طرف نظر اُٹھائیے تو حکومت کا مزاج غیر صالح، کارداں اشخاص تقریباً ناپید، اصحاب اغراض کا ہر طرف سے ہجوم، مخلص و مغرض میں امتیاز مسدود، اور اہل و غیر اہل کے لئے کوئی معیار نہیں ہے۔ سلطان صحرا سے نکلکر حجاز آگئے ہیں اور آتے ہی ایک منظم و متمدن حکومت کی از سرِ نو تخلیق کی مہم پیش آگئی ہے۔ ارادے پیدا ہوتے ہیں، مگر وجود میں نہیں آسکتے۔ ہمت اُٹھتی ہے، مگر قدم نہیں اُٹھا سکتی۔ کام اہم اور مشکلات سے لبریز ہے۔ ضرورت صلاحیت، صبر، استقامت، اور انتظار کی ہے، لیکن اوپر سے لے کر نیچے تک ہر وجود نفع عاجل کا شیفتہ ہے، اور اس لئے کوئی صحیح اور دقیع قدم اُٹھ نہیں سکتا۔

اصلاحات کا اعلان

لیکن حال میں مجلس شوریٰ کے قیام اور بعض ارکان حکومت کے تغیر و تبدل سے طلبگاران اصلاح کو جو نئی اُمیدیں دلائی گئی ہیں وہ ضرور قابل توجہ ہیں، اور ضروری ہے کہ اُن کا اعتراف کیا جائے ممکن ہے کہ اُن کی موجودہ صورت و حالت آپکی نظروں میں زیادہ وقعت حاصل نہ کرسکے، لیکن اہل حجاز کے لئے جو صدیوں سے "اصلاح" اور "قانون و ادارہ" کے معانی سے ناآشنا ہوچکے ہیں، یہ یقیناً ایک اُمید افزا اقدام ہے۔

سلطان کی تقریریں

مجلس شوریٰ کے افتتاح کے لئے "مجیاد" میں ایک شاندار جلسہ ہوا تھا۔ سلطان نے اس موقعہ پر دو تقریریں کیں: ایک عام حاضرین کو مخاطب کرکے۔ دوسری مجلس شوریٰ کے ممبروں کے سامنے۔ پہلی تقریر کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"میں مکہ کے باشندوں کو اس اجتماع کا مقصد بتلانا چاہتا ہوں۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ یہاں کے باشندے ہم سے (یعنے اہل نجد سے) زیادہ سے زیادہ اختلاط رکھیں اور زیادہ سے زیادہ میل جول بڑھائیں اس اختلاط کے فوائد بے شمار ہیں۔ یہی فائدہ کیا کم ہے کہ ہم میں باہم محبت و اخوت مستحکم ہوگی اور اُن سازشیوں کی تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی جو ہمارے تعلقات خراب کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔

"راعی اور رعیت کی دُوری اور بے تعلقی، خود غرضوں کے لئے میدان کشادہ کردیتی ہے۔ وہ بڑی آسانی سے حق کو باطل اور باطل کو حق کی صورت میں پیش کرنے کا موقعہ پا جاتے ہیں۔ اگر راعی اور رعیت میں نزدیکی نہیں ہے تو ظاہر ہے، ہر خود غرض جب چاہے، حکام کو گمراہ کردے سکتا ہے۔ حاکم ہرگز حقیقت حال سے واقف نہیں ہوسکتا اور بلا قصد رعایا کے لئے مصیبت پیدا کردے سکتا ہے۔ لیکن اگر حاکم و محکوم میں تعارف و تقارب کے رشتے موجود ہوں، تو خود غرض لوگ حکام کو دھوکا دینے سے ڈرینگے۔ مبادا اُن کی بدنیتی اور دروغگوئی طشت از بام ہوجائے"

"آج کے اجتماع سے یہی غرض ہے کہ ہمارے اور باشندوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ قربت و اختلاط قائم ہوجائے۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے اور عام مخلوق کے درمیان ہرگز کوئی پردہ نہیں ہے۔ ہمارے محل کا دروازہ ہمیشہ ہر انسان کے لئے کھلا ہوا ہے۔ نیز ہم بحمد اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے تمام عہدہ داروں کو رعایا سے حسن سلوک کی وصیت کرتے رہتے ہیں۔"

"بلاشبہ، عام مخلوق سے دُوری، نفس و جسم کے لئے آرام و راحت کا موجب ہے۔ لیکن دین اور شرافت کا تقاضہ اس سے منع کرتا ہے۔ دین، مخلوق سے دُوری کی اجازت نہیں دیتا۔ شرافت، مخلوق سے بے پرواہی روا نہیں رکھتی۔ کیونکہ اختلاط اور تعارف میں ہزاروں مصلحتیں اور نیکیاں ہیں۔ یقین کرو ہم اپنی پوری قوت سے اصلاح حال کی کوشش کررہے ہیں۔ سال رواں میں انشاء اللہ ہم بہت سی نئی اصلاحات بھی جاری کرینگے۔ ہماری نظر کے سامنے ہر لمحہ یہ فرمان ربانی موجود ہے "قل اعملوا فسیری اللہ عملکم" (عمل کرو، خدا تمھارا عمل دیکھے گا) ابن آدم اگر نیکی کرتا ہے، تو اپنے فرض سے سبکدوش ہوجاتا ہے۔ نتائج و ثمرات کی بخشش صرف اللہ ہی کے ہاتھ ہے!"

"یہ بالکل یقینی ہے کہ حکام کی درستگی، رعایا کی درستگی ہے بنا بریں ہمارا فرض ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہمیشہ اُس خیر و صلاح کی جستجو میں لگے رہیں جس سے ایک طرف مسلمانوں کی درستگی ہو، دوسری طرف ہمیں خدا کی رضامندی حاصل ہو۔"

"ہم نے بعض عہدے دار معزول کردیئے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ اُنھوں نے کوئی خطا کی تھی، بلکہ اس لئے کہ اُن سے بہتر آدمی مل گئے تھے۔ میں معزول عہدے داروں کا شکر گزار ہوں کہ اُنھوں نے اپنے فرائض ایمانداری سے انجام دئیے تھے۔"

"ہم نے آپ ہی کے آدمیوں کی ایک مجلس بنادی ہے کہ حکومت کے مختلف انتظامی محکموں کی دیکھ بھال کریں، اُنکے نظام پر نظر ڈالیں ہم نے تمام تر ذمہ داری اس مجلس کے کاندھوں پر ڈال دی ہے کیونکہ اہل مکہ اپنے مصالح ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ یہ مجلس اپنے فرائض، بحسن و خوبی انجام دے گی۔

"ہم نے مجلس شوریٰ کے معاملہ پر خوب غور کیا۔ چونکہ یہ مجلس از حد اہم اور باشندوں کے لئے غایت درجہ ضروری و مفید ہے اس لئے

برابر موجود ہوتا تھا۔

ایک واقعہ

حاکم جوف امیر عبداللہ بن عقیل کی بابت مجھے ایک بات ضرور کہدینی چاہئیے۔ یہ حاکم، دوسرے عرب حکام کے برخلاف ذی علم اور وسیع المعلومات ہے۔ شریعۃ حقہ کے مطابق حکومت کرتا ہے۔ اس کے علاقے میں جرائم بالکل ناپید ہیں۔ مثال کے طور پر ایک چشم دید واقعہ لکھتا ہوں:

ایک دن میں امیر موصوف کی مجلس میں موجود تھا کہ ایک شخص نے آکر کہا "میں حائل سے آرہا ہوں۔ جوف سے ۴ دن کے فاصلے پر ایک بھری ہوئی بوری میں نے پڑی دیکھی ہے" حاکم نے سوال کیا "اُس بوری میں کیا ہے؟" شخص مذکور نے جواب دیا کہ "مجھے نہیں معلوم" اس واقعہ کے دوسرے دن ایک اور شخص نے یہی خبر پہنچائی۔ حاکم نے اُس سے بھی یہی سوال کیا۔ اُسنے کہا "اسمیں قہوہ ہے" حاکم نے پوچھا "تونے کیوں کر جانا؟" اُسنے کہا "اپنی لاٹھی سے دباکر" امیر حاکم نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے ۵۰ بید لگا دو۔ مجھے اس سزا پر بہت تعجب ہوا اور امیر سے استفسار کیا۔ اسنے جواب دیا "بوری دیکھنا جرم نہیں ہے، لیکن اسنے یہ جستجو کیوں کی کہ اُس میں کیا ہے؟ یہ اس کا کوئی حق نہ تھا۔ کیونکہ بوری اس کی نہ تھی" اس کے بعد امیر نے مجھے بتایا کہ اہل نجد، عموماً نہایت دیانت دار اور پرہیزگار ہیں اگر راستے میں سونا بھی پڑا ہو تو کبھی اُن کی نیت نہیں بدلے گی!

جوف کا دار الحکومت، ایک قلعہ نما عظیم محل میں واقع ہے۔ اس کا نام "قصر مارد" ہے۔ یہودیوں نے اپنے عروج کے زمانے میں تعمیر کیا تھا باشندوں کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۴۰۰ سال پہلے یہ بنا تھا۔

جوف کے باشندے باوجود غریب ہونے کے بڑے مہمان نواز ہیں۔ مہمان کی خدمت و خاطر فرض عین سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ خوب تندرست ہیں۔ میں نے کوئی شخص بھی کمزور، اور دُبلا نہیں دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا، پوری آبادی میں ایک انسان بھی بیمار نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہے، پیداوار کافی ہے اور باشندے طبیعی اور سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

امیر عبد اللہ نے مجھ سے یہ بھی بیان کیا کہ انگریز اور امریکن سیاحوں نے بار بار کوشش کی کہ علمی اور جغرافیائی تحقیقات کے بہانہ سے آگے بڑھیں۔ مگر سلطان ابن سعود نے اجازت نہیں دی۔ وہ جانتے ہیں کہ اسی قسم کے حیلوں سے اُنھوں نے مشرقی ملکوں میں اپنے قدم جمالئے۔ ایک مرتبہ ایک انگریز مسٹر آلنشر بہت سی موٹریں اور روپیہ لے کر آیا اور یہ ظاہر کیا کہ جوف کی مٹی بہت عمدہ ہے اس لئے وہ مٹی کے برتن بنانے کا کارخانہ قائم کرے گا۔ مگر سلطان نے قیام کی اجازت نہیں دی۔ ایک اور یورپین نے کہا کہ خود پایۂ تخت ریاض میں پٹرول کے زمین دوز چشمے موجود ہیں۔ میں انھیں نکال دے سکتا ہوں۔ مگر سلطان نے اسے بھی منظور نہیں کیا۔ حالانکہ نجد کے باشندوں کو پٹرول کی بہت ضرورت ہے۔ سلطان کی دلی آرزو ہے کہ خالص اسلامی علمی جماعتیں نجد میں آئیں اور یہاں کی قیمتی کانیں نکالیں مگر وہ یورپین کمپنیوں، تاجروں اور "علمی محققوں" کی آمد و رفت سے ڈرتے ہیں۔

خواص و سوانح

زندگی پر آخری نظر

ایک کروڑپتی نے خودکشی کرتے وقت کیا محسوس کیا؟

مسٹر جیمس وھائٹ، لندن کا مشہور کروڑپتی تھا۔ لیکن ایک ناگہانی خسارہ نے اُسے دیوالیہ کردیا۔ گزشتہ ماہ اُسنے زندگی سے بیزار ہوکر خودکشی کرلی۔ لیکن مرنے سے پہلے ذیل کی تحریر لکھکر اپنی میز پر رکھدی تھی:

"میں اسوقت ابدیت و خلود کے دروازہ پر کھڑا ہوں اور دُنیا کے نام اپنا آخری پیام لکھ رہا ہوں۔ میں نے زندگی پر اُس نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالی ہے، جو ایک مرنے والے انسان ہی کا نقطۂ نگاہ ہو سکتا ہے!

***

میرے فنا پذیر عقیدے میں دُنیا کا قدیم عالمگیر تمدن ۴ اگست ۱۹۱۴ء (یعنی جنگ عمومی کے آغاز کی طرف اشارہ کرتا ہے) میں مرگیا۔ اس کے بعد سے ابتک جدید عالمگیر تمدن کی پیدائش نہیں ہوئی ہے۔

***

میں نے پادشاہوں کی میزبانی کی، امیروں کو بے تکلفانہ اُنکے سادہ ناموں سے پکارا۔ میری ملکیت میں شاندار جہاز تھا جسپر میں نے پورے کرۂ ارضی کی سیر کی۔ میرے اصطبل میں اصیل گھوڑوں کی صفیں بندھی تھیں۔ میں تھیٹروں کا بھی مالک تھا۔ بڑی بڑی اخبار جاری کرنے والی کمپنیوں میں بھی میرے حصے تھے۔ میں نے عظیم الشان تجارتی کاروبار کئے۔ میرا راس المال پندرہ کروڑ پونڈ (۲۲۵ کروڑ روپیہ) تک پہنچگیا تھا۔ میں نے صرف ایک دن کے اندر ۰۰۰،۵۰۰،۷ پونڈ نفع کمایا تھا۔ ان حالات میں، میں امید کرتا ہوں کہ سب لوگ مجھ سے اتفاق کرینگے کہ مجھے زندگی کے بارے میں اظہار رائے کا حق حاصل ہے۔

***

"مجھ پر زندگی کے گرم اور سرد، ہر طرح کے موسم گزر چکے ہیں۔ میں نے فاقہ کشی کی مصیبت کا مزہ بھی چکھا ہے، اور میں نے دولت کی سرگرانی بھی محسوس کی ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تین دن کے بھوکے کا احساس کیا ہوتا ہے؟ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ دولت کی فراوانی دل و دماغ پر کیا اثر ڈالتی ہے؟ مجھ پر وہ وقت گزر چکا ہے جب میری کوئی آرزو بھی ایسی نہ تھی جو میری قدرت سے باہر ہو۔ میں نے وہ دن بھی دیکھے ہیں جب ہزاروں انسان اپنے پیٹ کی روٹی کے لئے میرا ہاتھ تکتے تھے!

***

"گھوڑدوڑ کے ایک دور میں میں نے ۰۰۰،۰۰۰،۱ پونڈ جیتے تھے۔ لیکن ایک وقت وہ بھی تھا جب تاش کی ایک بازی میں میری جیت صرف ایک شلنگ تھی! دولتمندی کے لاکھ اور غربت کا ۱ شلنگ! دونوں کی جیت کے الگ الگ اثر میرے دل نے محسوس کئے۔ ایک مرتبہ سنہ ۱۹ میں لندن سے ڈیل تک کی ۸۵ میل کی مسافت، میں نے اپنے پیروں سے طے کی تھی، کیونکہ میرے پاس ریل کا کرایہ نہ تھا۔ پھر ایک وقت وہ بھی دیکھا جب پوری ٹرین صرف میرے لئے روانہ ہوتی تھی تاکہ مجھے منچسٹر پہنچا دیا کرے!

***

"میری زندگی کے ان آخری لمحوں میں میرا حافظہ، زندگی کے تمام انقلابات ایک ایک کرکے میری آنکھوں کے سامنے سے گزار رہا ہے۔ اسوقت میں اس قابل ہوں کہ زندگی پر ایک منصفانہ فیصلہ کی نظر ڈال سکوں!

***

"زندگی کے متعلق میرا نرم سے نرم فیصلہ یہ ہے کہ وہ ایک عظیم انسانی کڑھائی ہے جو طمع، شہوت، اور طاقت کے مہیب آتشیں مادوں پر پک رہی ہے۔ تمام بلند، رقیق، شریف جذبات ناپید ہو چکے ہیں۔ اُن کی جگہ خبیث، فاجرانہ، پرشور عناصر نے لی ہے۔ قوت اور مال کی خواہش اس قدر زبردست ہوگئی ہے کہ بالشویزم کے سوا کوئی دوسری قوت اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

***

"زندگی کے تمام دن باہم مشابہ ہیں، اُکتا ڈالنے والے ہیں، تھکا ڈالنے والے ہیں۔ ایک ہی قسم کے چہرے، ایک ہی قسم کے مزاج، ایک ہی قسم کے دل، ایک ہی قسم کی چیزیں! ہر نیا دن ویسا ہی بُرا جیسا پچھلا دن تھا! ہر نفس طمع و ہوس سے اُسی طرح لبریز جس طرح دنیا کا ہر باشندہ! زیادہ مال کی مجنونانہ طلب! زیادہ عیش کی غرض پرستانہ خواہش! مگر کام بہت کم، نیکی اور بھی کم! انسانوں کی بھیڑ مال جمع کرنے پر ٹوٹ پڑی ہے۔ کسی کو خودداری کا خیال نہیں۔ کسی کو شرافت کی پروا نہیں۔ ایک حساس آدمی کے لئے یہ منظر موت سے کم نہیں!

***

"اسٹیج پر دولت کا کوئی دیوتا نمودار ہوتا ہے۔ خوشامدیوں، چاپلوسوں، ابن الوقتوں کی بھیڑیں اُسپر ٹوٹ پڑتی ہیں، وہ کھلاتا پلاتا ہے۔ جلسے کرتا ہے، لہو و لعب کے تمام سامان مہیا کرتا ہے۔ اُسکی بڑی تعریفیں ہونے لگتی ہیں۔ اُس کی دوستی کا لاکھوں دَم بھرنے لگتے ہیں۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس زمین پر مجھ سے بڑا، مجھ سے زیادہ خوش نصیب کوئی انسان نہیں۔ میں خدا کا پسندیدہ اور اس کی مخلوق کی آنکھ کا تارہ ہوں!

"لیکن ادھر اُس کا سونا چاندی ختم ہوا، اُدھر دُنیا کی نظریں یکا یک پھر گئیں۔ اب نہ دوست دوست ہیں نہ عزیز عزیز۔ حسرت اور ندامت، صرف یہ دو مکروہ رفیق زندگی بھر کی رفاقت کے لئے اُسکے پہلو میں

سیر فی الارض

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
(۳۰ : ۸)

سیّاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثّرات

ایک مصری سیّاح نجد میں

حال میں ایک مصری سیاح نے نجد کی سیاحت کی ہو۔ اُس کے مشاہدات کا خلاصہ حسب ذیل ہو:

صحرائی سفر کا آغاز

صحرا میں سفر کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ میں وہاں کے راستوں، سواریوں اور باشندوں کے طرز معیشت سے بالکل ناواقف تھا۔ میرے اس سفر کا آغاز، شرق اردن کے پائے تخت، عمان سے ہوا۔ میں نے ایک موٹر کرایہ پر لی اور صحرا میں داخل ہوگیا۔ راستے میں کہیں درخت، گھاس، پانی، اور جاندار مخلوق نظر نہیں آئی۔ ہاں کبھی کبھی اونٹوں کے قافلے چلتے دکھائی دیتے تھے۔ اب سے پہلے یہ راستہ نہایت خطرناک تھا۔ بغیر کافی جنگی قوت کے کسی کا بھی جان و مال محفوظ نہ تھا۔ مگر اب بالکل امن و امان ہو۔ کامل ایک دن کے سفر کے بعد میں "قریات الملح" میں پہنچ گیا۔

قریات الملح

اسی مقام سے سلطان ابن سعود کی سلطنت شروع ہوتی ہو۔ میں نے پہنچتے ہی وہاں کے بعض شیوخ قبائل سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ پایۂ تخت نجد، ریاض، جانے کا عزم ہو۔ اُنھوں نے نہایت خوش اخلاقی سے میرا خیر مقدم کیا اور میرے لئے فوراً ۵ اونٹ مہیا کر دئیے۔ ایک میری سواری کے واسطے تھا اور ۴ میرے خدمتگاروں کے لئے۔ یہ خدمتگار بھی انہی شیوخ نے محض اپنی مہربانی سے میری خدمت کے لئے ساتھ کر دئیے تھے۔ اتفاق سے ۵۰ اونٹوں کا ایک قافلہ بھی ریاض جا رہا تھا۔ میں بھی اسی میں شامل ہوگیا۔

یہاں یہ سنکر میرے ہوش اُڑ گئے کہ مجھے بہت طول طویل سفر کرنا پڑے گا۔ یعنی قریات الملح سے جوف تک ۹ دن۔ جوف سے حائل تک ۱۰ دن۔ حائل سے بریدہ تک ۸ دن۔ بریدہ سے ریاض تک ۸ دن یعنی پایۂ تخت تک پہنچنے کے لئے مسلسل ۳۵ دن صحرا میں چلنا پڑے گا۔ پھر راستہ میں ۲۵ دن آرام کے لئے مزید چاہئیں۔ گویا پورے دو مہینے اس بیابانی دنیا میں بسر کرنے ہونگے!

"قریات الملح" جہاں سے ہمارا سفر اونٹ پر شروع ہوا، ایک چھوٹا سا گاؤں ہو اور نجد کو شرق اردن سے جدا کرتا ہو۔ یہ جبل الدروز سے ڈیڑھ دن کے فاصلہ پر ہو۔ اس کا حاکم اعلیٰ، ایک نجدی افسر ہے اور احکام شریعت کے بموجب حکومت کرتا ہو۔ اس کی آبادی ۶۰۰ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ یہاں کی معیشت، گیہوں کی زراعت، نخلستان، اور اونٹوں اور مویشیوں کی پرورش ہو۔ یہاں نمک بھی بنتا ہو، اور صحرائی مسافروں کے ہاتھ اچھی قیمت پر بکجاتا ہو۔ محصول، زکوٰۃ کے نام سے وصول کیا جاتا ہو۔ زکوٰۃ کا نصاب یہ ہو کہ سالانہ ہر ۶ اونٹ پر ۲ مجیدی، ہر ۱۰ اونٹنیوں پر ۱۱۱ قرش مصری (ایک قرش ۲ ر کا ہوتا ہو) ہر سو بکریوں پر دو بکریاں وصول کی جاتی ہیں۔ یہاں جرائم اور فواحش کا نام تک سننے میں نہیں آتا۔ حاکم کو "امیر" کہتے ہیں۔

امیر قریات الملح نے اپنے چبوترے پر (جو اس کی بیٹھک یا دربار عام کی جگہ ہو) میرا استقبال کیا۔ میرے لئے قہوہ حاضر کیا گیا۔ امیر نے بہت اصرار کیا کہ چند دن اُس کا مہمان رہوں۔ مگر مجھے سفر کی جلدی تھی دوسرے دن وہ مجھے اپنے ہمراہ قبیلۂ بنی صخر میں لے گیا۔ یہ قبیلہ اس گاؤں سے ۱۵ کیلو میٹر کے فاصلہ پر ریشمی خیموں کے اندر زندگی بسر کرتا ہو۔ اپنی شجاعت، جرأت، اور غارت گری میں اس قدر مشہور ہو کہ تمام عرب اُس کے نام سے تھراتا ہو۔

صحرا کی زندگی

آگے بڑھنے سے پہلے مجھے صحرا کی زندگی کے متعلق چند تمہیدی کلمے کہدینے چاہئیں۔ سفر شروع کرنے سے پہلے ہی مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ نجد میں سیاحت کے لئے ضروری ہو کہ چہرے پر داڑھی موجود ہو۔ چنانچہ میں نے اپنی داڑھی کی پرورش شروع کر دی تھی۔ نجد کی سرحد میں داخل ہوتے ہوئے میری داڑھی کافی حد تک دراز ہو چکی تھی۔ میں نے بدوی لباس بھی خرید لیا تھا۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ سر بھی منڈانا پڑے گا۔ قریات الملح میں مجھے اس کی خبر ہوئی۔ میں نے اپنا سر نجدی اُستروں کے رحم پر چھوڑ دیا۔ چند لمحوں کے اندر کھوپڑی صاف تھی۔ میں نے آئینہ دیکھا تو اپنی صورت پہچان نہ سکا۔ لمبی داڑھی، مونچھیں صاف، سر گھٹا ہوا۔ ایک عجیب شکل نکل آئی!

مجھے پہلی ہی منزل میں معلوم ہوگیا کہ یہ سفر کس قدر تکلیف دہ ہوگا۔ شہری زندگی بسر کرنے والوں کے لئے اس سے بڑھ کر عذاب کیا ہوگا کہ وہ صابون تک نہ پائیں۔ صحرا میں صابون، نایاب ہو، بہت قیمت پر بکتا ہو۔ خود صحرائی عربوں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے کپڑے کبھی نہیں دہوتے۔ کھانے کے بعد ہاتھ بھی نہیں دھوتے۔ اُن کا عام مقولہ ہو "عربوں کا صابون، اُن کی داڑھی ہو!" یہاں کی زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے داڑھی کا فائدہ معلوم ہوا۔ یقیناً داڑھی، صحرا میں بہت مفید چیز ہو۔ رومال کی پوری قائم مقامی کرتی ہو۔ کھانے کے بعد ہاتھ منہ اسی مقدس رومال سے پونچھ لئے جاتے ہیں!

قریات الملح سے جوف تک ہمیں ۹ دن چلنا تھا۔ اس تمام راستے میں ہمیں صرف ۳ کنوئیں ملے۔ آگے کے لئے ہم نے پانی بھر لیا۔ میں نے عجیب بات یہ دیکھی کہ اونٹوں نے ۹ دن کی مدت میں صرف ایک مرتبہ پانی پیا۔ میرے ساتھی مسافروں نے بتایا کہ جاڑے میں اونٹ پندرہ پندرہ دن بغیر پانی پئے چلتے رہتے ہیں۔ میرے یہ ساتھی، صحرائی بدو تھے۔ میں نے اُنھیں نہایت خوش اخلاق پایا۔ اُن کے اخلاق کا ایک ثبوت یہ ہو کہ اگرچہ اُنھیں مصر اور اُس کے بادشاہ سے کوئی طمع یا خوف نہیں، لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ میں مصری ہوں، اس لئے راستے بھر بلند آواز سے مصر اور اُس کے بادشاہ کے لئے دعائیں مانگتے رہے۔ اُنکے اس طرز عمل نے مجھ پر بہت اثر کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اسلام نے کتنی مختلف قوموں کو ایک رشتہ میں منسلک کرکے بھائی بھائی بنا دیا ہو!

یہ بدو اگرچہ اپنی فطری سادگی پر قائم ہیں، تاہم اُنکے اقوال اور حرکات وسکنات، اُن کی غیر معمولی ذہانت کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ فضول گوئی سے پرہیز کرتے ہیں۔ سیاسی اختلافات سے بھی گریز کرتے ہیں۔ راستہ بھر میں نے کبھی نہیں سنا کہ اُنھوں نے نجد یا حجاز کی سیاست پر ایک لفظ بھی کہا ہو۔ جب کبھی میں نے کوئی ذکر چھیڑا تو وہ یہ کہکر پہلو بچا لیجاتے تھے "حکومت، خدا کی ہو اور پھر عبد العزیز بن سعود کی" اُن کی گفتگو کا اصلی موضوع، عرب کی شجاعت، سخاوت اور دینی فضائل و مکارم تھا۔ عربی شعر اگرچہ صحرا ہی میں پیدا ہوا مگر چونکہ نجدی ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، اس لئے شعر و شاعری کو زیادہ پسند نہیں کرتے۔ اُن کی دینی روح سمجھنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہو کہ راستے میں ہمیں ایک مقام ملا۔ اس کا نام حنظلہ ہے۔ یہ در اصل وسط صحرا میں ریگ کی جگہ مٹی کا ٹیلہ ہو۔ اسکی مٹی اتنی چکنی ہو کہ اونٹ کا پاؤں اُس پر جم نہیں سکتا اور انسان کے لئے بھی اُس پر چڑھنا بہت مشکل ہو۔ بدوؤں میں عام طور پر مشہور ہو کہ اس ٹیلے کے نیچے سونے کا خزانہ مدفون ہو۔ لیکن چونکہ ساتھ ہی یہ بھی مشہور ہو کہ قوم لوط اسی مقام پر آباد تھی اور یہیں برباد ہوئی، اس لئے اُن کی دینی روح کسی طرح گوارا نہیں کرتی کہ یہ مقام جا کر دیکھیں جہاں عذاب الٰہی نازل ہو چکا ہو۔ چنانچہ یہ واقعہ ہو کہ صدیوں سے اس ٹیلے کو کسی انسانی قدم نے نہیں چھوا!

آٹھویں دن ہم ایک مقام پر پہونچے جسے "فرجیہ" کہتے ہیں۔ مجھے سخت حیرت ہوئی۔ کیونکہ اسکے گرد کے پہاڑ برف سے ڈھکے تھے اور نیچے ہر طرف سبزہ زار تھا۔ صحرا میں ایسا منظر میرے لئے بالکل خلاف توقع تھا۔ یہ جگہ سوئٹزرلینڈ کے مناظر پیش کرتی تھی۔ بلکہ اس کے منظر میں صحرا کی مہیب خاموشی نے ایک عجیب جلال و جمال کا مرکب منظر پیدا کر دیا تھا!

"جوف"

نویں دن ہم جوف پہنچ گئے۔ حاکم جوف عبد اللہ محمد بن عقیل نے جوں ہی سنا، اپنے آدمی استقبال کے لئے بھیجدئیے اور بذات خود بھی قصبہ کے پھاٹک پر آکر خیر مقدم کیا۔

"جوف" ایک چھوٹا سا قصبہ ہو۔ چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ یہاں کی کھجور، عرب بھر میں مشہور ہو۔ گیہوں، جو، اور بعض ترکاریوں کی بھی کاشت ہوتی ہو۔ انگور، شفتالو، اخروٹ، نارنگی، لیموں، اور خربوزہ بھی پیدا ہوتا ہو۔ باشندے تجارت پیشہ بھی ہیں اور دستکار بھی۔ کھال کی دباغت یہاں اچھی ہوتی ہو۔ اونی کپڑوں کی وجہ سے بھی اسے بہت شہرت حاصل ہو۔ نجد کی مشہور عبا "عبی الجوف" یہیں تیار ہوتی ہو۔ اونٹ اور بھیڑ بکری کی تجارت کی بھی یہ ایک بڑی منڈی ہو۔ اس کے صحرا میں شتر مرغ، ہرن، اور گورخر بکثرت موجود ہیں۔ شتر مرغ کا گوشت عرب بہت پسند کرتے ہیں۔ میری دعوتوں میں بھی اسکو

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین (القرآن الکریم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۲ — کلکته : جمعه ٥ . ربیع الاول ۱۳٤٦ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 2, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای .
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی .

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی . اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکهیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۸٦۱ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۱۱۳	اردو حروف کی حق مین	۲۷۰
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۱۹٦	حروف کی حق مین بشرطیکه نستعلیق هون	٦۸
پتهر کی چهپائی کی حق مین	۲۱٤		

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین .

"الهلال"

مُرجاتے ہیں!

٭٭٭

"میرے خیال میں جو کوئی بھی زندگی کو اس نظر سے دیکھے گا اور اس معیارِ نظر سے وزن کرے گا، وہ ہرگز ہمیشہ کی نیند سو جانے پر رنجیدہ نہیں ہوسکتا!

٭٭٭

"لیکن، ٹھہرو! مجھے اپنی زندگی کے اس آخری لمحے میں ایک نظر اوپر اُٹھانے دو۔ آہ! یہ دیواروں پر میری بیوی اور میرے تینوں بچوں کی تصویریں آویزاں ہیں۔ یہ دیکھو، میری بیوی کی محبت و اخلاص سے لبریز آنکھیں مجھے دیکھ رہی ہیں!

"اُف! یہ میرے لڑکے کے متبسم ہونٹ ہل رہے ہیں۔ مجھے یہ آواز سنائی دے رہی ہے: "بابا! یہ تم ہو!"

"الٰہی! یہ میری دونوں لڑکیاں کھڑی ہیں۔ اپنی طویل پلکوں کے اندر سے مجھے دیکھتی اور پدرانہ شفقت کے بوسہ کے لئے بڑھ رہی ہیں!

"ہاں، اب میں زندگی کی مسرت محسوس کرتا ہوں!......

لیکن ہم اس مسرت سے بھی کیوں نہ دست بردار ہوجائیں؟

٭٭٭

"کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ انسان زندگی کی تمام مصائب و آلام اپنے محبوبوں کے روبرو پہنچکر بھول جاتا ہے؟

"لیکن یہ دیکھو، میرے محبوبوں کی تصویروں پر پردہ پڑ گیا۔ ....اب میرا سر چکرا رہا ہے۔ میرے سینے کے اندر شعلے سے بھڑک رہے ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک دہکتے ہوئے تنور پر کھڑا ہوں............ میں نے قمار میں اپنی پوری دُنیا کھودی۔ مجھے اس معصیت کا کفارہ ادا کرنا چاہئے!

........"

٭٭٭

"میری بیوی، میرے عزیز بچو، میرے وہ تمام دوستو جو اسوقت بھی میرے دل میں موجود ہو! خدا تمھیں برکت دے! اور تمھارے ساتھ ہو! خدا کرے، تم دنیا اور دنیا کی زندگی کو اُس سے زیادہ نہ سمجھو جسقدر وہ فی الحقیقت ہے!...........

..........."

٭٭٭

* نپولین نے کہا: "آپ کا اخلاق واقعی نہایت قابل تعریف ہے!" نپولین نے سادگی سے جواب دیا: "عزیز شاہزادے! اس نے تو بادشاہی کا ایک مخصوص فرض ادا کیا ہے۔ بھلائی، عفو و درگزر بادشاہوں کا مقدس فرض ہوجاتا ہے!"

افسانہ

نپولین پر قاتلانہ حملے

نپولین بوناپارٹ کے اخلاق پر مورخین نے جس تفصیل سے نظر ڈالی ہے شاید جدید دنیا کے کسی انسان کی شخصیت اس قدر زیر بحث نہ رہی ہو۔ نپولین نے یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں اُلٹ ڈالی تھیں۔ اخلاق کے قانون میں اس کی فاتحانہ اولوالعزمی، اخلاق کا سب سے بڑا جرم تھی۔ اور اسی وجہ سے مفتوح ملکوں میں اُس کی جان کے ہزاروں دشمن پیدا ہوگئے تھے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ اُس کی پوری زندگی میں، اُس پر قاتلانہ حملے صرف دو ہی ہوئے۔ حملہ آوروں کے جذبات ہمیں سمجھنے چاہئیں۔ اُن پر ظلم ہوا تھا۔ اُن کی آزادی چھینی گئی تھی۔ وہ جوش اور ہیجان قوم پرستی میں سب کچھ کرسکتے تھے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ نپولین نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیا ایک مجرم کی وجہ سے سیکڑوں بے گناہ قتل کئے گئے؟ کیا خود مجرموں کو اُس ہولناک طریقہ پر سزا دی گئی جو عام طور پر آج بھی "متمدن" دنیا میں رائج ہے؟ تاریخ اس کا اعتراف کرتی ہے کہ اس فراخدل، بلند ہمت انسان نے پوری شرافت سے دونوں قاتلوں کو معاف کردینا چاہا، اگرچہ اُن میں سے ایک نے معافی قبول نہیں کی اور موت کو ترجیح دی۔ یہ دونوں واقعے بہت دلچسپ اور عبرت انگیز ہیں۔

بویریا میں حملہ

شاہ بویریا (جرمنی) نے آسٹریا کے مقابلہ میں نپولین سے مدد طلب کی تھی۔ نپولین ۲۲ر جولائی کو وہاں داخل ہوا۔ شاہ بویریا اُس کے پہلو بہ پہلو چل رہا تھا۔

اُسوقت بویریا کے باشندوں میں اپنے ملک کی سیاسی حالت کے متعلق سخت اختلاف رائے تھا۔ ایک گروہ فرانسیسی اثر پسند کرتا تھا دوسرا آسٹریا کو ترجیح دیتا تھا۔ نپولین کے آنے سے ایک دن پہلے اُس شہر کے دو آدمیوں میں تکرار ہوگئی۔ اُن میں سے ایک فرانس کا طرفدار تھا دوسرا آسٹریا کا۔ آخرالذکر کا نام "لوی وولف" تھا۔ اُس کی عمر ۲۸ برس کی تھی۔ فرانس اور نپولین سے سخت نفرت کرتا تھا۔ نفرت کی وجہ بالکل معقول تھی۔ اُس کا باپ اور بھائی فرانسیسیوں کے ہاتھوں قتل ہوچکے تھے اور ماں کو جاسوسی کے الزام میں اس قدر تکلیف دی گئی تھی کہ وہ جانبر نہ ہوسکی۔ اس سے بھی زیادہ اُس کی ناراضی کا سبب یہ تھا کہ جس جنگ میں مدد کے لئے نپولین کو بلایا گیا تھا، اُس کی وجہ سے اس شخص کی شادی ملتوی ہوگئی تھی۔ اُسے اپنی منگیتر سے غایت درجہ محبت تھی وہ کسی طرح بھی شادی میں تاخیر گوارا نہیں کرسکتا تھا۔

غرضکہ ان اسباب کی وجہ سے شخص مذکور غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اُسنے اپنے ساتھی کو فرانس کی طرفداری کی وجہ سے زدوکوب کیا اور قسم کھائی کہ کل نپولین کو ضرور قتل کر ڈالے گا۔ اُسنے کہا: "اگر مادرِ وطن کے اس ظالم دشمن کے قتل کی کسی کو جرأت نہیں۔ تو میں یہ مہم انجام دوں گا اور ملک کو اُس کے شریر دشمن سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا دوں گا!"

چنانچہ وہ اس ارادہ سے فوراً روانہ ہوگیا، اُسے نپولین کی آمد کی تاریخ معلوم نہ تھی۔ بازار میں ایک بویرین سپاہی کے گرد بھیڑ لگی تھی۔ یہ ابھی ابھی میدان جنگ سے آیا تھا۔ لوگ لڑائی کی خبریں پوچھ رہے تھے وہ بتا رہا تھا کہ فرانسیسی فوجوں نے کس طرح آسٹرین فوجوں کو پسپا کیا ہے۔ لوئی وولف نے آگے بڑھ کر سوال کیا:

"نپولین ہمیں کب مشرف کرے گا؟"

سپاہی نے تعجب سے سر اُٹھا کر کہا:

"سپہ سالار کی زبانی میں نے سنا ہے کہ نپولین آج رات یا کل شہر میں داخل ہوگا۔ وہ ابھی میدان جنگ کا نقشہ مرتب کرنے میں [illegible] ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم اُس کے سلام کے لئے بہت بے چین ہو"

"ہاں میں اُسے ایک بالکل انوکھے طریقہ سے سلام کروں گا!" وولف نے جواب دیا!

پھر یہ شخص اپنے مکان گیا، بندوق لی، اور شارع عام پر ایک مکان میں چھپکر بیٹھ گیا۔ صبح وہ بڑی بے چینی سے کھڑکی میں بیٹھا نپولین کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ سورج کی کرنوں کی روشنی میں اُسے دُور سواروں کی صفیں نظر آئیں۔ سب سے آگے ایک درمیانی قد کا سوار ممتاز ٹوپی پہنے آرہا تھا۔ وولف نے سمجھ لیا کہ نپولین یہی ہے۔ بندوق درست کرکے چھتیائی لیکن اُس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ قریب تھا بندوق گر جائے۔ مگر اُسنے اپنے تئیں سنبھالا۔ جب نپولین چند گز فاصلہ پر آگیا تو فیر کرنا چاہا۔ لیکن عین اُسوقت اچانک، پیچھے سے ہاتھ بڑھا اور اس زور سے اُسے کھینچا کہ بیہوش ہوکر گر پڑا۔

نپولین کو اس واقعہ کی خبر بھی نہ ہوئی۔ وہ اپنی قیام گاہ پہونچا اور محکمۂ جاسوسی کے افسر اعلیٰ کو بلا کر گفتگو کرنے لگا:

"فرانسیسی فوج کے خلاف کسی سازش کا تو پتہ نہیں چلا؟"

"ہاں حضورِ والا! ۳۰ سازشوں سے زیادہ کا حال اب تک معلوم ہوچکا ہے"

"سازش کے بانیوں کا بھی کچھ پتہ لگا؟"

"مجھ پر سب سے بڑا فرض شہنشاہ کی زندگی کی حفاظت کا ہے۔ ایک افسر نے ابھی ابھی ایک ناعاقبت اندیش کو گرفتار کیا ہے جو حضور پر گولی چلانے والا تھا"

نپولین نے تعجب سے پوچھا:

"وہ پروشیا کا باشندہ ہے یا آسٹریا کا؟"

"بویرین ہے" افسر نے جواب دیا۔

نپولین یہ سُنکر سخت متحیر ہوا:

"خوب! میں تو اس بدنصیب ملک کو آسٹریا کی غلامی سے [illegible] کے لئے فرانسیسی فوج کا خون بہا رہا ہوں، اور اُس کا بدلہ مجھے دیا جاتا ہے کہ دھوکے سے قتل!"

اُسنے مجرم کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ ۲۰ منٹ کے بعد وہ [illegible] تھا۔ نپولین کھڑا تھا۔ مجرم اُسکے سامنے لاکر کھڑا کیا گیا۔ اُس [illegible] طرف بویریا کا ولیعہد تھا۔ بائیں جانب جنرل برتھیہ۔ نپولین نے آنکھیں مجرم کے چہرہ پر جما دیں۔ اُن آنکھوں میں نہیں معلوم کیا [illegible]

مجرم تاب نہ لاسکا۔ مُنہ کے بھل گر کر چلایا "عفو! عفو!"

نپولین نے نرمی سے پوچھا "وہ اسباب کیا تھے جنھوں نے تجھے اس جرم پر آمادہ کیا؟"

مجرم نے تمام واقعات صحیح صحیح بتادئے۔ اسپر نپولین نے کہا:

"لیکن اسمیں میرا قصور کیا ہے؟ اگر دول یورپ مجھے مٹانا چاہتی ہیں اور میں اپنی مدافعت کرتا ہوں تو میرا گناہ کیا ہے؟ تمھاری شادی روکنے کا میں نے حکم نہیں دیا۔ نہ میں اُس کے التوا کا اصلی سبب ہوں لیکن اگر تم مجھی کو باعث سمجھتے ہو تو میں ابھی حکم دیتا ہوں کہ آج ہی تمھاری منگیتر سے تمھاری شادی ہوجائے۔ میں اپنی جیب خاص سے سو اشرفیاں اس تقریب میں پیش کرتا ہوں۔ برتھیہ! کل تم فوج کے ایک دستہ کے ساتھ اس شادی میں شریک ہونا، اور میری طرف سے دولھا دلہن کیساتھ جلوس میں چلنا!"

پھر نپولین مترجم کی طرف متوجہ ہوا:

"اس شخص سے کہدو کہ میں نے معاف کردیا۔ میں تمھارے لئے خوشی و خرمی کا متمنی ہوں!"

وولف خلاف توقع یہ برتاؤ دیکھ کر مبہوت ہوگیا۔ ولی عہد بویریا نے *

(٦)

بابل کے معلق باغ

The Hanging Gardens of Babylon

بابل ' قدیم دنیا کا مشہور ترین شہر ھے - بہت سي قوموں اور سلطنتوں نے اسے باري باري فتح کیا اور اپني عظمت و شوکت کا مرکز قرار دیا - مشہور ھے کہ اِس کا اولین بادشاہ نمرود اور اُس کا خاندان تھا - اِس کي اولاد میں سب سے زیادہ شہرت " آور " خامس کو حاصل ہوئي - اِس کا نام' اور بعض حالات اُن اینٹوں پر مسماري خط میں کندہ ملے ھیں' جو حال میں زمین سے نکالي گئي ھیں -

خاندانِ نمرود کے بعد ایک دوسري سلطنت کا قبضہ ھوا - تاریخ میں اِس کا نام ایراني سلطنت ھے - دو سو پچیس سال اُس نے حکومت کي - اس کے بعد ۲۲۲۵ ق م میں ایک اور سلطنت قائم ھوئي - اِس کا نام " ایلامي " ھے - اِسي کے ایک بادشاہ " کودرلا اومر " سے حضرت ابراھیم علیہ السلام نے مقابلہ کیا تھا اور فتحیاب ھوئے تھے -

تقریباً سنہ ۲۰۰۰ ق م میں اِس پر کلدانیوں نے قبضہ کیا اور ساڑھے چار صدي تک حکومت کرتے رھے - پھر اِس کے بعد مصریوں کا غلبہ ھوا اور سنہ ۱۳۱۴ ق م تک حکمران رھے - اشوریوں نے مصریوں کو شکست دے کر اپني حکومت قائم کي - یہاں تک کہ سنہ ۵۳۸ ق م میں کورش شاہ ایران نے اُن کي سلطنت کا خاتمہ کر دیا - اس وقت سے ایرانیوں کا دور شروع ھوتا ھے -

سات عجائب عالم میں سے ڈائنا کے مندر کا بقایا

پہاڑ کے نیچے جو کھنڈر نظر آ رھا ھے' یہي اس مندر کا بقایا ھے - اوپر ترکوں کا قلعہ ھے

بابل اور نینوی میں ھمیشہ رقابت چلي جاتي تھي - ایک دوسرے کي بربادي پر تلے رھتے تھے - سنہ ۷۴۵ ق م میں اھل نینوی نے بابل فتح کرلیا تھا - لیکن سنہ ۶۰۶ ق م میں بابلیوں نے ایرانیوں کي مدد سے اُنھیں نکال باھر کیا - پھر خود نینوی پر حملہ کیا اور اُسے اِس طرح مٹادیا کہ اُس کا نشان تک باقي نہ رھا - ابھي حال میں بڑي تحقیقات کے بعد پتہ چلا ھے کہ یہ قدیم شہر کس جگہ واقع تھا ' کیسا عظیم الشان تھا ؟ اور کس بے دردي سے برباد کردیا گیا ؟

نینوی کي بربادي کے بعد ھي بخت نصر ظاھر ھوا - بابل کے معلق باغ اِسي نے بنائے تھے - اُن سے مقصود صرف یہ تھا کہ اپني بیوي کي خوش نودي اور تفریح کا سامان کرے -

یوناني مورخ ھیرودوتس نے لکھا ھے کہ بخت نصر نے ارادہ کیا ' بابل کو از سر نو اِس طرح بنائے کہ دنیا' نینوی کي شان و شوکت بھول جائے - چنانچہ نینوی کے قیدیوں اور معماروں سے یہ نیا شہر طیار کرایا گیا - خود ھیرودوتس نے اپني سیاحت کے دوران میں بابل کي بھي سیر کي تھي ' چنانچہ اُس کے حالات اپني تاریخ میں لکھے ھیں - اُس کے بیان سے معلوم ھوتا ھے کہ بابل' زمین کے مربع ٹکڑے پر قائم تھا - بیچ میں دریائے فرات نے بہہ کر اُس کے دو حصے کردیے تھے - ھر حصہ ۱۵ میل لانبا تھا - یعني پورا شہر تیس میل کے وسیع رقبہ میں پھیلا ھوا تھا - چاروں طرف شہر پناہ تھي - ۳۵۰ فٹ بلند اور ۸۷ فٹ موٹي تھي - اِس میں پیتل کے سو پھاٹک تھے - پھاٹکوں کے ستون اور چھتیں بھي پیتل کي تھیں -

شہر میں سب سے زیادہ شاندار' عجیب ' اور دلچسپ چیز یہ " معلق باغ " تھے جو اُس وقت سے اب تک پوري دنیا کے لیے اعجوبہ بنے ھوئے ھیں - یہ باغ پتھر کي عمارتوں پر ایک ایسے علاقہ میں نصب کیے گئے تھے ' جہاں پتھر کمیاب ھونے کی وجہ سے نادر اور قیمتي چیز سمجھا جاتا تھا - بادشاہ عبادت خانوں میں بطور نذرانہ کے پتھر پیش کرتے تھے' اور پرانے عبادت خانوں سے نئے عبادت خانوں میں بڑے اھتمام سے منتقل کیے جاتے تھے - دجلہ اور فرات کي وادي میں آج تک پتھر کي بڑي قلت ھے -

لیکن کیا یہ باغ واقعي معلق تھے ؟ اس بارے میں ایک سخت غلط فہمي پھیلي ھوئي ھے - حال کے بعض مورخین بھي اِس غلطي سے نہ بچ سکے - در اصل انکا معلق ھونا محض ایک نظري اور مجازي وصف تھا - ورنہ وہ معلق نہ تھے - قدیم یوناني اور روماني مورخوں نے اِنکے لیے جو لفظ استعمال کیا ھے اُسکے معني " معلق " نہیں بلکہ منزل در منزل باغ کے ھیں - یہ باغ پتھر کے کئي منزلہ چبوتروں پر لگائے گئے تھے - ھر اوپر کا چبوترہ نیچے کے چبوترہ سے عرض میں چھوٹا تھا - اِس طرح تمام چبوترے بلند ھوتے ھوتے ۳۵۰ فٹ تک پہنچ گئے تھے - ھر چبوترہ پر اِتني مٹي جمع
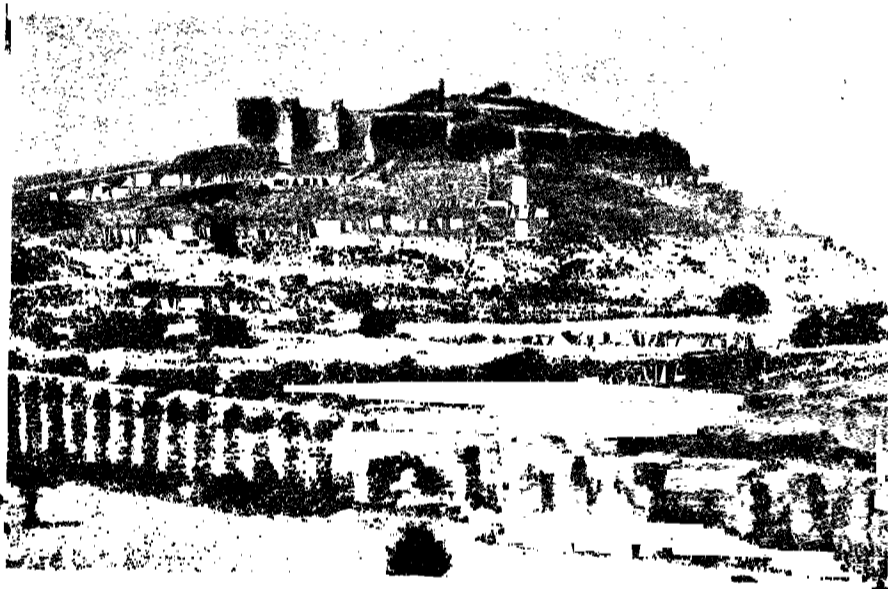
کي گئي تھي جتني درختوں کي پرورش کیلیے ضروري تھي - پاني اوپر چڑھا کر بالائي منزل پر تالاب بنایا گیا تھا ' نیچے سے اُس میں جمع کر دیا جاتا تھا - اور اُسي سے پورے باغ کي آب پاشي ھوتي تھي - ھر چبوترہ کي زمین یا چھت بانس سے پاٹ دي گئي تھي - اُسکے اوپر سیسہ پگھلا کر پھیلا دیا تھا - یہ احتیاط اِس لیے کي گئي تھي کہ دیواروں اور بنیادوں تک نمي نہ پہنچ سکے اور باغ ھمیشہ برقرار رھیں - ھر طبقے یا چبوترے کے نیچے بڑے بڑے ایوان تھے اور بابل و نینوی کے بہترین سامان آرایش سے آراستہ تھے - ھر دو طبقوں کے ما بین وسیع زینے بنے ھوئے تھے - جنسے بادشاہ' ملکہ ' اور درباري ایک ساتھہ اوپر نیچے آجا سکتے تھے -

باغوں میں قسم قسم کے پھولوں ' پھلوں ' اور میوؤں کے خوشنما درخت لگے تھے - موسم بہار میں عجیب کیفیت ھوتي تھي - ھرے بھرے درختوں کے پتے پوري عمارت چھپا لیتے تھے - ایسا معلوم ھوتا تھا کہ واقعي باغ ھوا میں معلق کھڑے ھیں - خوشبو اس قدر ھوتي تھي کہ تمام شہر معطر ھو جاتا تھا - خیال ھوتا تھا کہ جنت آنکھوں کے سامنے پھیلي ھوئي ھے - بابل کي گرمي دیکھتے ھوئے یہ باغ
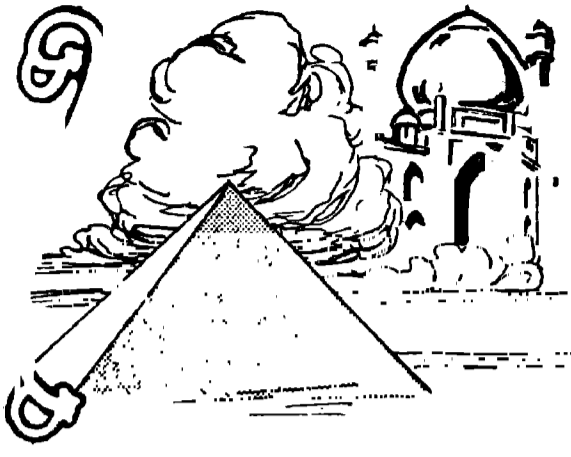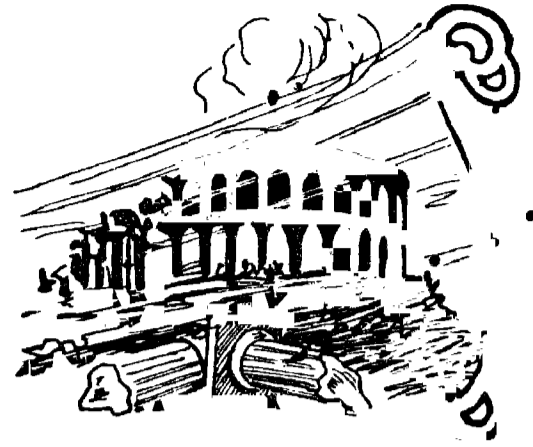
سات عجائب عالم

(۵)

روڈس کا عظیم بت

(The Colossus)

جزیرۂ روڈس (بحر متوسط) میں یہ عظیم الشان اور شہرۂ آفاق بت قائم تھا - لیکن اب اُسکا کوئی نشان باقی نہیں ھے - عہد مسیحی سے سو برس پہلے ھی وہ برباد ھوچکا تھا - مرکب دھات کا یہ بت ٹکڑے ٹکڑے کرکے اِس طرح بیچا گیا ' جس طرح پرانا لوھا بکتا ھے !

مشہور رومانی مورخ پلینی نے پہلی صدی عیسوی میں جزیرۂ روڈس کی سیر کی تھی - وہ لکھتا ھے :

" ھر چیز سے زیادہ حیرت انگیز آفتاب کا وہ عظیم الشان بت تھا جو اِس جزیرہ میں نصب تھا - اِسے کیرس لنڈسی نے بنایا تھا - یہ ستر گز (رومانی) بلند تھا - ۶۵ سال قائم رھنے کے بعد زلزلہ سے گرپڑا - وہ ابتک بدستور زمین پر پڑا ھے اور دیکھنے والوں کیلیے ایک منظر حیرت ھے ! کم آدمی ایسے نکلینگے جو بت کے ھاتھہ کا انگوٹھا اپنے دونوں ھاتھہ پھیلا کر بھی قبضہ میں لاسکیں - بت کی انگلیاں اِتنی بڑی ھیں کہ شاید ھی اِتنے بڑے مجسمے کہیں موجود ھوں - پنڈلیاں اِتنی موٹی ھیں کہ اُنکے اندر لمبی گہری سرنگیں معلوم ھوتی ھیں - پنڈلیوں کے اندر عظیم الشان سنگی ستون تھے تاکہ پاؤں بت کے جسم کا بوجھہ سنبھال سکیں "

یہ بت دراصل اپالو دیوتا کے اعزاز میں بنایا گیا تھا - یہ دیوتا اِس جزیرہ کا معبود اور محافظ سمجھا جاتا تھا - کیرس بت تراش نے بارہ برس کی محنت سے اِسے طیار کیا تھا - لیکن سنہ ۲۲۴ ق م میں زلزلہ نے اسے گرا دیا -

اِس بت کی عظمت و شہرت اِس قدر عام ھوگئی تھی کہ باھر کے لوگوں میں طرح طرح کے ما فوق العادۃ قصے مشہور ھوگئے تھے - عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ وہ جزیرہ کی خلیج پر اِس طرح کھڑا ھے کہ اُسکا ایک پاؤں ایک کنارے پر ھے ' دوسرا دوسرے کنارے پر - لیکن یہ خلاف واقعہ ھے - دراصل یہ بت ایک برھنہ آدمی کی شکل پیش کرتا تھا اور وہ اپنے دونوں پاؤں جوڑے کھڑا تھا - رومن مورخ پلینی نے اُسکی بلندی کی نسبت جو کچھہ کہا ھے ' اُسکی کسی دوسرے مورخ نے تغلیط نہیں کی ھے - اُسکے حساب سے بت کی بلندی ۱۵۰ فٹ تھی !

پورا بت مرکب دھات کا تھا - ٹانگیں پتھر کی تھیں ' اور مرکب دھات کی چادروں سے ڈھکی ھوئی تھیں - پیروں سے سر تک ایک اندرونی زینہ بنا تھا - بعض مورخین کا بیان ھے کہ اِس زینہ سے چڑھ کر روز رات کو بت کی آنکھوں میں آگ جلادی جاتی تھی تاکہ اُس کی روشنی سے جہازوں کی رھنمائی ھو -

کہا جاتا ھے ' کیرس نے بت قائم کرنے کے بعد محسوس کیا کہ اُس سے ایک سخت فنی غلطی ھوگئی ھے - اِس غلطی کی اصلاح نا ممکن تھی - لہذا اُس نے خودکشی کرلی - لیکن اُسکی غلطی بعد میں کسی کو بھی نظر نہیں آئی - یونان اور پوری دنیا بیک زبان اُس کی صناعی کا اعتراف کر رھی ھے -

روڈس باوجود اپنی قدیم بدحالی کے اُس زمانہ میں بہت دولت مند ھوگیا تھا - معدنی مصنوعات میں اس نے بڑی شہرت حاصل کی تھی - بابل اور مصر سے تجارت کا سلسلہ قائم تھا - یونانیوں نے اُس کی دولت مندی دیکھکر اُس پر قبضہ کرلیا اور وھاں ایک عظیم الشان بندرگاہ تعمیر کی - شہر کی رونق بھی اس درجہ بڑھگئی کہ ایتھنز کا مقابلہ کرتا تھا - بعد میں اسپارٹا والوں نے اسے فتح کیا - اُن کے بعد شاہ موسولوس نے غلبہ حاصل کیا - یہ وھی بادشاہ ھے جس کی قبر دنیا کے سات عجائب میں سے شمار ھوتی تھی اور ابھی ابھی ھم اُس کے تذکرہ سے فارغ ھوئے ھیں -

آگے چل کر ایرانیوں نے حملہ کیا - ایرانیوں سے سکندر اعظم نے چھینا - سکندر کی وفات کے بعد اُس نے پھر اپنی آزادی حاصل کرلی اور خود مختار ھوگیا - یہی زمانہ اُس کا سنہری زمانہ سمجھا جاتا ھے - اُس وقت بحر متوسط میں تجارت کی اصلی منڈیاں دو ھی تھیں : اسکندریہ اور روڈس -

اِس بت کی تاریخ یہ ھے کہ مصر کے ایک بطلیموس پادشاہ نے (یعنی اُس خاندان شاھی کے پادشاہ نے جو بطلیموس کے لقب سے ملقب تھے) اپنے بھائی سے جنگ کی تھی - روڈس کے باشندوں نے بطلیموس کی مدد کی اور فتح دلائی - اِس پر اُس کے بھائی نے جزیرہ سے انتقام لینا چاھا اور ایک فوج گران جہازوں میں لاکر محاصرہ کرلیا - فوج کی تعداد اِتنی زیادہ تھی کہ جزیرہ کی پوری آبادی اُس سے کم تھی - اھل روڈس زبردست دشمن دیکھکر گھبرا گئے - مگر بہادر تھے - مقابلہ کیا - بطلیموس کو اُن کا احسان یاد تھا - اُس نے اِس مصیبت کا حال سنا تو فوراً مدد کے لیے اپنی فوج بھیج دی - اس طرح روڈس اپنی حفاظت میں کامیاب ھوگیا -

اسی نجات کی یادگار میں اھل روڈس نے یہ بت بنایا تھا ' اور اپنے دیوتا اپالو کو نذر دی تھی بت کے بنانے میں جتنا کانسہ لگا ' وہ سب دشمن سے غنیمت میں حاصل کیا گیا تھا -

عربوں کی فتح کے زمانہ تک اِس بت کے کھنڈر موجود تھے - یوریپین مورخوں کا بیان ھے کہ اُنھوں نے یہ کھنڈر ایک یہودی کے ھاتھہ فروخت کر ڈالے - یہودی نے اس سے تین سو ٹن کانسہ حاصل کیا -

تفسير سورۂ فاتحہ کا ایک صفحہ

تصور الهي کی تکمیل
اور
اس کا سلسلۂ ارتقا

(۳)

(شاهیت اور الوهیت کے تشابہ کے نتائج)

شاهیت اور الوهیت کے اس لزوم و تشابہ نے انسان کے تصور الهي پر جو گہرا اور دور رس اثر ڈالا ہے ' اُس کا اندازہ سرسري مطالعہ سے نہیں ہو سکتا - ضروري ہے کہ تصور الهي کے ایک ایک جزء اور ایک ایک عنصر پر نظر ڈالي جاے ' اور اُسکي امتزاجي اور خمیري حالت کي تعلیل کي جاے - اس سلسلہ میں حسب ذیل نقاط خصوصیت کے ساتھہ قابل غور ہیں :

(۱) انسان کي معیشت کي تاریخ میں نظم و حکومت کي ابتدا جمہوریت کے عنصر سے ہوئي ہے ' نہ کہ شاهیت و مالکیت کے عنصر سے -

یہاں لفظ " جمہوریت " سے مقصود جمہوري نظام حکومت نہیں ہے ' بلکہ جمہوریت کي وہ سادہ اور عنصري حالت مراد ہے جب کسي ایک شخص کو مالکانہ و حاکمانہ اقتدار حاصل نہ تھا - ایک سے زیادہ آدمي مل جل کر اپنے معاملات کا انتظام کر لیا کرتے تھے - یہ بات کہ کسي خاص فرد کو مالکیت و فرماں روائي کا اختیار حاصل نہو کہ جو چاہے حکم دے اور جس طرح چاہے اپنے ماتحتوں کے معاملات معیشت کا فیصلہ کرے ' بلکہ مساویانہ طریقہ پر لوگ مل جل کر اپني ضروریات نظم و اجتماع کا انتظام کریں ' جمہوریت کا اصلي عنصر ہے ' اور یہي عنصري حالت یہاں مقصود ہے -

شخصي مالکیت اور شاهیت انساني اجتماع کي ایک غیر طبیعي حالت ہے جو اُس وقت پیدا ہوي ' جب طاقتور افراد نے کمزور افراد کی کمزوري سے فائدہ اٹھا کر انھیں اپنا مطیع و منقاد بنانا شروع کردیا اور رفتہ رفتہ یہ بات تسلیم کر لي گئي کہ زیادہ طاقتور فرد کو کم طاقتور افراد سے غلامي و چاکري کرانے کا حق حاصل ہے - پھر جوں جوں تمدن و شہریت میں ترقي ہوتي گئي ' مالکانہ قبضۂ و تصرف بھي زیادہ خوش اُسلوب اور منظم ہوتا گیا ' یہانتک کہ شاهیت و حکمراني کا نظام پیدا ہوگیا -

یہ بات کہ انساني اجتماع کي تاریخ میں غیر شخصیت و شاهیت ' شخصیت و شاهیت پر مقدم ہے ' تاریخ کي روشني میں صاف نظر آ جاتي ہے - ہم دنیا کے تمدني عہد سے جس قدر پیچھے ہٹتے جائینگے ' شاهیت اور شخصیت کا نظم مفقود ہوتا جایگا ' اور مشترک جماعتي نظم اپني ابتدائي اور سادہ حالت میں کار فرما نظر آیگا - دنیا کي جس قدر بھي غیر متمدن اور وحشي قومیں تاریخ کے علم میں آئی ہیں ' ان میں ایک قوم بھي ایسي نہیں ہے جس میں شخصي شاهیت کا نظام پایا گیا ہو - امریکہ ' افریقہ ' استریلیا ' جزائر بحر شمال ' اور قبائل گرین لینڈ کي غیر متمدن آبادیاں شخصي مالکیت و سروري سے اُسي طرح نا آشنا پائي گئیں ' جس طرح سکہ کے استعمال سے نا واقف تھیں - عرب جس وقت تک بدویانہ زندگي میں رہا ' شخصي حاکمیت سے آشنا نہ ہوسکا - تاریخ کي روشنی میں جو ترتیب نظام حکومت کي واضح ہوتي ہے ' وہ یہ ہے کہ انسان اپني صحرائي اور انفرادي معیشت میں کسي نظم کا محتاج نہ تھا - جب قبائل کي زندگي شروع ہوئي تو خود بخود ایک ایسا سادہ اور بسیط نظم پیدا ہو گیا ' جیسا آج کل بھي دیہاتي پنچایتوں میں دیکھا جاسکتا ہے - بستي کے بڑے بوڑھے کسي درخت کے سایہ میں بیٹھہ گئے اور تمام جھگڑے اور قصے چکا دیے - اس طریق کار سے رفتہ رفتہ قبائل کي سرداري کا منصب پیدا ہوگیا - انھي سرداروں نے آگے چل کر اپنے دشمن قبائل کو زیر کرنا اور غلام بنا کر رکھنا شروع کر دیا ' اور اسي سے شخصي مالکیت کي بنیاد پڑگئي -

شخصي مالکیت اور شاهیت کي بنیاد قاهرانہ قوی کے استعمال اور جبر و تعدي کي ہولناکیوں سے پڑي تھي - یہ سرتاسر انسان کے سلبي اور تخریبي صفات تھے - ایجابي و تعمیري نہ تھے - البتہ آگے چل کر عفو و بخشش اور عطاؤ نوال کے اوصاف کي بھي گنجایش نکل آئي - لیکن چونکہ شاهیت کا مایۂ خمیر هیبت و قہر تھا ' اس لیے غلبہ همیشہ اسي قسم کے صفات کا رہا - رحم و بخشش کے اوصاف اس درجہ بڑہ نہ سکے کہ شاهي قہر و جلال کي هیبت و سطوت میں خلل انداز ہوسکتے - نتیجہ یہ نکلا کہ اول دن سے شاهیت کا تصور سرتاسر هیبت و قہر کا تصور ہوگیا - یہ بات انسان کے تخیل میں جم گئي کہ جس قدر ایک پادشاہ زیادہ پر هیبت اور قہرمان ہوگا ' اُتني هي اُس کي شاهیت زیادہ مقتدر اور مسلم ہوگي !

ضروري تھا کہ شاهیت کے اس تصور سے انسان کا تصور الهي بھي متاثر ہوتا ' کیوں کہ دونوں میں مماثلت کي نسبت پیدا ہوچکي تھي - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دوسرے دور میں یہ مماثلت بھي صفات قہر و جلال کے استغراق کا ایک قوي باعث ہوگئي اور انسان کا تصور رحمت و جمال کي طرف تیز قدم نہ اُٹھا سکا - ٹھیک ٹھیک شاهیت و مالکیت کے تصور کي طرح ' خدا کے تصور میں بھي تمام قاهرانہ اور جابرانہ اوصاف نمایاں ہیں ' اور جس طرح رحمت و جمال کا عنصر شاهیت کے تصور میں مغلوب اور کمزور ہے ' اُسي طرح اُلوهیت کے تصور میں بھي زیادہ نہیں اُبھر سکتا - پھر جوں جوں شاهیت کے مزاج و اوصاف میں رقیق و لطیف جذبات کا عنصر بڑھنے لگتا ہے ' تصور الهي میں بھي اس جانب ترقي ہونے لگتي ہے - شاهیت کا ابتدائي اور عالمگیر تصور یہ تھا کہ وہ ایک ایسا وجود ہے جس سے همیشہ ڈرتے اور لرزتے رہنا چاهیے - اُس کا غضب بے پناہ ' اور اس کي ہولناکي لا علاج ہے - وہ ایک ادنی سي لغزش پر قتل کرڈالتا اور ایک ذرا سي خطا پر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہے - البتہ

فردوس بریں کا حکم رکھتے تھے - یہي باعث ھے کہ اُن کا دنیا کے عجائبات میں شمار ھوا اور سارے جہان میں شہرت ھوا کي طرح پھیل گئي -

لیکن زمانہ کے بے رحم ھاتھوں نے یہ دلفریب باغ بھي نہ چھوڑے - بابل کي جنت برباد ھوگئي اور شہر بھي تہہ و بالا ھوگیا - صدیوں تک لوگوں کو یہ بھي معلوم نہ تھا کہ یہ باغ واقع کہاں پر تھے ؟ سنہ ۱۹۰۲ ع میں زمین کھودنے پر ایسے آثار نکلے جو اُس عمارت کے خیال کیے جاتے ھیں جس پر باغ نصب تھے - اِن باغوں کا باني بخت نصر (بنوکدنزر) وھي بخت نصر ھے جس نے بیت المقدس برباد کر کے یہودیوں کو قید کر لیا تھا -

(۷)

اھرام مصر

(The Pyramids of Egypt)

دنیا کے سات عجائب میں صرف اھرام مصري ھیں جو ابتک قائم اور انقلابات زمانہ کا مقابلہ کر رھے ھیں - مصر میں متعدد اھرام ھیں - مگر اُن میں سب سے زیادہ مشہور اور عجائب عالم میں شمار ھونے والا ھرم "ھرم کبیر" کے نام سے مشہور ھے - یہ قاھرہ کي موجودہ آبادي سے ۶۸ کیلو میٹر فاصلہ پر جنوب میں واقع ھے - اس مین ابتک کوئي اھم تغیر نہیں ھوا ھے - صرف اوپر کا پلاستر اُتر گیا ھے اور چوٹي پر سے کچھہ حصہ ٹوٹ گیا ھے -

یہ ھرم اب سے چھہ ھزار سال پہلے تعمیر ھوا تھا - مصر کي چوتھي سلطنت میں ایک پادشاہ نے اِسے بنایا - ساٹھہ برس اِس نے حکومت کي تھي - مصري زبان میں اِسکا نام " خوفو " تھا - یوناني اُسے " خیوبس " کہتے تھے - قدیم مصري ھرم کو " یاخیت خوفو " کے نام سے پکارتے تھے - اِسکے معني ھیں " خوفو کا مقبرہ " دراصل یہ عمارت بادشاہ نے اِسي غرض سے بنائي تھي کہ مرنے کے بعد اس میں دفن ھو - ھرم کے مصري نام ھي سے اسکا مقصد واضح ھو جاتا ھے - اِس سے بھي بڑہ کر یہ کہ خود ھرم کے اندر تابوت بھي ملا ھے اور اِس بات کي قطعي شہادت ھے کہ اصل میں یہ مقبرہ ھي تھا -

ھرم کا دروازہ شمال کي طرف ھے - اِس دروازہ سے ایک طویل اور تنگ سرنگ نما راستے میں داخل ھوتے ھیں - راستہ ایک تہہ خانے تک لیجاتا ھے - خیال کیا جاتا ھے کہ یہي تہہ خانہ ' قبر کیلیے مخصوص کیا گیا تھا - کیونکہ اسي میں تابوت رکھا ھے - مگر خود بادشاہ کي لاش اُس میں نہیں ملي - نہیں کہا جا سکتا ' بادشاہ اُس میں کیوں دفن نہیں کیا گیا ؟ نیز ابتک یہ بھي معلوم نہیں ھوا کہ اُسکي اصلي قبر ھے کہاں ؟ بعض مورخین کا خیال ھے کہ بادشاہ نے اِس مقبرہ کے بنانے میں رعایا پر بہت ظلم کیا تھا - اِس لیے ناراض ھوکر مصریوں نے اُسکي لاش اس میں دفن نہ ھونے دي - لیکن اِس کے ایک کمرہ مین بادشاہ کا نام سرخ روشنائي سے لکھا ھوا پایا گیا ھے - خیال کیا جاتا ھے کہ مزدوروں نے پتھر پر اسکا نام تعمیر سے پہلے ھي لکھدیا تھا - اگر یہ نام موجود نہ ھوتا تو دنیا ھرگز نہ جان سکتي کہ یہ عمارت کس شخص نے بنائي تھي -

بادشاہ کا تابوت سنگ سرخ کا ھے - ساڑھے سات فٹ لانبا ' تین فٹ چار انچ چوڑا ' اور تین فٹ چار انچ اونچا ھے -

بادشاہ کے کمرے کے اوپر پانچ چھوٹے کمرے اور ھیں - خیال کیا جاتا ھے کہ یہ اِس غرض سے بنائے گئے تھے کہ شاھي کمرہ پر سے عمارت کا بوجھہ ھلکا ھو جائے - ملکہ کا کمرہ بادشاہ کے کمرے کے نیچے ھے اور اصلي راستہ سے ایک گلي اُسکي طرف جاتي ھے -

قدیم زمانوں سے یہ بات مشہور چلي آتي تھي کہ ھرم کے اندر ایک بہت بڑا خزانہ موجود ھے - مگر کبھي کسي کو اُسکے کھودنے کي جرأت نہیں ھوئي - خلیفہ مامون الرشید نے البتہ کھدوانا شروع کیا تھا ' مگر بعد میں معلوم ھوگیا کہ خزانہ کي افواھیں بے بنیاد ھیں -

(اسکندریہ کا شہرۂ آفاق منارہ)

یہ تصویر اُن تصریحات کي بنا پر بنائي گئي ھے - جو قدیم سیاحوں اور مورخوں کي زباني معلوم ھوئي ھیں -

یوناني سیاح ھیرودوتس نے ھرم کي سیر کي تھي اور اپني کتاب میں اُس کا حال لکھا ھے -

شروع میں ھرم پر چکنا پلاستر لگا ھوا تھا - کوئي اُس پر چڑہ نہیں سکتا تھا - مگر اب یہ پلاستر اُتر گیا ھے اور اُسکي چوٹي پر پہنچنا ممکن ھے -

اِس ھرم کي بلندي ۴۸۱ فٹ ھے - شمالي جانب سے ۶۱۲ اور باقي تین طرف سے ٹھیک ۷۵۵ فٹ ۷- انچ لانبا ھے - یہ اس بات کي شہادت ھے کہ قدیم مصریوں نے علم ھندسہ میں بڑي ترقي حاصل کي تھي -

دنیا کے سات عجائب میں اول درجہ اِسي ھرم کو حاصل ھے -

(مورخین عرب کي تحقیقات)

سات عجائب عالم کا یہ مختصر بیان تھا جو ختم ھوگیا - ھم نے بابل ' منارۂ اسکندریہ ' اور اھرام کے حالات میں صرف وھي امور بیان کیے جو آخرین تحقیقات پر مبني ھیں ' اور وہ تمام تفصیلات ترک کردیں جو غالباً اردو کے کتب و رسائل میں ترجمہ کي جاچکي ھیں - اب اس کے بعد ھمیں تفصیل کے ساتھہ وہ تحقیقات بیان کرني ھے جو قدیم عرب مورخین نے کي تھي ' خصوصاً بابل ' اسکندریہ ' اور اھرام مصر کي نسبت اُن کي تصریحات تاریخ کا نہایت قیمتي اور قابل غور موضوع بحث ھے -

مصریوں نے " تہوت " اور " ھرمس " میں (اور ھرمس Hermes یونانیوں کا بھی معبود تھا) علم وحکمت کے تمام ابتدائي سرچشمے دیکھے (۱) بابل نے جو علم ھئیۃ کے کشف و ترقي کا سب سے پہلا سرچشمہ ہے ' آسمان کے ارباب الوھیت میں سورج کا قہر اور مریخ کي خون آشام تلوار دیکھي تھي - اب زھرہ کي " ..." اور عطارد کي حکمت و دانائي کي ستجیدہ صورت کا بھي تماشائي ھوگیا - یونان کي فکري لطافت اور وسعت تخیل نے اس میں اور زیادہ نظم و اسلوب پیدا کیا - عشق و محبت ' علم و حکمت ' صلح و امن ' زراعت و پیداوار ' مال و دولت ؛ سب کے آسماني کارساز الگ الگ جلوہ فرما ھوگئے ' اور انکي جوھتیں صفات جمالیہ کے حاجت مندوں کا قبلۂ عبادت بن گئیں - مصر ' ھندوستان ' اور یونان میں بابل کي کواکب پرستي کي دعوت پہنچ چکي تھي ' اسلیے ان دیوتاؤں کا تخیل زیادہ تر اجرام سماویہ ھي کے تعبدانہ مشاھدہ میں پیدا ھوا -

ایران جو دنیائے قدیم کے ادیان و ملل میں اپني بعض خصوصیات کے لحاظ سے غیر معمولي امتیاز رکھتا ہے " اور جس نے باوجود مظاھر پرستي کے انہماک کے ' اصنامي پرستش کے تخیل سے ھمیشہ گریز کیا ؛ اس بارے میں ایک بالکل مختلف نوعیت کا تخیل قائم کرتا ہے ' اور ثنویت کے ذریعہ صفات قہر و جلال اور رحمت و جمال کے تضاد کي مشکل حل کرتا ہے - یعني اس اعتقاد کا نقشہ آراستہ کرتا ہے کہ خالق حقیقي کے ماتحت دو کارساز قوتیں کارفرما ھیں : قوت خیر اور قوت شر - یعني " یزدان " اور " اھرمن " تمام ایجابي اور جمالي صفات یزدان کے حصے میں آئي ھیں ' اور تمام سلبي اور قہري صفات اھرمن کے حصے میں - یزدان کي تعمیري صفت بنانا چاھتي ہے - اھرمن کي تخریبي صفت بگاڑنا چاھتي ہے - گویا کون و فساد کي کشاکش اپني منتہاء ترقیت میں دو متضاد کارفرماؤں کي کشمکش پر ختم ھوتي ہے -

غرضکہ اس دور کے آخري عہد میں بہ حیثیت مجموعي ذھن انساني نے ایک ایسي مزاجي استعداد پیدا کر لي تھي کہ وہ صفات سلبیہ کے ساتھہ صفات ایجابیہ کا بھي بالاستقلال تصور کر سکتا تھا - البتہ غلبہ اب بھي صفات سلبیہ ھي کے تصور کا تھا - تصور الہي کے اس بنیادي نقطہ میں کہ عبادت کي اصل خدا کے غضب و قہر سے بچنا ہے ' نہ کہ اسے چاھنا اور اس سے نزدیک ھونا کوي تبدیلي نہیں ھوي تھي - پس گو اس عہد میں انسان خدا کي رحمت و جمال کا نظارہ کرنے لگا ' لیکن اسکے ذھن پر تسلط ' خدا کے قہر و غضب کے خوف ھي کا تھا - جمال و رحمت کي شیفتگي کا نہ تھا - اس منزل تک پہنچنے کیلیے اسے ابھي کئي ارتقائي منزلیں طے کرني تھیں -

مذھبي اعمال میں تمام تر دارومدار قرباني اور اسکي بے شمار اقسام پر تھا - علم و حکمت اور رزق و بخشش ھي کا دیوتا کیوں نہو ' لیکن بغیر قتل و ھلاکت کي بھینٹ کے خوش نہیں ھوسکتا تھا - مذھبي اور معبدي رسوم کي کارفرما جماعتیں (یعني مندروں کے پجاریوں ' معلموں ' رھنماؤں کي جماعتیں) صدیوں سے ایک طاقتور نظام کي شکل میں قائم ھوچکي تھیں - انکے اقتدار و بالا دستي کا اعتقاد مذھبي عقائد کا سب سے زیادہ ضروري عنصر بن گیا تھا - ان معبدي اور اصنامي جماعتوں کے نظام کے قیام نے بھي انسان کے دیني عقائد کي تاریخ میں بہت بڑا حصہ لیا - عوام پر ان کا اقتدار جن وسائل سے قائم رہ سکتا تھا ' ان میں سب سے زیادہ موثر چیز بھي مذھبي قسم کا خوف اور آسماني قسم کي دھشت انگیزي تھي - اس لیے یہ جماعتیں قدرتي طور پر آسماني قہر و غضب کي دائمي مبلغ بن گئي تھیں ' اور انساني دماغ کو خوف و دھشت سے الگ ھوکر ' خدا کے طرف نظر اٹھانے کي مہلت ھي نہیں ملتي تھي - جن لوگوں نے مصر ' ھندوستان ' اور یونان کي معبدي جماعتوں کے حالات کا مطالعہ کیا ہے ' وہ اندازہ کر سکینگے کہ اس عہد کے دھشت انگیز دیني موثرات میں یہ چیز کس درجہ قوي و فعال رھي ہے ؟

اس دور کے اس آخري عہد میں پہنچکر ھمارے لیے ممکن ھوجاتا ہے کہ سنین و ایام کے موجودہ حسابات سے اس کا زمانہ متعین کر سکیں - یہ تقریباً سنہ ۱۷۰۰ قبل مسیح (ع) کا زمانہ ہے - اس عہد کے کچھہ عرصے بعد سامي دعوت کے قیام و اشاعت کا دور شروع ھوجاتا ہے -

(سامي دعوت کا ظہور)

" سامي دعوت " سے مقصود تورات کي دعوت ہے - تورات کے ظہور کا زمانہ تقریبا (تقریباً اس لیے کہ ایام و سنین کے صحیح تعین میں متعدد تاریخي اور ھئیتي اختلافات حائل ھیں) ۱۶۴۵ - قبل مسیح ہے - تورات کے عبراني سنین کي جو تقویم آجکل کے علماء فن نے مرتب کي ہے ' بعینہ وھي ہے جو ابو ریحان بیروني وغیرہ عرب محققین زیچ و تقاویم نے مرتب کي تھي - اس سے ثابت ھوتا ہے کہ بنو اسرائیل کا مصر سے خروج مندرجۂ صدر سنہ میں ھوا تھا - اسلیے تقریباً یہي زمانہ حضرۃ موسی (علی نبینا و علیہ الصلواۃ والسلام) کے ظہور اور تورات کے نزول و دعوت کا زمانہ ہے -

(۱) ھرمس کے بارے میں بعض مورخین کو سخت غلط فہمي ھوئي ہے ' اور انکي تقلید سے زمانۂ حال کے بعض مستشرقین یورپ بھي غلط فہمي میں مبتلا ھوئے - چونکہ یونان اور مصریوں کے عقیدے میں ھرمس علم و حکمت کا دیوتا تھا ' اسلیے متاخرین حکماء نے اکثر علوم و فنون کي ابتدا اسکي طرف منسوب کردي تھي ' اور بعض کتابوں میں علوم کا تذکرہ اس طرح شروع کیا گیا تھا ' گویا ھرمس کا الہام رباني بیان کر رھا ہے - جب ان کتابوں کا عہد عباسیہ میں ترجمہ ھوا تو بعض لوگوں کو یہ غلط فہمي ھوگئي کہ ھرمس یونان و مصر کے حکما میں سے کوئي حکیم ہے - پھر کوشش کي گئي کہ اس کا زمانہ متعین کیا جائے - بعضوں نے اسکا زمانہ ایسا متعین کیا جو حضرتہ ادریس علیہ السلام کا زمانہ تھا - اس سے یہ خیال پیدا ھوا کہ ھرمس اور ادریس ایک ھي شخصیت کے دو نام ھیں - بعضوں نے کہا کہ تورات میں جس " اخنوخ " کا ذکر آیا ہے ' وھي یونانیوں کے یہاں ھرمس کے نام سے مشہور ہے - بعضوں نے دیکھا کہ ھرمس کا تذکرہ مختلف زمانوں میں پایا جاتا ہے اس لیئے انھوں نے تطبیق کي یہ صورت نکالي کہ تین ھرمس فرض کرلیے : کبیر ' درمیاني ' صغیر - حالانکہ سرے سے ھرمس نامي کسي انسان کا وجود ھي ثابت نہیں - وہ محض ایک خیالي شخصیت ہے - جیسي شخصیت ھندوستان میں نظم و حکمت کے لیے بیاس جي کي فرض کر لي گئي ہے - ابن الندیم نے فہرست میں (صفحہ ۲۶۷ و ۳۱۳) جمال الدین قفطي نے تاریخ الحکماء میں (صفحہ ۳۴۹) اور ابن ابی اصیبعہ نے عیون الانباء میں (جلد ۱ - صفحہ ۱۶) ھرمس کي نسبت جو کچھہ لکھا ہے ' وہ اسي غلط فہمي کا نتیجہ ہے - ھرمس حکیم کے نام سے جو کتابیں عربي میں ترجمہ ھوئیں ' زیادہ تر قدیم فن کیمیا اور احکام نجوم کي کتابیں ھیں - رمل کے ابتدائي خطوط بھي اسي کے طرف منسوب ھیں - البتہ بیروني اور خمري کي بعض تصریحات سے معلوم ھوتا ہے کہ فن ھئیۃ و زیچ میں بھي اس کے بعض رسائل ترجمہ کیے گئے تھے - عجیب بات یہ ہے کہ دنیا کي سات اقلیموں والي تقسیم جو ایران کے " ھفت کشور " سے لي گئي تھي ' محمد بن ابراھیم فزاري نے اسي کے طرف منسوب کي ہے (معجم البلدان جلد ۱ - صفحہ ۲۹)

گاہ گاہ ایسا بھي ھوتا ھے کہ اس کي طبعیت رحم و کرم پر آجاتي ھے ' اور وہ بخشش بھي دیتا ھے اور مالا مال بھي کردیتا ھے - بعینہ یہي تصور خدا کا بھي تھا - اور اسلیے خدا کي صفات رحمت و جمال کي نسبت جو کچھہ بھي سمجھا جاتا تھا ' وہ اس سے زیادہ نہ تھا ' جیسا ایک پر ھیبت بادشاہ کي نسبت سمجھا جاسکتا ھے -

(۲) صفات الہي کے تصور کا ایک نازک اور دقیق پہلو یہ ھے کہ خدا کے افعال کیلیے کوئي مقصد و غایت ھوني چاھیے یا نہیں؟ اس لحاظ سے افعال الہي کي دو ھي نوعیتیں ھوسکتي ھیں - ایک یہ کہ اسکے تمام افعال بغیر کسي غایت اور حکمت کے ھیں - ایک یہ کہ اسکا ھر فعل کسي مقصد اور حکمت پر مبني ھے - شاھیت اور الوھیت کے تشابہ کا اثر تصور الہي کے اس گوشہ پر بھي پڑا - انسان ھزاروں برس تک خدا کے افعال بھي اسي رنگ روپ میں دیکھتا رھا ' جسمیں اپنے چاندي سونے کے تخت پر بیٹھنے والوں کو دیکھتا تھا - وہ " قدرت " کے ساتھہ " حکمت " جمع نہیں کرسکا - اسکا خیال یہ تھا کہ حکمت اور مقصد کي رعایت دلیل عجز ھے - یہ عام انسانوں کیلیے ضروري ھے جو اپنے حاکموں اور پادشاھوں کے سامنے جوابدہ ھیں ' لیکن ایک پادشاہ جو کسي کے سامنے جوابدہ نہیں ' حکمت و غایت کي رعایت سے ماوراء ھے - ایک پادشاہ جسقدر زیادہ طاقتور اور زیادہ اونچے قسم کا ھوگا ' اُتنے ھي اسکے اعمال زیادہ مطلق العنان ' زیادہ بے ترتیب ' زیادہ بے مصلحت ' زیادہ بے معني ھونگے - وہ بغیر کسي سبب و موجب کے ھزاروں آدمي قتل کر ڈالیگا - بغیر کسي مصلحت کے عمارتیں ڈھا دیگا ' بغیر کسي ضرورت کے نئي عمارتیں کھڑي کر دیگا - ھوسکتا ھے کہ محض اتني سي بات دیکھنے کیلیے کہ رات کي تاریکي میں آتشزدگي کا تماشہ کیسا ھوتا ھے ؟ وہ ایک پورا آباد شہر جلا ڈالے !

یہ جو ھندوستان ' مصر ' یونان ' وغیرہ قدیم متمدن ممالک کي دیوماني کہانیوں میں ھم دیکھتے ھیں کہ دیوتاؤں کے جسقدر بھي اعمال دکھلائے ھیں ' وہ سب اسي نوعیت کے ھیں - ایسا معلوم ھوتا ھے ' جیسے چند انسان ھر طرح کي طاقت اور اختیار پاکر بے قابو ھوگئے ھیں اور طاقت اور اختیار سے کھیلنے لگتے ھیں - محض اسلیے کہ وہ طاقت رکھتے ھیں ' اپني اپني طاقتیں لہو و لعب کي طرح بلا ضرورت استعمال میں لاتے ھیں ' اور انکي اس کھیل کود سے کائنات ھستي کے ھزاروں کارخانے بننے بگڑنے لگتے ھیں ' تو اس چیز کے اندر وھي شاھي و مالکي مزاج کام کر رھا ھے - پادشاھوں کي زندگي ایسي ھي تھي ' اسلیے دیوتاؤں کے تصور میں بھي اُسي کا عکس نمایاں ھوگیا -

تصور الہي کے اس دور کے بعد اگرچہ تصور کے تمام اجزاء میں ترقي ھوگئي تھي ' لیکن چونکہ شاھیت اور الوھیت کا تشابہ راسخ ھوچکا تھا ' اسلیے ترقي کي ھر منزل میں شاھیت ھي کی قسم کا تصور قائم ھوتا رھا - اُس سے الگ نہ ھوسکا -

(۳) یہ جو ھم دیکھتے ھیں کہ تمام قدیم اقوام کے الہي تصورات میں ' باوجودیکہ وہ تمدن و شایستگي کے بڑے بڑے درجے طے کر چکي تھیں ؛ ادنی درجہ کے حیواني اور بہیمي افعال کے تخیلات سے کسي طرح کا اجتناب نہیں پایا جاتا ' تو اس میں بھي بہت حد تک اسي تشابہ کو دخل ھے - بلا شبہ ان تخیلات کي بنیاد جمیعت بشریہ کے عہد طفولیت میں پڑي تھي جبکہ ذھن انساني بالکل ناتراشیدہ حالت میں تھا ' لیکن عہد تمدن میں کیوں یہ تخیلات بالکل متروک نہیں ھوگئے ؟ اس کي علت یہي ھے کہ شاھیت اور الوھیت کے تشابہ نے یہ اعتقاد پیدا کردیا تھا کہ شاھیت و خداوندیت کیلیے اس قسم کي زندگي نقائص کا موجب نہیں ھے ' بڑائي اور غیر مسئولیت کا نتیجہ ھے - چونکہ خدا کے تصور میں بھي شاھیت کي مماثلت کارگر ھوچکي تھي ' اسلیے اس میں یہي یہي شان پیدا کردي گئي -

(۴) حکومت بالوسائط ' یعنے خالق حقیقي سے کائنات ھستي کا تعلق براہ راست نہیں ھے - درمیان میں وسائل و وسائط ھیں - خدا انھي کے ذریعہ تمام کارخانۂ وجود چلا رھا ھے ' اسي تشابہ کا ایک نہایت گہرا اور دور رس نتیجہ ھے -

(۵) تصور الہي کا یہ قدیم اور راسخ اعتقاد کہ بخشش معاصي کیلیے جسم انساني کي تعذیب ضروري ھے ' بغیر اسکے خدا کي خوشنودي حاصل نہیں ھوسکتي ' اسي تشابہ کے برگ و بار میں سے ھے - غضب ناک اور مطلق العنان پادشاہ چھوٹے چھوٹے قصوروں پر سخت سخت سزائیں دیدیتے تھے ' اور جب تک سزا واقع نہیں ھوجاتي تھي ' اُن کا غصہ ٹھنڈا نہیں ھوتا تھا - یہي بات خدا کے تصور میں بھي پیدا ھوگئي - انسان نے دیکھا کہ اُسکي جسماني عقوبت ' اُسکے شاھي مالکوں کا غضب ٹھنڈا کر دیتي ھے ' اسلیے اُس نے خیال کیا کہ اُس کے آسماني خداوندوں کے اطفاء غضب کیلیے بھي ضروري ھے کہ طرح طرح کي جسماني عقوبتیں اور اذیتیں برداشت کرے - قرباني کي شکل میں یہي چیز قتل نفس تک پہنچ گئي - انسان اپنے ھم جنس کو ' اپني اولاد کو ' خود اپنے آپ کو عفو قصور اور حصول رضاء الہي کیلیے قتل کرنے لگا -

(۶) خدا کے تصور کا ایک نہایت اھم پہلو اُس کي معبودیت کا اعتقاد ھے - یعني یہ کہ اُس کي عبادت کرني چاھیے - لیکن عبادت کیوں کرني چاھیے ؟ اِس کا صحیح جواب ذھن انساني کي نا رسا استعداد معلوم نہ کرسکي - خدا کا تصور کرتے ھوئے اس نے صرف اُس کي صفات قہر و جلال ھي کا نظارہ کیا تھا ' اس لیے عبادت کي بنیاد خوف و دھشت کے جذبات سے پڑي تھي ' نہ کہ محبت و عبودیت سے - اُس نے خدا کو ایک خوفناک ھستي کي شکل میں دیکھا تھا ' اس لیے اُس کے غضب سے بچنے کے لیے اُس کي خوشامد کرني چاھتا تھا - شاھیت و اُلوھیت کے تشابہ سے یہ تخیل اور زیادہ راسخ و محکم ھوگیا - مطلق العنان اور قہرمان شاھیت بھي ھر انسان سے غلامي و چاکري کراتي تھي ' اور لوگ اپنے دل کي خوشنودي سے نہیں بلکہ سزا کے خوف سے اُن کي خدمت و اطاعت کرتے تھے - نیز اُن کے ھیجان غضب سے بچنے کیلیے طرح طرح کے نذرانے اور تحفے پیش کرتے تھے - خدا کي معبودیت کي بھي ٹھیک ٹھیک یہي نوعیت تھي - جس طرح انسان اپنے تخت نشین حاکموں کي چاکري کرتا تھا ' تاکہ اُن کے ظلم و قہر سے بچے ' اُسي طرح وہ اپنے آسمان نشین کارسازوں کي بھي بندگي کرتا ' تاکہ اُن کے غضب و جلال کا نشانہ نہ بنے - جس طرح وہ اپنے پادشاھوں کو طرح طرح کے نذرانے پیش کرتا تھا تاکہ وہ خوش ھوکر مہربان ھوجائیں ' اسي طرح وہ اپنے خداؤں کے لیے بھي طرح طرح کے نذرانے تجویز کرتا تاکہ وہ مہربان ھوکر اُس کي التجائیں سن لیں -

(دوسرے دور کا منتہاء بلوغ)

اس دور کي منتہاء ترقي یہ تھي کہ بہ تدریج صفات رحمت و جمال کا عنصر جو ابتدا میں بہت ھي دھیما تھا ' اس درجہ اُبھر آیا کہ صفات سلبیہ کي طرح صفات ایجابیہ کا بھي بالاستقلال تصور قائم ھوگیا - ھندوستان اور مصر میں علم ' محبت ' دولت ' نسل ' اور رزق کے بھي دیوتا اُسي طرح پیدا ھوگئے ' جس طرح ھلاکت اور بربادي کے بے شمار دیوتا موجود تھے - ھندوستان کي سرسوتي ' لکشمي ' او درگا وغیرہ کي مورتیاں آج تک ھمارے سامنے سے گذرتي ھیں

مقرر یا سیاسی ؟

(سیاست سے پہلے تربیت)

(مقتبس از بعض رسائل مصر)

همارے هاں " سیاست " سب سے آسان تر کام هے ' کیونکه کسي اصول اور قاعده کا علم اس کیلیے ضروري نهیں - لوهاري نجاري ' جلد بندي ' نعل بندي ' حتی که حجامت بهي سیاست سے مشکل هے ' کیونکه یه تمام پیشے اپنے مقرره اصول اور قواعد رکهتے هیں ' جنکے جانے بغیر کوئي آدمي انهیں اختیار نهیں کر سکتا - لیکن " سیاست " کي حالت اس سے بالکل مختلف هے - جس لمحه چاهو " سیاسي " هونے کا اعلان کردے سکتے هو ' اور سیاست کے نام سے جو بکواس بهي چاهو بلا تامل کر سکتے هو - کوئي تم پر اعتراض کي جرأت نهیں کرسکتا ' کیونکه همارے هاں سیاست کسي اصول اور قاعده پر مبني نهیں هے -

لیکن جو قومیں " سیاست " جانتی هیں ' اُنکے نزدیک یه چیز بهت مشکل هے - اُنکے یہاں اِسکے لیے کچهه اصول و قواعد هیں ' جن میں کمال حاصل کیے بغیر کوئي آدمي سیاسي نهیں هو سکتا - اُنکے نزدیک سیاست کي شرطوں میں سے اولین شرط ' اخلاق هے اور آخري شرط ' کلام یا تقریر هے - اُنکے یہاں سیاسي ایک خاموش ' پر فکر اور کارکن هستي هے - اُسکي آواز بازاروں هیں سني نهیں جاتي - مجلسیں اُسکي لفاظي سے نا آشنا هوتي هیں - وه خاموش دریا کی طرح ' بغیر کبهي شور و غل کے کام کرتا هے - اُنکے یہاں سیاسي زیاده بولنے والے ' کم کام کرنے والے ' اور اپني شهرت کا ڈنکا بجانے والے کو نهیں کہتے - بلا شبه اگر اپنے تدبر اور قوت عمل کے ساتهه سیاسي قوت خطابت کا بهي مالک هے ' تو سونے پر سہاگا سمجها جاتا هے - لیکن برک ' برایت ' اور گلیڈسٹون کي شهرت صرف اُنکي خطابت کي وجه سے نه تهي - وه پہلے سیاسي تهے - پهر خطیب اور مقرر -

بهت سے بڑے بڑے سیاسي ایسے گذرے هیں جنکي تقریریں مجلسوں میں نهیں گونجتي تهیں - لیکن اُنکے خاموش کام دنیا کو هلا ڈالتے تهے - اِن سیاسیوں کي فصاحت کا یه حال تها که جب پارلیمنٹ میں تقریر کرنے کهڑے هوتے تهے ' تو بهت سے ارکان اٹهکر سگریٹ نوشي کیلیے چلے جاتے تهے - اور جو بیٹهے رهتے تهے ' انمیں سے بهي اکثر اونگهه کر خراٹے لینے لگتے تهے - لیکن با وجود اِسکے اُنکے عمل ابتک زنده هیں - دنیا کي تاریخ میں اُنکے نام جلي حرفوں میں لکهے هیں - بر خلاف اسکے بڑے بڑے مقرر جو بادلوں کي طرح گرجتے تهے ' مرتے هي گمنام هوگیے !

ڈیوک ولنگٹن مقرر نه تها ' بلکه اپني کم سخني کي وجه سے " خاموش " کے لقب سے مشهور هوگیا تها - تا هم " آهني " کہلاتا تها ' کیونکه اُسنے جنگ میں نپولین جیسے فاتح کو تباه کیا اور حالت امن میں محض اپني اخلاقي قوت سے اپنے تمام مخالف زیر کر لیے - کوئي نهیں کهه سکتا که خاموش ولنگٹن کا مرتبه مقرر گلیڈسٹون سے کم تها -

هم قوت خطابت کي اهمیت گهٹاني نهیں چاهتے - هم تسلیم کرتے هیں که یه قوت خدا کي نعمتوں میں سے ایک بڑي نعمت اور قوموں کي اجتماعي زندگی میں ایک ضروري عامل هے - لیکن هم اپني قوم کا یه اعتقاد غلط ثابت کرنا چاهتے هیں که " تقریر هي سب کچهه هے " جس کي تقریر موثر هوتي هے ' اُسے سب کچهه سمجها جاتا هے ' اور جس کي تقریر کمزور هوتي هے ' اُسے کچهه نهیں سمجها جاتا - حالانکه ایک کم علم ' بهترین مقرر هوسکتا هے اور علامهٔ دوراں ' تقریر کے میدان میں ایک قدم بهي نهیں چل سکتا -

تهوڑے دن هوئے ' مسٹر بالڈون موجوده وزیر اعظم انگلستان نے ایک کالج کے طالب علموں کے سامنے تقریر کی تهي - یه تقریر همارے موضوع سے متعلق هے ' اور اِس لائق هے که عوام اُسے پڑهیں اور فائده اٹهائیں - اُنهوں نے نهایت عمده طور پر ثابت کیا هے که اِفراد اور قوموں کي سیاسي زندگي میں تربیت کتني ضروري چیز هے ؟

وزیر اعظم نے کہا " تربیت کا سب سے بڑا ثمره یه هے که وه عقل کو تصنع اور ریا سے پاک کرتي اور حقائق اشیا دیکهنے کا موقعه بهم پہنچاتي هے - علم همیں بالکل صحیح طور پر فصاحت و بلاغت سے بد ظن کرتا هے - آزاد ملکوں میں اگر کسي شخص کو شک و شبه کي نظر سے دیکهنا ضروري هے ' تو وه لچهے دار تقریریں کرنے والا شخص هے - یعني وه شخص جو نیم تعلیم یافته بهیڑ کو اپني لساني سے مسحور کردیتا اور گمراهي کو خوشنما بنا کر عام کرتا هے - آزادي کے هر زمانه میں سب سے بڑا خطره ' یهي گمراه مقرر رهے هیں - اِس وقت بهي هیں ' اور آئنده بهي رهینگے - هماري موجوده آزادي مقدس هے - همیں یقین هے که آزادي همارے ملک کے لیے ایک نعمت عظمی هے - هم کسي طرح بهي گوارا نهیں کرسکتے که ساقط اخلاق کے فصیح البیان مقرر اپني زبانوں کے زهر سے اُسے مسموم کرڈالیں "

" بچپن میں خوشنما لفظوں اور بلیغ جملوں پر میں عاشق تها - لیکن اٹهاره برس کي عمر میں پہنچکر میں نے " فروڈ " کا یه قول پڑها " فن خطابت (تقریر) علمي بدکاري هے " اُس دن سے میرا عشق ' نفرت سے بدل گیا اور فصاحت و بلاغت پر سے میرا بهروسه اٹهه گیا "

" وزیر اعظم هونے کے بعد میں نے سنا که جماعت کي ایک معزز خاتون نے ' جس سے مجهے تعارف کي عزت حاصل نهیں ' اپنے

لاسلکی کا راز

لاسلکی (بے تار کی تار برقی) کی دنیا میں بہت سے ایسے راز ہیں جنھیں علم ابتک حل نہیں کرسکا ہے -

***

مثلاً یہ کہ لاسلکی لہریں ' روشنی سے زیادہ اندھیرے میں تیز چلتی ہیں - لاسلکی سے خفیف سی بھی واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ دن سے زیادہ رات میں اُس کی آواز بلند ہوتی ہے - غروب کے بعد لاسلکی لہروں کی رفتار تقریباً دونی ہو جاتی ہے -

علماء اِس مسئلہ کے قطعی حل سے ابتک عاجز ہیں - بہترین توجیہہ جو کی گئی ہے یہ ہے کہ نور اور حرارت کا لاسلکی لہروں سے گہرا علاقہ ہے - کیونکہ یہ دونوں چیزیں اُن موجوں سے پیدا ہوتی ہیں جو اثیر (ایتھر) میں نہایت ہی غیر معمولی سرعت سے بہتی ہیں - اِن موجوں اور خود اثیر کی موجوں میں بڑا فرق یہ ہے کہ اول الذکر ' آخر الذکر سے بہت چھوٹی ہوتی ہیں -

ظاہر ہے کہ سطح زمین سے جو اثیر محیط ہے ' وہ دن میں نور و حرارت کی اُن موجوں سے لبریز ہوتا ہے جو سورج سے منفصل ہوتی ہیں - یہ موجیں ' اثیر کی موجوں میں سخت اضطراب پیدا کردیتی ہیں - اِسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آواز میں بھی اضطراب پیدا ہو جاتا ہے - کیونکہ وہ اثیر ہی کے ذریعہ منتقل ہوتی ہیں -

یہ صرف دن ہی میں ہوتا ہے ' جبکہ نور و حرارت کی موجیں اثیر میں موجود ہوتی ہیں - رات کو چونکہ اثیر اُنسے خالی ہوتا ہے ' اِس لئے اُسکی موجوں میں اضطراب پیدا نہیں ہوتا ' اور چونکہ اُسکی موجوں میں اضطراب پیدا نہیں ہوتا ' اس لیے آواز بھی صاف اور بلند سنائی دیتی ہے -

***

لاسلکی کا یہ راز بھی عجیب ہے کہ اُسکی موجیں ہمیشہ قوسی خط پر چلتی ہیں - گویا زمین کی قوسی سطح کے مطابق اپنا راستہ بناتی ہیں - لیکن نور و حرارت کی موجوں کا یہ حال نہیں ہے - وہ خط مستقیم پر بہتی ہیں - ثبوت یہ ہے کہ مثلاً ایک منارہ تمھیں تیس میل کی مسافت پر سے دکھائی نہیں دیتا - اسکی دو وجہیں ہیں : ایک یہ کہ زمین گول ہے اور اُسکی سطح قوسی شکل کی ہے ' لہذا دور کی بلندیاں افق میں چھپ جاتی ہیں - دوسری وجہ یہ ہے کہ نور کی شعاعیں خط مستقیم پر پھیلتی ہیں اور افق میں چھپی ہوئی بلندیاں ظاہر نہیں کرسکتیں - برخلاف اسکے لاسلکی موجیں پورے نصف کرۂ ارضی تک پھیلائی جاسکتی ہیں ' کیونکہ وہ زمین کی سطح کے مطابق چلتی ہیں -

اِس کی تعلیل علماء کے ایک گروہ نے یہ کی ہے کہ لاسلکی لہروں کی رفتار ' اُس غبار کے ذرات یا اثیر کی وجہ سے قوسی ہو جاتی ہے جو کرۂ ارضی کی فضا میں منتشر اور اُس سے محیط ہے - اُنکا خیال ہے کہ یہ لہریں جب لاسلکی آلہ سے نکلتی ہیں تو ایک عظیم قوت کے ساتھ بلند ہونا شروع ہوتی ہیں ' یہانتک کہ زمین سے محیط غباری طبقہ تک پہنچ جاتی ہیں - پھر وہاں سے لوٹتی ہیں اور اُسی طرح زمین پر منعکس ہوتی ہیں ' جس طرح آئینہ سے نور منعکس ہوتا ہے - یہ عمل برابر جاری رہتا ہے - گویا یہ لہریں فضا میں پراگندہ ہونے کے لیے بھاگتی ہیں مگر غباری ذرے اُنھیں واپس کردیتے ہیں !

لیکن علماء کا ایک دوسرا گروہ اثیر کے وجود ہی سے منکر ہے - اُسکا دعوی یہ ہے کہ جن لہروں کو ہم لاسلکی کہتے ہیں ' وہ فضا میں نہیں بلند ہوتیں - زمین ہی پر بہتی ہیں -

***

یہ لاسلکی راز بھی کچھہ کم حیرت انگیز نہیں کہ بعض علاقوں میں قوی سے قوی لاسلکی آواز بھی ظاہر نہیں ہوتی - یا بہت ہی دھیمی سنی جاتی ہے - یہ علاقے اِس فن کی اصطلاح میں " خاموش علاقے " یا " موت کے علاقے " کہلاتے ہیں - ایک امریکی عالم لاسلکی کا بیان ہے کہ وہ ایک مرتبہ لاسلکی آلہ لیکر شمال کی سمت روانہ ہوا تا کہ اِس علم پر تقریریں کرے - لیکن وہ جوں جوں شمال کی طرف بڑھتا گیا ' اُسکا آلہ بھی کمزور پڑتا گیا - اُسے خیال ہوا کہ شاید آلہ میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے - چنانچہ نیا آلہ خرید لیا - مگر اُسکی آواز بھی دھیمی ہوتی چلی گئی - یہانتک کہ ایک ایسے شہر میں پہنچا ' جہاں آلہ سے مطلقاً کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی - وہ سخت متعجب ہوا اور کوئی سبب سمجھہ نہ سکا - مگر برابر سفر کرتا رہا ' یہانتک کہ آلہ سے آواز پیدا ہونا اور بڑھنا شروع ہوگئی - بعد میں اُسے معلوم ہوا کہ آلہ میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوئی تھی ' بلکہ " موت کے علاقے " نے اُسے معطل کر دیا تھا -

***

یہ ' اور اِسی طرح کے بعض اور لاسلکی معمے ہیں جنھیں علم ابتک پوری طرح حل نہیں کرسکا ہے - ممکن ہے کہ یہ معمے حل ہو جائیں ' لیکن علم انسانی کے معمے اور کائنات ہستی کے راز کبھی حل نہ ہوسکیں گے - انسان دس معمے سلجھاتا ہے ' تو سو نئے معمے اُس کے اضطراب عجز کے لیے پیدا ہو جاتے ہیں - انسان کے لیے اب سے ہزاروں برس پیشتر بھی علم کے معمے تھے ' اب بھی معمے ہیں ' اور شاید آیندہ بھی ہمیشہ معمے باقی رہینگے :

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا -

ئله ماه بعد جب خديو توفيق پاشا كي وطن فروشي اور سلطان حميد كي مذبذب اور متزلزل حكمت عملي كي كمزوري تل الكبير" كے معركه كے بعد انگريزي فوج مصر ميں داخل هي ، تو عربي پاشا اور محمود بارودي پر مقدمه چلايا گيا ، اور خ محمد عبده بهي ان كے ساتهه گرفتار كرليے گئے - اِن كا جرم يه بتلايا تها كه انهوں نے وقائع مصريه ميں ايسے مقالات لكهے تهے جن ميں ريک كي حمايت كي گئي تهي - غالباً سعد زغلول بهي آن كے تعلق وجه سے مبتلاے محن هوے ليكن بعد كو رها كرديے گئے - نكه فى الحقيقت شيخ كے تعلق و تلمذ كے سوا اِن كا تحريک ميں كوئي حصه نه تها -

اسي زمانه ميں اِنهيں نئي تعليم كا شوق هوا - پہلے فرانسيسي زبان كي تحصيل كي - پهر قانون كا مطالعه كيا - اور سنه ۱۸۸۹ ميں وكالت شروع كردي - آن كي غير معمولي ذهانت اور طبعي اُستعداد كے ثبوت ميں يه واقعه بيان كيا گيا هے كه جب انهوں نے مصر كي اعلى عدالتوں ميں وكالت كرني چاهي ، تو سركاري محكمه نے اجازت دينے سے انكار كرديا - كيونكه نه تو آنهوں نے باقاعده سركاري مدارس ميں تعليم حاصل كي تهي ، نه يورپ كے مدارس قانون كي كوي سند ركهتے تهے - ليكن انهوں نے اپنے استحقاق و اهليت پر اصرار كيا ، اور كها " اگر اس معامله كا دار و مدار استعداد اور اهليت پر هے نه كه سند كے ايک پرزه پر ، تو قانون كا سخت سے سخت امتحان لے ليا جاے - اگر ميں يورپ كے سند يافته محاميوں سے (مصر ميں قانون كے بيرسٹر كو محامي كهتے هيں) بهتر ثابت هوں تو ميري درخواست منظور كي جاے " يه واقعه هے كه امتحان ليا گيا ، اور آن كي قانوني استعداد بهتر سے بهتر معيار پر بهي پوري آتري !

انكي غير معمولي استعداد نے بهت جلد ترقي مناصب كي راه آن پر كهول دي - پہلے بعض قانوني مناصب پر مامور هوے - پهر سنه ۱۹۰۶ ميں اس درجه شهرت حاصل كرلي كه وزير تعليم هوگئے -

اسي زمانه ميں مصري مجلس تشريع (ليجس ليٹو اسمبلي) كے نظام ميں وسعت هوئی ، اور نئے نئے طريقه رائج هوے - يه هر موقعه پر سركاري مناصب كيليے ايک اول درجه كے اميدوار تسليم كيے جاتے تهے - سنه ۱۹۱۱ ميں مجلس تشريع نے انهيں اپنا رئيس منتخب كيا ، جسپر وه (غالباً) سنه ۱۹۱۴ تک قائم رهے -

(سعد زغلول كا سياسي مسلک)

سعد زغلول كي تعليمي اور سياسي ، دونوں زندگيوں كي ابتدا شيخ محمد عبده كی تعليم و تاثير سے هوي تهي ، اسليے وه اپني زندگي كے آخري سالوں تک (يعنے سنه ۱۹۱۸ تک جبكه التواء

(جنگ كے بعد انهوں نے مصر كے كامل استقلال كا مطالبه كيا هے)

آسي مسلک پر گامزن رهے جو واقعهٔ عربي كے بعد خود شيخ محمد عبده نے اختيار كر ليا تها - هميشه آنكا شمار شيخ كي جماعت كے مخصوص افراد ميں رها - وه آن تمام لوگوں ميں جنهيں شيخ كي فيض صحبت نے پيدا كيا تها ، نماياں اور ممتاز تهے -

شيخ محمد عبده مرحوم كا يه حال تها كه وه فطرة كي بهترين دماغي بخشيشيں ليكر پيدا هوئے ، ليكن جامع ازهر كي تعليمي فضا سے كوئي بلند تر تعليمي فضا حاصل نه كرسكے - اسي اثنا ميں سيد جمال الدين مرحوم قاهره پهنچے ، اور آن كے فيض صحبت سے شيخ كے تمام فطري جوهر اُبهر آئے -

سيد موصوف كي دعوت اگرچه تعليمي اور ديني اصلاح پر مشتمل تهي ، لبكن آس كا محوري مركز سياسي انقلاب تها ، كيونكه وه يقين كرتے تهے كه اسلام كي ديني روح ، سياسي روح سے الگ نهيں هے - انهوں نے مصر ميں بهي انقلابي دعوت كي تخم ريزي كي - آس وقت مصر اسماعيل پاشا كي مسرفانه اور عيش پرستانه زندگي سے تباه هورها تها - اغيار و اجانب كي مداخلتوں كے نئے نئے دروازے كهل رهے تهے ، طالبين اصلاح كي تمام اميديں ولي عهد مصر توفيق پاشا سے وابسته تهيں - سيد جمال الدين نے توفيق تک رسائي حاصل كرنے كے ليے يه طريقه اختيار كيا ، كه پہلے خود قاهره كے فري ميسن لاج ميں داخل هوئے پهر كوشش كركے توفيق كو بهي اس كا گرينڈ ماسٹر منتخب كراليا ، اور اس طرح فري ميسن كا مخفي اور محفوظ جماعتي دائره اپنے اور آس كے گرد كهينچ ليا - توفيق پاشا سيد موصوف كے اصلاحي خيالات سے پوري طرح متاثر هوا ، اور عهد و اثق كيا كه با اقتدار هوتے هي اصلاح و انقلاب حال كے ليے پوري طرح كوشش كريگا - ليكن جب كچهه عرصه كے بعد وه خديو مصر هوا ، اور سيد جمال الدين آن عهود و مواثيق كے ايفا كے طالب هوئے ، تو پہلے تو ليت و لعل شروع كيا - پهر صاف انكار كرديا ، اور كوشش كي كه جمال الدين مصر سے نكل جائيں -

سيد جمال الدين يه حالت ديكهكر نهايت متاثر هوے - آن كا عقيده يه تها كه جو افراد قوم اور ملک كي نجات كي راه ميں حائل هوں ، آنهيں راه سے هٹا دينا جرم نهيں هے بلكه انسانيت كي خدمت هے - چنانچه آنهوں نے توفيق پاشا كے قتل كي كوششيں شروع كر ديں - اور اس كام كے ليے قرعهٔ فال آن كے نوجوان تلميذ محمد عبده كے نام نكلا - شيخ نے اس واقعه كے بيس برس بعد ايک خط ميں جو مسٹر بلنٹ كے نام لكها تها ، اقرار كيا هے كه توفيق كو قتل كردينے كيليے وه طيار هوگئے تهے - توفيق پاشا قاهره سے اسكندريه جا رها تها - يه پستول ليكر سڑک پر كهڑے هوگئے - مگر جب حمله كا وقت

فقدناه ، والامال ترجو حياته
وفى الليلة الظلماء يفتقد البدر !

فقيد الشرق ، احمد سعد زغلول

دوست سے سوال کیا " کیا تم جدید وزیر اعظم کو مہذب کہہ سکتے ہو؟ مجھے شک ہے ' یہ خاتون "مہذب" کے معنی پوری طرح سمجھتی ہے - لیکن یہ یقینی ہے کہ اُس کے نزدیک تہذیب کوئی ایسی چیز ضرور ہے جس سے انگلستان کے وزیر اعظم کو متصف ہونا چاہیے - اور بلا شبہ یہ بہت عمدہ خیال ہے "

" میرے نزدیک تہذیب ایک ایسا عمل ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا - مدرسہ میں میرا چال چلن بے داغ تھا ' لیکن میں تمھارے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے طالب علمی کا زمانہ بے کار ضایع کردیا - جس دن سے مجھے ہوش آیا ' اُس دن سے میں برابر اپنی کمی پوری کرنے میں کوشاں ہوں - میں تم سے سچ کہتا ہوں - دنیا میں کوئی مسرت بھی اُس مسرت کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو علم حاصل کرنے میں حاصل ہوتی ہے - میں آج بھی طالب علم ہوں ' اور سو برس کی عمر حاصل کرنے کے بعد بھی طالب علم رہونگا - اپنے موجودہ منصب سے نکلنے کے بعد میرا اولین فرض یہ ہوگا کہ پوری مستعدی سے علم حاصل کرنا شروع کردوں "

" ہم سب جانتے ہیں کہ کوئی قوم بھی قدرت کی طرف سے متمدن بنا کر نہیں بھیجی گئی ہے - تمام متمدن قوموں نے تمدن و تہذیب کوشش کرکے حاصل کی ہے - تمدن کی راہ مشکلات سے لبریز ہے - تمدن ' تنزل کے خطرہ سے محفوظ نہیں ہے - سینکڑوں قومیں جو کبھی متمدن تھیں ' اپنی غفلت کی وجہ سے وحشی ہوگئیں - ہمیں اپنی موجودہ تہذیب پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہئے - یہ تہذیب جو ہم نے خون پانی ایک کرکے اور لگاتار محنتوں کے بعد حاصل کی ہے ' ذرا سی غفلت اور غرور سے تنزل اور پستی سے بدل جا سکتی ہے - محض مادی ترقی اور مادی علم ' تمدن نہیں ہے - تمدن اِس سے بڑھکر کوئی اور چیز ہے - انسانیت کا سب سے زیادہ خطرناک زمانہ وہ ہے جبکہ علم تیزی سے آگے بڑھ رہا ہو ' اور اپنے ساتھ مادی ترقی ' مادی علم ' اور مادی سامان آسائش عام کر رہا ہو - لوگ بلا محنت کے کہا رہے ہوں ' بے خطر مادی لذتوں سے متمتع ہو رہے ہوں ' اور معنوی ترقی اور روحی اصلاح و تہذیب سے غافل ہوں - میں ڈرتا ہوں ' ہمارا موجودہ زمانہ وہی خطرناک زمانہ نہ ہو ' اور ہماری موجودہ تہذیب کی کشتی مادی خواہشوں کی چٹانوں سے ٹکراکر غرق نہ ہوجائے "

" تعلیم و تربیت کی اس سے زیادہ کوئی غرض نہیں کہ لوگوں کو اشیاء کی اصلی حقیقت معلوم ہو - ہر چیزکو ویسا ہی دیکھیں ' جیسی وہ ہے ' اور اُسی درجہ میں رکھیں جس درجہ میں اُسے ہونا چاہیے - یہ غرض صرف اُنھیں معلموں کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے جو خود بے غرض ہیں - حق کی تعلیم صرف اس لیے دیتے ہیں کہ وہ حق ہے - حق کو پوری سچائی ' صفائی ' اور دیانت سے ظاہر کرتے ہیں - خود غرض معلم ' سیاسی اغراض کے بندے ' حقیر دنیاوی مقاصد پر حق کو قربان کرنے والے لوگ ' ہرگز حق کے معلم نہیں ہو سکتے - ایسے معلم قوم کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہیں ' اور اِن دجالوں سے قوم کے نوجوانوں کی حفاظت و حمایت ہر محب وطن کا اولین فرض ہے - ہمیں انکی جڑ کاٹ ڈالنی چاہیے اور قوم کو اُن کے شر سے ہمیشہ کے لیے نجات دیدینی چاہیے "

مرحوم سعد باشا زغلول

مصر کی آخری حرکت استقلال کا قائد عظیم

الموت نقاد علی کفہ جواہر یختار منہا الجیاد !

سعد باشا زغلول کے انتقال سے عالم شرق و اسلام کی ایک ایسی شخصیت رو پوش ہوگئی جس میں قوم کی سیاسی قیادت و رہنمائی کی نہایت طاقتور روح نمایاں ہوی تھی - اُس کی رہنمایانہ زندگی کی تاریخ کوی طول طویل تاریخ نہیں ہے - اُس نے اپنی طویل زندگی کے صرف آخری چند سال قوم کی سیاسی رہنمائی میں صرف کیے ' لیکن اِس قلیل وقت کا یہ استعمال ایسا بر وقت اور اس درجہ صحیح و طاقتور تھا ' کہ تاریخ نے فوراً اپنے دروازے کھول دیے ' اور مصر کے قومی رہنما کے لیے اکابر و مشاہیر عالم کی صف میں جگہ طیار کردی - یقیناً وہ ان لوگوں میں سے تھا ' جنکے کارناموں کیلیے تاریخ کے اوراق ہمیشہ منتظر رہتے ہیں !

(مختصر سوانح حیات)

سعد باشا کا سنہ ولادت ۱۸۶۰ع ہے - ان کی طفولیت کے زمانے میں نئی تعلیم کے مدارس نے اس درجہ فروغ نہیں پایا تھا کہ لوگوں کو ان کی طرف توجہ ہوتی - اُن سب کے لیے جو تعلیم کا شوق رکھتے ہوں ' صرف ایک ہی جگہ تھی ' اور وہ جامع ازہر کی درس گاہ تھی - چنانچہ علوم عربیہ و اسلامیہ کی متوسط درجہ تک تعلیم انھوں نے اور ان کے چھوٹے بھائی فتحی بے نے جامع ازہر ہی میں حاصل کی -

ان کی عمر ابھی بیس برس کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ قاہرہ میں سید جمال الدین کی علمی مجالس کی شہرت پھیلی - یہ سید موصوف کا مصر میں دوسرا ورود تھا ' اور شیخ محمد عبدہ ان کے نہایت سرگرم شاگرد ہوچکے تھے - سعد زغلول بھی انکی مجالس درس میں پہنچنے لگے ' اور شیخ محمد عبدہ سے اُن کا رشتۂ ارادت و تلمذ قائم ہوگیا - اسی رشتہ نے ان کی اُس تعلیمی ذہنیت میں جو جامع ازہر کے تعلیمی جمود سے پیدا ہوئی تھی ' ایک انقلابی حالت پیدا کردی ' اور نظر و فکر کی نئی نئی راہیں کھلنے لگیں - اُن کی وہ غیر معمولی قوت خطابت و فصاحت جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ اپنے معاصرین میں ممتاز رہے ' دراصل شیخ محمد عبدہ ہی کی صحبت و تلمذ کا نتیجہ تھی -

عربی پاشا کی فوجی تحریک جو بہت حد تک سید جمال الدین کی سیاسی تخم ریزیوں کا قبل از وقت نتیجہ تھی ' جب سنہ ۱۸۸۲ میں نمودار ہوئی ' تو شیخ محمد عبدہ حکومت مصر کے سرکاری گزٹ " الوقائع المصریہ " کے محرر اور مطبوعات مصریہ کے مدیر تھے ' اور غالباً سعد زغلول بھی انکے ساتھ اسی دفتر میں کام کرتے

تاریخ و عبر

تاریخ عہد عباسیہ کا ایک صفحہ

محمد الامین اور عبداللہ المامون

حال میں ڈاکٹر احمد فرید رفاعی مصری نے "عصر المامون" کے نام سے ایک مفید اور دلچسپ کتاب شایع کی ہے اور تاریخ اسلام کے اس اہم عہد کی ذہنی اور مزاجی حالت پر مشرح بحث کی ہے۔ بحث کا ایک اہم موضوع امین اور مامون کی حریفانہ شخصیتیں ہیں، اور اُن کی اخلاقی اور نفسیاتی حالت کا موازنہ ہے۔ ذیل میں اُس کا ایک حصہ ترجمہ کے بعد درج کیا جاتا ہے:

محمد الامین

محمد الامین بن ہارون الرشید سنہ ۱۷۰ہجری میں پیدا ہوا۔ یہی سال ہارون الرشید کی تخت نشینی کا ہے۔ امین اپنے سوتیلے بھائی، مامون سے عمر میں ۶ مہینے چھوٹا تھا۔

امین کی ماں زبیدہ بنت جعفر بن المنصور ہے۔ لہذا وہ ماں اور باپ دونوں طرف سے ہاشمی ہے۔ اس کے بعد یہ نسلی امتیاز کسی عباسی خلیفہ کو حاصل نہیں ہوا۔

امین کے ہاشمی ماموؤں کو سلطنت میں بڑا اثر و اقتدار حاصل تھا۔ جب اُنھوں نے محسوس کیا کہ خلافت کی طرف دوسرے عباسیوں کی گردنیں اُٹھ رہی ہیں، تو کوشش کی، کہ اُن کا بھانجا امین ہارون کا جانشین ہو۔ چنانچہ عیسیٰ بن جعفر بن المنصور نے (جو امین کا ماموں تھا) فضل بن یحییٰ کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ امین کے لئے ولیعہدی کی بیعت حاصل کرے۔ فضل بن یحییٰ برمکی کو خلافت میں جو رسوخ حاصل تھا، محتاج تشریح نہیں۔ ہارون الرشید نے اُسے ایک بڑی فوج دیکر خراسان کی بغاوت فرد کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ موقعہ اس تجویز کو کامیاب بنانے کے لئے بہترین موقعہ تھا۔ فضل نے خیال کیا، اگر امین اُس کی کوشش سے تخت خلافت پر بیٹھے گا، تو اُس کا رسوخ سب سے زیادہ ہوجائے گا۔ چنانچہ اُسنے اپنی تمام قوتیں اس کے لئے وقف کردیں، فوج کے تمام سپہ سالاروں کو ملالیا، اور محمد الامین کی ولی عہدی کا اعلان کردیا۔ بغیر کسی توقف کے اُس کی پوری فوج نے بیعت کرلی۔ اُس عہد کا شاعر سلم کہتا ہے:

قد بایع الثقلان فی مھد الھدیٰ   لمحمد بن زبیدۃ ابنۃ جعفر

نمیری کہتا ہے:

ببیعۃ لولی العھد احکمھا

بالنصح منہ وبالاشفاق والحدب

قد وکد الفضل عقداً لاانتقاض لہ

لمصطفیٰ من بنی العباس منتخب

خلیفہ ہارون الرشید کو جب واقعہ کی اطلاع ہوئی تو معاملہ اُسکے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اہل شرق بیعت کرچکے تھے۔ اب اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ اسے منظور کرلے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور محمد الامین باضابطہ ولی عہد مقرر ہوگیا۔ ابان اللاحقی کہتا ہے:

عزمت امیر المؤمنین علی الرشد   برأی ھدی فالحمد لعد ذی الحمد

باوجودیکہ امین ہارون کا بڑا لڑکا نہ تھا، لیکن اس طرح بہ آسانی ولی عہد قرار پاگیا۔

امین کی نفسیاتی و اخلاقی تحلیل

مشاہیر عالم کے عہد طفولیت کی تاریخ بھی اُن کی عظمت کے آثار و علائم سے خالی نہیں ہوتی۔ اُن میں بعض قابلیتیں فطری ہوتی ہیں اور بعض تعلیم و تربیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن ہمارے قدیم مورخین نے اپنی تاریخی شخصیتوں کے عہد طفولیت کی طرف سے عموماً بے اعتنائی برتی ہے اس لئے اُن کی اخلاقی تحلیل اور نفسیاتی کیفیات کی بنیادیں متعین کرنا آج آسان نہیں۔ تاہم ہمیں بیہقی کا شکرگزار ہونا چاہئے جسنے اپنی کتاب المحاسن و المساوی میں محمد الامین کے عہد طفولیت و تعلیم پر کسی قدر روشنی ڈالی ہے۔ اور اسی طرح زبیدہ کا ایک خواب بھی قابل ذکر ہے جسے مسعودی نے مروج الذہب میں روایت کیا ہے۔ ان نامکمل روایتوں سے ہم معلوم کرسکتے ہیں کہ امین کو استخارہ کرنے کی خو کیسے پڑی؟ وہ کیوں فصیح، بلیغ، ادیب تھا؟ وہ کیوں لہو و لعب کا دلدادہ تھا؟ کیوں پُرسکون تھا اور خونریزی سے خائف رہتا تھا؟

⁂

تمھیں معلوم ہے کہ ہارون الرشید نے امین کو فضل بن یحییٰ کی گود میں دیا تھا اور مامون کو جعفر بن یحییٰ کی گود میں۔ فضل بن یحییٰ نے امین کے اتالیق ہشیم ابن بشر الواسطی سے کہا تھا "سب سے زیادہ اس بات کی کوشش کرنا کہ اسے خونریزی سے نفرت ہوجائے۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں خدا اسے سفاک نہ بنائے"۔ اسی طرح ہارون الرشید نے امین کے معلم احمر نحوی سے کہا تھا "اگر نرمی سے اس کی اصلاح نہ ہو تو سختی کرنا"۔ اب ہمیں سننا چاہئے خود امین کا یہ معلم اپنے شاگرد کی بابت کیا کہتا ہے؟

احمر کی روایت ہے:

"میں اکثر بڑی سختی سے پیش آتا تھا۔ حتیٰ کہ اُن اوقات میں بھی اُسے پابند رکھتا تھا جو کھیل کود کے لئے مقرر تھے۔ امین نے اپنی والدہ سے میری شکایت کردی۔ زبیدہ نے مجھے خط لکھا کہ بچہ کی تندرستی برقرار رہنے کے لئے اُسے چند گھنٹے کی مہلت ضرور دینی چاہئے۔ اسپر میں نے کہا شاہزادہ کا درجہ اب بلند ہوچکا ہے۔ اُس کی شہرت عام ہوگئی ہے۔ امیر المؤمنین کی اُس سے محبت اور سلطنت کی ولیعہدی کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اُس کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی نہ کی جائے۔ یہ سخت نامناسب ہوگا کہ وہ زبان کی فصاحت سے قاصر، قوانین شریعت سے جاہل، اور دقائق سیاست سے غافل رہجائے۔ کیونکہ حکومت کی بنیادیں یہی ہیں۔ اسپر خادمہ نے آکر مجھے جواب دیا کہ یہ سچ ہے مگر وہ ماں ہے اور ماں کا دل بچے کی تکلیف سے بیچین ہوجاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اسمیں ایک دَرپردہ راز بھی ہے۔ اگر کہو تو بیان کردوں۔ میں نے کہا ضرور بیان کرو۔ اُسنے کہا میری آقا زبیدہ نے مجھ سے اپنا یہ خواب بیان کیا ہے کہ جس رات امین کا حمل میں نے محسوس کیا تھا، میں نے خواب میں دیکھا کہ تین عورتیں آئی ہیں۔ ایک میرے دہنے طرف بیٹھی، دوسری بائیں طرف، تیسری نے میرے پیٹ پر اپنا ہاتھ پھیرا اور کہنے لگی "بادشاہ، بڑی سخاوت والا، بڑا بوجھ اُٹھانے والا، جلد چلا جانے والا"۔ دوسری نے کہا "بادشاہ، کم عمر، صاف دل، عیش پرستی میں پڑنے والا"۔ تیسری نے کہا "بادشاہ، بُرے چلن والا، بہت ضایع کرنے والا، کم جھگڑنے والا، کم انصاف کرنے والا"۔ زبیدہ کہتی ہے میں خوف زدہ ہوکر بیدار ہوگئی۔ پھر میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ لیکن جس رات ولادت ہوئی اُس رات وہی تینوں عورتیں مجھے سوتے میں نظر آئیں۔ وہ آئیں اور بچہ کے سرہانے بیٹھ گئیں۔ سب نے ایک ساتھ جھک کر اُس کا منہ دیکھا۔ ایک کہنے لگی "تر و تازہ پودا، نازک پھول، خوشنما چمن، شیریں چشمہ، کم باقی رہے گا۔ جلد فنا ہوجائے گا"۔ دوسری نے کہا "بیوقوف، بربادی و تباہی کی طرف دوڑے گا، فساد پر جری ہوگا"۔ تیسری بولی "اسکی قبر کھودو۔ اس کا کفن قریب لاؤ۔ اس کا جنازہ طیار کرو۔ موت اس کے لئے زندگی سے بہتر ہے"۔ زبیدہ کہتی ہے۔ میں خوف سے سہم گئی۔ منجموں کو بلایا۔ سب نے درازی عمر کی بشارت دی۔ مگر میرا دل برابر خوف سے کانپتا رہا ہے۔ یہ واقعہ بیان کرکے شاہی خادمہ کہنے لگی اے احمر کیا ہمارا خوف، اللہ کی تقدیر کو دُور کرسکتا ہے؟ میں نے کہا نہیں"

احمر نحوی کے بعد ہارون نے مشہور امام فن قطرب نحوی کو امین کی تعلیم پر مقرر کیا۔ حماد عجرد، امین پر عاشق تھا اور برابر کوشاں تھا کہ کسی نہ کسی طرح اُس کا معلم مقرر ہوجائے۔ مگر ناکام رہا کیونکہ اُس کا فسق و فجور مشہور ہوگیا تھا۔ حماد کو اپنے حریف قطرب کی کامیابی پر بڑا غصہ آیا۔ اُسنے خیال کیا یہ منصب اسے اس لئے مل گیا کہ مجھ سے زیادہ ریاکار ہے اور اپنا تہتک چھپانے میں ہوشیار ہے۔ چنانچہ فوراً ایک کاغذ پر چند اشعار لکھے اور خلیفہ کے خادم کو رشوت دیکر آمادہ کرلیا کہ کاغذ، خلیفہ کے قلمدان میں رکھ دیا جائے۔ جب خلیفہ نے قلمدان منگایا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک کاغذ پر یہ اشعار مرقوم ہیں:

قل للامام: جزاک اللہ مغفرۃ

لا یجمع الدھر بین السخل والذیب

السخل غِرٌ وہم الذیب غفلتہ

والذیب یعلم ما بالسخل من طیب

ہارون رشید نے یہ منظوم رقعہ پڑھ کر کہا "دیکھو یہ معلم کہیں بدچلن نہ ہو۔ اسے محل سے نکال دو"۔ چنانچہ قطرب نکال دیا گیا اور حماد اُس کا جانشین بنا۔ ستر یا اسی آدمی ہمیشہ اس کی نگرانی کرتے تھے۔

ہم اس قسم کی روایتوں سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ امین کی نشو و نما کیسی خراب ہوئی تھی۔ اور اُس کے مستقبل پر اُسنے کیسا خراب اثر ڈالا تھا؟ امین کی ابتدائی تعلیم و تربیت کا یہ نقص بھی عظیم ہے کہ اُسے سیاسی پختہ کاری حاصل کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ حالانکہ

انھوں نے محسوس کیا کہ یہ کام اس قدر آسان نہیں ہے جس قدر اُنھوں نے ذمہ داری لیتے ہوئے خیال کیا تھا - ان کا دل مضطرب ہوکر رھگیا اور حملہ نہ کرسکے -

اس کے بعد جمال الدین مصر سے نکل جانے پر مجبور ہوئے اور ہندوستان چلے آئے -

عربی پاشا کے حادثہ میں شیخ محمد عبدہ کو بھی جلا وطنی کی سزا دی گئی تھی ' لیکن چھہ سات سال کے بعد جب انھوں نے مصر آنا چاہا تو حکومت نے اجازت دیدی ' اور واپسی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد افتاء کے عہدہ پر مامور ہوگئے - اسی عہد سے مصر میں ان کی دینی و تعلیمی اصلاحات کا اصلی دور شروع ہوتا ہے -

لیکن ابتدائی سیاسی زندگی کی نا کامیوں کا جو رد فعل اُن کے اندر پیدا ہوگیا تھا ' ضروری تھا کہ اس کے اثرات ان کے فکری مزاج میں بھی سرایت کرجاتے - چنانچہ وہ مدۃ العمر کے لیے سیاست سے یک قلم علحدہ ہوگئے - اس سے بھی زیادہ یہ کہ مصر میں انگریزی قبضہ کے فوائد کا اعتراف کرلیا ' اور پوری زندگی نام نہاد اعتدال سے بھی زیادہ محتاط سیاسی عقائد میں بسر کردی - انھوں نے اپنے مشہور مقالہ " الاسلام و النصرانیہ " میں سیاست سے اور اُن تمام باتوں سے جو سیاست سے ادنی تعلق بھی رکھتی ہوں ' حتی کہ سیاست کے لغوی مادہ سے بھی ' جو " تعوذ " کیا ہے ' وہ اُن کی فکری حالت کا مظہر ہے -

انھوں نے متعدد مرتبہ اپنے اس مسلک کی تشریح بھی کی تھی - اُنکا خیال یہ تھا کہ انگریزی قبضہ کی وجہ سے اگرچہ مصر کے سیاسی استقلال کو نقصان پہنچا ہے ' لیکن ساتھہ ہی تحریر و تقریر کی آزادی اور تعلیمی و اقتصادی ترقی کے فوائد بھی حاصل ہوے ہیں - ملک کا فرض ہے کہ پہلے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اپنی تعلیمی اور دینی حالت درست کرلے - پھر سیاسی استقلال کے لیے ساعی ہو - اُنکا جو سیاسی لائحہ مسٹر بلنٹ نے " مصر کی مخفی تاریخ " میں شائع کیا ہے ' وہ تعجب انگیز حد تک انکی سیاسی قناعت پسندی ظاہر کرتا ہے - سنہ ۱۹۰۱ میں انکا خیال تھا کہ مصر کے لیے بڑی سے بڑی چیز جو ہو سکتی ہے ' وہ صرف یہ ہے کہ ایک اچھی قسم کی مجلس تشریع (لیجس لیٹو اسمبلی) اُسے دیدی جاے جسکی ایک بڑی تعداد کے انتخاب کا حق ملک کو حاصل ہو - وہ اس لائحہ میں انگریزی قبضہ کے خلاف ایک لفظ نہیں کہتے -

بہر حال شیخ محمد عبدہ کا سیاسی مسلک اس نوعیت کا تھا ' اور چونکہ سعد زغلول بھی انھی کے تلمیذ اور صحبت یافتہ تھے ' اس لیے سیاسی عقائد میں اس سطح سے بلند نہ ہوسکے - سنہ ۱۹۱۷ تک اُنکی تمام زندگی سرکاری مناصب میں گزری ' اور آزاد قومی تحریکات کے خلاف وہ ویسے ہی ایک سرگرم سرکاری عہدہ دار رہے ' جیسے مصر کے دفتری اقتدار کے تمام دیگر افراد تھے - سنہ ۱۸۹۶ میں جب مرحوم مصطفی کامل پاشا نے حزب الوطنی کی بنیاد ڈالی ' تو یہ بھی اسکے ویسے ہی مخالف تھے ' جیسے مصر کے سرکاری حلقہ کے تمام افراد (بہ استثناء خدیو عباس ' کیونکہ وہ مخفی طور مصطفی کامل کا سرپرست تھا) مخالف تھے - سنہ ۱۹۰۵ میں سید علی یوسف مالک المؤید نے " حزب الامۃ " قائم کی ' تو اندر بھی سعد زغلول اور ان کے ساتھیوں ہی کا ھاتھہ کام کر رہا تھا - مقصود یہ تھا کہ حزب الوطنی کو شکست ہو - مصطفی پاشا نے جب انتقال کیا اور اُن کی جگہ مرحوم فرید بے حزب الوطنی کے رئیس منتخب ہوے ' تو جن لوگوں نے ان کی مساعی کی تخریب میں سرکاری وسائل سے کام لیا ' اُن میں ایک سرگرم طاقتور شخصیت سعد پاشا کی بھی تھی - شیخ عبد العزیز شویش نے جب اللوا کی جگہ حزب الوطنی کے لیے " العلم " جاری کیا ' تو جس شخص نے سب سے زیادہ اپنے وسائل کار ان کی مخالفت میں خرچ کیے ' حتی کہ ان کی گرفتاری کے احکام بھی صادر ہوگئے ' وہ سعد باشا زغلول ہی تھے !

اس سلسلہ میں سنہ ۱۸۹۰ سے لیکر سنہ ۱۹۱۸ تک جو واقعات پیش آئے ' وہ بے شمار ہیں ' اور ایک مقالہ میں اُن کا استقصاء ممکن نہیں - مصر کی سیاسی حالت نے ایک ایسی نوعیت پیدا کرلی تھی کہ اُس میں دو مذہبوں کے سوا عملاً تیسرے مذہب کی گنجایش ہی نہ تھی - یا تو انگریزی قبضۂ مصر سے مصر کو فوراً نجات ملنی چاہیے ' یا اسے جاری رہنا چاہیے - یہی دو اصولی اعتقاد " حزب الوطنی " اور " حزب الاحتلال " کی شکل میں ظاہر ہوے - حزب الاحتلال کے داعی یعقوب صروف اور فارس نمر اصحاب " المقطم " تھے ' اور حزب الوطنی کی صدائیں مصطفی کامل مرحوم کی زبان سے بلند ہوی تھیں - چونکہ قبضۂ مصر کی صریح موافقت مصری طبائع پر بالطبع گراں گزرتی تھی ' اسلیے ارباب مناصب و موالات اپنے آپکو حزب الاحتلال میں ظاہر کرنے سے جھجکتے تھے ' اور اس قسم کی پردہ پوش توجیہیں کرنے لگتے تھے جیسی ہمیشہ ان حالات میں ضعفاء ہمت اور بیچارگان عزم نے کی ہیں - مثلاً " تدریجی اصلاحات " کا مغالطہ ' " مصالح وقت " کا حیلہ ' " تعلیمی استعداد کی تقدیم " کا فریب خیال ' اور اسی طرح کے حیل و مغالطات ' لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ ان تمام لوگوں کی ذہنیت حزب الاحتلال ہی کی ذہنیت تھی ' کیونکہ بیرونی قبضہ کی موجودگی میں صرف دو ہی سیاسی عقیدے کسی ملک کے لیے ہوسکتے ہیں : یا تو قبضہ رہنا چاہیے ' یا اُسے فوراً ختم ہو جانا چاہیے - ان دونوں کے درمیان تیسری راہ ممکن نہیں ! و یریدون اَن یتخذوا بین ذلک سبیلا !

(سنہ ۱۹۱۸ میں انقلاب فکر)

بہر حال سعد پاشا کی پوری زندگی جس عالم میں بسر ہوی تھی ' اُس سے قومی و وطنی جہاد استقلال کا عالم متصل نہ تھا - فاصلہ پر تھا - لیکن سنہ ۱۹۱۸ میں جب مصر کو ایک رہنماے صادق کی ضرورت ہوی ' تو قدرت الہی نے اِس کا غیر متوقع سامان کردیا اور اچانک سعد پاشا کی طاقتور شخصیت نمایاں ہوگئی - انھوں نے ایک ہی جست میں وہ پورا فاصلہ طے کرلیا جو اُن کے پنجاہ سالہ دور حیات اور مصر کی تحریک حریت و استقلال کے درمیان حائل تھا !

حقیقت یہ ہے کہ اگر زغلول پاشا جیسا شخص جس کی تمام زندگی حکومت کے بڑے بڑے ذمہ دارانہ مناصب میں گزر چکی تھی ' اور جس کے مداحوں میں لارڈ کرومر تک شریک ہوچکے تھے ' اس موقعہ پر مصر کا علم استقلال نہ اُٹھاتا ' تو یہ تحریک اس قدر طاقت و اھمیت حاصل نہ کرسکتی ' جو اُس نے چند ماہ کے اندر حاصل کر لی تھی !

⁂

فسانہ

ماں کی محبت

(مشہور روسی افسانہ نگار "ماگسم گورگی" کے ایک اخلاقی افسانہ کا ترجمہ)

امیر تیمور گورکانی، درہ "کا نہول" میں، جو گلاب و یاسمن کے سُرخ و سفید پھولوں کے ایک حسین ابر پارے سے چھپا ہوا تھا، عیش و نشاط اور ناؤ نوش میں مشغول تھا ـــــ سمرقندی شاعروں نے اس درہ کو "پرواز گل" کے نام سے موسوم کیا تھا ـــــ اس عجیب مقام سے شہر کے تمام آسماں شکوہ، مینار، اور مساجد و معابد کے سبز گنبد بخوبی نظر آتے تھے ـــــ درہ کی لمبائی کے گرد، پندرہ ہزار رنگین قناتیں، بڑے بڑے پنکھوں کی طرح، زمین پر قائم تھیں، اور اُن پر دیبا و پرنیاں کی رنگین جھنڈیاں ـــــ ایسا معلوم ہوتا تھا، جاندار پھول ہوا میں تیر رہے ہیں!

تیمور کا خیمہ، ان قناتوں اور جھولداریوں کے درمیان ایک خوبصورت ملکہ کی طرح نظر آتا تھا جو اپنی خواصوں کنیزوں کے حلقہ میں کھڑی ہو ـــــ اُس کے خیمہ کی قنات، زمین کا مربع حصہ گھیرے ہوئے تھی جس کے چاروں حصے تقریبًا سو قدم طویل اور تین نیزوں کے برابر بلند تھے۔ خیمہ بارہ طلائی ستونوں پر قائم تھا جو درمیانی حصے کے نیچے نصب تھے اور اس غرض سے کہ کہیں یہ رنگ و بو کا ارضی ابر آسمان کی طرف نہ اُڑ جائے، پانسو سرخ ریشمین طنابوں کے ساتھ محکم کر دیا گیا تھا۔ خیمہ کے چاروں گوشوں میں ایک ایک چاندی کا بنا ہوا شاہین، جو صنعت کا نفیس ترین نمونہ تھا، بٹھایا گیا تھا ـــــ خیمہ کے بیچ میں پانچواں شاہین، خود تیمور تھا ـــــ وہ شہنشاہ جو نہیں جانتا تھا مغلوب ہونا کسے کہتے ہیں؟؟

تیمور کا لباس بہت کشادہ تھا، جو آبی رنگ کی دیبا سے تیار کیا گیا تھا، اس پر پانچ ہزار سے زیادہ مروارید کے دانے ٹکے تھے۔ سر پر سفید اور شکستہ کلاہ جس کے نیچے سے اُس کے سپید و سیاہ بال باہر نکل رہے تھے ـــــ اُس کی آنکھوں سے، جو چاروں طرف نگراں تھیں، جوش کا خون اُبل رہا تھا!

اُس کی آنکھیں چھوٹی اور تنگ تھیں مگر ہر چیز دیکھ رہی تھیں، دیکھ سکتی تھیں ـــــ اُن سے زہر کی سی سردی اور خنکی ٹپک رہی تھی۔!

شہنشاہ کے کانوں میں سراندیپ کے عقیق کے دو گوشوارے تھے، رنگ میں حسین و جمیل ہونٹوں سے ملتے جلتے!!

خیمہ میں نہایت نفیس اور قیمتی قالین بچھے تھے جن پر عیش و عشرت کا سامان مہیا تھا۔ ایک طرف...... مغنیوں اور سازندوں کا ہجوم تھا ـــــ تیمور کے قریب، اُس کے عزیز اقربا، دوسرے بادشاہ، خواتین، اور فوجی افسر بیٹھے تھے ـــــ سب سے زیادہ نزدیک، اُس کے دربار کا شاعر "کرانی" ـــــ اپنے کیف معنوی میں مخمور نظر آتا تھا!

یہ وہی کرانی ہے جس سے ایک دن، تیمور کی اس طرح گفتگو ہوئی تھی:

"کرانی! اگر مجھے فروخت کیا جائے تو تم کتنے میں خرید و گے؟" تیمور نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"پچیس سپاہیوں کے معاوضے میں!" کرانی کا جواب تھا۔

"یہ تو صرف میرے زریں پٹکے کی قیمت ہے"! تیمور نے غضبناک ہو کر کہا۔

"میں نے بھی تو اسی پٹکے کی قیمت لگائی ہے ورنہ خود آپکی ذات کے لئے تو کوئی ایک روپیہ بھی نہ دے گا"!!

کرانی نے بیباکی سے جواب دیا۔

کیسا زبردست اور جابر شہنشاہ! ـــــ کسقدر دہشت انگیز!! ـــــ کسدرجہ ہولناک!!! ـــــ اور کرانی کی یہ بیخوف گفتگو!! کیا اس حق گو شاعر کی شہرت، تیمور کی شہرت سے زیادہ بلند ہونے کا حق نہیں رکھتی؟؟

یکایک ـــــ اس بزم نوشانوش کے ترنم اور خوشگوار ہنگاموں میں، ایک آواز ـــــ جس طرح بادلوں سے بجلی کوندجاتی ہے ـــــ "یلدیرم بایزید" کے مغلوب کرنے والے کے کانوں میں آئی ـــــ!

یہ آواز ـــــ ایک عورت کی آواز تھی، جو ایک غضبناک شیرنی کی آواز کی طرح سنائی دی!!

تیمور کے انتقام جو اور زخمی دل کو، جو اُس کے فرزند دلبند کے ضائع ہو جانے کے سبب سے تمام دنیا اور دنیا والوں کے خلاف غیظ و غضب سے لبریز ہو گیا تھا ـــــ یہ آواز ایک آشنا سی آواز معلوم ہوئی! جام عشرت، اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اُسکے لبوں پر ایک اضطراری لہر دوڑ گئی۔ یہ لہر کہہ رہی تھی" یہ دلخراش آواز کہاں سے آئی"؟

حکم کی تعمیل، "بندگان دولت" کی گھبراہٹ نے کی جو چاروں طرف دوڑ گئے تھے ـــــ شہنشاہ کو جواب ملا" یہ ایک دیوانی عورت کی آواز ہے جو کسی طرح یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ شکل و صورت سے فقیرنی معلوم ہوتی ہے۔ عربی میں گفتگو کرتی ہے اور "فرمانروائے بحر و بر" کی آستاں بوسی کی خواہشمند ہے"!

"فوراً حاضر کی جائے"!!

تیمور نے حکم دیا اور ـــــ عورت خیمہ میں داخل ہوئی ـــــ برہنہ پا! پھٹے ہوئے کپڑے! سینہ چھپانے کے لئے اپنی زلفیں بکھیر ہوئے! چہرہ کا رنگ اُڑا ہوا ـــــ بغیر کسی کپکپاہٹ کے، جو ایسے باجاہ و جلال اور ہیبتناک شہنشاہ کی موجودگی کا ادنیٰ لازمہ خراج تھا ـــــ اُسنے دونوں ہاتھ شہنشاہ کی طرف پھیلائے اور بیباکانہ ـــــ خود فراموشانہ لہجہ میں گویا ہوئی:

"کیا تو ہی وہ فرمانروا ہے جسنے سلطان بایزید کو مغلوب کیا؟"

"ہاں میں ہی ہوں ـــــ میں نے ہی بایزید کو اور بایزید ایسے کئی بادشاہوں کو مغلوب کیا ہے! بتا تو کیا چاہتی ہے"؟

تیمور نے جواب دیا۔

"سن اے امیر! تو جو کچھ بھی ہے اور جس حیثیت میں بھی ہے پھر بھی ایک آدمی ہے! لیکن میں ـــــ آہ، میں ایک ماں ہوں! تو موت اور ہلاکت کی خدمت کرتا ہے، میں زندگی اور سلامتی کی خدمت کرتی ہوں ـــــ تو انسان کو ہلاک کرتا ہے۔ میری گود میں اُسکی پرورش ہوتی ہے۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ تیرے عقیدے میں انصاف کرنا، توانائی میں داخل ہے، مگر مجھے یقین نہیں آتا، اور نہیں آئیگا جب تک تو میری فریاد کو ـــــ میری داد کو نہیں پہونچیگا"!

عورت نے کمال تمکین و وقار کے لہجہ میں کہا "اس لئے کہ میں ایک ماں ہوں! ایک دکھیاری ماں!!"

تیمور نے عورت کی بیخوفی اور بے پروائی کو حیرت سے دیکھا اسکو بیٹھنے کی اجازت دی" میں سن رہا ہوں تم اصل واقعہ سناؤ"!

عورت، شہنشاہ کے سامنے چار زانو ہو بیٹھی اور کہنے لگی "امیر! میں سالرمو کی رہنے والی ہوں ـــــ تو نے ہرگز اس جگہ کا نام نہ سنا ہوگا کیونکہ وہ دور ہے ـــــ یہاں سے بہت ہی دور!...... میرا باپ اور شوہر ماہی گیر تھے، ایک دن بحری قزاقوں نے چھاپا مارا اور" ـــــ اُسنے روتے ہوئے کہا "دونوں قتل کر ڈالے۔ میرے" ـــــ اُس کی ہچکی بندھ گئی تھی ـــــ "میرے لخت جگر کو جو نہایت خوبصورت تھا ـــــ"

تیمور کے منہ سے آہ نکل گئی۔ اسنے دل ہی دل میں کہا "خوبصورت!...... میرے لڑکے جہانگیر کی طرح! آہ"

عورت نے اپنا قصہ جاری رکھتے ہوئے اور آنکھوں سے سیلاب درد بہاتے ہوئے کہا "بے رحم قزاق میرا لڑکا پکڑلے گئے، آج چار سال! ـــــ آہ، پورے چار سال گزرے کہ میں اُس کی تلاش میں دیوانہ وار چاروں طرف پھرتی ہوں مگر کہیں پتہ نشان نہیں ملتا ـــــ امیر! میں سمجھتی ہوں میرا لڑکا تیرے پاس ہے، کیونکہ بایزید کے لشکر نے اُن بحری قزاقوں کو گرفتار کر لیا تھا اور تو نے بایزید کو شکست دے کر اُس کا سب کچھ چھین لیا ـــــ ضرور ہے کہ میرا لڑکا تیرے پاس ہوگا اور اس لئے میں چاہتی ہوں تو اُسے میرے سپرد کر دے!

حاضرین دربار، عورت کی باتوں پر ہنس پڑے" یہ دیوانی ہو گئی ہے"۔

شاعر کرانی نے کہا "ہاں یہ دیوانی ہے مگر ایک ماں کی طرح"!

تیمور نے دریافت کیا" بڑھیا تو کس طرح اس قدر دور دور راستوں سے اس جگہ آپہونچی؟ تو نے ایسے ایسے پہاڑ اور جنگل کیونکر طے کئے؟ راستہ میں وحشی لٹیروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے کس طرح بچی"؟

آہ، ماں کی محبت!! ـــــ !! ماں کی ہمیں پرستش کرنی چاہئے! دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ماں کی محبت کے راستہ میں حائل اور مانع ہو سکے! انسان کے تمام کامل صفات و حسنات ـــــ ماں کے دودھ کی چھاؤں میں پرورش پاتے ہیں ـــــ!! پھول، آفتاب کے بغیر پیدا نہیں ہوتا! نیک بختی، محبت کے بغیر نصیب نہیں ہوتی! محبت، عورت کے بغیر ممکن

بادشاہوں کے لئے یہ چیز لازمی ہو۔ خصوصاً اُس عہد میں جبکہ بادشاہ بالکل مطلق العنان ہوتے تھے۔ اُن کی رہنمائی کے لئے بجز دین اور ذاتی تقویٰ کے کوئی ضابطہ اور قانون موجود نہ تھا۔ ہارون الرشید کو اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں اس کا پورا موقعہ ملا۔ خلیفہ ہادی نے اُسے جنگ روم کا سپہ سالار بنایا تھا۔ بڑے بڑے سپہ سالاروں اور سیاسی مدبروں کی صحبت نصیب ہوئی تھی۔ اسی طرح ماموں کو بھی کافی تجربہ حاصل ہوا تھا۔ خراساں وغیرہ بلاد میں وہ برسرِ حکومت رہا تھا اور پختہ کار ہو گیا تھا۔ لیکن محمد الامین اس تمام سیاسی اور عملی تعلیم و تربیت سے محروم رہا۔ زبیدہ کا لاڈ اور پیار، مصاحبوں کی چاپلوسی، ہاشمی ماموؤں کا دلار، امین کی ہلاکت کے ابتدائی اسباب تھے۔

چنانچہ تخت نشیں ہونے کے بعد ہم اُسے ایک عیش پرست، مسرف، اور غافل حکمراں پاتے ہیں۔ تخت خلافت پر متمکن ہونے اور عبداللہ المامون کی بیعت حاصل کر لینے کے بعد اُسنے اپنے تئیں لہو و لعب کے حوالے کر دیا۔ خوبصورت لڑکے اور خواجہ سرا محل میں جمع ہو گئے تھے سارا وقت لہو و لعب اور عیش و عشرت میں صرف ہوتا تھا۔ اسی طرف، بعض ناموں کی تصریح کے ساتھ، ایک ہم عصر شاعر اشارہ کرتا ہے:

الایا مزمن المثوی بطوس — غریبًا ما لیفادی بالنفوس
لقد ابقیت للخصیان بعلا — تحمل منھم شؤم البسوس
فاما "نوفل" فالشان فیہ — وفی "بدر" فیالک من جلیس!
وما "العصمی" بشار لدیہ — اذا ذکروا بذی سھم خسیس
وما "حسن الصغیر" اخس حالا — لدیہ عند مختزق الکؤوس
لھم من عمرہ شطر و شطر — یعاقرفیہ شرب الخندریس
وما للغانیات لدیہ حظ — سوی التقطیب بالوجہ العبوس
اذا کان الرئیس کذا سقیما — فکیف صلاحنا بعد الرئیس
فلو علم المقیم بدار طوس — لعز علی المقیم بدار طوس

عبداللہ المامون

عبداللہ المامون ۱۴ ربیع الاول ۱۷۰ھ ہجری میں پیدا ہوا۔ یہی خلیفہ ہارون الرشید کی تخت نشینی کا دن ہو۔ ہارون اس مبارک ساعت میں بچہ کی پیدائش سے بہت خوش ہوا اور اُس کا نام "المامون" (مبارک) رکھا۔ اُس کی ماں "مراجل" ایک کنیز تھی۔ بعض مورخ کہتے ہیں اس کا سلسلہ نسب ایران کے ایک معزز خاندان سے ملتا ہو۔

ماموں نے گہوارۂ خلافت میں پرورش پائی اور اعلیٰ تعلیم و تربیت حاصل کی۔ شروع ہی سے آثار ذہانت و نجابت اُس پر نمایاں تھے۔ بلند ہمت اور اولوالعزم تھا۔ پست خیالات اور رکیک حرکات سے نفرت کرتا تھا۔

ماموں میں یہ تمام صفات موجود تھیں؛ اپنے باپ خلیفہ کا بہت محبوب تھا۔ عمر میں بڑا تھا۔ مگر باایں ہمہ ولی عہد نہ ہو سکا۔ کیونکہ امین کی والدہ، زبیدہ، کا اثر خلیفہ پر ماموں کی ماں سے بہت زیادہ تھا پھر جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، امین کے ہاشمی ماموؤں اور فضل بن یحیٰ برمکی کی سازش نے خلیفہ کو بے بس کر دیا تھا۔ اُسنے طوعًا و کرہًا امین کو ولی عہد تسلیم کر لیا۔

مورخین نے ماموں کی نجابت کے بہت سے قصے لکھے ہیں خود اُس کا معلم ابو محمد یزیدی روایت کرتا ہو:

"میں ماموں کا معلم تھا۔ ایک دن قصر خلافت میں گیا اور دیر تک منتظر رہا۔ بار بار آدمی بھیجکر اُسے طلب کیا مگر وہ نہ آیا۔ میں نے اُس کے اتالیق سعید الجوہری سے شکایت کی۔ سعید نے کہا ہاں، سست ہو گیا ہو۔ لیکن باوجود اسکے اپنی سستی کا الزام خادموں کو دیتا ہو۔ جب وہ آئے تو سختی سے پیش آنا۔ چنانچہ جب شاہزادہ میرے روبرو پہونچا، تو میں نے ملامت کی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور ہاتھوں سے ملنے لگا اتنے میں خبر آئی جعفر بن یحیٰ وزیر آرہا ہو۔ ماموں نے جلدی سے رومال نکالا، آنکھیں پونچھیں، لباس درست کیا، فرش پر چار زانو ہو بیٹھا، اور پیش خدمت سے کہا "وزیر کو حاضر ہونے کی اجازت دو" میں مجلس سے خوفزدہ اُٹھ گیا۔ مجھے یقین تھا وہ وزیر سے ضرور شکایت کرے گا۔ ماموں نے وزیر سے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو کی۔ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ ابھی رو چکا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں باتیں کرتے جاتے تھے اور خوب ہنستے تھے۔ جب وزیر رخصت ہونے لگا تو ماموں نے غلاموں کو اُس کی سواری پیش کرنے کا حکم دیا۔ نیز اُس کے رکاب میں چلنے کو کہا۔ پھر مجھے طلب کیا اور فرمایا سبق پورا کر دو۔ میں نے دعا دیکر عرض کیا۔ "میں تو خوف سے کانپ رہا تھا کہ آپ وزیر سے میری شکایت کر دینگے" اُسنے فوراً جواب دیا "انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اے ابو محمد! میں خود ہارون الرشید پر بھی یہ کبھی ظاہر نہ کرتا کہ مجھے معلم نے سرزنش کی ہو۔ بھلا وزیر کیا چیز ہو! جو وہم تمھیں پریشان کر رہا تھا وہ کبھی واقع نہیں ہو سکتا اگرچہ سو مرتبہ بھی مجھے تنبیہ کرد۔ خدا تمھیں معاف کرے۔ اب آؤ، پڑھانا شروع کر دو!"

بچپن ہی میں ماموں غیر معمولی طور پر عقلمند تھا۔ ثبوت کے لئے یہ مشہور قصہ کفایت کرتا ہو۔ ایک دن زبیدہ نے ہارون الرشید کو ملامت کی کہ امین سے زیادہ ماموں کی کیوں تعریف کرتا ہو؟ خلیفہ نے کہا اس کا سبب ابھی معلوم ہوا جاتا ہو۔ چنانچہ ایک مصاحب کو حکم دیا کہ جاکر دونوں سے خلوت میں پوچھے "خلیفہ ہو کر کیا کروگے؟" امین نے خوش ہو کر جواب دیا "تجھے مالا مال کر دوں گا" ماموں کا جواب یہ تھا "بیوقوف! تو مجھ سے سوال کرتا ہو کہ میں اُس دن کیا کروں گا جب امیر المؤمنین دنیا میں باقی نہیں رہیں گے؟ میری تمنا تو یہ ہو کہ ہم سب اُن پر قربان ہو جائیں!" یہ جواب سُنکر زبیدہ ندامت سے خاموش ہو گئی۔

بچپن ہی سے ماموں کو پورا احساس تھا کہ وہ ایک جلیل القدر شاہزادہ ہو اور مستقبل میں تخت خلافت پر متمکن ہونے والا ہو۔ چنانچہ شاہی آداب رسوم کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔ اس کا یہ واقعہ بہت ہی مشہور ہو کہ ایک دن اپنے ایک دوسرے معلم حسن اللؤلؤی کے سامنے بیٹھا تھا کہ اونگھ گیا۔ معلم نے کہا "سو گئے؟" ماموں نے غضبناک ہوکر آنکھیں کھول دیں اور کہا "قسم رب کعبہ کی میرا معلم محض بازاری آدمی ہو!" پھر غلاموں کو حکم دیا، اسے محل سے نکال دیں خلیفہ نے سُنا تو مسرت سے یہ شعر پڑھا:

وہل ینبت الخطی الا وشیجہ
وتغرس الا فی منابتہا النخل

انہی اعلیٰ صفات نے ماموں کو خلیفہ کا محبوب بنا دیا تھا۔ انہی نے اپنے بھائی کے بعد اُس کے خلیفہ بننے کی سفارش کی۔ انہی نے اُس عہد کے تمام عقلا و مشاہیر کو اُس سے وابستہ کر دیا تھا۔

شروع ہی سے ظاہر ہوتا تھا کہ ماموں جماعت کا آدمی اور امامت کا قائد ہو۔ ایسے آدمی کے لئے ایک بڑی شرط، قوت خطابت بھی ہو۔ قدرت نے ماموں کو پوری فیاضی سے یہ قوت بخش دی تھی۔ چنانچہ روایت ہو کہ جب ماموں، سن شعور کو پہونچا تو خلیفہ نے بعض فصحاء کو حکم دیا کہ اُس کے لئے خطبہ لکھیں۔ خطبہ طیار کیا گیا اور جمعہ کے دن ماموں نے مسجد میں سُنایا۔ اُسنے یہ خطبہ اس دلیری، سلاست فصاحت، اور شان سے سنایا تھا کہ تمام حاضرین رونے لگے اور کوئی شبہ نہ کر سکا کہ یہ خطبہ دوسروں نے طیار کیا ہو۔ ابو محمد یزیدی نے فوراً قصیدہ لکھا:

لئن امیر المؤمنین کرامۃ — علیہ بہا شکر الالہ وجوب
بان ولی العہد مامون ہاشم
بدا فضلہ اذ قام وہو خطیب
ولما رماہ الناس من کل جانب
بابصارہم والعود منہ صلیب
رماہم بقول: انصتوا باجبالہ
وفی دونہ للسامعین عجیب!

ماموں کی یہی نجابت و ذہانت تھی جسنے ہارون کو خوف زدہ کر رکھا تھا۔ وہ امین کے لئے ماموں سے خائف تھا، اور ماموں کے لئے امین سے اندیشہ کرتا تھا۔ وہ دیکھتا تھا، امین کے ہاتھ میں سلطنت کی تمام قوتیں ہوں گی اور وہ اپنے اولوالعزم بھائی کے مٹانے میں کوئی کوشش اُٹھا نہ رکھے گا۔ دوسری طرف اُسے یہ بھی صاف نظر آرہا تھا کہ ماموں، عقلمند، مدبر، بلند ہمت ہو؛ اور اپنے سادہ لوح بھائی کو آسانی سے تباہ کر ڈال سکتا ہو۔ پھر دونوں کے طرفداروں کی قوت بھی اُس سے پوشیدہ نہ تھی۔ امین کی پشت پر بنی ہاشم اور قریش تھے۔ ماموں کی حمایت پر تمام ایرانی عنصر کمربستہ اور کافی طاقتور تھا۔

اس خطرہ کے سدباب کے لئے اُسنے دونوں بھائیوں سے ایک عہد لکھوایا۔ ۱۸۶ھ ہجری میں اُنھیں اور اُنکے بڑے بڑے طرفداروں کو ساتھ لے کر حج کو گیا اور ہزاروں قسموں کے ساتھ یہ عہد، خانۂ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔

تمام حالات پر نظر ڈالنے کے بعد صاف معلوم ہوتا ہو کہ ہارون الرشید، ماموں کو زیادہ چاہتا تھا۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہو کہ طوس میں وفات کرتے وقت اُسنے اپنی تمام ذاتی فوج، ہتھیار، اور مال و دولت، ماموں کے نام وصیت کر دی۔

پھر ماموں کو یہ امتیاز بھی حاصل تھا کہ وہ آدمیوں کو پہچانتا تھا اور اُن کے انتخاب میں ہمیشہ خوش قسمت تھا۔ ماموں کے آدمی بھی اگرچہ خود غرضیوں سے خالی نہ تھے، مگر وہ جانتے تھے کہ اُن کا ذاتی نفع اسی میں ہو کہ ماموں کامیاب ہو اور خلیفہ بنے۔ ان لوگوں کی وفاداری کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اُن میں اکثر ایرانی النسل تھے۔ اور معلوم ہو کہ ماموں کی ماں بھی ایرانی تھی۔ اس لئے قدرتی طور پر اُن کی ہمدردی اُسے حاصل تھی۔

ماموں کی خراسان سے غیر معمولی دلچسپی کا بھی یہی راز ہو۔ ماموں، نمایاں طور پر خراسانیوں کا طرفدار تھا۔ اُس کی یہ طرفداری لوگوں کو صاف محسوس ہوتی تھی، اور عربی عنصر کی بددلی کا موجب بن گئی تھی۔ تاریخ میں یہ واقعہ ثبت ہو کہ ایک شخص نے ماموں سے بار بار کہا "امیر المؤمنین! شام کے عربوں پر بھی ویسی ہی شفقت کیجئے جیسی خراسان کے عجمیوں پر کرتے ہیں" ماموں نے جواب دیا "تم نے مجھے جواب پر مجبور کر دیا۔ سنو، قبیلۂ قیس کو میں اُس کے گھوڑوں پر سے اس طرح اُتار سکا کہ میرے خزانے میں اب ایک پیسہ بھی باقی نہیں رہا (یعنی دولت دیکر اُنھیں اپنی مخالفت سے باز رکھا) رہا یمن، تو نہ میں نے کبھی اُس سے محبت کی اور نہ اُسنے کبھی مجھ سے محبت کی۔ رہا قضاعہ تو اُسکے سردار برابر سفیانی (یعنی ایک موہوم، کہوعود بادشاہ) کا انتظار کر رہے ہیں کہ اُس کی پیروی کریں۔ رہا ربیعہ تو وہ اُس وقت سے اپنے خدا پر خفا ہو جب سے اُسنے اپنا نبی مضر میں پیدا کیا ہو"

ماموں کا یہ جواب بڑی حد تک درست ہو۔ لیکن خراسان کی طرف اُس کے میلان کی اصلی وجہ وہی اُس کی فارسیت ہو جسکا اوپر ذکر ہو چکا ہو۔ اُس کی ماں بھی فارسی تھی اور اُس کی تعلیم و تربیت میں بھی فارسی اثر غالب رہا تھا۔ اسی بنا پر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ بعض محققین نے ماموں کو شیعہ کیوں قرار دیا ہو؟ ہم جانتے ہیں کہ فارسی ماحول، شیعیت سے لبریز تھا

اور ماموں نے اسی ماحول میں پرورش پائی تھی۔

عالم مطبوعات و صحائف

دنیا کا جدید ترین شہر

آسٹریلیا کا نیا دار الحکومت

زمین کی آبادی، اور روح و دل کی ویرانی!

ریوٹر ایجنسی کے ذریعہ یہ خبر مشتہر ہو چکی ہو کہ آسٹریلیا کی حکومت مقام کین بیرا میں ایک نیا دار الحکومت تعمیر کر رہی ہو۔ اب ملبورن کے "اسٹر یٹڈ نیوز" نے اس نئے شہر کے مختلف حصوں کی نہایت دلچسپ تصویریں شائع کر دی ہیں اور ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان تصویروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ واقعی ریوٹر ایجنسی کا یہ بیان مبالغہ سے خالی تھا کہ "یہ شہر دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ مرتب و منظم شہر ہوگا"

ایک تصویر میں آبادی کا ایک مکمل قطعہ دکھلایا گیا ہو، جس طرح کے قطعات پر پوری آبادی مشتمل ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ آبادی بے شمار قطعات میں منقسم کر دی گئی ہو۔ ہر قطعہ میں چاروں طرف چھوٹے چھوٹے چمن زار ہیں اور وسط میں مکانات۔ مکانات کا حصہ اور چاروں طرف کے چمن، سب کے سب مربع ہیں۔ مکانات کے مربع قطعہ میں جتنے مکان ہیں، سب کے سب ایک قطع اور ایک درجہ کے ہیں اُن کی تعداد کسی حال میں بھی دس مکانوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اگر اس طرح کے ہر قطعے کو ایک محلہ سے تعبیر کیا جائے، تو کہنا چاہیے کہ اس شہر کے ہر محلہ میں چار حصے سے زائد رقبہ باغ و چمن کا ہوگا، اور صرف پانچواں وسطی حصہ آبادی کا!

دوسری تصویر میں باغ دکھلائے گئے ہیں۔ ان کی سب سے زیادہ مؤثر خصوصیت یہ ہو کہ درختوں کی تعداد اور قطار ہر حصہ میں مساوی ہے۔ معلوم ہوتا ہو، سرو قد ان چمن ایک ہی صورت، ایک ہی وضع اور ایک ہی تعداد میں ہر طرف صف آراء ہیں!

تیسری تصویر میں اُس مصنوعی نہر کا منظر دکھلایا ہو جو دار الحکومت کے مختلف حصوں میں پھیلکر چاروں طرف گردش کرے گی، اور پھر ایک جھیل کی شکل اختیار کر کے پانی اور بجلی کی طاقت کا ذخیرہ بہم پہونچائے گی۔ یہ نہر مصنوعی ہو، لیکن چونکہ انسانی صنعت کا کمال یہ ہوتا ہو کہ فطرت کی سادگیوں سے قریب تر ہو جائے، اس لئے کوشش کی گئی ہو کہ اس کے پیچ و خم اور نشیب فراز میں قدرتی نہر کی سی شان پیدا کر دیجائے۔ اسمیں شک نہیں کہ تصویر دیکھ کر کوئی نگاہ نہیں کہہ سکتی کہ یہ قدرتی نہر نہیں ہو!

باغوں کی روش میں جاپانی (اور فی الحقیقت اندلسی اور مغلی) طریقہ تزئین و آرائش زمین کا ملحوظ رکھا گیا ہو۔ یعنے مختلف رنگ کے پتھروں اور سیمنٹ کے ذریعہ روشوں کے دامن اور حواشی بنائے گئے ہیں۔ ہر چمن زار کا حاشیہ سفید ہو۔ اُس کے بعد تھوڑی جگہ چھوڑ کر پھر ایک سفید جدول دوڑا دی گئی ہو۔ دور سے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہو، ایک نہایت خوشنما اور خوش اطراف قالین بچھا ہوا ہو!

اس شہر کے حسن و جمال کو زمین کے اُس حصہ کی قدرتی خوبیوں سے بھی بہت مدد ملی ہو جو اس کے لئے منتخب کی گئی ہو۔ یہ سطح سمند سے دو ہزار فٹ بلند ہو، جو ہندوستان کے اکثر پہاڑی سطح والے سطح کی بلندی ہو۔ اور اسی لئے آب و ہوا کافی خنک اور خوشگوار ہو۔ قطعہ زمین کا پورا رقبہ تقریباً ایک ہزار مربع میل ہوگا۔ اسکے چاروں طرف درختوں [illegible] پہاڑی سلسلے واقع ہیں [illegible]

یہ بھی عجیب اتفاق ہو کہ اس نئے شہر کا نقشہ جس امریکن ماہر فن ہندسہ نے طیار کیا ہو، اُسی سے ترکی حکومت نے بھی اپنے نئے دار الحکومت کا نقشہ طیار کرایا ہو جو انگورہ میں زیر تعمیر ہو۔ اس ماہر فن کا نام ڈبلیو بارلے گریفن ہو، اور اسوقت فن ہندسۂ تعمیر میں بہترین شخص تسلیم کیا جاتا ہو۔

اس دار الحکومت کیلئے پارلیمنٹ کی جو عمارت تعمیر کی گئی ہو، وہ عارضی ہو۔ مستقل اور اصلی عمارت بہ تدریج سو برس کے اندر تعمیر ہوگی۔ سو برس کی مدت پر ہمارے قارئین کو تعجب ہوگا، لیکن انھیں خیال کرنا چاہیے کہ کسی قوم کے قومی کاموں کی عمر میں ایک صدی کا زمانہ اس سے زیادہ نہیں ہوتا جس قدر فرد کی عمر کے لئے ایک دن!

پچھلی ڈاک کے نیویارک ٹائمز نے بھی اس دار الحکومت کے حالات پر ایک مقالہ شائع کیا ہو۔ وہ لکھتا ہو "پارلیمنٹ کی اصلی عمارت سو برس کے اندر مکمل ہوگی۔ ایک نہایت مختصر وقت جو کسی قوم کی زندگی کا ہو سکتا ہو! اس مدت کے اندر آسٹریلین قوم یقیناً ترقی کے اس درجہ تک پہنچ جائے گی، جب ضرورت اور خرچ میں کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکتا!"

امریکن اخبارات نے اسپر جو رائے زنی کی ہو، اُس میں رشک کی جھلک صاف نمایاں ہو۔ سائنٹفک امریکن کا مقالہ نگار لکھتا ہو "کین برا کا نقشہ اُن تمام غلطیوں سے محفوظ ہو جو واشنگٹن کی آبادی کی ترتیب میں ہو چکی ہیں۔ آسٹریلیا کو امریکہ کے مقابلہ میں یہ فوقیت حاصل ہو گئی کہ وہ امریکی آبادی سے کئی نسل پیچھے وجود میں آیا اور اُن تمام تجربوں سے فائدہ اُٹھا سکا جو امریکہ کی آبادی سے حاصل ہو چکے ہیں۔ واشنگٹن نہ تو یکساں ہو، نہ مرتب، اور نہ مناسب قطعات میں منقسم۔ لیکن کین برا شہری آبادی کا ایک ایسا کامل جمال ہوگا جس میں تناسب کے خلاف کوئی بات نہ ہوگی"

پچھلے دنوں اس شہر کا سرکاری افتتاح ہو چکا ہو، لیکن ابھی عام آبادی شروع نہیں ہوئی ہو۔ صرف عارضی سرکاری مکانات آباد ہوئے ہیں۔

لیکن جسوقت ہم انسان کی مادی سعی و جستجو کی یہ داستان شوکت و سطوت پڑھ رہے تھے، تو بے اختیار ہمارا خیال ایک دوسرے گوشہ فکر کی طرف منتقل ہو گیا۔ افسوس انسانیت کی محرومی پر! زمین کی صورت جس قدر حسین ہوتی جاتی ہو، اُتنی ہی اُسکی روح و معنویت آرائش جمال سے محروم ہوتی جاتی ہو۔ اینٹ، پتھر، اور سبزہ و درخت کی صورت آرائیوں سے اُس کے خال و خط دلفریب بنائے جا سکتے ہیں لیکن اُسکے جمال روح کے لئے آرائش بہم نہیں ہو سکتی۔ اُس کی روح اور معنویت کیا ہو؟ مجمع انسانی کا حقیقی امن و سکون۔ اُسکی معنوی سعادت و مسرت۔ اُس کے دل کی راحت، اور روح کا قرار اور چین۔ کیا اس کے لئے بھی دنیا اور دنیا کی قوموں کے پاس کوئی سعی و اہتمام ہو؟ کیا اسکے لئے بھی کسی ماہر فن کا دماغ اور کسی نقاش کا قلم در کار ہو؟ دنیا کی قومیں باہمد گر رشک و حسد سے مضطرب ہو رہی ہیں۔ ہر قوم اینٹ پتھر کی سربلندی اور لکڑی اور لوہے کی سرفرازی میں دوسرے کو پیچھے ہٹانا اور خود آگے بڑھنا چاہتی ہو۔ لیکن روح و دل کی رفعت و سعادت کے لئے نہ تو کسی کے دل میں رشک ہو، نہ کسی کے دماغ میں طلب! آسٹریلیا نے نئی کین برے کا اور ترکی نے نئے انگورہ کا نقشہ بنا لیا۔ لیکن افسوس! کوئی نہیں جو انسانی سعادت کی ایک نئی بستی کا، اور روح و دل کے سکون و قرار کے ایک نئے دار الحکومت کا نقشہ بنائے! قرآن حکیم نے مادی زندگی کے استعمال و تصرف پر نہیں مگر اُس کے اسی استغراق و پرستش پر بار بار ملامت کی ہو کہ: یعلمون ظاهرا من الحيوة الدنيا وهم عن الآخرة هم غافلون! (۳۰: ۶)

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۶)

کام لئے اور انھیں متأثر کرنے کا سب سے بہتر اور کامیاب طریقہ یہی ہو کہ جماعتی ذہنیت کو متأثر کیا جائے جس کے بعد سرکش سے سرکش افراد بھی متأثر و مغلوب ہو جائیں گے۔ جماعتی ذہنیت کے متأثر کرنے کے طریقوں اور ذریعوں ہی کا نام "پروپاگنڈا" ہو۔

کس قدر حیرت انگیز بات ہو کہ افراد، جو عموماً محب ذات اور خود غرض ہوتے ہیں، ہولناک جنگوں میں ہتیلیوں پر سر رکھے گھس جاتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ جنگ سے اُن کی ذات کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچے گا، اپنے تئیں موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں؟

اس کی وجہ کیا ہو؟ وجہ یہی ہو کہ پروپاگنڈے نے اُنکی انفرادی عقل پر پردہ ڈال دیا ہو اور ایک ایسی جماعتی ذہنیت پیدا کر دی ہو جس کے دھارے پر پڑکر جنون و جراحت جنگ کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں اسی جماعتی ذہنیت کا نام "عام رائے" ہو۔ اسی عام رائے کے طیار کرنے کی کوشش کو "پروپاگنڈا" کہتے ہیں۔

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ کسی تحریک کے کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہو کہ اُس کے موافق جماعتی ذہنیت پیدا کی جائے تاکہ افراد اس ذہنیت سے متأثر ہو کر اُس کے حامی اور طرفدار بنجائیں جماعتی ذہنیت یا عام رائے [illegible] کا ذریعہ تقریر، تحریر، اخبارات، رسائل، انجمنیں غرضکہ [illegible] طریقے ہیں۔ ان تمام طریقوں کو "پروپگنڈا" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ موجودہ زمانہ میں ہر تحریک کی کامیابی کے لئے سب سے زیادہ کارگر ذریعہ "پروپاگنڈا" ہو۔

نہیں ـــــ اور شاعر اور سپاہی ـــــ کوئی بھی ماں کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا ـــــ!

مظلوم عورت نے کڑک کر کہا ـ "تیمور! میرا لڑکا مجھے دلادے!"

شاعر کرمانی بولا ـ ماؤں کی ہمیں پرستش کرنی چاہئیے اس لئے کہ وہ ہمارے لئے بڑے بڑے آدمی پیدا کرتی ہیں، اور آدمیوں کو بلند رتبہ پر پہنچاتی ہیں ـــــ ارسطو، فردوسی، اور ـــــ اسی طرح سعدی اپنی شہد آمیز شیریں زبانی کے ساتھ ـــــ عمر خیام اپنی شراب کی سی زہر آلود رباعیوں کے ساتھ ـــــ سکندر، ہومر، اور بہرام گور ـــــ یہ سب عورت کے، ایک ماں کے بچے ہیں!"

تیمور اُس عورت کی باتوں سے کسی گہری فکر میں چلا گیا ـ پھر سر اُٹھا کر ـــــ اسنے حکم دیا کہ تین سو شہسوار فوراً اُس لڑکے کی تلاش میں روانہ ہو جائیں، جو شخص ڈھونڈھ کر لائے گا اُسے انعام دیا جائے گا ـــــ" پھر اُسنے آہ بھر کر کہا ـــــ میں سمجھ گیا یہ عورت اس قدر بے پروا اور بے خوف کیوں ہے؟ ـــــ چونکہ وہ ماں ہے! ـــــ ایک محبت کرنے والی ماں!! اور کوئی ماں نہیں ہوتی جو محبت نہ کرتی ہو!! لڑکے کے کھو جانے سے اُس کے دل میں آگ سی بھڑک رہی ہے ـــــ ایسی آگ! جو برسوں تک، قرنوں تک، شرارے چھڑک سکتی ہے"

تیمور کے حکم جاری کرنے پر کرمانی کی شاعرانہ اور درد آشنا رُوح وجد میں آگئی ـ اُسنے فی البدیہہ یہ اشعار موزوں کرلئے:

ماں

یہ کون نغمہ ہے ساری دنیا کے نغمہائے طرب سے شیریں؟
جو آسماں کے ستاروں، باغوں کے پھولوں کا عکس بن رہا ہے
کوئی بتائے بھلا وہ کیا ہے؟

زمانہ کے اہل ذوق میں سے ہر ایک کا یہ خیال ہوگا
کہ وہ محبت ہے جس سے یہ خاکدانِ تیرہ سنور رہا ہے!
حریم ہستی مہک رہا ہے!

وہ چیز جو آفتاب نصف النہار، اُردی بہشت سے بھی
ہزار درجہ زیادہ اچھی ہے، خوبصورت ہے، خوشنما ہے
کوئی بتائے بھلا وہ کیا ہے؟؟

فضائے شبگوں میں، میں نے دیکھے ہیں مسکراتے ہوئے ستارا!
میں جانتا ہوں کہ چشم محبوب سارے پھولوں سے خوشنما ہے!
شراب گوں ہے شراب زا ہے!

میں جانتا ہوں کہ اُس کا اک ہلکا ہلکا سا نازنیں تبسم
دل شکستہ کے حق میں کس درجہ بہر انگیز و معجزا ہے!
لبِ تکلم کا معجزہ ہے!

کرشمہ آرائی ہائے احساس حسن کے باوجود اب تک
نہ کہہ سکا کوئی شاعر آخر، وہ نغمۂ دل پذیر کیا ہے؟
جو سب سے بہتر ہے دلربا ہے!!

مگر میں کہتا ہوں اب کہ وہ نغمہ ـــــ آہ، وہ دلگداز نغمہ!
جو ساری دنیا کے سارے رنگیں ترانوں کا اصل مبتدا ہے!
جو قلب فطرت کا آئینہ ہے!

وہ نغمہ ـــــ وہ کائنات کا ـــــ کائنات کا سحر کار دل ہے!!
وہ دل کہ جس کا جہان والوں نے پیارے سے نام ماں رکھا ہے!!
وہی محبت کی ابتدا ہے!!
وہی محبت کی انتہا ہے!!

مترجمہ اختر شیرانی ـ لاہور

اقتباس و تراجم

پروپاگنڈا

علم اجتماع نے ثابت کر دیا ہے کہ نوعِ انسانی کی ترقی درحقیقت اُن تغیرات اور تدریجی انقلابات سے وابستہ ہے جو مختلف تمدنی موثرات کے ماتحت افراد، جماعات، اور اقوام کی زندگیوں میں واقع ہوتے ہیں ـ تمدن کی تاریخ دراصل اُن تدریجی تبدیلیوں کی تاریخ ہے جو تاریخ کے مسلسل زمانوں میں قوموں کی زندگی میں واقع ہوتی رہی ہیں ـ

افراد چونکہ فطرةً اپنے اسلاف کی تقلید کی طرف مائل ہوتے ہیں اور موروثی عقائد و عادات کے دلدادہ ہوتے ہیں، اس لئے وہ ہر اُس جدّت کی مخالفت کرتے ہیں جو موروثی قدامت کو شکست کرنے والی یا اُسمیں تبدیلی کرنے والی ہوتی ہے ـ افراد اگر "جدید" کو قبول بھی کرتے ہیں تو طویل جدوجہد اور اپنے قدیم عقائد و خیالات کے مطابق اسمیں بہت کچھ ترمیم اور تبدیلی کے بعد یہ افراد کی جبلّت و طبیعت ہے جس سے وہ مجبور ہیں ـ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ افراد و جماعت کی زندگی میں تبدیلی بہت آہستہ سرایت کرتی ہے اور انسانی تاریخ میں انقلاب، چیونٹی کی چال چلکر بہت عرصہ بعد رونما ہوتا ہے ـ

لیکن کبھی اس تدریجی اور آہستہ رفتار پر ایسے غیر معمولی حالات طاری ہو جاتے ہیں کہ افراد و جماعت کی ذہنیت اُن سے کلیتہً متاثر ہو جاتی ہے ـ طبیعتیں بے خود ہو جاتی ہیں ـ قدامت کا عشق دُور ہو جاتا ہے اور جدّت سے نفرت زائل ہو جاتی ہے ـ اس ناگہانی تغیر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جماعت تھوڑی ہی مُدت میں جست کرکے وہ اُن مراحل کو طے کر ڈالتی ہیں جو عام حالات میں کہیں صدیوں کے سفر کے بعد طے کرتی ـ

اُن غیر معمولی مُوثرات و عوامل میں، جو تمدن کی رفتار پر گہرا اثر ڈالتے اور اُسے سرعت بخشتے ہیں، ایک بڑا موثر سبب "جنگ" ہے ـ گزشتہ عالمگیر جنگ اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے ـ یہ جنگ اگر دنیا کی سب سے بڑی نہیں تو بہت ہی بڑی جنگوں میں سے ایک نہایت ہی ہولناک جنگ ضرور تھی ـ لیکن باوجود اُن تمام مصائب و آلام کے اعتراف کے جو اس جنگ سے پیدا ہوئے، ہمیں اُس نہایت ہی تیز تبدیلی کو بھی تسلیم کرنا چاہئیے جو اس جنگ نے معاشرت و اجتماع کی ہر شاخ میں اچانک پیدا کر دی ہے ـ پھر اس تبدیلی سے افراد و جماعات کی زندگی کے ہر شعبہ میں جو عظیم انقلابات طاری ہوئے ہیں اُنھیں بھی فراموش نہیں کرنا چاہئیے ـ حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ دس بارہ سال میں انسانیت نے ترقی کے جتنے مرحلے طے کئے ہیں، عام حالات میں وہ صدیوں کی جدوجہد سے بھی طے نہ ہوتے ـ ان تیز انقلابات و تغیرات نے افراد اور جماعتوں کی ذہنیت پر عظیم اثر ڈالا ہے اور اُسے ایک ایسے قالب میں ڈھال دیا ہے جو سراسر حیرت انگیز ہے حتیٰ کہ چشم بینا دیکھ سکتی ہے کہ آخری چند سال کی دَوڑ کے بعد اب انسانیت اُس نقطہ پر پہنچ گئی ہے جس سے ماضی قریب کو کوئی علاقہ باقی نہیں رہا ـ انسانیت نے اپنے قریبی ماضی سے تمام رشتے تقریبًا منقطع کر لئے ہیں ـ اب وہ اُسے مقدس و محترم نہیں سمجھتی اور اُس کی حفاظت میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کرتی ـ جنگ نے یہی نہیں کیا کہ انقلاب کا تنفر دُور کر دیا ہے، بلکہ انسانیت کی ذہنیت بھی کچھ ایسی کر دی ہے کہ وہ تبدیلی کی شیدا ہو گئی ہے، اُسے تلاش کرتی ہے، اُسے لینے کے لئے بیچین ہے ـ یہ نئی فکری روح تمام انسانی طبقوں میں کم و بیش عام ہے ـ

اس ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ عمل کا ایک نیا طریقہ بھی عام ہو گیا ہے ـ اس طریقہ کو "پروپاگنڈا" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ـ آج یہ لفظ ہر کہ و مہ کی زبان پر ہے ـ حالانکہ جنگ سے پہلے صرف ایک خاص گروہ میں مستعمل تھا ـ لوگ جب اسے کسی کی زبان سے سنتے یا کاغذ پر لکھا دیکھتے تھے تو اُن کے اندر ایک مبہم خوف سا پیدا ہو جاتا تھا ـ وہ اسے بھی فری میسن وغیرہ پر اسرار لفظ کی طرح کوئی خطرناک لفظ سمجھتے تھے!

"پروپاگنڈا" لاطینی زبان کا لفظ ہے ـ اس کے لغوی معنی ہیں "بڑھتی، زیادتی، فراوانی" اور اصطلاح میں کسی تحریک کے پھیلانے اور عام کرنے کو کہتے ہیں ـ اس لفظ کی تاریخ یہ ہے کہ سنہ ۱۶۲۲ء میں روم کے پوپ گرگیورس پانزدہم نے ایک مذہبی انجمن قائم کی اور اُس کا نام یہی رکھا ـ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ لاطینی قوموں میں مسیحیت پھیلائی جائے ـ کچھ مدت بعد یہ لفظ اُن تمام طریقوں کے لئے مستعمل ہونے لگا جو مختلف مذہبی اور سیاسی انجمنیں اپنے خیالات کی تبلیغ کے لئے کام میں لاتی تھیں ـ ایک طویل زمانہ تک یہ لفظ خواص ہی کے حلقہ میں گردش کرتا رہا ـ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ عوام میں بھی اس لفظ کو مقبولیت حاصل ہو گئی اور دَورانِ جنگ میں تو بچّہ بچّہ نے اسے سُنا اور اُس سے نہایت ہی کامیاب نتائج حاصل کئے گئے ـ اب تو یہ حالت ہو گئی ہے کہ صنعت، حرفت، تجارت، سیاست، مذہب، غرضکہ ہر شعبہ میں یہ لفظ استعمال کیا جاتا اور اُس کے مفہوم سے کام لیا جاتا ہے ـ تاجر اپنی تجارت کے فروغ دینے اور قسم قسم کی تدبیروں سے پبلک میں اُسے مقبول بنانے کے لئے جو کچھ کرتے ہیں، اُسے بھی "پروپاگنڈا" ہی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے ـ یہی نہیں بلکہ مُضر تحریکوں اور غلط اصولوں کی اشاعت و تبلیغ میں بھی یہی ہتیار کام میں لایا جاتا ہے ـ

یہ محقق ہے کہ افراد اپنے انفرادی ماحول میں، جماعتی ماحول سے زیادہ عقلمند اور ہوشیار ہوتے ہیں، جماعت کے ماحول میں جانے کے بعد افراد کی ذہنیت بڑی حد تک کمزور ہو جاتی ہے اور وہ ایسے افعال پسند کرنے لگتے ہیں جو اپنے انفرادی ماحول میں ناپسند کرتے ـ علم اجتماع نے صحیح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ جماعت کا دماغ، فرد کے دماغ سے کہیں زیادہ کمزور، پست، اور منفعل ہوتا ہے ـ پس افراد سے

وحشیانہ حرکات ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے سے ظالمانہ سلوک روا رکھا جاتا ہی، حتیٰ کہ طاقتور جماعت محض اپنے زور سے دوسری جماعت کو کچل دیتی ہی۔ فرینک ٹرنٹ نے تاریخ انگلستان میں لکھا ہی" یہ لڑائی دو وحشی قوموں میں ہو رہی تھی۔ انھوں نے رحم و انصاف بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ اگر انھیں کوئی خیال تھا تو صرف یہ تھا کہ کسی طرح انکے دشمن تباہ ہو جائیں۔ دونوں طرف سے سخت مظالم کئے گئے جن پر پردہ ڈالنا ہی مناسب ہی" انگریزی تواریخ نے اپنی حرکات پر تو واقعی پردہ ڈال دیا ہی، لیکن ہندوستانیوں کے مظالم کا بہت بری طرح سے خاکہ کھینچا گیا۔ سیکڑوں فرضی قصے تواریخ میں درج کئے گئے تاکہ انگریزوں کو انکے پڑھنے سے جوش پیدا ہو۔ آج ہم اس تصویر کا دوسرا رخ بتاتے ہیں جو تقریباً ۷۰ سال سے لوگوں کی نظروں سے عمداً چھپا دیا گیا ہی۔

پشاور کا واقعہ

۱۵ر جون ۱۸۵۷ء کو پشاور میں ۱۲۰ سپاہی پکڑے گئے۔ ان میں سے کسی نے بھی اپنے افسروں کو قتل نہیں کیا تھا۔ بہت سے آدمی ایسے تھے جو بغیر کسی مجرمانہ ارادے کے بغاوت میں شامل ہو گئے تھے نکلسن نے ایڈورڈز ڈپٹی کمشنر پشاور کو لکھا تھا کہ میں ۵۵ سکھ قیدیوں کی جاں بخشی کی سفارش کرتا ہوں کیونکہ مجھے انکے افسروں نے یقین دلایا ہی کہ ان لوگوں نے بغاوت میں مطلق حصہ نہیں لیا۔ باقی کو توپ کے ذریعہ اڑا دیا جائے۔ سر لارنس نے جواب دیا کہ چونکہ وہ ہمارے دشمنوں کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ اس لئے ان پر رحم نہیں کیا جا سکتا۔ پھر بھی میں تمام آدمیوں کو پھانسی دینا نہیں چاہتا۔ میرا مدعا صرف یہ ہی کہ ایسی عبرتناک سزائیں دی جائیں کہ عوام الناس ڈر جائیں، میری تجویز یہ ہی کہ ان میں سے صرف ایک تہائی کو سزائے موت دی جائے۔ اور تعداد ان سپاہیوں میں سے چنی جائے جو نہایت سرکش اور گستاخ ہوں۔ یا جن کے خلاف انکے افسر شکایت کریں اگر ان صفات کے آدمی اتنے نہ ملیں جن سے مجوزہ تعداد پوری ہو سکے تو پھر بوڑھے سپاہیوں کو شامل کر لینا چاہئے۔ باقی قیدیوں کو مختلف قسم کی سزائیں دی جائیں۔ سزا کسی حالت میں بھی تین سال سے کم نہ ہو۔

لارڈ رابرٹ نے جو ان دنوں لفٹنٹ کے عہدے پر تھا، اپنی والدہ کو ایک خط میں اسی واقعہ کے متعلق لکھا ہی" ہم جہلم سے پشاور تک پیادہ پا آئے۔ راہ میں باغیوں کو قتل کرتے رہے اور فوجوں سے ہتھیار لیتے رہے۔ لوگوں پر سزائے موت کا جو توپ سے واقع ہو، بڑا اثر پڑتا ہی۔ یہ بڑا ہی خوفناک منظر ہی لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں۔ ان مظالم کے ذریعہ ہم ان بدمعاش مسلمانوں کو بتلا دینا چاہتے ہیں کہ ہم خدا کی مدد سے ہندوستان پر قابض رہینگے"

پنجاب کے واقعات

ایک توپ میں بہت زیادہ بارود بھری ہوئی تھی۔ جب ایک شخص کو اس کے سامنے لاکر رکھا گیا اور توپ چل گئی، تو اس شخص کے سیکڑوں ٹکڑے ہوا میں اڑ گئے۔ اس کا سر تماشائیوں میں سے ایک کو جا لگا اور کئی آدمیوں پر خون کے چھینٹے پڑے۔ جنرل نکلسن جسے ہم ایام طفولیت میں دیوتا کی طرح پوجتے تھے، ایڈورڈ کو ایک خط میں لکھتا ہی" ہمیں ایک قانون بنانا چاہئے جس کی رو سے ہم انگریز عورتوں اور بچوں کے قاتلوں کو زندہ جلا سکیں اور زندہ ہی ان کا چمڑہ اتار سکیں۔ محض پھانسی دینے سے ہمارا جذبۂ انتقام ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ میں چاہتا ہوں، دنیا کے ایک ایسے کونے میں ہوں جہاں قانون کو اپنے ہاتھ میں لے سکوں۔ مشرقی ممالک کا قاعدہ ہی کہ جب تک لوگوں پر گورنمنٹ کا دبدبہ اور خوف طاری نہ ہو جائے تب تک اسکے فوائد کی قدر نہیں کیجاتی"

کوپر جو امرتسر کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ لکھتا ہی کہ پنجاب کے تمام افسر ظلم کرنے میں ابتدا کرتے تھے تاکہ لوگ ڈر جائیں۔ اور انتقام لینے کی جرأت نہ کر سکیں۔

ٹامسن نے سر ہنری کاٹن کو چند مسلمان قیدیوں کے متعلق مندرجۂ ذیل واقعہ سنایا تھا۔ "شام کے وقت ایک سکھ اردلی آیا اور سلام کر کے کہا۔ میرے خیال میں حضور قیدیوں کو دیکھنا چاہتے ہونگے۔ میں فوراً حوالات چلا گیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ قیدی زمین پر بندھے ہوئے پڑے ہیں۔ بالکل برہنہ اور آخری سانس لے رہے ہیں۔ انکے جسم کے ہر ایک حصے پر تانبا گرم کر کے نشان کئے گئے تھے۔ مجھے اُن کی حالت پر رحم آیا اور پستول سے قتل کر دیا تاکہ جاں کندنی کی تکلیف سے بچ جائیں"

جب کاٹن نے یہ درد انگیز واقعہ سنا تو ان سے پوچھا پھر تم نے انکے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جنھوں نے یہ وحشیانہ حرکت کی تھی؟ ٹامسن نے جواب دیا۔ میں نے کچھ نہیں کیا!

وحشیانہ قتل و نہب

غدر کے دنوں میں ہر ہندوستانی سپاہی کے خلاف الزام تھا کہ اسنے انگریز بچوں اور عورتوں کے قتل میں مدد دی ہی۔ خواہ وہ کسی جگہ پر ہو اور کتنا ہی بے علاقہ ہو، اگر کوئی انگریز دہلی میں قتل کیا گیا ہو، تو لاہور اور پشاور کے ہندوستانی سپاہی بھی قابل گرفت تھے،

ایک چشم دید گواہ لفٹنٹ مجنڈی بیان کرتا ہی " ایک دفعہ سکھ اور انگریز ایک زخمی قیدی کو سنگینوں سے مار رہے تھے۔ لیکن کوئی ضرب مہلک ثابت نہ ہوئی۔ اسواسطے دو تین لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی گئی، اور اُسے اس آگ میں پھینکا گیا۔ سکھ اور انگریز یہ خوفناک منظر بڑے مزے لے لے کر دیکھ رہے تھے"۔ رسل نے بھی جو ٹائمز لندن کا نامہ نگار تھا۔ اس واقعہ کی تصدیق کی ہی۔ بلکہ وہ کہتا ہی" میں نے اس قیدی کی جلی ہوئی ہڈیاں بھی اس جگہ دیکھی تھیں"

سب سے پہلے اسی رسل نے ان وحشیانہ حرکات اور مظالم پر صدائے احتجاج بلند کی۔ چنانچہ وہ اپنی ڈائری میں لکھتا ہی" یہ انتقامانہ سزائیں مثلاً مسلمانوں کو سؤر کے چمڑے میں ڈال کر سی دینا اور قتل کرنے سے پہلے انکے منہ میں سؤر کی چربی ڈالنا، اور ہندوؤں سے انکے خلاف مذہب حرکات کرانا، انسانیت کے خلاف اور تہذیب سے گری ہوئی حرکتیں ہیں۔ ان سزاؤں سے بڑے خوفناک نتائج پیدا ہونگے جو ہمارے واسطے مہلک ثابت ہونگے"

جب ان مظالم کی حد ہو گئی تو گورنر جنرل نے ۳۱ر جولائی ۱۸۵۷ء کو ایک مفصل حکم جاری کیا جس کی رو سے دیہات کا جلانا اور نہتے آدمیوں کو بغیر کسی ثبوت کے سزا دینا ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ ان افسروں سے سزائے موت کے اختیارات بھی چھین لئے گئے جنھوں نے اندھا دھند یہ اختیارات برتے تھے، ۲۰ر اگست کو جان گرانٹ صوبجات وسطی میں گورنر بنا کر بھیجا گیا تاکہ الہ آباد اور دیگر مقامات میں بیشمار آدمیوں کی پھانسی کی سزا ملتوی کر دے۔ انگریزوں نے کیننگ اور گرانٹ کے خلاف بہت شور مچایا کیونکہ انھوں نے بہت سے آدمیوں کو پھانسی سے بچایا تھا۔

ایک دفعہ اگست کے دنوں میں ایک انگریزی فوج دیہات جلا کر واپس آ رہی تھی۔ راہ میں چند وفادار سپاہی مل گئے۔ مگر انھیں بھی سنگینوں سے مار دیا گیا۔

یہ مسلمہ امر ہے، کہ بہت سے سپاہی محض خوف کی وجہ سے بھاگ گئے اور پھر بغاوت پر مجبور ہو گئے۔ اگر ہم نے ابتدا میں مظالم نہ کئے ہوتے تو فساد دور تک نہ پھیلتا اور لوگ رحم و انصاف سے مایوس ہو کر باغی نہ ہو جاتے۔

ایک پادری کی بیوہ بڑے فخر سے لکھتی ہی" اُسنے بہت سی قیدیوں کو مسلمان کرنے پر مامور کیا لیکن چونکہ یہ کام اُنکے مذہب کے خلاف تھا اس لئے سنگینوں کی نوک سے کرانا پڑتا تھا۔ بعض قیدیوں نے بڑی جلدی سے کام کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ انھیں خیال تھا۔ کہ وہ اس طرح پھانسی سے بچ جائیں گے۔ لیکن اُن کی یہ غلط فہمی فوراً دور ہو گئی۔ کیونکہ بالآخر سب کو پھانسی دی گئی!

مجنڈی ایک جگہ لکھتا ہی" میں نے وہ رات مسجد (یعنی جامع مسجد دہلی) کی ناکہ بندی میں گزاری اور رات کا بہت سا حصہ اُن قیدیوں کے قتل کرنے میں خرچ کیا۔ جو دن کے وقت پکڑے گئے تھے۔ بہت سے آدمیوں نے مرتے وقت ایسی شجاعت اور متانت دکھائی کہ ہم بھی داد دئے بغیر نہ رہ سکے"

ایک انگریزی افسر جو دہلی کے محاصرہ میں موجود تھا، لکھتا ہی" دشمن نے صلح کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انگریز صلح کے خواہشمند نہیں ہیں۔ وہ تو قتل عام سے خوش ہوتے ہیں"

جب میجر رینالڈ کانپور کے لئے کوچ رہا تھا، تو جنرل نیل نے اس کو مفصلہ ذیل ہدایات بھیجیں جو قابل غور ہیں" ان دیہات کو جنھوں نے بغاوت میں حصہ لیا ہی، تباہ کر دیا جائے۔ جن محلوں میں پٹھان بود و باش رکھتے ہیں اُنھیں مسمار کر دیا جائے اور باشندے قتل کر دئے جائیں۔ باغی پلٹنوں کے تمام سپاہیوں کو پھانسی دی جائے چونکہ فتحپور نے بغاوت کی ہی، اس لئے اسپر بھی حملہ کیا جائے اور تباہ کر دیا جائے۔ اگر ڈپٹی کلکٹر گرفتار ہو جائے تو اسے پھانسی دے دی جائے اور اس کا سر شہر کی کسی بلند عمارت پر لٹکایا جائے"

بیگم اودہ نے ۱۸۵۸ء کے ایک اعلان میں یہ فقرہ لکھا تھا" کسی نے خواب میں بھی نہیں دیکھا کہ انگریز کوئی جرم معاف کر سکتے ہیں"۔

۵۰ ہزار جانوں کا قتل

آخر کار کیننگ اور جان لارنس نے بھی اس قتل عام کے روکنے کی کوشش کی۔ ڈزرائیلی (یعنی لارڈ بیکنس فیلڈ) نے تو ابتدا ہی سے اس کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ جب انگریزوں کا غضب جوش پر تھا تو اسنے ایک تقریر کے دوران میں کہا تھا۔" مجھے یقین ہی کہ ہماری فوجیں ہندوستان کے لوگوں سے خوفناک انتقام لینگی۔ لیکن میں ان انگریز حاکموں کے اس طرز عمل سے بالکل متفق نہیں جن کے ہاتھ میں ہندوستان کی باگ ہی۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ ہم غیر ممالک میں بجائے انصاف کے انتقام کے زور سے حکومت کریں۔ میں ظلم کے بدلے میں ظلم نہیں کرنا چاہتا"

لارڈ کیننگ نے ملکہ معظمہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا:" لوگ انتقام پر تلے ہوئے ہیں" اور وہ لوگ بھی جنھیں اپنے ماتحتوں کے روبرو بہتر مثال قائم کرنی چاہئے تھی، اس جوش سے خالی نہیں۔ میں جب اپنے لوگوں کی حرکات دیکھتا ہوں تو شرم کے مارے پسینہ پسینہ ہو جاتا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ ان لوگوں نے کس طرح چالیس پچاس ہزار آدمی قتل کر دئے" ملکہ وکٹوریہ نے اس خط کا جواب یہ دیا تھا " لارڈ کیننگ کو یقین کرنا چاہئے کہ میں بھی انگریزوں کی ان وحشیانہ حرکات پر سخت نادم ہوں اور خاصکر انگلستان کی پبلک پر جسنے برطانوی فوجوں کی کارگزاری بنظر تحسین دیکھی ہی"

چونکہ لارڈ کیننگ نرم دل اور کمزور تھا اس لئے وہ وقت پر انگریزوں کا جوش ٹھنڈا نہ کر سکا۔ اس کے ماتحت اس کے اختیار سے باہر تھے۔

قتل و نہب کی مطلق العنانی

سر جارج کیمبل اپنی سوانحعمری میں لکھتا ہی" میں نے مارشل لا کے متعلق بہت دفعہ سنا ہی لیکن میں ابھی تک اس کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکا۔ ہندوستان میں ان دنوں اس کا جو مطلب سمجھا گیا تھا، وہ یہ تھا کہ ہر ایک فوجی کو کھلی اجازت تھی وہ جسے چاہے قتل کرے یا جس سے

مطبوعاتِ جدیدہ

غدر ۱۸۵۷ء

اور "تصویر کا دوسرا رُخ"

حال میں ایک کتاب امریکہ سے شایع ہوئی ہے جس کا نام

The others ide of medal

ہے - یعنی "تصویر کا دوسرا رُخ" اس کا مصنف ایک مشہور اہلِ قلم ایڈورڈ ٹامسن ہے۔ اُسنے یہ کتاب اس لئے لکھی ہے کہ "غدر ۱۸۵۷ء کے اثنا میں برطانی حکام نے جو انتقامی تدابیر اختیار کی تھیں، یا حکومت کے رعب ہیبت کے مظاہرے کے لئے جو خون ریزیاں جائز رکھی گئی تھیں، اُن کے واقعات مستند تاریخی مصادر سے اخذ کرکے یکجا کردئے جائیں، اور اس ہندوستانی غدر کی ہولناک تصویر کا دوسرا رُخ بھی دنیا کے سامنے آجائے"

غدر ۱۸۵۷ء کی تصویر کا ایک رُخ تو وہ تھا جو باغی فوج کے قتل و غارت اور لوٹ مار کی صورت میں دُنیا دیکھ چکی ہے - اس سلسلہ میں سب سے زیادہ وحشیانہ طرزِ عمل دہلی، لکھنؤ، اور کانپور میں بے گناہ انگریز عورتوں اور بچوں کا قتل تھا - قلعۂ دہلی میں ۵۲ انگریز مقید تھے - باوجود بد قسمت بہادر شاہ مرحوم کی پیہم مخالفانہ کوششوں کے باغی فوج نے انھیں قتل کر ڈالا - غالباً ، سے لے کر ۱۱ تک (کیونکہ روایا مختلف ہیں) اُن میں عورتیں بھی تھیں - لکھنؤ میں بھی غدر کے بعد ۲۵ انگریز قیدی تلنگوں کے ہاتھوں قتل ہوئے جن میں ایک تہائی تعداد عورتوں کی تھی - کانپور میں جان بخشی کا عہد کرنے کے بعد جو حملہ انگریزوں کی کشتیوں پر کیا گیا جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے، وہ نانا راؤ کے حکم سے ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، لیکن یقیناً صد درجہ کا وحشیانہ فعل تھا۔

مختلف مقامات میں غیر مسلح اور بے پناہ انگریزوں پر اُنکے فوجی نوکروں نے جو حملے کئے اور عورتیں تک قتل کر ڈالی گئیں، بلا شبہ اخلاق و انسانیت اُنکے لئے کوئی معذرت قبول نہیں کریگی۔

یہ ۱۸۵۷ء کی تصویر کا ایک رُخ ہے، اور ایک سو سے زیادہ انگریز اہلِ قلم اُس کی وحشت و ہولناکی کے خال و خط نمایاں کر چکے ہیں!

لیکن تصویر کے دوسرے رُخ کی شہادت کیا ہے؟ وہ اخلاق و انسانیت کا مرقع ہے، یا وحشت و ہولناکی کا؟ پہلے رُخ سے کم ہولناک ہے یا زیادہ؟ دُنیا کی اُن حکمران اور قابو یافتہ قوموں میں جنھیں انتقام و غضب کے موقعہ پر اپنی اخلاقی سیرۃ (کرکٹر) کے مظاہرہ کا موقعہ ملا ہے، انگریزی قوم کس جگہ کی مستحق ہے؟ اُسنے خود ہندوستانیوں کی مدد سے فتحیاب ہوکر ہندوستان کے سب سے بڑے شہروں میں جو قتلِ عام کیا، اور جس طرح غیر مسلح، غیر محارب، اور یکقلم بے گناہ آبادی تہ و بالا کر دیگئی، تاریخ کو اسکے لئے کیا فیصلہ کرنا چاہئے؟ یہ سوالات ہیں جو غدر ۱۸۵۷ء کی تاریخ سے قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ اب تک مورخانہ نظر و تحقیق کی روشنی اس گوشہ پر نہیں پڑسکی

اس نئی کتاب میں مسٹر ٹامسن نے سوالات پر روشنی ڈالی ہے، اور کوشش کی ہے کہ مستند اور بے لاگ تاریخی مصادر سے واقعات جمع کر دئے جائیں مصنف کیلئے مشکل تھا کہ وہ اپنے مقصد میں پوری کامیابی حاصل کرتا۔ اُسکے پاس حکومتِ ہند کے سرکاری افسروں اور انگلستان کے بعض نیم سرکاری مباحث کے سوا اور کوئی ذریعۂ علم نہ تھا، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں ذرائع اس بارے میں غیر طرفدار نہیں قرار دئے جاسکتے - تاہم تاریخی شہادات کا جسقدر ذخیرہ بھی جمع ہو گیا ہے، اُس سے بہ حیثیت مجموعی "تصویر کا دوسرا رُخ" نمایاں ہوجاتا ہے۔

اب ہندوستان اُس منزل سے گزر چکا ہے جب اس قسم کے واقعات محض سیاسی نظر سے دیکھے جاتے تھے - ان کی اصلی حیثیت سیاسی نہیں بلکہ تاریخی ہے - غدر ۱۸۵۷ء جیسا عظیم واقعہ جسنے ہندوستان کے نئے دورِ حیات کے ہر گوشے پر اثر ڈالا، ضروری ہے کہ تاریخ کے سامنے پیش کیا جائے، اور اُسے چھوڑ دیا جائے کہ اپنا فیصلہ ثبت کردے۔

ذیل میں ہم اس کتاب کے بعض ضروری حصوں کا ترجمہ درج کرتے ہیں - یہ ترجمہ مولوی محمد علی صاحب وکیل ایبٹ آباد نے کیا ہے ان کا ارادہ ہے کہ پوری کتاب کا ترجمہ اُردو میں مرتب کردیں۔ اُمید ہے یہ ترجمہ پوری دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائیگا۔

آکسفورڈ میں یہ مثل عام طور پر مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص ہندوستان کے متعلق کسی معمولی درجہ کے ایوان میں بھی لیکچر دے، تو تمام سامعین یک لخت ایوان خالی کردیں گے - ایک زمانہ تھا جب انگریز علماء ہندوستانی علوم و فنون میں دلچسپی لیا کرتے تھے - لیکن اب یہ حال ہے کہ ہندوستانی مسائل پر کوئی متوجہ نہیں ہوتا - اس تبدیلی کا سبب یہ ہے کہ ہمیں یقین ہوگیا ہے، ہندوستانی ہماری حکومت سے تنگ آگئے ہیں - انھوں نے ہمارے حسنِ انتظام کی قدر نہیں کی - ہم اگر اب بھی قربانی کر سکیں تو ہندوستان کو بزورِ شمشیر قابو میں رکھ سکتے ہیں۔

لیکن جو شور و غل جلیانوالہ باغ کے قتلِ عام پر ہوا تھا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہم اپنے آبا و اجداد سے کہیں زیادہ رحمدل واقع ہوئے ہیں - کیونکہ ہم ہندوستان میں دوسرا غدر پیدا کرنا نہیں چاہتے۔

اب ہمارے لائق اور ہونہار نوجوان ہندوستانی ملازمتوں سے گریز کرتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ معمولی قابلیت کے آدمی ہندوستان جارہے ہیں۔

ہندوستان کے متعلق غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈا یورپ میں پھیلایا جارہا ہے - کہا جاتا ہے کہ اُس کے باشندے محض وحشی اور صحرائی ہیں!

ہندوستانی مورخ نہیں ہیں - انہیں واقعات کو سلسلہ وار ترتیب دینا نہیں آتا - وہ تحقیق کے نئے طریقوں سے ناآشنا ہیں یہی وجہ ہے کہ آجتک غدر ۱۸۵۷ء کے متعلق ہندوستان میں کوئی تاریخ صحیح شایع نہیں ہوئی - حالانکہ دوسری طرف انگریزوں نے اس واقعہ پر سیکڑوں کتابیں لکھ کر مشتہر کیں - یہ واقعہ ہے کہ انھوں نے تصویر کا صرف ایک رُخ دکھلایا ہے

غدر کے اسباب

عام طور پر غدر کے دو سبب بیان کئے جاتے ہیں - اوّلاً یہ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کے تمام صوبے یکے بعد دیگرے اپنی حکومت میں ملالئے تھے - اسواسطے ہندوستانیوں کے دلوں میں کمپنی کے متعلق بہت شکوک پیدا ہوگئے - دوسرا سبب وہی چربی والے کارتوسوں کا قصہ ہے۔

اینسن (ansen) جو اُن دنوں کمانڈر انچیف تھا لکھتا ہے "میں نے مشکوک کارتوس دیکھے ہیں - میں یقین کرتا ہوں کہ سپاہیوں کے عذرات حق بجانب ہیں - مجھے یہ ہرگز خیال نہ تھا - کہ ان کارتوسوں کے استعمال میں گائے اور سؤر کی چربی لگائی جائے گی - میرے خیال میں ہندوستانی سپاہیوں کے جذبات کی مطلق پرواہ نہیں کی گئی"

یہ کارتوس جو انہیں دنوں میں رائج کئے گئے تھے، سؤر اور گائے کی چربی سے آلودہ ہوتے تھے - اور پیشتر اس کے کہ اُنھیں بندوقوں میں ڈالا جائے، دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا - ان کارتوسوں کے چند حصے ایسے سخت ہوتے تھے کہ بغیر دانت کے استعمال کے چلائے نہیں جاسکتے تھے ہندو مذہب میں گائے کا احترام کیا جاتا ہے، جب اُنھیں یہ کارتوس استعمال کرنا پڑے تو سخت رنج ہوا - یہی حال مسلمان سپاہیوں کا بھی تھا - چنانچہ تمام فوج میں ایک کھلبلی مچ گئی - رسالہ نمبر ۳ مقیم میرٹھ کے ۸۵ سپاہیوں نے ایسے کارتوسوں کے استعمال کرنے سے انکار کردیا - ان کا کورٹ مارشل کیا گیا - اور دس دس سال کی سزا دی گئی جس طریقے سے یہ حکم سُنایا گیا تھا وہ تہذیب سے گرا ہوا تھا - مصنف موصوف نے اس خوفناک منظر کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

"۸۵ سپاہیوں کو گارد کی حراست میں فوجی عدالت کے روبرو پیش کیا گیا اور یہ سخت حکم سنایا گیا - اُن کی فوجی وردی اُنکے جسم سے اُتار دی گئی پھر اُسی وقت بیڑیاں پہنائی گئیں - یہ نہایت دردناک نظارہ تھا - اُن کے ساتھیوں کو اُن کی حالتِ زار پر ترس آرہا تھا - ان قیدیوں میں بہت سے ایسے سپاہی بھی تھے جنھوں نے انگریزوں کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں کی تھیں - اور مختلف لڑائیوں میں عدیم المثال بہادری دکھائی تھی - تمام قیدیوں نے باوازِ بلند جرنیل کی منت و سماجت کی کہ اس بے عزتی سے بچایا جاوے - لیکن کسی نے پروا نہ کی - جب وہ مایوس ہوگئے تو انھوں نے اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا تمھیں شرم نہیں آتی کہ ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں اور تم خاموشی سے تماشہ دیکھ رہے ہو؟ اس دردناک اپیل سے حاضرین کے دل پر گہرا اثر پڑا - ممکن تھا کہ وہ کچھ کر گذرتے - لیکن توپوں اور بندوقوں کی موجودگی میں وہ کیا کرسکتے تھے؟ ناچار اُنھیں صبر کرنا پڑا - لیکن اس واقعہ سے ہر ایک ہندوستانی انگریزوں کے خلاف ہوگیا - وہ لوگ جو ان کی خاطر اپنی جانیں لڑاتے تھے، یکلخت اُنکے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔

لارڈ کیننگ گورنر جنرل نے اس واقعہ کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے "یہ ایک ایسا احمقانہ حکم تھا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے - بغاوت کا آغاز اسی حکم سے شروع ہوتا ہے"

دوسرے دن (یعنی ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء) ایک رسالہ اور دو پیادہ فوجوں نے جیلخانے کے دروازے زبردستی کھولکر اپنے ساتھیوں کو آزاد کردیا - پھر انگریز افسروں کے گھر جلادئے - جہاں کہیں کوئی فرنگی ملا قتل کردیا گیا، اور اس کے بعد سب کے سب دہلی روانہ ہوگئے جب باغی پلٹنیں دہلی پہنچیں - تو وہاں بھی انھوں نے انگریزوں کے قتل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا - جب ایک محکوم قوم اپنے حاکموں سے جنگ و جدل پر آمادہ ہوجاتی ہے تو دونوں طرف سے

جو کچھ چاہے چھین لے۔ کوئی روک ٹوک نہ ہوگی۔"

لارڈ کیننگ کی گورنمنٹ نے ۱۰ جون کو بعض صوبجات میں مارشل لا نافذ کیا تھا۔ گورنمنٹ کو چاہیے تھا کہ اس قانون کے استعمال کی سختی سے نگرانی کرے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہو کہ گورنمنٹ نے اس معاملہ میں سخت کمزوری دکھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ماتحت افسر بلا روک ٹوک مظالم برپا کرتے رہے۔ اور بغیر کسی تفتیش کے قتل عام جاری رہا۔

مسٹر رسل ٹائمز کا نامہ نگار ایک جگہ لکھتا ہو "اس غدر میں صرف سپاہیوں نے بغاوت کی تھی۔ اس لئے مناسب یہی تھا کہ صرف وہی لوگ قتل کئے جاتے جنھوں نے اسمیں حصہ لیا تھا، لیکن اُن آدمیوں کو قتل کرنا جن کی ان فوجوں سے محض ہمدردی تھی، ایک نہایت بزدلانہ فعل تھا۔ اگر کوئی باغی فوج کسی شہر میں مقیم ہو گئی تھی تو اسکے باشندوں کو محض اس بنا پر قتل کرنا، کہ کیوں انکے شہر میں باغیوں نے ڈیرا ڈالا؟ کتنا وحشیانہ فعل ہو؟ یہ مسلم ہو کہ شہر کے باشندوں نے عام طور پر انگریزوں کے بچانے میں مدد دی تھی۔ لیکن پھر بھی انگریزی فوجوں نے ان کی قدر نہ کی، اگر انگریز صرف باغیوں کو قتل کرتے تو پھر وہ حق بجانب ہوتے۔ لیکن بے شمار بے گناہ لوگوں کو محض اسوجہ سے قتل کیا گیا، کہ وہ ہندوستانی تھے" (باقی آیندہ)

ادبیات

سعد پاشا زغلول کے اقوال

مرحوم احمد سعد پاشا زغلول کو مصر میں جو رسوخ و عظمت حاصل ہوئی اُس میں اُن کی دوسری قابلیتوں کے علاوہ اُن کی قوت خطابت اور بلاغت تحریر کو بھی بڑا دخل تھا۔ ذیل میں اُن کے بعض اقوال کا ترجمہ دیا جاتا ہو جو ضرب الامثال کی طرح مشہور ہو گئے ہیں:

کامل آزادی

مصر کامل آزادی کا مطالبہ کرتا ہو، کیونکہ آزادی، قوموں کا پیدائشی حق ہو۔

نا اُمیدی

اسوقت ہماری حالت کیسی ہی ابتر ہو، مگر ہماری قوم جیسی کوئی بڑی قوم، کبھی اپنی قسمت کی طرف سے نا امید نہیں ہو سکتی!

حاکم و محکوم کی مصلحت

حاکم قوم کی مصلحت ہمیشہ اُس کی محکوم قوم کی مصلحت سے متضاد ہوا کرتی ہو۔

عہدے کی خواہش

اپنے آزاد وطن میں ایک حقیر فرد رعایا بن کر رہنا مجھے اس سے کہیں زیادہ پسند ہو کہ اجنبی حکومت کے ماتحت بڑے سے بڑے عہدے پر مقرر ہوں۔

مادی قوت

مادی قوت، قوم کے ارادے پر کبھی غالب نہیں آسکتی۔

صحیح تحریک

ہر صحیح تحریک ضرور کامیاب ہوتی ہو۔

زمانے کے انقلابات

زمانے کے انقلابات دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست بنا دیتے ہیں۔

سیاسی اتفاق

مصر اور انگلستان کے درمیان اتفاق کے معنی صرف ایک ہیں۔ یعنی مصر کی کامل آزادی۔

انتہا پسندی

آزادی کے طلبگار، انتہا پسند نہیں ہوتے اس لئے کہ یہ تو ایک ابتدائی چیز ہو۔ غلامی پسند کرنے والے البتہ انتہا پسند ہیں، کیونکہ غلامی ذلت نفس کی انتہا ہو!

قومی روح

قوم کی روح نہ جنگی قوانین سے مغلوب ہو سکتی ہو، نہ ظلم سے، نہ دُنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت کی قوت سے۔

اصول نہ کہ اشخاص

اگر سعد، قومی اصول سے ہٹ جائے تو اسے گرا دو!

نکتہ چینی

میں اپنی ذات پر نکتہ چینی سنکر خوش ہوتا ہوں، اگرچہ وہ جھوٹی ہی ہو۔

ابنائے وطن کو نصیحت

ابنائے وطن! تم میں سے ہر شخص کا فرض ہو کہ میری نگرانی کرے، اگر

سعد ذمہ دار نہیں ہو، وطن کا ہر فرزند ذمہ دار ہو۔

قومیت

یہ دیکھ کر میری مسرت بے حساب ہو جاتی ہو کہ مصر میں صرف ایک ہی فرقہ موجود ہو، اور وہ مصری قوم ہو۔

قومی زندگی

یہ بچوں کا کھیل نہیں ہو۔ یہ جماعتوں کا سوال نہیں ہو۔ یہ قومی زندگی کا مسئلہ ہو!

میٹھے بول

انگریز، گفتگو میں بڑے ماہر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ میٹھے بول ہمیں مسخر کر لیتے ہیں!

ہمارا مطالبہ

ہمارا مطالبہ کچھ بہت لمبا چوڑا نہیں ہو۔ ہمارا مطالبہ صرف ایک لفظ ہو "آزادی!"

سعد کی زندگی

سعد، مر کر بھی ہمیشہ زندہ رہے گا۔ کیونکہ ہر مصری، سعد ہو، بلکہ سعد سے بھی زیادہ!

مصری قوم

آج مصری قوم وہ نہیں ہو جو کل تھی۔ آج مسلم اور غیر مسلم الگ الگ نہیں ہیں۔ سب ایک قوم ہیں اور صرف ایک خواہش رکھتے ہیں۔ یعنی آزادی! اور وطن!

عداوت

میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میرے دل میں کسی آدمی کی بھی عداوت پوشیدہ نہیں ہو۔ کیونکہ عداوت، کمزوروں کا اخلاق ہو۔

قومی عزت

میں کہہ چکا ہوں، کہتا ہوں، کہتا رہوں گا کہ جو عزت میری قوم نے مجھے دی ہو، وہ میرے لئے قابل فخر ہو۔

میرا دل

میرے دل میں نہ حسد ہو، نہ کینہ ہو۔ میرے دل میں قومی امانت نے کسی چیز کے لئے بھی جگہ خالی نہیں چھوڑی ہو۔

آزادی کا استحقاق

جو قوم اپنے فرزندوں کا خون اس لئے بہتے دیکھتی ہو کہ وہ آزادی چاہتے ہیں اور پھر خاموش رہتی ہو، وہ یقیناً آزادی کا استحقاق نہیں رکھتی!

وزارت

ہم وزارت کے دشمن نہیں ہیں، لیکن غیر قومی [illegible]

میرا اخلاق

میں چلانے والا ہوں، [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] بوسہ لوں گا، اگرچہ وہ میرے جانی دشمن ہی کا ہاتھ کیوں نہ ہو۔

خود اعتمادی

خود اعتمادی، خود اختیاری وصف نہیں ہو، بلکہ پیدائشی صفت ہو، خود اعتماد آدمی اگر یہ وصف دُور بھی کرنا چاہے تو دُور نہیں کر سکے گا۔

میری دشمنی

میں نے اگر کسی سے دشمنی کی ہو تو صرف اپنی قوم کی مصلحت کی وجہ سے۔

رُو رعایت

قومی حقوق میں رُو رعایت دخل نہیں پا سکتی۔

ناکامی

شرير قوت نے جو کچھ جمع کیا ہو، بکھر جائے گا۔ طمع نے جو کچھ جوڑا ہو، ٹوٹ جائے گا۔ جس کی بنیاد جھوٹ پر ہو، وہ یقیناً گر پڑیگا!

ناکامی کی علت

ناکامی کی اصلی علت، کارکنوں کی باہمی بے اعتمادی ہوتی ہو۔

صبر و برداشت

ہاں ہم پر مصائب بیشمار ہیں۔ لیکن وہی قوم زیادہ عظمت حاصل کرتی ہو جو زیادہ مصائب برداشت کر سکتی ہو۔

برطانیہ کی ضرورت

اگر برطانیہ کو مصر کی ضرورت ہو، تو مصر کو اُس سے کہیں زیادہ اپنی ضرورت ہو۔

قوت

اگر ہم طاقتور ہوتے تو کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوتی کہ مصر ہمارے قبضہ میں رہنا چاہئے!

منفعت

اگر ملکیت میں منفعت کا اصول تسلیم کر لیا جائے، تو دُنیا تہ و بالا ہو جائے۔ کیونکہ ہر شخص کی منفعت اسی میں ہو کہ ساری دنیا کا مالک بنجائے۔

عمل اور قربانی

کوئی عمل حق ضائع نہیں ہوتا۔ کوئی قربانی رائگاں نہیں جاتی۔

ضرورت اور قوت

کسی زمانہ میں بھی ضرورت، قانون نہ تھی۔ کسی وقت میں بھی قوت حق کا معیار نہ تھی!

ظلم

ہر ظلم اپنے دامن میں مظلوم کے لئے خوشخبری اور ظالم کے لئے سزا چھپائے ہوتا ہو!

اگر آپ

علم وکتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کرلی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہی!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

جو

دُنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہی

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُنکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہی!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہی

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم وادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پُرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دُنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچّوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کرسکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصّل فہرست شایع ہوا کرتی ہی

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحكيم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۳ | کلکتہ : جمعه ۱۲ ـ ربیع الاول ۱۳۴۶ هجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 9, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی ـ

طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ـ پتھر کی چھپائی مین محدود رہکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی ـ

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الہلال چھپتا هی ـ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ هی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گی ہین ـ آپ ان دونون مین سی جسی چاہین پسند کر لین ـ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ـ

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ہمین اطلاع دیجیی ـ یاد رکھیی ـ طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اہم مسئلہ هی ـ ضروری هی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ـ

الہلال

قارئین الہلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۰۱۲ مراسلات وصول ہوی ہین ـ تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۱۳۹	اردو حروف کی حق مین	۲۸۰
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	۲۹۳	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۱۴	نستعلیق ہون	۸۶

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا هی ـ

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری مین بعض اہم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین هی، اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی ـ آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت هی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ـ الہلال

ایک بالکل سفید مرغي اور ایک بالکل سیاه مرغ لو ' اور اُن کي نسل کا تجربه کرو - اب ایسا هوگا که اِن دونوں کے اتحاد تناسلي سے جو بچے پیدا هونگے ' وہ نه تو بالکل سیاه رنگ کے هونگے ' نه بالکل سفید رنگ کے - مخلوط قسم کے هونگے - یه اِس نسل کا پہلا طبقه هوا - اِس مخلوط رنگ کي مرغیوں کي نسل آگے بڑھنے دو - اِن سے جو دوسرا طبقه نسل کا پیدا هوگا ' اُس کي حالت یه هوگي که اُن میں ۲۵ - في صدي مرغیاں بالکل سیاه هونگي ' ۲۵ - في صدي بالکل سفید ' اور ۵۰ في صدي مخلوط رنگت کي - گویا دوسرے طبقه میں اُن کے مورث اعلیٰ کي کامل رنگت ۲۵ - في صدي میں نمایاں هوي ' مگر ۵۰ - في صدي میں مورث ثاني و اقرب کا سا مخلوط رنگ قائم رها - اب اِس دوسرے طبقه سے تیسرا طبقه پیدا کرو - اِس تیسرے طبقه کا حال یه هوگا که سفید سے سفید بچے پیدا هونگے - سیاه سے سیاه پیدا هونگے - مگر مخلوط رنگت کے بچوں میں پھر وهي تناسب نمایاں هوجائیگا ' جو دوسرے طبقه میں تها - یعني اُسکي نسل میں ۲۵ - في صدي سیاه اور ۲۵ - في صدي سفید هونگے - باقي ۵۰ - في صدي اپنے ماں باپ جیسے مخلوط رنگ کے هونگے !

پھر اِن ۵۰ - في صدي مخلوط رنگ والوں کي نسل جب اور آگے بڑھیگي ' تو اُس میں بھي یه تناسب برابر قائم رهیگا - یعني همیشه نصف تعداد مخلوط رنگت کي هوگي اور ۲۵ - في صدي سفید ' اور ۲۵ - في صدي سیاه هوگي -

لیکن تیسرے طبقه میں جن افراد کے اندر اُنکے مورث اعلیٰ کي کامل رنگت متوارث هوگئي تهي ' اُن کي نسل میں مستقلاً ایک رنگت قائم هوجائیگي - سفید سے همیشه سفید بچے پیدا هونگے ' اور سیاه سے همیشه سیاه -

قانون توارث کا ایک عملي مشاهده

مرغیوں کي نسل کے تین طبقات ' جن میں مورث اعلیٰ کا سفید اور سیاه رنگ ایک خاص عددي تناسب کے ساتهه متوارث هوتا هے - مورث اعلیٰ سفید اور سیاه رنگ کے هیں - نسل کے پہلے طبقه میں مخلوط رنگ کا مرغ پیدا هوا هے - لیکن اُس سے جو دوسرا طبقه پیدا هوا هے ' اس میں ۲۵ - فیصدي سفید ' ۲۵ - في صدي سیاه ' اور ۵۰ - في صدي مخلوط رنگت کے هیں - پھر تیسرے طبقه میں سفید سے سفید اور سیاه سے سیاه پیدا هوتا هے ' مگر مخلوط کي نسل میں وهي عددي تناسب قائم هے -

اِس سے معلوم هوا که :

(۱) قانون توارث میں مورث اعلیٰ کے دو مختلف جسماني خواص ' پہلے طبقه میں ایک ایسا مزاج پیدا کرلیتے هیں جو ملا جلا مزاج هوتا هے - یعني اُن میں دونوں طرح کے خاصے اکھٹے هوکر مخلوط هوجاتے هیں -

(۲) اِس پہلے نسلي طبقه نے جو مخلوط مزاج کرلیا هے ' وہ نسل کي آئیندہ افزائش میں ایک مستقل اور متوارث حیثیت اختیار کرلیتا هے ' اور اپني نسل میں برابر قائم رهتا هے ' لیکن ساتهه هي یه عجیب بات بھي هے که دوسرے طبقه میں نصف تعداد همیشه ایسے افراد کي پیدا هوتي هے ' جن میں اِس مخلوط و ممزوج حالت کي جگه مورث اعلیٰ کے انفرادي خواص الگ الگ نمایاں هوجاتے هیں - اِس نصف تعداد میں آدهي تعداد ایک قسم کے خاصه کي اور آدهي ایک قسم کے خاصه کي هوتي هے - اِس طرح دو مختلف جسماني خواص کے ماں باپ دوسرے طبقه کي نسل میں بالانفراد الگ الگ ' اپنے اپنے خواص نمایاں کردے سکتے هیں !

(۳) نسل کے تیسرے طبقه میں جن افراد کے اندر مورث اعلیٰ کے خواص انفرادي اور غیر مخلوط حالت میں نمایاں هوجاتے هیں ' ان کي نسل میں آیندہ اِن اجدادي خواص کا اختلاط و امتزاج نہیں هوتا ' بلکه اجدادي خواص کي جو ایک قسم اُن میں نمایاں هوئي هے ' وہ مستقلاً قائم هو جاتي هے ' اور اپني نسل میں متوارث هونے لگتي هے -

(۴) لیکن دوسرے طبقه میں جو نصف تعداد ایسي پیدا هوتي هے ' جس میں اجدادي خواص مخلوط و ممزوج حالت میں نمایاں هوتے هیں ' اُن میں قانون توارث کا یه عددي تناسب برابر قائم رهتا اور آگے کي طرف بڑھتا هے - یعني اُن کي نسل میں وهي ۲۵ - ۲۵ - في صدي الگ الگ آبائي خواص ظاهر هوتے هیں ' اور ۵۰ - في صدي مخلوط و ممزوج رهتے هیں -

(۵) ماں باپ کے الگ الگ جسماني خواص سے مولود میں جو مخلوط و ممزوج حالت پیدا هو جاتي هے ' وہ همیشه اپني نسل میں اِس طرح متوارث هوتي هے که نصف تعداد مخلوط قسم کي هوگي ' اور نصف مورث اعلیٰ کے الگ الگ خواص کي -

(انسان میں قانون توارث)

ٹهیک یهي حالت انساني وراثت میں بھي پیش آتي هے - اگر کوئي خالص سفید رنگ کا انسان حبشي عورت سے شادي کرلے تو اُسکي نسل ضرور سانولے رنگ کي هوگي - پھر اگر کسي طرح خود اُسکي اولاد میں باهم دگر تناسل وتوالد شروع هو جائے ' تو مرغیوں کي طرح اِس نسل میں بھي ۲۵ - فیصدي اولاد خالص سفید رنگ کی هوگي ' ۲۵ فیصدي خالص سیاه رنگ کي ' اور ۵۰ فیصدي سانولي -

جسماني خواص کے توارث کي یه نوعیت ' معنوي خواص کے توارث کي طرف رهنمائي کرتي هے ' اور یه سوال پیدا هو جاتا هے که کیا اِسي طرح انسان کے ذهني و معنوي خواص و اوصاف میں بھي توارث کا سلسله قائم هے ؟ اور اگر قائم هے تو کیا اُس کا قانون بھي ایسا هي هے ' اور ایسا هي عددي تناسب رکھتا هے ' جیسا جسماني خواص کے توارث میں هے ؟ ان سوالات کا جواب بہت زیادہ تفصیل وبحث کا محتاج هے - اِس لیے سر دست هم اِنهیں نهیں چھیڑتے -

مذاکرهٔ علمیّه

قانون توارث جسمانی و معنوی

(منڈل کا ناموس وراثت)

مخلوقات کي جسماني و معنوي زندگي میں قانون توارث کا مسئله ' اُن اهم تریں مسائل میں سے هے جنهوں نے قدیم زمانے سے علماء کو اپني طرف متوجه رکها هے - طبیعي علوم کي ترقي کے بعد گزشته صدي میں اِس مسئله نے اَور بهي زیادہ اهمیت حاصل کرلي اور بے شمار علماء نے اُس پر بحث کي - بهت سے نظریے قائم هوے - بهت سے مذاهب ترتیب دیے گئے - لیکن اِس سلسله میں سب سے زیادہ شهرت و اهمیت اُس نظریه کو حاصل هے ' جو اپنے موجد ' ڈاکٹر منڈل کي طرف منسوب هے اور " ناموس منڈل " کهلاتا هے - ذیل میں هم اِس نظریه کي مختصر تشریح کرتے هیں -

(منڈل)

سنه ۱۸۲۲ میں دو شخص ایسے پیدا هوئے ' جنهوں نے اپني پوري زندگي وراثت کے اثرات و نتائج کي بحث و تحقیق میں صرف کردي : اِن میں سے ایک انگلستان میں پیدا هوا - اسکا نام گلٹن هے - اور اسکي کتاب " عظمت کي وراثت " بهت مشهور هو چکي هے - دوسرا منڈل هے - یه هنگرین نسل کا تها - سیلیشیا میں پیدا هوا - اسکي ابتدائي تربیت دیني تعلیمات کي تهي - رهبانوں کي جماعت میں داخل کر دیا گیا تها - لیکن ۲۹ سال کي عمر میں رهبانیت ترک کردي اور وائنا کے دار العلوم میں داخل هوکر طبیعي علوم کی تحصیل شروع کردي - تعلیم ختم کرکے وہ برون میں اُستاد مقرر هوگیا اور اپنے فرصت کے اوقات مسئلۂ وراثت کي تحقیق میں صرف کرنے لگا - شروع شروع اُسکے تجربے صرف نباتات میں محصور تهے -

اپني تحقیق کے دوران میں بالاخر وہ ایک عجیب معامله پر پهنچا - اُسنے دیکها ' یه عجیب معامله ' وراثت میں همیشه پیش آتا هے ' اور کبهي اُس میں خلل نهیں پڑتا - یه وہ وقت تها جب اُس کے تجارب ' عالم حیوان تک وسیع هو چکے تهے - اُس نے شهد کي مکهیوں کے بهي پچاس چهتے بنائے تهے - اور مختلف قسم کي مکهیاں باهمدیگر جمع کرکے اُنکي نسل کے جسماني اور معنوئي خواص کا تجربه کرتا تها لیکن مکهیوں کے متعلق اُسکي تحقیقات کے جمله اوراق ضائع هوگیے - سنه ۱۸۶۶ میں اُس کا ایک چهوٹا سا رساله شایع هوا تها جس میں یه نظریه پیش کیا گیا هے - یه رساله بهي گم نام هوگیا - یهانتک که سنه ۱۹۰۰ میں علماء مغرب کي نظریں اُس پر دو باره پڑیں ' اور وسیع پیمانه پر اُسکي اشاعت کي گئي - آج حیوانات کي پرورش کرنے والوں میں کوئي شخص بهي ایسا موجود نهیں جو منڈل اور اُس کے نظریه سے ناواقف هو یا اُس سے مستفید نه هو رها هو -

(ناموس منڈل)

منڈل کا نظریه ' تین وراثتي اصلوں پر قائم هے :

(۱) پهلي اصل کا خلاصه یه هے که فرد کي بعض صفات ' (عام اِس سے که وہ فرد ' حیوان هو یا نبات) اُسکي آینده نسلوں میں مفقود نهیں هو جاتیں بلکه برابر باقي رهتي هیں ' اور عرصه تک بغیر کسي کمي کے ظاهر هوتي رهتي هیں - اِسکي مثال یه هے که بعض انساني خاندانوں کے خال و خط خاص قسم کے هوتے هیں ' اور طویل زمانوں تک اُن کي نسلوں میں بدستور قائم رهتے هیں - چنانچه بعض خاندانوں میں زائد انگلیاں ' یا کٹا هوا هونٹهه ' یا چندهي آنکهیں ' یا سفید بالوں کا گچها ' غرضکه مختلف قسم کي جسماني خصوصیتیں همیشه موجود رهتي هیں اور اُن کے افراد میں وقتاً فوقتاً پوري طرح ظاهر هوتي رهتي هیں -

ڈاکٹر منڈل

(۲) دوسري اصل کا خلاصه یه هے که بعض صفتیں ایسي هوتي هیں جنکا ظهور مسلسل نهیں هوتا - تهوڑے تهوڑے وقفه کے بعد ظاهر هوتي هیں ' مگر برابر ظاهر هوتي رهتي هیں - یعني پہلے ایک مدت تک نمایاں رهتي هیں - پهر غائب هوجاتي هیں - پهر لوٹ آتي هیں - پهر غائب هوجاتي هیں - صرف تجربه هی سے معلوم هوسکتا هے که کون صفت پهلي قسم کي هے ؟ کون صفت دوسري قسم کي هے ؟ اِسکي مثال یه هے که جب بے سینگ کے حیوانات کا سینگ والے حیوان میں اتحاد تناسلي هوتا هے ' تو اُنکي نسل بے سینگ کی پیدا هوتي هے - لیکن جب یهي نسل آگے بڑھتي هے تو اُسکي اولاد میں ایک خاص تناسب سے بعض افراد سینگ والے پیدا هوتے هیں - بعض بے سینگ کے -

برخلاف اِسکے جب کیس والے مرغ کا اتحاد بے کیس مرغي سے هوتا هے تو نسل ' کیس والي پیدا هوتي هے - لیکن پهر آگے چل کر بعض کے کیس هو جاتا هے - بعض کے نهیں هوتا - مگر یه معامله همیشه ایک هي تناسب سے پیش آتا هے -

(۳) تیسري اصل ' اُس تناسب کا تعین اور انضباط هے جو اِس توارث و تناسل میں کار فرما هے - تشریح اُسکی حسب ذیل هے :

کردي - قوم نے اِس نئي شہنشاهي کا اُسي جوش و خروش سے استقبال کیا ' جس جوش و خروش سے قدیم شہنشاهي کا خاتمه کیا تھا اور حریت و آزادي کے علم بلند کیے تھے - ایک شخصیت کے خلاف عظیم الشان جہاد اِس پر جاکے ختم هوگیا که دوسري شخصیت قائم هوگئي - کیا اِس سے بھي زیادہ غیر معقول نتیجه کسي تحریک کا نکل سکتا ھے ؟ لیکن نہیں ' یه نتیجه بالکل معقول تھا - اجتماعي اصول و قوانین کے بالکل مطابق تھا -

موسولیني ' اٹلي کا ڈیکٹیٹر

یه کیسے ؟ یه اس طرح که انساني جماعتیں کتني هي شورش اور بیچیني کا اظہار کریں ' نظام حکومت کي کتني هي مخالف نظر آئیں ' مگر وہ اپني اجتماعي افتاد طبع سے مجبور هوکر در پردہ یهي خواهش رکھتي هیں که کوئي نه کوئي زبردست نظام قائم هو ' جو هر قسم کي بیچیني کا قلع قمع کردے اور امن و امان هر طرف پھیلا دے - یهي سبب ھے که جوں هي کوئي نئي شخصیت نمودار هوتي ھے اور قوم محسوس کرتي ھے که وہ شخصیت ' امن بحال کرسکتي ھے ' تو بے اختیار اُس کے سامنے سر جھکا دیتي ھے اور حریت و آزادي کي اپني تمام خواهشیں نا دانسته فراموش کر بیٹھتي ھے - دنیا کي تمام تاریخي شورشیں همیں یهي بتاتي هیں - فرانس کے عظیم الشان انقلاب نے بھي همیں یهي دکھایا ھے - ایک محقق نے کیا هي خوب بتایا ھے " فرانس کي " تیسري انقلابي کمیٹي " کے ممبروں میں سے عهد بونا پارٹي (نپولین) میں ایک نے بادشاهي قبول کر لي - پندرہ نے " کونٹ " کا لقب اختیار کیا - سات نے مجلس اُمراء کي شرکت منظور کي - اور چھه وزیر بن گئے " یهي وہ لوگ تھے جو انقلاب کے سب سے بڑے رکن اور علم بردار تھے -

(جنگ کے بعد انقلاب)

اب هم تاریخ کي اِس عالمگیر جنگ کے بعد والے موجودہ انقلاب کو بخوبي سمجھه سکتے هیں - ایک مدت سے یورپ میں مختلف قسم کے خیالات اور نظریے پھیل رهے تھے - اِن خیالات اور نظریوں نے بتدریج دماغوں میں هیجان پیدا کیا - اِس هیجان نے اجتماعي ' سیاسي ' اور اقتصادي پیچیدگیاں پیدا کیں - اِن پیچیدگیوں نے جنگ عمومي کي آگ بھڑکائي - اور جنگ نے مذکورۂ بالا اجتماعي کلیه کي بنا پر لینن اور موسولیني اور مصطفی کمال جیسي آهني شخصیتیں پیدا کردیں - پس جنگ کے بعد جو صورت نمودار هوئي ھے ' وہ هرگز تعجب انگیز نہیں بلکه مستحکم و مضبوط اجتماعي

قوانین کا قدرتي نتیجه ھے - یهي هونا چاهیے تھا جو هوا ' یهي همیشه هوا کیا ھے اور شاید همیشه یهي هوا کرے گا -

(انقلابات کے باني)

یہاں یه سوال بھي قابل غور ھے که انقلابات کے باني کون هوتے هیں : افراد یا جماعتیں ؟ کارلائل اور بہت سے محققین کي رائے ھے که زبردست شخصیتوں کے افراد هي انقلابات پیدا کراتے اور اجتماعي نظام کي کایا پلٹ کر دیتے هیں - لیکن علم اجتماع کے دوسرے بہت سے علماء ' افراد کے بجائے جماعتوں کو اصل قرار دیتے هیں - وہ کہتے هیں قوموں کے دماغ میں انقلاب کي مخفي لہریں پہلے پیدا هوتي هیں ' پھر وهي چند افراد میں مجسم هوکر رونما هوتي هیں اور سوسائٹي پر انقلاب طاري هو جاتا ھے - پس افراد بذات خود انقلاب کا سبب نہیں هوتے ' بلکه انقلابي لہروں کا مظہر هوتے هیں - زیادہ صاف لفظوں میں یوں کہو که جماعتي اثرات ' افراد کو طیار کرکے انقلاب کراتے هیں -

لیکن صحیح یه ھے که انقلاب کا موجب نه تنہا جماعتیں هوتي هیں ' نه صرف افراد - بلکه دونوں ایک دوسرے پر اثر ڈالتے اور ایک نئي فضا طیار کرنے میں مدد دیتے هیں - یه یقیني ھے که اگر خاص قسم کے اجتماعي حالات و موثرات موجود نه هوتے تو لینن ' موسولیني ' مصطفی کمال جیسے افراد اُبھر نہیں سکتے تھے - کیونکه یه افراد مدت سے موجود تھے مگر اُسي وقت رونما هوے جب حالات نے اُن کي مساعدت کي - لیکن ساتھه هي یه بھي یقیني ھے که اگر یه افراد اپني غیر معمولي قوتیں کام میں نه لاتے تو اُن کے مساعد حالات بھي پیدا نہیں هوسکتے تھے اور انقلابات بھي طاري نہیں هوسکتے تھے - اِس سے ثابت هوتا ھے که انقلاب میں افراد اور جماعتیں دونوں برابر کي حصه دار هوتي هیں ' تنہا کوئي ایک سوسائٹي مین تبدیلي پیدا نہیں کرسکتا -

لینن ' روس کا ڈیکٹیٹر ' جو اب مر چکا ھے

(انقلابي روح اور قومیں)

یه بھي ایک ثابت حقیقت ھے که تمام قومیں انقلاب کي یکساں صلاحیت نہیں رکھتیں - تاریخ بتاتي ھے که فرانس اور بحر متوسط کے کناروں پر رهنے والي اکثر قومیں انقلاب کي زیادہ صلاحیت رکھتي هیں - آب و هوا اور دوسرے اسباب نے اُنھیں دوسري قوموں سے زیادہ حساس ' جلد متأثر هونیوالا ' اور خیالي بنا دیا ھے - وہ نئے نظریے جلد

پرائمو ڈي ریوا ' اسپین کا

عہد انقلاب اور شخصی استبداد

شخصي مطلق العناني

دنیا کي موجودہ سیاست پر ایک سر سري نظر

جنگ عظیم کے بعد پوري دنیا ' خاص کر یورپ اور بالخصوص اُن ممالک نے عجیب پلٹا کھایا ھے جو میدان جنگ میں یہ کہکر اُترے تھے کہ استبداد و ظلم مٹانا چاھتے ھیں - پہلے اِن ممالک میں جو بھي نظام حکومۃ قائم تھا وہ جنگ کے بعد قائم نہ رہا اور علانیہ یا درپردہ اُس میں بڑي تبدیلي ھوگئي ھے - لوگ سمجھتے تھے اِس جنگ کے بعد دنیا میں جمہوریت اور کامل حریت کا دور دورہ ھو جائیگا اور آزادي کا ایک ایسا نظام جاري و ساري ھو جائیگا جس کے عشق میں اِنسانیت ھمیشہ سے سرگرداں ھے لیکن نتیجہ بالکل بر عکس نکلا - جمہوریت و دستوریت کي جگھہ شخصیت و استبداد نے لے لي - اِس وقت کرۂ ارضي کے اکثر ممالک میں شخصي حکومتیں قائم ھوگئي ھیں - فرق صرف اِس قدر ھے کہ پہلے بادشاھوں کي شخصیتیں زریں تختوں پر جلوہ گر نظر آتي تھیں اور اب عام افراد یا فوجي افسر حکومت کي کرسیوں پر نظر آتے ھیں -

غازي مصطفی کمال پاشا

روس میں خاندان رومانوف اور زار کي جگھہ بالشویک ڈیکٹیٹروں (مطلق العنان حکام) نے لے لي ھے - لینن نے جس طور پر حکومۃ کي ' وہ بھي زار ھي جیسي حکومت تھي - یعني شخصیت ' مطلق العناني اور استبداد - یہ بات دوسري ھے کہ زار کي شخصیت نے ملک کو تباہ کیا اور لینن کي شخصیت نے اُسے زندہ اور خوش حال کردیا - دنیا کی تاریخ میں لینن جیسے مطلق العنان حاکم کي کوئي مثال نہیں ملتي جس نے اپنے غیر متناھي اختیارات اِس طرح عوام اور مظلوموں کي بھلائي میں صرف کیے ھوں -

یہي حال اٹلي کا ھے - اگرچہ پارلیمنٹ اور دستوري پادشاہ (یعني محدود اختیارات رکھنے والا) بدستور موجود ھے لیکن حکومۃ ایک فرد واحد ' موسولیني کے آھني ھاتھوں میں ھے - یہ شخص پہلے انقلاب پسند اور اشتراکیت کا حامي تھا ' پھر جنگ کے بعد ظلم پسند بن کر اٹلي پر حاوي ھوگیا اور مستبد سے مستبد بادشاھوں کي طرح استبداد و قہر کي حکومت قائم کردي - اِس نے صاف اعلان کردیا ھے " اِس وقت اٹلي کو ایک ایسے زبردست حاکم کي ضرورت ھے جو ھر بے چیني کو کچل کر فنا کرسکے " یہي صورت اسپین ' ترکي ' یونان ' اور اب چین میں پیش آرھی ھے - اِن تمام ملکوں میں شخصیتیں بر سر حکومت آ گئي ھیں اور مفید یا مضر نتائج پیدا کررھي ھیں - یہي نہیں بلکہ خود فرانس اور انگلستان میں بھي شخصیت کي طرف میلان بڑھ رہا ھے - فرانس میں تو ایک سال پہلے اخبارات تک میں یہ چرچا شروع ھوگیا تھا کہ موجودہ اقتصادي اور سیاسي گتھیوں کے سلجھانے میں جمہوري نظام حکومۃ ناکامیاب ثابت ھوا ھے - لہذا روس وغیرہ ممالک کي طرح یہاں بھی " ڈیکٹیٹر شپ " یعني شخصي استبداد قائم ھو جانا چاھیے - انگلستان میں گو اب تک اِس قسم کا خیال با ضابطہ ظاھر نہیں کیا گیا ' لیکن عملاً ملک اِسي طرف جارھا ھے - موجودہ کنسرویٹیو وزارت بھي درحقیقت ایک قسم کي ڈیکٹیٹر شپ ھي ھے اور اُس کے رجعی (قدامت پسند) ھونے میں تو کوئي کلام نہیں -

(تاریخ کا سبق)

آخر یہ صورت کیوں پیش آئي ؟ اِس انقلاب کي علت کیا ھے ؟ تاریخ ھمیں کیا سبق دیتي ھے ؟ جواب ظاھر ھے اور تاریخ عالم پر ایک سرسري نظر ڈالنے سے صاف معلوم ھو جاتا ھے - تاریخ شاھد ھے کہ جب کبھي سوسائٹي کے نظام میں برھمي پیدا ھوتي ھے اور دماغي بے ترتیبي اور اختلال ' عام ھوکر شورشوں اور بغاوتوں کا دروازہ کھول دیتا ھے ' تو ھمیشہ یہي نتیجہ ھوتا ھے جو جنگ کے بعد آج ھم دنیا میں اپني آنکھوں سے دیکھہ رھے ھیں - یعني مضبوط ارادے کے افراد برسر اقتدار آکر اپني شخصیتیں نمایاں کرتے ھیں اور نظام حکومت اپني مرضي کے مطابق استوار کردیتے ھیں -
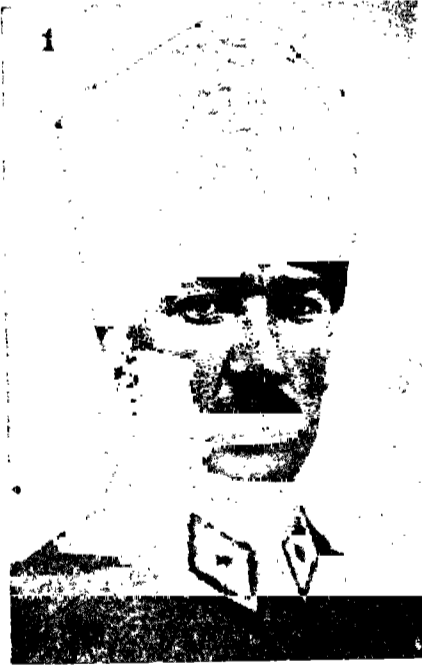
انقلاب فرانس ' اِس دعوی کي سب سے بڑي اور صاف دلیل ھے - کیسے جوش و خروش سے قوم بغاوت کے لیے اُٹھي ؟ حریت ' مساوات ' اخوت کا راگ کیسي بلند آھنگي سے الاپا ؟ کیسے کیسے اصول و مبادي کا اعلان کیا گیا ؟ لیکن نتیجہ کیا نکلا ؟ یہي نہ کہ آندھي کي طرح حریت و مساوات کي ھوائیں آئیں اور نکل گئیں پھر جو فضا میں سکون پیدا ھوا تو گرد وغبار کے اندر سے مستبد شخصیتیں حکومت کي بے نیام آبدار تلواریں لئے نمودار تھیں ! اِن شخصیتوں میں سب سے آخري مگر سب سے زبردست شخصیت نپولین بونا پارٹ کي تھي - اس عجیب انسان نے یہي نہیں کیا کہ بغاوت اور انقلاب کا قلع قمع کردیا بلکہ ساتھہ ساتھہ اپني شہنشاھي بھي قائم

اور علم میں ہوا ہے جو لاہوتی پیشواؤں کا مبتدع دین ہے اور ناقص و خام مدعیان علم کا کج اندیش علم ہے ' تو ہم بڑی آسانی سے نہ صرف پچھلی تاریخ کے تمام حوادث کی تعلیل کر سکینگے ' بلکہ مستقبل کے واقعات پر بھی روشنی ڈال سکینگے -

(۲)

انسانی جماعتیں شعور رکھتی ہیں مگر فکر نہیں رکھتیں - بلکہ کہا گیا ہے کہ جماعت کی شعوری ترقی کا پیمانہ ' اسکا وہ فرد ہے جو سب سے زیادہ کمزور فکر ' سب سے زیادہ مضطرب شعور ' رکھتا ہے - جماعت جس طرح محض شعور رکھتی ہے ' اسی طرح سراسر جمود سے بھی لبریز ہوتی ہے - اور یہ کہ اسکا یہ جمود ترقی کے گوناگوں میدانوں میں اسکے قدموں کے توازن کیلیے ضروری ہے -

سالہا سال سے علماء اجتماع وہی کہہ رہے ہیں جو گستاؤ لیباں کا نظریہ ہے - لیکن کبھی ان کے ذہن میں یہ حقیقت نہیں آئی کہ جماعت ' ایک جامد مخلوق ہے - تغییر و تجدید بہت دیر میں میں قبول کرتی ہے - اس بارے میں مجھے صرف ایک انگریز عالم کارل پیرسن کا قول ملا ہے - وہ کہتا ہے :

" ڈارون اور اسپنسر کی تصانیف میں بڑا فرق یہ ہے کہ اسپنسر کی کتابیں بارجود اپنی تمام قوت و تاثیر کے جلد مٹ جائینگی - برخلاف اس کے ڈارون کی کتابیں باقی رہینگی - کیونکہ ان میں بے نظیر بصیرت اور قوت ادراک موجود ہے - ان کتابوں نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ایسے اصول و مبادی پیش کر دیے ' جنھوں نے دنیا کو قدیم افکار کے بدلنے پر مجبور کردیا - نیز ہمارے اخلاقی مطمح نظر کو بھی اونچا کرنا اور ہمارے سامنے میدان زیادہ وسیع کرنا شروع کردیا ہے - بلا شبہ ان اصول و مبادی کا اثر بہت سست رفتار ہے ' لیکن یہ سست رفتاری ہمیں نا امید نہ کرے - سب سے قوی موثر ' جو ہمارے اجتماعی بقاء کی عمارت محفوظ رکھتا ہے ' وہ وہی صفت ہے جسے ہم سب سے زیادہ مکروہ رکھتے ہیں - یعنی قدامت اور جمود کی صفت - اسی قدر نہیں بلکہ وہ دہشت ناک مخالفانہ صدائیں جو ہر جدید فکر کے خلاف جماعت کی طرف سے بلند ہوجاتی ہے ' ہماری اجتماعی زندگی کی حفاظت کے لیے قوی ترین موثر ہیں - جماعت کا یہ جمود اس کے جسم کی محافظت کرتا ہے اور نئے نئے تجربوں کا تختۂ مشق بننے نہیں دیتا ' نیز صالح کو غیر صالح اور اصلح کو غیر اصلح سے متمیز کر دیتا ہے "

عالم مادی اور جماعات انسانی کی تکوین میں بہت بڑی مشابہت موجود ہے - دونوں میں ایسے عناصر موجود ہیں جو ان کے نظام و توازن کی حفاظت کرتے ہیں - چنانچہ جس طرح جوہر فرد (ایٹم) میں دو متضاد کہربائی لہریں : ایجابی اور سلبی جاری ہوتی ہیں ' یا جس طرح تمام مادی دقائق میں جذب و دفع کی دو مخالف قوتیں جمع ہوتی ہیں ' ٹھیک اسی طرح اجتماع انسانی میں تقدم و جمود کے دو مخالف عناصر ہوتے ہیں - زندگی کے لیے موت لازمی ہوتی ہے اور موت کے لیے بعث (دوبارہ زندگی) ضروری ہوتا ہے - اس طریقہ پر غور کرنے سے ہم سمجھہ سکتے ہیں کہ جماعت کی سلبی صفات جنھیں ہم نا پسند کرتے ہیں ' در حقیقت اس کے بقاء کے لیے ناگزیر ہیں .

اس حقیقت کو زیادہ وضاحت کے ساتھہ سمجھنے کے لیے کوئی نرم مادہ لے لو اور اس پر دباؤ ڈالو ' تم دیکھوگے کہ دباؤ کے ساتھہ ہی اس کی شکل بدل جائیگی - پھر دوبارہ اسے دابو ' فوراً دوسری شکل اختیار کرلیگا - اس طرح ہر دباؤ پر وہ ایک نئی صورت میں تبدیل ہوتا جائیگا - پس اگر انسانی جماعت کی طبیعت بھی اسی مادے کی طرح نرم ہوتی ' اور اس میں جمود و قدامت پرستی کی ٹھوس صفتیں نہ ہوتیں ' تو ظاہر ہے ' کیسی طوائف الملوکی اور انتشار پیدا ہوجاتا ؟ روز روز اس میں تبدیلیاں ہوتی رہتیں ' اور نظام انسانی تہہ و بالا ہوکر رہ جاتا -

تمام عملی فلسفے شمار کرو . سقراط کا مذہب دیکھو ' کلبی ' ابی کوری ' رواقی ' مشائی ' وغیرہم کے مذاہب پر نظر ڈالو - اس کے بعد غور کرو کہ اگر اجتماع انسانی کا مزاج نرم مادے کی طرح ہر وقت تبدیلی قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ' تو ان بے شمار اور متضاد مذاہب کی موجودگی میں اس کا کیا حال ہوجاتا ؟ یقیناً اس کا سارا نظام علم و فکر زیر و زبر ہوجاتا اور کوئی وسطی و اصلاح راہ پیدا نہ ہوتی -

یہی حال سیاست ' دین ' زبان اور ان تمام امور کا ہے جن پر تمدن کے ستون قائم ہیں -

پس اب یہ واضح ہوگیا کہ تقدم و ارتقاء ایک ایجابی قوت ہے ' جسے بارجود مقاومت کرنے کے سلبی قوت یعنی جمود کی صفت مدد دیتی اور آگے بڑھاتی ہے - اگر اجتماع انسانی ایک مادی دقیقہ ہوتا تو اسکے جواہر باہم جذب و دفع کے متضاد عملوں میں مصروف نظر آتے - کیونکہ یہ متضاد عمل ' اس کی ہستی قائم رکھنے کیلیے ضروری ہے - ٹھیک اسی طرح تقدم و جمود کی متضاد صفتیں بھی اجتماع انسانی کے بقاء و دوام اور نشوء و ارتقاء کیلیے لازمی ہیں -

بنابریں ہمیں قدامت پرست جامدوں کو یک قلم برا نہیں سمجھنا چاہیے - انکا جمود بھی بقاء و حیات کیلیے اسی طرح ضروری ہے ' جس طرح تجدد اور تقدم پر عمل کرنے والوں کا وجود ضروری ہے - جامدین ' اجتماع انسانی کیلیے ایک سلبی قوت ہیں ' جو جماعت کی رفتار میں اعتدال و توازن پیدا کرتے رہتے ہیں -

(۳)

ہربرٹ اسپنسر نے اپنی کتاب " مبادی معاشرت و اجتماع " ما بعد الالیات کے تطور کی بحث سے شروع کی ہے - وہ کہتا ہے تطور کی تین قسمیں ہیں : (۱) تطور غیر عضوی اور اسکا تعلق آسمان و زمین اور سیاروں کی بنا سے ہے - (۲) تطور عضوی اور اسکا تعلق طبیعی ظواہر سے ہے جنھیں ہم طبیعت حیہ اور مختلف درجوں کے نبات و حیوان کی ترکیب میں مشاہدہ کرتے ہیں - پھر وہ مظاہر ذہنی (سائیکا لوجی) جو ان صور حیہ کا خاصہ ہیں جو ترقی کی اس حد کو پہنچ گئی ہیں جہاں طبیعت تطور نے انھیں ان مظاہر کا اہل بنا دیا ہے - (۳) تطور ما بعد الالیات یا ما بعد العضویات - یہ فی الحقیقت حالت اجتماعی کا سن بلوغ اور جماعت کے افراد میں تقسیم عمل ہے -

اگر ہم اس اصول کی تحلیل کریں اور اپنے موضوع پر اسے تطبیق دیں ' تو ہمیں ماننا پڑیگا کہ تطور مابعد الالیات ' نشوء کا وہ آخری درجہ ہے جس تک حیوانی جماعتوں کی ترقی پہنچی ہے - انسان بھی اس سب میں حیوان کا شریک ہے بلکہ مابعد الالیات میں اس سے زیادہ ترقی تک پہنچ گیا ہے جہاں تک حیوان سے پہنچنا ممکن ہے - اگر یہی ہے تو پھر انسان کو باقی مخلوق پر کیا امتیاز حاصل ہے ؟ انسان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے مابعد العقلیت سے ایک ایسی قوت حاصل کرتا ہے جسکے ذریعہ اپنی عقل کو اپنے مجموع کی بھلائی میں لگاتا ہے !

قبول کر لیتیں اور اُن پر عمل کرنے میں تیزي سے پیش قدمي کرتي هیں - لہذا وہ زیادہ انقلاب پسند هیں -

برخلاف اِنکے اِنگلو سکسن (انگریزي) قومیں' زیادہ عملي هیں - محض نظریوں سے متأثر نہیں هوتیں - اُن کے جذبات اور دماغي رجحان زیادہ پائدار هیں - وہ انقلاب کي طرف کم مائل هوتي هیں - جرمن قوموں کا بھي یھي حال ھے' مگر ان میں احساس کسي قدر زیادہ ھے -

روس' روحاني و نظري خیالات کي طرف سب سے زیادہ مائل هیں - کمزور عقل اور کمزور ارادہ رکھتے هیں - اِسي لیے هر انقلابي دعوت کو لبیک کہنے کے لیے طیار رهتے هیں - اِس خصوصیت میں اگر اُن پر کوئي سبقت لے گیا ھے تو وہ یہودي هیں - یہ قوم باغیانہ دماغ رکھتي ھے اور هر جگہ بغاوت کي تخم ریزي کرتي ھے - ایک محقق نے بتلایا ھے " اجتماعي نظامات پر سب سے زیادہ نکتہ چیں اور بغاوت کي سرگرم دعوت دینے والي کتابیں زیادہ تر یہودیوں هي کے قلم سے نکلي هیں - حتی کہ موجودہ سوشیلزم یا بالشویزم بھي ایک یہودي هي کي ایجاد ھے - اِس کا نام کارل مارکس تھا - اور اِس مذهب کے بڑے بڑے ارکان مثلاً لینن' ٹراسکي وغیرہ سب یہودي النسل هیں - یہودیوں کے اِس خاصے کے دو سبب هیں : اول یہ کہ وہ سامي نسل هیں - اور معلوم ھے کہ سامي نسل فطرتاً خیالیات و نظریات کي دلدادہ هوتي ھے - دوسرے یہ کہ مخصوص اجتماعي حالات نے یہودیوں کا دماغ باغیانہ کر دیا ھے - دنیا میں شاید سب سے زیادہ مصیبتیں اِسي قوم نے برداشت کي هیں اور یہ اِسي کا نتیجہ ھے کہ اُسمیں بغاوت و انقلاب کي روح قائم هوگئي ھے -

پھر یہ بات بھي خاص طور پر یاد رکھنے کي ھے کہ جو قومیں جمود و تقلید کي زیادہ دلدادہ هوتي هیں اور حالات کي تدریجي تبدیلي کے ساتھہ اپنے تئیں بدلتي نہیں رهتیں بلکہ اپنے جمود پر اڑي رهتي هیں' وہ اگرچہ دیر میں انقلابي روح سے متأثر هوتي هیں مگر جب ایک دفعہ هو جاتي هیں تو پھر اُنھي میں سب سے بڑا انفجار بھي هوتا ھے اور اچانک اُن کي سوسائٹي درهم برهم هوجاتي ھے - اِس اصل کي بنا پر پیشین گوئي کي جاسکتي ھے کہ هندوستان میں جب کبھي انقلاب هوگا تو نہایت هي هولناک هوگا اور پوري موجودہ سوسائٹي کو درهم برهم کر ڈالے گا - کیونکہ یہ ملک سخت جمود کي حالت میں رها ھے اور تدریجي ترقي سے برابر انکار کرتا رها ھے - هندوستان میں جب انقلاب آئے گا تو دنیا بھر کے انقلابات سے زیادہ موثر ثابت هوگا اور شاید سوسائٹي کي موجودہ کوئي چیز بھي باقي نہ چھوڑے گا - عادات و اطوار' رسم و رواج' خیالات و افکار غرضکہ کوئي شے بھي اُس کي ضرب سے نہ بچے گي - اگر ایسے هولناک انقلاب سے بچنا هو تو اُسکي صرف یھي ایک تدبیر ھے کہ ابھي سے ملک کو تدریجي ترقي پر لگایا جائے - جوں جوں حالات بدلیں' ملک میں بھي تبدیلي پیدا کي جائے - ورنہ موجودہ جمود اور ٹھہراؤ' آیندہ قیامت کا پیش خیمہ بننے والا معلوم هوتا ھے -

علم اور دین

کیا فی الحقیقت علم اور دین دو محارب فریق هیں ؟

رہ رہ کر شور اٹھتا ھے کہ دین اور علم میں نزاع قائم ھے' اور یہ کہ علم اور دین' دونوں کي فطرت میں اِس عداوت و تنافر کي بنیادیں مخفي هیں - بلا شبہہ یہ دعوی ایک مدت سے زبان زد خاص و عام ھے - مزید برآں تاریخ سے بھي اِسکي شہادت ملتي ھے - صرف تاریخ هي نہیں' خود همارا مشاهدہ بھي اِسکي تائید کرتا ھے - لیکن بایں همہ ابتک کوئي قطعي ثبوت اِس دعوے کي صحت کا نہیں ملا - تاریخي واقعات اور همارے مشاهدے کتنے هي کثیر هوں' تاهم یقیني طور پر ثابت نہیں کر سکتے کہ دین اور علم کے طبائع فی الحقیقت باهم متضاد هیں -

موجودہ تمدني حالات پر ایک سر سري نظر' اس دعوے کے مشکوک کر دینے کے لیے کافي ھے - موجودہ عہد میں مادي علم کا دھارا اتني شدت و قوت سے بہہ رها ھے' جس کي نظیر کسي پچھلے زمانے میں نہیں مل سکتي - لیکن با وجود اس کے ٹھیک علم کے پہلو بہ پہلو' هم دیني روح کو بھي پوري مضبوطي سے قائم پاتے هیں - کسي عہد میں بھي دیني روح انساني قلوب میں بہ حثیت عمومي اس سے زیادہ راسخ نہیں هوگي' جتني اِس وقت ھے - بے شک هم تسلیم کرتے هیں کہ دنیا پر ایسے تمدني دور گزرے هیں جن میں وقتي طور دین کا دبدبہ گھٹ گیا اور مادیت کے غوغا پر اُسکا نعرہ غالب نہ آ سکا' لیکن ساتھہ هي همیں یہ بھي تسلیم کرنا چاهیے کہ خارج میں دین کي آواز کتني هي پست کیوں نہ هوگئي هو' روح کے اندر اُسکي بنیادیں همیشہ یکساں طور پر استوار رهي هیں - انسانیت کي پوري تاریخ میں ایک لمحہ بھي ایسا بتایا نہیں جا سکتا' جس میں دیني' یقین و ایمان کے ستون متزلزل هو گئے هوں -

اگر واقعي دین اور علم میں معرکہ برپا هوتا تو ابتک مدت کا فیصلہ بھي هو چکا هوتا - ۲۵ - صدیوں سے یہ دونوں نام نہاد حریف پہلو بہ پہلو چل رهے هیں - مگر ابتک دنیا نے اُنکا کوئي فیصلہ کن معرکہ نہیں دیکھا - کیا یہ طویل و عریض مدت بھي فیصلہ کے لیے کافي نہ تھی ؟

لیکن فیصلہ هوتا کیونکر؟ دونوں میں اگر فی الحقیقت کوئي نزاع هوتي تو اُس کا فیصلہ بھي وقوع میں آتا - یہاں سرے سے جنگ هي نہیں ھے - حقیقت یہ ھے کہ یہ دونوں اپنے لیے فکر انساني میں بالکل الگ الگ میدان رکھتے هیں - یھي سبب ھے کہ دونوں اپني اپني جگھہ پر باقي و قائم هیں - دونوں کا کہیں بھي حقیقي تصادم نہیں هوتا - دونوں فکر انساني کے دو علحدہ علحدہ مظہر هیں -

لیکن اگر حقیقت یہ ھے تو پھر اُس طویل اور خونیں تاریخ کي هم کیا توجیہہ کریں جبکہ دیني پیشواؤں نے علم کا گلا گھونٹنے کي کوششیں کیں ؟ نیز اُس مبارزت طلبي کي کیا تاویل کریں جو اصحاب علم کي طرف سے اِس وقت تک دین کو دي جا رهي ھے ؟

اِس کا جواب یہ ھے کہ اگر هم یہ تسلیم کر لیں کہ وہ دین جو طبیعت انساني کا ثمرہ ھے' اور وہ علم جو عقل انساني کا نتیجہ ھے' دونوں میں کبھي تصادم نہیں هوا' جو تصادم هوا ھے وہ سراسر اُس دین

" میرے خیال میں سرکاري وکیل کي منطق یه خواهش تو نه رکھتي هوگي (قہقه)

" اِس مسئله کے صاف کردینے کے بعد اب میں اصلي موضوع پر متوجه هوتا هوں -

" جج اور جیوري ! اُس ضابطهٔ قانون میں ، جسے هم " قدیم یوروپین ضابطهٔ قانون " کہه سکتے هیں ' ایک ایسا قانون موجود هے جس کي منسوخي پر گزشته سو برس سے تمام فلاسفه ' مفکرین ' اور حقیقي سیاست داں زور دے رهے هیں - سب کا بیک زبان مطالبه رها هے که " مقدس تعزیرات " سے یه قانون همیشه کے لیے نکال دیا جائے -

" اِس قانون کے متعلق بکاریا نے کہا تہا " یه بے دین قانون هے " فرانکلین کہا کرتا تہا " یه خوفناک قانون هے " لیکن همیں معلوم هے اِن دونوں پر کبھي توهین قانون کا مقدمه نہیں چلایا گیا -

" اِسي قانون کے بارے میں لوئي فلپ نے (جس کا نام میں اُس احترام کے بغیر نہیں لے سکتا جو پیري اور بد نصیبي کے لیے اور هر اُس شخص کے لیے ضروري هے جو اِس قانون کي قربان گاه پر بھینٹ چڑھا هو) کہا تہا " زندگي بھر مین اس سے نفرت کرتا رها هوں " اِسي قانون پر مسیو جیزر اور مسیو دي بروگلي نے سختي سے نکته چیني کي تھي -

" یہي وه قانون هے جسے هماري پارلیمنت نے اب سے بیس برس پہلے تسلیم کیا هے - یعني اکتوبر سنه ۱۸۳۰ ع میں - حالانکه ٹھیک اِسي زمانه میں ایک نیم وحشي امریکن پارلیمنٹ نے اِسے ملک کے ضابطهٔ قوانین سے خارج کردیا تہا -

" یہي وه قانون هے جسے تین سال هوئے فرنکفورٹ کانگریس نے منسوخ کیا - اور اِسي کو چند سال هوئے انجمن جمہوریت رومان نے باطل کردیے جانے کا فیصله کیا هے -

" یہي قانون هے جسے هماري مقنن مجلس نے سنه ۱۸۴۸ ع میں بڑے پس و پیش کے بعد منظور کیا تہا - یہي وه قانون هے جو اِس وقت جب که میں تقریر کر رها هوں اُن دو تجویزوں کے رحم پر زنده هے جو اُس کے خلاف هماري مقنن مجلس میں پیش هیں -

" یہي وه قانون هے جسے ٹسکانیا اور روس ' دونوں ٹھکرا چکے هیں ' اور اب وقت آگیا هے که فرانس بھي اُسے نفرت سے ٹھکرا دے -

" یہي وه قانون هے جس کے سامنے سے انساني ضمیر نفرت و کراهت کے ساتھه بھاگتا هے -

" وه قانون کیا هے ؟

" قتل !

" اور اے حضرات ! یہي وه قانون هے جس نے آج یه مقدمه پیدا کیا هے - یہی همارا حقیقي دشمن هے - ممکن هے سرکاري وکیل کو غصه آجائے - لیکن میں یه کہے بغیر نہیں رہ سکتا که اُس کے پیچھے بھي یہي قانون چھپا کھڑا هے (قہقه)

" مجھے اعتراف هے که مسیو لیوں فوشر کي طرح گزشته بیس برس سے میں بھي یقین کرتا تہا که " اب گلوٹین ' عام میدانوں میں ظاهر نہیں هوگي - لیکن مجھے یه بھي یقین تہا که اب گلوٹین ' قانوني نقاب اوڑھتي جاتي هے - اب اُس کی حیثیت پہلے سے بہتر هوگئي هے - اب اُس نے میدان چھوڑ دیا هے ' جہاں سورج چمکتا اور مخلوق جمع هوتي هے ' اب وه سڑکوں کا هجوم پسند نہیں کرتي - اب اُس کا تماشه دل پسند نہیں رہا - اب وه تماشه تاریکي میں دکھاتي هے - " سان جاک " کے قید خانے میں - خالي جگه میں - لوگوں کي نظروں سے دور - میں اِس پر مطمئن هوا - میں نے اُسے اپنا منھه چھپاتے دیکھا ' اور اِس شرم و حیا پر مبارک باد دي - لیکن اے حضرات ! یه میري غلطي تھي - کیوں که اُس نے بہت جلد اِس عارضي حیا کا پرده چاک کرڈالا اور انتہائي بے شرمي کے ساتھه باهر نکل آئی !

" سان جاک کا قید خانه یقیناً اِس ملکهٔ قتل (یعني گلوٹین) کے لیے توهین آمیز هے - لہذا اب همیں طیار هو جانا چاهیے که جلد اُسے پھر عام میدانوں میں سورج کے نیچے دیکھینگے - جلادوں کي قطاریں اُس کے سامنے کھڑي هونگي - مسلح پولیس اور فوج اُس کے اعزاز میں دست بسته هوگي - بہت ممکن هے اُس کا تخت خونیں ' اُسي بلدیه (کارپوریشن) کے روشن دانوں کے نیچے بچھایا جائے ' جس کي کھڑکیوں میں کھڑے هوکر بعض نالائقوں نے ۲۴ فروري کو اُسے چلا چلا کر گالیاں دي تھیں -

" اب گلوٹین پھر طیاري کر رهي هے - اُس نے سوچنا شروع کردیا هے که مضطرب هیئت اجتماعیه کو اپنے استقرار کے لیے ' پھر تمام پچھلي روایات کي طرف لوٹ جانا چاهیے - چونکه وه خود بھي ایک قدیم رسم هے ' اس لیے اُسے بھي از سر نو آگے بڑھنا چاهیے - وه تمام مصلحین کے خلاف احتجاج بلند کررهي هے ' کیونکه اُنھوں نے انتہائي گستاخي کے ساتھه اعلان کیا تہا که سر کاٹنے کا آله اُس مجمع کا نشان نہیں هوسکتا ' جس کي کتاب ' انجیل هے !

" وه اِن مصلحین پر سخت خفا هے - کیونکه محسوس کرتي هے که اِن خیالي آدمیوں کے سامنے ' جو نظام اطاعت نہیں جانتے ' وه بے وقعت هوتي هے (قہقه) وه چاهتي هے دنیا بھر اُسکي عظمت کا راگ گائے اور اُسکے سامنے تعظیم سے جھک جائے اگر ایسا نہیں هے تو وه خفا هو جائیگي ' اپنی توهین پر شور مچائیگي ' عدالت میں دعوی کریگي ' اور معارضه طلب کریگي " (قہقه)

جج — مقرر کے بیان پر استحسان یا مذمت کا اظہار قطعي طور پر ممنوع هے - اِس موقعه پر قہقه نہایت نا مناسب هے -

وکٹر هیگو (تقریر جاري رکھتے هوے) " یه ملکهٔ معظمه (گلوٹین) خون کي مالک هے - لیکن وه اِسے کافي نہیں سمجھتي - وه جرمانے اور قیدخانے کي بھي حاکم بننا چاهتي هے -

" محترم عدالت ! جس دن میرے سامنے وه پروانه پیش کیا گیا جو میرے لڑکے کے نام آیا تہا - یعني اِس مقدمه کا سمن ' (آج کل هم کتنے عجائبات دیکھه رهے هیں اور همیں عجائبات دیکھنے کا کس قدر عادي هونا چاهئے ؟) مجھے اعتراف کرنا چاهئے که وه پروانه دیکھکر میري حیرت کي کوئي حد نه رهی - میں نے تعجب سے کہا - کیا ؟ ... تو کیا اب هم اِس حد تک پہنچ گئے هیں ؟ کیا اب هم اِس وجه سے مجرم قرار پائینگے که عقل ' ضمیر ' آزادي خیال ' اور قانون طبیعت کے حامي هیں ؟ کیا اب هم سے صرف مادي احترام کافي سمجھا نہیں جاتا (جس سے همیں کبھی انکار نہیں هوا ' جو هم پر واجب هے ' اور جسے هم فعلاً پیش بھي کر رهے هیں) بلکه اب هم سے مطالبه کیا جا رها هے که معنوي احترام بھي اِن سزاؤں کیلیے پیش کریں جو انساني ضمیر کو پاش پاش کر رهي هیں ' جنھیں دیکھکر هر عقلمند کا رنگ فق هو جاتا هے - جنسے دین نفرت کر رها هے ؟ وه سزائیں جو سنگ دلي سے بھي ' بڑھ کر ایک برائي هیں - جنکے نفاذ کے بعد اُنکي تلافي محال هے - جو بالکل اندھي هیں - وه سزائیں جو انساني خون سے تر بتر هیں - جو دین سے بالکل دور هیں - وه جب مجرم کے سر پر نازل هوتي هیں تو شبه هوتا هے که انسانیت اِس عالم میں موجود نہیں هے - جب بے گناه پر پڑتي هیں تو خود خدا کے وجود میں شک پیدا هو جاتا هے ... "

کیا قانون کی نکته چینی، قانون کی توهین هے ؟

تاریخ قوانین مدینه کا ایک صفحه

وکٹر هیگو کی تقریر اپنے لڑکے کی حمایت میں

(۱)

سنه ۱۸۵۱ کا واقعه هے که فرانس میں ایک مجرم کو قتل کی سزا دی جا رهی تهی - مجرم نے گلوٹین (انقلاب فرانس کے الۂ قتل) پر چڑهنے سے انکار کیا ، شور مچایا ، واویلا کیا ، نوحه و بکا کیا ، سخت جسمانی مزاحمت کی ، مگر اُسکی کوئی سعی کارگر نہیں هوئی - عدالت فیصله کر چکی تهی - جلادوں نے بے دست و پا کرکے اُسے گلوٹین پر چڑهایا اور قتل کردیا گیا -

فرانس کے مشہور شاعر و کاتب وکٹر هیگو کے لڑکے چارلس هیگو نے یه منظر اپنی آنکهوں سے دیکها ، تو بے اختیار هوگیا اور قتل کی سزا کے خلاف اخبار L, Evenement میں ایک مضمون شائع کیا - حکومت کی نظر سے یه مضمون گزرا تو کاتب پر قانون کی توهین کا مقدمه دائر کیا ، کیونکه اِس مضمون میں براہ راست قانون کی اِس نوعیت پر حمله کیا گیا تها -

اِس واقعه نے فرانس میں سخت هلچل ڈال دی - بیک وقت دو بحثیں پیدا هوگئیں : سزائے قتل کی اخلاقی حیثیت اور قانون کی " نکته چینی " اور قانون کی " توهین " میں فرق - اِنهی دونوں اهم بحثوں پر وکٹر هیگو نے ۱۱ جون سنه ۱۸۵۱ کو عدالت میں ایک بہت هی بلیغ اور پر زور تقریر کی - اِس موضوع پر یه تقریر بے نظیر سمجهی جاتی هے - اِس میں فرانس کے شاعر نے قوت واستدلال اور قوت خطابت دونوں کا بہترین مظاهره کیا هے -

فرد اور جماعت کبهی متفق نہیں هوتے - وہ همیشه دو متضاد وجود هیں - دونوں کی طبیعت ایک دوسرے سے بالکل مختلف هے - دلیل یه هے که ایک هی زمانه میں رهنے والے افراد کی عظیم تعداد کبهی بهی جماعت کے تطور اور اُسکے مظاهر پر متنبه نہیں هوتی اور نه اس تطور کو بهلائی اور امن کی طرف لانے کی کوشش کرتی هے - فرد جماعت کے تطور سے خود بهی تطور حاصل کرتا هے - لیکن اُسکے وقوع کی اُسے هرگز کوئی خبر نہیں هوتی - پهر خود جماعت بهی اپنے تطور کا کوئی احساس نہیں کرتی ، یهانتک که امتداد زمانه ، جماعت کے تدریجی تطور کو نمایاں کر دیتا هے اور آئنده نسلیں اُسے محسوس کرتی اور دیکهتی هیں -

فرد کا جماعت کے شعور کے ماتحت آجانا اُسے اپنی مستقل عقلیت سے دور کر دیتا هے - جماعتی شعور کا دهارا اُسے جدهر چاهتا هے ، بهالیجاتا هے : شر کی طرف یا خیر کی طرف - جماعتی شعور اور انفرادی عقلیت کی جنگ نے پوری انسانی تاریخ بنائی هے - تمام جنگی حوادث ، اجتماعی انقلابات اور مختلف مدنیتوں کے قیام میں همیں هر جگهه یهی حقیقت نمایاں نظر آتی هے - یهی روح انسانیت کی گردن پکڑے همیشه کهینچتی هوئی دکهائی دیتی هے -

اِس تقریر کی قانونی اور ادبی ، دونوں حیثیتیں ایسی هیں که ضروری هے ، اردو علم ادب اس سے خالی نه رهے - هم نے حتی الوسع لفظی ترجمه کیا هے -

(وکٹر هیگو کی تقریر)

" سرکاری وکیل کے ابتدائی الفاظ سننے کے بعد میں نے یقین کرلیا تها که وہ الزام سے دست بردار هو جائیگا - لیکن میرا یه یقین ، محض بے بنیاد وهم ثابت هوا اور بہت جلد دور هوگیا - سرکاری وکیل نے متعدد کوششیں کیں (جو سب کی سب نا کام رهیں) که موضوع کو محدود و محصور کردے - لیکن موضوع کی طبیعت نے اُسے تفصیل پر مجبور کر دیا - نتیجه یه هوا کے تمام پهلو روشنی میں آگئے ، اور وکیل کی خلاف مرضی معامله نے اپنی پوری اهمیت حاصل کرلی - لیکن مجهے اِس نتیجه پر کوئی شکایت نہیں هے -

" میں اب بلا کسی تمهید کے فوراً الزام کا مقابله کرتا هوں -

" لیکن سب سے پہلے همیں ایک بنیاد پر متفق هو جانا چاهیے - کیونکه مشہور مقوله هے " موضوع کی عمدہ تعریف ، عمدہ بحث پیدا کرتی هے " پس همیں سب سے پہلے یه طے کر لینا چاهیے که " قانون کی حرمت " کے معنی کیا هیں ؟ یه اس لیے که آج کی بحث کی بنیاد یهی مسئله هے -

" نا ممکن هے اِس جمله کے معنے یه هوں که قانون کی حرمت کے بهانے سے قانون پر نکته چینی روک دی جائے - اِس جمله کے معنی اس سے زیادہ کچهه نہیں هو سکتے که قانون کی تنفیذ کا احترام کیا جائے اور بس - یه جمله ، نکته چینی کی پوری آزادی دیتا هے ، سخت سے سخت نکته چینی کی بهی ، بلکه مذمت کی بهی - صرف ایک قانون هی کی نہیں بلکه خود ملک کے دستور (کانسٹی ٹیوشن) کی بهی جو سب سے اعلی قانون هوتا هے -

" یه جمله همیں پوری آزادی دیتا هے که تشریعی قوت (قانون ساز قوت) کو کسی " خطرناک " قانون کی منسوخی پر آمادہ کریں - اِسی قدر نہیں بلکه یه همیں اجازت دیتا هے که قانون کی راہ میں هر قسم کی اخلاقی اور معنوی دشواریاں حائل کریں - بلا شبه وہ همیں مادی دشواریاں پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتا -

" قانون نافذ هونے دو ، اگرچه کتنا هی خراب ، کتنا هی ظالمانه ، کتنا هی وحشیانه هو - اپنے دل و دماغ کے سامنے اُسکی شکایت کرو - مقنن سے شکوہ کرو - مگر خود قانون کو روکو نہیں - اُسے جاری هونے دو - ببانگ دهل کہو که وہ خراب هے - ظالمانه هے - وحشیانه هے - لیکن اُسکی راہ روک کر کهڑے نه هو -

" هم نکته چینی کرینگے - مذمت کرینگے - مگر بغاوت نہیں کرینگے - یهی وہ حقیقی معنی هیں ، یهی وہ وحید معنی هیں " قانون کے احترام " کے ، اگر یه نہیں تو اے حضرات ذرا غور تو کیجیے -

" قانون سازی کا مشکل عمل دو قسموں پر منقسم هوتا هے : مقنن اور اخبارات - اگر میری تشریح قبول نه کی جائے تو اِسکا نتیجه اسکے سوا کچهه نہیں هو سکتا که دوسری قسم معدوم هو جائیگی - کیونکه اخبارات کا فرض هے که قوانین پر نکته چینی کرکے مقنن کو قانون سازی میں مدد دیں ، وہ مدد جس کے بغیر کوئی قانون مکمل نہیں هو سکتا - جب یه قسم معدوم هو جائیگی تو قدرتی طور پر پہلی قسم ، یعنی مقنن کا وجود بهی بیکار هو جائیگا - یعنی هماری پارلیمنٹ معطل هو کر رہ جائیگی اور اُس کے لیے اِس کے سوا کوئی کام باقی نه رهے گا که همیشه کے لیے بند هو جائے -

مگر اِن کوششوں کے باوجود بھي شہر عکا صليبيوں کے قبضہ میں باقي رھا ' اور اُن تمام نقصانوں کي تلافي کرتا رھا جو اُنھیں اپنے مشرقي مقبوضات سے محرومي کي وجہ سے پہنچے تھے - یہ دیکھکر ملک اشرف بن قلاؤن نے چاھا ' یہ مقام بھي اُن سے واپس لے لیا جاے - چنانچہ اُس نے حملہ کیا اور سنہ ۱۲۹۱ع میں کامیاب ھو گیا -

عکا کے واقعہ کے بعد مشرق کي فتح کے دروازے ایک مرتبہ پھر مغرب پر بند ھوگئے - لیکن وہ نا امید نہ ھوا ' اور روم کے پاپا اور یورپ کے بادشاہ برابر حملہ کي طیاریاں کرتے رھے - چنانچہ چارلس ھشتم شاہ فرانس نے عزم مصمم کرلیا تھا کہ اپنے جنگي بیڑوں کي قوت سے فلسطین اور مقامات مقدسہ پر قبضہ کرلے - لیکن تجارتي مفاد نے اُس وقت جنگي کارروائیاں کرنے کي اجازت نہیں دي - اور مشرق و مغرب کا تصادم ھوتے ھوتے رک گیا -

عکا کي فتح کے بعد مشرقي تجارت کي باگیں مصر کے ھاتھہ آگئیں - اب بحر متوسط کي تجارت پیشہ قوموں کیلیے اِسکے سوا کوئي چارہ نہ تھا کہ اسکندریہ ' دمیاط ' اور بیروت کے بازاروں کا طواف کریں - چنانچہ وینس اور جنیوا وغیرہ کے تاجر اِن بازاروں پر ٹوٹ پڑے - کیونکہ مشرق کي مصنوعات اور ھندوستان کي پیداوار حاصل کرنے کا اور کوئي دوسرا راستہ اُنکے سامنے موجود نہ تھا - اُس زمانے میں ھندوستان کے گرم مسالے یورپ میں از حد مقبول تھے اور غذا کا لازمي جزء بن گئے تھے - یہ مسالے بھي مصر ھي کے راستے یورپ کو حاصل ھوتے تھے -

اِس تجارتي مرکزیت نے مصر کو دولت و ثروت کا بھي مرکز بنا دیا - بادشاہ اور باشندے مالا مال ھوگئے تھے - تمام یورپ میں قاھرہ " قاھرۂ عظمی " کے نام سے پکارا جاتا تھا !

(راس امید کي دریافت)

تقریباً دو سو برس تک یہي حالت رھي - یہانتک کہ سنہ ۹۲۲ھ (۱۵۱۶ع) میں مصر اپني آزادي سے محروم ھو گیا - اُسکي تجارتي مرکزیت کو شاید اب بھي کوئي نقصان نہ پہنچتا لیکن مصیبت یہ ھوئي کہ اُسي زمانے میں پرتگالیوں نے " راس امید " دریافت کرلي اور اس طرح مصر کي سیاسي اور تجارتي ' دونوں اھمیتیں ختم ھوگئیں -

" راس امید ' اتفاقیہ طور پر دریافت نہیں ھوا بلکہ ضرورت نے اُسکي طرف رھنمائي کي تھي - یوں کہنا چاھئے کہ ھندوستان کي تجارت اُس کا باعث ھوئي - حقیقت یہ ھے کہ قدیم زمانے سے ھندوستان ' دنیا کي سیاست میں زبردست موثر رھا ھے - اسکي فتح کے لیے دنیا میں بے شمار انقلاب پیدا ھوئے اور بے شمار ملکوں کي آزادیاں پامال ھوئیں - یہي نہیں بلکہ نئي دنیا یعني امریکا کا انکشاف بھي اِسي ھندوستان کي طمع و شوق میں ھوا -

عکا سے محروم ھوجانے کے بعد یورپ نے دیکھا کہ مشرق اور ھندوستان کي تجارت کیلیے اب وہ یک قلم مصر کے رحم پر ھے ' اور بلا وجہ مصر کو بے شمار محصول ادا کرتا ھے - چنانچہ عقلاء یورپ نے غور کرنا شروع کیا کہ ھندوستان تک پہنچنے کي کوئي ایسي راہ نکلے جسمیں مصر کا توسط نہ ھو - اِس مشکل کے دو حل اُنکے سامنے آئے : ایک یہ کہ بحر اٹلانٹک میں مغرب کي طرف سیدھے چلے جائیں ' یہانتک کہ ھندوستان کے ساحل پر پہنچ جائیں - دوسرے یہ کہ افریقا کا چکر لگاکر ھندوستان پہنچیں -

یہ دونوں نظریے پہلے جنیوا میں پھر لشبونہ (پرتگال) میں مشہور ھوئے - لشبونہ سے یہ خیال اسپین پہنچا اور یہ دونوں ملک اُس پر سنجیدگي سے غور کرنے لگے -

(کولمبس کي مہم)

پہلا نظریہ یعني بحر اٹلانٹک میں غرباً سفر ' سب سے پہلے جنیوا کے ایک باشندے کولمبس نے پیش کیا - میں کہتا ھوں " سب سے پہلے " حالانکہ اِس سے میري مراد " اھل یورپ میں سب سے پہلے " ھے - کیونکہ یہ ایک تاریخي حقیقت ھے کہ کولمبس سے بہت پہلے اندلس اور مصر کے مسلمان اِس پر غور کرچکے تھے - صرف غور ھي نہیں بلکہ اُسے عمل میں بھي لا چکے تھے ' اگرچہ کامیاب نہ ھوسکے -

میرا فرض ھے کہ یہ تاریخي حقیقت ' جس پر انسان اور زمانے کي ناانصافیوں نے پردے ڈال رکھے ھیں ' روشني میں لے آوں -

علماء یورپ ھمیں بتاتے ھیں کہ سب سے پہلے کولمبس کو خیال پیدا ھوا کہ بحر اٹلانٹک میں غرباً چلنے سے ھندوستان تک پہنچ سکتے ھیں - چنانچہ یہ خیال لے کر وہ لشبونہ گیا اور جان ثاني شاہ پرتگال کے سامنے پیش کیا - لیکن یہ بادشاہ بد نصیب تھا اُس نے کولمبس کي بات نہ ماني بلکہ اُسے مجنون قرار دیا - کولمبس خفا ھوکر اسپین چلا گیا اور فردیننڈ اور ملکۂ ایزابلا کے سامنے اپنا نظریہ پیش کیا - نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نئي دنیا تک پہنچ گیا جس کا نام اُس وقت لوگوں نے " مغربي ھند " (Indes Occiden Tales) (۱) رکھا تھا کیونکہ کولمبس کا ارادہ ' ھندوستان پہنچنے کا تھا - اِسي کي تلاش میں امریکہ نکل آیا - اِسي لیے اُسے ھندوستان ھي سے تعبیر کیا گیا -

لیکن جب کہ کولمبس ' لشبونہ میں یہ خیال لیے ھوئے بحر اٹلانٹک کي متلاطم موجوں پر امید کي نظریں ڈال رھا تھا ' تو کیا اُس کے دل میں یہ خیال بھي گزرا تھا کہ اِسي لشبونہ میں کھڑے ھوکر عرب ٹھیک اِسي مقصد بلکہ اِس سے بھي بڑے مقصد سے سمندر پر نظریں ڈال چکے ھیں ؟

کیا کولمبس کو یہ خبر پہنچي تھي کہ اِسي لشبونہ کے مسلمانوں نے اُس سے بہت پہلے ارادہ کیا تھا کہ بحر ظلمات میں تحقیقات کے لیے در آئیں ؟

کولمبس کو شاید معلوم نہ ھوا ھو ' لیکن یہ واقعہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ھے - لشبونہ کے اُن مسلمانوں میں سے جو " مغرورین " کے لقب سے مشہور ھیں ' آٹھہ عم زاد بھائیوں نے کمر ھمت چست کي - جہاز طیار کیے - کئي مہینے کا کھانا پاني جمع کیا ' اور اُس ھوا کے آغاز پر جو اُنھیں مغرب کے کناروں تک لیجا سکتي تھي ' بحر ظلمات میں روانہ ھوگئے - اُن کے سفر کا حال شریف ادریسي نے اپني کتاب " نزھۃ المشتاق في اختراق الافاق " میں لکھا ھے - اھل لشبونہ اپنے اِن " مجنونوں " کو بھولے نہیں بلکہ اُن کي یادگار باقي رکھنے کے لیے اپنے شہر کے ایک محلہ کا نام " درب المغرورین " رکھدیا -

(۱) گیارھویں صدي ھجري کے عرب مصنفین کي کتابوں میں بھي امریکا کا نام (الھنود المغربیۃ) لکھا ھے - دیکھو مقدمہ " کتاب العز و المنافع للمجاھدین بالبارود و المدافع " جو مصر کے سلطاني کتب خانے میں محفوظ ھے -

" لیکن نہیں ! نہیں ! هرگز نہیں ! هم ابهي اِس حد تک نہیں پہنچے هیں "۔ میں نے کہا مجھے پروانہ دیکھکر سخت حیرت هوئي (آپ عنقریب جان لینگے میري حیرت کس درجہ عظیم تهي) کیونکہ میں نے خیال کیا ' اگر اِس " جرم " کا کوئي حقیقي مجرم هے ' تو وہ میرا بیٹا نہیں ' خود میں هوں -

" میں اِس وقت عدالت کے سامنے پوري صفائي سے اعلان کرتا هوں کہ اِس جرم کا حقیقي مجرم میں هوں ' میں ! کیونکہ گزشتہ ۲۵ سال سے میں هي اِن سزاؤں کے خلاف هر ممکن ذریعہ سے جنگ کر رها هوں -

" میں تصریح کرتا هوں کہ گزشتہ ۲۵ سال سے میں نے هر طریقہ سے " انساني زندگي کي حرمت " بچانے کي کوشش کي هے - یعني وهي جرم کرتا رها هوں جو اِس وقت میرے لڑکے پر عائد کیا جا رها هے - میں نے یہ جرم اپنے لڑکے سے بہت پہلے شروع کیا تها ' اور اِس سے کہیں زیادہ سخت طریقہ پر اُسکا ارتکاب کرتا رها هوں - مہربان سرکاري وکیل ! دیکھو ' میں خود اپنے خلاف گواهي دے رها هوں - میں اقبالي مجرم هوں - حلفیہ اقبال کرتا هوں - میں نے هر موقعہ پر یہ جرم کیا هے - بار بار کیا هے - اصرار کے ساتهہ کیا هے - همیشہ کرنے کا عزم رکها هے - یہ عزم اِس وقت بهي میرے قلب میں موجود - بلکہ اِس وقت بهي میں اِس جرم سے آلودہ هو رها هوں - خود عدالت کے سامنے آلودہ هو رها هوں !

" هاں . . . میں خود اپني زبان سے بغیر کسي جبر و اکراہ کے اپنے جرم کا اعلان کرتا هوں - میں اعلان کرتا هوں کہ میں زندگي بهر اُن تمام قوانین کي بیخ کني کرتا رها هوں جو وحشیانہ هیں - میں همیشہ اِس بڑهے قانون کا دشمن رها هوں جو کہتا هے " آنکهہ کے بدلے آنکهہ اور دانت کے بدلے دانت " محترم جج اور جیوري ! میں آپکے سامنے قسم کها کر کہتا هوں کہ آئندہ بهي زندگي بهر ایسے تمام قوانین سے جنگ کرتا رهونگا - میں ایک مصنف کي حیثیت سے عمر بهر اپنے قلم سے اُنکي مخالفت کرونگا ' اور ایک مقنن کي حیثیت سے اپني آواز همیشہ اُنکے برخلاف بلند رکهونگا -

" اے حضرات ! میں اعلان کرتا هوں (یہ کہکر مقرر نے حضرت مسیح علیہ السلام کي تصویر کے طرف اپنے دونوں هاتهہ پهیلا دیے جو عدالت کے کمرے میں آویزاں تهي) اِس ذات کے سامنے جو اِسي قانون قتل کي قربان گاہ پر بهینٹ چڑهائي گئي ' جسکے سامنے اِس وقت هم کهڑے هیں - یہ مقدس تصویر همیں اِس وقت دیکهہ رهي هے - میں اِس مقدس " قرباني " کے سامنے قسم کے ساتهہ یہ اعلان کرتا هوں - یہ وہ هستي تهي جسنے انسانیت کي ابدي تعلیم کي خاطر ' اپنے تئیں جلادوں کے حوالہ کر دیا - انساني قانون نے آسے سولي پر لٹکایا ' حالانکہ اُسکا وجود خود " قانون الهي " تها -

" هاں میں اِسي تصویر کے روبرو بار بار کہتا هوں کہ میرے لڑکے نے جو کچهہ لکها ' وہ صرف اِس وجہ سے لکها کہ میں نے بچپن هي سے اُسے اِسکي تلقین کي تهي . . . کیونکہ وہ جب سے میرا جسماني لڑکا هے ' اُسي وقت سے میرا روحاني فرزند بهي هے - کیونکہ وہ کوشش کرتا هے کہ اپنے باپ کي راہ پر چلے - لیکن بیٹے کا باپ کے طریقے پر چلنا بهي ایک عظیم جرم هے - واقعي یہ جرم میرے لیے سخت حیرت انگیز هے !

" حضرات ! میں اعتراف کرتا هوں کہ یہ الزام واقعي میرے لیے شدید تعجب کا موجب هے . . . . . . "

هندوستان کي تجارت پر مشرق و مغرب کا تصادم

امریکا اور راس امید کے اکتشافات

واسکو دي گاما نے ایک عرب کے ذریعہ کامیابي حاصل کي

مشہور مصري کاتب و محقق احمد زکي پاشا نے اپنے ایک سلسلۂ مضامین میں مندرجۂ بالا عنوانوں پر جو روشني ڈالي هے ' وہ نہایت اهم اور دلچسپ هے - انکي بحث خلاصہ حسب ذیل هے :

" صلیبي جنگوں نے بہت سي مغربي قوموں کے مقبوضات ' شام میں پیدا کر دیے تهے - ایشیا کے دروازوں پر اِن مقبوضات سے یورپ کو بہت فوائد حاصل هوئے - تمام مشرق کي مصنوعات حاصل کرنے اور هندوستان سے تجارت بڑهانے کے بہترین موقع میسر آگئے - صلیبیوں نے کبهي کبهي اِتني قوت بهي پیدا کرلي تهي کہ خود دمشق اور قاهرہ سے خراج وصول کیا کرتے تهے - (۱) انهوں نے کرک پر قبضہ کر کے حجاز کے راستہ پر تسلط حاصل کرلیا تها - عقبہ اور طور پر بهي قبضہ جمانے کي کوشش میں تهے ' اور قریب تها کہ پورے بحر احمر پر چها جائیں - (۲)

لیکن مشرق قریب کے سلاطین ' عین وقت پر بیدار هوگئے - آن میں باهم سخت حسد و منافست تهي - تاهم مشترک خطرے کے سامنے مُتفق هوگئے ' اور اسدالدین ' نورالدین ' صلاح الدین ' نجم الدین ' ملکۂ شجرۃ الدر ' ملک الظاهر بیبرس ' منصور قلاؤن ' کي یادگار کوششوں نے مصر اور شام کي سر زمینیں یورپین حملہ آوروں سے پاک کردیں -

---

(۱) دیکهو ابن فضل اللہ کي مسالک الابصار

(۲) ابن فضل اللہ نے اپني کتاب " التعریف بالمصطلح الشریف " میں لکها هے کہ اهل فرنگ نے کرک میں بحري بیڑے طیار کیے اور انهیں ! یکر بحر قلزم میں پہنچے ' تاکہ حجاز پر حملہ آور هوں اور اپنے دل کا بخار نکالیں - لیکن ایوبي اور عادلي همتوں نے اُنهیں پست کردالا - صلاح الدین ایوبي نے اُنکے بہت سے آدمي گرفتار کرلیے اور منی بهیجدیے ' تاکہ جمرۃ العقبہ پر اُسي طرح ذبح کردالے جائیں جس طرح قرباني کے جانور ذبح کیے جاتے هیں - چنانچہ ایسا هي کیا گیا - (منہ)

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم
(۳۰: ۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کا یہ دوسرا حصہ ہے۔ الہلال)

"جوف" سے "حائل" تک اونٹ کی پیٹھ پر دس دن کی مسافت ہے راستہ نہایت ہی اُجاڑ اور بیابانی ہے۔ ہم کبھی ریگ کی بلند پہاڑیوں پر چڑھتے تھے۔ کبھی نشیبی وادیوں میں ہوتے تھے۔ کبھی ایسی بلند پگڈنڈیوں پر چلتے جن کے نیچے ہولناک گہرائیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ راستہ ایسا دشوار گزار اور خطرناک ہے کہ اونٹ کا ذرا قدم ڈگ مگا جائے تو ہلاکت یقینی ہے۔ عظیم بلندی پر سے انسان فوراً تحت الثریٰ میں جا پہنچے۔

اس سفر میں پہلے ۶ دن تک کہیں پانی نہیں ملا۔ اگر پانی ہمارے ساتھ مشکوں میں اور اونٹوں کے ساتھ اُنکے پیٹ میں نہ ہوتا تو موت یقینی تھی۔ اس تمام مدت میں غسل کرنا کیا معنی غسل کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پانی کا ایک ایک قطرہ خود زندگی کی طرح قیمتی تھا۔

ساتویں دن علی الصباح ہمیں "جبہ" نام ایک آبادی ملی۔ یہاں کے تمام مکان ایسی سفید مٹی سے بنے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ چند شیوخ مجھے پوچھتے ہوئے آئے اور مہمان بننے کی درخواست کی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اُنھیں پہلے ہی خبر پہنچ گئی تھی کہ ایک مصری، شاہ نجد کی ملاقات کے لئے آرہا ہے۔ "لہذا" اُنھوں نے کہا "ہمارا اخلاقی فرض تھا کہ تھیں اپنا مہمان بناتے"

نویں دن ہم "قنا" میں پہونچ گئے۔ یہ بہت ہی چھوٹا گاؤں ہے۔ حتی کہ یہاں ہمیں کھانے کے لئے ایک بکری بھی مول نہ مل سکی۔ لیکن ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ کیونکہ تھوڑے فاصلہ پر تین گاؤں اور تھے۔ ان میں سب سے بڑا گاؤں "ام جلبان" ہے اور اس کی آبادی صرف ۴ گھر ہیں۔ مکانوں کے، گرد خرمے کے چند درخت ہیں۔ یہاں کے باشندے حرف قاف کا تلفظ "گاف" کی طرح کرتے ہیں۔

حائل

دسویں دن "حائل" ہمارے سامنے تھا۔ سلطان ابن سعود کے عم زاد بھائی امیر عبد العزیز بن مساعد بن جلوی، حاکم حائل کا نائب ہمارے استقبال کے لئے شہر کے باہر موجود تھا۔

ہم نے اپنے تمام پچھلے صحرائی سفر میں حائل سے زیادہ آباد کوئی مقام نہیں دیکھا۔ یہ ایک حد تک شہر کا حکم رکھتا ہے۔ آبادی وسیع ہے۔ سڑکیں کشادہ اور منظم ہیں۔ بازار بھی بہت بڑا ہے جس میں اونٹوں اور مویشیوں کی تجارت بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے۔ حائل، مدینہ منورہ سے ۸ دن، شام سے ۱۵ دن، اور عراق سے بھی تقریباً ۱۵ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ تجارت کا ایک مرکزی مقام ہے۔ ہندوستان کے چاول کی یہاں بڑی منڈی ہے۔ اس علاقے کی اصلی غذا یہی چاول ہے۔ قسم قسم کی ترکاریاں، سبزیاں، اور میوے بھی بڑی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ نخلستان بے شمار ہیں۔ لیکن کھجور بدمزہ اور گھٹیا قسم کی ہوتی ہے میں نے عورتوں کو بازار میں روٹی، میوے، ترکاری، مرغی، انڈے، بیچتے دیکھا۔ وہ سیاہ کرتے پہنے تھیں۔ اوپر سے سفید چادریں اوڑھے تھیں۔ نہایت باوقار اور سنجیدہ تھیں۔ خریداروں سے ضرورت بھر بولتی تھیں، مگر اس قدر آہستہ کہ کوئی دوسرا آدمی اُن کی آواز نہیں سُن سکتا!

یہاں یہ عجیب بات دیکھی کہ صرف فرانسیسی سکہ، جسے یہ لوگ "شوشی" کہتے ہیں، مستعمل ہے۔ انگریزی یا ترکی سکے نہیں چلتے۔

ایک دن میں حاکم حائل کے نائب کا مہمان رہا۔ دوسرے دن خود حاکم، امیر عبد العزیز بن مساعد نے مجھے اپنے دار الحکومت میں مدعو کیا اور غیر معمولی خاطر تواضع کی۔ پہلی نظر میں دہوکہ ہوتا ہے کہ یہ امیر شاید متکبر و مغرور ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ نہایت ہی منکسر مزاج، خوش اخلاق، اور خوش صحبت ہے۔ وہ اپنے اس صوبے میں اور اس کے اطراف کے تمام شمالی علاقوں میں سلطان ابن سعود کے ماتحت مطلق العنان حاکم ہے، اُس کے احکام کے سامنے کوئی روک کھڑی نہیں ہوسکتی۔ لیکن اُس کے احکام کتاب و سنت کے احکام کے ماتحت ہوتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ سے بال بھر تجاوز کرنا اس علاقے میں ایسا جرم ہے کہ اُس کے لئے کوئی معافی نہیں!

حاکم کے پاس دو موٹریں ہیں جن پر وہ اکثر سفر کیا کرتا ہے۔ موٹر چلانے والا ایک شامی عرب ہے۔ دوسرا نجدی ہے۔

حاکم کے ایک مصاحب کے ساتھ میں قیدخانہ دیکھنے گیا۔ مجھے یقین تھا، مجرموں کی بڑی بھیڑ دیکھوں گا۔ مگر قیدخانے میں پہنچکر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی۔ وہاں ایک قیدی بھی موجود نہ تھا۔ صرف محافظ سپاہی ہاتھ پر ہاتھ دہرے بیٹھے تھے۔ میں نے تعجب سے پوچھا "قیدی کہاں ہیں؟" سپاہیوں نے جواب دیا "جب مجرم ہی نہیں ہیں تو قیدی کہاں سے آئیں!" اسوقت مجھے یقین ہوگیا کہ واقعی احکام شریعت، جرائم کی بیخ کنی کے لئے بہترین قانون ہیں۔ اور یہ کہ نجد سے زیادہ احکام شریعت کی پابندی کسی مسلمان قوم میں نہیں ہے۔ حائل جیسی وسیع آبادی کے قیدخانے میں ایک قیدی کا بھی موجود نہ ہونا" یقیناً اس بیسویں صدی میں اعجوبہ کا حکم رکھتا ہے۔

حائل کی آب و ہوا نہایت معتدل ہے۔ یہاں میٹھے پانی کا ایک چشمہ موجود ہے اور اپنے طبی خواص میں "فیشی" کے معدنی چشمے کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس کا پانی ہر قسم کا نمک پگھلا دیتا ہے۔ گردے کے جملہ امراض کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ خون صاف کرتا ہے اور حیرت انگیز سرعت سے غذا ہضم کر دیتا ہے۔ اس چشمے کا نام "ام السلاح" ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے چشمے ہیں اور سب شیریں اور عمدہ ہیں۔ آب و ہوا کی اسی خوبی کا نتیجہ ہے کہ یہاں کے باشندے خوب توانا تندرست ہیں۔

اب سے پہلے حائل، ابن الرشید کی ریاست کا پایۂ تخت تھا۔ یہ ریاست ایک زمانہ میں ریاض کے خاندان سعود کے تابع تھی۔ پھر کچھ مدت خود مختار رہی۔ اب ایک مرتبہ پھر خاندان سعود کے زیرنگیں آگئی ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

حائل کے باشندے، دراصل قبیلۂ "شمر" کے افراد ہیں۔ یہ قبیلہ صحرا میں بود و باش رکھتا تھا۔ پھر اُس کا ایک بڑا حصہ کٹ کر شہری بن گیا، اور حائل میں آباد ہوگیا۔

حائل میں "اخوان" بکثرت نظر آتے ہیں۔ انھیں یہاں "حبان" کہتے ہیں۔ ان کی علامت یہ ہے کہ سُرخ ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔ چھوٹے عمامے باندھنے والے معمولی لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ بڑے عمامے والے شیخ ہوتے ہیں۔ نجد میں اس گروہ کو سب سے زیادہ اہمیت و قوت حاصل ہے۔ حائل، احسار، اور حجاز کی فتوحات انہی کے ہاتھوں واقع ہوئی ہیں۔ تمام عرب میں ان کی شجاعت اور پامردی کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ بڑی بڑی فوجوں پر ان کا نام رعب و ہیبت طاری کردیتا ہے۔ اب سے چند سال پہلے یہ سخت وحشی اور جاہل تھے۔ دین کا کوئی حکم بھی نہیں جانتے تھے۔ لیکن آج ان میں سے ہر شخص شریعت کے تمام عملی احکام کا عالم ہے۔ نجد و حجاز میں اتباع شریعت اور ترک بدع و [illegible] کی مبلغ یہی جماعت ہے۔

قصیم

حائل میں ایک ہفتہ سلطان کی مہمانی میں رہ کر ہم نے پھر سفر شروع کردیا۔ اب منزل مقصود، بریدہ تھی۔ بریدہ، حائل سے ۸ دن کے فاصلہ پر ہے۔ راستہ صاف اور میدانی ہے۔

راستہ میں سب سے پہلی آبادی "عددہ" کی ملی۔ اس گاؤں کا منظر نہایت دلفریب ہے۔ اس کے گرد کھیت ہیں، اور دُور تک سر بفلک پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ پہاڑ بہت ہی دلچسپ منظر پیش کرتے ہیں۔ انکے نیچے میدانوں پر سنہری ریگ بچھی ہوئی ہے اور از حد نظر فریب ہے!

راستہ میں ایک قابل ذکر واقعہ پیش آیا۔ ہمارے قافلہ کے ایک مسافر کی اونٹنی رات کو کہیں بھاگ گئی۔ ہرچند تلاش ہوئی مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ عین ناامیدی کے وقت ایک بدو نظر آیا۔ اُس سے پوچھا گیا تو اُسنے کہا "میں نے اس شکل کی اونٹنی فلاں مقام پر دیکھی تھی میں اُسے لاسکتا تھا، مگر اس ڈر سے ہاتھ نہیں لگایا کہ چور نہ سمجھا جاؤں" اس واقعہ سے مجھے اہل نجد کی امانت و دیانت کا اور بھی زیادہ یقین ہوگیا۔ میں جتنی زیادہ جستجو کرتا گیا، مجھے معلوم ہوتا گیا کہ چوری اور قزاقی نجد میں بالکل نامعلوم ہے۔

راستہ میں چار گاؤں اور بھی ملے: کہفہ، جوارہ، وتال، اور شقیقہ

کولمبس کو بیشک یه امتیاز حاصل هے که وه امریکا تک پهنچ گیا - لیکن کس طرح پهنچا ؟ کیا اُس کے وهم میں بهي یه بات موجود تهي که بحر ظلمات کے دامنوں میں ایک اور دنیا بهي چهپي هوئي هے ؟ اِس کا کوئي ثبوت موجود نهیں - وه تو هندوستان کے ارادے سے نکلا تها اور محض اتفاق سے امریکا پهنچ گیا - لیکن لشبونه کے مسلمان تو اِسي دنیا کي تحقیق کے لیے نکلے تهے - اُنهیں هندوستان کي فکر نه تهي - نه تجارت و دولت کي طمع تهي - اُن کے سامنے صرف جغرافیائي تحقیقات تهي - ظاهر هے که کولمبس اور اُن کے نقطهٔ نظر میں کتنا اختلاف تها اور دونوں میں کون زیاده تحسین علم کا مستحق هے ؟

یهي نهیں بلکه کولمبس سے ڈیڑه سو برس پهلے هي مسلمانوں نے امریکا کا تصور کرلیا تها - ملک الناصر محمد بن قلاؤن کے عهد میں ایک عالم ' قاهره میں موجود تهے - اِن کا نام ابو الثناء محمود بن ابي القاسم الاصفهاني تها - ابن فضل الله العمري اپني کتاب " مسالک الابصار في ممالک الامصار " (جلد ۱ صفحه ۳۱) میں اِن کا یه قول لکهتے هیں :

" میں اِسے بعید نهیں سمجهتا که زمین کے اِس رخ پر پاني کے هٹ جانے کي وجه سے جو خشکي نمودار هوگئي هے ' ویسي هي خشکي زمین کے دوسرے رخ پر بهی موجود هو - چونکه یه مستعبد نهیں هے ' اِس لیے یه بهی مستعبد نهیں که اُس طرف کي خشکي پر بهي ویسے هي حیوان و نباتات موجود هوں ' جیسے هماري اِس زمین میں موجود هیں ' یا وه کسي اور جنس و نوع کے هوں "

(واسکو ڈي گاما اور راس امید)

هندوستان تک پهنچنے کے پهلے نظریه نے امریکا کو ظاهر کیا - اب دوسرا نظریه همارے سامنے آتا هے - اِس سے مقصود یه تها که بحر اٹلانٹک میں افریقه کے گرد گهوم کر هندوستان کي راه نکالي جائے -

یه خیال سب سے پهلے جنوا میں رهنے والے دو بهائیوں : اوگولینو Ogolino اور ویڈینو Vadino کو هوا - وه اس مهم پر روانه بهي هوگئے مگر کامیاب نه هوے اور غرق هوگئے -

لیکن یه خیال برابر زنده رها اور همتیں بڑهاتا رها - اُس وقت پرتگال کے ملک میں بڑي تجارتي بیداري موجود تهي - پرتگالي ' همت و شجاعت میں تمام یورپین قوموں کے آگے تهے - پرتگال کي نازک اندام عورتوں کا بهي اِس حرکت میں بڑا حصه تها - اُنهوں نے اعلان کر دیا تها که وه اُنهي لوگوں سے شادي کرینگي جو افریقا کے ساحلوں پر اپني شجاعت و بسالت ثابت کر دینگے - نتیجه یه هوا که پرتگالي نوجوان سواحل افریقا پر ٹوٹ پڑے ' اور بتدریج بهت سي بندرگاهوں کے مالک بن گئے - اِن مهموں میں عربوں اور یهودیوں نے اُنکي بڑي مدد کي - یه لوگ افریقا سے اُس وقت سب سے زیاده واقفیت رکهتے تهے - اِنهوں نے پرتگالي بادشاهوں خصوصاً شاه هنري کو (جو ملاح کے لقب سے مشهور تها) اپني قیمتي معلومات سے آگاه کیا ' اور اِس طرح افریقا کي تحقیق و فتح میں پرتگالیوں کے رهنما بنے - یهي عرب اور یهودي تهے جنهوں نے پرتگال کو گینیا کي سونے کي کانوں سے آگاه کیا تها - غرضکه سنه ۱۴۱۳ سے سنه ۱۴۸۶ تک پرتگالي اپنے مقبوضات سواحل افریقا پر پهیلاتے رهے ' یهانتک که سنه ۱۴۸۶ میں پرتگالي امیر البحر جنوبي افریقا کے آخري نقطه تک پهنچ گیا - یهي وه مقام هے جس کا ذکر قطب الدین نهروالي نے اپني کتاب " البرق الیماني فی الفتح العثماني " میں اِس طرح کیا هے " یه جگه ساحل کے قریب ایک آبنائے میں واقع هے - اس کے ایک جانب پهاڑ هے اور دوسري جانب بحر ظلمات هے - یهاں سمندر سخت طوفاني حالت میں رهتا هے - کشتیاں ٹک نهیں سکتیں - ٹوٹ جاتي هیں "

پرتگالیوں نے اِس مقام کا نام " راس طوفان " رکها تها - لیکن جان ثاني شاه پرتگال نے اس کا نام " راس امید " رکهدیا - کیونکه اِس کي دریافت نے براه راست هندوستان تک پهنچنے کي امید پیدا کردي تهي -

لیکن یه امید جان کي زندگي میں پوري نهیں هوئي - اس کي وفات کے بعد اُس کا بیٹا عمانویل ثاني تخت نشین هوا - اِسنے واسکو ڈي گاما کو سنه ۱۴۹۷ میں اِس مهم پر روانه کیا تا که هندوستان کي راه دریافت کرے - اِس شخص نے سفر شروع کیا - راس امید عبور کرکے سواحل کفره میں پهنچا - پهر ممباسه آیا ' پهر ملنده میں وارد هوا - یهیں اِسکي ملاقات حسب تصریح قطب الدین کے (جیسا که " برق یماني " میں مذکور هے) " ایک بحري آدمي سے هوئي - اسکا نام احمد بن ماجد تها - اِسي نے نشه کي حالت میں واسکو ڈي گاما کو هندوستان کا سیدها راسته بتا دیا - اور اس کے بعد بحر هند میں پرتگالیوں کي کثرت هوگئي " لیکن خود پرتگالي مورخ ' احمد بن ماجد کا کوئي ذکر نهیں کرتے - البته ایک ایسے آدمي کا وجود ضرور تسلیم کرتے هیں جو واسکو ڈي گاما کا شریک سفر هوگیا تها - اور اُسکا نام وه " معلم کنه " Malem Cana بتاتے هیں اور کهتے هیں که وه هندوستان پهنچ کر گجرات میں فوت هوگیا - بعضوں نے اُسکا نام Malem Canaqué لکها هے -

بعض پرتگالي مورخ کسي ایسے شخص کا وجود تسلیم نهیں کرتے - اُنکا بیان هے که سلطان ملنده نے واسکو کے ساته اپنے ملک سے دو آدمي کر دیے تهے جو بحر هند سے بخوبي واقف تهے -

بهر حال یه ثابت هو جاتا هے که راس امید کي دریافت میں عربوں کا بهي حصه هے اور راس امید سے هندوستان تک پهنچنے میں تو سراسر عربوں هي نے رهنمائي کي تهي -

---

مختارات

(اخبار نویسي)

سلطان عبدالحمید نے معزول هونے کے بعد کها " اگر میں یلدز (محل) میں لوٹ سکوں تو اخبار نویسوں کو ایک هي قید خانه میں بند کردونگا "

" اِس ملک میں هر دس آدمیوں میں صرف ایک شخص کو انشا پرداز هونا چاهیے " (وزارت امریکا)

" اخبار نویس کي صورت دیکهر شیطانوں کا باوا ' ابلیس ' بهي کانپ جاتا هے " (ولیم سٹیڈ)

" کیڑے مکوڑوں میں سے اخبار نویس بهي هے " (ملکهٔ اسپین)

" اے قلم تو نهایت خوبصورت هے لیکن میري سلطنت میں تو شیطان سے بهي بدتر ثابت هوا هے " (آخري زار روس)

پرتگال کے معزول بادشاه " مانویل " نے اخبار نویسوں سے کها " تمهیں نے مجهے برباد کیا هے "

جمهوریه وینزولا (امریکا) کے صدر " کاسترو " کا قول هے : " اگر جهنم کا پهاٹک بهي میں کهلا دیکهوں تو اُتنا نه ڈرونگا جتنا اخبار نویس کے قلم سے ڈرتا هوں "

غنوان شرف ہوگا۔ بقایا تین پلٹنوں میں بھی کچھ گڑبڑ ہو۔ لیکن مجھ یقین ہو وہ بغاوت نہیں کریں گے۔ میری خواہش ہے، کہ وہ بھی منحرف ہو جائیں۔ تاکہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے۔ منٹگمری"

منٹگمری عیسائیت کی تبلیغ میں نمایاں حصہ لیا کرتا تھا۔ اس مذہب کی ضرب المثل نرم مزاجی اور حلم و بخشش کا سخت مدّاح تھا، لیکن آپنے بھی ایسے ظالمانہ فعل کی تائید کی۔ اس کے بعد اسنے ہاڈسن کو ایک چٹھی لکھی یہ وہ شخص تھا۔ جسنے بہادر شاہ کے لڑکوں کو سخت بیرحمی سے قتل کیا تھا۔ انگریز مورخین میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جسنے ہاڈسن کے اس فعل کی مذمت نہ کی ہو۔ لیکن منٹگمری اسے لکھتا ہے:

"میرے پیارے ہاڈسن۔

میں تمھیں مبارکباد دیتا ہوں کہ تم نے بادشاہ کو گرفتار کرلیا اور اس کے بیٹوں کو قتل کر دیا۔ میں امید کرتا ہوں تم اسی طرح اور شاہزادے بھی قتل کر دگے۔ منٹگمری"

ایک آدمی اتنا مجروح تھا کہ وہ مقتل پر جانے کے قابل نہ تھا۔ منٹگمری کی ہدایت کے مطابق اسے سرکاری گواہ بنایا گیا۔ چنانچہ کوپر کو حسبِ ذیل خط لکھا ہے" مجروح مذکور کو لاہور بھیجدیا جائے، تاکہ وہ خود اپنی زبان سے امرتسر کے واقعات بیان کرے۔ بغیر اس کے کوئی شخص اعتبار نہیں کرے گا، ۲۶ پلٹن کے بعض آدمی ایسے بھی ہونگے جو آوارہ پھر رہے ہونگے۔ ان سب کو گرفتار کرکے ہماری طرف بھیجدو۔ تم کافی تعداد قتل کر چکے ہو، اب ہمیں اپنی توپوں کے لئے کچھ آدمی چاہئیں"

ایک کے بدلے ۵۰۰

اس مجروح قیدی اور ۴۱ آدمیوں کو لاہور بھیجدیا گیا۔ جہاں وہ بلا تامل قتل کر دئے گئے۔ کوپر خود اقبال کرتا ہے کہ کمان افسر کے قتل کے بعد ۴۸ گھنٹوں کے اندر، اس کے بدلے ۵۰۰ آدمیوں کا خون بہایا گیا۔

کانپور میں ایک کنواں ہے۔ جہاں چند انگریزوں کو قتل کرکے پھینک دیا تھا۔ لیکن اجنالہ میں بھی ایک کنواں ہے۔ جہاں سیکڑوں ہندوستانی قتل کرکے پھینک دئے گئے۔

رسل اپنی ڈائری میں لکھتا ہے" ایک افسر نے جو رینالڈ کی فوج کے ساتھ مقرر تھا۔ مجھ سے ذکر کیا کہ ہندوستانیوں کو اندھا دھند قتل کیا جاتا تھا۔ دو دن کے عرصے میں ۴۲ آدمیوں کو سڑک کے کنارے پھانسی دی گئی۔ مقتولین میں وہ لوگ تھے جو پلٹن کو اس کی راہ میں مل جاتے تھے۔ ۱۲ آدمیوں کو محض اس وجہ سے پھانسی دی گئی کہ جب پلٹن کوچ کر رہی تھی تو ان کے منہ سڑک کی طرف نہ تھے۔ دوسری طرف دیکھ رہے تھے! جو گاؤں راہ میں آتا تھا، جلا دیا جاتا تھا۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ یہ خوفناک واقعات کانپور کے حادثہ سے بہت پہلے ہوئے تھے۔ اگر ہندوستانیوں کا یہ قتل عام کانپور کے واقعہ کے بعد ظہور پذیر ہوتا تو پھر بھی ہم شاید حق بجانب ہوتے۔ افسر مذکور نے ان مظالم کے روکنے کی کوشش کی اور رینالڈ سے کہا کہ اگر یہی حالت رہی تو لوگ دیہات چھوڑ کے بھاگ جائیں گے اور فوج کے لئے خورد و نوش کا سامان ملنے میں دقت واقع ہوگی۔ بالآخر یہی ہوا۔ جہاں کہیں فوج جاتی تھی گاؤں بالکل ویران ہو جاتے تھے۔ لوگ غلہ دینے سے گھبراتے کیونکہ انہیں علم تھا کہ اگر انھوں نے یہ نیک کام کیا تو پھر بھی اُنھیں پھانسی دی جائے گی"

ایک پادری لکھتا ہے" انگریز ہندوستانیوں سے اس قدر نفرت کرتے ہیں۔ کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ انکے ملازم بھی جو عام غدر کے زمانہ میں وفادار رہے تھے، ان کی بدسلوکی اور بے رحمی سے نہ بچ سکے۔ لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ پھر بھی انکی وفاداری اور حلالی میں فرق نہ آیا۔ بہت سے ڈولی بردار اور سائیس جو نوکری میں زخمی ہوئے تھے، زمین پر پڑے ... [illegible]

مگر کسی نے علاج معالجہ کی مطلق پرواہ نہ کی۔ وہ دن کے وقت دھوپ میں پڑے رہتے۔ رات کے وقت سردی میں۔ جب دہلی کے باشندوں کا قتل عام ہوا، تو ان میں بہت سے ایسے آدمی تھے جو ہماری کامیابی پر خوش تھے۔ اور ہماری فتح یابی کے لئے دعائیں مانگتے تھے، لیکن اُن کی بھی دعائیں انکے واسطے مہلک ثابت ہوئیں۔ بعض نوجوان انگریز تو ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ وہ علانیہ طور پر کہتے تھے" تمام خدمت گاروں اور پوربیوں کو جو کیمپ میں ہیں تہ تیغ کر دیا جائے" یہ وہ ملازم تھے۔ جنھوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ہماری خدمت کی تھی"

ونسنٹ سمتھ نے بھی اپنی تاریخ ہند میں تسلیم کیا ہے کہ بہت سے ہندوستانیوں نے ہماری جان بچانے کی خاطر اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔

کے (Kaye) اپنی کتاب میں قتل عام سے پیشتر کے واقعات یوں لکھتا ہے:

"مارشل لا کو جاری ہوئے عرصہ ہو گیا ہے۔ وہ ظالمانہ قانون جو مئی اور جون میں مجلس مقننہ نے پاس کئے تھے، بڑی شدت سے اپنا کام کر رہے تھے۔ فوجی اور سول افسر ہندوستانیوں کو بلا تمیز قتل کر رہے تھے۔ گورنر جنرل نے جو خط و کتابت پارلیمنٹ سے اُن دنوں کی تھی، اس میں درج ہے کہ بے گناہ بوڑھوں، عورتوں، اور بچوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ دیہات جلائے جاتے تھے۔ ان کے باشندوں کو بھی آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ انگریز فخریہ طور پر کہا کرتے تھے" ہم نے کوئی آدمی بھی قتل کئے بغیر نہیں چھوڑا"!

واقعات قبل از حادثہ کانپور

ایک دفعہ چند چھوٹے لڑکے محض شرارتاً، باغیوں کا سا لباس پہنکر ڈھول بجانے لگے۔ اُنھیں گرفتار کرکے مقدمہ چلایا گیا اور فوجی عدالت نے سزائے موت کا حکم سنایا۔ ایک انگریز افسر جو کورٹ مارشل کا رکن تھا، روتا ہوا کمان افسر کے پاس گیا۔ اور ان کی جان بخشی کی سفارش کی لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی، اور ان معصوم بچوں کو پھانسی دے دی گئی۔

دیہات میں انگریزوں کی جماعتیں چکر لگاتی تھیں، جو کوئی ملتا تھا اُسے کسی درخت پر لٹکا کر پھانسی دے دی جاتی تھی۔

پٹنہ میں مسٹر ٹیلر کمشنر کا گواہ بنانے کا عجیب طریقہ تھا۔ اسنے ایک قیدی سے کہا اگر تم مجھے تین ایسے آدمیوں کے نام بتا دو جو واجب القتل ہوں تو میں تمھاری جان بخش دوں گا۔ لیکن اسنے ایسے آدمیوں کے نام لئے جن کے نام سے وہ خود بھی واقف تھا، اس لئے قیدی قتل کیا گیا!

آگرہ اور سہارنپور میں بھی پھانسی کا رواج بڑے زوروں پر تھا دیہاتی لوگ گروہ در گروہ گرفتار کرکے لائے جاتے تھے۔ ان میں بہت تھوڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی، جنھوں نے بغاوت میں حصہ لیا ہوگا لیکن تمام قیدی فی الفور بغیر کسی تحقیقات کے قتل کر دئے جاتے تھے!

دہلی ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو فتح کی گئی۔ مسز کولپیڈ بیان کرتی ہے کہ ایک ہفتے کے اندر کمان افسر نے چار یا پانچسو آدمی بے دریغ کر ڈالے۔ گورے سپاہی ان خوفناک مناظر میں نہایت دلچسپی لیتے تھے۔ نواب جھجر کو بھی انہی دنوں میں پھانسی دی گئی، لوگ کہتے ہیں کہ اسنے بڑی دیر کے بعد جان دی۔

ایک دفعہ ایک جوہری مسز گارسٹن کے پاس سامان بیچنے کے لئے آیا۔ مسز گارسٹن نے کہا تم بہت زیادہ قیمت مانگتے ہو، میں ابھی تمھیں مٹکاف صاحب کے حوالے کر دوں گی۔ وہ اس نام سے ایسا مرعوب ہوا کہ سامان وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا، اور پھر واپس نہ آیا۔ مٹکاف

سے ہندوستانی سخت ڈرتے تھے۔ کیونکہ جو کوئی اس کی گرفت میں آتا ہے، وہ اسے قتل کر دیتا ہے"

کورٹ مارشل کسی پر رحم نہیں کرتی تھی۔ جو کوئی گرفتار ہوتا تھا ضرور ہی قتل کر دیا جاتا تھا۔ شہر کے چوک میں ایک بڑی پھانسی کھڑی کی گئی تھی۔ ۵، ۶ آدمی ہر روز پھانسی دئے جاتے تھے۔ انگریز افسر بڑی متانت سے پاس بیٹھ کر یہ مناظر دیکھا کرتے!

گورنر جنرل نے ۲۴ دسمبر ۱۸۵۷ء کو جولائی کے واقعات کے متعلق ایک مفصل رپورٹ لکھی تھی۔ ذیل میں اُس کا اقتباس دیا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں لوگ بلا امتیاز پھانسی دئے گئے۔ ان میں ایسے آدمی بھی تھے۔ جن کے برخلاف محض شک تھا۔ سیکڑوں دیہات لوٹے گئے، اور بعد ازاں جلا دئے گئے۔ ان خوفناک حرکات سے وہ قومیں بھی سخت ناراض ہو گئیں۔ جو حکومت کی وفادار تھیں۔ شمالی ہند میں قحط پڑ گیا۔ کیونکہ ایسی اندھیر نگری میں باقاعدہ کاشتکاری کرنا ناممکن تھا، جو سپاہی رخصت پر گھر آئے تھے یا جو پلٹنوں کے ٹوٹ جانے کے بعد اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے اور جنھوں نے بغاوت میں مطلقاً کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ بلکہ انگریزوں کی جان بچانے میں مدد کی تھی، ان سب کے ساتھ انگریزی فوجیں وہی سلوک کرتی تھیں جو باغیوں سے کیا جاتا تھا۔ گورنمنٹ کے ماتحت افسروں کی ان افسوسناک حرکات سے ملک میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ گورنمنٹ ہندوؤں اور مسلمانوں کی بیخ کنی پر اب تل گئی ہے"

تجنڈی لکھتا ہے" گورنمنٹ محض پھانسی اور قتل عام کی وجہ سے چل رہی تھی۔ جب لکھنؤ فتح کیا گیا تو بے شمار آدمی پھانسی پر چڑھا دئے گئے۔ اُسوقت یہ تمیز نہیں کی جاتی تھی کہ آیا قیدی سپاہی ہے یا اودھ کا کسان ہے؟ صرف اتنی بات کافی تھی کہ گرفتار کیا ہوا ہو۔

آرٹن نے بمبئی ٹیلیگراف میں ایک مراسلہ بھیجا تھا جس کا مضمون یہ ہے۔" جب ہماری فوج دہلی میں داخل ہوئی۔ تو جو آدمی فصیل کے اندر ملا، اسی جگہ سنگینوں سے مار دیا گیا۔ مقتولین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ کیونکہ کئی گھروں میں سے ۴۰۔۴۰۔۵۰۔۵۰ آدمی پکڑے گئے، یہ لوگ باغی نہیں تھے۔ شہر کے باشندے تھے۔ انہیں کامل اُمید تھی کہ اُنھیں معاف کر دیا جائے گا، لیکن وہ سخت مایوس ہوئے"

ہومز اپنی تاریخ میں لکھتا ہے" بے گناہ آدمی مارے جاتے تھے وہ جان بخشی کے لئے ہاتھ جوڑتے تھے۔ بوڑھے آدمی جو خوف اور عمر کی وجہ سے کانپتے تھے، گاجر مولی کی طرح کاٹے جاتے تھے لیکن انگریزوں کو بھی کافی اشتعال دلایا گیا تھا۔ کیونکہ انکے چند آدمی شہر کی گلی کوچوں میں مارے گئے تھے"

یہی مصنف بیان کرتا ہے کہ جونہی ہم دہلی میں داخل ہوئے۔ لوٹ مار شروع ہو گئی۔ جو ہندوستانی ملتا تھا گولی سے مار دیا جاتا تھا۔ شراب خانے اور دیگر دکانیں لوٹ لی گئیں اور انگریزوں نے شراب پی کر جہاں کہیں ہندوستانیوں کا مجمع دیکھا، ان پر ٹوٹ پڑے۔ ایسی حالت میں بیچارے باشندے کیا کرتے؟ کیا وہ انگریز سپاہیوں کو پکڑ کے کمان افسر کے پاس لے جاتے؟ لیکن وہاں تو یہ حال تھا کہ کمان افسر سے لیکر معمولی سپاہی تک، سب ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے تھے"

مسٹر آرٹن جو ٹائمز کا نامہ نگار تھا، ۱۶ نومبر ۱۸۵۷ء کو لکھتا ہے "کل میں اور ایک افسر مع ۲۰ سپاہیوں کے شہر میں چکر لگا رہے تھے۔ ہم نے ۱۴ مقتول عورتیں دیکھیں جن کے گلے انکے شوہروں نے کاٹ ڈالے تھے، اور انکے اوپر چادریں ڈھانپ دی تھیں۔ ہم نے ایک آدمی

آخر الذکر گاؤں میں نمک کا پہاڑ ہے اور خود باشندوں کی ملکیت ہے وہ حکومت کو محصول ادا کئے بغیر نمک نکالتے ہیں اور تجارت کرتے ہیں۔

بریدہ کے حاکم، مبارک بن مبیرک، کو ہماری آمد کی خبر مل گئی تھی۔ اُسنے آبادی سے باہر آکر سلطان کی طرف سے ہمارا خیر مقدم کیا اور مہمان بنایا۔ یہ حاکم بھی نہایت خوش اخلاق اور متدین ہے۔

بریدہ، ریگ کے میدان میں واقع ہے۔ حائل کی طرح یہاں بھی عمارتیں بکثرت ہیں۔ یہاں بھی زراعت اچھی ہوتی ہے۔ نخلستان بہت ہیں۔ اس کی کھجور اگرچہ چھوٹی ہے مگر پُر مغز اور شیریں ہوتی ہے لیکن اُس میں یہ سخت عیب ہے کہ دیر ہضم ہوتی ہے۔ بریدہ، اس تمام علاقے کا، جسے قصیم کہتے ہیں، پایۂ تخت ہے۔ وسط نجد میں بریدہ سب سے زیادہ متمدن جگہ ہے۔ یہاں شہروں کی طرح سہ منزلہ عمارتیں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ یہاں کے باشندے نجد میں سب سے زیادہ متمدن، دولتمند، چست و چالاک، اور تجارت کے ماہر ہیں۔ یہ لوگ حجاز، شام، مصر، بلکہ ہندوستان تک کے بازاروں سے بڑی بڑی تجارتیں کرتے ہیں۔ تجارت نے اُنکے تعلقات، متمدن دنیا سے پیدا کر دئے ہیں۔ وہ بہت ملنسار اور سلیقہ مند ہوگئے ہیں۔ اُن کی زبان بھی غیر نجدیوں کے لئے سہل ہے۔ مجھے اُن کے دسترخوان پر شبہ ہوتا تھا کہ یہ مصر یا شام کا دسترخوان ہے۔ کیونکہ الوان و اقسام کے شہری کھانے موجود ہوتے تھے۔ اسی قدر نہیں بلکہ ان میں مذہبی تعصب بھی بہت کم ہوگیا ہے حتیٰ کہ میں نے اُنھیں خفیہ تمباکو بھی پیتے دیکھا ہے۔ تمباکو کا نام نجد میں "نتن" ہے اور اُس کا رکھنا تک جرم ہے۔ سلطان ابن سعود کی حکومت میں بریدہ کے بہت سے تعلیم یافتہ نوجوان بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہیں۔

بریدہ میں تین دن قیام کر کے ہم نے ریاض، کا رُخ کیا۔ نجد کے پایۂ تخت تک پہنچنے کے لئے یہاں سے دو راستے ہیں: طریق وادی اور طریق سقوی۔ آخر الذکر زیادہ مختصر ہے۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ فتح حجاز کے بعد سلطان عبدالعزیز پہلی مرتبہ نجد واپس آرہے ہیں اور جلد ہی ریاض پہنچنے والے ہیں۔ لہذا ہم نے مختصر راستہ اختیار کیا تاکہ سلطان سے پہلے پہنچ جائیں اور اُن کا شاہی استقبال دیکھ سکیں۔

چار دن کے سفر کے بعد ہم ایک گاؤں "ابوشجر" میں پہنچے۔ یہاں ہمیں معلوم ہوا کہ سلطان ۲۶ موٹروں کے جلوس کے ساتھ آج ہی یہاں سے گزرے ہیں۔ راستے میں کوئی قابل ذکر مقام یا واقعہ پیش نہیں آیا۔ اِلّا یہ کہ یہاں کے باشندے ٹڈی کھانے کے بہت دلدادہ ہیں۔ اتنے دلدادہ کہ مجھے حیرت ہوگئی۔ دُنیا ٹڈی سے پناہ مانگتی ہے۔ مگر یہ اُس کی آمد کی دعائیں مانگتے ہیں، اُسے بہت مبارک سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ ٹڈی کو خشک کر کے رکھ لیتے ہیں اور دُور دراز ملکوں میں اپنے دوستوں کو بطور قیمتی تحفے کے بھیجتے ہیں۔ چنانچہ مصر میں نجدی تاجروں کے پاس ٹڈیوں کی تھیلیاں آتی رہتی ہیں اور بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں!

ریاض سے پہلے ہمیں کئی آبادیاں ملیں۔ مثلاً: شجرہ، برہ، درعیہ وغیرہ۔ درعیہ، نجد کا تاریخی شہر ہے۔ یہیں سے خاندان سعود نے ظہور کیا۔ یہی نجد کا قدیم پایۂ تخت ہے۔ یہی وہابیت کا اولین مرکز ہے۔ یہیں نجدیوں اور ابراہیم پاشا مصری کی فوجوں میں زبردست جنگ ہوئی تھی۔ شہر کے کھنڈروں میں اب تک مصری توپوں کے نشان موجود ہیں۔ درعیہ سے متصل ایک گاؤں "عیینہ" ہے۔ یہ بھی بہت تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہیں سے مسیلمہ کذاب نے خروج کیا تھا۔

آٹھویں دن ہم ریاض پہنچ گئے۔ شہر خوب آراستہ تھا۔ ہر طرف مسرت کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ تمام نجد سے مبارکباد دینے کے لئے وفد آئے ہوئے تھے۔ کیونکہ سلطان نجد، حجاز فتح کر کے واپس ہوئے تھے۔

سلطان کو ہماری آمد کی اطلاع پہلے سے ہوگئی تھی۔ اُنھوں نے اپنا خاص نمائندہ میرے استقبال کے لئے شہر کے پھاٹک پر بھیجا وہ مجھے اپنے ہمراہ قصر شاہی میں لے گیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں سلطان کے حضور پہنچا۔ مگر اُنھوں نے اس طرح میرا خیر مقدم کیا، گویا عمر بھر سے میرے دوست ہیں۔ جب اُنھیں میرے سفر کی غرض معلوم ہوئی تو بہت مسرور ہوئے اور جزیرۃ العرب کے حالات کی تحقیق میں میری ہر طرح امداد کا وعدہ فرمایا۔

سلطان نے نہایت فراخدلی سے میری تواضع کی۔ پورا ایک مکان میرے قیام کے لئے خالی کروا دیا۔ مجھے اجازت دی کہ جب چاہوں اُن کی*

* مجلس میں بے تکلف آسکتا ہوں۔ نیز اپنے افسروں کو حکم دیا کہ سلطنت کی تاریخ و ترتیب میں میری ہر طرح مدد کریں۔

مطبوعات جدیدہ

غدر ۱۸۵۷ء

اور "تصویر کا دوسرا رُخ"

(۲)

بلیک ہول اور عید کی قربانی

کوپر جو اِن دنوں امرتسر کا ڈپٹی کمشنر تھا، اپنی کتاب "فسادات پنجاب" میں لکھتا ہے۔ "۲۶ نمبر پلٹن نے ۳۰ جولائی کو لاہور میں بغاوت کر کے اپنے کمان افسر کو قتل کیا تھا۔ اس کی پاداش میں تمام سپاہی تہ تیغ کر دئے گئے"!

۱۳ مئی کو ۳۸۰۰ ہندوستانی سپاہیوں سے احتیاطاً اسلحے لے لئے گئے تھے، تقریباً تین ماہ تک اِن پر سکھ اور انگریز پہرا دیتے رہے، ۳۰ جولائی کو سخت طوفان باد آیا۔ اور قیدیوں میں غیر معمولی جوش و خروش پایا گیا۔ اس اثنا میں ایک سپاہی تلوار لے کر باہر آیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا۔ آؤ انگریزوں کو قتل کردیں۔ چنانچہ اس نے جاتے ہی کمان افسر کو قتل کر دیا۔ اور تمام فوج طوفان کی اوٹ میں بھاگ نکلی۔ ان میں سے سیکڑوں سپاہی سکھوں اور انگریزوں کی گولہ باری سے مارے گئے تھے۔ باقی ماندہ سپاہیوں نے دریائے راوی عبور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن پولیس نے مزاحمت کی۔ کوپر امرتسر سے اُن کے تعاقب میں آیا۔ اُسنے اپنی کتاب میں ان سپاہیوں کی حالت بیان کی ہے، "دیہات کے لوگ دریا کے کنارے باغیوں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ ان میں سے ایک سو ۵۰ آدمیوں کو انھوں نے قتل کر دیا اور سیکڑوں کو دریا میں دھکیل دیا۔ چونکہ وہ ۴۰ میل سفر کر کے آئے تھے۔ اس لئے سخت تھکے ہوئے تھے۔ اور دریا کے پانی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ناچار ڈوب گئے۔ باغیوں کی ایک خاصی تعداد دریا عبور کر کے ایک جنگل میں چھپ گئی تھی۔ کوپر نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دریا کو کشتیوں کے ذریعے عبور کیا۔ باغیوں کو خیال ہوا، اُن کا کورٹ مارشل کیا جائے گا اور وہ بغیر کسی مزاحمت کے گرفتار کر لئے گئے۔ پھر انھیں پولیس اسٹیشن کے ایک کمرہ میں بند کیا گیا۔ دوسرے روز سکھ رسّے لے آئے۔ کوپر کے ہمراہیوں میں مسلمانوں کی بھی کچھ تعداد تھی۔ چونکہ اسے شک تھا کہ شاید وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کریں۔ اس لئے اُنھیں رخصت دے دی گئی تاکہ امرتسر میں جا کر عید الضحیٰ منائیں۔ عید الضحیٰ قربانی کا تیوہار ہوتا ہے۔ کوپر بھی ایک خاص قسم کی قربانی کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ خوش قسمتی سے پولیس اسٹیشن کے قریب ہی ایک خشک کنواں مل گیا۔ دس دس قیدیوں کو اکٹھا باندھا گیا اور باری باری باہر لا کر گولیوں کی بوچھاڑ سے مار دیا گیا۔ جب ۱۵۰ آدمی اس طرح مارے گئے۔ تو فائر کرنے والوں میں سے ایک بوڑھا آدمی بے ہوش ہوگیا۔ اس لئے مارنے والی جماعت کو کچھ عرصہ کے لئے آرام دیا گیا۔ پھر دوبارہ اسی طریقے سے قیدی مارے گئے۔ حتیٰ کہ مقتولین کی تعداد ۲۳۷ تک پہنچ گئی۔ اتنے میں افسر کو معلوم ہوا کہ بقیہ باغی اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلنا چاہتے۔ جب دروازہ کھولا گیا۔ تو اتفاقاً بلیک ہول والے حادثے کا نقشہ سامنے موجود تھا، ۴۵ آدمی خوف، گرمی اور سانس بند ہونے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر چکے تھے۔ ان تمام باغیوں کی لاشیں اُسی کنوئیں میں پھینک دی گئیں اور اوپر سے مٹی ڈال دی گئی۔ اس حادثہ کی تمام تر ذمہ داری کوپر پر عائد ہوتی ہے۔ جسنے تن تنہا سکھ فوج کی مدد سے بے شمار مسلمانوں کو ظالمانہ طریقے سے تباہ کیا، اسمیں شک نہیں۔ کہ بعد میں اس کی حرکت پر بڑی لعن طعن کی گئی۔ لیکن محض زبانی لعن طعن سے کیا ہوتا ہے؟ لارنس نے جو پنجاب [illegible] کا چیف کمشنر تھا ایک خط میں اُس کی بڑی تعریف کی ہے [illegible] لکھتا ہے:

"میں تم کو تمھاری کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ تم نے اور تمھاری پولیس نے بڑی جانبازی دکھلائی۔ گورنمنٹ تمھاری بہت مشکور ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان باغیوں کا انجام دوسرے آدمیوں کے لئے کافی تنبیہ ہوگی۔ جو باغی اِدھر اُدھر منڈلا رہے ہیں اُنھیں پکڑنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے"۔ لارنس ۲ اگست ۱۸۵۷ء۔ لاہور[1]

لارنس کے بعد منٹگمری پنجاب کا لفٹنٹ گورنر مقرر ہوا۔ اُسنے بھی اسی واقعہ کے متعلق کوپر کو خط لکھا۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے "جو کچھ تم نے کیا۔ بہت اچھا کیا۔ اس نازک وقت میں کسی حیلہ و حجت کی ضرورت نہ تھی۔ جب تک تم زندہ رہوگے، یہ بھلائے واسطے

[1] یہ واقعہ اگر زیادہ تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہو تو سر جان لارنس کی سوانح عمری جلد دوم میں دیکھا جائے (الہلال)

صاحبان نے جلسوں اور اخباروں میں ظاہر فرمائیں، میری بے ادبی معاف فرمائی جائے اگر میں عرض کروں کہ اسے دیکھ کر میرا جیسا غیر جانبدار آدمی بھی اسلام کے متعلق اپنے خیالات پر قائم نہیں رہ سکا۔ اور جن لوگوں کے دل و دماغ پہلے ہی سے شک اور شبہات سے بھرے ہوئے ہونگے اور ہزاروں لاکھوں غیر مسلم ایسے ہی ہیں، اُن کے خیالات جیسے کچھ ہوگئے ہونگے اُس کا آپ اندازہ فرمالیجئے۔ اگر فی الحقیقت اسلام کی تعلیم اپنے ماننے والوں کے لئے ایسی ہی ہے اور اس کے احکام کا یہی حال ہے تو پھر وہ تعلیمات شبہ سے خالی نہیں ہیں جو آپ نے میرے دل پر نقش کی ہیں، اور اگر حقیقت حال ایسی نہیں ہے، تو یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ ہزاروں لاکھوں آدمی ایک ہی طرح کی بے بنیاد بات پر اکٹھے ہو جائیں اور اس زور شور سے اس کا اعلان کریں اور اس کا رد نہ کیا جائے۔

اس بیہودہ پمفلٹ "رنگیلا رسول" پر مدت سے کیس چل رہا تھا۔ جب یہ چھاپا گیا تھا تو میں نے بھی دیکھا تھا، اور میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اسے پڑھ کر میرے دل پر اس کے سوا کوئی اثر نہیں پڑا کہ اُس کا لکھنے والا سخت حقیر و ذلیل ہوگیا۔ دنیا میں کوئی شریف اور شائستہ انسان خواہ کسی مذہب اور اعتقاد کا ہو لیکن کبھی یہ بات پسند نہیں کرے گا کہ دنیا کے اُن بانیان مذاہب کا جن کی تعلیمات نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو خدا پرستی کی راہ پر لگایا ہے، گندہ لفظوں میں ذکر کیا جائے، یا اُن کی زندگی کی نامعقول طریق پر ہنسی اُڑائی جائے۔ البتہ ایسے نادان اور جاہل آدمی اس دنیا میں ہمیشہ رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ جب مسلمان اخبارات نے اس کے خلاف پروٹسٹ کیا، تو میں نے انہیں بالکل حق بجانب سمجھا۔ مجھے میرے بعض دوستوں نے بتلایا کہ اگرچہ یہ پمفلٹ ہر حال میں قابل اعتراض ہے لیکن یہ خود مسلمانوں کے ایک ایسے ہی گندہ پمفلٹ کے جواب میں لکھا گیا ہے لیکن میں نے کہا اگر کسی مسلمان نے لکھا تھا تو ایک برائی کی تھی، اور کسی انسان کے برائی کرنے کی وجہ سے دوسرے انسانوں کے لئے بُری بات اچھی نہیں ہو جاسکتی۔

یہاں تک تو یہ بات بالکل ٹھیک تھی، لیکن پھر اس کے بعد جو طریقہ ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک تمام مسلمانوں نے اختیار کیا اور ایک کے بعد ایک جو باتیں کہی گئیں وہ نہ صرف حق و انصاف کے خلاف تھیں بلکہ کچھ عجب طرح کی مذہبی مینٹلٹی ظاہر کرتی ہیں جنھیں کسی طرح بھی کسی ٹھیک راستے پر لیجایا نہیں جاسکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام لیڈروں اور مولنا صاحبان نے اور جمعیت العلما نے جس میں پانچ سو مولوی صاحبان کا ہونا بتلایا گیا ہے، فتویٰ جاری کردیا کہ رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کرنا چاہئے۔ اور یہ کہ شریعت اسلام کا قانون یہی ہے کہ جو بھی کوئی غیر مسلمان حضرت بانیٔ اسلام کے خلاف کوئی بدزبانی کرے، اسے فوراً مار ڈالنا چاہئے۔ مجھے معاف رکھا جائے اگر میں عرض کروں کہ اس بات کے کہنے میں تو کوئی بڑائی کی بات نہیں ہے کہ جب کبھی ہماری بن آئی تھی تو ہم اپنے خلاف ہر زبان دراز آدمی کو مار ڈالتے تھے۔ اگر اسلام کو اس پر فخر ہے تو یہ ایسا فخر نہیں ہے جو صرف اُسی کے حصے میں آیا ہو۔ جس کسی کو دنیا میں طاقت ملی ہے اُس نے لوگوں کو قتل کیا ہے اور تلوار کے زور سے اپنی ہیبت قائم کی ہے۔ اسلام کا فخر تو اس بات میں ہونا چاہئے تھا کہ اُس نے انسانوں کو سزا دینے کی جگہ بخشا ہے، اور قتل کرنے کی جگہ زندگی بخشی ہے۔ جناب نے مجھے پچھلے سال لکھا تھا کہ اسلام کی اصلی اسپرٹ انسانیت کی اسپرٹ ہے اور یہی فرق اُس میں اور تمام مذاہب میں ہے۔ اُس نے ہر گوشہ کو انسانیت کی نظر سے دیکھا ہے۔ ملک، جماعت، اور وطن کی نگاہ سے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی حالت میں کیونکر اسلام کا یہ قانون انسانیت کی اسپرٹ کے ساتھ ہو سکتا ہے

کہ جہاں کوئی نادان اور جاہل آدمی بانی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے فوراً اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔

آپ یقین فرمائیے کہ یہ بات میری اس عقیدت کی جو میں اسلام سے رکھتا ہوں اتنی خلاف تھی کہ پہلے تو مجھے اس پر یقین نہیں ہوا لیکن اس کے بعد میں نے جب خود جمعیت العلما اور انجمن خدام دین اور مولنا محمد علی صاحب کے فتوے اپنی آنکھوں سے دیکھے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ اسے تسلیم کر لیتا۔

اچھا اگر یہ اسلام کا قانون بھی ہو جب بھی ہندوستان میں اسے رائج کرنے کا مطالبہ کرنا میں نہیں سمجھتا کیا معنی رکھتا ہے۔ اگر بانیٔ اسلام کے لئے مسلمان ایسا قانون چاہیں گے تو دوسرے مذاہب بھی مطالبہ کرینگے۔ پھر کیا مسلمان اس سے متفق ہونگے کہ جو مسلمان ہندوؤں، پارسیوں، بدھسٹوں، کے بزرگوں کے خلاف بدزبانی کرے، اُسے فوراً قتل کر ڈالنا چاہئے؟

جسقدر واقفیت مجھے اسلام کی کتابوں سے ہے، اسکے مطابق میں نے اس قانون کی تحقیق کرنی چاہی۔ مجھے اس کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ لیکن رسالہ ورتمان کیس میں جن مولوی صاحبان نے شہادت دی ہے، انھوں نے بتلایا ہے کہ کتاب صارم مسلول (الصارم المسلول) میں ایسا ہی لکھا ہے۔ میں نے یہاں اپنے مسلمان دوستوں سے اس کتاب کے بارے میں پوچھا تو وہ کچھ نہیں بتلا سکے۔ بہر حال جمعیت العلما کے فتوے اور مولنا محمد علی صاحب کے اعلان سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا حکم ایسا ہی ہے۔

علاوہ بریں اس معاملہ میں یہ طریق عمل بھی اسلام کے اخلاق کا کوئی اچھا اثر ہم لوگوں پر نہیں ڈال سکتا کہ جس شخص نے اسلام کے خلاف کچھ لکھا ہو اُسے بازاری گالیاں دی جائیں۔ اور ملعون، کتا، اور ایسے ہی لفظ کہے جائیں جیسے مولنا محمد علی صاحب جیسے ذمہ دار لیڈر برابر اپنی تقریروں میں کہتے رہے۔ کیا اُس شخص کو گالی دینے سے اُس کی اس بدزبانی اور بے ادبی کا بدلہ لے لیا جاسکتا ہے جو اُس نے بانیٔ اسلام جیسے عظیم الشان انسان کی شان میں کی ہے؟ اگر نہیں تو اس طرح کی گالیاں دینے سے خود اپنا اخلاق خراب ہوتا ہے۔ اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آتی کہ محض ایک دو نادان اور بدزبان آدمیوں کے کچھ لکھ دینے پر اس قدر جوش و خروش دکھلایا جائے، گویا مسلمانوں کے لئے کوئی بڑی مصیبت کی بات پیش آگئی ہے حالانکہ خود مسلمان صاحبان تمام غیر مذاہب کے خلاف برابر ہر قسم کی اچھی بُری باتیں کہتے آئے ہیں اور ان کی وجہ سے کبھی نہ تو ہندوؤں نے اس طرح شور مچایا ہے نہ عیسائیوں نے۔ یقیناً اس طرح کی باتوں سے جو مینٹلٹی ثابت ہوتی ہے وہ قابل تحسین نہیں ہے۔

یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ ہندوؤں میں آریہ سماج کے قائم ہونے سے پہلے نہ تو کسی طرح کا تبلیغ کا خیال تھا، اور نہ وہ مذہبی بحث مباحثے کرتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کی جانب سے ہمیشہ کتابیں انکے خلاف لکھی جاتی تھیں۔ میں نے لاہور میں پانچ کتابیں ایسی دیکھی جو اس ایجی ٹیشن کی وجہ سے چند صاحبوں نے جمع کی ہیں، اور میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ ان میں ہندوؤں کے رشیوں اور اوتاروں کے خلاف جو بے ہودہ باتیں لکھی ہیں وہ اس بیہودگی سے بہت زیادہ ہے جو رنگیلا رسول لکھنے والے نے دکھلائی ہے۔ یہ کتابیں بیس بیس تیس تیس برس سے ہزاروں کی تعداد میں چھپکر فروخت ہوتی ہیں، لیکن کبھی ہندوؤں نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ ان کے لکھنے والوں کے سر قلم کردئے جائیں۔ معلوم نہیں جناب والا کی نظر سے یہ کتابیں گزری ہیں یا نہیں اگر ارشاد ہوگا تو میں بھجوا دوں گا۔ ایک کتاب تحفۃ الہند ہے۔ جو

مولوی عبداللہ صاحب نے لکھی ہے جو دہلی کے بڑے مولوی ہیں۔ اس میں ایک نظم ہے جس کا ٹیپ یہ ہے:

کہو یہ کون دھرم ہے؟

اس میں ہندوؤں کے رشیوں اوتاروں کے خلاف اس قدر فحش اور گندہ طریقہ سے اظہار خیال کیا ہے کہ کوئی مہذب آدمی اسے پڑھ بھی نہیں سکتا۔ میری ناقص عقل اس بات سے عاجز ہے کہ جب خود مسلمانوں کا یہ طرز عمل دوسروں کے ساتھ ہے تو وہ خود اس قدر حد سے زیادہ شور و غل کیسے مچا سکتے ہیں؟

علاوہ بریں یہ بات بھی بڑی عجیب ہے کہ اسلام کے قانون میں اپنے مخالفوں کے لئے معافی کی کوئی جگہ نہیں۔ رنگیلا رسول کے پبلشر نے صاف لفظوں میں اظہار افسوس کر دیا تھا، لیکن مسلمانوں کا یہ مطالبہ تھا کہ نہیں اسے قتل کرنا چاہئے!

مجھے میرے دوستوں نے کہا ہے کہ اسوقت ملک کی جو عام حالت ہو رہی ہے اور مسلمانوں کے اندھا دھند جوش و خروش کا جو حال ہو رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ مصلحت کے خلاف ہوگا کہ جناب کوئی بات بھی اپنے ہم مذہبوں کی عام رائے کے خلاف کہیں اسی لئے یہ سب کچھ آپ دیکھتے ہیں لیکن خاموش ہیں۔ اگر میرے دوستوں کا یہ خیال صحیح ہو تو اگرچہ یہ بات میرے لئے بڑے ہی رنج کی ہوگی لیکن میں ایسی گستاخی نہیں کرسکتا کہ اس بارے میں زبان کھولوں۔ کم از کم یہی کیجئے کہ اس بارے میں میرے دل کے شکوک دور کر دیجئے کیونکہ ان کی وجہ سے مجھے بہت ہی پریشانی ہو رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں صاف صاف معلوم ہو جائے کہ اسلام کے احکام اور تعلیمات کیا ہیں۔

اگر جناب ترتیب کے ساتھ جواب عنایت کرینگے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ میں نمبر وار عرض کر دیتا ہوں:

(۱) کیا واقعی یہ اسلام کا قانون ہے کہ جو شخص حضرت بانیٔ اسلام کے خلاف بدزبانی کرے، اسے فوراً قتل کر دینا چاہئے اور جس مسلمان کے سامنے ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہے کہ اُسی وقت اُسکا سر اُڑا دے؟

(۲) کیا اسلام کا یہ حکم ہے کہ اگر کسی قوم کا ایک آدمی حضرت پیغمبر اسلام کے خلاف بدزبانی کرے تو جب تک اس کے تمام ہم قوم (جنھوں نے شاید اُس بدزبانی کرنے والے کا نام بھی نہ سنا ہوگا) اسکو برا بھلا نہ کہیں۔ تمام قوم کا بائیکاٹ کر دینا چاہئے اور اپنی بستی سے نکال دینا چاہئے۔

(۳) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر کوئی غیر مسلمان ایسا کرے تو اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالنا چاہئے جیسا کہ مولنا محمد علی صاحب نے فرمایا ہے؟

(۴) آپکے خیال میں یہ مطالبہ ٹھیک ہے کہ ہندوستان میں ایسا قانون بنانا چاہئے کہ جو شخص ایسا کرے اسے قتل کر ڈالا جائے؟

(۵) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر ایسا شخص اپنی غلطی مان لے اور اس پر افسوس ظاہر کرے، تو وہ مسلمانوں کو قبول نہیں کرنا چاہئے اور اسے جسمانی سزا دلانے پر اڑ جانا چاہئے؟

(۶) جو کتابیں دیگر مذاہب کے خلاف خود مسلمان مولوی صاحبان لکھتے آئے ہیں اور اس میں رنگیلا رسول جیسی زبان استعمال کی گئی ہے، کیا وہ بھی اسی طرح سزا کی مستحق نہیں ہیں جیسی رنگیلا رسول اور رسالہ ورتمان ہیں؟

(۷) سو دو سو برس سے جو سیکڑوں عیسائی مشنری اسلام کے خلاف سخت سے سخت کتابیں لکھتے آئے ہیں اور اسوقت ہزاروں کی تعداد میں وہ موجود ہیں، کیوں انکے خلاف اس قدر جوش و خروش نہیں دکھلایا گیا جس قدر اس موقعہ پر دکھلایا گیا ہے؟

(دیکھو صفحہ کالم اول)

سے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہو؟ اُسنے کہا انکے خاوندوں نے اسواسطے قتل کردیا ہو کہ مبادا یہ عورتیں انگریزوں کے قابو میں آجائیں۔ کیونکہ وہ یہ بے عزتی برداشت نہیں کرسکتے۔ پھر اُسی آدمی نے انکے شوہروں کی لاشیں دکھائیں۔ جنھوں نے اس فعل کے بعد اپنے آپ کو قتل کردیا تھا۔ اس شہر نے نادر شاہ کے قتل عام کے بعد ایسے خوفناک مناظر کبھی نہیں دیکھے تھے۔ جسدن دلی فتح ہوئی، وہ لوگ جو ہمارے خلاف لڑ رہے تھے، شہر سے نکلکر بھاگ گئے تھے۔ صرف وہ لوگ رہ گئے تھے جنھوں نے بغاوت میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ لیکن افسوس ہو کہ بلا امتیاز قتل کئے گئے۔

اکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا نے جو ایک اعلیٰ پایہ کی کتاب سمجھی جاتی ہو، یہ واقعات قطعاً نظر انداز کردئے ہیں۔ اسنے صرف معمولی طور پر ایک مہذب فوج کے داخلۂ شہر کا ذکر کیا ہو۔ لیکن یہی تاریخ نادر شاہ کے قتل عام کی بڑی مہیب تصویر دکھلاتی ہو۔ حالانکہ نادر شاہ کا قتل عام اس غدر کے قتل عام کے مقابلہ میں کوئی نسبت نہیں رکھتا نادر شاہ کا قتل عام صرف چند گھنٹے رہا تھا، اور یہ کئی ہفتوں تک جاری رہا۔

حادثۂ کانپور

بعض انگریز مورخ کہتے ہیں کہ چونکہ باغیوں نے کانپور میں انگریزوں پر ظلم ڈھائے تھے، اس لئے وہ انتقام لینے میں حق بجانب تھے۔ میں ذیل میں کانپور کے حادثہ کے متعلق چند واقعات درج کرتا ہوں۔ ان سے ناظرین خود اندازہ لگالیں گے کہ صورت حال کیا تھی۔

سر جارج فارسٹ نے اپنی کتاب "ہندوستانی بغاوت" میں لکھا ہو۔ "یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہو کہ ان سپاہیوں نے جو انگریز قیدیوں کی حراست پر مامور تھے، انھیں قتل کرنے سے انکار کردیا تھا، یہ ظالمانہ فعل نانا کے ۵ بدمعاش ہمراہیوں میں سے ایک کنجرے کی ایما سے سرزد ہوا تھا۔ اس فعل کی ذمہ داری کسی صورت میں بھی تمام ہندوستانی قوم پر عائد نہیں ہوسکتی۔ جب کوئی انگریز کسی تاریخ میں پڑھتا ہو کہ مسز جیمز یا مسز جیننگز کو کسی ہندوستانی نے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا۔ تو اس کے غصے کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ لیکن دوسری طرف یہ امر بھی مسلمہ ہو۔ کہ سیکڑوں عورتیں اور بچے انگریزی فوجوں کی بدولت اس جہانِ فانی سے کوچ کرگئے۔ اگر ہمیں ایک انگریز لیڈی کے خوفناک انجام سے ہمدردی ہو، تو ہمیں یہ بھول نہ جانا چاہیئے کہ ہندوستان کے باشندے بھی آخر انسان تھے۔ کانپور کے کنوئیں کا حادثہ کوئی آدمی پسند نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسوقت ہیولاک باغیوں کو شکست دے کر کانپور کی طرف بڑھ رہا تھا، اور باغیوں نے جب ہمارے قتل وسلب کی شہرت سُنی تو انھوں نے بھی اشتعال میں آکر قیدیوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا۔ جیسا کہ اُنکے بھائیوں اور بہنوں سے ہورہا تھا"

اِن دنوں یہ عام افواہ ہمارے لوگوں نے مشہور کر رکھی تھی کہ ہندوستانیوں نے انگریز عورتوں کی عصمت دری کی اور پھر اُنھیں قتل کردیا، سر جارج کیمبل اِن تمام روایات کو بے بنیاد قرار دیتے ہیں اور تمام مشہور مورخ اُن کی تائید کرتے ہیں،

(مترجمہ محمد علی وکیل ایبٹ آباد)

مراسلہ

ایک جواب طلب مراسلہ

دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزائے قتل

مندرجۂ ذیل مراسلت پنجاب کے ایک ہندو دوست کی ہو جو وہاں کی ایک مذہبی انجمن کے عہدہ دار بھی ہیں۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں اُنھوں نے مجھ سے خط وکتابت کی اور اپنی طبیعت کی مذہبی بے اطمینانی اور جستجوئے حق وحقیقت کا شوق ظاہر کیا تھا۔ جب کبھی کوئی آدمی اس بارے میں مجھ سے مشورہ کرتا ہو، تو میں ہمیشہ اُسے تقلیدی بندشوں سے آزاد ہونے اور مذاہب کے آزادانہ مطالعہ کا مشورہ دیتا ہوں۔ یہی مشورہ میں نے انھیں بھی دیا۔ اس پر اُنھوں نے بہت سے سوالات لکھ کر بھیجے جن میں سے بعض سوالات کا تعلق اُن شکوک سے تھا جو نفس مذہب اور اُس کی ضرورت سے تعلق رکھتے تھے، اور بعض کا تعلق مسیحیت اور اسلام سے۔ چونکہ خط وکتابت کے ذریعہ اس طرح کے معاملات انجام نہیں پاسکتے، اس لئے میں نے اُنھیں لکھا کہ چند دنوں کے لئے کلکتہ آجائیں اور میرے پاس ٹھیرا۔ وہ آئے اور کچھ عرصہ تک یہاں مقیم رہے۔ میں نے محسوس کیا کہ بہت حد تک اُن کی طبیعت تقلیدی بندشوں سے آزاد ہوچکی ہو، اور آزادی فکر کے ساتھ مذاہب کے مطالعہ کی استعداد رکھتے ہیں۔ وہ جب واپس جانے لگے تو اُنھوں نے اعتراف کیا کہ اُن کی طبیعت کا دہقانی اضطراب دُور ہوچکا ہو۔

اس کے بعد وقتاً فوقتاً وہ مجھ سے خط وکتابت کرتے رہے۔ گذشتہ دسمبر میں گوہاٹی کانگرس کے موقعہ پر پھر کلکتہ آئے اور مجھ سے ملے، اور میں نے اُن کی قلبی حالت سابق سے زیادہ ترقی یافتہ پائی۔

اس ہفتہ اُن کی یہ تحریر میرے نام آئی ہو۔ ضرورت نہ تھی کہ اسے الہلال میں درج کیا جاتا۔ میں حسبِ معمول اسکا جواب اُنھیں بھیج دیتا، لیکن تحریر کے آخر میں اُنھوں نے جو کچھ لکھا ہو، اور اس سے اُن کی طبیعت کے جن تاثرات کا پتہ چلتا ہو، اُن کے ازالہ کے لئے ضروری ہوگیا کہ یہ خط الہلال میں درج کردیا جائے، اور الہلال ہی کے ذریعہ جواب دیا جائے۔ اس ہفتہ یہ شائع کردیا جاتا ہو، لیکن جواب آئندہ ہفتہ لکھ سکوں گا، کیونکہ آج یکایک شملہ جانے کا ارادہ کرلینا پڑا۔ اس تحریر کی مُہلت نہیں ہو۔ (ابو الکلام)

میں نے ادھر مدت سے کوئی عریضہ آپ کی خدمت میں اس لئے نہیں بھیجا کہ میں ارادہ کرچکا تھا راولپنڈی کے معاملات نپٹا کر کلکتہ میں حاضری دوں گا۔ لیکن گھر کے جھگڑے ایسے نکل آئے کہ اب تک چھٹکارا نہ ہوسکا اور شاید کچھ دنوں اور اسی طرح نکل جائیں۔ میں اب بھی یہ خط لکھ کر جناب کے اوقات میں خلل نہیں ڈالتا اور ساری باتیں اپنی حاضری پر اُٹھا رکھتا، لیکن اس طرف ایک معاملہ نے میرے خیالات میں نہایت پریشانی پیدا کردی ہو اور میں اسکو زیادہ دیر تک روک نہیں سکتا۔ مجھ کو یقین ہو کہ وہ معاملہ میرے ہی لئے نہیں بلکہ مجھ سے زیادہ ہزاروں انسانوں کے لئے بے دلی اور پریشانی کا سبب بن رہا ہوگا اس لئے مجبوراً یہ عریضہ لکھ کر جناب کا تھوڑا سا وقت ضائع کرنا چاہتا ہوں۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ آپ اس عریضہ کا جواب، یا اسے چھوڑ کر بطور خود اس معاملہ میں اپنی رائے اخبارات کے صفحوں پر شائع کردیتے یا الہلال ہی میں ارقام فرماتے لیکن اگر پبلک میں اس کی اشاعت خلاف مصلحت ہو تو کم سے کم میرے دل کا اضطراب تو دُور کردیں۔

جناب پر ایک مدت سے میرے دل کا حال پوری طرح روشن ہو۔ میں ہر طرح کے مذہبی اور کمیونل تعصبات سے الگ ہوکر مذاہب عالم میں سچائی اور حقیقت کا متلاشی ہوں، اور مجھے آپکی ذات مبارک سے اس بارے میں وقتاً فوقتاً جو مدد ملی ہو، اس کے لئے مدۃ العمر میں آپ کا احسان مند رہوں گا۔ آپ نے میری آنکھوں پر سے کج فہمی کے بہت سے پردے ہٹا دیئے، اور میرے دل کو جو پرانے مذاہب کی حالت دیکھ کر مذہب کی طرف ہی سے برگشتہ ہوگیا تھا پھر مذہب کی صداقتوں کی راہ پر لگا دیا۔ خصوصاً مذہب اسلام اور اُس کے بانی کی تعلیم کی جو حقیقت آپنے مجھ پر روشن کردی وہ ایسی ہو کہ میرے خیال میں کوئی انسان بھی جو انصاف اور حق پرستی سے بالکل محروم نہ ہوگیا ہو اُس کی طرف بے اختیار کھنچے ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کم سے کم وہ اُس کی عزت اور احترام کرنے سے تو کبھی انکار نہیں کرے گا۔

. . . .

آپ کو معلوم ہو کہ میں دو برس سے بالکل ایک دوسری ہی نگاہ سے مذہبی صداقت کا مطالعہ کررہا ہوں، لیکن مجھے معاف کیجئے گا ایک بہت بڑی مشکل ہم لوگوں کی راہ میں یہ ہو کہ آپ جیسے بزرگ اسلام کی تعلیم اور اسپرٹ جو ظاہر کرتے ہیں، وہ جب دوسرے مسلمانوں کی تعلیم میں ڈھونڈی جاتی ہو، تو صرف یہی نہیں کہ نہیں ملتی بلکہ برخلاف اُس کے ایسی ایسی باتیں سامنے آجاتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند دماغ شک شبہ کے طوفان سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ابھی حال میں بیغلطی۔ "رنگیلا رسول" پر جو ایجی ٹیشن شروع کیا گیا اور جو باتیں بڑے بڑے مسلمان لیڈروں اور مولویوں

ترکی کے خلاف اُکسا رہی ہیں؟ یہ اخبار، اجنبیوں کے پروردہ ہیں اور اُنہی کے اشاروں پر ناچتے ہیں"

یہ اخبارات کی باہمی تکرار ہے۔ لیکن اب تک دونوں حکومتیں بالکل خاموش ہیں۔ بلکہ دوستانہ تعلقات کی موجودگی کا یقین دلا رہی ہیں۔ چنانچہ ایرانی سفارت کے معتمد علام زندی خاں نے اخبارات کو حسب ذیل بیان دیا ہے:

"اخبار آزاد ہیں، جو چاہیں لکھیں۔ ایرانی اخبارات کی طرح ترکی اخبار بھی سخت لہجہ اختیار کر لیتے ہیں، اور اُن کا لب و لہجہ ایران کی مخالفت پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس قسم کی باتیں ہرگز دو مشرقی اور اسلامی ملکوں کے تعلقات پر اثر نہیں ڈال سکتیں جن کی دوستی مشترک فوائد پر استوار ہے"

تقریباً یہی خیال خود ایرانی سفیر نے بھی ظاہر کیا ہے۔ اُسنے کہا

"دونوں ملکوں کی دوستی پائدار اور دوامی ہے۔ دونوں حکومتیں پورے حزم و اخلاص سے تمام مسائل حل کرنے پر کمربستہ ہیں۔ کوئی حادثہ بھی ہمارے تعلقات خراب نہیں کر سکتا"

اُمید کی جاتی ہے، جلد یہ معمولی نزاع ختم ہو جائے گی۔

ترکی پایۂ تخت

غازی مصطفےٰ پاشا کے سفر آستانہ سے بعض حلقوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ترکی پایۂ تخت، جلد انگورہ سے قسطنطنیہ میں منتقل ہو جائے گا۔ مگر انگورہ کا نیم سرکاری اخبار "حاکمیت ملت" اس کی تردید کرتا ہے۔ اُسنے لکھا ہے:

"جب ہم نے ارادہ کیا کہ ٹرکی کی از سر نو تعمیر کریں تو اس میں یہ خیال ہرگز ہمارے سامنے نہ تھا کہ ساتھ ہی غیروں کی خوشی کا بھی ہمیں سامان کرنا چاہئے۔ ہم نے ضرورتاً انگورہ کو پایۂ تخت بنایا تھا۔ وہ ضرورت اب تک موجود ہے۔ جب تک ہم امن و امان کے سایہ میں چلکر اپنا مقصد حاصل نہ کرلیں، اُسوقت تک انگورہ ہی کو پائے تخت رہنا چاہئے لہذا اس کی تبدیلی کا سوال، اسوقت پیدا ہی نہیں ہو سکتا"

مکتوب شام

(الہلال کے نامہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

ہائی کمشنر کا بیان

ادہر دو تین ہفتے سے میں نے کوئی مکتوب آپکو نہیں لکھا۔ کیونکہ حالات میں کوئی قابل ذکر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ہائی کمشنر کے لبوں پر جو مہر سکوت شروع سے لگ گئی تھی، وہ اب تک باقی تھی۔ ہر طرف افواہوں کی گرم بازاری تھی، مگر حقیقت کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حکومت جتنا زیادہ ابہام و اخفا برتتی تھی، افواہیں اُتنی ہی زیادہ پھیلتی تھیں۔ اکثر لوگوں کا رجحان یہ تھا کہ حکومت کچھ نہ کچھ کرنے والی ہے۔ اگر سب نہیں تو ملک کے مطالبات کا ایک بڑا حصہ ضرور قبول کرے گی۔ خصوصاً اب جبکہ دروزی مجاہدین نے ہتیار ڈال دئے ہیں، حکومت بھی نرم ہو جائے گی اور باشندوں کی ضرور اشک شوئی کرے گی۔

لیکن ان فریب خوردوں کو اگرچہ بہت زیادہ انتظار کرنا پڑا، تاہم وہ دن آ ہی گیا جب اُنھیں حقیقت عریاں کے مشاہدے پر مجبور ہونا پڑا۔ مدت تک نقاب پوش رہنے کے بعد ہائی کمشنر نے اپنا منہ کھولا تو اُس میں مکر و ریا کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ دروزی جہاد ختم ہو جانے سے حکومت کی ہمت بلند ہو گئی۔ اب اُسے کوئی خوف بھی باقی نہ رہا۔ چنانچہ ہائی کمشنر نے اپنی پالیسی اور حکمبردار سلطنت فرانس کی سیاست جو وہ شام کے بارے میں طے کر چکی ہے، ظاہر کردی۔ ہائی کمشنر کا بیان یقیناً تمام مشرق کے لئے عبرت و موعظت کا ایک سبق ہے۔ اور وہ حسب ذیل ہے:

"ہائی کمشنر کو اپنے قیام پیرس کے دوران میں بارہا موقعہ ملا کہ فرانسیسی حکومت اور فرانسیسی پارلیمنٹ کی معاملات خارجیہ کی کمیٹی کے روبرو شامی صورت حال کے متعلق اپنی تحقیقات پیش کردیں خصوصاً باشندوں کی وہ اُمیدیں صفائی کے ساتھ ظاہر کردیں جو شام کے مختلف حصوں میں دورہ کرنے کے بعد اُنھیں معلوم ہوئی تھیں۔

ہائی کمشنر نے شام میں اپنی واپسی کے بعد مختلف حکومتوں کے ذمہ داروں سے بھی بارہا تبادلۂ خیال کیا۔ حکمبردار حکومت کے خیالات و مقاصد اُن پر ظاہر کئے اور وہ بنیادیں پوری وضاحت سے پیش کردیں جن پر وہ اپنی سیاست کی بنا رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ بنیادیں حسب ذیل ہیں:

(۱) معاہدۂ حکمبرداری کی دفعہ ایک کی رُو سے چونکہ فرانس نے اپنے سر یہ ذمہ داری لے لی ہے کہ "شام اور لبنان کے لئے وہ راستہ ہموار کرے گا جس پر چل کر وہ بتدریج خود مختار بن سکیں گے" اور یہ کہ اندرونی خود مختاری کی ظروف و حالات کے مطابق ہمت افزائی کرے گا۔ اس لئے فرانس مجلس اقوام سے حاصل کی ہوئی اپنی یہ ذمہ داری برابر پوری کرتا رہے گا۔ یہاں پر اس ذمہ داری سے دست بردار ہو جانے کا ہرگز کوئی سوال پیش نہیں ہو سکتا۔

(۲) اس ذمہ داری کی حیثیت:

معاہدۂ ورسیلز کی دفعہ ۲۲ کی تطبیق، مشرق میں بہت ہی زیادہ مشکل معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں کی بعض جماعتیں مدت دراز سے ترقی کے اُس درجہ تک پہنچ گئی ہیں جسنے اُنھیں مشرق قریب کی ترقی پذیر قوموں کی صف اول میں پہونچا دیا ہے۔ حکمبردار سلطنت نے امن و امان برقرار رکھتے ہوئے، جو ترقی کی اصلی بنیاد ہے، ان جماعتوں کی اُمیدیں پوری کرنے میں کبھی غفلت نہیں برتی۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان اُمیدوں کی تطبیق میں اب تک بکثرت رکاوٹیں حائل ہوتی رہی ہیں اور یہ صرف اسوجہ سے کہ اُن میں باہم بہت زیادہ تناقض موجود ہے۔

ان جماعتوں کی اُمیدیں بر لانا، شام میں فرانسیسی سیاست کی ایک بڑی بنیاد ہے۔ حکمبردار سلطنت اب تک اپنی اس سیاست پر قائم ہے اور عزم بالجزم کئے ہوئے ہے کہ ہمیشہ یہ اُمیدیں پوری کرتی رہے گی جب تک وہ دائرۂ نظام اور امن و امان میں رہیں اور جب تک اقلیات کے حقوق، جن کی معاہدوں نے ضمانت کردی ہے، اور ملک کے عام مصالح کے خلاف نہ ہوں۔

(۳) فرانسیسی سیاست کا دوام اور قانون اساسی۔

یہ سیاست، جسے مسیو دی جوونل پوری وضاحت سے معین کر چکے ہیں اور جسے حکومت فرانس اور مجلس اقوام نے منظور کر لیا ہے، ضرور ہے کہ ملک کے قانون اساسی میں قائم رکھی جائے۔ ہائی کمشنر پوری مضبوطی سے اس سیاست کو برقرار رکھیں گے۔

لیکن یاد رہے کہ قانون اساسی، صرف وہی لوگ بنائیں گے جو اُسے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ وہی حکومتیں اسکے بنانے میں شریک ہوں گی جو موجودہ نظام کے ماتحت ملک میں قائم ہیں۔ انہی حکومتوں کو حق ہے کہ ملک کے مصالح پر غور کریں، اپنے باہمی اختلافات مٹانے کی سعی کریں، اور مشترک مصالح کے لئے باہم معاہدے طے کریں۔ حکمبردار سلطنت، انہیں ہر ممکن مدد دے گی اور انکے مابین حَکَم کی حیثیت سے کام کرے گی۔

اگر جدید نظام پر پورے ملک کی رضامندی ضروری سمجھی گئی تو اس مقصد کے لئے بھی کوشش کی جائے گی۔ لیکن اگر رضامندی حاصل کرنا ممکن نہ ہوا تو حکمبردار سلطنت، امن و امان کی حفاظت اور مستقبل کی درستگی کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرے گی۔

(۴) امن و امان

اب ملک میں ایک مرتبہ پھر امن و امان پوری طرح عام ہو گیا ہے۔ حکمبردار سلطنت نے اس راہ میں عظیم کوششیں اور بہت بڑی قربانیاں کی ہیں۔ اس سے یہ صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ فرانس اُس دوستی کے برقرار رکھنے کا غیر متزلزل ارادہ رکھتا ہے جو اُسے ملک شام و لبنان سے ہے۔

ملک کی ترقی کے لئے امن امان کی موجودگی ضروری ہے۔ بدامنی سے ہرگز کوئی فائدہ پہنچ نہیں سکتا۔ بلکہ اُلٹے نقصان یقینی ہے۔۔"

یہ ہائی کمشنر کے بیان کا ضروری حصہ ہے۔ ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ بیان کس درجہ مضطرب اور بے معنی ہے؟ اُس کے اگر کچھ معنی ہیں تو صرف یہ ہیں کہ فرانس، شام کے مطالبات منظور نہیں کرے گا بلکہ اپنی جنگی قوت سے اُسے بدستور محکوم و مقہور رکھے گا۔

فرانس کی بدنیتی

شام میں فرانس کی بدنیتی کا ایک ثبوت، مذکورۂ بالا بیان کے علاوہ، یہ ہے کہ اُسنے شکست خوردہ دروزی مجاہدین کی بیچارگی سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش شروع کردی ہے۔ چنانچہ گزشتہ ہفتے حکومت نے اعلان کیا ہے کہ جبل دروز کے باشندوں نے ملک شام سے اپنی کامل علحدگی کا مطالبہ کیا ہے۔ نیز وہ چاہتے ہیں کہ اُنکے علاقے پر حاکم، فرانسیسی ہوا کرے۔

ملک کی عام رائے اس منحوس خبر سے بہت پریشان ہوئی، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شام کی سیاسی وحدت اب تک جس قدر پراگندہ ہو چکی ہے، فرانس کی نظر میں وہ کافی نہیں ہے۔ فرانس ابھی اس بدنصیب ملک کے اور بھی بہت سے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے۔ جبل دروز کی علحدگی کے بعد شام، صرف دمشق اور مضافات کے علاقے کا نام رہ جائے گا۔

سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ جن دروز سرداروں کی طرف یہ مطالبہ منسوب کیا جا رہا ہے، وہ ملک میں نہایت ہر دل عزیز تھے۔ مثلاً عبد الغفار پاشا اطرش، امیر حسن، نجم پاشا حلبی، شیخ محمد الہجری، حمزہ درویش وغیرہم۔ حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اس سے پہلے ملک کی سیاسی تقسیم و تجزی کے سخت مخالف تھے۔ بلکہ اُنکو خونیں جہاد کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ موجودہ تقسیم منسوخ کردی جائے، اور ملک میں ایک ہی وحدت سیاسی قائم ہو۔

لیکن بہت جلد حقیقت آشکارا ہو گئی۔ عام رائے نے معلوم کر لیا کہ یہ چیز بھی فرانس کی بدنیتی نے پیدا کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ پچھلے ہفتے ہائی کمشنر، دمشق آئے۔ اُن کے ساتھ اُن کا نفس ناطقہ کرنل کیٹرو بھی تھا۔ یہ شخص اپنی ظلم پسندی اور ملک شام سے دشمنی میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ دمشق سے یہ جبل دروز گیا اور وہاں دروزی سرداروں سے مذکورۂ بالا محضر پر دستخط کرنے کو کہا۔ اُنھوں نے انکار کیا مگر اسنے اُنھیں اپنی قوت کی زور سے مجبور کردیا۔

اس واقعہ نے باشندوں کو فرانس سے اور بھی زیادہ بدظن کر دیا ہے۔

ایک اور مصیبت

یہ مصائب کیا کم تھیں کہ ملک پر ایک تازہ مصیبت، خود ایک ملکی کے ہاتھوں نازل ہو رہی ہے۔ داماد احمد نامی بک، دمشق کی عارضی حکومت کا صدر ہے۔ اسکے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ شام کے تخت شاہی پر عنقریب متمکن ہو گا۔ اس طمع میں یہ بالکل فرانس کا غلام بن گیا ہے اور بُری طرح خادمان قوم کو ستا رہا ہے۔ حال کا واقعہ یہ ہے کہ اسنے اخبار العجائب کے اڈیٹر شدیاق آفندی کو دمشق سے نکل

بریدِ شرق

مکتوبِ آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

شاہ مصر کا سفر انگلستان - ترکی قرضے کا تصفیہ - ٹرکی اور ایران - ترکی پائے تخت

شاہ مصر کا سفر انگلستان

ترکی اخبارات، شاہ مصر کے سفر انگلستان کو بہت اہمیت دے رہے ہیں اور اسے نہ صرف مصر بلکہ تمام مشرقی ممالک کے لئے اخلاقی حیثیت سے مفید سمجھتے ہیں۔ چنانچہ موقر اخبار "وقت" یوں اظہار خیال کرتا ہے:

"شاہ مصر کی یہ سیاحت ایک نہایت پیچیدہ سیاسی مسئلہ کے حل کے لئے آخری قدم ہے۔ اب سے پہلے مصر کے سب سے بڑے ماہرین سیاست مثلاً سعد پاشا زغلول اور عدلی پاشا یکن نے سر توڑ کوششیں کیں، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اب خود شاہ مصر اپنے وزیر اعظم کے ساتھ انگلستان روانہ ہوئے ہیں تاکہ مسئلہ مصر، جو ۴۵ برس سے لاینحل ہو رہا ہے، قطعی طور پر حل ہو جائے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ اس آخری کوشش کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اگر اب بھی یہ مسئلہ حل نہ ہوا تو سمجھ لینا چاہئے، وہ آئندہ کبھی مفاہمت سے حل نہ ہوگا، اُس کا فیصلہ صرف قوت و تشدد ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے"

"۱۸۸۲ء میں انگریزوں نے صریح جبر و ظلم سے مصر پر قبضہ کر لیا۔ ہندوستان بچانے کے لئے برطانیہ کو مصر کی ضرورت تھی، جیسا کہ اس مقصد کے لئے اُسے دنیا کے ہر ملک پر قبضہ کی ضرورت ہے۔ برطانیہ کا عزم مصمم تھا کہ مصر کو بالکل ہضم کر جائے۔ چنانچہ جنگ عمومی کے موقع پر اُس کے الحاق کا اعلان بھی کر دیا۔ مگر اُسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ زہر بھرا لقمہ کسی طرح بھی ہضم نہیں کیا جا سکتا۔ مصر، آکال الامم ہے۔ بہت سی قوموں نے اُسے ہضم کرنا چاہا، مگر جسنے بھی اُسے نگلنے کی جراٗت کی، خود فنا ہو گیا۔ چنانچہ چند ہی سال بعد انگلستان بھی یہ لقمہ اُگلنے پر مجبور ہوا اور مصر کے الحاق سے دست بردار ہو جانا پڑا"

"شاہ مصر کی سیاحت نے یورپ کے سامنے صرف یہی ثبوت پیش نہیں کیا کہ مصر، اپنی آزادی پر مُصر ہے۔ بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ پورے مشرق میں استقلال و حریت کی ایک ناقابل مقاومت تحریک عام ہو گئی ہے۔ شاہ مصر نے صاف طور پر بتا دیا کہ اب مشرق، وہ مشرق نہیں ہے جو کبھی غفلت و قناعت اور تن پروری کا مرکز تھا۔ اب وہ بیدار ہو گیا ہے، اور غاصب یورپ سے اپنے حقوق واپس لینے پر تلا ہوا ہے"

ترکی قرضے کا تصفیہ

مرحوم سلطنت عثمانیہ نے یورپ سے بہت سے قرضے لے رکھے تھے۔ انہی قرضوں نے بالآخر اُس کے دروازے یورپین مداخلت کے لئے کھول دئے۔ جنگ عظیم کے خاتمہ پر سلطنت عثمانیہ اپنے اکثر مقبوضات سے محروم ہو گئی۔ اب یہ مشکل پیش آئی کہ یہ قرضے اُس سے کیونکر وصول کئے جائیں؟ اکثر قرضوں میں انہی مقبوضات کی آمدنی رہن تھی۔ یورپ چاہتا تھا کہ باوجود اپنے ممالک سے محروم ہو جانے کے، یہ تمام قرضے اسی دیوالیہ سلطنت سے وصول کرے۔ مگر یہ عملاً ناممکن تھا۔ کیونکہ اُس کی آمدنی یہ بار گراں اُٹھا نہیں سکتی تھی۔ اسی زمانے میں قومی حکومت نے اناطولیہ میں ظہور کیا اور یورپ کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ اسی کا نتیجہ معاہدۂ سیورے کے بعد معاہدۂ لوزان ہوا۔ مگر قرضے کی گتھی اس معاہدے سے بھی سُلجھ نہ سکی۔ اب گزشتہ ہفتے سالہا سال کی ردو قدح کے بعد ایک فیصلہ ہوا ہے اور سب نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ اس فیصلہ کی دو دفعیں بہت اہم ہیں: ایک یہ کہ ٹرکی اپنے قرضہ کی نصف مقدار سونے کے سکے کی شکل میں ادا کرے، اور باقی نصف کاغذ کے سکے کی صورت میں۔ دوسری یہ کہ ٹرکی کا تمام قدیم قرضہ اُن تمام ممالک پر تقسیم کر دیا جائے جو قرضہ لیتے وقت اُس کے قبضہ میں تھے۔ صرف ایک حصہ ٹرکی کے ذمے باقی رہے۔

یہ فیصلہ یقیناً منصفانہ ہے۔ جنگ کے اختتام پر ٹرکی کے ذمہ یورپ کا قرضہ ۱۷،۶۱،۸۴،۶۹۲ لیرہ (ترکی پونڈ) تھا۔ اب جدید فیصلہ کی رُو سے اس کی تقسیم اس طرح عمل میں آئی ہے:

ملک	رقم	
ٹرکی	۸،۴۵،۹۷،۴۹۵	لیرہ
یونان	۱،۱۰،۵۴،۷۵۳	"
شام	۱،۰۸،۸۸،۴۵۹	"
سربیہ	۵۴،۳۵،۵۷۹	"
عراق	۵،۲۰،۷۱،۷۸۹	"
فلسطین	۳۲،۸۴،۴۲۹	"
بلغاریہ	۱۷،۷۶،۳۵۴	"
البانیہ	۱۶،۳۳،۲۲۳	"
حجاز	۱۴،۹۹،۵۱۸	"
یمن	۱۱،۸۲،۱۰۴	"
شرق اردن	۷،۳۳،۹۱۰	"
اٹلی	۲،۴۳،۲۰۰	"
نجد	۱،۴۹،۱۵۰	لیرہ
عسیر	۲۶،۱۳۸	"
موصل	۱۵،۰۰،۳۵۳	"
معان	۱،۲۸،۷۲۸	"

اوپر ہم نے لکھا ہے کہ یہ فیصلہ سب نے تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن اس میں صرف دو حکومتیں مستثنیٰ ہیں: سرویا اور یمن۔ سرویا کی حکومت اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ امام یحییٰ بھی اس سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن ان دونوں کے انکار سے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑیگا۔

ٹرکی اور ایران

حال کا ایک اہم واقعہ، ٹرکی اور ایران کی کشیدگی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض حوادث ایسے پیش آگئے، جنھوں نے طرفین میں سوء ظن کی حالت پیدا کر دی۔

تفصیل یہ ہے کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض جرائم پیشہ خانہ بدوش قبائل موجود ہیں۔ وہ ہمیشہ قتل و غارت کے موقعے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ پچھلے چند سالوں سے ان قبائل میں ایک بہت ہی خطرناک شخص "اسماعیل سمیقو" نامی ظاہر ہوا ہے اور سرحد کی آبادیوں کی زندگی تلخ کئے ہوئے ہے۔ اسنے یہ وطیرہ اختیار کر رکھا ہے کہ موقعہ پا کر لوٹ مار مچا دیتا ہے اور پہاڑوں میں بھاگ جاتا ہے۔ ترکی حکومت بہت دن سے اس کی تاک میں تھی۔ مگر حال میں مجرموں کی عام معافی کا اعلان کیا گیا، تو اُس سے فائدہ اُٹھا کر اسنے حکومت کو اطلاع دی کہ اب اُسنے اپنے قدیم جرائم سے توبہ کر لی ہے اور آئندہ پُر امن زندگی بسر کرنی چاہتا ہے۔ حکومت نے اُس کی بات پر یقین کیا اور معافی دیدی۔ چنانچہ وہ آزادی سے ترکی حدود میں زندگی بسر کرنے لگا۔

لیکن گزشتہ مہینوں میں اُسنے پھر پلٹا کھایا، اور اپنی قدیم مجرمانہ زندگی اختیار کر لی۔ وہ ایرانی سرزمین میں داخل ہو گیا اور قریبی آبادیوں میں غارت گری شروع کر دی۔

اصلی واقعہ صرف اسی قدر ہے۔ لیکن ایرانی اخبارات نے اسے دوسری نظر سے دیکھا اور اس قزاق کی حرکتوں کا ذمہ دار، ٹرکی کو قرار دیا۔ چنانچہ طہران کا نیم سرکاری اخبار "ایران" اس واقعہ پر اس طرح خامہ فرسائی کرتا ہے:

"سرحدی قبائل کی کون ہمت افزائی کر رہا ہے؟ اُنھیں کون ہتیار تقسیم کرتا ہے؟ اُنکے ذریعہ ایران میں کون بدامنی پھیلا رہا ہے؟ ایرانی ان سوالوں کا صاف جواب چاہتے ہیں۔ وہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ٹرکی اس بارے میں کیا تدابیر اختیار کرنے والی ہے؟ ایران اپنی قومی سرحدوں کی حفاظت اپنے خون سے بھی کرنے پر کمربستہ ہے"

اخبار "شفق سرخ" لکھتا ہے

"سرحد کے ترک افسر ایرانی علاقوں میں خلاف توقع سرگرمی دکھا رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت کی منسوخی، جمہوریت کا اعلان، سرخ ٹوپی کی ہیٹ سے تبدیلی، یہ باتیں ظاہر میں کتنی ہی روشن خیالی کی باتیں نظر آئیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ قوموں کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتیں۔ نوجوان ٹرکی، بڑھیا ٹرکی ہی کی لڑکی ہے۔ بڑھیا ٹرکی ہمیشہ ایران سے بے فائدہ دست بگریباں رہی۔ اب نوجوان ٹرکی بھی اپنی اسی موروثی سیاست پر واپس آ رہی ہے اور ایران سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی ہے"

اسی لب و لہجہ میں تقریباً تمام ایرانی اخبارات نے اظہار خیال کیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ترکی اخبارات کا لہجہ بھی کچھ کم سخت نہیں ہے۔ چنانچہ اخبار "جمہوریت" لکھتا ہے:

"ہم جانتے ہیں ایران میں رفیع اخبار موجود نہیں ہیں۔ اُن کی آواز کوئی قوت و وزن نہیں رکھتی۔ ضرور اجنبی انگلیاں ان اخبارو

بقیہ مضمون صفحہ ۱۷

کیا میں امید کروں کہ آپ تھوڑا سا وقت نکال کر اُسی انداز میں جیسا تفصیل و بحث کے ساتھ ہمیشہ آپنے لکھا ہے ان امور پر روشنی ڈالیں گے اور مجھ پر احسان فرمائیں گے ....

بریدِ فرنگ

مکتوب امریکہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم واشنگٹن کے قلم سے)

ایک نئی تحریک۔ امریکہ کی دولت۔

ایک نئی تحریک

اپنے دو پچھلے مکتوبوں میں آمریکہ کی نسوانی زندگی اور تحریک الحاد کی مقبولیت پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ انہی دونوں موضوعوں سے متعلق آج ایک تیسری بحث پیش کرتا ہوں۔ اس بحث نے پورے شمالی آمریکہ کو اپنی طرف سراسر متوجہ کر لیا ہی۔ فی الحال اس بحث سے زیادہ اہم اور مقبول عام و خاص کوئی دوسری بحث یہاں نہیں ہی۔ ہر طرف اسی کا چرچا ہی اور ہر جگہ اُسی پر گرم تقریریں ہو رہی ہیں۔

بحث یہ ہی کہ آمریکہ میں شادی کا موجودہ طریقہ مضر ہی۔ مرد اور عورت دونوں کی خانگی زندگی مکدر کرنے والا ہی۔ لہذا اُسے بدل ڈالنا چاہئے۔

آمریکہ میں بھی شادی کا طریقہ وہی ہی جو دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں رائج ہی۔ یعنی مرد و عورت، عقد کرکے زندگی بھر ساتھ رہنے کے پابند ہوجاتے ہیں۔ نئی تحریک اسی پابندی کے خلاف شروع ہوئی ہے۔ اُس کی منشا یہ ہی کہ شادی کے دو دور یا درجے کر دئے جائیں: ایک تجربی۔ دوسرا دائمی۔ تجربی سے مقصود یہ ہی کہ مرد اور عورت اگرچہ باضابطہ عقد کریں گے، مگر یہ عقد، معلق و مشروط ہوگا۔ اگر ساتھ رہ کر اُنھیں تجربہ سے معلوم ہوجائے کہ یہ عقد، اُن کی زندگی کو پُر مسرت نہیں بنا سکتا تو اُنھیں حق ہوگا کہ فوراً جُدا ہوجائیں۔ لیکن اگر تجربے سے ثابت ہو کہ وہ ساتھ خوش رہ سکتے ہیں تو اپنے دائمی عقد کا اعلان کر دیں۔

اس تحریک کا سرگروہ، مسٹر لنڈسی ہی۔ یہ ایک عدالت کا جج ہی اور نکاح و طلاق کے مقدمے فیصل کیا کرتا ہی۔ اسنے اپنی تحریک کا نام "عقدِ رفاقت" رکھا ہی۔ خود اُس کے اپنے لفظوں میں تحریک کی غرض یہ ہی کہ "مرد اور عورت باہم ساتھ رہنے کا سمجھوتہ کریں، مگر اس عہد کے ساتھ کہ ایک سال تک نسل نہ پیدا ہونے دیں گے۔ بارہ مہینے یک جا رہنے کے بعد اگر وہ دیکھیں کہ اُن کی طبیعتیں باہم متفق ہو سکتی ہیں تو اپنے اس تجربی عقد کو دائمی عقد کی صورت میں تبدیل کر دیں ورنہ ایک دوسرے سے جُدا ہوجائیں"

مسٹر لنڈسی نے ایک اخبار کے نمائندے سے بیان کیا:

"بیس برس سے میں عدالت کی کرسی پر بیٹھتا ہوں۔ اس طویل تجربے نے مجھے یقین دلا دیا ہی کہ نکاح کا موجودہ نظام، ناقص اور سخت مضرتوں کا موجب ہی۔ لہذا میں نے تجربی نکاح کی تجویز سوچی میرے خیال میں اگر دنیا اس تجویز پر عمل کرے تو اُن تمام مصائب سے نجات پا جائے گی جو عقد کے موجودہ طریقے سے ہمیشہ پیدا ہوتی ہیں۔ تجربی نکاح یقیناً دنیا کو مسرت و سعادت بخشے گا اور انسان کی خانگی زندگی، قابل رشک بنا دے گا"

تجربی عقد کی ایک شرط یہ بھی ہی کہ مرد اور عورت سال کے خاتمہ پر اگر دائمی عقد کے طالب ہوں تو اُنھیں حکومت کے سامنے ثابت کرنا ہوگا کہ وہ باہم محبت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد اُن کا طبی معائنہ ہوگا اگر اس معائنہ میں بھی وہ کامیاب ہوگئے تو اُن کی درخواست منظور کر لی جائے گی، ورنہ اُنھیں جبراً جُدا کر دیا جائے گا۔

یہ ہی تحریک کا خلاصہ۔ لیکن اسنے تمام ملک میں ایک ہلچل ڈال دی ہی۔ روشن خیال طبقہ عام طور پر تحریک کی حمایت کر رہا ہی۔ مگر مذہبی پیشوا اور اُنکے متبعین اس کے سخت خلاف ہیں۔ اسے کفر و الحاد قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر یہ تحریک مقبول ہوجائے گی تو مسیحیت اور کنیسا کا خاتمہ ہوجائے گا۔ مسیحی ہیئت اجتماعیہ درہم برہم ہوجائے گی۔ فسق و فجور کے بند (؟) دروازے کھل جائیں گے۔ غرضکہ وہ اسے شیطانی تحریک قرار دے رہے ہیں۔ دیکھنا چاہئے اس نظری جنگ میں کون فریق فتح یاب ہوتا ہی؟

آمریکہ کی دولت

ولایات متحدہ آمریکہ کی دولت و ثروت کے افسانے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ واقعی جس قدر خزانے اس ملک میں موجود ہیں، اُتنے کسی دوسرے ملک میں نہیں ہیں۔ اسوقت میرے سامنے ایک امریکن رسالہ کھلا رکھا ہی۔ اسنے اسی معاملہ پر بحث کی ہی۔

وہ لکھتا ہی:

"جس کے پاس تین چار کرور ڈالر جمع ہیں، وہ اسوقت آمریکہ میں "دولتمند" خیال نہیں کیا جاتا۔ کروڑپتی، اب آمریکہ میں کسی شمار قطار میں نہیں ہیں۔ اب شمار صرف "قارونوں" کا ہوتا ہی۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں پہلی مرتبہ حکومت نے امریکی قوم کی انفرادی دولت کے اعداد و شمار شایع کئے۔ اس رپورٹ سے ثابت ہوتا ہی کہ آمریکہ میں ایک سے بہت زیادہ آدمی ایسے موجود ہیں جن کی دولت ایک ہزار ملین ڈالر یعنی ۲۰ کروڑ پونڈ سے بھی زیادہ ہی۔

اس رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہی کہ سنہ ۱۹۲۵ء میں جن آدمیوں کی دولت ایک ملین ڈالر سے زیادہ تھی، اُن کی تعداد ۲۰۷ ہی۔ لیکن گمان غالب ہے کہ یہ شمار ناقص ہی۔ لوگ، آمدنی کے محصول سے بچنے کے لئے اپنی اصلی آمدنی چھپاتے ہیں۔ ثبوت یہ ہی کہ سنہ ۱۹۱۶ء میں ایسے دولتمندوں کی تعداد ۲۰۶ تھی۔ کسی طرح خیال نہیں کیا جا سکتا کہ ۹ سال کی طویل مدت میں، جبکہ دولت کے دروازے ہر طرف سے آمریکہ پر کھل گئے تھے، ایسے دولتمندوں کی تعداد میں صرف ایک کا اضافہ ہوا ہو۔

ذیل کے نقشہ سے آمریکہ کی دولت مندی کا کچھ اندازہ ہو سکے گا

ڈیڑھ ملین تک سالانہ آمدنی کے مالک	۱۰۴
دو ملین تک سالانہ آمدنی کے مالک	۴۳
تین ملین تک " "	۲۹
۴ ملین تک " " "	۱۵
۵ ملین تک " " "	۹
۵ ملین سے زیادہ " " " "	۷
	۲۰۷

لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا یہ نقشہ، ناقص ہی۔ تاہم ۵ ملین ڈالر سے زیادہ آمدنی کے مالکوں میں بعض ایسے بھی ہیں جن کی آمدنی ایک کروڑ پونڈ سالانہ سے بھی زیادہ ہی۔ سرکاری روداد میں اِن کے نام شائع ہوئے ہیں۔ انہی میں مسٹر فورڈ اور اُن کا بیٹا، مسٹر ملن آمریکی وزیر مال، اُن کا بھائی، مسٹر ہوٹنی، مسٹر وینڈربلٹ، مسٹر بیکر وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہی کہ امریکہ میں، دوسرے ملکوں کے برخلاف یہ صورت حال نہیں ہی کہ امیروں کی دولت برابر بڑھتی جائے اور غریبوں کی غربت روز بروز زیادہ ہوتی جائے۔ بلکہ واقعہ یہ ہی کہ امیروں کی دولت بہت آہستہ آہستہ بڑھتی ہی، لیکن غریب جلد از جلد امیر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مذکورۂ بالا روداد سے معلوم ہوتا ہی کہ معمولی آمدنی رکھنے والے (یعنی جو لوگ آمدنی کا محصول ادا کرتے ہیں) سالانہ ۵ ہزار ڈالر سے زیادہ کما لیتے ہیں۔

روداد کے ایک دوسرے نقشے سے معلوم ہوتا ہی کہ سنہ ۱۹۲۵ء میں حکومت نے حسب ذیل محصول وصول کئے:

اُجرت اور تنخواہ پانے والوں سے:	۴،۴۰۰،۰۰۰،۰۰۰	ڈالر
تجارتی کمپنیوں سے:	۹۷،۰۰۰،۰۰۰	"
حقوق طباعت خریدنے والی کمپنیوں سے:	۱۸،۵۰۰،۰۰۰	"
سود خوار مہاجنوں سے:	۴۸،۵۰۰،۰۰۰	"

آمریکہ کی دولتمندی کے راگ گانے والوں کے بالمقابل علمائے اقتصادیات کا ایک گروہ ایسا بھی موجود ہی جو اس دولت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اُس کی رائے میں آمریکہ کی دولت کسی پائیدار بُنیاد پر قائم نہیں ہی۔ وہ اپنی دلیل میں پچھلے دس گیارہ سال کے اعداد و شمار سے پیش کرتا ہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ آمریکہ میں دولتمندوں کی تعداد نہایت غیر متناسب تعداد میں گھٹتی بڑھتی رہی ہی۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہی کہ ملک کی دولت کوئی مستحکم بنیاد نہیں رکھتی۔ وہ اعداد و شمار حسب ذیل ہیں:

سنہ	ایک ملین ڈالر سے زیادہ سالانہ آمدنی رکھنے والے
۱۹۱۴	۶۰
۱۹۱۶	۲۰۶
۱۹۲۰	۲۱
۱۹۲۴	۷۵
۱۹۲۵	۲۰۷

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ١٤ — کلکته : جمعه ١٩ . ربیع الاول ١٣٤٦ هجری — جلد ١

Calcutta : Friday, 16, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکھتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای .
پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نهین کر سکتی .

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چھپتا هی . اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکھیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .
الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ١١٢٠ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	١٩٧	اردو حروف کی حق مین	٢٩٩
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	٣٠٤	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	٢١٥	نستعلیق هون	١٠٥

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکھنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین . الهلال

کلماتِ مرحوم سعد پاشا زغلول

جلاوطنی میں قوم سے خطاب

اُنھوں نے ہمیں ملک سے نکالا، مگر تم نے ہمیں اپنے دلوں میں جگہ دی!

اُنھوں نے ہمیں گمنام کردینا چاہا، مگر تم نے ہمارا نام اپنے صفحۂ قلب پر نقش کرلیا!

اُنھوں نے اپنی قوت سے تمھیں پراگندہ کردینا چاہا، مگر تم اور بھی زیادہ باہم جُڑ گئے!

اُنھوں نے تشدد سے تمھیں ذلیل کرنا چاہا، مگر تم اور زیادہ معزز بن گئے!

اُنھوں نے طرح طرح کے حیلوں سے تمھیں گمراہ کرنا چاہا، مگر تم گمراہ نہ ہوئے۔ اُن کے فریب نے تمھیں اور زیادہ راہ ہدایت دکھادی!

اس طرح خدا نے اُنھیں رسوا کیا، اور تمھیں سرخروئی بخشی!

امن عالم

امن عالم اگر چاہتے ہو، تو دوسروں کا حق نہ چھینو۔

آزادی

آزادی، میرا پیدائشی حق ہے، عطیہ کے طور پر میں اُسے قبول نہیں کرسکتا۔ آزادی، میری اپنی پشتینی ملکیت ہے کسی کو حق نہیں کہ میری ہی ملکیت مجھے عطیہ کے طور پر دے۔

عورتوں کی تربیت

قومی ترقی کے لئے عورتوں کی تربیت، اولین شرط ہے۔

حق

حق کی طرف لوٹنا کبھی معیوب نہیں۔

حق، قوت، قوم، حکومت

حق، قوت سے بالا ہے۔ قوم، حکومت سے برتر ہے۔

فساد

ہم پر حملہ کرتے ہیں، مگر جب ہم مدافعت کے لئے ہاتھ اُٹھاتے ہیں تو کہتے ہیں "تم فساد کرتے ہو"!

علم، اخلاق

ہمیں زیادہ علم کی ضرورت نہیں، زیادہ اخلاق کی ضرورت ہے۔

بداخلاقی کا قانون

جس قانون کی بنا، بداخلاقی پر ہے، وہ باطل قانون ہے۔

آزادی کا استعمال

ہم آزادی سے محبت رکھتے ہیں، مگر اس سے بھی زیادہ ہم اُس کے صحیح استعمال سے محبت کرتے ہیں۔

"ڈپلوما"

ہمیں اپنی زندگی کے اعمال پر فخر کرنا چاہئے نہ کہ اپنے ہاتھ کے "ڈپلوما" پر!

مقصد کی کامیابی

مقصد کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ہم جد و جہد کریں، اور اگر ضرورت ہو تو مر بھی سکیں!

خوف یا محبت؟

میں چاہتا ہوں، لوگ مجھ سے محبت کریں، نہ کہ مجھ سے ڈریں۔

یه بات نہیں ہے که انگلستان کي نیش زني کے مقابله میں فرانس خالي بیٹھا شکوے شکایت هي کر رها هو - اِس سیاسي جنگ میں وہ بھي اپني تمام قوت و قابلیت صرف کر رها ہے - بلاشبه اِس وقت یورپ میں اُسے بڑي حد تک شکست اٹھاني پڑي ہے - لیکن اُسنے اِس شکست کا بدله انگلستان سے مشرق قریب و بعید میں لے لیا ہے - ترکي کي طرفداري کرکے اُس نے برطانیا کو سخت نقصان پہنچایا ہے - اور اب چین میں بھي برطانیا سے مختلف روش اختیار کرکے اُسے ایسي زک دي ہے که مدتوں نه بھولے گا -

مسیو بریاں وزیر خارجیه نے حال هي میں مسئلۂ چین پر ایک طویل تقریر کي ہے - اُن کے یه الفاظ خاص طور پر قابل غور هیں :

" چین کا مسئله اِس وقت دنیا کا سب سے زیادہ پیچیدہ مسئله ہے اور اُس نے " بعض " سلطنتوں کو بري طرح بد حواس کر ڈالا ہے - مگر اِس بارے میں فرانس نے ایک بالکل صاف اور ٹھوس مسلک قرار دے لیا ہے - وہ مسلک یه ہے که هم چیني انقلاب کي راہ میں کوئي رکاوٹ پیدا نہیں کرینگے - چیني قوم پرست اچھي طرح دیکھ چکے هیں که فرانس اُن کا کیسا قدردان اور مداح ہے - یہي وجه ہے که فرانس کے جمله حقوق چین میں بالکل محفوظ هیں - حالانکه " بعض " دوسري سلطنتوں کو اپنے حقوق بچانے کے لیے فوجیں بھیجنا پڑ رهي هیں - هم چین کو یقین دلاتے هیں که هماري طرف سے اُس کے لیے نه تو جنگ کا خطرہ ہے ' نه هم اُس کي راہ میں کوئي روڑا اٹکانا چاهتے هیں "

(فرانس میں شاهي)

اِس وقت فرانس میں سخت اندروني خلفشار موجود ہے - قوم تین بڑے گروهوں میں بٹ گئي ہے - ایک جماعت موجودہ جمہوري نظام کي حامي ہے اور یہي سب سے بڑي جماعت ہے - دوسري جماعت اشتراکیوں کي ہے - وہ چاهتي ہے اشتراکي نظام قائم هو جائے - تیسري شاہ پسند ہے اور شاهي کا اُلٹا هوا تخت پھر ازسرنو بچھانا چاهتي ہے -

یه تاریخي حقیقت ہے که انقلاب کے بعد سے اِس وقت تک کوئي زمانه بھي فرانس پر ایسا نہیں گذرا که شاہ پسند جماعت موجود نه رهي هو - ڈیوک دي اورلیان کا خاندان برابر تخت شاهي کا دعوے دار رها - آجکل شاہ پسندوں میں پھر حرکت پیدا هوئي ہے اور اُنھوں نے بڑي سرگرمي سے اپني دعایة شروع کردي ہے - گزشته هفته کونٹ ڈي بلوا نے اخبارات میں ایک پر زور مضمون شایع کیا ہے اور اُس میں یه ثابت کرنے کي کوشش کي ہے که بالشویک خطرے کے استیصال اور یورپ کي تمام مشکلات کے حل کي حقیقي صورت یہي ہے که فرانس کي موجودہ جمہوریت توڑ دي جائے اور شاهي حکومت قائم هو - کونٹ نے تخت شاهي کیلیے ڈیوک ڈي گیز کا نام بھي پیش کیا ہے جو قدیم خاندان شاهي کا ایک بڑا رکن اور في الحال بادشاهي کا دعویدار ہے -

(عورتوں کي فوجي بھرتي)

فرانسیسي حکومت بہت بڑے پیمانه پر جنگي طیاریاں کر رهي ہے - حال میں اُسنے ایک مسودۂ قانون پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا ہے - اِس سے مقصود فرانسیسي عورتوں کو فوجي خدمت پر مجبور کرنا ہے - اِس تجویز نے تمام ملک میں بیچیني پیدا کردي ہے - عورتوں میں ناراضي عام ہے اور مردوں کي بھي بہت سي انجمنیں برهمي کا اظہار کر رهي هیں -

عورتوں کي انجمن نے اِس تجویز پر دو اهم اعتراض کیے هیں : ایک یه که اِس معامله پر غور کرتے وقت عورتوں سے رائے نہیں لي گئي - دوسرے یه که فرانسیسي عورت ابتک اپنے سیاسي حقوق سے محروم ہے - چنانچه اُسے مجلس حکومت ' بلدیه ' اور مجلس ضلع وغیرہ نمائیندہ مجلسوں میں انتخاب کا حق نہیں دیا گیا ہے -

عورتوں کي مشہور زعیم میڈم میزم نے اخبارات میں احتجاجي مضمون شایع کیا ہے - وہ لکھتي ہے :

فرانسیسي عورت ' وطن مقدس کي خدمت سے جي نہیں چراتي - لیکن جبکه اُسے مردوں کے برابر حقوق دینے سے انکار کیا جاتا ہے تو اُس پر مردوں سے زیادہ بوجھ ڈالنا کیوں کر جائز هو سکتا ہے ؟ فرانسیسي عورت اگر اَور کوئي خدمت انجام نه بھي دے ' جب بھي اُسکي یه خدمت کیا کم ہے که وہ وطن کے لیے مجاهد پیدا کرتي ہے ؟ اُسکي یہي ایک خدمت اور اِس خدمت کي شدید تکلیفیں اُسے مردوں کے هم پله کر دیتي هیں - پھر فوجي خدمت کا ایک نیا بوجھ اُسکے سر پر ڈال کر اُسکے مصائب میں کیوں اضافه کیا جاتا ہے ؟"

نیز یہي خاتون لکھتي ہے :

" عورتوں سے فوجي خدمت لیکر حکومت فرانس ' ملک کو ساري دنیا میں بدنام کرنا چاهتي ہے - اِس وقت جبکه تمام سلطنتیں جنگي طیاریاں کم کرنے پر غور کر رهي هیں ' هماري حکومت ایک نئي طیاري کا اضافه کرنے پر تلي هوئي ہے - حکومت کي یه تجویز لندن اور هیگ کے معاهدوں کے بالکل خلاف ہے - هم هرگز قبول نہیں کر سکتے که همارا ملک فوجي چھاؤني بن جائے "

(عورتوں کے سیاسي حقوق)

حکومت فرانس کي اِس تجویز نے عورتوں میں اپنے حقوق حاصل کرنے کا ایک نیا ولوله پیدا کردیا ہے - اُنھوں نے باضابطه کوشش شروع کردي ہے - تمام سیاسي پارٹیوں سے اُنھوں نے درخواست کي ہے که حق انتخاب همیں بھي دیا جائے ' ورنه هم تمام ملک میں شورش برپا کر دینگے -

فرانس کي عورتوں کا سب سے بڑا استدلال دوسرے ملکوں کي حالت سے ہے - وہ کہتي هیں ' دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں عورتوں کو حق انتخاب حاصل هو گیا ہے - پھر ایک اکیلے فرانس کي عورتیں اُس سے کیوں محروم هیں ؟ حالانکه سب سے پہلے فرانس هي نے جمہوریت کا علم بلند کیا تھا -

عورتوں کي یه حجت قوي ہے - کیونکه واقعي اکثر متمدن ملکوں میں عورتوں کو انتخاب میں شرکت کا حق حاصل هو گیا ہے - چنانچه ڈنمارک میں یه حق سنه ۱۹۱۵ع میں حاصل هوا - روس میں سنه ۱۹۱۷ - میں - پولینڈ ' یوکرین ' استھونیا ' لتھونیا ' ایرلینڈ اور برطانیا میں سنه ۱۹۱۸ - میں - برطانوي قانون کے الفاظ یه هیں " تمام سیاسي حقوق هر اُس عورت کو حاصل هیں جو تیس سال کي عمر رکھتي ہے ' شادي شدہ ہے ' یا اپنے نام سے کرایۂ مکان ادا کرتي ہے ' یا یونیورسٹي کي سند رکھتي ہے " سویڈن ' ناروے ' آسٹریا ' زیکوسلاویا ' هنگري ' اور جرمني کي عورتوں کو یه حق سنه ۱۹۱۹ - میں حاصل هوا - اهل بلجیم ' ٹرنسوال ' آسٹریلیا ' نیوزي لینڈ ' اور ولایات متحدہ امریکا کو سنه ۱۹۲۰ع میں -

ظاهر ہے اِس صورت میں فرانس کي عورتیں اپني محرومي پر کیونکر صبر کر سکتي هیں ؟

مکتوب فرانس

انگلستان اور فرانس کي کشمکش - فرانس ميں شاهي دعاية - عورتوں کيليے جبري فوجي خدمت - عورتوں کے سياسي حقوق

(الهلال کے مقاله نگار مقيم پيرس کے قلم سے)

ادهر چند سال سے فرانس اور انگلستان کے تعلقات برابر خراب هوتے چلے جا رهے هيں - انگلستان ديکهتا هے که جرمني کي تباهي کے بعد اسکے اصلي اور زبردست دشمن دو هيں : روس اور فرانس - روس اسکي ملک گيري کا دشمن هے ' اور فرانس دنيا کے هر خطه ميں اسکي ملک گيري کا شريک بننا چاهتا هے - يهي وجه هے که انگلستان نے بيک وقت دو سياسي ميدان جنگ قائم کر دیے هيں - ايک ميں روس سے نبرد آزمائي کر رها هے - دوسرے ميں فرانس سے -

فرانس کو زک دينے کے ليے انگلستان نے يه تدبير کي هے که اسے يورپ ميں اسکے تمام دوستوں اور حاميوں سے محروم کر ديا هے - اس وقت فرانس بالکل بے يار و مددگار هے - انگلستان کي يه قديم حکمت عملي هے که وه حريف کے مقابله ميں بذات خود بهت کم آتا هے - دور سے دوسروں کو شه ديتا اور نئے نئے دشمن اپنے حريف کے سامنے کهڑے کرتا رهتا هے - اس وقت بهي اسکا يهي طرز عمل هے - مدت تک فرانس کا سامنا جرمني سے رکها - اب اس کي تباهي کے بعد اٹلي کو کهڑا کر ديا هے - فيشيسزم نے اٹلي کو ديوانه بنا ديا هے اور وه ناعاقبت انديشانه انگلستان کا چيلا بن گيا هے -

اٹلي پر افسوں پهونک چکنے کے بعد انگلستان نے هنگري ' رومانيا ' بلغاريا ' يونان ' اسپين ' ليتهونيا ' استهونيا ' اور فنليند کو بهي ملا ليا - صرف پوليند ابتک فرانس کے زير اثر تها مگر آج کل سر آستن چمبرلين اسے بهي مسحور کر رهے هيں ' اور با خبر لوگوں کو يقين هے که امروز فردا ميں پوليند بهي انگريزي جال ميں پهنس جائيگا -

اس صورت حال نے فرانس کو سخت بد حواس کر ڈالا هے - فرانسيسي مدبر اور اخبار بري طرح انگلستان کو گالياں دے رهے هيں - انهيں صاف نظر آ رها هے که بحر متوسط ميں انگلستان ان کي قوت کس طرح مفلوج کر رها هے اور اٹلي کو آگے بڑها کر انکي قومي هستي کے ليے سخت خطرے پيدا کر دیے هيں -

اخبار " طان " نے اس هفته ايک افتتاحيه شايع کيا هے اور اس ميں انگلستان پر بهت لے دے کي هے - وه لکهتا هے :

" برطانيا يقين کرتا هے که اس وقت دنيا کے امن اور جنگ دونوں کي کنجياں اسي اکيلے کے هاتهه ميں هيں - اس نے خفـ معاهدوں کي قديم سنت پهر زنده کي هے اور پورے يورپ ميں سازش کا جال پهيلا ديا هے - اس وقت فرانس کو پس پشت ڈال کر اس اعتقاد اٹلي پر هے - اٹلي کي رضامندي وه هر قيمت پر خريد رها هے ليکن يه قيمت وه اپني جيب سے ادا نهيں کرتا ' بلکه دوسروں کي جيب پر سودا کرتا هے - سان ريمو کانفرنس سے پہلے هي انگلستان نے اٹلي ايشيا ئے کوچک کا ايک وسيع علاقه رشوت ميں پيش کيا تها - ليکـ ترکي کي قوت نے اٹلي کے حوصلے پست کردیے - پهر جنيوا کانفرنس سـ پہلے اس نے اٹلي کو فرانس کے برابر بحري قوت رکهنے کا حق دے ديا - پهر لندن کانفرنس سے پہلے اٹلي کو ٹيرول کا معاوضه اور تجارتي مراعات ديکر اپنا کرليا تها - سنه ۱۹۲۴ - کے ختم هونے سے پہلے هي گربليند کا علاقه اٹلي کو ديديا گيا - اکتوبر سنه ۲۵ ۱۹ - ميں لوکارنو معاهده هوا - اس ميں اٹلي کو فرانس سے بالا ترجگهه دي گئي ۵ دسمبر سنه ۲۵ - کو اٹالين طرابلس ميں کفره اور جغبوب ' سنوسيوں کے متبرک شهر بهي شامل کردیے گئے - ابهي پورا مهينه بهي گزرنے نـ پايا تها که ۲۹ دسمبر کو افريقا اور ايشيا ميں اٹالين مطالبات پر " دوستانـ غور " کيا گيا - اس کے ايک مهينه بعد ۲۷ - جنوري سنه ۲۶ کو اٹلي کـ جنگي قرضه ميں سے ايک بهت بڑي رقم معاف کردي گئي - ۱۶ اپريل سنه ۲۶ کو اٹالين علاقه اريٹرا اور بهي زياده وسيع کر ديا گيا اور حبش کي بانٹ ميں اٹلي کا ساجها بهي تسليم کرليا گيا - پهر ۷ - اگست ميں اٹلي اور اسپين کے ما بين معاهده کرايا گيا اور انگريزي مدبروں نے اعلان کيا که يه معاهده بحر متوسط ميں سياسي توازن کي بهترين ضمانت اور فرانس کي گردن دبانے کا عمده ذريعه هے - پهر ۲۰ دسمبر سنه ۲۶ کو جب که اٹلي اور فرانس کے تعلقات نهايت کشيده تهے ' جرمني اور اٹلي ميں معاهده پر دستخط ثبت کرا دیے گئے - يه معاهده در حقيقت هجومي دفاعي معاهده هے اور اس نے فرانس کي سلامتي کے ليے شديد خطره پيدا کر ديا هے - اسکے ايک مهينه بعد ۲۰ - جنوري سنه ۲۷ - کو بحر احمر کے عربي سواحل کي تقسيم هوئي اور اٹلي نے جو کچهه مانگا ' انگلستان نے بخوشي ديديا "

" اٹلي کي يه خوشامد ' محض موسوليني کي سياه آنکهوں کے ليے نهيں هے - در اصل انگلستان اسے فرانس کے سر پر اسي طرح سوار کرنے کي فکر ميں هے ' جس طرح اب سے پہلے جرمني کو مدتوں سوار رکهه چکا هے - انگلستان نے يورپ کي تقريباً تمام چهوٹي بڑي سلطنتوں کو پهسلا کر اپنے هاتهه ميں لے ليا فرانس کو چهوٹ بنا کر الگ کرديا هے ... "

اس ايک اقتباس هي سے فرانس اور انگلستان کے تعلقات کي موجوده نوعيت معلوم کرلي جاسکتي هے اور اندازه هو سکتا هے که اس وقت يورپ کي سياست کس طرف جا رهي هے ؟

" یہ تمام مقنن ' یہ تمام فلاسفہ ' یہ تمام شرفاء ' جنھوں نے اِس طرح کي باتیں کہیں ' کیا قانون کي توهین کرنے والے تھے ؟ وہ قانون جو همیشہ وقتي اور مقامي هوتا ہے ؟ میں نہیں جانتا ' سرکاري وکیل کا جواب کیا هوگا ؟ ممکن ہے وہ کہے " هاں توهین کرنے والے تھے " لیکن میں ؟ تو میں یهي کہونگا کہ یہ لوگ ' بازگشت تھے اُس قانون کي ' جس سے بڑا کوئي قانون کبهي موجود نہیں هوا ' یعني " انساني ضمیر " کي بازگشت - کیا اِن لوگوں نے اپنے وقت کي عدالت کو بے حرمت کیا ' وہ عدالت جو تغیر پذیر اور غیر معصوم ہے ؟ هرگز نہیں - وہ تو ابدي عدالت کے طلب گار تھے !

" حضرات ! قانون کي نکتہ چیني کا حق ' سخت سے سخت نکتہ چیني کا حق ' خصوصاً تعزیري قوانین کي نکتہ چیني کا حق ' وہ قوانین جو همارے اخلاق میں وحشت کي تخم ریزي کرتے هیں ' همارا مقدس فرض ہے - اصلاح کے فرض کے پہلو میں یہ فرض ایک نور ہے جو همیں صراط مستقیم دکهاتا ہے - یہ حق جس طرح مقنن کو حاصل ہے ' اُسي طرح انشاء پرداز کو بهي حاصل ہے - یہ حق زلي اور ابدي ہے - آپ اِس کا ضرور اعتراف کرینگے اور ملزموں کو یقیناً ري کر دینگے -

" لیکن سرکاري وکیل کہتا ہے (اور یہ اُسکي دوسري دلیل ہے) ٭ اخبار کي نکتہ چیني ' ضرورت سے زیادہ تهي - سخت تهي - یکن اے حضرات ! ذرا قریب سے معاملے پر نظر ڈالیے - ذرا اِس ام نہاد جرم کو غور سے دیکهیے ! اخبار کا یہ هولناک گناہ روز روشن یں دیکهیے !

" کیا ؟ ... ایک شخص ... اُسے موت کا فتوی سنا دیا ا ... بدنصیب آدمي ! ... ایک دن نور کے تڑکے اُسے میدان ام میں کهینچ لے گئے ... گلوتین ... مہیب گلوتین ' اُسنے اپني کهوں سے قائم دیکهي ... پهر ؟ ... اُس کے خون نے جوش ارا ... اُس نے مقاومت کرني چاهي ... اُس نے مرنے سے اِنکار ... آہ ! یا الهي ! میں خوب جانتا هوں - مجهسے فوراً کہا جائیگا وہ قاتل تها " لیکن ٹهرو ... سنو ' سنو ... اُسے دو جلادوں اُٹهالیا - اُس کے دونوں هاتهہ بندهے تھے - اُس کے دونوں پاؤں ي بندهے تھے - لیکن اُس نے جد و جہد کي - اُس نے اپنے دونوں ندهے هوئے پاؤں ' گلوتین میں ڈال دیے - پهنسا دیے - اُسنے وتین کے خلاف ' خود گلوتین کو استعمال کیا - جد و جهد جاري ي - قوم نے یہ منظر مشاهدہ کیا تو اُس پر خوف چها گیا - دوں نے سخت محنت کي - ایڑي سے چوٹي تک کا زور لگا دیا - ي جد و جهد وحشیانہ تهي ' سنگ دلانہ تهي - اُن کي پیشاني ، آلود اور شرم سے تاریک هو رهي تهي - اُن کا رنگ فق هو رها تها - تهکن سے هانپ رهے تھے - مایوس تھے - میں نہیں کہہ سکتا ' کس ناک خیال نے اُنهیں مایوس کر دیا تها ؟

بے شک قوت قانون کے هاتهہ رهني چاهیے - یہ مسلم ہے - یہ ، الاصول ہے - لیکن ؟ لیکن یہ کہ بد نصیب قیدي ' گلوتین لپٹ گیا تها - رو رو کر معافي کي التجائیں کر رها تها - مگر ؟ مگر ، اُس کے کپڑے اتار ڈالے گئے - اُس کا جسم ننگا کردیا گیا - اُس شانوں پر سے خون کے فوارے اڑنے لگے ... مگر اُس کي جد و جهد ي رهي - آخر پون گهنٹے کے بعد - هاں پون گهنٹے کے بعد (یہاں رکاري وکیل نے هاتهہ کے اشارے سے وقت کي تحدید کو غلط - وکٹر هیگو نے تقریر جاري رکهتے هوئے کہا :) سرکاري وکیل هم

سے لمحوں کا حساب مانگتا ہے - پون گهنٹہ نہ سہي ٣٥ - منٹ - جناب ٣٥ منٹ - اب تو آپ کو کوئي شکایت باقي نہیں ؟ هاں ' ٣٥ منٹ کي خوفناک کشمکش کے بعد ... اُس منظر سے ' جس کا کوئي نام نہیں ... اُس عذاب سے — تمام آدمیوں کا عذاب — آپ اچهي طرح سنتے هیں ؟ ... پوري قوم کے عذاب سے - گلوتیں کے عذاب سے - اِس وحشیانہ عذاب سے ' جس کي مدت ' پوري ایک صدي سے بهي زیادہ طویل هوگئي تهي ' بد قسمت قیدي کو رهائي دي گئي اور وہ قید خانے پہنچا دیا گیا - اُس وقت قوم نے اطمینان کي سانس لي - اُس وقت قوم نے — اُس قوم نے جس کے پاس اب تک انسانیت کا کچهہ بقایا ہے — اُس قوم نے جو رحم دل ہے ' کیونکہ وہ محسوس کرتي ہے کہ وہ خودمختار اور حاکم ہے — هاں اُس قوم نے خیال کیا کہ قیدي کي گلو خلاصي هوگئي -

" لیکن نہیں ' گلو خلاصي ؟ هرگز نہیں ! بلا شبہ گلوتین کو اُس وقت شکست هوئي - لیکن وہ بدستور سر بلند کهڑي رهي !

اُسي وقت نہیں ' وہ هر روز سر بلند کهڑي ہے - تمام انسانوں کي آنکهوں کے سامنے ' اُن کي مرضي کے خلاف ' کهڑي ہے !

" پهر کیا هوا ؟ شام کو جلاد ' قیدي پر ٹوٹ پڑے - اُسے رسیوں اور زنجیروں سے اس طرح باندها کہ ایک بے حس و حرکت لاش بن گیا - اندهیرے میں اُسے میدان میں لوٹا لائے - وہ اب بهي چلاتا تها - روتا تها - خدا کو پکارتا تها - اپنے ماں باپ کو پکارتا تها - زندگي کي دعائیں مانگتا تها - مگر ؟ مگر اُس کا منهہ بند کر دیا گیا - اُسے گلوتین پر چڑها دیا گیا - آہ ... اِس کے بعد ؟ ایک خونچکاں سر ' زمین پر پڑا تها ! اُس وقت انسانیت ' فرط تأثر سے تهرا اُٹهي - قوم کے بدن میں رعشہ پڑ گیا - کیونکہ قانون کے نام پر کبهي کوئي قتل ' اِس قتل سے زیادہ مکروہ اور کمینہ نہیں هوا تها - اُسي وقت هر انسان نے عمیق تأثر کے ساتهہ محسوس کیا کہ وحشت و بربریت نے انسانیت کي پوري توهین اور نیکي کي پوري تذلیل کي ہے !

" عین اُس وقت ایک مرد خدا ' ایک نوجوان ' اپنے دل کي گہرائیوں سے چلا اُٹها - یہ چیخ اُس کي روح کي چیخ تهي - شفقت کي چیخ ' رنج و الم کي چیخ ' رعب و هیبت کي چیخ - وہ چیخ جو انسانیت نے بے چین هوکر بلند کي تهي - لیکن یہ چیخ تمهاري نظر میں جرم ہے ' اور تم اُس پر سزا دینے کي طیاریاں کر رهے هو !

" یہ تمام واقعات سنکر ' یہ تمام جاں گسل تفصیلات سن کر اے حضرات ! آپ بادب گلوتین سے کہینگے " تو حق پر ہے " اور تیوري چڑها کر رحم سے ' مقدس رحم سے کہینگے " تو مجرم ہے " !

" لیکن نہیں اے حضرات ! یہ ناممکن ہے - میں کہتا هوں ناممکن ہے -

" محترم سرکاري وکیل ! میں بغیر کسي تلخي کے کہتا هوں کہ تم کسي حق کي مدافعت نہیں کر رهے هو - تم غلطي پر هو - تم مدنیت کي روح سے برسر پیکار هو - تم ترقي کے اخلاق سے دست بگریباں هو - قلب انساني تمهارا دشمن ہے - ضمیر انساني تمهارا حریف ہے - وہ تمام اصول و مبادي تمهارے مقابلے میں صف بستہ هیں جن کے سایہ میں ساٹهہ برس سے فرانس ترقي کر رها ہے - جنهوں نے دنیا کو وحشت سے نکال کر متمدن دنیا بنا دیا ہے - ان تمام اصول و مبادي کا لب لباب اور نچوڑ یہ ہے کہ انساني زندگي کي حرمت غیر تعلیم یافتہ طبقہ پر برادرانہ شفقت - مذهب

قانون کی تنقید اور قانون کی توھین

تاریخ قوانین مدنیۃ کا ایک صفحہ

وکٹر ھیگو کي تقریر اپنے لڑکے کي حمایت میں

(۲)

" یہ ایک منحوس قانون ھے - یہ قانون ' دنیا کے سامنے ایسے مناظر پیش کرتا ھے جو ادب و حیا سے بالکل خالي ھیں - انسانیت ' شرم و ندامت سے اپنا منھہ چھپا لیتي ھے - خطرناک مناظر ! وحشیانہ مناظر ! یہ قانون ' انسانیت کو وحشت کي طرف واپس لے جانا چاھتا ھے - اُس کي قربانیاں کتني ھي کم ھوں ' مگر حد سے زیادہ خوفناک ھوتي ھیں ! اُس کے نتائج کتنے ھي ھولناک ھوں ' مگر وہ انسانوں کو نکتہ چیني کي اجازت دینا نہیں چاھتا - اگر کوئي حساس ضمیر رکھنے والا نکتہ چیني کي جرأت کرتا ھے ' تو اُس کي جرأت " قانون کي توھین " خیال کي جاتي ھے - اور وہ عدالت کے اندر مجرموں کے کٹھرے میں کھڑا کیا جاتا ھے !

" پھر اِس کے بعد ؟ جرمانہ ! اِس کے بعد ؟ قید خانہ !

" اگر یہي ھے تو آئیے ' ھم پارلیمنٹ بند کردیں - مدرسے بند کردیں - اب ترقي و تمدن کے لیے کوئي گنجائش باقي نہیں رھي - آئیے ' اب ھم اپنے آپ کو " تاتار " اور " تبتي " کہیں - اب ھم متمدن قوم باقي نہیں رھے .

" ھاں اب ھمارے لیے یہي اولیٰ ھے کہ اپنے آپ کو نیم وحشي یا خالص وحشي قوم کہیں - اگر دنیا میں کبھي فرانس نامي کوئي ملک موجود تھا ' تو اب وہ موجود نہیں رھا - تم نے فرانس کو بدل ڈالا ھے - بلا شبہ فرانس ' شاہ پسند نہیں ھے - لیکن میں دعوے سے کہتا ھوں کہ وہ جمہوري بھي نہیں ھے - اب وہ اِن دونوں کے سوا کچھہ اور ھوگیا ھے ! (قہقہہ)

جج — میں دوبارہ تنبیہ پر مجبور ھوں - میں خاموشي کي درخواست کرتا ھوں ' ورنہ ایوان کے خالي کردینے کا حکم دوں گا -

وکٹر ھیگو — (تقریر جاري رکھتے ھوئے) آئیے ھم واقعات پر غور کریں - الزام کو حقائق پر منطبق کریں -

" محترم جج اور جیوري ! ایک وقت اسپین میں محاکم تفتیش تھے ' اور وھي " قانون " تھے ... بہت خوب - لیکن مجھے یہ کہنے دیجیے کہ جو ھولناک سزائیں یہ محاکم تفتیش دیا کرتے تھے ' اُن سزاؤں کا احترام قانون کا احترام نہیں تھا - ایک زمانہ میں ھاتھہ کاٹنا قانون تھا ' لیکن ھاتھہ کٹنے کي کبھي تعظیم نہیں کي گئي - ایک زمانہ میں آگ سے داغنا ' قانون تھا ' مگر اِس فعل کي تقدیس کبھي قانون نہ تھي - اب ھمارے زمانے میں گلوٹین ' قانون ھے ... بہت خوب ... میں دعوے سے اِس حقیقت کا اعلان کرتا ھوں کہ اگرچہ آج گلوٹین قانون ھے ' مگر خود گلوٹین کي کبھي تعظیم نہیں کي گئي اور نہ اس وقت کي جا رھي ھے - میرے آقا ' سرکاري وکیل ! یہ کیونکر ؟ میں ابھي آپ کو اِس سوال کا جواب دیے دیتا ھوں -

" میں کہتا ھوں اس ملک کے باشندے گلوٹین کو بھي نفرت و کراھیت کے اُسي گڑھے میں پھینک دینا چاھتے ھیں ' جس میں اب سے پہلے ' ساري جہان کي تحسین و آفریں کے غلغلہ کے ساتھہ ' آگ سے داغنے ' ھاتھہ کاٹنے ' اور محاکم تفتیش کي سزاؤں کو ابد الاباد تک کے لیے پھینک چکے ھیں -

" باشندے چاھتے ھیں ' عدالت کے بلند اور مقدس چبوترے پر سے اِس سڑے ھوئے منحوس قانون کي لاش اٹھا پھینکیں - کیونکہ یہ عدل و انصاف کے نوراني چہرے کو اپني تعفن اور ظلمت سے بگاڑ رھا ھے .... آہ ... جلاد کا منحوس چہرہ .... !

" چونکہ ھم یہ انساني فرض ادا کرنا چاھتے ھیں اِس لیے ھم پر شورش پھیلانے کا الزام لگایا جاتا ھے -

" ھاں بے شک ھم نہایت خطرناک لوگ ھیں - حد سے زیادہ خوفناک لوگ ! کیوں ؟ اس لیے کہ ھم گلوٹین کي منسوخي چاھتے ھیں ... ! اس سے بھي بڑھ کر کوئي جرم دنیا میں موجود ھے ؟

اخبار .... اِل کے محرر پر الزام ھے کہ اُسنے قانون کا احترام نہیں کیا - حضرات ! تھوڑي دیر کے لیے ھم اِس قانون کي عبارت میں ' بحث سے الگ ھو جائیں ' اور پورے خشوع و خضوع کے ساتھہ اُس قانون کے سامنے کھڑے ھوں جو ھر قانون کي بنیاد ھے - انساني ضمیر کے سامنے ' جو ھر سینے میں محفوظ ھے !

جب " سررن " نے ' جو اپنے عہد میں سرکاري وکیل تھا ' یہ کہا تھا کہ " ھمارے تعزیري قوانین ' الزام کے دروازے کھولتے مگر ملزم کیلیے بند کرتے ھیں " تو کیا اُس نے یہ کہہ کر قانون کي توھین کي تھي ؟

" جب والٹیر نے اپنے زمانے کے ججوں کي نسبت کہا تھا " ... اِن ججوں کا ذکر نہ کرو - اِن میں سے آدھے بندر ھیں اور آدھے چیتے " (قہقہہ) تو کیا اُس نے قانون کي توھین کي تھي ؟

" جب " روئیر کولر " نے ایک قانون کے متعلق خود پارلیمنٹ میں گلا پھاڑ کر کہا تھا " اگر تم یہ قانون بناتے ھو تو میں قسم کھا کر کہتا ھوں کہ میں اِسے توڑ دونگا " تو کیا یہ کہہ کر اُس نے قانون کي توھین کي تھي ؟

پوري کرنے میں کامل آزادي حاصل هوني چاهیے - کسي کو بهي اسکي راہ میں رکاوٹ ڈالنے کا حق نہیں هے - یہ آزادي در حقیقت مذهب استقلال فردي یا مذهب عقد اجتماعي (سوشل کنٹریکٹ) کے ماننے والوں کي آزادي هے - اِن لوگوں کا دعوی هے کہ حکومت کے وجود سے پہلے افراد کو کامل آزادي میسر تهي - پهر اُنهوں نے حاکم اعلی کو اپني آزادي کا کچهه حصہ اِس شرط پر دیدیا کہ وہ اِس کے معاوضہ میں اُنکے حقوق کي حفاظت و حمایت کرے - یہ خیال در اصل سترهویں اور اٹهارویں صدي کے بادشاهوں کے قہر و استبداد کي وجہ سے پیدا هوا - سیاست اُس زمانہ کے علماء نے کہا " حاکم کي قوت و اختیار ذاتي و طبیعي نہیں هے بلکہ رعایا کي بخشي هوئي هے "

غور و بحث کے بعد ظاهر هوجاتا هے کہ یہ آزادي صرف اُسي شخص کو حاصل هوسکتي هے جس کے متعلق فرض کرلیا جائے کہ اُسے ایسي غیر محدود قوت و قدرت حاصل هوگئي هے جس کے ذریعہ وہ اپني هر خواهش بے روک ٹوک پوري کرسکتا هے - اِس آزادي کے دلدادہ کہتے هیں کہ هر فرد کو حق هے کہ اپني تمام خواهشیں جس وقت اور جس طرح چاهے پوري کرلے - اِس آزادي کا تصور ایسي حالت میں هرگز نہیں هوسکتا جب کہ ایک هي غرض کے حصول کے لیے متعدد افراد کهڑے هوں - هر شخص اُسے صرف اپنے هي لئے لینا چاهے - ظاهر هے ' ایسي صورت میں یہ خیالي آزادي قائم نہیں رہ سکتي - ضرور تصادم هوگا - زیادہ طاقتور غالب آئیگا - کمزور مغلوب و محروم رهینگے ' اور اُن کي آزادي سلب هوجائیگي -

(مشروط آزادي)

فرد کو زیادہ سے زیادہ اِتني آزادي مل سکتي هے کہ وہ اپنے تمام افعال میں آزاد هو جب تک کہ دوسروں کي آزادي اُس کي آزادي کي وجہ سے خطرے میں نہ پڑے - فرانس کے انقلابیوں نے بهي اپنے سنہ ۱۸۷۹ ع کے اعلان میں آزادي کي یہي تعریف کي تهي : " آزادي ایک قوت هے جس سے انسان اپني هر خواهش پوري کرسکتا هے بشرطیکہ اُس کي خواهش دوسروں کے لیے نقصان دہ نہ هو " هربرٹ اسپنسر نے بهي آزادي کي تعریف یہ کي هے " هر شخص آزاد هے ' جو چاهے کرے ' بشرطیکہ اپنے فعل سے دوسروں کي آزادي پر دست درازي نہ کرے "

یہ جائز آزادي هے اور حکومت کے ساتهہ جمع هوسکتي هے - بلکہ بغیر حکومت کے اُسکا وجود مشکل هے - یہ آزادي اُسي وقت ممکن هے جب کہ اُس کي پشت پناهي پر ایک حاکمانہ نظام موجود هو - اِس آزادي کي اولین شرط یہ هے کہ دوسروں کي آزادي اور حقوق پر دست درازي نہ هونے پائے - لہذا ایک بالا تر قوت کا وجود لازمي هے جو هر فرد کے حقوق معین کردے ' اُن کي حفاظت و حمایت کي ذمہ دار بن جائے ' اور هر قسم کي زیادتي روک سکے - پس جائز شخصي آزادي' نظام حکومت هي کے ذریعہ پائي جا سکتي هے - اِس آزادي کو سیاسي اصطلاح میں " شهري آزادي " کے نام سے پکارتے هیں -

اِس تفصیل سے ظاهر هو جاتا هے کہ حکومت کا اهم ترین فرض' شخصي آزادي کي ضمانت هے - لیکن اِس بارے میں بهي علماء سیاست کا اختلاف هے - ایک گروہ کا خیال هے کہ حکومت کا فرض صرف اِسي قدر هے کہ افراد کي شخصي آزادي کي دور سے حفاظت کرے مگر خود اُس میں دخل نہ دے - چنانچہ وہ حکومت کے لیے جائز نہیں سمجهتے کہ افراد کے ذاتي معاملات میں کسي قسم کي بهي مداخلت کرے - اُنکے خیال میں افراد کو اپنے بچوں کي تعلیم پر مجبور کرنا ' زراعت کے خاص طریقے جاري کرنے ' کارخانوں کے لیے قواعد قرار دینا ' مزدوري کي شرح مقرر کرنا ' یہ ' اور اِس قسم کے دوسرے کام ' حکومت کے لیے ناروا هیں - وہ کہتے هیں حکومت کو صرف وہ کام کرنے چاهئیں جن سے افراد کي شخصي آزادي محفوظ رهے - مثلاً اُسے فوج مرتب کرنا ' قلعے بنانا ' اور جنگي بیڑے طیار کرنے چاهئیں ' تاکہ دوسري قومیں ملک کي آزادي پر حملہ نہ کرسکیں - اِسي طرح پولیس اور دیواني اور فوجداري عدالتیں وغیرہ رکهنا بهي جائز هے تاکہ افراد کے حقوق محفوظ رهیں - اِس کے مقابلہ میں ایک دوسرا گروہ حکومت پر کوئي پابندي عاید نہیں کرتا - اُس کے خیال میں حکومت کو وہ تمام کام کرنے چاهئیں جنسے افراد یا جماعت کي بهلائي متصور هو -

(وطني اور آئیني آزادي)

علم سیاست میں " استقلال فردي " اور " مشروط آزادي " کے علاوہ ایک قسم " وطني آزادي " کي بهي هے - اِس سے مقصود قوم کي خود مختاري هے - جب کوئي قوم اپني خود مختاري حاصل کرلیتي هے تو کہا جاتا هے ' اُسنے " وطني آزادي " پالي -

آزادي کي ایک چوتهي قسم بهي هے اور اُسے سیاست کي اصطلاح میں " دستوري آزادي " کہتے هیں - اِس سے مقصود یہ هے کہ قوم پر ایک ایسي حکومت قائم هو جسے خود قوم هي نے منتخب کیا هو' اور وہ قوم کے سامنے ذمہ دار اور جوابدہ هو' جیسي کہ ولایات متحدہ امریکا ' فرانس ' اور انگلستان وغیرہ کي حکومتیں هیں -

(سلطنت اور حکومت)

یہاں یہ جاننا بهي مناسب هے کہ سلطنت (اسٹیٹ) اور حکومت (گورنمنٹ) میں کیا فرق هے ؟ سلطنت سے مقصود یہ هے کہ کسي محدود خطہ میں انساني افراد کي کوئي جماعت آباد هو اور اُس پر کوئي حکمراں قوت موجود هو' عام اِس سے کہ حکمراں قوت اکثریت کے هاتهہ میں هو' یا اقلیت کے هاتهہ میں ' یا فرد واحد کے هاتهہ میں - یہ قوت باقي تمام لوگوں پر غالب و حاوي هو - لہذا سلطنت کے موجود هونے کے لیے دو چیزیں ضروري هیں : حکم اور اطاعت - جہاں کہیں حکم کرنے والي قوت اور اطاعت کرنے والي جماعت موجود هو' کہا جائیگا کہ سلطنت موجود هے - یا یوں سمجهو کہ سلطنت ' حاکم اور محکوم کے مجموعہ کا نام هے - رهي حکومت تو وہ اُس شخص یا جماعت کا نام هے جسکے هاتهہ میں حکمراں قوت هوتي هے -

اِس تفصیل سے واضح هوگیا کہ " مشروط آزادي " (اور یہي شهري آزادي هے) کي حفاظت کا ذمہ حکومت کے سر هے - لیکن اگر حکومت کسي مستبد اور ظالم شخص کے هاتهہ میں هوگي تو وہ اپني مرضي کے مطابق افراد کي آزادي اور حقوق پر دست درازي کر سکتا هے - دستوري حکومتوں میں استبداد کا اِتنا خطرہ نہیں هے - لیکن اُن میں بهي شخصي آزادي کي ضمانت یکساں نہیں هوتي - اِس ضمانت کا تعلق براہ راست ' دستور حکومت ' سے هوتا هے - جن ملکوں کا دستور حکومت زیادہ مستحکم هوتا اور مشکل سے بدلا جا سکتا هے ' وهاں شخصي آزادي' سب سے زیادہ محفوظ رهتي هے - یہ اِس لیے کہ اگر دستور حکومت آساني سے بدلا جاسکتا هے تو شخصي آزادي پر بهي آساني کے ساتهہ دست درازي کي جا سکتي هے -

شخصي آزادي

مختلف سياسي مذاهب كي نظر ميں

حال ميں مندرجه صدر موضوع " الحرية الشخصيه " پر ايك نهايت مفيد اور دلچسپ مجموعۂ مقالات مصر ميں شائع هوا هے جس كے مقاله نگاروں نے كوشش كي هے كه اس باب ميں جس قدر مختلف نقطه هاے نظر اور سياسي مذاهب موجود هيں ' انهيں صحت بيان كے ساتهه واضح كر ديا جاے - " شخصي آزادي " كے باب ميں اگرچه بے شمار افكار و آراء موجود هيں ' ليكن اهم اور اصولي مذاهب تين هيں :

(۱) " مذهب تقئيد على الاطلاق " يعني وه مذهب جو كامل شاهيت اور شاهي استبداد كے اعتراف كا نتيجه هے ' اور جو كهتا هے كه كسي فرد واحد كو اپنے مالكوں اور آقاؤں كے خلاف مطالبۂ ازادي كا حق هي نهيں هے -

(۲) " مذهب استقلال مقيد و مشروط " جو اسوقت عملاً تمام اُن ممالك كي هئيت اجتماعيه كا مذهب هے ' جو دستوري يا جمهوري حكومت كے طريقوں پر عامل هوچكے هيں - اس مذهب كے معتقدين شخصي آزادي كا مطالبه هر فرد كا فطري حق قرار ديتے هيں ' مگر ساتهه هي جماعت ' قوم ' اور نظم كے مشترك مقاصد كي بالا تري بهي تسليم كرتے هيں - ان كے اعتقاد ميں هر فرد كو آزاد هونا چاهيے ' ليكن اسي حد تك ' جس حد تك جماعت ' قوم ' اور حاكمانه نظام كا مزاج مواقفت كرے -

(۳) " مذهب استقلال فردي علي الاطلاق " جو فرد كے حقوق آزادي كو اصل قرار ديكر هيئت اجتماعيه كا تمام نظام اُس كے مطابق ركهنا چاهتا هے - اس كے معتقدين اُن تمام قيود اور شرائط كے اعتراف سے انكار كرتے هيں جو كسي حال ميں بهي فرد كي انفرادي آزادي كے خلاف هوں -

پهلا مذهب يكقلم متروك و مهجور سمجها جاتا تها ' ليكن اٹلي كے فيشي سيزم نے پهر اُسے زنده كر ديا هے -

هم اس مجموعه سے پہلے ايك مقاله دوسرے مذهب كي تائيد ميں (جو وقت كا عام اور معمول به مذهب هے) حذف و اضافه كے بعد نقل كرتے هيں - اُس كے بعد تيسرے مذهب كے مويد افكار و مباحث نقل كرينگے تاكه قارئين الهــلال اس اهم موضوع كے تمام اطراف پر نظر ڈال سكيں -

شخصي آزادي كے معنے كيا هيں ؟ لوگوں كو اس كے شرح و بيان ميں سخت ٹهوكريں لگي هيں - شخصي آزادي كا مفهوم عام طور پر يه سمجهه ليا گيا هے كه هر فرد اپني هر طلب بے روك ٹوك پوري كرسكے - اِس غلط فهمي كا بڑا سبب ' حكام كا طرز عمل هے - مطلق العناني اور ذاتي مفاد كے مقابلے ميں رعايا كے فوائد سے بے پروائي ; انهوں نے اپنا شعار بنا ليا - اِس غلو كا نتيجه يه نكلا كه محكوموں ميں بهي غلو پيدا هوگيا ؛ انتهائي استبداد كے مقابلے ميں انتهائي آزادي كا مطالبه شروع هوا - اور اِس طرح شخصي آزادي كا صحيح مفهوم بدل گيا -

اِس غلو نے بالاخر يه اصول پيدا كيا كه " حكومت اور آزادي يك جا جمع نهيں هو سكتي " اِس اصول كے ماننے والوں كا استدلال يه هے كه حكومت سے مقصود ملك ميں ايسے حاكم اعلى كا وجود هے ' جسكي اطاعت تمام افراد كے ليے ضروري هو - وه قانون بنائے ' قانون كي پابندي پر مجبور كرے ' مخالفوں كو سزائيں دے ' محصول لگائے ' رعايا كي مرضي كے خلاف اعلانِ جنگ كردے ' اور قتل و خونريزي كا بازار گرم هوجائے - وه كهتے هيں ' اِس صورت ميں كسي فرد كي بهي شخصي آزادي محفوظ نهيں ره سكتي -

(مذهب استقلال فردي)

اِس اصول كے قائل هر قسم كيُ حكومت كے خلاف هيں - اُنكے خيال ميں حكومت كي موجودگي افراد كو اُنكي كامل آزادي سے محروم كر ديتي هے - وه كهتے هيں ' هر فرد كو اپني خواهشيں

اصلاح جو مذهب انتقام كي جگه قائم هوگيا هے - تمهاري دشمن هر وه چيز هے جو عقل كو روشني بخشتي هے - هر وه چيز جو روح كو ابهارتي هے : يعني دين اور فلسفه - ايك طرف سے (حضرت) مسيح (عليه السلام) اور دوسري طرف سے والٹير !

" حضرات ! اب ميں اپنا بيان ختم كرنا چاهتا هوں - اے ميرے فرزند ! ميري آنكهه كے نور ! ميرے جگر كے ٹكڑے ! هاں اے ميري جان ! ميں تجهي كو مخاطب كرتا هوں - تجهي كو جو مجرموں كے كٹهرے ميں كهڑا هے ! آج تو شرافت و عزت كي ايك عظيم منزل طے كر رها هے - خدا نے تجهے محبت كي نظر سے ديكها اور اِس لائق بنايا كه تو حق كيليے جنگ كرے - مقدس حق كے ليے غم كهائے - تو آج اُس منزل ميں قدم ركهه رها هے ' جو همارے زمانے ميں حقيقي مردانگي كي منزل هے - يعني عدل و انصاف كيليے جنگ - حقيقت كيليے جنگ - عظيم بن جا ! بلند هوجا ! تو كيا هے ؟ عقل انساني اور حقيقي جمهوريت كا ايك معمولي سپاهي ! تو آج اُس جگه بيٹها هے جس پر تجهسے پہلے " برانجيه " بيٹهه چكا هے - تو " لامونيه " كي كرسي پر بيٹها هے - اپنے عقائد ميں كمزور نه هو - يه تجهسے ميرے آخري لفظ هيں - يه ميري وصيت هے ' بشرطيكه تجهے وصيت كي ضرورت هو - غور كر ' تو اِس وقت " لزارك " كي جگه بيٹها هے - آه ميري مسرت ! ميرے لڑكے كو كيسي عزت ملي هے ! . . .

" ميں كهه چكا . . . "

صحیح بخاری کا ایک تاریخی نسخه

(مجدد الدین فیروز آبادی اور دولۂ رسولیه)

انسان کي طرح کتابوں کي بهي زندگي هے - جس طرح انسان پر پیدایش و موت ' اقامت و سفر ' غربت و هجرة ' اور عروج و زوال کے حوادث و ایام گزرتے هیں ' تهیک اسي طرح کے حوادث و ایام سے فکر انساني کي اِن کاغذي مخلوقات کي تاریخ بهي مرتب هوتي هے - ایک شخص دنیا کے کسي خاص حصے میں پیدا هوتا هے ' لیکن سیلاب حوادث اچانک اُسے دنیا کے ایک دور دراز حصے میں پہنچا دیتے هیں جسکا اُسے کبهي وهم و گمان بهي نه هوا هوگا - یهي حال دنیا کي مشهور و معروف کتابوں اور اُن کے تاریخي نسخوں کا بهي هے - سینکڑوں هزاروں کتابیں اور اُن کے نسخے آج دنیا کے مختلف حصوں میں موجود هیں - اگر اُن کي تاریخي حیات پر نظر ڈالي جائے ' تو انقلاب و حوادث عالم کي ایک عجیب و غریب داستان نمایاں هوجایگي - نہیں معلوم انتقال اور تغیر کي کیسي کیسي منزلوں سے گزرنے کے بعد ' وه اپنے مولد و منشاء کي جگه ' ان مقامات میں آج پناه گزیں هو سکے هیں - بهت ممکن هے که ایک کتاب اب سے ایک هزار برس پہلے دنیا کے کسي ایک گوشه میں پیدا هوئي هو ' اور آج دس صدیوں کے اُن انقلابات و تغیرات کے بعد جن سے بے شمار ملکوں اور قوموں کي موت و حیات اور عروج و زوال کي داستانیں وابسته هیں ' دنیا کے ایک دوسرے انتهائي گوشه میں پہنچ گئي هو !

(ایک نسخه کي سوانح حیات)

شیخ ابو اسماعیل ازدي نے دوسري صدي هجري کے وسط میں فتوح الشام کي روایات جمع کیں - صاحب ابن عباد نے چوتهي صدي هجري میں اپنے خزانۂ کتب کے لیے اُس کا نسخه ابن فارس امام لغة و عربیة کي زیر نگراني و تصحیح لکهوایا - پانچویں صدي میں یه نسخه نہیں معلوم حوادث و تغیرات کي کتني منزلیں طے کرکے غزني پہنچا ' اور سلاطین غزنویه کي مواهیر اُس پر ثبت هوئیں - پهر غزني سے نکل کر دشت غربت و مهاجرت کي نئي نئي منزلیں طے کیں ' اور تمام بلاد ایران و عراق طے کرکے مصر جا پہنچا ' چنانچه ساتویں صدي کے اواخر میں شیخ ابو یعلی مصري کا دستخط اُس پر ثبت هوا ' اور نصف صدي تک اسي سر زمین میں مقیم رها - پهر اُس کے بعد یهي نسخه یمن پہنچتا هے ' اور کتب خانۂ شاهي کي مهر اس پر ثبت هوتي هے - نیز بعض سلاطین یمن اسي نسخے پر اِسکي قرأت و درس کي اجازت اپنے شیوخ سے لیتے هیں - پهر یمن سے یه نسخه نکلتا هے ' اور کالي کٹ (مالا بار) پہنچتا هے ' مگر وهاں کي آب و هوا راس نہیں آتي ' اور تهوڑے هي عرصه کے بعد دکن پہنچکر سلاطین عادل شاهي کا مهمان هوتا هے - یہاں عرصه تک مقیم رهتا هے ' لیکن اُس کے بعد پهر طرح طرح کے تغیرات و حوادث پیش آتے هیں - یهانتک که بالاخر یه نسخه سنه ۱۷۹۹ - میں ایک فرانسیسي کے هاتهه لگتا هے اور اب پیرس کے قومي کتب خانے میں محفوظ هے !

کتاب عراق میں پیدا هوئي ' رے میں لکهي گئي ' غزني میں مقیم هوئي ' غزني سے مصر پہنچي ' مصر سے یمن ' یمن سے مالا بار ' مالا بار سے بیجا پور ' بیجا پور سے پانڈي چري ' پانڈي چري سے ایشیا اور یورپ کے تمام بري اور بحري فاصلے طے کرکے پیرس دار الحکومت فرانس میں !

به بیں تفاوت ره از کجاست تا بکجا ؟

(هندوستان کا گذشته دور علم)

اِس سلسله میں هندوستان کا پچهلا دور علم خصوصیت کے ساتهه قابل ذکر هے - یه ملک عربي و اسلامي تمدن کے تمام بڑے بڑے مرکزوں سے بعید و مهجور تها - دمشق ' بغداد ' قاهره ' اندلس ' خوارزم ' شیراز ' رے ' اصفهان ' یمن ' وغیره ممالک ' عربي و اسلامي تمدن کے وقتاً فوقتاً مرکز رهے ' لیکن هندوستان ان میں سے کسي ملک سے بهي متصل اور قریب نه تها - تاهم هندوستان میں وقتاً فوقتاً علوم عربیۂ و اسلامیه کے جیسے جیسے عظیم الشان ذخیرے جمع هوے ' اور عربي علوم کے اصولي نسخوں اور امهات نقل و کتابت کا جیسا قیمتي سرمایه فراهم هوا ' وه کسي طرح بهي اسلامي تمدن کے مرکزي مقامات سے کمتر قرار نہیں دیا جاسکتا ' اور هندوستان کے امراء و علماء کي علمي قدر دانیوں اور علمي مساعي کي حیرت انگیز شهادت بهم پہنچاتا هے - گذشته نو صدیوں کے اندر بے شمار ملکي انقلابات پیش آے - هر انقلاب میں علم و تمدن کا پچهلا ذخیره برباد هوا ' اور نئے ذخیروں کي ازسر نو بنیادیں پڑیں - خصوصاً سترهویں صدي کے ازائل سے لیکر غدر سنه ۵۷ ع کي انقلابي بربادیوں تک کا زمانه تو علمي ذخائر کي تباهیوں کا ایک مسلسل دور تها - بلا مبالغه کها جا سکتا هے که جونپور ' مالوه ' دکن ' دهلي ' آگره ' لکهنؤ ' اور مرشداباد میں نو سو برس کے اسلامي تمدن نے جس قدر ذخائر علم جمع کیے تهے ' اُن کا دو تهائي حصه یکقلم برباد هوگیا ' اور ایک تهائي حصه جو باقي رها ' اُس کا بهي بڑا حصه منتشر هوکر یا تو یورپ پہنچ گیا ' یا گمنام اور مجهول گوشوں میں نا پید هوگیا - با ایں همه آج بهي هندوستان کي فراهم شده کتابوں کا جس قدر سراغ خود ملک کے اندر یا ملک سے باهر لگ سکتا هے ' اُس سے هم اسکي عظمت و کثرت کا وثوق کے ساتهه اندازه لگا سکتے هیں - عربي و اسلامي علوم و فنون کي کوي شاخ بهي ایسي نہیں هے جس کي امهات کتب کے اصولي نسخے (یعنے وه نسخے جو یا تو مصنف کے هاتهه کے لکهے هوے تهے ' یا آئمۂ فن کے درس و مطالعه میں ره چکے تهے اور اسلیے نقل لینے کے لیے زیاده مستند سمجهے جاتے تهے ' یا اسي طرح کي کوئي اَور اهمیت رکهتے تهے) هندوستان نه پہنچے هوں ' اور نه صرف سلاطین و امراء کے کتب خانوں میں ' بلکه ایک ایک قصبه اور قریه کے اندر اُن کي بڑي تعداد موجود نه هو - قران مجید ' صحاح سته ' معاجم و مسانید ' تفاسیر و شروح ' امهات اصول و فقه ' تاریخ و علوم کے وه نسخے جو سلاسل علم کے آئمۂ و اکابر نے حجاز ' عراق ' مصر '

سب سے زیادہ مشکل تبدیلی امریکا کے دستور حکومت کی ہے - اِس تبدیلی کے لیے ضروری ہے کہ ملک کی دو ثلث آبادی کی منظوری لی جائے - یعنی مجلس حکومت کے دو ثلث ممبروں کی رضامندی ضروری ہے - لیکن دوسرے ممالک مثلاً انگلستان میں دستور کی تبدیلی اِتنی مشکل نہیں ہے - وہاں پارلیمینٹ کو اختیار ہے' جب چاہے' تھوڑی سی اکثریت پیدا کرکے بدل ڈالے -

بنا بریں امریکا کا نظام حکومت دنیا کے تمام ملکوں کے موجود نظام حکومت سے زیادہ بہتر اور شخصی آزادی کے لیے زیادہ ضمانت رکھنے والا سمجھا جاتا ہے - یہی وجہ ہے کہ اُس ملک میں جتنی شہری آزادی موجود ہے' اُتنی روئے زمین پر کسی دوسرے ملک میں موجود نہیں - البتہ روس کا نیا انقلاب اس سے مستثنے ہے -

(حکومت اور افراد)

حکومت کو افراد پرکس قسم کا اقتدار حاصل ہونا چاہیے ؟ اِس کے سمجھنے کے لیے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ فرد اور سلطنت یا قوم کے درمیان کیا تعلق ہے ؟

" مذہب استقلال فردی " کے ماننے والوں کا خیال ہے کہ سلطنت یا قوم میں فرد' مستقل مرکزی حیثیت رکھتا ہے' اور یہ کہ تمام افراد نے باہم معاہدہ کرکے اپنے تئیں اِس شرط پر حاکم کے حوالہ کردیا ہے کہ وہ اُن کی شخصی آزادی کی حفاظت کرے اور دوسرے افراد کی دست درازیاں روکے - لہذا حکومت کا اقتدار و اختیار صرف اِسی دائرے میں محدود ہے - یعنی زیادتی کا روکنا - اٹھارویں صدی کے علماء سیاست میں اِس مذہب نے بہت مقبولیت حاصل کی تھی' مگر بعد میں عملاً متروک ہوگیا -

علماء سیاست کا ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ فرد اور سلطنت کا باہمی تعلق ایک مضبوط طبیعی تعلق ہے - یہ تعلق ویسا ہی ہے' جیسا مختلف اعضاء کا جسم سے ہوتا ہے - جس طرح ہاتھ جسم سے کٹ کر باقی نہیں رہ سکتا' اُسی طرح فرد' سلطنت یا قوم سے علحدہ ہوکر زندہ نہیں رہ سکتا - اِس گروہ کا خیال ہے کہ سلطنت اُس وقت سے موجود ہے' جب سے انسان کی جماعتی زندگی کا آغاز ہوا ہے - شروع میں جب انسان ابتدائی وحشت کی حالت میں تھا' تو اُس وقت سلطنت بھی بالکل ابتدائی حالت میں تھی - اُس زمانہ میں قبیلہ ہی سلطنت تھی - کیونکہ سلطنت کی یہ تعریف کہ " حاکم اور محکوم موجود ہوں " قبیلے پر بھی صادق آتی تھی غرضکہ اِس گروہ کا مذہب یہ ہے کہ فرد اور سلطنت میں ہرگز تفریق نہیں ہو سکتی - اِس مذہب کا نام " مذہب عضوی " ہے - اِس مذہب کے بموجب سلطنت میں زندہ جسم کی طرح لگا تار نموء ہوتا رہتا ہے - یہی دائمی نموء' نظام اجتماعی کی ترقی کا باعث حقیقی ہے -

اِس تمثیل سے مقصود یہ نہیں ہے کہ سلطنت ہر اعتبار سے زندہ جسم کے مشابہ ہے - کیونکہ سلطنت کا نموء' اضطراری اور غیر اختیاری نہیں ہے - یعنی اُس کی ترقی میں افراد کے ارادے کو دخل ہے - افراد ہی اپنے ارادے سے اُسے ترقی دیتے اور آگے بڑھاتے ہیں - برخلاف اِس کے حیوانی و نباتی اجسام کے نموء میں اختیار و ارادہ دخل نہیں رکھتا - وہ اضطراری و طبعی طور پر موجود ہوتا اور برابر جاری رہتا ہے -

اِس مذہب نے مذہب " استقلال فردی " کو کافی نقصان پہنچایا ہے - کیونکہ آخر الذکر' فرد کو سلطنت سے الگ حیثیت دیتا اور حکومت کا اقتدار و اختیار محدود کرکے سلطنت کی ترقی و تقدم روکتا ہے - برخلاف اِس کے دوسرا مذہب' افراد اور سلطنت کو ایک ہی جسم قرار دیتا ہے اور اِس طرح اُسے نفع پہنچاتا ہے - اِس مذہب کی رو سے فرد کو جماعت یا قوم کے فائدے کے لیے شخصی نقصان گوارا کر لینا چاہئے - جیسا کہ ہاتھ' سر یا دل کی حفاظت کے لئے اپنا وجود خطرہ میں ڈال دیتا ہے -

اگر افراد اِس مذہب پر ایمان لے آئیں' تو حاکم کے اُن تمام قوانین کی بخوشی اطاعت کرینگے' جن سے اگرچہ شخصی طور پر اُنہیں نقصان پہنچ سکتا ہے مگر وہ جماعت کے لئے مفید ہیں - کیونکہ وہ سمجھینگے کہ قانون' عام فائدہ کے لئے ہے' نہ کہ شخصی فائدہ کے لئے' اور یہ کہ عام مصلحت کے مقابلے میں شخصی مصلحت فنا ہو جانی چاہئے -

لیکن اگر مذہب " استقلال فردی " تسلیم کرلیا جائے تو اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حاکمانہ قوت کا احترام جاتا رہے گا' اور سلطنت کی ترقی رک جائیگی - پھر جب سلطنت کمزور ہو جائیگی تو لازمی طور پر فرد بھی کمزور ہو جائیگا - کمزور سلطنتوں کی یہی حالت دنیا مشاہدہ کر رہی ہے - وہ نہ تو خود خوش نصیب ہیں' نہ اُن میں افراد ہی کو خوش نصیبی میسر ہے - موجودہ علماء سیاست کا خیال ہے کہ تاریخ کے تجربے اور روز مرہ کے مشاہدے ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ " مذہب عضوی " قبول کریں اور دنیا میں اُس کی اشاعت کریں -

یہ نا ممکن ہے کہ دنیا میں کوئی جماعت ایسی موجود ہو سکے جسکی بنیاد مذہب استقلال فردی پر ہو - جماعتوں کی کامیابی و ترقی کے لیے لازمی ہے کہ اُسکے تمام افراد' مذہب عضوی کے ماننے والے ہوں' مجموع میں جذب ہوجائیں' اور عموم کی مصلحت کے سامنے اپنی شخصیت بھول جائیں - یہی ایک طریقہ ہے جس سے انسانی جماعتیں (سیاسی ہوں یا اجتماعی) ترقی کر سکتی ہیں - کوئی انسانی جماعت' انانیت کو اپنا اصول قرار دے کر زندہ نہیں رہ سکتی - کیونکہ یہ نا ممکن ہے کہ تمام افراد کے اغراض اور خواہشیں بالکل متفق و متحد ہو جائیں - یہی باعث ہے کہ جن ملکوں میں حکومت سے بے اعتمادی' مذہب انانیت یا استقلال فردی کے طرف عام میلان پیدا کر رہی ہے' وہاں کوئی بھی مشترک عمل کامیاب نہیں ہوتا - کتنی ہی انجمنیں قائم ہوتی ہیں' شروع شروع میں بڑا جوش و خروش دکھایا جاتا ہے' لیکن پھر بہت جلد کارکنوں میں پھوٹ پڑ جاتی ہے اور پوری تحریک ختم ہو جاتی ہے -

مشرق اِس بیماری کا بری طرح شکار ہوا ہے - اُسکی وطنیت و قومیت فنا ہوگئی ہے' عام مصالح ضائع ہوگیے ہیں' اور جماعتی تحریکوں کی کامیابی کی بہت کم مثالیں نظر آتی ہیں - مشرق کو یہ مہلک مرض درحقیقت مستبد بادشاہوں کی وجہ سے لاحق ہوا - یہ بادشاہ صدیوں تک مشرقی قوموں پر مسلط رہے ہیں' اور اپنے ذاتی اغراض کے لیے جماعتی مصالح برباد کرتے آئے ہیں - نتیجہ یہ ہوا کہ نسلوں کے تجربہ و مشاہدہ کے بعد مشرقی اقوام کے دلوں میں یہ بات جم گئی کہ قومی وحدت بیکار ہے' اور مصلحت عام کے لیے سعی لا حاصل ہے - ہوتے ہوتے اب اُنکی حالت یہ ہوگئی ہے کہ وطنیت' قومیت' عام مصلحت' جماعت' وغیرہ الفاظ کے لیے اُن کے دلوں میں کوئی کشش پیدا ہی نہیں ہوتی -

(یمن کے سلاطین رسولي)

یمن کے خاندان رسولي کا تذکرہ عام تاریخوں میں بہت کم ملتا ھے ' اس لیے لوگ اُن کے ناموں سے آشنا نہیں - اس نسخه کي تاریخ حیات کي توضیح کے لیے ضروري ھے کہ مختصراً اس کا ذکر کر دیا جاے -

یمن میں ساتویں صدي ھجري کے اوائل سے لیکر تقریباً نویں صدي کے درمیاني عہد تک ایک خاص خاندان کے افراد کي حکومت رهي ھے جو " رسولي " کے لقب سے مشہور تھا - یہ لوگ اصلاً ترکمان تھ ' اور ترکمانوں کے قبیلۂ " میجک " سے تعلق رکھتے تھ ' لیکن جب اتفاقات وقت نے یمن جیسے خالص عربي ملک کا حکمران بنا دیا ' تو ضرورت ہوئي کہ کسي نہ کسي طرح اپنا سلسلۂ نسب عرب سلاطین و امراء سے ملادیں - چنانچہ ظاہر کیا گیا کہ اُن کے مورث اعلیٰ جبلہ بن ایہم غساني کي نسل سے هیں جو حضرۃ عمر (رضي الله عنه) کے زمانے میں مسلمان هوکر پھر مسیحي هو گیا تھا ' اور قسطنطنیه چلا گیا تھا - الحاق نسب کي صورت یہ اختیار کي گئي کہ جبلہ عرصہ تک روم میں مقیم رہا - اُس نے اگرچہ مسیحي مذهب اختیار کرلیا تھا ' لیکن اس کا قلب مطمئن نہ تھا - مرتے وقت اُس نے اپني اولاد کو وصیت کي کہ بلاد روم سے نکل کر اسلامي ممالک میں جائیں اور مسلمان هوکر زندگي بسر کریں - وہ ترکمانوں کے قبائل میں آکر مقیم هوگئے - اور اس طرح ان کي عربیت ' ترکمانیت سے مبدل هوگئي !

اس خاندان کا پہلا فرد جو تاریخ میں نمایاں هوتا ھے ' محمد بن هارون بن یوحي رستم ھے - خلفاء عباسیة کے زمانے میں یہ عراق آیا اور تھوڑے عرصہ کے اندر عزت و قبولیت حاصل کر لي - اُس زمانے میں حکومت بغداد کو ایک سفیر و رسول کي ضرورت تھي جو مصر و شام میں احکام خلافت کا مبلغ هو - خلیفہ نے محمد بن هارون کا اس غرض سے انتخاب کیا ' اور اس طرح یہ خاندان پہلے عراق سے شام میں ' اور پھر شام سے مصر میں منتقل هوگیا - بغداد کي سفارت و وکالت کي بنا پر محمد بن هارون " رسول " کے لقب سے پکارا جاتا تھا - یہ تلقب اس قدر مشہور هوا کہ آگے چل کر پورا خاندان " رسول " کي نسبت سے پکارا جانے لگا -

مصر میں جب ایوبیوں کي حکومت قائم هوي ' تو یمن اس وقت مصر کے زیر اثر تھا - انھوں نے وهاں کي ولایت کیلیے توران شاہ بن ایوب کو بھیجا ' اور اسي ساتھ خاندان رسولي کو بھي روانہ کر دیا ' کیونکہ مصر میں انکي موجودگي سیاسي مصالح کے خلاف تھي - عرصہ تک یہ خاندان یمن میں امراء و اشراف کي زندگي بسر کرتا رہا - لیکن ساتویں صدي کے اوائل میں جب ملک ظاہر بیبرس مصر میں حکمراں هوا ' تو یمن میں ایسے تغیرات و حوادث پیش آئے کہ اِس خاندان کو اِمارت سے نکل کر ریاست و فرمانروائي کي تخت نشیني کا موقعہ ملگیا ' اور کچھہ عرصہ کي کشمکش و تنازع کے بعد حکومت مصر نے بھي اس کا استقلال تسلیم کرلیا - اس خاندان کا پہلا حکمراں ملک المنصور نور الدین عمر بن علي بن رسول تھا - یہ سنہ ۶۲۸ - میں مسند نشین هوا ' اور سنہ ۶۴۷ ھ میں اپنے غلاموں کے هاتھوں قتل هوا - یمن کے علاوہ حجاز و حرمین کي حراست و خدمت بھي مصر سے نکل کر اسي حکمران خاندان کے قبضه میں آ گئي تھي -

(ملک الاشرف)

اِسي سلسلۂ حکومت کا ساتواں فرمانروا ملک الاشرف اسماعیل بن عباس بن علي بن داؤد رسولي تھا ' جسکا اُس نسخه کي تحریر میں ذکر ھے ' اور جس کے کتب خانہ سے یہ نسخه نکل کر کسي طرح هندوستان پہنچ گیا ھے -

ملک الاشرف ۲۱ - شعبان سنه ۷۷۸ - ھ میں مسند نشین هوا ' اور سنه ۸۰۳ - ھ میں انتقال کیا - شیخ شرف الدین بن ابي بکر المقري نے مرثیه لکھا تھا ' جسکے اشعار حافظ ابن حجر نے نقل کیے هیں :

هو الدهر کرت بالخطوب کتائبه
و غضت بانیاب حداد نوائبه

تمام مورخین بالاتفاق شہادت دیتے هیں کہ اس خاندان کے تمام سلاطین اهل علم و فضل تھ ' اور علم و فضل کي قدر شناسي میں اپنا عدیل نہیں رکھتے تھ - اس خاندان کا پہلا فرمانروا جس نے حکومت مصر کي نیابت سے ترقي کرکے استقلال و فرمانروائي کي حیثیت حاصل کرلي ' سلطان نور الدین تھا - الخزرجي صاحب عقود اللؤلؤیه (جس کا ذکر آگے آتا ھے) لکھتا ھے کہ اُس کي زندگي کي سب سے بڑي مشغولیت یہ تھي کہ اطراف عالم سے اهل علم و فضل کو یمن و حجاز میں جمع کرے ' اور مدارس و مساجد سے اپني مملکت معمور کردے - مکہ معظمہ ' تعز ' عدن ' زبید ' وادي سہام ' اور تہامہ کے ایک ایک قصبہ میں اُس نے مدرسے اور مسجدیں تعمیر کیں - مکہ معظمہ کا مدرسہ اُس عہد کے تمام مدارس حجاز پر فوقیت رکھتا تھا - زبید میں تین مدرسے الگ الگ تعمیر کیے - مدرسۂ شافعیه ' مدرسۂ حنفیه ' اور دار الحدیث - اِن سب کے لیے اوقاف و محاصل تھ جن سے مدرسین و طلباء کو وظائف دیے جاتے تھ - (جلد اول : ۸۴) ملک المظفر جو اس سلسلہ کا دوسرا فرمانروا ھے ' وہ نہ صرف علوم کا قدر شناس اور مدارس و جوامع کا باني تھا ' بلکہ خود بھي صاحب علم و فضل تھا - تفسیر ' حدیث ' اور طب میں اُس کي مصنفات کا حافظ ابن حجر عسقلاني اور قاضي شوکاني نے ذکر کیا ھے - الخزرجي لکھتا ھے کہ حدیث کي تمام امہات کتب اس نے اپنے قلم سے لکھي تھیں - ان کي تعداد و ضخامت دیکھکر تعجب هوتا ھے کہ حکومت کي آلودگیوں کے ساتھہ علم و کتابت کے لیے اِتنا وقت کیونکر نکل سکا ؟ اُس کے علمي شوق کا یہ حال تھا کہ امام فخر الدین رازي کي تفسیر کبیر جب اُس کي نظر سے گزري تو بعض حصے ناقص اور تشنه محسوس هوے - اُس وقت قاهرہ میں تاج الدین بن بنت الاعز قاضي القضاۃ تھ - انہیں لکھا کہ تفسیر کے مصححه نسخے بھیج دیں - اُنھوں نے چار نسخے بھیجے - لیکن ان سب کا بھي وهي حال تھا - اس پر خیال هوا کہ خود مصنف کے قلم کا لکھا هوا مسودہ دیکھنا چاهیے - چنانچہ ایک سفارت یمن سے هرات بھیجي گئي - اُس نے امام موصوف کے قلم سے لکھا هوا اصلي نسخه بصرف کثیر حاصل کیا - خود سلطان موصوف کي یہ عبارت خزرجي نے نقل کي ھے " میں نے جب یہ اصلي نسخه دیکھا تو میري کاوش دور هوگئي ' کیونکہ اس میں وہ تمام مقامات سادہ چھوڑ دیے گئے تھ ' اِس سے معلوم هوتا ھے کہ مصنف کا ارادہ نظر ثاني کا تھا جو پورا نہ هوسکا " (جلد ۱ : ۲۲۸) جن اهل نظر نے تفسیر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ھے ' وہ سلطان موصوف کي صحت نظر و رائے کي تصدیق کرینگے -

خوارزم ' بلاد فارس ' اور مغرب و اندلس میں لکھے تھے یا انکی تصحیح کی تھی ' نہ صرف دھلي و آگرہ کے شاھي کتب خانوں میں بلکہ جونپور اور اودہ کے قریوں تک میں موجود تھے - یاقوت مستعصمي کے لکھے ہوے مصاحف ' رے اور شیراز کے مجمع قراء و حفاظ کے مصححہ قرآن ' حفاظ حدیث کے لکھے ھوے یا املاء شدہ مجامیع حدیث ' حافظ ابن صلاح اور نو وي جیسے اکابر حدیث کے دستخطي صحیحین ' حافظ ابو الحجاج مزي اور امام ذھبي کي مصححہ صحاح ستہ ' حافظ ابن حجر اور انکے معاصرین کي خود نوشتہ مصنفات ' آگرہ اور دھلي میں اسي طرح ملتی تھیں ' جس طرح بغداد اور قاھرہ میں مل سکتي تھیں !

(پانچ نسخے)

ھندوستان کے مختلف گوشوں میں اب بھي اس پچھلے دور علم کے نشان قدم باقي ھیں - حیرت ھوتي ھے کہ علم و فن کے اُن ذخائر کي کثرت و عظمت کا کیا حال ھوگا ' جو اتني بربادیوں کے بعد بھي بے نام و نشان نہ ھو سکے ؟

ھم چاھتے ھیں' اس سلسلہ میں بعض تاریخي نسخوں کا ذکر کریں - بالفعل پانچ نسخوں کي تاریخ پیش نظر ھے - یہ وہ نسخے ھیں جن میں سے کسي کي زندگي پانچ صدیوں سے کم نہیں ھے اور جن پر انقلاب و حوادث ایام کے بڑے بڑے دور گزر چکے ھیں :

(۱) جامع صحیح بخاري کا نسخۂ رسولي مصححۂ و درسیۂ شیخ مجدد الدین فیروز آبادي صاحب قاموس و سفر السعادۃ -

(۲) صحیح مسلم کا نصف اخیر مصححۂ حافظ ابن الصلاح صاحب مقدمہ - و درسیۂ حفاظ مدرسۂ اشرفیۂ قاھرہ -

(۳) کتاب زاد الرفاق صلاح الدین الابیوردي (المتوفي سنہ ۵۵۷ ھ) مصححۂ مصنف جس پر قاضي الفاضل یعنے قاضي عبدالرحیم بن علي وزیر سلطان صلاح الدین ایوبي کا دستخط ثبت ھے -

(۴) تاریخ مدہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علي الجوزي - مصححۂ شمس الدین یوسف سبط ابن الجوزي -

(۵) مقامات حریري کا نسخہ غرناطہ جو امیر ناصر الدین عسقلاني (المتوفي سنہ ۷۳۳ ھ) کے کتب خانہ میں داخل ھوا - پھر سنہ ۹۷۰ میں دکن پہنچا ' اور دکن سے ایک شائق علم شیخ محمد یوسف نامي نے حاصل کیا -

(جامع صحیح بخاري نسخۂ رسولي)

آج ھم صحیح بخاري کے نسخۂ رسولي کے آخري صفحہ عکس مع مختصر تشریحات کے شائع کرتے ھیں - یہ نسخہ مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب رئیس دھلي کے کتب خانہ میں موجود ھے - اس نسخہ کي تاریخي نوعیت حسب ذیل ھے :

(۱) اصل نسخہ بغداد میں لکھا گیا ھے اور وھاں درس و املا میں رہ چکا ھے -

(۲) بغداد سے شام پہنچا اور متعدد علماء و حفاظ حدیث نے املاء و درس کے وقت اسکي تصحیح کي اور جابجا بین السطور اور حواشي میں اختلاف رواۃ و نسخ کي نسبت فوائد و منہیات کا اضافہ کیا -

(۳) شام سے یہ نسخہ غالباً مصر پہنچا ' اور خاندان رسولي کے امراء مقیمین قاھرہ کے ھاتھہ لگا - جب وہ یمن پر قابض ھوے تو اُن کے ساتھہ یمن پہنچکر شاھي کتب خانہ میں داخل ھوا -

(۴) جب شیخ مجدد الدین فیروز آبادي صاحب قاموس ' یمن پہنچے ' اور سلطان ملک الاشرف رسولي نے اُن سے صحیح بخاري کي اجازت حاصل کرني چاھي ' تو اسي نسخہ پر درس و املاء کا سلسلہ جاري ھوا ' اور اتمام درس کے بعد شیخ موصوف نے اپنے قلم سے ملک الاشرف کے لیے سند و اجازت کي سطور تحریر کردیں -

چنانچہ کتاب کے آخر میں شیخ مجدد الدین کے قلم سے حسب ذیل عبارت مرقوم ھے :

" ...... سماعاً علي لجمیع الصحیح مولانا و مویلنا و خلیفۃ اللہ في عصرنا ' السلطان بن السلطان بن السلطان ' المالک الملک الاشرف ' ممھد الدینا و الدین ' اسماعیل بن العباس بن علي بن داؤد ' خلد اللہ سلطانہ ' و شید بعدلہ قواعد الدین و ارکانہ ؛ في بضع و ثلثین مجلساً من شھر رمضان ' سوي المجلسین الاخرین في شوال ' من عام تسعۃ و تسعین و سبعمائۃ ' و اجزیت روایتہ و روایۃ سائر ما یجوز لي و عني روایتہ بشرطہ - قالہ و کتبہ الملتجي الی حرم اللہ تعالی محمد بن ابي محمد بن محمد بن ابراھیم الفیروزابادي تجاوز اللہ عنہ ' و صلی اللہ علی سیدنا محمد و الہ و اصحابہ و سلم "

تاریخ و عبر

تاریخ اسلام کا نفسیاتی مطالعہ

عہد امویہ کا خاتمہ اور عباسیہ کی تاسیس

تاریخ اسلام کے ابتدائی عہد کے سیاسی دواعی و محرکات

کچھ عرصہ ہوا مرحوم شیخ محمد خضری نے جامعۂ مصریہ میں تاریخ اسلام پر دو سال تک درس دیا تھا جس کا مجموعہ "تاریخ امم اسلامیہ" کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اب اس کا ایک نیا اڈیشن جامعہ نے شائع کیا ہے، جسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے نظر ثانی کر کے کتاب کے متعدد اہم مقامات زیادہ مبسوط اور جامع کر دیئے ہیں، اور ترتیب بحث بھی پہلے سے زیادہ موزوں اور مسلسل ہے۔ بلاشبہ تاریخ اسلام کے مباحث کی سطح اس سے بہت زیادہ بلند ہونی چاہئے جس قدر اس کتاب میں نظر آ رہی ہے۔ تاہم کتاب کی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نئے اڈیشن کے اضافات میں سب سے زیادہ اہم مقام عہد امویہ کے اختتام اور عباسیہ کی تاسیس کے ذہنی دواعی و محرکات ہیں۔ ہم اس کا خلاصہ چند نمبروں میں شائع کر دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس سے تاریخ اسلام کے مطالعہ میں غور و کاوش اور نظر کی راہ باز ہوتی ہے۔

عباس بن عبدالمطلب

عباس بن عبدالمطلب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ یہ بنی ہاشم کے ایک معزز سردار اور مشہور مدبر تھے۔ جاہلیت میں ابو سفیان صخر بن حرب سے ان کی دوستی بہت گہری تھی۔ ظہور اسلام کے بعد رسول اللہ صلعم سے ان کا اخلاص آخری حد تک پہنچ گیا تھا، اگرچہ باقاعدہ مسلمان ایک مدت کے بعد ہوئے۔ رسول اللہ صلعم بھی ان سے بڑی عزت و محبت کا سلوک کرتے تھے۔ یہ خلافت عثمانی میں (۳۲ھ) ۸۸ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔

عبداللہ بن عباس

عبداللہ بن عباس، اپنے والد کے منجھلے لڑکے تھے۔ ہجرت سے ۳ برس پہلے پیدا ہوئے، رسول اللہ کو ان سے بھی بہت محبت تھی۔ آپ نے ان کے لئے تفقہ فی القرآن کی دعا کی تھی۔ حضرت عمر، اُن کی علمیت، عقل، فصاحت کی وجہ سے اُنھیں اپنی مشورت کی خاص مجلسوں میں شریک کرتے، اور باوجود کم سنی کے اُن سے فتویٰ لیتے تھے۔ حضرت عثمان نے اُنھیں ۳۵ھ کے حج کا امیر مقرر کیا۔ حضرت علی کی خلافت میں وہ اُنکے دست راست اور قوت بازو تھے۔ بصرہ کے صوبے کی ولایت (گورنری) بھی اُنھیں ملی تھی۔ امیر معاویہ کی خلافت میں وہ سیاسیات سے الگ ہو کر طائف میں مقیم ہو گئے اور وہیں ۶۸ھ میں انتقال کیا۔

علی بن عبداللہ بن عباس

حضرت عبداللہ بن عباس کی اولاد میں سب سے زیادہ اہمیت، اُنکے سب سے چھوٹے بیٹے، علی، کو حاصل ہے۔ یہ عین اُس دن پیدا ہوئے جس دن امیر المومنین علی علیہ السلام پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اسی مناسبت سے اُن کا نام "علی" رکھا گیا۔ یہ نہایت باوقار، وجیہ، فصیح و بلیغ، اور عالی حوصلہ تھے۔ کہا جاتا ہے، اُس وقت ان سے زیادہ خوبصورت کوئی قریشی موجود نہ تھا۔ اُن کا زہد و عبادت بھی بہت مشہور ہے۔ بنی امیہ نے انھیں [illegible]

یہ وہیں رہے اور اُن کی تمام اولاد بھی وہیں پیدا ہوئی۔ ۱۱۸ھ میں انھوں نے انتقال کیا۔

محمد بن علی

علی بن عبداللہ کے بیٹوں میں "محمد" نے بہت شہرت حاصل کی۔ کیونکہ وہ ابراہیم، ابوالعباس السفاح، اور ابو جعفر منصور کے والد تھے جن سے خلافت عباسی کا آغاز ہوا۔ اسی قدر نہیں بلکہ انھی نے یہ نئی دعوت شروع کی اور اپنے باپ علی بن عبداللہ کی زندگی میں شروع کی لیکن خود علی کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔

عباسی خلافت کا تخیل

اس جلیل القدر خاندان کے تعارف کے بعد اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ عباسیوں میں خلافت حاصل کرنے کا خیال کیونکر پیدا ہوا اور اموی خلافت برباد کر کے اُنھوں نے اپنی شہنشاہی کس طرح قائم کرلی؟

آنحضرۃ (صلعم) کے وفات کے بعد معاملۂ خلافت میں جو اختلاف رائے ہوا، اُس کی تفصیلات معلوم و مشہور ہیں۔ بالآخر جمہور صحابہ نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور اس طرح اس خطرناک اختلاف کا بظاہر خاتمہ ہو گیا۔

لیکن معلوم ہے کہ ایک جماعت ابتدا سے موجود تھی جو خلافت کا حق بنو ہاشم یعنی خاندان نبوت میں محصور دیکھتی تھی۔ اسی جماعت میں حضرت عباس بھی تھے۔ یہ اگرچہ بنو ہاشم میں سب سے زیادہ مسن تھے، مگر کوئی شخص بھی انھیں حضرت علی پر ترجیح نہیں دیتا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام اپنے تئیں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے۔ خود حضرت فاطمہ علیہا السلام کا بھی یہی خیال تھا۔

لیکن بالآخر حضرت علی، حضرت عباس، اور اُن کی تمام جماعت نے جمہور کے فیصلہ پر عمل کیا۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی دونوں گزر گئے۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں خلافت کی بحث نے از سر نو [illegible]

نے حضرت عثمان کو خلیفہ منتخب کر کے اُنکے ساتھ ناانصافی کی ہے۔

حضرت عثمان کے آخری عہد میں حضرت عباس کا انتقال ہوا۔ اُنھوں نے کثیر اولاد چھوڑی، مگر یہ ثابت نہیں کہ اُن میں سے کوئی ایک بھی خلافت حاصل کرنے کا متمنی ہوا ہو۔

حضرت عثمان کی خلافت کے چھٹے سال ایک جماعت میں خیال پیدا ہوا کہ خلافت، حضرت عثمان سے حضرت علی کو منتقل کر دی جائے۔ اس تحریک کے چند داعی، بڑے بڑے اسلامی مرکزوں: کوفہ، بصرہ اور فسطاط (مصر) میں ظاہر ہوئے۔ تحریک کا آغاز اس طرح ہوا کہ حضرت عثمان کے عمال و حکام کی مذمت شروع کی گئی۔ اُن کی برائیاں مشہور کی جانے لگیں۔ ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک کے لوگوں کو یہ باتیں لکھتے اور پھر سب اپنی جماعت کے لوگوں کو مدینہ میں ان حالات سے مطلع کرتے۔ تھوڑی ہی مدت کے بعد تمام اسلامی ملکوں میں حضرت عثمان کے وُلاۃ و حکام بدنام ہو گئے اور عام شکایت پیدا ہو گئی۔ اس کامیابی کے بعد ان لوگوں نے خود خلیفہ کی مذمت شروع کی اور حضرت عثمان پر بہت سے الزام لگائے جن میں سے بعض صحیح تھے اور بعض بالکل بے بنیاد تھے۔ حضرت عثمان کی نرمی طبیعت اور فتنہ و فساد سے حد درجہ احتیاط نے اس مفسد جماعت کے لئے بہت افزا فضا پیدا کر دی تھی۔ اُنھوں نے تینوں اسلامی مرکزوں یعنی کوفہ، بصرہ، اور فسطاط کے شورش پسند جمع کئے، اور فریادی بن کر دارالخلافہ، مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ حضرت عثمان نے غایت درجہ نرمی دکھائی۔ اُن کی تمام شکایتیں تسلیم کرلیں، اور مطالبات منظور کر لئے۔ اس پر بظاہر سب نے رضا مندی اور اطمینان کا اظہار کیا اور اپنے اپنے ملکوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

مگر چند دن بعد صورت حال نے ایک نیا پہلو بدلا۔ مصری وفد جوش و غضب کی حالت میں راستہ سے واپس لوٹا۔ اُس کے پاس ایک خط تھا جس پر حضرت عثمان کی مہر تھی اور اس کا مضمون یہ تھا کہ "مصری وفد قتل کر ڈالا جائے"۔ بیان کیا گیا کہ یہ خط حضرت عثمان نے والیٔ مصر کے نام بھیجا تھا۔ لیکن جب یہ خط پیش ہوا تو حضرت عثمان نے قسم کھا کر کہا کہ نہ تو اُنھوں نے یہ خط لکھا ہے اور نہ اس کے لکھنے کا حکم دیا ہے۔ بلوائیوں نے یقین کر لیا۔ مگر ساتھ ہی اسے مروان بن الحکم کی شرارت قرار دیا اور اُس کے حوالہ کر دینے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمان نے مروان کے حوالہ کرنے سے انکار کیا۔ اس پر اُنھوں نے اُن کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر اُس فعل کے مرتکب ہوئے جس سے تاریخ اسلام کی طبیعت اُس وقت تک قطعاً ناآشنا تھی، یعنی حضرت عثمان قتل کر ڈالے گئے۔ یہ پہلی اجتماعی معصیت تھی جو مسلمانوں سے دنیا میں سرزد ہوئی!

اب خلافت، حضرت علی علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئی۔ آپ نے پس و پیش کے بعد قبول کر لیا۔ لیکن آپ کو ایک دن بھی چین نہ ملا۔ رشتہ نظم و ملت بکھر چکا تھا۔ سرکشی و طغیان کا مادہ سر اُٹھا چکا تھا۔ نزاع و شقاق نے مسلمانوں کا گھر دیکھ لیا تھا۔ مدعیوں سے برابر جنگیں جاری رہیں۔ یہاں تک کہ رمضان ۴۰ھ میں شہید ہو گئے۔

آپ کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام کو اہل کوفہ نے خلیفہ بنایا مگر اُنھوں نے انتہائی دانشمندی اور بے نظیر ایثار سے کام لیکر جس کی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں ہے، مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگیوں کا خاتمہ کر دینا چاہا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اہل عراق بھروسہ کے قابل نہیں ہیں اور اُن کے عظیم الرتبہ والد کے لئے ہمیشہ پریشانیوں کا موجب رہے ہیں۔ اُنھوں نے امیر معاویہ سے صلح کر لی، اور خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ [illegible]

اسي خاندان کا تيسرا حکمران الملک المويد تها جس کي نسبت خزرجي نے تصريح کي هے که اسکي تصنيف مختصرکتاب الجمهرة علماء عصر ميں مقبول و مشهور هے -

ملک الاشرف کے باپ ملک الافضل کا ترجمه حافظ ابن حجر عسقلاني نے درر کامنه ميں درج کيا هے - وه لکهتے هيں علم و فضل کا قدر شناس تها اور خود بهي تمام علوم عربيه و دينيه ميں درجهٔ رسوخ و نظر رکهتا تها - اسکي مصنفات ميں سے يمن کي دو تاريخيں ' تاريخ ابن خلکان کا مختصر ' اور فن انساب ميں بغية ذوي الهمم اس درجه کي کتابيں تهيں ' جنکي اهميت کا تمام اکابر مصر و شام نے اعتراف کيا تها -

خود ملک الاشرف کا (جسکے کتب خانه کا يه نسخه هے اور جس نے اِس پر فيروز آبادي سے سند حديث لي) يه حال تها که مصر ' حجاز ' شام ' عراق ' اور بلاد فارس تک کے علماء کو اُسکي قدر شناسيوں نے کهينچ بلايا تها - اس نے بهي اپنے پيشروں کي طرح بلاد يمن و حجاز ميں متعدد عظيم الشان عمارتيں درس و ترويج علم کيليے تعمير کيں اور بڑے بڑے محاصل انکے مخارج کيليے وقف کر ديے - وه خود بهي صاحب علم و فضل تها اور علوم لغة و ادب اور فقه و حديث کا هميشه اشتغال رکهتا تها - اُس کي علمي قدر دانيوں کا اندازه کرنے کے ليے صرف وهي معاملات کفايت کرتے هيں جو اس ميں اور فيروز آبادي ميں پيش آتے رهے - عربي لغة کي سب سے زياده مقبول و متداول کتاب القاموس اُسي کي قدر دانيوں نے فيروز آبادي سے لکهوائي تهي - چنانچه قاموس کے ديباچه ميں مصنف اِس خاندان کے مدح کرتے هوئے لکهتا هے :

مولي ملوک الارض ' من في وجهه
مقبـاس نور أيمـا مقبـاس

(مجدد الدين فيروز آبادي)

مجدد الدين فيروز آبادي اُن اکابر علم ميں سے تهے جنهيں سلاطين وقت کي فياضيوں نے صف علم کي طرح صف اِمارت ميں بهي ممتاز کرديا تها - اُن کا سنه ولادت ۷۲۹ ھ - هے اور تاريخ وفات ۲۰ شوال سنه ۸۱۷ - ھ گازرون ميں پيدا هوے ' شيراز ميں ابتدائي تعليم حاصل کي - اور عراق اور مصر و شام کے آئمهٔ علوم سے تکميل کي - اُن کے اساتذه ميں وقت کے تمام آئمهٔ علوم مثلاً شيخ تقي الدين سبکي ' ابن مظفر النابلسي ' حافظ علائي ' ابن نباته ' عزالدين ابن جماعة وغيرهم کے نام نظر آتے هيں - امام ابن قيم بهي اُن کے اساتذه ميں هيں - يه اُنهي کے فيض تلمذ کا نتيجه تها که اگرچه اُن کي ابتدائي نشو و نما فقهاء شافعيه کے زير اثر هوئي ' ليکن تقليد کي بندشوں سے آزاد هوگئے ' اور اصحاب تحقيق و اجتهاد کا ذوق و مشرب پيدا هوگيا - چنانچه ان کي کتاب سفر السعادة اور الاسعاد في رتبة الاجتهاد ميں اِس ذوق کي جهلک صاف نماياں هے - اُس عهد کے سلاطين ميں کوئي پادشاه ايسا نهيں هے جس نے اُن کي قدر داني نه کي هو - شاه منصور بن شجاع صاحب تبريز ' ملک الاشرف صاحب يمن ' بايزيد يلدرم ' تيمور صاحب قران ' احمد بن اويس صاحب بغداد ' ناصر الدين محمد شاه دهلي ؛ اِن سب کے درباروں ميں وه پهنچے اور انعام و اکرام سے مالا مال هوے - سنه ۷۹۶ ھ ميں هندوستان سے واپس جاتے هوے سواحل يمن ميں اُترے اور ملک الاشرف سلطان يمن سے ملاقات هوئي - وه ان کے فضل و کمال کا غلغله پهلے هي سن چکا تها - يه موقعه غنيمت تصور کيا ' اور يمن کي اقامت پر اصرار کيا - اُس زمانے ميں يمن کے قاضي القضاة جمال الدين الريمي شارح التنبيه کا انتقال هوگيا تها اور منصب خالي تها يه اس منصب پر مامور هوے اور بيس سال تک يمن کے قاضي القضاة رهے -

(نسخه کي تاريخي توثيق)

خوش قسمتي سے يمن کے خاندان رسولي کي ايک مستقل تاريخ شائع هوگئي هے - يه شيخ علي بن الحسن الخزرجي کي العقود اللؤلؤيه في تاريخ الدولة الرسوليه هے جسے دو دو جلدوں ميں گب ميموريل فنڈ کے امينوں نے قاهره ميں چهپوا کر شائع کيا هے - اس کا اصلي نسخه يمن سے عهد عالمگيري ميں ' هندوستان آيا تها ' اور معتمد خاں عالمگيري کے کتب خانے ميں داخل هوا تها - وهاں سے نکلا اور محمد شاه کے عهد ميں اسکے وزير قمر الدين خاں مذت کے قبضه ميں آيا - قمر الدين خاں کے کتب خانے سے نکل کر وارن هستنگز کے پاس پهنچا - اُس نے انڈيا آفس کے کتب خانے کي نذر کرديا -

اس تاريخ ميں سلاطين رسوليه کے عهد کے واقعات روزنامچه کي طرح تاريخ وار درج هيں - ميں نے اس خيال سے ملک اشرف کے زمانے کے واقعات پر نظر ڈالي که شايد اس نسخه کے درس و املاء کي طرف کوئي اشاره مل جاے - ميرا قياس صحيح نکلا - فيروز آبادي نے صحيح بخاري کے درس و املاء کي جن مجالس کا اپني عبارت ميں ذکر کيا هے ' ٹهيک اُنهي تاريخوں ميں اُسکا ذکر خزرجي نے بهي کيا هے -

سنه ۷۹۶ کے واقعات ميں لکهتا هے :

" ۲۴ رمضان کو يمن ميں امام فقيه علامة القاضي الاجل مجد الدين محمد بن يعقوب الشيرازي پهنچے - سلطان نے انکا بڑا اعزاز و اکرام کيا - چار هزار درهم بطور رقم ضيافت کے پهلے هي دن مرحمت فرماے - اس سے پهلے چار هزار درهم عدن بهيجے گئے تهے تا که عدن سے زبيد تک کے مصارف سفر ميں مدد ديں - شيخ موصوف علوم حديث ' نحو ' لغة ' تاريخ ' اور فقه ميں درجهٔ مشيخت رکهتے هيں - انکي مصنفات ميں سے بخاري کي شرح هے جو نهايت مشرح اور مفيد هے " (جلد ۲ : ۲۶۵)

پهر سنه ۷۹۷ ھ - کے وقائع ميں لکهتا هے که ۶ - ذي الحجه کو شيخ مجد الدين قاضي القضاه مقرر کيے گئے اور سلطان کا فرمان اس بارے ميں شائع هوا - (صفحه ۲۷۸)

سنه ۷۹۹ - ھ کے وقائع ميں لکهتا هے :

" و في شهر رمضان من هذه السنة سمع السلطان صحيح البخاري من حديث رسول الله صلعم على القاضي مجد الدين يومئذ و کان ذا سند عال من طرق شتى " (صفحه ۲۸۶)

اس تصريح سے عبارت مندرجهٔ نسخه کي پوري توثيق هوگئي - معلوم هوگيا که سلطان ملک الاشرف نے فيروز آبادي سے صحيح بخاري کي سند و اجازت حاصل کي تهي ' اور رمضان ميں املاء و سماع کا سلسله جاري رها تها - جو نسخه زير درس و املاء رها ' اور جس پر سند دي گئي ' وه يهي نسخه هے - نهيں معلوم اس نسخه پر ايام و حوادث کے کيسے کيسے تغيرات گزر چکے هيں ؟

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلہم

(۳۰ : ۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق، مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کی یہ تیسری قسط ہے۔ الہلال)

ریاض

ریاض، پایۂ تخت ہونے کی وجہ سے نجد کا سب سے بڑا اور سب سے اہم شہر ہے۔ اُس میں بکثرت بلند عمارتیں موجود ہیں، مگر سب قدیم طرز کی ہیں۔ شاہی خاندان کے محل اپنی وسعت اور خوشنمائی میں ریاض کی تمام عمارتوں سے ممتاز ہیں۔ شہر کے گرد عظیم الشان شہر پناہ ہے۔ پُرانے شرقی وضع کے پھاٹک لگے ہیں اور ضرورت کے وقت مقفل کر دیئے جاتے ہیں۔ ریاض کے چاروں طرف نخلستان پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک مزرعہ خاص خاندان شاہی کا ہے۔ اس میں دو چیزیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوا: ایک گلاب اور دوسری کپاس۔ معلوم ہوتا ہے سلطان ابن سعود نے روئی کے یہ چند درخت اتفاقیہ طور پر نصب نہیں کر رکھے ہیں بلکہ نجد میں روئی کی کاشت جاری کرنی چاہتے ہیں جیسا کہ مجھ سے بعض ارکان حکومت نے اشارۃً بیان کیا تھا۔ اگر سلطان نے یہ کیا تو یقیناً ملک کو بہت فائدہ حاصل ہوگا۔ باشندے مالا مال ہو جائیں گے۔

مدرسے

ریاض میں چند دینی مدرسے موجود ہیں۔ مگر ان کی حیثیت، قدیم مسجدی مکتبوں سے زیادہ نہیں۔ اِن میں بچوں کو ضرورت بھر لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔ نیز پورا قرآن بھی حفظ کرا دیتے ہیں۔ علوم دینیہ کی تکمیل میں لوگ اپنا زیادہ وقت صرف نہیں کرتے۔ بہت تھوڑے آدمی ایسا کرتے ہیں۔ باقی ضرورت بھر تعلیم حاصل کر کے دنیاوی کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں قرآنی احکام کی رُو سے ضروری نہیں کہ تمام لوگ علوم دینیہ حاصل کریں۔ یہ کافی ہے کہ ایک منتخب جماعت اِن میں مشغول رہے۔

مسجدیں

ریاض میں کُل ۶ مسجدیں ہیں۔ اِن میں کوئی زینت و آرائش نہیں ہوتی۔ فرش بھی نہیں ہوتا۔ گنبد بھی نہیں ہیں۔ اکثر میں چھت بھی نہیں ہے۔ جمعہ کی نماز صرف ایک مسجد میں ہوتی ہے۔ خطبہ سننے کا اہتمام اس درجہ شدید ہے کہ بعض لوگ صبح ہی سے آکر منبر کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ مسجدوں میں روشنی بھی زیادہ نہیں کی جاتی۔ ایک دو شمعوں سے کام لیا جاتا ہے۔ نماز فجر کے بعد روز صبح کو موذن، نمازیوں کی حاضری لیتا ہے۔ پہلے دن کی غیر حاضری پر ٹوپی چھین لی جاتی ہے۔ دوسرے دن کی غیر حاضری پر جبہ ضبط کر لیا جاتا ہے۔ تیسرے دن کی غیر حاضری پر جسمانی سزا دی جاتی ہے!

نماز جمعہ کے بعد پادشاہ یا اُس کا نائب، محل شاہی کے ایوان میں نمازیوں سے ملاقات کے لئے بیٹھتا ہے۔ اُس وقت تمام حاضرین کو پہلے چاء اور نجدی قہوہ پلایا جاتا ہے۔ آخر میں بخوردانیاں پھرائی جاتی ہیں جن میں مشک و عنبر سلگتا ہے۔

قصر شاہی

قصر شاہی بالکل عربی طرز کا ہے۔ اُس میں اینٹ چونے کے بڑے بڑے خوبصورت ستون کھڑے ہیں، جن کے نقش و نگار نہایت نظر فریب ہیں۔ دو منزلہ عمارت ہے۔ نچلی منزل میں دعوت کا وسیع ایوان ہے۔ اسمیں بیک وقت سیکڑوں مہمان بیٹھ سکتے ہیں۔ اطراف میں عام لوگوں کے لئے کھانے کے کمرے ہیں۔ نیچے کی منزل، گویا دعوت خانہ ہے۔ بالائی منزل میں وسیع ایوان ہیں۔ ایک ایوان میں خود سلطان کا کتب خانہ اور دفتر خاص ہے۔ ایک اور ایوان، ولی عہد امیر سعود کے لئے مخصوص ہے۔ باقی حصوں میں بڑے بڑے افسروں اور شاہی طبیب کا قیام ہے۔ اسی محل کے متصل ایک اور محل ہے، اور اس میں سلطانہ اور شاہی بیگمیں رہتی ہیں۔ زنانہ خدم و حشم کی تعداد ۴۰۰ ہے۔

سلطان ابن سعود

سلطان عبد العزیز بن سعود، دراز قامت ہیں۔ جسم بھرا ہوا اور ٹھوس ہے۔ رنگ، گندمی ہے۔ آنکھیں چمکیلی ہیں۔ پیشانی، کشادہ ہے۔ عینک استعمال کرتے ہیں۔ غیر معمولی ذہانت، قوت ارادی، عزم و حزم، خوش مزاجی، تدبر، یہ وہ اوصاف ہیں جو سلطان کی صورت دیکھتے ہی آدمی محسوس کر لیتا ہے۔ عمر، ۵۰ کے قریب ہے۔ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں گولی لگی تھی۔ اُس کا نشان اب تک نمایاں ہے۔ وہ ہمیشہ سر جھکا کر چلتے ہیں۔ نجدی وضع کا زرکش جبہ پہنتے ہیں اور اُس کا ایک دامن عموماً، بغل [illegible] دبالے رہتے ہیں تاکہ [illegible] پُوری قوم اُن سے محبت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنھیں اپنی زندگی کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ وہ بغیر کسی محافظ کو ساتھ لئے بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔

پہلی ملاقات

پہلی ملاقات ہی میں سلطان مجھ سے بالکل بے تکلف تھے۔ اُنھوں نے گفتگو میری مزاج پرسی سے شروع کی: "راستہ میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟" "میرے عہدے داروں نے کیسا سلوک کیا؟" "کسی بدو نے کوئی شرارت تو نہیں کی؟" اسی قسم کے بہت سے سوال شروع کر دیئے۔ میں نے اپنے سفر کی تمام روداد سنادی۔ جس قدر میری خاطر تواضع ہوئی تھی، شکریہ کے ساتھ اُس کا بھی ذکر کیا۔ جو کچھ امن و امان میں نے مشاہدہ کیا تھا، اُس کی طرف بھی اشارہ کیا۔ چوری، قزاقی، اور جرائم کی عدم موجودگی پر تعجب کا اظہار کیا۔

سلطان کی گفتگو

میری خاموشی کے بعد سلطان نے کہا:

"الحمد للہ ہمارے ملک میں ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب ہے۔ تمام نجدی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ بلا شبہ فقہ اسلامی میں ۴ مذہب مشہور ہیں۔ لیکن ہمارے خیال میں امام احمد بن حنبل کا مذہب، سنت رسول اللہ سے زیادہ قریب ہے۔ ہمارے عقیدے میں تمام مسلمان، باہم بھائی بھائی ہیں۔ نجد میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے "السلام علیکم" کہدینے کے معنی یہ ہیں کہ دونوں خدا کے امان و سلام میں ہو گئے۔ تمام مسلمان، کلمۂ توحید پر جمع ہیں۔ تمام حبل المتین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اِس بنیاد پر ہماری سلطنت قائم ہے۔ ہم سلطنت کے بھوکے نہیں ہیں اور نہ فخر و غرور اور تن پروری کے لئے حکومت کرتے ہیں۔ زمین، اللہ کی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ نے اپنی یہ امانت ہمارے سپرد کی ہے۔ لہٰذا ہم پُوری کوشش کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ایمانداری کے ساتھ یہ امانت ادا کر دیں۔ ہمیں شرک سے نفرت ہے۔ اگر ہمیں تمام مشرک ملکوں کی فرمانروائی بھی پیش کی جائے تو ہم اسے ہرگز منظور نہ کریں۔ ہم کسی سے بھی لڑائی پسند نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ کفار سے بھی نہیں۔ البتہ اُن کے لئے ہماری یہ دعا ضرور ہے کہ خدا اُنھیں صراط مستقیم دکھادے۔ جب تک وہ ہم سے تعرض نہیں کرتے، ہم بھی اُنھیں نہیں چھیڑیں گے۔ ہم اُن سے دُور رہنا چاہتے ہیں۔ ہم اُن سے تشبہ بھی پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ حتیٰ کہ اُن کا لباس بھی پسند نہیں کرتے۔ حقیقی مُسلم وہ ہے جو اپنے دین کے اصول کی پیروی کرتا ہے۔ جو کوئی کفار کی تقلید کرتا ہے، وہ نہ اپنے دین میں کوئی بھلائی حاصل کر سکتا ہے نہ دنیا میں"

یہ گفتگو، اِس جلیل القدر صحرائی پادشاہ کی ذہنیت پُوری صفائی سے ظاہر کرتی ہے۔ صحراء عرب کے باشندے صدیوں سے قتل و غارت گری اور جرم و گناہ کے عادی تھے۔ صرف صحرا ہی کے نہیں بلکہ حجاز کے باشندے بھی۔ وہ کسی نظام و حکومت کی طاعت کے عادی نہ تھے۔ لیکن یہ اسی سلطان کا تدبر و دبدبہ تھا جس نے اُنھیں اپنے آہنی ہاتھوں سے مطیع کیا اور امن و نظام قائم کر دیا۔

طرز حکومت

نجد کی حکومت، قدیم وضع کی ہے۔ وہاں حکومت، علحدہ علحدہ شعبوں پر منقسم نہیں ہے۔ نہ مجلس حکومت ہے، نہ وزارت ہے۔ پُوری حکومت، خود سلطان کی ذات ہے، اور اُن کا قانون، کتاب و سنت ہے۔ لیکن کیا مجال کہ کسی قسم کی بدنظمی پیدا ہو جائے۔ آمد و خرچ کے تمام حسابات مرتب رہتے ہیں، خود سلطان اُن کی نگرانی کرتے ہیں۔ ایک [illegible]

سپرد کی۔ یہ ولی عہدی کی پہلی بدعت ہے جو بزور شمشیر منوائی گئی۔ یزید کے زمانے میں پھر ابتری پیدا ہوئی۔ اہل مدینہ نے یزید کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ لیکن بُری طرح کچل ڈالے گئے۔ کوفہ نے حضرت حسین علیہ السلام کو دعوت دی۔ مگر عین وقت پر بے وفائی بھی کی اور کربلا کا وہ فاجعۂ کبریٰ پیش آیا جس پر آجتک مورخ کا قلم ماتم کر رہا ہے۔ اسی اثنا میں عبداللہ بن الزبیر نے اپنی خلافت کا علم بلند کیا، اور مکہ معظمہ میں متمکن ہو گئے۔

یزید کی وفات نے عبداللہ بن الزبیر کی قوت بہت بڑھا دی، حجاز، مصر، اور عراق زیرنگیں ہو گئے۔ لیکن بنوہاشم نے اُن کی بیعت سے انکار کیا۔ چنانچہ محمد بن علی (ابن الحنفیہ) اور عبداللہ بن عباس وغیرہ اُن سے برابر برگشتہ رہے۔

اُسی زمانہ میں ایک خودغرض اور چالاک آدمی، مختار بن ابی عبید الثقفی، عراق میں ظاہر ہوا۔ اہل بیت کی حمایت کا دعویٰ کیا اور امام مہدی، یعنی محمد بن الحنفیہ کے لئے دعوت شروع کی۔ یہ وہ وقت تھا جب خاندان علی ابن ابی طالب (علیہم السلام) میں سب سے زیادہ معمر، محمد بن الحنفیہ ہی تھے۔ لیکن مختار کو زیادہ عروج حاصل نہ ہوسکا۔ عبداللہ بن الزبیر نے اپنے بھائی مصعب کی قیادت میں ایک فوج جرار اُس کے مقابلہ پر بھیجی اور اُسے قتل کر ڈالا۔ مختار مغلوب ہوگیا مگر عراق میں شیعیت (یعنی طرفداران خاندان علی کی جماعت) برابر قائم رہی۔

محمد بن الحنفیہ نے بالآخر عبدالملک بن مروان کی خلافت تسلیم کرلی۔ لیکن شیعیان محمد بن حنفیہ اس کے بعد بھی اُنہی کو خلافت کا مستحق یقین کرتے رہے اور اُن کی بیعت کو مجبوری کی بیعت قرار دیا حتیٰ کہ اُن کے انتقال پر ایک گروہ نے اس حد تک غلو کیا کہ اُنکی موت تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ کہا گیا کہ وہ غائب ہوگئے ہیں اور عنقریب واپس آئیں گے۔ چنانچہ اُن کا شاعر السید الحمیری کہتا ہے:

وسبط لا یذوق الموت حتیٰ   یقود الخیل یقدمہا اللوا را

محمد بن الحنفیہ کی وفات کے بعد اُن کی جماعت میں اختلاف پیدا ہوا۔ ایک گروہ اُنھیں زندہ بتا کر اُنہی کی حمایت پر قائم رہا۔ ایک گروہ نے اُن کے بیٹے ابوہاشم کی امامت کا اعلان کیا۔ یہ دونوں جماعتیں "کیسانی" کہلاتی ہیں۔ کیسان، مختار بن ابی عبید کا لقب تھا، اور یہ دونوں اُسی کی طرف منسوب ہیں۔

لیکن ایک تیسری جماعت نے حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اُنکے صاحبزادے زین العابدین علی بن الحسین کی حمایت شروع کی لیکن خود امام زین العابدین کی نسبت ثابت نہیں کہ اُنھوں نے کبھی اپنی خلافت کا دعویٰ کیا ہو۔

اس جماعت کا اعتقاد یہ تھا کہ خلافت حضرت علی کے بعد اُن کی فاطمی اولاد میں محصور ہے۔ اس لئے حضرت حسین کے بعد امام زین العابدین کو حق خلافت پہنچتا ہے، کیونکہ واقعہ کربلا کے بعد اپنے بھائیوں میں صرف یہی ایک زندہ بچے تھے۔ یہی جماعت ہے جو آگے چلکر "امامیہ" کے لقب سے مشہور ہوئی۔ کیونکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کی وصیت کی تھی۔ اُنکے بعد امامت حضرت حسن کی طرف منتقل ہوئی۔ پھر حضرت حسین کی طرف، پھر علی بن الحسین کی طرف اسی طرح ہر زمانہ میں اُمت کے لئے ایک منصوص امام کی موجودگی ضروری ہے اور وہ بنی فاطمہ کی ایک معین شخصیت ہے۔

اُس وقت خاندان عباس میں سب سے بڑے علی بن عبداللہ بن عباس تھے۔ انہی سے عباسیوں نے ظہور کیا۔ یہ حجاز چھوڑ کر حمیمہ نامی مقام میں مقیم ہوگئے تھے۔ انہی کے وقت سے عباسیوں میں خلافت حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ابوہاشم بن محمد بن علی (ابن الحنفیہ) اپنی عمر کے آخری دنوں میں علی بن عبداللہ کے یہاں حمیمہ میں مقیم تھے۔ وفات کے وقت اُنھوں نے خلافت کا حق علی بن عبداللہ اور اُن کی اولاد کو بخش دیا اور اپنے حامیوں کو اُن کی نصرت و حمایت کی وصیت کی۔ چنانچہ اُسوقت سے شیعوں کا کیسانی گروہ علی بن عبداللہ بن عباس کا حامی بن گیا۔

لیکن بنی فاطمہ کے طرفدار شیعوں نے اسے تسلیم نہیں کیا، کیونکہ وہ محمد بن الحنفیہ کی امامت کے قائل نہ تھے۔ حضرت امام زین العابدین کی وفات کے بعد ان میں بھی اختلاف پیدا ہوگیا تھا۔ اُنکے ایک گروہ نے محمد الباقر بن زین العابدین (علیہما السلام) کی امامت پر زور دیا۔ باقی لوگوں نے خلافت کو ہر فاطمی کا حق قرار دیا۔ چنانچہ انہی کی ایک جماعت زید بن علی بن الحسین کی طرفدار ہوگئی اور "زیدی" کہلائی جو آجتک موجود ہے۔

خلافت کے لئے عملی جد و جہد شیعوں کی صرف دو جماعتوں نے کی تھی: کیسانی اور زیدی۔ اول الذکر علی بن عبداللہ بن عباس کے طرفدار ہو گئے تھے، اور آخر الذکر زید بن علی بن حسین اور اُنکے بیٹے یحیٰ کے۔

علی بن عبداللہ بن عباس اور محمد الباقر بن علی بن حسین، دونوں کی وفات تقریباً ایک ہی وقت میں ہوئی۔ اول الذکر کے حامی کیسانی شیعہ، اُنکے بیٹے محمد بن علی کے مددگار بن گئے، اور آخر الذکر کے حامی امامیہ شیعوں نے اُن کے بیٹے جعفر الصادق (علیہ السلام) کو امام تسلیم کرلیا۔ مگر آخری جماعت نے کوئی عملی اقدام نہیں کیا تھا۔

داعی اوّل

اب خاندان عباس بن عبدالمطلب کے سرگروہ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس تھے۔ یہ بڑے عاقل اور دُور اندیش تھے۔ انھوں نے خیال کیا کہ سلطنت، ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں اچانک منتقل نہیں کی جاسکتی۔ اس کے لئے عام رائے میں تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ انھوں نے جلدبازی سے پرہیز کیا، اور سکون و صبر سے دعوت پھیلانے کا سامان مہیا کرنا شروع کیا۔ انھوں نے اپنے حامیوں کو حکم دیا کہ اہل بیت کے لئے خلافت کی دعوت عام کریں مگر اہل بیت میں سے کسی خاص آدمی کا نام نہ لیں، کیونکہ اوّل تو جس شخص کا نام لیا جاتا، اُس کی جان خطرہ میں پڑ جاتی۔ ثانیاً اہل بیت کا نام شیعیان اہل بیت کی تمام جماعتوں کو متحد کر دیتا تھا، مگر خاندان و شخص کے تعین سے اختلاف و نزاع شروع ہو جاتا۔

انھوں نے انتہائی سیاسی دانشمندی سے اپنی دعوت کے لئے خراسان منتخب کیا۔ کوفہ چونکہ قدیم سے شیعان اہل بیت کا صدر مقام تھا لہٰذا اُسے مرکز قرار دیا۔

خراسان میں اس دعوت کی کامیابی کے دو بڑے سبب ہوسکتے تھے: ایک یہ کہ عجمی مسلمان، شیعی تخیل کو بآسانی سمجھ سکتا تھا، کیونکہ شیعی تخیل یہ ہے کہ خلافت، رسول اللہ صلعم کے اہل بیت میں منتقل ہونا چاہیئے۔ عجمی مسلمان چونکہ عربی عصبیت اور قرشی قبائل کی منافست سے متاثر نہ تھا، اس لئے اُس کی عقل میں مسئلہ خلافت کا بہترین حل یہی ہوسکتا تھا کہ پیغمبر کی خلافت، پیغمبر کے خاندان ہی میں ہو جیسا کہ تمام عجمی شاہی خاندانوں کا دستور تھا کہ بادشاہ کے بعد اُسکا وارث اُس کا بیٹا ہوا کرتا تھا۔

دوسرے یہ کہ ایران ایک قدیم تمدن اور شاندار تاریخ کا مالک تھا۔ بنی اُمیہ نے اس ملک سے غلاموں کا سا برتاؤ کیا تھا۔ ایرانی عنصر، عربی عنصر کے سامنے بالکل حقیر کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا ایرانیوں کو قدرتی طور پر یہ خواہش تھی کہ موجودہ خلافت ختم ہو، اور اُن کی امداد و اعانت سے نئی سلطنت قائم ہو، تاکہ اُنھیں قومی عزت و عروج حاصل کرنے کا نیا موقعہ مل سکے۔

ابن الفقیہ نے "کتاب البلدان" میں لکھا ہے کہ جب محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس اپنے دعاۃ بھیجنے لگے تو اُن سے کہا:

"کوفہ، علی (علیہ السلام) اور اُن کی اولاد کی محبت میں سرشار ہے۔ بصرہ، عثمانی ہے اور امن و امان کا قائل ہے۔ وہ کہتا ہے قاتل نہ بنو، مقتول بن جاؤ۔ جزیرہ، گمراہ حروری (خارجی) ہے، وحشی بدوؤں اور نصاریٰ کے سے اخلاق والے مسلمانوں سے لبریز ہے۔ شام، آل ابی سفیان کے سوا کسی کو نہیں جانتا۔ بنی مروان کی اطاعت، شدید جہالت، سخت کینہ اُس کے خمیر میں ہے۔ رہا مکہ اور مدینہ تو اُن پر ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کا غلبہ ہے۔ لیکن ہاں خراسان کے دروازے تمھارے سامنے کھلے ہیں۔ وہاں عظیم آبادیاں ہیں، دلاں شجاعت ہے۔ سلیم سینے ہیں۔ خالی دل ہیں، خواہشوں نے اُنھیں ٹکڑے نہیں کیا ہے، مفاسد نے اُنھیں بگاڑا نہیں ہے۔ وہ ایسی فوج ہیں جو توانا اور تنومند ہے، بھاری جسم، چوڑے شانے، اونچے قد، بڑے سر، داڑھیاں اور مونچھیں، ہولناک نعرے، شاندار زبانیں، میں مشرق سے نیک فال رکھتا ہوں، جہاں سے دُنیا کی شمع طلوع ہوتی اور مخلوق کا نور ظاہر ہوتا ہے"

خفیہ انجمن کا قیام

یہ خفیہ انجمن، علی بن عبداللہ بن عباس ہی کی زندگی میں قائم ہوئی یہ زمانہ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اس کے دو مرکز قرار دئے گئے: کوفہ اور خراسان۔ کوفہ میں علی بن عبداللہ کا غلام میسرہ مقرر کیا گیا اور خراسان میں محمد بن خنیس اور ابوعکرمہ سراج بھیجے گئے۔ نیز بارہ داعی یا النقیب منتخب ہوئے۔ اُن کے نام حسب ذیل ہیں:

(١) سلیمان بن کثیر الخزاعی
(٢) مالک بن الہیثم الخزاعی
(٣) طلحہ بن زریق الخزاعی
(٤) عمرو بن اعین الخزاعی
(٥) عیسیٰ بن اعین الخزاعی
(٦) قحطبہ بن شبیب الطائی
(٧) لاہز بن قریظ التمیمی
(٨) موسیٰ بن کعب التمیمی
(٩) القاسم بن مجاشع التمیمی
(١٠) ابوداؤد خالد بن ابراہیم الشیبانی
(١١) ابوعلی الہروی شبل بن طہمان الحنفی
(١٢) عمران بن اسمٰعیل المعیطی

ان کے علاوہ ٧٠ آدمی اور مقرر کئے گئے۔ ان کا کام یہ تھا کہ ان بارہ نقیبوں کے حکم پر عمل کریں۔ محمد بن علی نے ان سب کے لئے ایک تحریر لکھ دی جو بمنزلۂ وصیت اور دستور العمل کے تھی۔

دوسری صدی ہجری کے آغاز سے دعوت شروع ہوئی اور ١٣٢ھ تک جاری رہی۔ یہی وہ سال ہے جس میں عباسیوں نے کامیابی حاصل کی اور ابوالعباس السفاح کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی۔

بریدِ شرق

مکتوبِ مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

فقید الشرق احمد سعد زغلول پاشا مرحوم

ذیل کی مراسلت معمول سے زیادہ طویل ہے۔ ہم نے بڑا حصہ حذف کر دیا ہے۔ اسپر بھی ہمیں خوف ہے کہ یہ آجکی اشاعت کا بڑا حصہ روک لے گا۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ حادثہ کی غیر معمولی اہمیت اور شخص موضوع کی عظمت دیکھتے ہوئے ضروری ہے کہ اس کے لئے خصوصیت کے ساتھ جگہ نکالی جائے۔

مصر میں اس ہفتہ اہم ترین واقعہ، احمد سعد پاشا زغلول کی بالکل غیر متوقع وفات ہے۔ عین اُسوقت جبکہ میں اُن کی بحالیِ صحت، اور شاہ مصر کی سیاحت انگلستان، کے نتائج پر بحث کرنا چاہتا تھا، اچانک یہ حادثۂ جانکاہ پیش آگیا۔ حیران ہوں اپنا یہ مکتوب کس طرح شروع کروں؟ مرحوم کی سوانح عمری بیان کروں؟ اُن نقصانات کا ذکر کروں جو اس واقعہ سے مصر کو پہنچ سکتے ہیں؟ اُن کے جنازہ کے شاندار جلوس کا ذکر کروں؟ اُنکی جلیل القدر حرم کا ماتم لکھوں؟ وہ نوحہ و بکا بیان کروں جو اسوقت تمام ملک میں برپا ہے، جس کا شور میں ان سطور کی تحریر کے وقت بھی سُن رہا ہوں، اور جس کا بیان یقیناً میری قدرت سے باہر ہے۔ میں شارع درب الجمامیز میں مقیم ہوں۔ میرے پڑوس میں جتنے مکان ہیں، ماتمی آثار و علائم سے غمناک ہیں۔ عورتوں اور بچوں تک کے چہرے انکے دلی حزن و ملال کی شہادت دے رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا قاہرہ کے ہر گھر میں اس کے کسی قریبی عزیز کا ماتم پیش آگیا ہے۔

آغازِ مرض

۱۵ر اگست کو مرحوم کے کان میں خفیف سا التہاب ظاہر ہوا اور بالآخر یہی شکایت مہلک ثابت ہوئی۔ وہ اپنے دیہاتی مقام "مسجد وصیف" میں مقیم تھے۔ مرض کی نوعیت دیکھ کر ڈاکٹروں نے رائے دی کہ فوراً قاہرہ واپس آجائیں۔ چنانچہ قاہرہ لائے گئے اور یہاں کے اطباء سے معائنہ کرایا گیا۔

قاہرہ پہنچ کر طبیعت بحال ہوگئی تھی۔ لیکن گزشتہ دوشنبہ کو مرض نے از سرِ نو حملہ کیا۔ بارہ بجے رات کو دائیں پہلو میں درد محسوس ہوا۔ منگل کے دن حرارت برابر بڑھتی رہی۔ صبح ۹ بجے مرحوم نے اپنی حرم سے اچانک کہا "میں ختم ہوگیا!" یہ کہتے ہی زبان بند ہوگئی، اور اسی دن یعنی ۲۳ر اگست کی رات کو ۱۰ بجے طائرِ روح پرواز کر گیا!

انا للہ وانا الیہ راجعون!

خبر کیونکر مشہور ہوئی؟

وفات کے دن صبح ہی سے مرحوم کے مکان میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ وفات کے وقت ڈاکٹروں کے علاوہ مرحوم کے وفادار مرید اور بھانجے فتح اللہ پاشا برکات بھی بسترِ مرگ کے پاس موجود تھے۔ وفات کے بعد ہی وہ نیچے کی منزل میں اُتر کر آئے۔ حاضرین نے دوڑ کر حالت دریافت کی۔ مگر وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ سب حیرت میں تھے اور طرح طرح کے قیاسات لگا رہے تھے۔ اسی اثناء میں اوپر سے رونے کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اسپر حاضرین دوبارہ فتح اللہ پاشا کی طرف دوڑے۔ وہ اب بھی چپ تھے۔ لیکن اُنھوں نے زور سے اپنے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ مارے۔ یہ اشارہ کافی تھا۔ ایک لمحہ کے لئے سب پر سناٹا چھا گیا۔ پھر یکبارگی سب کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ یہ حادثہ ایسا دل ہلا ڈالنے والا تھا کہ رونے پر کسی کو ملامت نہیں کی جاسکتی تھی۔ کہرام مچ گیا تھا۔ عین اُسوقت ڈاکٹر شفیق اوپر سے اُتر کر آئے اور مضبوط آواز میں چلائے "سوگوار بیوہ پر رحم کرو! تمھارا رونا اُسے ہلاک کر ڈالے گا۔ سعد مرگئے، لیکن اگر تم چاہو تو اُنھیں اپنے دلوں میں ہمیشہ زندہ رکھ سکتے ہو"

مگر یہ وقت نصیحت سننے کا نہ تھا۔ نالہ و بکا برابر بلند رہا۔ قرب و جوار کے لوگوں نے سُنا تو اُن پر بھی یہی حالت طاری ہوگئی۔ چشم زدن میں یہ مشئوم خبر تمام شہر میں پھیل گئی۔ اب کوئی نہ تھا جو اس حادثۂ قوم و ملت پر ماتم نہ کرتا ہو!

اُسی وقت تار کے ذریعہ تمام دُنیا میں خبر پھیل گئی۔

سعد پاشا کی بیوہ

سعد پاشا کی وفات پر اُن کی بیوی کا جو حال ہوگا، ظاہر ہے۔ مصر میں ان دونوں کی محبت ضرب المثل اور تمام مردوں اور عورتوں کے لئے نمونہ تھی۔ سعد پاشا کو اُن سے اس درجہ محبت تھی کہ اگرچہ اُن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی مگر اُنھوں نے کبھی دوسری شادی کا خیال نہیں کیا۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ مرحوم نے اپنی تمام دولت اور جائداد بھی اپنی بیوی کو باضابطہ ہبہ کر دی تھی۔ ظاہر ہے، ایسے وفادار شوہر کی موت اور پھر اُس شوہر کی موت جس کی عظمت ساری دنیا تسلیم کرتی تھی، اُس کی بیوی کے لئے کیسی عظیم مصیبت ہوگی؟ اور ہر کئی سال سے یہ معزز خاتون بیمار ہے۔ ڈاکٹروں نے سختی سے ممانعت کر دی تھی کہ مریض کی خدمت میں حصہ نہ لے۔ مگر اُسنے صاف انکار کر دیا۔ وہ اس قدر ناتواں تھی کہ بہ مشکل چل سکتی تھی۔ اسپر بھی تیمارداری میں ہمہ تن مشغول رہتی تھی!

اخبارات نے وہ موثر مناجات شائع کر دی ہے جو بیوہ نے اپنے متوفی شوہر کی نعش کو مخاطب کر کے کی تھی۔

مجلس وزراء

اطلاع پاتے ہی مجلس وزراء کا ایک فوری جلسہ منعقد ہوا اور اُسنے قوم کے نام حسب ذیل اعلان شائع کیا:

"وزارت، انتہائی رنج و الم کے ساتھ مصری قوم کو اُس کے عظیم رہنما، سعد پاشا زغلول کی وفات کی جانکاہ خبر پہنچاتی ہے۔ مختصر بیماری کے بعد موت کے بے پناہ ہاتھ نے قوم کے رہنما، اُس کی اُمیدوں کے مرکز، اُس کی بیداری کے قائد، اُس کی حمایت کے علم بردار کو ذرا بھی مہلت دئے بغیر چھین لیا۔ خدا مرحوم پر اپنی رحمت نازل کرے اور قوم کو صبر جمیل عطا فرمائے"

جنازہ

رات بھر مرحوم کے مکان میں زائرین کا ہجوم رہا۔ دوسرے دن صبح ۹ بجے تمام وزراء اور سفراء دول بھی پہنچ گئے۔ بارہ بجے دن کو نعش بالائی منزل سے نیچے لائی گئی۔ اُسپر صرف کفنی تھی۔ کوئی قیمتی چادر نہ تھی۔ نیچے آتے ہی پھولوں کی بارش شروع ہوگئی بے شمار ٹوکرے پھولوں سے بھرے ہوئے، لوگ اپنے ساتھ لائے تھے نعش دیکھ کر ایک مرتبہ پھر گریہ و بکا برپا ہوگیا!

اب مصری فوج بھی پہنچ چکی تھی۔ جنازہ سرکاری طور پر اُٹھنا طے پایا تھا۔ تمام سرکاری عہدے دار، امراء، وزراء، سفراء، پارلیمنٹ کے ممبر، مسلمان، قبطی، رومی، ارمن، یہودی فرقوں کے علماء، کاہن، ربّی، اور احبار اپنے اپنے خاص لباس میں موجود تھے۔

جب تمام طیاریاں مکمل ہوگئیں تو سعد پاشا کی بیگم سیاہ نقاب منہ پر ڈالے برآمد ہوئیں۔ وہ ضعف سے چل نہیں سکتی تھیں۔ کئی عورتوں کے سہارے وہ اپنی موٹر تک پہنچیں، مگر بیٹھنے سے پہلے ہی بیہوش ہوگئیں۔ فوراً منعش دوائیں دے کر اُنھیں ہوش میں لایا گیا۔ اب وزراء اور فوجی افسروں نے نعش اپنے کاندھوں پر اُٹھائی اور توپ کی گاڑی پر رکھی۔ اسوقت کا منظر ناقابل بیان ہے معلوم ہوتا تھا، مصر کا آسمان و زمین ماتم کر رہا ہے۔ رونے والی عورتوں اور مردوں کی چیخیں باہم مل گئی تھیں۔ کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ نہیں معلوم رونے والوں میں کتنی قوت پیدا ہوگئی تھی، اور اُن کی آنکھوں میں آنسوؤں کے کتنے دریا سما گئے تھے کہ نوحہ و بکا کا سلسلہ کسی طرح بھی رُکنے پر نہیں آتا تھا!

مصری علم

اسوقت محبت و عقیدت کا ایک جھگڑا پیش آگیا۔ فوج کے افسروں نے نعش اُٹھانے سے پہلے کہا "جنگی روایات کی رُو سے ضروری ہے کہ مرحوم کی نعش پر مصر کا فوجی پرچم ڈالا جائے"، ساتھ ہی اُنھوں نے اپنا پرچم پیش بھی کر دیا۔ مگر مرحوم کی بیوہ نے اس سے انکار کیا۔ اُنھوں نے ایک ریشمی علم پہلے سے طیار کر لیا تھا۔ اُنھوں نے اصرار کیا کہ نعش اسی میں لپیٹی جائے۔ مجبوراً افسروں کو اپنی ضد سے باز رہنا پڑا۔

اس کے بعد ملکی افسروں نے کہا "مرحوم کے تمام تمغے اُن کی نعش پر رکھے جائیں، کیونکہ وہ ہماری جماعت کے آدمی تھے" مگر بیگم زغلول نے اس سے بھی انکار کیا۔ اُنھوں نے کہا "سب سے بڑا تمغہ مصری علم ہے۔ اس تمغہ پر کوئی دوسرا تمغہ نہیں رکھا جاسکتا"

جوں ہی نعش توپ پر رکھی گئی، منادی نہایت ہی بلند آواز سے چلایا "لا الٰہ الا اللہ ـــ البقاء للہ" ہر طرف سے نعرے بلند ہوئے "رحمک یا سعد!" عورتیں چلائیں "فلتحی ذکری سعد!"

بادشاہ نے حجاز میں آکر حکومت کی وضع دوسری کردی ہے۔ حجاز کی حکومت دفتری نظم کی حکومت ہے۔ وہاں کے لئے نجد کی سی حکومت موزوں نہ تھی۔

سلطان کی فیاضی

ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ مسلسل تین سال کی غیر حاضری کے بعد سلطان اپنے دارالسلطنت میں واپس گئے تھے۔ وہ ہم سے ۲ دن پہلے ریاض پہنچ چکے تھے۔ تاہم ہم نے اپنی آمد پر دیکھا کہ شہر مسرت و انبساط کے مؤثر نظاروں سے لبریز ہے۔ بے شمار وفد، نجد کے گوشہ گوشے سے آئے ہوئے تھے اور عقیدت و خلوص کا اظہار کر رہے تھے۔ دوسری طرف سلطان کی فیاضیوں کا دروازہ کھلا تھا۔ کوئی نہ تھا جسے وہ اُس کی توقع سے زیادہ نہ دے رہے ہوں۔ اُن کی سخاوت دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا "یقیناً یہ ایک ایسا آدمی ہے جو نہ دولت سے محبت کرتا ہے نہ فقر و فاقہ سے ڈرتا ہے"

ملوکیت نجد کا اعلان

خوش قسمتی سے میں اُس تاریخی جلسہ میں بھی شریک ہوسکا جو سلطان ابن سعود کو "ملک نجد" بنانے کے لئے منعقد ہوا تھا۔ نجدیوں نے یہ دیکھ کر کہ سلطان ابن سعود اب ملک الحجاز ہوگئے ہیں۔ پسند کیا کہ اپنے ملک کے لئے بھی اُن کا یہی لقب قرار پاجائے۔

سلطان کی لڑکی کا عقد

اسی طرح ایک اور جلسہ میں بھی مجھے شرکت کا موقعہ ملا۔ یہ سلطان کی بیٹی شاہزادی "سارہ" کی شادی کا جلسہ تھا۔ امیر فیصل ابن سعد سُلطان کے بھتیجے سے اُن کا عقد ہوا ہے۔ مجھے دیکھ کر تعجب ہوا کہ نجد میں شادیاں کس قدر سادہ ہوتی ہیں۔ یہ خود سلطان کی لڑکی کی شادی تھی۔ مگر اس میں نہ کوئی اسراف تھا نہ دھوم دھام تھی از حد سادہ تقریب تھی۔ قصر شاہی کے ایوان میں فرش بچھا دیا گیا تھا۔ کھانے چنے گئے۔ دعوت ولیمہ کے بعد سلطان کے حکم سے ۵۰۰ بکریاں ذبح کی گئیں اور عام دعوت شروع ہوگئی۔ اس میں امیر غریب کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ہر کس و ناکس مدعو تھا۔

تجارت و زراعت

ریاض کے باشندے عام طور پر تجارت پیشہ ہیں۔ احساء، کویت اور بحرین سے مال لاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ نجد کی ایک بڑی تجارت، موتی کی تجارت ہے۔ غواصی میں نجدیوں نے خاص شہرت حاصل کرلی ہے اور کافی دولت حاصل کرتے ہیں۔ ریاض کے اطراف میں زراعت کم ہے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ تجارتی شہر ہے نہ کہ زرعی۔

سُلطان کے معمولات

سُلطان کے معمولات یہ ہیں کہ کچھ رات رہے سے بیدار ہوجاتے ہیں۔ لیکن اپنے کسی خدمتگار کو بھی اتنے سویرے اپنی خدمت کے لئے نہیں بلاتے خود ہی پانی لیتے ہیں۔ وضو کرتے ہیں۔ تلاوت کرتے ہیں۔ فجر کی اذان سُن کر مسجد جاتے ہیں۔ نماز کے بعد محل واپس آتے ہیں۔ اپنے خاندان کے ساتھ ناشتہ تناول کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے دفتر میں آ بیٹھتے ہیں خطوط پڑھتے ہیں۔ سرکاری کاغذات ملاحظہ کرتے ہیں۔ احکام لکھتے ہیں طلوع آفتاب کے ایک گھڑی بعد تک یہی مشغولیت رہتی ہے۔ پھر ایوان عام میں تشریف لاتے ہیں۔ یہاں خاص لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں پھر اخوان کے وفد حاضر ہوتے ہیں۔ اُن سے بڑی ہی بے تکلفی سے باتیں شروع ہوتی ہیں۔ یہ لوگ بڑے ہی آزاد مزاج ہیں۔ اپنے بادشاہ کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں، گویا اپنے کسی بھائی کے سامنے ہیں۔ میرے خیال میں ان کا یہ طرز خطاب اس لئے ہے کہ وہ اسے اتباع سلف صالح سمجھتے ہیں۔ وہ بڑی بے تکلفی سے "یاعبدالعزیز!" کہہ رہے تھے۔ ایک شخص نے میرا تعجب محسوس کرکے میرے کان میں کہا "یہ طریقہ خود سلطان ہی نے مقرر کیا ہے۔ وہ خطاب کے دوسرے طریقے قبول نہیں کرتا"

چاشت کے وقت ایک دوسرے ایوان میں جاتے ہیں۔ یہ جگہ "مجلس کبیر" کہلاتی ہے۔ یہاں نجد کے بڑے بڑے شیوخ اور خاندان رشید اور خاندان عاید کے امراء سے ملاقات ہوتی ہے۔ اول الذکر خاندان حائل کا فرمانروا تھا۔ آخر الذکر ابہا کا۔ اب یہ دونوں ریاستیں نجد کے ماتحت ہیں اور اُن کے شاہی خاندان، ریاض میں قید ہیں لیکن یہ قید ایسی ہے کہ اُن پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہ شہر کے اندر اپنی نقل و حرکت میں بالکل آزاد ہیں اور نہایت عزت و احترام کا اُن سے برتاؤ کیا جاتا ہے۔

اس مجلس میں سلطان کی گفتگو عام معاملات پر ہوتی ہے۔ دین تاریخ، ادب، سیاست، ہر موضوع پر باتیں کرتے ہیں اور نہایت آزادی اور صفائی سے۔ اُن کی صاف گوئی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک دن سلطان نے ایک شامی اخبار مجھے دیا۔ اسمیں یہ خبر درج تھی کہ "سید عبداللہ بن عاید مکہ سے بھاگ گئے ہیں اور ایک بڑی فوج کے ساتھ ابن سعود پر یورش کر رہے ہیں"

سلطان نے کہا "اخبار نے یہ خبر لکھی ہے، حالانکہ سید عبداللہ یہاں، اس مجلس میں، موجود ہیں۔ ہم اور سید عبداللہ اور خاندان رشید، سب بھائی ہیں۔ ہم میں کوئی نزاع نہیں ہے"

سُلطان کے قول کی تمام مجلس نے تصدیق کی۔ خصوصاً سید عبداللہ بن عائد نے۔

اس مجلس سے اُٹھ کر سلطان اپنے والد "عبدالرحمٰن بن سعود" سے ملاقات کو جاتے ہیں۔ اِن کی عمر اب نوّے سال کے قریب ہے مگر اب تک ہوش حواس بالکل درست اور قویٰ مضبوط ہیں۔ نہایت خوش اخلاق، خوش صحبت، خوش گفتار ہیں۔ والد سے رخصت ہوکر اپنی بڑی بہن شاہزادی "نورہ" سے ملنے جاتے ہیں۔ نجد میں بڑی بہن کی عزت بہت زیادہ کی جاتی ہے۔ سلطان حد سے زیادہ اُن کا احترام کرتے ہیں۔ یہ نجدی شاہزادی بھی اپنے عربی اخلاق میں غیر معمولی ہے۔ اس کی شرافت و سخاوت دُور دُور مشہور ہے۔ خود مجھ سے اس کا برتاؤ نہایت ہی شفقت کا تھا۔ روز میری خیریت دریافت کرتی تھی۔ میرے لئے اچھے اچھے کھانے بھیجا کرتی تھی۔

عشاء کے بعد سلطان کئی گھنٹے اپنے عہدے داروں سے ملاقات میں صرف کرتے ہیں۔ ہر عہدے دار کے دفتر میں خود جاتے ہیں۔ دن بھر کے کاموں کا جائزہ لیتے ہیں اور ضروری مشورے اور ہدایتیں دیتے ہیں۔

یہ اُن کے روزمرہ کے معمولات ہیں۔ لیکن کبھی کبھی صحرا میں شکار کے لئے بھی جاتے ہیں۔ یہ سفر آجکل موٹروں پر ہوتا ہے۔

شیوخ نجد کا سلطان سے اختلاف

پچھلے دنوں مصری اخبارات نے یہ خبر مشہور کردی تھی کہ نجد کے سب سے بڑے شیوخ مثلاً فیصل الدرویش شیخ قبیلۂ ارطاویہ اور سلطان بن بجاد شیخ قبیلۂ غطغط، سلطان ابن سعود کے مخالف ہوگئے ہیں ریاض میں اپنی موجودگی کے وقت میں نے بھی اس قسم کی خبریں سُنی تھیں فیصل الدرویش کی مخالفت کی وجہ یہ بتائی گئی کہ پچھلے سال ایام حج میں محمل مصری کی فوج سے نجدیوں کا تصادم ہوگیا تھا، اسمیں فیصل الدرویش کی رائے ہے کہ سلطان نے مصریوں کی طرفداری کی اور نجدیوں کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیا۔ لیکن یہ خبر غلط تھی۔ خود میں نے اپنی زیادہ عقیدت و اطاعت کا اظہار کر رہا تھا۔

بلاشبہ سلطان بن بجاد کو کچھ شکایت ہوگئی تھی۔ یہ شکایت بعض شرعی احکام کی تطبیق کے بارے میں تھی۔ لیکن بہت جلد غلط فہمی دُور ہوگئی اور وہ بھی سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔

نجدیوں کا ایمان

تمام نجدیوں۔ بدوؤں اور شہریوں۔ کا پختہ ایمان ہے کہ آدمی صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کرے اور اُس کی شریعت کی پابندی میں سرگرم رہے۔ ہر آدمی کی قسمت پہلے سے لکھدی گئی ہے موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ ہرگز اُس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوسکتی لہذا اُسے موت سے بے خوف ہوکر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ڈھونڈھنی چاہئیے۔ ہر آدمی کو اُس کے عمل کی جزا و سزا ملے گی۔ نیکی کا ثواب حاصل ہوگا۔ بدی پر عذاب پائے گا۔ یہی باعث ہے کہ وہ ہر قسم کے گناہوں اور جرموں سے، خفیہ اور علانیہ، پرہیز کرتے ہیں۔

شوق جہاد

جنگ کو وہ عبادت سمجھتے ہیں۔ دین الٰہی کے دشمن کا قتل عظیم ترین ثواب خیال کرتے ہیں۔ دین کی راہ میں خود قتل ہوجانا، شہادت عظمیٰ تصور کرتے ہیں۔ اس بات پر انھیں اس درجہ یقین ہے کہ بڑے ہی شوق سے جنگ پر جاتے ہیں۔ ہر بدو اپنا کفن اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ نہایت بے پروائی سے اپنے تئیں موت کے حوالہ کردیتے ہیں۔ جب اُن کا کوئی ساتھی لڑائی میں گرتا ہے، تو یک زبان نعرہ مارتے ہیں "واخلیلاہ! لقد سبقتنی الی الجنۃ!" (اے دوست! مجھ سے پہلے ہی جنت میں داخل ہوگیا!) جب دشمن کو بھگا دیتے ہیں تو چلّاتے ہیں "یا اہل التوحید! یا اہل التوحید! ایاک نعبد و ایاک نستعین" (ہاں اے اہل توحید! خدایا! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں!)

وہ گولیوں کی باڑہ کو "ریح الجنۃ" (جنت کی ہوا) کہتے ہیں اور انتہائی شوق و رغبت سے سینے تانے دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں وہ اس موت کو موت نہیں، زندگی خیال کرتے ہیں۔ اگر اُن کے کسی آدمی کی پیٹھ پر گولی لگتی ہے تو اُسے بُزدل کہتے اور سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اُن کا قول ہے "ہمیشہ سینے پر زخم کھاؤ۔ پشت کبھی نہ دکھاؤ۔ موت اٹل ہے، اُس سے کہاں بھاگ سکتے ہو؟ شہادت کی موت مرکر سرمدی زندگی حاصل کرو!" میدان سے بھاگنا انکے خیال میں ایسا عیب ہے کہ ایسے شخص کو دفن تک نہیں کرتے۔ یہی باعث ہے کہ وہ مرجاتے ہیں مگر بھاگتے نہیں۔ اُن کی یہ ثابت قدمی، بالآخر اُن کے دشمن کے حوصلے پست کردیتی ہے اور وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

نجدیوں کی یہ شجاعت و بسالت، عرب میں اس قدر مشہور ہوگئی ہے کہ لوگ اُن کے نام ہی سے ڈر جاتے ہیں۔ چند نجدی سوار سیکڑوں آدمی بھگا دیتے ہیں۔ حجاز کی جنگ، اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے۔ حجازی فوج اس قدر مرعوب ہوگئی تھی کہ بے لڑے ہتیار ڈال دیتی تھی۔ حائل، احساء اور قطیف وغیرہ ممالک کی فتح بھی زیادہ تر اسی رعب کی وجہ سے ہوئی تھی۔

موت کے بعد

نجدی، سنت نبوی کی اتباع میں بہت ہی سخت ہیں۔ اپنے مقتولوں اور مُردوں کا ماتم نہیں کرتے۔ قبروں پر گنبد اور عمارتیں نہیں بناتے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ موت کے بعد جس طرح آدمی کی دنیاوی زندگی ختم ہوجاتی ہے، اسی طرح اُس کا تعلق بھی منقطع ہوجاتا ہے۔ کہتے ہیں مُردوں کو ہماری ظاہری تکریم و تعظیم کی کوئی ضرورت نہیں وہ ہم سے بے نیاز ہوگئے ہیں۔ آخرت میں انھیں جو صلہ ملے گا وہی اصلی وجہ ہے ہیں انکے

جائے۔ اُس کا نام بدستور یہی رہے گا۔ مرحوم کی بیوہ کو زندگی بھر اُسمیں رہنے کا حق ہوگا۔

یہ مکان مرحوم نے ۱۹۰۱ء میں تعمیر کیا تھا۔ اور اپنی حرم محترم پر وقف کر دیا تھا۔ وزارت نے طے کیا ہو کہ مکان کا وہ تمام سامان اُسی ترتیب سے باقی رکھا جائے گا، جس طرح مرحوم کی وفات کے وقت تھا۔ حتیٰ کہ مرحوم کے کپڑے بھی محفوظ رکھے جائیں گے۔ اِن کپڑوں میں ایک شیخ جبّہ بھی ہو جو وہ اپنے وطنی لباس کے اوپر پہنا کرتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کا بھی تمام سامان علیٰ حالہٖ رکھا رہے گا۔ گھر کی ہر چیز پر لکھا جائے گا کہ کب خریدی گئی؟ کیوں خریدی گئی؟ اور مرحوم اُس سے کیا کام لیتے تھے؟

(۳) بیت الامہ ہی میں مرحوم کی نعش دفن کی جائے گی۔ اُن کی موجودہ قبر عارضی ہو۔ اِس نئے انتظام کی تکمیل اور جدید شاندار مقبرے کی تعمیر کے بعد نعش یہاں منتقل کر دی جائے گی۔

(۴) سعد پاشا "ابیانہ" گاؤں کے جس مکان میں پیدا ہوئے تھے، وہ بھی خرید لیا جائے اور اُس میں شفاخانہ یا مدرسہ جاری کر دیا جائے۔

(۵) پایۂ تخت میں ایک عظیم الشان شفاخانہ یا یتیم خانہ قائم کیا جائے اور مرحوم کے نام پر اُس کا نام رکھا جائے۔

تعزیت کے پیغام

بیگم زغلول کے نام دُنیا بھر سے تعزیت کے پیغام آ رہے ہیں۔ بڑے بڑے آدمیوں اور بادشاہوں نے تار بھیجے ہیں۔ اِس سلسلہ میں سب سے پہلا پیغام سلطان ابن سعود اور اُن کے بیٹے امیر فیصل کا تھا۔ اِن دونوں نے نہایت رنج و ملال کا اظہار کیا ہو اور اِس حادثہ کو تمام مشرق کے لئے عظیم خسارہ بتایا ہو۔ اگر میں اِن تمام پیغاموں کا ذکر کروں تو چھٹی بہت طویل ہو جائے گی۔

یورپین اخبارات کے افکار

یہ معلوم کرنا نہایت اہم ہو کہ زغلول پاشا کی وفات کو یورپ کے اخبارات نے کس نظر سے دیکھا ہو؟ خصوصاً برطانی اخباروں نے کس طرح اظہار خیال کیا ہو؟

ٹائمس آف لنڈن لکھتا ہو:

"زغلول پاشا نے معاملات مصر میں جو حصہ لیا، اُس کے متعلق تاریخ کا فیصلہ کچھ ہی ہو، لیکن یہ یقینی ہو کہ تاریخ اُنھیں مصر جدید کا سب سے بڑا آدمی شمار کرے گی۔ وہ اپنے اندر ایک حیرت انگیز زندہ روح رکھتے تھے، اگرچہ زیادہ مضبوط جسم کے مالک نہ تھے۔ وہ اپنی جسمانی بناوٹ اور شکل و صورت میں مصری "فلّاح" (کسان) کا مکمل نمونہ تھے۔ زبردست شخصیت اور اخلاق رکھتے تھے۔ خلاف عادت شجاعت اور شدید صراحت، اُن کی نمایاں صفت تھی۔ بڑی قوت استدلال، مسکت حجت، حاضر جوابی، خوش گفتاری، اور حیرت انگیز خطابت نے اُنھیں نہایت ممتاز کر دیا تھا۔ محمد علی پاشا اول خدیو مصر کے عہد سے آجتک کسی نے بھی فرعون کی سرزمین میں اتنی مقبولیت، اخلاقی اقتدار، اور عام محبوبیت حاصل نہیں کی جتنی زغلول پاشا نے حاصل کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ مصر جدید کی تاریخ میں وہ پہلے سیاسی رہنما ہیں جنھوں نے قوم کے دل و دماغ، دونوں پر یکساں اثر ڈالا اور ملک کی سیاسی تربیت کی۔ عام طور پر دیکھا گیا ہو کہ مشرقی رہنما، مغربی رہنماؤں کے مقابلے میں جلد بوڑھے ہو کر معطل ہو جاتے ہیں، لیکن سعد زغلول، اِس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک چست و چالاک رہے اور سخت سے سخت دماغی محنت انجام دیتے رہے۔ تاریخ میں بہت کم انتہا پسند انقلابیوں کے نام ملتے ہیں۔ جو ۷۰ سال کی عمر کے بعد بھی اپنا سیاسی اقتدار اور مقبولیت برقرار رکھ سکے ہوں۔ لیکن زغلول پاشا اپنے آخری وقت تک محبوب و مقبول رہے۔ اُن کی عمر جتنی زیادہ ہوتی گئی، اُسی قدر زیادہ اُن میں سیاسی جوش اور انقلابی روح بیدار ہوتی گئی ... برطانیہ نے زغلول کو جلا وطن کیا تھا۔ لیکن اِس عظیم الشان کے دل میں اِس وجہ سے کوئی بغض پیدا نہیں ہوا۔ برطانیہ نے دیکھ لیا تھا کہ یہ اُس کا ایک ایسا دشمن ہو جو خندہ پیشانی سے ہر طرح کی ضربیں برداشت کر سکتا اور پورے حواس سے اُن کا جواب دے سکتا ہو۔ کوئی شخص بھی اِس "فلّاح" کی شجاعت پر حیرت کئے بغیر نہیں رہ سکتا، جس نے بے شمار مخالف قوتوں سے مقابلہ کیا اور سب کو بالآخر اپنے ارادے کے سامنے جھکا لیا ....!"

ڈیلی نیوز لکھتا ہو:

"زغلول، سالہا سال سے مصر کا معبود تھا۔ سیاسی جنگ میں اُس کی شجاعت و بسالت بے نظیر تھی۔ وہ اپنی قوم کو کامل خود مختاری کی طرف لے جا رہا تھا۔ لارڈ کرزن نے ایک مرتبہ کہا تھا "زغلول، شورش کا غیر مسئول علم بردار ہو!" لیکن کچھ ہو، وہ اپنے ملک کی آزادی چاہتا اور انگریزوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا چاہتا تھا۔ مصریوں کے دل میں اُس کی عزت بے حساب تھی۔ وہ ہمارا شریف اور بہادر دشمن تھا"

منچسٹر گارڈین لکھتا ہو:

"زغلول پاشا، تمام مصریوں میں ایک آدمی تھا۔ اُس کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ یہی وجہ ہو کہ اُسے ۳ مرتبہ جلا وطن ہونا پڑا۔ انگریزوں نے بہت کوشش کی کہ اُسے جاہ و منصب کا لالچ دے کر ملا لیں، مگر اُس نے ہمیشہ انکار کیا، اور کامل خود مختاری کے سوا کبھی کچھ قبول کرنے پر رضامند نہ ہوا۔ سعد پاشا کی ذہانت، اخلاق، خوش مزاجی، ایسی تھی جس کی نظیر مغلوب قوموں کے رہنماؤں میں کبھی نہیں دیکھی گئی"

یہ انگلستان کے متعصب سے متعصب اخبارات کے خیالات ہیں۔ لیبر پارٹی کے اخبارات نے تو اِس سے بہت زیادہ لکھا ہو۔ اختصار کے خیال سے ہم ان کا ذکر نہیں کر سکتے۔ یہ تمام رائیں تار کے ذریعہ قاہرہ کے اخبارات میں پہنچی ہیں اور ابھی ان کا سلسلہ برابر جاری ہو۔

اسی طرح فرانسیسی اخبارات نے بھی طویل و عریض مضمون شائع کئے ہیں اور مرحوم کی بہت تعریف کی ہے۔

نیم سرکاری اخبار "طان" لکھتا ہو: سعد پاشا، مصر کے اِسوقت سب سے بڑے آدمی تھے۔ اُن کی زندگی کا اکثر حصہ، اپنے ملک کے لئے آزادی حاصل کرنے کی جد و جہد میں گزرا۔ وہ دُنیا بھر کی نظروں میں معزز و محترم تھے ...."

"ایکو ڈی پاری" لکھتا ہو "زغلول، مصر کا عظیم آدمی تھا۔ آزادی کا علم بردار تھا۔ مصر میں اُس سے بڑا کوئی آدمی موجود نہ تھا ..."

اخبار "دیبا" لکھتا ہو "سعد کی مَوت نے مصر کو اپنے سب سے بڑے رہنما سے محروم کر دیا۔ اُس کی شخصیت، بہت ہی عظیم تھی ..."

مکتوب بہت دراز ہو گیا ہو۔ آیندہ ہفتے انشاء اللہ میں بتلاؤں گا کہ سعد پاشا کی مَوت کا اثر مصر کی سیاست پر کیا پڑ سکتا ہو؟ اور انگریز اُس سے فائدہ اُٹھانے کی ابھی سے کیسی طیاریاں کرنے لگے ہیں؟ لیکن قلم روکنے سے پہلے میں بہت ہی اختصار کے ساتھ مرحوم کی سیاسی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈال لینا مناسب سمجھتا ہوں۔ تاکہ آپکے قارئین اندازہ کر سکیں کہ یہ عظیم زندگی کیونکر شروع ہوئی اور کس طرح موجودہ بلندی تک پہنچی؟

سعد پاشا کی زندگی پر ایک نظر

وہ ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔

"۵ اکتوبر ۱۸۸۱ء کو شیخ سعد زغلول ازہری طالب علم کی سرکاری اخبار الوقائع المصریہ کے ادارۂ تحریر میں تقرری ہوئی۔ ۸۰۰ قرش (ایک قرش ۱؍ کا ہوتا ہو) ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی تھی۔ یہ طالب علم، خوش اطوار ہو۔ شیخ محمد عبدہ نے اُس کے چال چلن کی تصدیق کی ہو۔" یہ عبارت ایک سرکاری فرمان سے اخذ کی گئی ہو۔ اُسوقت مرحوم، ازہر کے طالب علم تھے اور "شیخ سعد زغلول" کہلاتے تھے۔

یکم فروری ۱۸۸۲ء کو اُن کی تنخواہ ۹۳۳ قرش ہو گئی۔

۳ مئی ۱۸۸۲ء کو "سعد آفندی زغلول" کا تبادلہ وزارت داخلہ کے محکمہ میں ہو گیا اور تنخواہ ۱۵ پونڈ مقرر ہوئی۔

۶ ستمبر ۱۸۸۲ء کو "جیزہ" کی کمشنری میں محافظ دفتر کاغذات سرکاری مقرر ہوئے۔

۲۷ جون ۱۸۹۲ء میں ۴۵ پونڈ تنخواہ پر درجہ دوم کے مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔

یکم فروری ۱۸۹۳ء میں تنخواہ ۵۵ پونڈ ہو گئی۔

یکم جنوری ۱۸۹۷ء میں تنخواہ ۶۰ پونڈ قرار پائی۔

۸ اپریل ۱۸۹۹ء میں اُنھیں پہلا سرکاری تمغہ دیا گیا۔

۱۲ جنوری ۱۹۰۴ء میں اُنھیں تیسرا نشان مجیدی عنایت ہوا۔

یکم جنوری ۱۹۰۶ء میں اُن کی سالانہ تنخواہ ایک ہزار پونڈ ہو گئی۔

۲۸ اکتوبر ۱۹۰۶ء میں "سعد زغلول بک" وزیر تعلیم مقرر ہوگئے۔

۱۲ نومبر ۱۹۰۶ء میں "پاشاہ" کا خطاب ملا۔

۱۸ جنوری ۱۹۰۸ء میں "مجیدی اول" کا تمغہ ملا۔

۲۳ فروری ۱۹۱۰ء میں محکمۂ عدالت کے وزیر مقرر ہوئے۔

۲۷ جنوری ۱۹۲۴ء میں وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

۲۳ مارچ ۱۹۲۵ء میں پہلی مرتبہ پارلیمنٹ کے صدر مقرر ہوگئے۔

۱۰ جون ۱۹۲۶ء میں دوسری مرتبہ پارلیمنٹ کے صدر منتخب ہوئے۔

۲۳ اگست ۱۹۲۷ء میں فوت ہوگئے۔

اطلاع ضروری

(۱)

بارش کی وجہ سے مطبع الہلال کے مشین روم کے بعض حصے کئی ہفتہ سے کمزور ہو گئے تھے، خصوصاً وہ ستون جن کے ذریعہ مشین موٹر سے ملحق کی گئی ہیں۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح کام کے روکے بغیر درستگی کی جا سکے لیکن کوئی صورت نہ نکل سکی۔ مجبوراً اِس ہفتہ کا کام ختم کر کے ان کی از سر نو تعمیر شروع کر دی جاتی ہو۔ ہم پوری کوشش کرینگے کہ آیندہ نمبر کسی نہ کسی طرح نکل جائے، لیکن اگر کامیابی نہ ہوئی تو اِس صورت میں آیندہ جمعہ کا پرچہ جاری نہ ہو سکے گا، اور اُس کے بعد کے جمعہ کو نکلے گا۔ خریداران الہلال کو اگر سیر تک پرچہ نہ ملے، تو وہ سمجھ لیں کہ پرچہ شائع نہیں ہو سکا ہو۔ یہ ہفتہ خریداروں کی سالانہ قیمت میں محسوب نہ ہوگا۔ "منیجر"

(۲)

بعض حضرات نے لکھا ہو کہ اِسوقت تک مولانا ابوالکلام کے اُن مضامین کی اشاعت شروع نہیں ہوئی ہو جس کا اُن کے احباب کو انتظار تھا۔ بجز باب التفسیر کے اور وہ بھی ہر نمبر میں مسلسل نہیں ہو۔ اُن حضرات کو اِس طرف توجہ دلائی جاتی ہو کہ الہلال جاری کرتے ہوئے اُنھوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ جسوقت تک مقدمہ اور تفسیر کی ابتدائی جلدوں کی از سر نو تحریر سے وہ فارغ نہیں ہونگے، الہلال کے لئے پورا وقت نہیں نکال سکیں گے۔ اب وہ ایک حد تک فارغ ہو چکے ہیں۔ اور اُنھوں نے ارادہ کر لیا ہو کہ سفر شملہ سے واپسی کے بعد اِس کے لئے کافی وقت نکال لیں گے۔

منیجر

ایک عجیب قیامت برپا ہوگئی۔ اگر فوج اور پولیس کا انتظام غیر معمولی نہ ہوتا تو یقیناً بے شمار جانیں ضایع جاتیں۔ کیونکہ نعش کے بلند ہوتے ہی ہزاروں آدمیوں نے یک دقت آگے بڑھنا شروع کردیا۔ ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ سعد کی نعش کا بوسہ لے لے، یا کم سے کم اُسے چھو ہی لے۔ مگر فوج اور پولیس نے پُرجوش مجمع کو روک دیا اور ٹھیک ۸ بجے جنازہ روانہ ہوگیا۔

جلوس میں سب سے آگے فوج کا ایک بڑا دستہ اپنا جنگی باجا بجا رہا تھا۔ اُس کے بعد مزدوری پیشہ طبقہ کی مختلف جماعتیں تھیں۔ ریلوے کے مزدور، کارخانوں کے مزدور، گاڑی بان، لوہار، حجام، غرضکہ مختلف پیشہ وروں کی علحدہ علحدہ صفیں تھیں۔ انکے پیچھے پھر فوج اپنے باجے کے ساتھ تھی۔ اس کے پیچھے مختلف تجارتی کمپنیوں کے مزدور اور کارکن تھے۔ چھاپے خانوں کے مزدوروں کی صفیں، انکے بعد تھیں۔ پھر......

مگر میرے لئے یہ تمام تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے۔ صرف اس قدر کہدینا کافی ہے کہ قاہرہ میں جتنی جماعتیں اور فرقے موجود ہیں، جتنے مدارس قائم ہیں، جتنی انجمنیں،...... بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ جتنی بھی مخلوق موجود ہے، اُس کا بڑا حصہ جنازے کے ساتھ ماتم کناں موجود تھا!

اس جلوس میں ایک قابل ذکر بات یہ تھی کہ اُس میں ہر طرف ہلال اور صلیب، دونوں کے علم بلند تھے۔ دونوں ہوا میں ہلتے تھے اور ہم آغوش ہوجاتے تھے۔ یہ نظارہ نہایت ہی پُر اثر تھا۔ یہ اس حقیقت کا ثبوت پیش کر رہا تھا کہ مصر میں اب ایک ہی عنصر باقی ہے، اور وہ آزادی خواہ مصری قوم ہے۔ اور یہ کہ سعد زغلول کسی ایک فرقہ کا رہنما نہ تھا، بلکہ مصر کے تمام فرقوں کا یکساں طور پر رہنما تھا۔ وہ جس طرح مسلمان مصریوں کا محبوب تھا، اُسی طرح مسیحی مصریوں کا بھی محبوب تھا!

نماز جنازہ

ٹھیک ۱۰ بجے جنازہ، مسجد قیسون میں پہونچا۔ یہاں لاکھوں مخلوق نے نماز جنازہ اُدا کی۔ صفوں میں سیکڑوں قبطی عیسائی، اور مصری یہودی بھی مسلمان نمازیوں کے دوش بدوش کھڑے تھے، اور اپنے سردار کی مغفرت کے لئے رب العالمین سے الحاح وزاری کر رہے تھے!

قبر پر!

نماز کے بعد جنازہ پھر آگے بڑھا اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبرستان کی طرف روانہ ہوا۔ قبر کے قریب پہنچکر جلوس رُکا۔ ۷ آدمیوں نے گاڑی پر سے نعش اُتاری۔ ان میں سے دو قبطی عیسائی بھی شامل تھے۔ قبر میں نعش اُتارنے والے بھی یہی لوگ تھے۔ اس وقت کا ماتم ناقابل بیان ہے۔ دُنیا کا کوئی قلم بھی اُسے نہیں لکھ سکتا۔ ایسا ماتم تھا کہ دل ہلے جاتے تھے۔ ۶ معزز آدمی بیہوش ہوکر گر پڑے!

اس تمام دوران میں قلعہ سے توپیں دغتی رہی تھیں۔ مسیحی گرجوں کے گھنٹے بج رہے تھے۔ تکبیروں کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ قاہرہ، پورے معنی میں نشان غم بن گیا تھا۔

مٹی دینے سے پہلے فتح اللہ باشا برکات قبر میں اُترے اور مرحوم کو آخری سلام کرکے نکل آئے۔

وزیر داخلیہ کی تقریر

اس مؤثر موقعہ پر جعفر والی باشا وزیر داخلیہ کھڑے ہوئے اور کہا:

"سعد، مرگیا۔ اُف، کیسی سخت مصیبت درپیش ہے! یہ ایسی مصیبت ہے جس کا غم کبھی دُور نہیں ہوگا۔ سعد پاشا نے جن اعلیٰ اصول پر اپنی زندگی قربان کی، الحمد للہ، اب وہ اصول تمام مصری قوم کے دلوں میں راسخ ہوچکے ہیں۔ اگر یہ جلیل القدر وجود اپنے جسم سے دُور ہوگیا ہے، تو کوئی مضائقہ نہیں، اُس کی روح ہمارے اندر برابر زندہ رہے گی۔ ہم سب ایک ایک کرکے اسی طرح مرجائیں گے، مگر قوم اس شخص کی پیدا کی ہوئی روح سے ہمیشہ زندہ رہیگی!"

پارلیمنٹ کی تعزیت

دفات کے دوسرے دن پارلیمنٹ کے تمام ممبر "بیت الامہ" (یعنی قوم کا گھر۔ یہ اُس مکان کا نام ہوگیا ہے جس میں سعد پاشا رہتے تھے) میں جمع ہوئے، اور بیگم زغلول کے سامنے حسب ذیل تقریر کی:

"مرحوم و مغفور رہنما کی حرم محترم!

"یہ موقعہ ہمارے لئے نہایت ہی دردناک ہے کہ بیت الامہ میں جبکہ وہ سعد سے خالی ہوچکا ہے، اُس کی رفیق حیات کی تعزیت کو حاضر ہوں۔

"معزز خاتون! مصری قومیت کی تعمیر میں سعد نے پہلی اینٹ رکھی۔ اُسنے پوری سرزمین مصر کو ایک قوم بنا دیا اور اُس کا ایک ہی نعرہ قرار دیدیا۔ وہ نعرہ، کامل آزادی کا نعرہ ہے۔ اُسنے پوری قوم کی ایک صف بنادی۔ خود آگے کھڑا ہوا، اور منزل مقصود کی طرف روانہ ہوگیا۔ اُسنے آزادی کی صفیں آگے بڑھائیں۔ عزت و عظمت کی راہوں میں داخل ہوا۔ تمام مشکلیں حل کر ڈالیں۔ رکاوٹیں دُور کردیں۔ اپنی بے نظیر قربانیوں سے منزل مقصود قریب کردی۔ اپنی بے مثل شجاعت سے ناممکن کو ممکن بنادیا!

"سعد، دستوری حکومت کا باپ تھا، محافظ تھا، سپہ سالار تھا، سپاہی تھا۔ پارلیمنٹ کا سب سے پہلے کھولنے والا تھا۔ منبر خطابت کو سب سے پہلے ہلا ڈالنے والا تھا۔ حکومت کے ایوان میں سب سے پہلے اُسی کی حق گو آواز گونجی تھی!

"سعد ہی نے پارلیمنٹ کے اصول مقرر کئے۔ ضوابط بنائے۔ دستور العمل مرتب کیا۔ اُس کی عزت بڑھائی۔ اُس میں عظمت پیدا کی۔ اُسے قوت بخشی۔ اپنے جاہ و جلال کا ایک عظیم پرتو اُس پر ڈالا، اور وہ پُرجاہ اور پُرجلال بن گئی.......

"سعد اپنی صدارت کی کرسی پر حق و باطل کی سچی میزان تھا۔ دُور اور نزدیک کے لئے روشنی کا ستون تھا۔ فصاحت میں صادق البیان تھا۔ پیری میں شباب عزم تھا۔ فیصلہ کی عظمت تھا۔ لفظ میں بلاغت تھا۔ حجت بالغہ تھا۔ آیۃ اللہ تھا۔ ہدایت کا نور تھا۔ عقل کا ستون تھا۔ خطابت کا امام تھا....

"محترم خاتون! اسوقت جبکہ حزن و ملال نے آپ کو اپنی موجوں میں لے لیا ہے، اور جبکہ سعد پر رب کریم کی نظر عنایت پڑ رہی ہے، ہم اپنے زخمی دلوں کے ساتھ تعزیت پیش کرتے اور قسم کھاتے ہیں کہ جب تک زندگی باقی ہے کامل آزادی کے حصول کی جد و جہد جاری رکھیں گے اور پورے اتحاد و اتفاق کے ساتھ دستور حکومت کی حفاظت کریں گے۔

"محترم خاتون! سعد نہ آپ کا تھا نہ ہمارا تھا۔ وہ خدا کا تھا اور وطن کا تھا۔ اُسنے اپنی تمام جرأت و ہمت، عظیم قربانیاں، عزم راسخ، غرضکہ جتنی بھی مافوق العادت قوتیں اُسے ملی تھیں، سب کی سب اپنے وطن کی خدمت پر وقف کردی تھیں، یہاں تک کہ موت آگئی، اور اُسے شہادت نصیب ہوئی۔ سعد، شہید وطن ہے!

"سعد اپنی قبر میں آرام سے سوئے، کیونکہ وہ اپنے پیچھے ایک ایسی قوم چھوڑ گیا ہے جو اُسے کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ پس سعد پر اُس کی زندگی میں سلام ہو اور موت کے بعد قبر میں بھی....."

تقریر یہاں تک پہنچی تھی کہ فتح اللہ باشا نے بالائی کمرے سے چلا کر کہا: "حضرات! سعد باشا کی حرم محترم آپ سے درخواست کرتی ہیں کہ خاموش ہوجائیے۔ وہ کہتی ہیں کہ آپ کی تقریر سے میرا دل پھٹا جاتا ہے۔ آپ کی ہمدردی کی از حد شکر گذار ہوں۔ میری زبان اس کے اظہار سے قطعاً عاجز ہے۔ خدا سے میری دعا ہے کہ آپ سب کے سلامت رکھے۔ زندہ باد مصر!"

سعد پاشا کی حرم کا بیان

صفیہ خانم زوجۂ محترمہ سعد پاشا مرحوم نے قوم کے نام حسب ذیل شایع کیا ہے:

"میرے فرزندو!

"اگر سعد، جوار خداوندی میں پہنچ چکا ہے، مجھ اکیلا سعد ہوتا، تو اُس کی موت پر تمھاری تعزیتوں کا شکریہ ادا کرتی۔ وہ پورے مصر کا سعد تھا۔ وہ مصر کا سپہ سالار تھا۔ امین تھا۔ موت کی مصیبت، خود تمھاری مصیبت ہے۔ اُس کا ماتم خود تمھارا ہے۔ اگر مجھے شکریہ ادا کرنے کا کوئی حق پہنچ سکتا ہے تو وہ صرف اس لحاظ سے کہ اُس کی محبت مجھے حاصل تھی۔ اُس کی نیکی مجھ پر دا... اُس کے نام کی عزت مجھے نصیب ہوئی تھی۔ اُس کی وجہ سے تم... محبت اور قومی حکومت کی شفقت مجھے میسر آئی۔ اگر اتنا حق میر... لئے منظور کرو تو میرا شکریہ قبول کرلو۔ ایسا شکریہ، جس کے اخفا... میرے دل میں نہیں ہے اور جس کے اظہار سے میری زبان قا...

"میرے بچو! سعد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک اعلیٰ مطمح... تھا۔ سعد مرگیا، مگر الحمد للہ یہ مطمح نظر ہنوز باقی ہے۔ اُس کی مجو... ہم سے اوجھل ہوگئی، مگر اُس کی قیمتی یاد ہمارے دلوں میں ز... گی، والذکریٰ تنفع المومنین!

"اگرچہ اُس کی جدائی کے غم نے ہمارے دل توڑ ڈالے ہیں... آؤ، اس غم کو مزید حمیت و شجاعت کا ذریعہ بنائیں۔ یہ غم ہماری ہمت... بلند کرنے والا اور ہم میں ایک بالکل نیا جوش پیدا کرنے والا ہو... شریف غم ایک ایسی قوت پیدا کردیتا ہے جو بے روک ہوتی ہے، ا... ہمت لاتا ہے جو لامتناہی ہوتی ہے۔ اگر سعد کا ہم پر کوئی حق ہے تو و... یہی ہے کہ ہم امید کو نہ چھوڑیں، کیونکہ یہ پودا اُسی کا لگایا ہوا ہے... اُس کے حسن ظن کے مطابق ثابت ہوں۔ اُس کا کام پورا کریں... اُس کی رکھی ہوئی بنیاد پر اپنی عمارت کھڑی کردیں۔ مصر کو یاد رکھیں... مصر کے سوا سب کچھ بھول جائیں۔ مصر ہی ہمارا مبتدا و منتہا ہے۔ اُ... سے پیدا ہوئے ہیں اور اُسی کی خاک میں مل جانے والے ہیں۔ ہم ایسا کرینگے تو یقین کرو، سعد کو اپنی صفوں میں پائیں گے... ہر خادم وطن، ہر مجاہد وطن، سعد کو اپنے دل کے اندر دیکھے گا... اس لئے کہ سعد، جس سے ہم محبت کرتے اور جسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہتے ہیں، در اصل ہمارا وہ مطالبۂ حق ہے جس کے لئے ہم کوشاں ہیں یعنی آزادی، یعنی خود مختاری۔ اسی پر ہم جینگے اور اسی پر مرینگے...

"میرے عزیزو! آج مصر تمھاری طرف دیکھ رہا ہے، تم بھی اُسے دیکھو۔ وہ تمھیں پکار رہا ہے، تم بھی اُس کی آواز سنو۔ تم... کبھی اُس کی پکار سے کان بند نہیں کئے۔ آج پھر اُس کی طرف دوڑو، بے شک سعد مرگیا، مگر مصر زندہ رہے! بے شک قوم کا ر... مرگیا، مگر قوم زندہ ہے! قومی آرزؤں کا نشان مٹ گیا مگر قومی آرزوئیں زندہ ہیں۔ آؤ ہم بڑھ کر سعد کا جھنڈا اپنے کاندھوں پر اٹھا... لیں۔ وہی اللہ جس نے مصر کے لئے ظلمت غفلت کے بعد نور بیدار... کی راہ باز کردی تھی، ہمیں آیندہ بھی راہ راست دکھلائے گا، اور ق... کے لئے سعد کا نعم البدل پیدا کردے گا......."

سعد پاشا کی یادگار

مجلس وزارت نے سعد پاشا کی یادگار قائم کرنے کے لئے حسب ذیل تجویزیں منظور کی ہیں:

(۱) مرحوم کا ایک بلند مجسمہ قاہرہ میں اور ایک اسکندریہ میں قائم کیا جائے۔ یہ دونوں مجسمے مرحوم کو بحالت خطابت میں ظاہر کرینگے...

(۲) "بیت الامہ" (سعد پاشا کا مکان) خرید کر قومی عمارت بنا...

ادبیات

اِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا!

مرحوم سعد باشا زغلول کی بلیغ تقریریں

مرحوم احمد سعد باشا زغلول کی فصاحت و بلاغت اور قوت خطابت، ہود عالم ہو۔ اُن کی مقبولیت اور سیاسی زعامت کی کامیابی میں ایک بڑا راز اُن کی یہی ساحرانہ خطابت ہو۔ ہم چاہتے ہیں اُن کی بعض مشہور تقریروں کے اقتباسات وقتاً فوقتاً شایع کرتے رہیں۔ ادبی خوبیوں کے علاوہ اِن سے مرحوم کا سیاسی مذہب اور فکری رجحان بھی معلوم ہوگا۔

شہیدانِ وطن کی یاد

"ہمہ تن خشوع ہو کر اُن پاک روحوں کی طرف، بہادروں کی روحوں کی طرف، متوجہ ہوتا ہوں، جنھوں نے حق کا اعلان کیا، حالانکہ حق کا اعلان، مصر میں سب سے بڑا جرم تھا!

"وہ حق کا ڈنکا بجاتے آگے بڑھے۔ اُن کی بے لاگ شجاعت نے ہمیں سرخرو کر دیا۔ سب کو وطن کے احترام پر مجبور کر دیا۔ وہ اپنا فرض انجام دے چکے۔ اب وہ آرام سے اپنی قبروں میں سوئیں۔ آزادی کی سُہانی صبح اُن کے خون سے نہائی ہوئی، غلامی کی ظلمت چاک کر کے نکل آئی۔ اللہ اُن کی قبریں روشن کرے۔ فردوس بریں میں اُنھیں اور ہمارے عمل سے اُن روحوں کو خوش کرے"

نوجوان

"میری قوم کی جوانی پر خدا کا سایہ! نوجوانوں نے جوانی کے اُن تمام خزانوں کے منہ کھول دیئے جو اُن کے سینوں میں بند تھے۔ پورے ملک کو جوش اور خودداری سے لبریز کر دیا۔ دلوں میں عظمت پیدا کی، سروں میں حکمت اُتاری، جسموں میں نظام قائم کر دیا۔ نوجوان ہی ہماری تحریک کا اصلی ستون ہیں۔ مصر کے لئے روشنی کا مینار ہیں۔ مستقبل اُنھیں کے ہاتھ میں ہو۔ اور نوجوان ہاتھوں کی قوت معلوم ہو"

علمار دین

"میں علمار اسلام اور مسیحی قسیسوں کا شکر گزار ہوں۔ اُنھوں نے متحد ہو کر دشمن کی سب بڑی حجت باطل کر دی۔ تمام اختلافات دُور کر دیئے، اور ثابت کر دیا کہ سب دین اپنی غرض میں ایک ہیں۔ سب وطن کی مدافعت فرض قرار دیتے ہیں، سب کا تعلق، خالق ارض و سمار کی عبادت سے ہو۔ سب وطنی مصلحت میں مخلوق کو اتحاد کی دعوت دیتے ہیں"

اصول نہ کہ اشخاص

"سعد اور اُس کے رفیق نہ تم میں انبیار نہیں ہیں جنھوں نے معجزے دکھائے۔ اولیا نہیں ہیں جنھوں نے کرامتیں دکھائی ہیں۔ وہ تمھارے ہی افراد ہیں۔ تمھارے اصول کے خدمتگذار ہیں۔ تمھارے ہی آدمی ہیں، تمھارے شعور کا اُنھوں نے احساس کیا اور تمھارے اصول سے لبریز ہو گئے۔ چنانچہ وہ اُن کی خدمت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پس ہمارے لئے کوئی فخر نہیں۔ اور اگر ہو تو وہ تم سب کا فخر ہو۔

"بلاشبہ میں نے کچھ خدمت کی ہو۔ لیکن میں نے کوئی قربانی نہیں کی، کیونکہ میں بے روزگار تھا۔ البتہ میرے ساتھیوں نے قربانیاں کی ہیں۔ اُنھوں نے اپنے منصب اور عہدے چھوڑے، حتٰی کہ اپنی اولاد تک کی جُدائی گوارا کی، اور آپ جانتے ہیں کہ میرے کوئی اولاد بھی نہیں (اسپر حاضرین پکارلے "ہم سب آپ کی اولاد ہیں") بلاشبہ تم سب میری اولاد ہو۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تمام اعزاز اشخاص کے لئے نہیں، اصول کے لئے ہو۔ وہ اصول، سعد اور سعد کے رفقار سے کہیں بلند ہو"

اتحاد

"میری نظر میں سب سے بڑی اور محبوب چیز مسلمانوں اور قبطیوں کا اتحاد ہو۔ یہ علم جو اِس مبارک اتحاد کا نشان ہو، مجھے دُنیا اور دُنیا کی سب چیزوں سے زیادہ عزیز ہو۔ یہ علم میرے ہاتھ میں ہے وہ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی پوری قوت سے اُس کی حفاظت کروں گا اور زندگی کے آخری لمحے تک اُسے بلند رکھوں گا۔ "مسلمان" اور "عیسائی"! لیکن میں مسلمان اور عیسائی نہیں چاہتا۔ مصر میں صرف ایک قوم ہونا چاہئے اور وہ مصری قوم ہو"

وکالت

وکلار کے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے مرحوم نے کہا:

"میری خدمتوں کی دھوم مچی ہوئی ہو۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ میرے لئے اِن خدمتوں پر فخر کرنا روا نہیں ہو لیکن میں آپ کی اجازت سے صرف اِس بات پر فخر کرنا چاہتا ہوں کہ میں وکالت کے پیشے میں داخل ہوا اور اُس کی خدمت کی۔

"ہاں، میں اِس خدمت پر بہت زیادہ فخر کرتا ہوں۔ مجھے کوئی انانیت کا الزام نہ دے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں اُس زمانے میں اِس پیشہ کا کیا حال تھا؟

"میں نے وکالت کا پیشہ اُسوقت اختیار کیا جب یہ پیشہ معزز نہ تھا، جیسا اِسوقت ہو۔ بلکہ وہ حقیر سمجھا جاتا تھا اور اُس کے آدمی بھی حقیر سمجھے جاتے تھے۔ یہ پیشہ اصل میں جس قدر شریف تھا، ہمارے ملک میں اُسی قدر ذلیل ہو گیا تھا۔ وکیل اور دغاباز، یہ دونوں لفظ ہم معنی سمجھے جاتے تھے۔ اچھے خاندان کا کوئی رُکن بھی اُس میں داخل نہیں ہوتا تھا۔ اور سچ یہ ہو کہ اُسوقت خود وکلار کو بھی اپنی عزت نفس کا کوئی خیال نہ تھا۔

"لیکن یہ سب جانتے بوجھتے بھی میں اِس پیشہ میں در آیا۔ بلاشبہ یہ ایک بڑی اخلاقی شجاعت کا کام تھا۔ میں سُنا کرتا تھا کہ لوگ وکیل اِس لئے بنتے ہیں کہ مکر و فریب کی راہوں سے دولت کمائیں۔ میں نے کہا لیکن میں اِس لئے وکیل بنوں گا کہ حق و عدالت کی خدمت کر سکوں

"یہ اُسوقت کی بات ہو جب وکیل، حاکم عدالت کے رحم پر ہوتا تھا اُس کی ذرا سی ناراضی بھی، وکیل کو اپنی کمائی سے محروم کر دیتی تھی۔

"ایک دن ایسا ہوا کہ میں ایک مقدمہ پر بحث کر رہا تھا سرکاری وکیل نے کہا آج پیشی بڑھا دی جائے۔ میں نے اعتراض کیا "مقدمہ کا التوار ناروا ہو، کیونکہ ملزموں کو قید خانے میں بلاسبب رکھنا ناجائز ہو" حاکم خفا ہو گیا "فوراً اپنے الفاظ واپس لو" حاکم نے کہا "عدالت کے لئے کوئی بات بھی ناروا اور ناجائز نہیں" لیکن میں نے الفاظ واپس لینے سے انکار کیا اور سخت صورتِ حال کا مقابلہ کیا۔

"اِسی طرح کے بہت سے واقعات پیش آتے رہے، یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا جب یہ پیشہ معزز ہو گیا اور حکام، وکلار کی دوستی پر فخر کرنے لگے"

قومی نگرانی کے حدود

"ہم قوم کے نمائندے ہیں۔ قوم کو ہماری نگرانی کا حق ہو۔ قوم کا فرض ہو کہ وہ اپنا مطالبہ ہمیں بتلائے۔ اُسنے یہ مطالبہ ہمیں بتا دیا ہو کہ "کامل آزادی" اب ہم کوشش کرتے ہیں۔ قوم کو یہ حق نہیں ہو کہ وہ کوشش کی راہیں بھی ہمارے لئے مقرر کرے۔ قدم قدم پر ہم سے بازپرس کرے اگر ہم کسی سے گفتگو کریں تو ہم سے روداد طلب کرے اگر ہم کہیں جائیں تو ہم سے وجہ دریافت کرے۔ قوم کو چاہئے کہ خاموشی سے ہماری کوششیں دیکھے۔ جب ہم اُس کے سامنے اپنی کوشش کے نتائج پیش کریں تو بلاشبہ اُسے حق ہو کہ ہماری تجویزیں خوب جانچے اگر اُس کی پسند کے مطابق نہ ہوں تو ٹھکرا دے۔ ہمیں ہرگز کوئی شکایت نہیں ہوگی"

آزادی کی نعمت

"ہم دنیا کی ہر نعمت سے محروم ہو جانے پر طیار ہیں۔ سب آرام ہم سے چھین لو، ہمارا مال و دولت بھی ضبط کر لو۔ ہم اِس سب پر صبر کر لیں گے، مگر اے ہمیں غلام بنانے والو! یاد رکھو، ہم آزادی سے ہرگز دست بردار نہ ہونگے۔ آزادی، خدا کی سب سے بڑی نعمت ہو۔ اُس سے محرومی خود زندگی سے محرومی ہو"

قومی وحدت

"قوم اِسکے سوا کچھ نہیں کہ انسانوں کا ایک مجموعہ ہو، وہ مجموعہ جس کی مصلحت ایک ہو، جس کا شعور ایک ہو، جس کی آرزو ایک ہو۔ ہماری قوم کی اِسوقت آرزو کیا ہو؟ کامل خود مختاری!

"ہماری قومی وحدت مضبوط بنیاد پر قائم ہو۔ اُس میں نہ فرقے ہیں نہ درجے ہیں۔

"وہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ "باشاؤں" (امیروں) کا گروہ پوری قوم پر حاوی ہونا چاہتا ہو۔ ہمارے ملک میں نہ "باشاؤں" کا کوئی خاص گروہ ہو نہ "فلاحین" (کسان) کا۔ ہم سب "باشا" بھی ہو سکتے ہیں اور "فلاح" بھی ہو سکتے ہیں۔ میرے اپنے خاندان کے اکثر افراد فلاح ہیں لیکن میں سعد زغلول باشا ہوں۔

"وہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے اندر دینی فرقے موجود ہیں۔ ممکن ہو پہلے کبھی ہوں، لیکن اب کوئی فرقہ نہیں ہو۔ اور اگر کوئی ہو تو وہ ایک ہی فرقہ ہو۔ یعنے مصری قوم، جب سے جدید بیداری کا سورج طلوع ہوا ہو ہلال اور صلیب نے ہمیشہ کے لئے معانقہ کر لیا ہو۔ یہ معانقہ صرف مسلمان اور قبطی کا معانقہ نہیں ہو۔ یہ مسلمانوں کا دُنیا بھر کی قوموں اور مذہبوں سے اتحاد کا نشان ہو۔ ہم متعصب نہیں ہیں۔

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۵ — کلکتہ : جمعہ ۳ ـ ربیع الثانی ۱۳۴٦ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 30, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔

طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔

پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ـ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ـ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی ـ یاد رکھیی ـ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ـ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔

الھلال

قارئین الھلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۲۱۰ مراسلات وصول ھوی ھین ـ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۱۹۷	اردو حروف کی حق مین	۳۴۹
موجودہ مشترك طباعۃ کی حق مین	۳۲٤	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۲۳	نستعلیق ھون	۱۱۷

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ھوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی ـ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی ـ آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی ، مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الھلال

ایک اخبار کے نمایندہ سے اُس نے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

" میری عمر اِس وقت ساٹھہ برس کی ھے - لیکن میں ایسا محسوس کرتا ھوں ' گویا عالم شباب میں ھوں - دس برس پہلے میں بالکل بوڑھا ھوگیا تھا اور یقین کرتا تھا کہ زندگی ختم ھوگئی - اُس وقت میں پیدل چل نہیں سکتا تھا - میری شرائین سوکھہ کر سخت ھوگئی تھیں ' اور تمام جسم کمزور ھوچکا تھا - لیکن اب میں آسانی سے دوڑ سکتا ھوں - تمام ورزشی کھیل اِس طرح کھیلتا ھوں ' گویا تیس برس برس کا جوان ھوں - میں روز چودہ پندرہ گھنٹے کام کرتا ھوں ' مگر ذرا نہیں تھکتا - مجھہ میں اِتنی بدنی قوت ھے کہ بڑے بڑے پہلوانوں اور گھونسہ بازوں سے مقابلہ کر سکتا ھوں - میرے خیال میں دنیا بھر میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا موجود نہیں جو مجھہ سے زیادہ زندگی کی مسرتیں لوٹتا یا اُن مسرتوں کا لطف محسوس کر سکتا ھو - میری یہ قابل رشک حالت ' صرف اُس طریق علاج کا نتیجہ ھے جو میں نے ایجاد کیا ھے - مجھے از حد خوشی ھے کہ میرا تجربہ پورے طور پر کامیاب ھوا - چونکہ اِس طریقہ میں تمام عالم انسانیت کے لیے بھلائی ھے ' اس لیے میں اُس کا ایک حصہ ظاھر کردونگا - لیکن دوسرا حصہ بدستور مخفی رکھونگا ' یہانتک کہ اُس کے ظہور کے لیے مناسب وقت آجائے - مجھے دیکھو - کیا میری قوت ' چستی ' تندرستی ' ایسی نہیں ھے جس پر نوجوان رشک کریں ؟ "

" اپنے طریق علاج کا جو حصہ میں دنیا پر ظاھر کر دینا چاھتا ھوں ' وہ در حقیقت بالکل صاف ' سادہ ' اور معمولی ھے - اُس کا تعلق سراسر غذا سے ھے - چالیس سال کی عمر تک جو چاھو کھاؤ پیو ' بلکہ اِس سن تک جس طرح چاھو زندگی بسر کرو - لیکن جونہی چالیسویں سالگرہ شروع ھو ' گوشت ' شراب ' اور تمباکو سے قطعی اجتناب کرلو - اِس عمر والے کے لیے گوشت یقیناً سم قاتل کا حکم رکھتا ھے - اس کی جگہ پر ھفتہ میں ایک دو مرتبہ مچھلی استعمال کی جا سکتی ھے - مچھلی حقیقی معنی میں گوشت نہیں ھے (اگرچہ علماء تشریح اِس کے خلاف کچھہ ھی کہیں) مچھلی میں کبریتی مادہ بہت بڑی مقدار میں موجود ھوتا ھے - اور معلوم ھے ' یہ مادہ دماغ اور اُس کی تندرستی کے لیے اصلی جوھر ھے - جسم کی خلایا یا تھیلیاں ھمیشہ تبدیل ھوتی رھتی ھیں - پرانی خلایا غائب ھوجاتی ھیں ' نئی خلایا اُن کی جگہ لے لیتی ھیں - چالیس سال کی عمر تک یہ عمل جاری رھتا ھے - اِس کے بعد خلایا کا انحلال تو جاری رھتا ھے ' مگر نئی خلایا کی تکوین نہیں ھوتی - درحقیقت ھم چالیس برس کی عمر سے مرنا شروع کر دیتے ھیں ' کیونکہ اُس قوت سے محروم ھو جاتے ھیں جو خلایا کی تکوین کی علت ھے - بلا شبہ ھم اِس عمر کے بعد بھی زندہ رھتے ھیں ' لیکن ھمارے قوی برابر گرتے اور مٹتے جاتے ھیں - یہ بھی ظاھر ھے کہ گوشت ' شراب ' اور تمباکو جن عناصر سے مرکب ھے ' وہ زندہ خلایا کو قتل کرتے اور مٹاتے رھتے ھیں - پس اگر ھم زیادہ زندہ رھنے کے متمنی ھیں تو ھمیں اِس تدریجی خود کشی سے اجتناب کرنا چاھیے - یعنی ھمیں اِن قاتل عناصر کے استعمال سے قطعی پرھیز کرنا چاھیے "

" گلٹی کے ذریعہ شباب واپس لانے کا طریقہ بے فائدہ ھے - اُس کا اثر بہت ھی محدود اور عارضی ھوتا ھے - کیونکہ بوڑھے آدمی میں جوان بندر کی گلٹی اُسی وقت تک قوت پیدا کر سکتی ھے جب تک صحیح و سالم موجود ھے - لیکن جوں ھی اُس میں ضعف پیدا ھوگا ' بڑھاپا پہلے سے بھی زیادہ شدت سے واپس آجائیگا اور ڈاکٹر کی کوئی کوشش بھی اُسے سنبھال نہ سکے گی - واقعہ یہ ھے کہ زندگی کا جوھر ' گلٹی میں نہیں بلکہ جسم کی خلایا میں ھوتا ھے - ھر خلیہ اپنے اندر جرثوم حیات پوشیدہ رکھتی ھے - اِس جرثوم کو ھم زندگی کا میکروب کہہ سکتے ھیں - یہی میکروب ' خلیہ کو حرکت دیتا اور زندہ رکھتا ھے - اِس میکروب کا قتل خود خلیہ کا قتل ھے - اور خلیہ کا قتل زندگی کا ختم کرنا ھے - لہذا اِن جراثیم حیات کے بقاء و دوام کی کوشش کرنی چاھیے - اِس کوشش کی کامیابی یقیناً زندگی کو دراز کر دے گی - میں نے ایک ایسا کیمیاوی مرکب طیار کر لیا ھے جو اِن جراثیم کے لیے اکسیر کا حکم رکھتا ھے - لیکن اِس مرکب کو میں ابھی ظاھر کرنا نہیں چاھتا ' یہانتک کہ اُس کے مزید تجربے ختم کرلوں "

" ھر شخص جانتا ھے کہ چالیس سال کی عمر کے بعد جسم میں جو مادہ کم ھو جاتا ھے ' وہ کلورائڈ کا ایک مرکب ھے - یہ مرکب میں نے معلوم کرلیا ھے اور اُسے ابھی تک راز بنائے ھوے ھوں - اگر یہی مرکب بوڑھے جسم میں انجیکشن کے ذریعہ پہنچا دیا جاے تو انسان ضرور جوان ھو جائیگا ... اُس کی حیرت انگیز تاثیر تم اِس وقت بھی میرے جسم میں دیکھہ سکتے ھو "

احساس الم کا ازالہ

تکلیف کے احساس کا سبب کیا ھے ؟

تکلیف کا احساس اِس لئے ھوتا ھے کہ جسم میں اعصاب (پٹھے) موجود ھیں - یہ اعصاب اِس احساس کو اُس کے مرکز ــ دماغ ــ تک پہنچاتے ھیں اور انسان تکلیف محسوس کرتا ھے - علم کی ترقی کے بعد بہت سے مخدرات ایجاد ھوگئے ھیں - یہ اِس احساس کو زایل کر دیتے ھیں مگر اُن کا اثر عارضی ھوتا ھے - پھر بہت سے بیماروں پر اِن مخدر دواؤں کا استعمال بھی نہیں کیا جاسکتا ' کیونکہ اُن کا دل کمزور ھوتا ھے اور وہ اُن کے متحمل نہیں ھوسکتے -

یہ ' اور اِسی قسم کی دوسری مشکلات دیکھہ کر مذکور الصدر ڈاکٹر کن آب نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کرنے کی کوشش شروع کردی ھے جو سرے سے تکلیف کا احساس ھی زایل کردے اور مخدر دواؤں کی ضرورت باقی نہ رھے -

ڈاکٹر کو یقین ھے کہ اِس مقصد میں اُسے ضرور کامیابی ھوگی - اِس کامیابی کا نتیجہ یہ ھوگا کہ انسان ھمیشہ کے لئے تمام آلام و تکالیف سے نجات پا جائیگا - اُس وقت جراح مخدرات کی مدد کے بغیر عمل جراحی کر سکینگے - مریض ھرگز کوئی تکلیف محسوس نہیں کریگا - ڈاکٹر کا دعوی ھے کہ کتوں پر اُس کا تجربہ بالکل پورا اترا ھے - لہذا کوئی وجہ نہیں کہ انسان پر بھی کامیاب نہ رھے -

اِس طریق علاج کا خلاصہ یہ ھے کہ " نخاع مستطیل " (بصلۃ الملخ) پر عمل جراحی کیا جائے تاکہ احساس کا مرکز ھمیشہ کے لیے شل اور سن ھوجائے - ظاھر ھے ' جب اصلی مرکز سن ھوجائیگا تو تکلیف کا احساس بھی قطعاً باقی نہیں رھے گا - واقعی اگر یہ تجربہ کامیاب ثابت ھوگیا ' تو ھمارے تمام جسمانی آلام ھمیشہ کے لیے ختم ھوجا سکتے ھیں -

لیکن ابھی کامیابی دور نظر آتی ھے - کیونکہ اِس عمل جراحی میں ایک بڑا خطرہ یہ ھے کہ دماغ میں جملہ احساسات کے مرکز ھی کہیں شل نہ ھوجائیں اور انسان میں کوئی حس ھی باقی نہ رھے - ھاں اگر وہ خاص عصب (پٹھا) دریافت ھوجائے جو تکلیف کا احساس دماغ تک پہنچاتا ھے ' تو بلا شبہ یہ اکتشاف ' انسانیت کے لیے نعمت عظمی بن جاسکتا ھے -

برتر انسان

(Super man)

(ایک جدید علمي تجربه)

قارئین الهلال ڈاکٹر وورنوف کے نام سے واقف هوچکے هیں - اس ڈاکٹر نے شباب کي واپسي کے لیے جو طریقه ایجاد کیا هے ' اُس کا مفصل بیان کسي پچھلي اشاعت میں درج هو چکا هے - آج هم اُس کا ایک اور تجربه - یا زیاده صحیح لفظوں میں نظریه - پیش کرتے هیں - یه نظریه بلاشبه عجیب هے - اتنا عجیب که بمشکل یقین کیا جا سکتا هے - لیکن ڈاکٹر مذکور اُس پر مضبوطي سے مصر هے ' اور ثبوت میں اپنے بعض تجربوں کا حواله دیتا هے -

جدید نظریه یه هے که صرف بوڑھے هي جوان نہیں بنا دیے جاسکتے بلکه ایک نئي انساني نسل بھي پیدا کي جا سکتي هے جو موجوده نسل سے اپنے جسمي و دماغي قوی میں کہیں زیاده برتر هوگي - ڈاکٹر وورنوف اِس اینده نسل کو " سوپر مین " یا برتر انسان کے لفظ سے تعبیر کرتا هے - یه دراصل مشہور جرمن حکیم نیٹشے کي اصطلاح هے - اُس کا دعوی هے که اِس نسل کا هر فرد اپنے جسم و دماغ میں ایک نمونه هوگا ' بہت طویل العمر هوگا ' کم سے کم ۱۵۰ برس ضرور زنده رهے گا !

اعادۂ شباب کا معامله ' اب نظریے کي حد سے نکل کر علمي حقائق کي صف میں جگه پا چکا هے - علم ' اُس کي راه میں بہت سي مسافتیں طے کرچکا هے - شکوک و شبہات کے تقریباً تمام پردے اُس پر سے اٹھه چکے هیں - عنقریب انساني تاریخ پر اِس کا بہت گہرا اثر پڑنے والا هے -

لیکن " برتر نسل " کي تخلیق ابھي تک ایک نظریه هي هے ' اگرچه ڈاکٹر وورنوف کو اُس پر پورا یقین هے - اپنے اِس نظریه کي تکمیل میں بھي وه بندر کي گلٹیوں سے کام لینا چاهتا هے -

تفصیل یه هے که ڈاکٹر وورنوف کا اعتقاد هے ' اگر ممتاز جسمي و عقلي قوی کے آدمیوں میں ایک تیسري گلٹي کا اضافه کر دیا جائے ' تو اُن کي نسل ضرور برتر هوگي - اب تک وه مینڈھوں پر متعدد کامیاب تجربے کرچکا هے - لیکن حال میں آٹھه برس کے ایک لڑکے پر تجربه شروع کیا هے - اُس کا خیال هے ' اِس لڑکے کي اولاد حیرت انگیز عقلي و جسمي قوی کي مالک هوگي -

اِس موضوع پر ایک اخبار کے نامه نگار سے گفتگو کرتے هوئے ڈاکٹر موصوف نے کہا :

" میں مستقبل پر نظر ڈالتا هوں تو اُس کے دامن میں " سوپر مین " (برتر انسان) صاف دکھائي دیتا هے - یہي انسان اور اُس کي نسل ابد الا آباد تک دنیا پر حکومت کرے گي - یه نسل ایک ایسي قہرمان عقل و جسم کي مالک هوگي که تمام مخلوقات اُس کي قوت قاهره کے سامنے جھک جائیگي ... میں ابتک بوڑھوں کو جوان بناتا تھا - لیکن یه کچھه زیاده نتیجه خیز عمل نه تھا - اِس سے انساني عمر میں تھوڑا سا اضافه هوتا هے - لیکن اب جن نئے تجربوں کا میں نے عزم کیا هے ' وه تمام پچھلے تجربوں سے کہیں زیاده حیرت انگیز اور نتیجه خیز هونگے - یه تجربے صرف بوڑھوں هي پر نہیں هونگے - اب میري توجه کا مرکز کم عمر بچے هونگے - وه بچے جنکي عمر آٹھه اور دس برس کي هے - بندر کي گلٹي هي یه حیرت انگیز انقلاب پیدا کرے گي ' اور انھیں ایک نیا آدمی بنا دے گي میں ایسے بچوں کو اپنے تجربے کے لیے منتخب کرونگا جو غیر معمولي ذهانت اور جسماني قوت رکھتے هیں - یه بچے اور ان کي نسل مستقبل میں یقیناً نہایت عظیم هوگي - اِس مقصد میں سب سے بڑي مشکل یه درپیش هے که ترقي یافته بندروں (شمپانزي اور اورنگ اوٹنگ) کي کافي تعداد موجود نہیں هے - اگر هر آدمي کے لیے ایک ایک بندر مل جائے تو نہایت قلیل مدت میں نسل انساني کي کایا پلٹ جائے - لیکن یه مشکل نا قابل حل نہیں هے - یورپ اور امریکا کے گرم علاقوں میں بندروں کي افزائش کا انتظام کیا جا سکتا هے "

جراثیم حیات

(ایک اور جدید نظریه)

هندوستان میں کم لوگوں نے ڈاکٹر کن آب کا نام سنا هوگا - حالانکه وه فرانس کا ایک مشہور ڈاکٹر اور عالم هے - اُس جیسي وسیع معلومات رکھنے والے آدمي دنیا میں بہت کم هیں - وه ۸۰ - علوم و فنون اور صناعتوں کا ماهر هے - چنانچه سائنس داں ' طبیب ' فیلسوف ' کیمیائي ' موجد ' موسیقي داں ' شاعر ' ریاضي ' فلکي ' سب هي کچھه هے - غیر معمولي دماغي قابلیت کے علاوه نہایت عظیم جسماني قوت بھي رکھتا هے - پورا پہلوان هے -

یه عجیب ڈاکٹر ' وور نوف اور اُسکے تمام هم مشرب ڈاکٹروں کے بارے میں سخت سوءظن رکھتا هے - اُس کے خیال میں وه دغاباز هیں - جواني واپس لانے کا جو طریقه اُنھوں نے ایجاد کیا هے ' غلط هے - اُس کا اثر ' عارضي هے ' اور اُس کا رد فعل نہایت مضر هوتا هے - لیکن خود اپنے متعلق اُس کا دعوی هے که وه بوڑھوں کو بغیر کسي گلٹي کے استعمال کے جوان بنا دیتا هے اور انسان کي عمر دو سو برس تک طویل کر دے سکتا هے - اس کے علاج میں سب سے پہلے اُن شرطوں کي پابندي ضروري هے جو اُس کے خیال میں درازي عمر کي ضروري شرطیں هیں - پھر انجیکشن کے ذریعه وه ایک ماده جسم میں داخل کر دیتا هے - یه ماده خود اُس نے ایجاد کیا هے - دنیا کو ابتک اُس کا کوئي عام و تجربه حاصل نہیں هوا -

وفادار ... شاہی محل میں گھس پڑی اور بایزید کے لڑکے ... کو تخت پر بٹھا دیا۔ سلطان محمد فاتح ... کے بطور ضمانت کے اپنے پاس رکھ چھوڑا تھا تاکہ وہ وفادار اور اطاعت شعار رہیں۔ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوگیا بلکہ فوج سازش سے بھی واقف ہوگئی اور وزیر اعظم کو قتل کر ڈالا۔

(٤)

اب جم کی زندگی کے ہولناک تاریک دن شروع ہوتے ہیں۔ قاصد ہوا کی طرح اڑ کر بایزید کے پاس پہنچا۔ ولی عہد گویا پہلے ہی سے تیار بیٹھا تھا۔ فوراً روانہ ہوگیا اور نہایت سرعت سے پایۂ تخت میں داخل ہوا۔ لیکن قصر شاہی میں فوج نے داخل ہونے نہیں دیا اور اپنا انعام طلب کیا۔ گویا اپنی وفاداری کی قیمت لینی چاہی۔ بایزید زیرک تھا۔ فوراً خزانے کا منہ کھول دیا اور سب کو خوش کردیا۔ بعد میں یہی بخشش فوج کا مطالبہ اور قرضہ بن گئی اور سلطنت کے لیے بہت مضر ثابت ہوئی۔

بایزید تخت نشین ہوگیا اور اپنے بھائی جم پر قابو حاصل کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ جم اب تک اِس انقلاب سے بے خبر تھا۔ باپ کی وفات اُس وقت معلوم ہوئی جب صدر اعظم قتل اور بایزید تخت نشین ہوچکا تھا!

سخت متحیر ہوا کہ کیا کرے؟ یہ ظاہر تھا کہ صدر اعظم کے بعد پایۂ تخت میں اُس کے حامیوں کی کوئی جماعت باقی نہیں رہی ہے۔ علماء اُس کے سخت خلاف ہیں اور عام رائے اُنہی کے زیر اثر ہے۔ اب اُسے اپنے سامنے دو ہی راہیں نظر آتی تھیں: بھائی کی اطاعت یا جنگ۔ پہلی صورت کی طرف اُس کا رجحان تھا، مگر دو باتوں سے ڈرتا تھا: ایک یہ کہ گلیشیا کی حکومت اُس کے ہاتھ سے چھین لی جائیگی۔ دوسرے یہ کہ بایزید اُسے قتل کرنے کی کوشش کریگا۔ کیونکہ ترک سلاطین کا یہ عام دستور تھا کہ اپنے بھائیوں کو قتل کرڈالا کرتے تھے۔ اگرچہ وہ کتنے ہی مطیع و وفادار ہوں۔

مجبوراً اُس نے جنگ کا عزم کیا۔ اُسے اپنی کامیابی کی قوی امید تھی۔ گلیشیا کے باشندے جنگجو اور وفادار تھے۔ اُس نے خیال کیا، بایزید بزدل اور پست ہمت ہے۔ ہرگز مقابلہ نہ کر سکے گا۔

(۵)

چنانچہ وہ فوراً کمر بستہ ہوگیا اور ایک جرار فوج لے کر بروسہ کی طرف بڑھا۔ بروسہ، قسطنطنیہ کی کنجی ہے۔ اُسے یقین تھا، بایزید کی طیاری سے پہلے ہی وہ بروسہ پر قابض ہوجائے گا۔ مگر بایزید بھی غافل نہ تھا۔ مقابلہ کی طیاری کرچکا تھا۔ جم کے متحرک ہوتے ہی اُس نے بھی ایاز پاشا کی قیادت میں ایک فوج روانہ کردی، اور خود بھی ایشیائی ساحل پر جنگی کاروائی کرنے کیلیے آ موجود ہوا۔

دونوں فوجیں بیک وقت بروسہ کے سامنے پہنچیں۔ شہر والوں نے اپنی بربادی کے خوف سے دونوں پر شہر کے دروازے بند کردیے۔ باہر ہی باہر فیصلہ کرلینے پر مجبور کیا۔ میدان جنگ گرم ہوا اور پہلے ہی معرکہ میں بایزید کی فوج بھاگ نکلی۔ جم، مظفر و منصور شہر میں داخل ہوا اور اپنی سابق عیاشی پھر شروع کردی۔ اب اُسے کامل یقین تھا کہ پایۂ تخت کا مالک ہوجائے گا۔

لیکن یہ اُس کی سخت غلط فہمی تھی۔ بایزید نے ایک اور فوج گراں سنان پاشا کی سپہ سالاری میں بھیجی۔ مگنیا سے ایک دوسری فوج اُس کی کمک پر چل دی، اور دونوں نے مل کر جم پر حملہ کردیا۔ عیش پسند شاہزادے کے سپہ سالار، نصوح نے دشمن کی قوت دیکھی تو دوڑ ازراہ کی طرف پسپا ہوگیا۔ خود جم کو بھی بروسہ خالی کرنا پڑا۔ صرف سترہ دن کی حکومت اُس کی قسمت میں لکھی تھی!

بایزید نے صرف اپنی جنگی قوت ہی پر بھروسہ نہیں کیا، بلکہ سازش کا جال بھی پھیلا دیا۔ بڑی بڑی رشوتیں دے کر جم کے بہت سے آدمی ملا لیے۔ حتی کہ اُس کا وزیر یعقوب بھی خیانت پر آمادہ ہوگیا۔ یعقوب نے اپنے آقا کو ینی شہر چلنے کا مشورہ دیا۔ یہاں بایزید کی ایک بڑی فوج موجود تھی۔ فوراً جم پر ٹوٹ پڑی۔ اب بھی پلہ شاہزادے ہی کا بھاری تھا۔ مگر عین میدان جنگ میں اُس کے سپہ سالار نصوح نے دغا کی اور فوج کا ایک بڑا حصہ لے کر دشمن سے جا ملا۔ اب جم کے لیے راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہا تھا۔

سلطان محمد فاتح
جبکہ وہ قسطنطنیہ کے سقوط کے بعد شہر میں داخل ہوا

لیکن ابھی ایک امید باقی تھی۔ سلجوق خاتون، سلطان محمد فاتح کی پھوپھی، دونوں بھائیوں میں صلح کی کوشش کر رہی تھی۔ خود جم نے اُسے بروسہ سے بھیجا تھا۔ تجویز یہ تھی کہ سلطنت تقسیم ہوجائے۔ یورپین علاقوں پر بایزید حکومت کرے اور ایشیاء جم کے حوالے کردے۔ نیک دل سلجوق خاتون نے سلطان کو بہت کچھ سمجھایا۔ بھائی کے حقوق یاد دلائے، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بایزید نے صاف کہدیا "بادشاہوں میں رشتہ نہیں ہوتا"

جم، شکست کھا کر بھاگا۔ راستہ میں خود اُسی کے سپاہیوں نے اُسے لوٹ لیا اور سخت زخمی کیا۔ محمد فاتح کا اولو العزم فرزند دوسرے دن آق شہر میں اِس طرح پہنچا کہ تن پر ایک کپڑا بھی نہ تھا اور سردی سے اُس کا تمام بدن کانپ رہا تھا۔ اگر ایک شخص رحم کھا کے اُسے اپنا گرم کوٹ نہ دے دیتا تو یقیناً ٹھٹھر کر مرجاتا!

شکست کے ایک ہفتہ بعد وہ قونیہ پہنچا۔ یہاں اپنی ماں اور بیوی سے ملاقات ہوئی۔ اِنہیں لے کر شام روانہ ہوا، اور شام سے ۲۸ جون سنہ ۱۴۸۲ع کو مصر پہنچا۔ مصر میں اُس کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا۔ خود سلطان قایتبائی نے شہر کے باہر آکر خیر مقدم کیا اور معزز مہمان کو اپنے محل میں اتارا۔ چار مہینے آرام

افسانہ

ترکي تاريخ کا ايک [illegible] صفحه

(شاهزاده چم کا افسوس ناک انجام)

کم لوگوں نے شاهزاده " چم " کا نام سنا هوگا - عام طور پر مورخوں نے بهي اِس کا ذکر نهیں کیا هے - نتیجه یه هے که یه نام بالکل اجنبي معلوم هوتا هے - حالانکه اِس کا واقعه ترکي تاریخ میں ایک نهایت هي غم ناک فاجعه (ٹریجڈي) هے - اور اِس وقت بهي مشرقي دنیا کے لیے عبرت و موعظت کا ایک درس هے - آج هم قارئین الهلال سے اِس تاریخي شخصیت کا تعارف کراتے هیں -

(۱)

چم ـــ یا یوروپین تلفظ کے مطابق " زیزم " ـــ ایک بد نصیب مشرقي شاهزاده هے - مصائب و آلام نے اُس سے محبت کي - زمانے نے بے وفائي کي - حسرت و غم نے اُسکا پیچھا کیا -

سلطان محمد ' فاتح قسطنطنیه کا یه منجھلا لڑکا تھا - اُس میں جسماني قوت ' ذهانت ' حسن ' خوش مزاجي ' رقیق احساس ' شجاعت ' جمله اوصاف جمع هوگئے تھے - پیدائشي شاعر تھا - ترکي شعر و ادب میں ابتک اُس کے آثار موجود هیں ' اور اُس کي ذهني بلندي اور شاعرانه تخیل کا بهترین ثبوت هیں -

اُس کا آغاز نهایت امید افزا تھا - گمان هوتا تھا که قدرت اُس پر پوري طرح مهربان هے - ابھي اُس کي عمر دس برس هي کي تھي که اولوالعزم باپ ' محمد فاتح ' اُس کي قابلیت کا معترف هوگیا اور صوبۂ قسطموني کا حاکم مقرر کردیا - یهاں شعراء و ادباء کي ایک بڑي جماعت موجود تھي - کم سن شاهزادے نے انھیں باریاب کیا ' تعلقات بڑھائے ' اور خداداد قابلیت کے ساتھه شعر و ادب کا با قاعده مطالعه کیا - تھوڑي هي مدت میں اپنے استادوں سے بھي بازي لے گیا - اُسي زمانے میں ایک فارسي قصے " خورشید و جمشید " کا ترکي شعر میں ترجمه کیا اور اپنے والد کے نام هدیه کیا - محمد فاتح بهت خوش هوا - پہلے سے زیاده مهربان هوگیا اور صوبۂ گلیشیا کي حکومت سپرد کردي - اُس وقت چم کي عمر صرف اٹھاره سال کي تھي ' مگر وه پخته کار حکمراں بن چکا تھا -

گلیشیا میں اُس نے اپني انتظامي قابلیت کے بڑے بڑے ثبوت پیش کیے - یه صوبه پہلے سلجوقیوں کي ایک ریاست تھا - آل عثمان نے اُسے فتح تو کرلیا تھا ؛ مگر پوري طرح قابو نهیں پاسکے تھے - همیشه بدامني اور شورش برپا رهتي تھي - سابق سلجوقي حکمران بغاوتوں پر بغاوتیں کرتے رهتے تھے - مصر کے چرکس بادشاه اور ایران کے شهنشاه اُن کي امداد کرتے تھے - اُس وقت ترکي سلطنت میں اِس صوبے سے زیاده مشکل حکومت کسي صوبے کي نه تھي - والیوں پر والي آتے تھے اور ناکام لوٹ جاتے تھے -

لیکن چم نے آتے هي اپني بے نظیر همت و شجاعت سے کام لے کر تمام شورش پسند عناصر کا خاتمه کردیا - هولناک معرکوں میں بے خوف و خطر گھس جاتا تھا - دست بدست لڑائیاں لڑتا تھا - بڑے بڑے شه زوروں سے نبرد آزما هوتا اور همیشه غالب رهتا - تھوڑے هي دنوں میں اُس کا رعب دلوں پر چھا گیا - چم کا نام دل دهلا دیتا تھا - باشندے ڈر سے اُس کا نام نهیں لیتے تھے - " رستم دوراں " کے لقب سے یاد کرنے لگے تھے !

(۲)

پانچ برس تک نهایت بیدار مغزي سے حکومت کرتا رها - هر طرف امن و اماں قائم هوچکا تھا - کوئي پیچیدگي بھي باقي نهیں رهي تھي - اب اُس نے اپنے تئیں معطل پایا - اِس تعطل نے اُس کے مزاج میں تبدیلي پیدا کي ' اور اِسي تبدیلي سے اُس کي بد نصیبي کا آغاز هوا -

حکومت کي ذمه داریوں سے غافل هوگیا - عیش و عشرت کي بساط بچھا دي - نفس پرستي کا دروازه کھول دیا - اُس کا محل بوالهوسوں کا مرکز اور عیش پرستوں کا کعبه بن گیا -

اب تک وه پوري قوم کا محبوب تھا - کوئي نه تھا جو اُسے محمد فاتح کا سچا جانشین نه خیال کرتا هو - ملک بھر کي یهي راے تھي که آئنده سلطان وهي هوگا - لیکن اِس نئي تبدیلي نے اُس کي شهرت و مقبولیت کو سخت نقصان پهنچایا - دو جماعتیں قائم هوگئیں : ایک اب بھي اُس کي مؤید تھي - پورے یورپ کے مقابلے کي قوت اُسي میں دیکھتي تھي - یه جماعت وزیر اعظم محمد نشانی باشا کي تھي - دوسري جماعت فسق و فجور کي وجه سے اُس کي سخت مخالفت تھي - دین و امت کے لیے اُسے خطرناک سمجھتي تھي - اِس جماعت کا سرگروه ' شیخ الاسلام تھا -

چم کا حریف ' بایزید تھا - یه اُس کا بڑا بھائي اور ترکي دستور حکومت کي رو سے اپنے باپ کا وارث تھا - سلطان محمد کي زندگي میں دونوں حریف دور دور رهے - لیکن اُس کي وفات کے بعد تصادم ضروري تھا -

چم ' عقلمند ' بهادر ' اولوالعزم ' مگر عیاشي کي وجه سے غفلت کا شکار هوگیا تھا - بایزید ' بے قوف ' بزدل ' پست همت ' مگر سلطنت حاصل کرنے کے لیے بے قرار تھا - بایزید اپنے بھائي کي قابلیتوں سے واقف تھا ' اِس لیے بهت بیدار رهتا تھا -

(۳)

اپنے باپ کي وفات کے وقت دونوں بھائي پایۂ تخت ' قسطنطنیه سے دور تھے - چم گلیشیا میں تھا اور بایزید آماسیا کا حاکم تھا - وزیر اعظم محمد نشاني باشا چونکه چم کا طرفدار تھا ' اس لیے اُس نے سلطان کي موت فوج سے مخفي رکھي - کیونکه فوج تمام تر ترکي علماء کے زیر اثر تھي - اُس نے پہلے ایک خفیه قاصد چم کے پاس بھیجا که فوراً پایۂ تخت پهنچو اور سلطنت پر قابض هو جاؤ - نیز وه تدبیریں بھي لکھدیں جن سے بایزید زیر کیا جا سکتا تھا - کئي دن بعد دوسرا قاصد بایزید کے پاس بھیجا اور تخت نشیني کي دعوت دي -

دونو قاصد روانه هوگئے - مگر چم بد قسمت تھا - اُس کا قاصد پهنچ نه سکا - کوتاهیه کا حاکم سنان باشا ' بایزید کا طرفدار تھا - وه حقیقت سے واقف هوگیا اور قاصد کو گرفتار کرکے قتل کرڈالا - دوسري مصیبت یه پڑي که پایۂ تخت کي فوج کو سلطان کي

تم کہا رہی ہیں - مگر پوپ نے منظور نہیں کیا - اُس نے کہا "یورپ کے بادشاہ ترکی پر چڑھائی کرنے کی طیاری کر رہے ہیں تاکہ تمھیں تخت نشین کردیں" ساتھہ ہی اُس نے بہت اصرار کیا کہ مسیحی دین اختیار کرلے تاکہ " دنیا کے ساتھہ آخرت کی عزت بھی حاصل ہوجائے "

جم ' پکا مسلمان تھا - پوپ کی یہ دعوت حقارت سے رد کردی - اُس نے سختی سے کہا " اگر تمام دنیا کی بادشاہی مل جاے ' تو بھی میں اپنا دین فروخت نہیں کرونگا " اِتنا ہی نہیں بلکہ غیور شہزادے نے پوپ کے روبرو سر جھکانے یا اُس کے ہاتھہ کو بوسہ دینے سے بھی انکار کردیا ' جیسا کہ شاہان یورپ کا دستور تھا - اُس نے کہا " میں مسلمان ہوں - پوپ کے سامنے نہ تو جھک سکتا ہوں ' نہ اُس کا ہاتھہ چوم سکتا ہوں ! "

پوپ نے اُسے ویٹیکان میں نظر بند کردیا اور دول یورپ کو ترکی پر حملہ کی ترغیب دینے لگا - مگر اُس وقت بھی یورپ میں باہم دگر سخت منافست تھی - آپس میں کوئی سمجھوتا نہ ہوسکا - اِسی اثناء میں پوپ نے انتقال کیا اور مشہور ظالم کارڈنیل ' اسکندر اُس کا جانشین ہوا - اِس نے اُس عظیم رقم پر قناعت نہیں کی جو جم کو قید میں رکھنے کے صلہ میں بایزید سے سالانہ وصول کیا کرتا تھا - بلکہ ایک بہت بڑی رشوت لے کر اُس کے قتل پر آمادہ ہوگیا -

(۱۱)

اُسی زمانہ میں (ستمبر سنہ ۱۴۹۴ ع) چارلس ہشتم شاہ فرانس نے روم کا محاصرہ کرلیا ' اور صلح کی ایک شرط یہ بھی قرار دی کہ جم اُس کے حوالہ کر دیا جائے - پوپ نے دونوں طرف سے فائدہ اٹھانا چاہا - اُس زمانے میں یورپ کے روحانی رہنما آلات و وسائل قتل کے بھی سب سے بڑے ماہر تھے - پوپ کے پاس ایک ایسا زہر موجود تھا جو اگر ایک تندرست آدمی کو کھلا دیا جاے ' تو ایک خاص مدت تک اُس کی تندرستی پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا - لیکن اُس مدت کے بعد آہستہ آہستہ اُسکی تاثیر کام کرنے لگتی تھی ' اور بہ تدریج مریض کا خاتمہ کر دیتی تھی - پوپ نے یہی زہر جم کو کھلا دیا ' اور اِسکی اطلاع بایزید کو دیکر اُس سے مطلوبہ رقم حاصل کرلی - پھر زندہ و سالم جم ' چارلس کے حوالہ کردیا ' اور اُس سے بھی صلح کرلی !

جم ' شاہ فرانس کے قبضہ میں آگیا - چارلس نے اُسے ترکی پر فوج کشی کے لیے آمادہ کرنا شروع کیا - مگر اب وہ سمجھہ چکا تھا کہ یورپ اُس کی طرفداری نہیں کر رہا ہے - اُس کی آڑ میں سب سے بڑی اسلامی سلطنت تباہ کرنی چاہتا ہے - چنانچہ اُس نے قطعی طور پر انکار کردیا - بادشاہ نے ناراض ہوکر قید کردیا - مگر اب اُس کی دائمی رہائی کا وقت بھی آ پہنچا تھا - پولس رسول کے جانشین پوپ کا زہر اُس کے جسم میں سرایت کرچکا تھا - وہ ابھی ناپولی ہی میں تھا کہ ۲۴ - فروری سنہ ۱۴۹۵ ع میں انتہائی حسرت و یاس کے ساتھہ اِس دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگیا !

اُسکے آخری الفاظ یہ تھے :

" خدایا ! اگر دشمنان دین مجھسے مسلمانوں کے خلاف کام لینا چاہتے ہیں ' تو مجھے جلد موت دیدے ' اور اُن کا مقصد پورا نہ ہونے دے ! "

حب ذات کس میں زیادہ ہے : مرد میں یا عورت میں ؟

(ایک مصری خاتون کے قلم سے)

سب سے پہلے مجھے یہ ظاہر کردینا چاہیے کہ دنیا کی ترقی کے لیے جس طرح ایثار کرنے والے ضروری ہیں ' اُسی طرح حب ذات رکھنے والے بھی ضروری ہیں - اگر ایک آدمی بھی حب ذات رکھنے والا باقی نہ رہے ' تو ایثار کرنے والے لوگ کس کی خدمت کرینگے ؟ وہ ضرور دل میں گھٹ گھٹ کر مر جائنگے - کیونکہ اُن کے لیے ایثار کی نیکی پر عمل کرنے کا کوئی موقعہ موجود نہ ہوگا - لیکن چونکہ یہ دونوں خصلتیں رکھنے والے دنیا میں تقریباً مساوی تعداد میں موجود ہیں ' اور ہمیشہ موجود رہینگے ' اِس لیے اِس صورت حال کے پیش آنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے -

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حب ذات کس میں زیادہ ہے : مرد میں یا عورت میں ؟ میرے خیال میں جواب صرف ایک ہی ہو سکتا ہے ' اور وہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر جنس نسوانی میں یہ خصلت زیادہ پائی جاتی ہے - عورتیں علی العموم حب ذات کی بیماری میں مبتلا ہیں - ہر عورت اپنی طبیعت پر تھوڑا سا غور کرکے یہ حقیقت معلوم کرلے سکتی ہے - برخلاف اِسکے مردوں میں ایثار کا مادہ بہت ہوتا ہے - عورتیں خود غور کریں کہ اُنکے آرام و آسائش کے لیے مرد کتنی تکلیفیں اٹھاتے ہیں ؟ ہمارے لیے دروازے کھولتے ہیں - ہماری گری ہوئی چیزیں اٹھا دیتے ہیں - ریل اور ٹریم وغیرہ سواریوں میں ہمارے لیے اپنی جگہ خالی کر دیتے ہیں - ہمارے سر پر چھتری لگا کے چلتے ہیں - غرضکہ اٹھنے بیٹھنے ' کھانے ' پینے ' ہر چیز میں ہمارے لیے ایثار کرتے ہیں - خود تکلیف اٹھاتے ہیں اور ہمیں آرام دیتے ہیں !

حقیقت یہ ہے کہ عورت ' مرد کی اِس خصلت سے بہت خوش ہوتی ہے - اِسے اُسکی مردانگی کی علامت سمجھتی ہے - اسی طرح مرد بھی عورت کی حب ذات پسند کرتا ہے - بلکہ اگر ہم عورتوں میں حب ذات نہ ہوتی ' تو مرد ہم سے سخت نفرت کرنے لگتے - یہی حب ذات ' بناوٹی کمزوری ' مصنوعی نزاکت ' وہ ادائیں ہیں ' جو ہمیں مرد کی نظر میں معزز و محبوب بنائے ہوئے ہیں -

لینے کے بعد حج کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہوا - وہاں بہت سے ترک سرداروں سے ملاقات ہوئي - یہ لوگ بایزید کے خلاف تھے - انھوں نے شاھزادے کو از سر نو قسمت آزمائي کا مشورہ دیا اور اپني عقیدت و خدمت پیش کي - انہي میں قاسم بک حاکم گلیشیا بھي تھا -

(٦)

چم نے پھر کمر ہمت چست کي - حلب پہنچا - وہاں بایزید کے کئي باغي سپہ سالار اُس کے انتظار میں تھے - انھیں ساتھہ لے کر گلیشیا گیا اور وعدہ کیا کہ سلطان بننے کے بعد گلیشیا کو خود مختاري بخش دے گا -

چم نے ایک بڑي فوج جمع کرلي اور قونیہ کے طرف بڑھا - بایزید نے سنا تو ایک لشکر گراں کے ساتھہ روانہ ہوا - اُس کي فوج کا سپہ سالار اپنے زمانے کا سب سے بڑا جنگي آدمي تھا - کدیک احمد باشا فاتح اٹرنٹو - مشرق و مغرب ' دونوں دنیاؤں میں مشہور تھا - اُس نے آتے ہي چم کي فوج تہ و بالا کر ڈالي -

چم ' پھر بھاگا اور گلیشیا کے پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوگیا - بایزید نے ایک وفد بھیج کر خواہش کي کہ جنگ سے باز آجائے اور پر امن زندگي اختیار کرے - اُس نے منظور کرلیا مگر اِس شرط پر کہ اُسے چند صوبوں کي حکومت بخش دي جاے - بایزید نے انکار کیا " ایک سلطنت میں دو ساجھي جمع نہیں ہوسکتے " اُس کا صاف جواب تھا -

بایزید نے صرف انکار ہي نہیں کیا بلکہ حریف کا پہاڑوں میں تعاقب بھي شروع کردیا - چم کے لیے اب وسیع دنیا تنگ ہوگئي - اُس نے ارادہ کیا کہ مصر یا ایران میں جاکر پناہ ڈھونڈھے ' مگر قاسم بک نے مشورہ دیا کہ یورپ جائے اور وہاں کے پادشاہوں کي مدد سے اپنا ملک فتح کرے -

(۷)

شاھزادے نے بڑے پس و پیش کے بعد یہ تجویز قبول کرلي - قسطنطنیہ کي فتح کا واقعہ ابھي تازہ ھي تھا - یورپ کے تمام بادشاہ ترکوں کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے - قوي امید تھي کہ وہ سلطنت عثمانیہ کي تباہي کے خیال سے اِس باھمي خانہ جنگي میں شرکت منظور کر لینگے ' اور اِس طرح مداخلت و استیلاء کا موقعہ بہم پہنچائینگے -

چم نے جزیرۂ روڈس میں اپنا ایک وفد بھیجا - اُس وقت یہ جزیرہ مشہور صلیبي مجاهدین " سینٹ جان کے سواروں " کے قبضہ میں تھا - جزیرے کے حاکم اعلی نے اپنے ارکان حکومت کے مشورے سے شاھزادے کي حمایت قبول کرلي - آنے کي دعوت دي اور اپنا جنگي بیڑہ اُس کے لیے بھیج دیا -

۲۳ - جولائي سنہ ۸۲ ۱۴ - کو چم کا روڈس میں شاھانہ استقبال کیا گیا - اور نہایت عزت و احترام سے اُسکي ضیافتیں شروع ہوئیں - بایزید کو معلوم ہوا تو اُس نے جزیرہ کي حکومت کو دائمي صلح کے معاهدہ کا پیغام بھیجا - ساتھہ ھي بہت سے امتیازات بھي پیش کیے - اِن مراعات کے صلے میں چم کي حوالگي کي درخواست کي - جزیرہ کي حکومت بہت خوش ہوئي - اُس نے شاھانہ مراعات قبول کرلیں - مگر چم کے حوالہ کرنے سے اِس بنا پر انکار کیا کہ وہ مہمان ہے - البتہ وعدہ کیا کہ اُسے جزیرے سے نکال دیا جائیگا -

جزیرے کي حکومت نے ایک طرف بایزید سے مصالحہ کر لیا - دوسري طرف چم سے وعدہ لے لیا کہ سلطنت پر قابض ہونے کے بعد اُسے عظیم الشان مراعات دے گا - باضابطہ عہدنامہ لکھوا لینے کے بعد شاھزادے سے کہا کہ یہاں اُس کي زندگي خطرے میں ہے - بایزید نے اسے زہر دینے کے لیے اپنے جاسوس بھیج دیے ہیں - لہذا مصلحت یہي ہے کہ فرانس چلا جائے -

(۸)

بد نصیب شاھزادہ راضي ہوگیا - اور اگست سنہ ۱۴۸۲ ع میں جزیرے سے روانہ ہوا - اُسے یقین تھا کہ فرانس جا رہا ہے - وہاں آزاد شاھانہ زندگي بسر کریگا - مگر جہاز میں بیٹھتے ہي اُس نے محسوس کیا کہ حکام جزیرہ کي حراست و قید میں ہے اور وہ اُسے آزاد کرنا نہیں چاہتے - مگر اب مجبور تھا - صبر کے سوا کوئي چارہ نہ تھا -

شاھزادہ ' شہر نیس میں پہنچایا گیا - یہ مقام اُسے بہت پسند آیا - اُس کي تعریف میں ایک قصیدہ لکھا - یہیں اقامت اختیار کرني چاہتا تھا مگر تخت شاھي کے لیے بے چین تھا - چنانچہ یہاں سے شاہ فرانس کے پاس قاصد بھیجا اور امداد کي درخواست کي - لیکن حکومت روڈس کے آدمیوں نے قاصد کو راستہ میں روک لیا اور شاھزادے کو فروري سنہ ۱۴۸۳ ع میں نیس سے دوسري جگہ لے گئے - اب اُسے کہیں جمنے نہیں دیتے تھے - شہروں شہروں لئے پھرتے تھے اور سختي سے نگراني کرتے تھے -

چم کو یقین ہوگیا کہ اُسے دھوکا دیا گیا ہے - یہ لوگ اُس کے ذریعہ بایزید سے فائدہ اٹھا رہے ہیں - چنانچہ اُس نے پھر دو قاصد روانہ کیے - ایک فرانس کو ' دوسرا ھنگري کو - مگر اُس کے میزبان روڈس کے حاکموں کو خبر مل گئي اور اُسے قلعہ ساسناگ میں تن تنہا قید کردیا -

(۹)

اب چم کي زندگي میں پھر ایک نیا انقلاب ہوتا ہے - قلعہ ساسناگ کا مالک ایک ڈیوک تھا - اُس کي لڑکي ولینیا ھیلانا حسن و جمال میں یکتا تھي - شاھزادے نے اُسے دیکھا تو عاشق ہوگیا - دوشیزہ کو بھي اُس سے محبت ہوگئي - محبت نے مرد میدان چم کي طبیعت بالکل بدل ڈالي - جنگ و جدل سے نفرت ہوگئي - حکومت کا شوق زائل ہوگیا - خاموش زندگي کي طلب پیدا ہوئي - اُس نے بایزید کو پے در پے خطوط بھیجے اور رحم و کرم کي درخواست کي - مگر سنگ دل بھائي کو رحم نہ آیا - دشمن کو جھکتے دیکھہ کر اُس کي ہمت اور بھي بڑھگئي - اُس نے شاہ فرانس سے مطالبہ کیا کہ چم کو فوراً اپني حدود سے خارج کردے -

جزیرۂ روڈس کے حکام نے دیکھا کہ شکار ھاتھہ سے جاتا ہے - فوراً ایک نئے سودے پر آمادہ ہوگئے - پوپ اینو سین ہشتم سے ایک بہت بڑي قیمت لے کر ' ۱۳ - مارچ سنہ ۱۴۸۹ - کو شہزادہ اُس کے حوالہ کر دیا -

(۱۰)

چم ' روم کو روانہ کیا گیا - پوپ سے ملاقات ہوئي - چم نے اپني مصیبتیں نہایت مؤثر پیرایہ میں بیان کیں اور درخواست کي کہ اُسے مصر جانے دیا جائے جہاں اُسکي ماں اور بیوي مدتوں سے جدائي

کر دیا ہے ، اس تصویر میں علامۂ موصوف جس لباس میں دکھائے گئے ہیں ، ساتویں اور آٹھویں صدي هجري میں مسلمانان مغرب (مراکش و تیونس) کا عام لباس تھا - اور مصر و شام میں بھي اسي وضع کا عمامه استعمال کیا جاتا تھا - علامۂ موصوف کا آخري عهد مصر میں بسر ہوا ہے - بہت ممکن ہے ، یه تصویر اصلي اور مستند ہو -

(علم الاجتماع)

پہلے یه علم ، علماء و مفکرین کے ایک نہایت تنگ دائرے میں محصور تھا ، مگر اب وہ ایک ضروري موضوع بن گیا ہے اور سب کے لیے اُس کي تحصیل لازمي ہوگئي ہے -

(فرد اور جماعت)

فرد اور جماعت میں ایسا مضبوط رشته ہے که عملاً لازم و ملزوم بن گئے ہیں -ناممکن ہے که ان میں سے ایک مفقود ہو اور دوسرا موجود ہو سکے - روز بروز ثابت ہوتا جاتا ہے که علم اجتماع اور علم افراد ، دونوں باہم دگر وابسته ہیں - ان میں تفریق ناممکن ہے ، اور یه ، که تمام فلسفي اور اخلاقي مسائل ؛ اجتماعي مسائل میں داخل ہیں -

فرد اپني صفتیں اور خصلتیں ، اپني قوم و جنس سے ورثه میں پاتا ہے - یہي معني ہیں " جماعت " کے - علم جماعت (یا اجتماع) مادي اور معنوي حیات کے علم سنن و نوامیس سے بحث کرتا ہے - نیز اُس کا تعلق علم الحیاۃ سے بھي گہرا ہے - کیونکه کہا جا سکتا ہے که جمله کائنات اپنے آغاز کے وقت ایک ہي عظیم جماعت تھیں - یه اس لیے که وہ شروع میں غیر مرئي لجوہر فرد (ایٹم) کے بے حساب ذروں کا مجموعه تھیں - بنا بریں علم اجتماع ، جمله علوم کا مجموعه اور خلاصه ہے -

(قوم کا نظام اُسکي استعداد و ضرورت کے مطابق ہوتا ہے)

اِس علم کے اساتذہ کي رائے ہے که ہر قوم کا سیاسي و اجتماعي نظام دوسري قوموں سے نمایاں طور پر مختلف ہوتا ہے - ہر قوم کا نظام ، اُس کي ذہني و تمدني حالت کا ترجمان ہوتا ہے - اِس نظام کي اهمیت اور خوبي همیشه اعتباري ہوتي ہے - جماعتوں کے نشو و ارتقاء میں سیاسي نظامات ، سبب و عامل ہونے سے کہیں زیادہ خود مقصد و عمل ہوتے ہیں -

قوم کي مخصوص سیاسي تنظیم ، صرف اُس کي موجودہ زندگي ہي کي میزان نہیں ہوتي ، بلکه اُن تمام انتظامي دوروں کا بھي پته دیتي ہے جو اُس پر گزشته زمانوں میں گزر چکے ہیں - کسي انسان کو بھي یه قدرت حاصل نہیں که ملک میں کوئي ایسا نظام جاري کردے جو نظري طور پر سب سے بہتر اور ترقي یافته معلوم ہو - تاریخ بتاتي ہے که غیر فاني قوانین قائم کرنے والے مقننوں نے صرف اس لیے کامیابي حاصل کي تھي که اُنھوں نے پہلے قوم کي ضروریات معلوم کرلي تھیں ، پھر اِن ضروریات کے مطابق قانون بنائے تھے - سولن نے کیا ہي خوب کہا ہے " میں نے ایتھنز کے باشندوں کے لیے ایسا قانون طیار نہیں کیا ہے جو عقلاً سب سے افضل ہے - بلکه ایسا قانون بنایا ہے جو اُن کي استعداد اور ضرورت کے موافق ہے "

تمدن کي تاریخ یه حقیقت پوري طرح ثابت کر رہي ہے که ہر قوم کا نظام ، اُس کي ضرورت کا مظہر ہوتا ہے - ہم دیکھتے ہیں که اُن قوموں کے نظام تقریباً یکساں ہوتے ہیں جو ترقي کي ساري سطح پر پہنچ گئي ہیں - پوري تاریخ میں کوئي ایک مثال بھي ایسي موجود نہیں که کسي قوم کا نظام ، قوت اور تشدد کے ذریعه بدلا جاسکا ہو - بلا شبه یه صورت کبھي فتوحات اور انقلابات کے بعد پیدا ہو جاتي ہے - مگر تبدیلي محض ظاهري اور لفظي ہوتي ہے ؛ حقیقت و واقعه پر اُس کا کوئي اثر نہیں پڑتا - اِس کي بہت سي مثالیں موجود ہیں - جزیرۂ کارسیکا مدت سے فرانس جیسي متمدن حکومت کے ماتحت ہے ، مگر آج تک اِس جزیرہ کي وحشت دور نه کي جا سکي - یہي حال آئر لینڈ کا ہے - صدیوں تک ساتھ رہنے پر بھي وہ انگلستان سے منزلوں دور ہے - حقیقت یہي ہے که قوموں کي طبیعت و فطرت کو اُن کے نظاموں پر پورا اقتدار حاصل ہوتا ہے - نظام کي تبدیلي اُسي وقت ممکن ہے جب قوم کے دماغ میں بھي تبدیلي پیدا ہو جائے -

(اچانک ترقي ناممکن ہے)

مقننوں کي قدرت سے باہر ہے که اپنے دل سے کوئي ضابطۂ قانون ایجاد کرکے قوم کو اُس پر چلادیں - بڑي بڑي بغاوتوں اور عظیم فاتحوں نے اگر اِس طرح کي جرأت کبھي کي ، تو یه زبردستي زیادہ مدت تک قائم نه رہ سکي اور قدیم حالت پھر لوٹ آئي - اِس کي مثال یه ہے که اگر حیوان کو کسي ایسي بات پر مجبور کیا جائے جو اُس کے مزاج کے خلاف ہے ، تو وہ اُسي وقت تک اُسے کرتا رہیگا ، جب تک دباؤ موجود ہے - لیکن دباؤ ہٹتے ہي فوراً اُسے چھوڑ دے گا - اِس سے ثابت ہوتا ہے که قوموں کے نظام ، اُنکي ضرورت کے ترجمان اور اُن کے شعور کا مظہر ہوتے ہیں - اور یه که اُن کي تبدیلي ، قوم کي ذهنیت کي تبدیلي کے بعد ہي ممکن ہے - قوموں کي ذهنیت ، فوراً تبدیل نہیں ہو سکتي - به تدریج اور آهستگي سے بدلتي ہے -

سیاسي و اجتماعي نظام کے نشوء و تکوین کا باعث رہي ہوتا ہے جو خود کائنات کي تکوین کا باعث ہے - یہي وجه ہے که اچانک تبدیلي محال ہے - یه ایک اٹل اجتماعي قانون ہے که نمایاں تبدیلي ، اُن بہت سي مخفي تبدیلیوں کا نتیجه ہوتي ہے جو صدیوں تک جاري رہتي ہیں - ہم تبدیلي کا احساس اُس وقت کرتے ہیں جب وضعي قوانین آکر ہمیں بتانے لگتے ہیں - ہم خیال کرتے ہیں تبدیلي اِنھي قوانین کا نتیجه ہے - حالانکه یه تبدیلي ایک طویل و مسلسل حرکت و عمل کا نتیجه ہوتي ہے -

حقیقي مقننوں کا فرض صرف یه ہے که قوم کي راسخ عادتوں اور خصلتوں کي تائید کریں ، مگر صرف اُنھي کي جو مفید ہوں - مضر کي مضرت کم کرنے اور بتدریج دفع کرنے کي کوشش کرتے رہیں -

بسا اوقات قوم کے سمجھنے کے لیے اُسکي تاریخ سے کہیں زیادہ اُس کے ضابطۂ قانون کا مطالعه ضروري ہوتا ہے - کیونکه ضابطۂ قانون ہمیں بالکل صحیح طور پر بتا دیتا ہے که قوم کي اجتماعي حالت اور ضروریات مختلف زمانوں میں کیا کیا تھیں ، اور اُن میں بتدریج کیا کیا تبدیلیاں ہوئي ہیں ؟

افراد ، اقوام ، نظامات ، عقائد ؛ کا ارتقاء همیشه تدریجي ہي ہوتا ہے - جب تاریخ ہمیں کسي قوم کي بابت بتلائے که وہ ترقي یافته تمدن کي مالک تھي ، تو ہمیں فوراً سمجھ لینا چاهیے که اُس کا یه تمدن ، ایک طویل ماضي کا نتیجه ہے - اگرچه یه ماضي ہمارے لیے کتنا ہي مجہول کیوں نه ہو - کیونکه یه بالکل ظاهر ہے که زبان اور ادب (لٹریچر) کا وجود اچانک نہیں ہوجاسکتا - خود اُن کا وجود ہي اِس بات کي قطعي دلیل ہے که وہ ایک قدیم ماضي رکھتے ہیں - موجودہ مغربي تہذیب کي مثال اِس حقیقت کے فہم کے لیے بالکل کافي ہے - یورپ اپني موجودہ تمدني سطح تک بے شمار انقلابات سے گزرکر ہي

علم الاجتماع

(۱)

" علم الاجتماع " سے مقصود وہ علم ہے جس کا موضوع بحث انسان کي اجتماعي زندگي ہے - انسان کي اجتماعي زندگي کي پیدایش ' اُس کي نشو و نما ' اُس کے طبعي احوال و تاثرات ' اُس کي مزاجي کیفییات ' اور اُس کے نتائج و ثمرات کا بطریق استقراء اس طرح استقصا کرنا ؛ کہ اس بارے میں اصول و کلیات مرتب ھو جائیں ؛ علم الاجتماع کا دائرۂ نظر و بحث ہے - تاریخ علوم میں سب سے پہلے جس شخص نے اس علم کے مباحث بطور ایک مدون علم کے ترتیب دیے ' وہ علامۂ ابن خلدون ھیں - اُن کا مقدمۂ تاریخ اس علم کي عدیم النظیر کتاب ہے -

علامۂ ابن خلدون کے بعد صدیوں تک اِس علم میں کوئي اضافہ نہیں ھوا - گذشتہ صدي میں جب موسیو کا ترمیر نے مقدمہ کا فرانسیسي ترجمہ شائع کیا تو علماء مغرب کو اِس طرف توجہ ھوئي - رفتہ رفتہ یہ مبحث وقت کا سب سے زیادہ اھم اور دقیق موضوع نظر بن گیا - بلاشبہ فرانسیسي ترجمۂ ابن خلدون سے پہلے علماء مغرب فلسفۂ تاریخ کي طرف متوجہ ھو چکے تھے ' اور تاریخ کي نئي فلسفیانہ ترتیب کي بنیادیں پڑ چکي تھیں - نیز اصول قوانین و نظامات حکومت پر بھي مونٹسکیو اور بنتیھم جیسے مفکرین کي کتابیں شائع ھو چکي تھیں - لیکن اِن مباحث کو " علم الاجتماع " کا کامل مواد نہیں کہا جا سکتا - یہ واقعہ ہے کہ ترجمۂ ابن خلدون کي اشاعت سے پہلے یہ علم بہ حیثیت ایک مستقل علم کے ' یورپ میں زیر بحث نہ تھا - جس قدر کتابیں بھي اس علم پر لکھي گئي ھیں ' سب کي سب گذشتہ صدي کے اواخر میں مرتب ھوئي ھیں ' اور یقیناً اُن کا اولین سر چشمہ مقدمۂ ابن خلدون ھي ہے - موجودہ زمانہ میں ڈاکٹر لیبان کي مصنفات سب سے زیادہ وقیع سمجھي گئي ھیں - اُس نے نہ صرف اِس موضوع پر ھي کتابیں لکھیں ' بلکہ وہ کام بھي انجام دیا جسکا ارادہ ابن خلدون نے کیا تھا مگر پورا نہ کرسکا - یعني متعدد اقوام کي تاریخیں بھي ، اسي علم کے اصول و کلیات کے ماتحت ترتیب دیدیں -

ذیل میں ھم ایک مختصر مگر وقیع رسالہ کا ترجمہ درج کرتے ھیں جو ترکي میں ڈاکٹر احمد شعیب بک نے سنہ ۱۹۱۰ ع میں انقلاب عثماني کے بعد لکھا تھا ' اور بلاد اسلامیہ کے اھل علم میں نہایت مقبول ھوا تھا - ڈاکٹر موصوف دارالفنون عثمانیہ کے مدرسہ حقوق (قانون) میں استاذ تھے ' اور اُن گنتي کے اصحاب علم و نظر میں سے تھے ' جنھیں ترکي کے نئے عہد تعلیم و ترقي کا ماحصل سمجھنا چاھئے - سنہ ۱۹۰۸ ع میں جب دستوري انقلاب ھوا ' تو انھوں نے مرحوم جاوید بے اور احمد رضا بے کے ساتھہ شریک ھوکر ایک نہایت وقیع ماھوار رسالہ " مجلۂ علوم اقتصادیہ و اجتماعیہ " جاري کیا تھا - ترکي کے تمام مشاھیر اھل قلم کي رائے ہے کہ اس سے بہتر علمي رسالہ ترکي زبان میں شائع نہیں ھوا - یہ رسالہ اسي مجلہ میں بہ دفعات شائع ھوا تھا - پھر مطبع ثروت فنون نے کتاب کي شکل میں مرتب کرکے چھاپ دیا -

اِس موضوع میں یہ مقالہ مختصر ہے ' مگر رسوخ نظر و فکر کے ساتھہ لکھا گیا ہے - ھم اِس کا ترجمہ شائع کر دیتے ھیں تاکہ اُردو میں ایک ترک مفکر کي بہترین کتاب منتقل ھوجاے - البتہ یہ ظاھر کر دینا ضروري ہے کہ مصنف نے مقالہ کي تمہید میں فطرۃ انساني کے خیر و شر پر جو اظہار راے کیا ہے ' اور اِسے روسو کا مذھب قرار دیکر اسکي یک قلم تغلیط کر دي ہے ' ھم اسے مصنف کي لغزش نظر سمجھتے ھیں اور اس سے متفق نہیں ھیں - مقالہ کا ترجمہ مکمل ھوجاے تو بطور استدراک و تعلیق اس مسئلہ پر مختصراً اپني راے ظاھر کر دینگے - اس مقام کے علاوہ بعض دیگر مقامات بھي مزید نظر و کاوش کے مستحق ھیں ' اور انکي طرف بھي خاتمہ میں اشارہ کر دیا جایگا -

اِس مقالہ کے ساتھہ ھم علامۂ ابن خلدون کي تصویر بھي شائع کر دیتے ھیں - یہ ایک قدیم قلمي مرقع کا عکس ہے جو دمشق کے ایک قدیم کتب خانہ میں محفوظ تھا اور اب وھاں کے مجمع علمي (عربي اکاڈیمي) نے اپنے عجائب خانہ کے آثار عتیقہ میں داخل
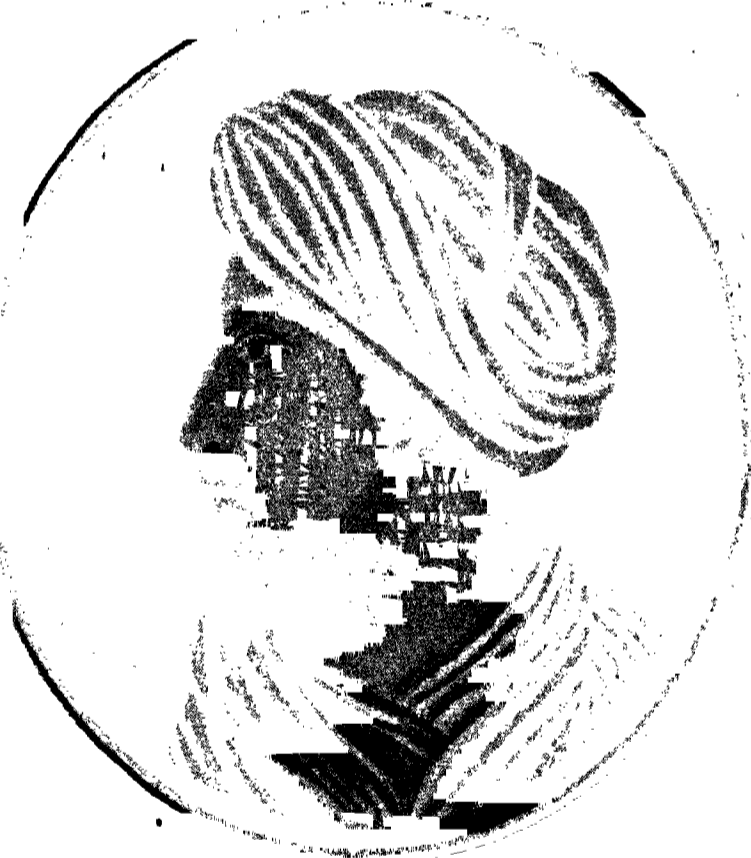
عبد الرحمن بن محمد ابن خلدون - المتوفي ۸۰۸ ھ
جس نے سب سے پہلے علم الاجتماع مدون کیا

عالم مطبوعات و صحائف

Sketches of the Sects of Palestine & Syria.

By Harry Charles Luke.

(شام و فلسطين کے فرقے ' مصنفه هرے چارلس ليوک)

اخبار ٹائمس لندن نے اپنے هفته وار ادبي ضميمه ميں مندرجه بالا کتاب پر ان الفاظ ميں تنقيد کي هے :

" اگرچه فلسطين کي آبادي ساتهه لاکهه سے زياده هے ' اور ۴۰ - مختلف زبانيں بولنے والے ' ۶۵ - فرقوں کے اشخاص موجود هيں ' پهر بهي مسٹر ليوک مصنف کتاب کو ايک اسماعيلي بهي وهاں نظر نهيں آيا ' اور اسکے ليے اُنهيں شام جانا پڑا - يه وهي فرقه هے جو جنگ صليبي کے زمانه ميں بهت مشهور هوگيا تها - مصنف نے اس کے بعض اسلاف کے حالات نهايت دلچسپ طريقه سے بيان کئے هيں - شايد اس حقيقت سے بهت کم لوگ واقف هونگے که يه وفادار قاتل اپنے آقا کے حکم کي کس طرح اطاعت کرتے تهے ' اور کس طرح اسکے کهنے پر هر قسم کے کام انجام دينے کيليے آماده هو جاتے تهے - حتی که دوسروں کا قتل يا خود کشي بهي ان کے ليے کوئي اهميت نهيں رکهتي تهي -

اِس اسماعيلي فرقه نے اگرچه اپني تمام رسميں ترک کردي هيں - پهر بهي ايک حسين نوجوان خاتون کو سياه لباس ميں ملبوس کرنے اور سر پر پهولوں کے تاج رکهنے کي رسم اب تک رائج هے - مسٹر ليوک نے اپني کتاب ميں اِس فرقه کے نهايت دلچسپ حالات لکهے هيں - باخبر مصنف همکو ايک اور فرقه کا بهي پته ديتا هے جو سمرتين کهلاتے هيں - اُن کا خانداني مذهبي پيشوا نابلس ميں رهتا هے اور سالانه کوه گرزم پر اپني قديم ترين قرباني ادا کرتا هے جو کتاب الخروج ميں درج هے - اِس کتاب

اور اُس کي هلاکت پر تلي هوئي تهي - يهي سبب هے که همارے اجداد کو پهلي فکر يهي هوئي که حيوان و انسان کي دست درازيوں سے مدافعت کيونکر کريں - چنانچه وه اِس کا سامان مهيا کرنے ميں مشغول هوگئے -

هر اشتراک عمل کا نظام اُن ضرورتوں کے مطابق هوتا هے جو اُسکے وجود کا باعث هوتي هيں - انساني اجتماع کي ابتدائي ضرورت دو قسم کي تهي :

(۱) داخلي خطروں کا سد باب .

(۲) خارجي حملوں سے مدافعت .

اِسي ضرورت نے انساني جماعت کو حکومت کي تکوين پر مجبور کيا - شروع شروع ميں مقصود يه تها که حکومت ' جماعت کے افراد کي قوت اِس طور پر منظم کرے اور اُسے اِس طرح استعمال ميں لائے ' که جماعت ' داخلي و خارجي خطروں سے محفوظ ره سکے - ليکن اس کے معني يه نهيں هيں ' جيسا که روسو کهتا هے ' که جماعت کے افراد

ميں اُن معصوم حبشيوں کا بهي تذکره هے ' جنکا کام قيمتي چهترياں ليجانا اور دوسروں کي چهتوں پر ناچنا يا عبادت کرنا هے - اِسکے علاوه يهاں کے مختلف فرقوں ميں حق وراثت کے متعلق جو اختلافات هيں ' اور جنکي وجه سے اکثر خانه جنگياں رونما هوتي رهتي هيں " نهايت وضاحت سے بيان کيے گئے هيں "

" اگرچه فرقوں کے اعتبار سے مسيحي فرقوں کي تعداد اِسلامي فرقوں سے جن ميں مسلم ملحد بهي شريک هيں ' کهيں زياده هے ' ليکن آبادي کے لحاظ سے مسلمان ايک کے مقابله ميں تين هيں - اسي طرح تعداد ميں وه يهوديوں سے بهي زياده هيں - مصنف نے اِن قوموں کے حالات کے ساتهه ترکوں کے اوس برتاؤ کي بهي مثاليں دي هيں ' جو وه اپنے عيسائي اور يهودي رعايا کے ساتهه کرتے تهے - چنانچه اُس نے اُن احکام کي نقليں درج کي هيں جنکے ذريعه ارمنيوں ' پادريوں ' اور يهودي ربيوں کو اپنے مردے دفن کرنے کي اجازت ملتي تهي - حکمناموں کي نقلوں کے بعد مصنف نے موجوده طريقهٔ حکومت کا ترکوں کے طرز حکومت سے موازنه کرکے اول الذکر کو ترجيح دي هے -

هم اس پر اتنا اضافه کرنا چاهتے هيں که مصنف کتاب اور ٹائمس کے نقد نگار نے شام کے جس فرقه کو " اسماعيلي " کے لقب سے پکارا هے ' وه اگرچه اسماعيليه هي کي ايک شاخ هے ' ليکن ايک مدت سے " دروز " کے نام سے موسوم کي جاتي هے اور اس کے عقائد اصل اسماعيلي فرقه سے بهت کچهه مختلف هيں -

بيگم فهمي کا عجيب مطالبه

(قاتله کا مقتول شوهر کي جائداد پر دعوی !)

قارئين الهلال کو ياد هوگا که اب سے تقريباً دو سال پهلے لندن کے ايک هوٹل ميں بيگم فهمي نے (جو ايک فرانسيسي عورت هے) اپنے شوهر فهمي بے مصري کو گولي کا نشانه بنايا تها - لندن ميں اوس پر مقدمه چلايا گيا ' ليکن وه چهوٹ گئي ' اور اب وهي قاتله اپنے مقتول شوهر کي جائداد پر حق زوجيت کا دعوی کرنے والي هے !

کسي مقام پر جمع هوے اور بحث و مباحثه کے بعد باهم عهد و پيمان کر ليا ' بلکه صورت يه هوئي هوگي که جماعت کے سب سے زياده عقلمند اور طاقتور فرد نے اِس ضرورت کا احساس کيا هوگا اور اپني زبردست قوت سے تمام افراد کو مغلوب کرکے حاکم بن بيٹها هوگا - پهر وقتي ضروريات نے حکومت کا نظام قائم کرنے اور وقتي قوانين بنانے ميں اُس کي رهنمائي کي هوگي -

انانيت اور حب ذات انسان کي فطرت ميں داخل هے - دو آدميوں کي مصلحتوں ميں ادنی تصادم بهي عداوت و فساد کا موجب بن جاتا هے - مدتوں انسان نے اِنهي حالات ميں انفرادي زندگي بسر کي - ليکن بالآخر طويل تجربوں نے اُسے بتا ديا که قتل ' خونريزي ' نهب و سلب ' جماعت اور افراد ' دونوں کے لئے مضر هيں - انسان مجبور هوا که اپنے سابق طرز زندگي ميں تبديلي پيدا کرے ' اور ايک نئي مگر زياده پر امن اور آرام‌ده زندگي اختيار کرے -

يهي تجربه يا ضرورت ' حکومت اور تمام قوانين اجتماع کي اصلي اور ابتدائي بنياد هے -

پہنچا هے - یه سراسر جنون هے که کوئي قوم ترقي کے بلند درجه تک اچانک پہنچ جانے کا خیال کرے -

(سلطنت کي تکوین اور روسو کا نظریه)

جوزیف دومستر اور بونلد نے سلطنت (استیت) کي تکوین کا جو نظریه قائم کیا تھا ' وہ اب اِس حد تک شکست هوچکا هے که اس کے بطلان کے لیے کسي بحث کي ضرورت باقي نہیں رهي - اِسي طرح " اصحاب جمہوریة " (جن کا سر گروہ روسو هے) کے نظریے بھي غلط ثابت هوچکے هیں -

مذهب جمہوریة ' سولھویں صدي کے اواخر میں اپنے پورے عروج کو پہنچ گیا تھا - هنري سوم کے قتل کے بعد پروتسنتت فرقه نے اِس مذهب سے هتنا شروع کیا - سترهویں صدي میں هوبس اور گوربیو نے ظاهر هوکر اِس مذهب کي از سر نو حمایت شروع کي - لیکن وہ اِس نتیجه کي کوئي توجیه نه کرسکے که اِس مذهب کے تسلیم کرلینے کے بعد یا تو فرد کا استبداد لازم آجاتا هے ' یا جماعت کا -

آخر میں روسو نے آکر یه تمام نظریے اپني کتاب " عقد اجتماعي " میں جمع کردیے - روسو کي رائے هے که انساني افراد اپني طبیعي خود مختاري سے اس بنا پر دست بردار هوے هیں که اُنھیں اِس کے معاوضه میں امن و اطمینان ملے - چنانچه اُنھوں نے باهم معاهده کرلیا که انفرادي زندگي کے بجاے جماعتي زندگي بسر کرینگے - اِس معاهدے نے اُن میں اجتماعي اخلاق کي ایک خاص طبیعت پیدا کردي -

روسو کا خیال هے که فرد فطرتاً نیک هوتا هے - رذالت و شر جماعت سے پیدا هوتا هے - افراد فطري طور پر عدل و انصاف کے دلداده ' خیر اور نیکي کے پرستار ' اور نظام کي اطاعت کي طرف راغب هوتے هیں - وہ همیشه نیک اور خوش نصیب هوتے ' اگر جماعت کي برائیاں اُنھیں لگ نه جاتیں -

حریت ' مساوات ' اور قوم کا اقتدار ؛ یه " عقد اجتماعي " کي بنیادي دفعات هیں - روسو نے اِن کا ذکر اپنے بیان " حقوق انساني " میں بھي کیا هے -

روسو کے زمانه میں یه نظریه بہت مقبول تھا که انسان فطرتاً نیک اور عاقل هے - اُس کا هر عمل حتی که هر حرکت کسي نه کسي معقول سبب پر مبني هوتي هے - اُس وقت کے اکثر ادباء و فلاسفه یہي خیال رکھتے تھے - حتی که ارکان سلطنت کا بھي اِسي پر ایمان تھا - چنانچه تورگو نے تربیت پر ایک رساله لکھکر بادشاہ کو دیا اور دعوي کیا که " اِس پر عمل کرکے فرانس کي حالت ایسي هوجائیگي که ابھي یقین نہیں کي جا سکتي " نیر کہا کرتا تھا " انساني اخلاق کي فضیلت پر ایمان رکھنا فرض هے "

جرمني میں بھي کانت اور ویختي نے اِس مذهب کا علم بلند کیا تھا - لیکن اُن کے رد کے لیے بڑے بڑے فلاسفه اٹھ کھڑے هوئے - هیگل ' استراوس ' استوات مل ' اسپنسر ' آوگست کونت ' تن ' رینان وغیرهم نے اپني اپني جگه اُس کي دھجیاں اڑادیں -

خود اشتراکیوں نے بھي یه مذهب قبول نہیں کیا اور اِسے منطقي مغالطه قرار دیا - زوار مائن کہتا هے " عقد اجتماعي کا نظریه ' محض ایک وهم هے "

اقتدار قومي کا نظریه بھي اب تک محض ایک دعوي هي دعوي هے - عمل میں آج تک اُس کا کبھي ظهور نہیں هوا - تاریخ نے بھي اُس کي کوئي مثال پیش نہیں کي - بنابریں اُسے [illegible] وهمي نظریه هي کہه سکتے هیں -

(فطرة انساني)

پھر یه بھي واقعه هے که عقل و حکمت انسان کي فطري [illegible] نہیں هے ' بلکه سخت جد و جهد کے بعد کسب کي جاتي هے - یا صفت ' اگر اسے صفت کہنا صحیح هو ' اب تک غیر دائمي حالت توازن میں هے - علم وظائف الاعضاء (فیزیوا لوجي) اور علم النفس (سائیکو لوجي) بتاتے هے که " انسان فطري طور پر انتہائي مریض هے ' جلد مجنون هے - همارے اعضاء کي سلامتي اور عقل کي درستگي صرف اتفاقات کا نتیجه هے - دماغ کا عمل بھي همیشه [illegible] هوتا هے منطقي قیاسات اور اعلی خیالات ' صرف ایک محدود روشن خیال جماعت سے مخصوص هوتے هیں - انسان کے ارادے پر اصلي حکمراني ' اُس کے عقل ودماغ کو نہیں بلکه جسماني ترکیب مادي ضرورت ' حیواني طبیعت ' قوت خیال ' حرص و طمع ' اور شخصي اغراض وغیره خصلتوں کو حاصل هے "

همارا یه خیال که انسان فطرتاً نیکي ' خیر ' حلم ' اور اجتماعي مصلحت کو ؛ بدي ' شر ' غصه ' اور شخصي مصلحت پر ترجیح دینے کي طبیعت رکھتا هے ' درحقیقت اپنے آپ کو سخت دھوکا دینا هے - کیونکه وحشت وظلم کي جو صفات هم نے اپنے اجداد سے ورثه میں پائي هیں ' اب تک همارے ذهن و دماغ میں پوري طرح راسخ هیں - انساني دماغ کي ساخت هي کچھه اِس وضع کي هے کا انسان همیشه اپنے خیالات واوهام کا بنده رهے - شدید هیجان ' شک و شبه ' جذبات ' ساده لوحي ' خود غرضي ' یه انسان کي امتیازي خصوصیات و صفات هوگئي هیں -

یه حقائق پیش نظر رکھنے کے بعد ' هم بآساني فیصله کر سکتے هیں که انساني فطرة کے متعلق روسو کا نظریه سرا سر وهم و خیال هے - اور اُس کے هم مشربوں کو حقیقت سے کوئي تعلق نہیں -

(سلطنت کي تکوین میں اقلیم کا اثر)

سلطنت کي تکوین میں اقلیم کے اثرات کو بہت دخل هوتا هے سیاسي و اجتماعي نظامات ' اقلیم کي تبدیلي سے بدل جایا کرتے هیں - اِس کي مثال یه هے که جو قومیں میدانوں اور سبزه زاروں میں بود و باش رکھتي هیں ' اُن کي اقلیم کا اقتضاء هي یه هوتا هے که بدوي زندگي بسر کریں - ان کي مرکزي حکومت میں ابوي اقتدار کا رنگ غالب هوتا هے اور استبداد کمزور هوتا هے - یه قومیں همیشه فتوحات و حکمراني کي دلداده هوتي هیں - برخلاف اِن کے وہ قومیں جو جنگلوں میں شکار پر زندگي بسر کرتي هیں ' اپني مرکزي حکومت میں استبداد غالب رکھتي هیں اور ابوي شفقت کمزور هوجاتي هے - اِن میں جہالت نمایاں هوتي هے - وسعت نظر مفقود هوتي هے ' اولوالعزمي اور بلند همتي ناپید نظر آتي هے ' فتح و استیلاء کا جذبه مرده هوجاتا هے ' همیشه تنگ دائرے هي میں زندگي بسر کرتي رهتي هیں -

(جماعتوں اور سلطنتوں کے وجود کا سبب)

قدیم ترین حکومتوں کے ظهور کي تاریخ همیں بتاتي هے که انسانوں کا اجتماع اور باهمي اشتراک عمل ' صرف ضرورت هي کي وجه سے پیدا هوا تھا - وہ ابتدائي ضرورت ' دشمنوں کے حملوں سے مدافعت تھي - اُن مجہول زمانوں میں هر چیز انسان کے لیے خطرناک تھي ؛

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلہم

(۸:۳۰)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق، مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کی آخری قسط)

نجد کی غذا

نجد خصوصاً صحرا کی اصلی غذا چاول ہو۔ روٹی بہت کم کھاتے ہیں۔ لیکن چاول چمچ سے نہیں کھاتے۔ بلکہ اُس کا استعمال بھی ناجائز سمجھتے ہیں۔ اُن کے چمچے اُن کے ہاتھ اور انگلیاں ہیں۔ بے تکلف برتن میں ڈال دیتے ہیں اور لقمے نگلنا شروع کر دیتے ہیں۔ تمام کھانوں میں ہلدی ضرور ملاتے ہیں اور بہت زیادہ مقدار میں۔ ہلدی کا نام اُن کی اصطلاح میں "بزارہ" ہو۔

دودھ اُن کے یہاں بہت افراط سے ہو، مگر اُس کا پنیر بنانا نہیں جانتے لیکن نمک ڈالکر کھویا بناتے ہیں اور بڑی رغبت سے کھاتے ہیں کچی پیاز قطعاً نہیں کھاتے۔ اُس کا کھانا حرام سمجھتے ہیں۔ دلیل یہ بتاتے ہیں کہ اِس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہو۔ اُن کے تمام کھانے حد درجہ سادہ ہیں۔ اچھے کھانوں کی طرف رغبت نہیں رکھتے کیونکہ سلف صالح اچھی غذائیں پسند نہیں کرتے تھے۔

تندرستی

پورے نجد میں صرف ایک ڈاکٹر ہو اور وہ بھی صرف سلطان کا شاہی طبیب۔ یہ عجیب بات ہو کہ باوجود تنہا ہونے کے ڈاکٹر کے لئے مشغولیت بہت ہی کم ہو۔ وجہ یہ ہو کہ لوگ عام طور پر بیمار ہی نہیں ہوتے۔ سادہ معیشت نے بیماریوں کا دروازہ بند کر دیا ہو۔ یہی سبب ہو کہ تعداد اموات بہت محدود ہو۔ ۴۰، ۵۰ برس کی عمر میں شاذ و نادر ہی کوئی مرتا ہو۔ نجدی عام طور پر میدان جنگ میں قتل ہو جاتے ہیں، بیمار ہو کر بستر پر مرنا نہیں جانتے۔

ریاض میں میری موجودگی کے دوران میں ایک بدو، شاہی طبیب کے پاس آیا اور اپنی بیوی کے لئے دوا مانگی۔ عورت، ریاض سے بہت دور، وسط صحرا میں بیمار پڑی تھی۔ طبیب نے مریض کے دیکھے بغیر دوا تجویز کرنے سے انکار کر دیا۔ بدو پہلے تو خفا ہوا۔ پھر طبیب کی "جہالت" پر ہنسا اور کہنے لگا "اپنی دوا اپنے ہی پاس رہنے دو۔ میری واپسی تک وہ اچھی ہو جائے گی!"

اسی طرح ایک اور بدو آیا۔ اُس کے شانے میں بندوق کی گولی لگی تھی اور جسم میں پیوست ہو کر رہ گئی تھی۔ اِس کی وجہ سے اُس کا داہنا ہاتھ بالکل بے کار ہو گیا تھا۔ شاہی طبیب نے کہا گولی نکالنے سے پہلے جسم کے اِس حصے کو دواؤں سے سُن کر ڈالنا، پھر اُس پر عمل جراحی کرنا ضروری ہو۔ اِس پر بدو ہنسنے لگا۔ "واللہ" اُس نے کہا "میں جنت کی ہوا (یعنی بندوق کی گولی) ہی سے مروں گا۔ طبیب کے نشتر پر اپنی جان نہیں دوں گا!"

حیرت انگیز حواس

یقیناً ناظرین یہ سُنکر تعجب کریں گے کہ نجدی بدو یہی نہیں کہ ستاروں کی رہنمائی میں صحرا کی عظیم مسافتیں طے کرتے ہیں، بلکہ حیرت کی بات یہ ہو کہ آدھے دن کی مسافت پر سے آدمیوں کے باتوں کی آواز بھی سُن لیتے ہیں۔ درحقیقت اُن کی قوت سامعہ اور قوت باصرہ بہت ہی قوی ہو۔ صحرا کی پاک صاف زندگی نے اُن کے قویٰ کمزور ہونے نہیں دیئے ہیں۔ نہایت ہی ذکی الحس ہیں۔ بہت دور کی آواز سُنتے اور بہت دور کی چیز دیکھ لیتے ہیں۔

تاریخ و سنین کا حساب

تاریخ کا حساب سرکاری کاغذات اور تجارت میں سنہ ہجری سے ہوتا ہو۔ لیکن عام لوگ خصوصاً صحرا کے باشندے، قدیم عربوں کی طرح مشہور تاریخی واقعات سے حساب کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں فلاں واقعہ سنہ احسار کے دو برس بعد یا سنہ حجاز کے ایک برس بعد ہوا۔ سنہ احسا یا سنہ حجاز سے مقصود، ان دونوں ملکوں کی فتح کا سال ہو اسی طرح دوسرے اہم واقعات سے تاریخ کا شمار شروع کر دیتے ہیں۔ مگر یہ عجیب بات ہو کہ حساب ہمیشہ صحیح ہوتا ہو، صحیح طور پر سمجھا جاتا ہو۔ کبھی غلط فہمی واقع نہیں ہوتی۔ ہر شخص اہم واقعات اور اُنکے زمانوں سے واقف ہوتا ہو۔

زبان

نجد کی بولی، مصر اور شام کی بولیوں سے بہت کچھ مختلف ہو۔ اُن کا عربی لہجہ دوسرے ملکوں سے نمایاں اختلاف رکھتا ہو۔ یہ لوگ کاف کو ہمیشہ تائے مشدد سے بدل دیتے ہیں۔ "س، م" یہ دو حرف ایسے ہیں کہ بکثرت استعمال کئے جاتے ہیں اور بہت سے جملوں کے قائم مقام ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب بسم اللہ کہنا ہوتا ہو تو کہتے ہیں "سم"۔ کسی حکم پر اطاعت کا اظہار کرنا ہوتا ہو تو کہتے ہیں "سم" اگر کسی کو پکارو تو فوراً جواب دے گا "سم" یعنی میں نے سُن لیا۔

داڑھی

داڑھی کو نجد میں جو عزت حاصل ہو وہ کسی چیز کو بھی نہیں ہو۔ داڑھی منڈانے والے کو قریب قریب کافر سمجھتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہو کہ کفر؟ داڑھی کو یہودیت کی علامت سمجھتے ہیں اور نجدی، اسلام کی؟ دو اسلامی قوموں کا یہ اختلاف ذوق یقیناً حیرت انگیز ہو۔

قبائل بنی صخر

نجد کے تمام قبائل، سعودی حکومت سے پہلے نہایت وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اسلام کی تعلیمات سے بالکل ہٹ گئے تھے اپنا دین تک سے جاہل ہو گئے تھے۔ کلمۂ شہادت کے سوا دین کی کوئی بات بھی نہیں جانتے تھے۔ لیکن سعودی فرمانرواؤں نے انھیں دین کی تعلیم دی اور شریعت حقہ کے اتباع پر مجبور کر دیا۔ آج نجد ہی دنیا میں ایسا ملک ہو جہاں اسلامی احکام پر سب سے زیادہ عمل ہوتا ہو۔

لیکن اِس کلیہ سے قبائل بنی صخر مستثنیٰ ہیں۔ یہ قبائل، شرق اردن سے ملحق نجدی سرحدوں میں آباد ہیں۔ یہ چونکہ حال ہی میں نجدی حکومت کے مطیع ہوئے ہیں، اِس لئے ان کی تعلیم و تربیت ابھی تک کچھ بھی نہیں ہو سکی ہو۔

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ بالکل وحشی ہیں اور شاذ و نادر ہی اُن کا کوئی فرد، صحیح طور پر نماز پڑھ سکتا ہو۔ اُن کی عادتیں رسم و رواج اور طریق بود و باش بالکل وحشیانہ ہو۔ میں نے ان کی ایک شادی بھی دیکھی۔ نکاح کا طریقہ اِن کے یہاں یہ ہو کہ ایک لمبی موٹی لکڑی لاکر مجلس میں رکھی جاتی ہو۔ اُس کا ایک سرا شوہر پکڑتا ہو اور دوسرا سرا لڑکی کے باپ کے ہاتھ میں ہوتا ہو۔ لڑکی کا باپ چلا کر کہتا ہو "وحیاۃ العود، والرب المعبود جوزت؟ ابنتی" (قسم اِس لکڑی کی زندگی اور رب معبود کی کہ میں نے اپنی لڑکی بیاہ دی) اِس کے جواب میں شوہر کہتا ہو "تجوزت (؟) ابنتک" (میں نے تیری لڑکی سے شادی کر لی) بس نکاح ہو گیا!

سلطان ابن سعود سے آخری گفتگو

ریاض سے روانگی سے پہلے میں نے چاہا کہ سلطان عبد العزیز بن سعود سے بعض اہم معاملات پر گفتگو کروں۔ سلطان نے انتہائی مہربانی سے میری درخواست منظور کر لی۔ بے تکلف ہو بیٹھے اور حسب ذیل بیان دیا:

"شاید صحرا کے باشندوں کی خشک طبیعت، بدوی معیشت، اور دینی تصلب سے آپ کو کچھ تکلیف ہوئی ہوگی لیکن اِس میں اُن کا کوئی قصور نہیں ہو۔ صحرا کی زندگی نے اُنھیں ایسا ہی بنا دیا ہو وہ اپنی فطرت پر قائم ہیں۔ اور جان بوجھ کر کوئی شرارت نہیں کرتے۔ برخلاف اُن کے آپ نے مجھے اور میرے ارکان سلطنت کو بھی دیکھ لیا ہو کہ ہم لوگ ہرگز متعصب نہیں ہیں۔ مسلمان تو ہمارے بھائی ہیں ہم غیر مسلموں سے بھی رواداری کا سلوک کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ سفرائے دول سے طویل سیاسی گفت و شنید کرتے ہیں۔ بسا اوقات اُن کی بعض باتیں ہمارے خلاف مزاج ہوتی ہیں۔ مگر ہم کبھی غصہ کا اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ نہایت ملائمت اور معاملہ فہمی سے گفتگو جاری رکھتے ہیں۔

"میں اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس ذاتِ برتر، نے محض اپنے فضل و کرم سے ایک ایسی قوم کو، جیسی یہ نجدی قوم ہو، اپنے بادشاہ کا حد سے زیادہ وفادار، جانثار اور محب بنا دیا ہو۔ یہ قوم مصیبت کے وقت اپنے بادشاہ کے گرد جمع ہو جاتی ہو۔ خطرے میں اُس کی حفاظت کرتی ہو۔ اُس پر قربان ہوتی ہو بلکہ بے قناعت کر لیتی ہو۔ شریفیوں سے جنگ کے دوران میں ہماری قوم نے اپنے بادشاہ

اس سلسلہ میں اخبار پیپل لندن کے نامہ نگار نے اوس سے ملاقات کی تھي - اس ملاقات کے حالات یہ ھیں - نامہ نگار لکھتا ھے :

" یہ کوئي تعجب کي بات نہ تھي کہ وہ مجھے نہ پہچان سکي - اور واقعۃً تو یہ ھے کہ میں خود بھي مشکل سے اس بات پر یقین کرنے کیلیے تیار تھا کہ حسین لباس میں یہ ملبوس حسینہ وھي پریشان سفید روح ھے ' جسے میں نے اب سے دو سال پہلے عدالت میں دیکھا تھا - آج اوس نئے رنگین ' روشن ' ترو تازہ چہرہ ' اور باوقار حرکات میں کہیں بھي ان خطروں اور اندیشوں کا پتہ نہ تھا جنھوں نے اسے اپنے شہزادہ شوھر کے قتل پر مجبور کردیا تھا "

" تمام دنیا کي طرح میں نے بھي سنا تھا کہ مرحوم فہمي بے کي جائداد جو دو ہے پانچ ملین فرانک کے درمیان ھے ' اوسکي دو بہنوں اور چچا کو مل گئي ھے - اسکا یہ فیصلہ کہ اب وہ خود قاھرہ جاکر یہ دعوی از سر نو پیش کریگي ' میرے لیے ایک حیرت انگیز خبر تھي "

" میں نے دریافت کیا " آخر کس چیز نے آپ کو اس بات پر آمادہ کیا ھے ؟ "

" اوس نے جواب دیا " وہ کہتے ھیں ' جب تک میں بذات خود دعوی پیش نہ کروں ' سماعت نہیں ھو سکتي - اسلیے میرے پاس قاھرہ جانے کے سوا اور چارہ کار کیا ھے ؟ "

" لیکن مجھے یاد تھا کہ اس سے پہلے تین مرتبہ بیگم فہمي نے قاھرہ جانے سے انکار کردیا تھا ' اور اسکے رجوہ میں ایک وجہ یہ بھي بتلائي گئي تھي کہ وہ خائف ھے - میں نے اس کي طرف اشارہ کیا تو وہ ھنسي اور پھر مسکراتے ھوے جواب دیا " میں اور خوف ! میں مصر میں کسي سے نہیں ڈرتي - مصري میرے دوست ھیں - شریف ھیں " اس نے اپنے بازو پر سے کپڑا ھٹا کر بتایا کہ اس کا ھاتھ زخمي تھا ' اس لیے وہ قاھرہ جانے کے قابل نہ تھي - اس نے یقین دلایا کہ اب وہ پہلے اسپین جائیگي ' وھاں سے سیدھا مصر پہنچیگي - یہ کہتے ھوے اس نے ایک خاص انداز سے اپنا ھاتھ اٹھایا ' اور اس کي آنکھوں میں ایک عجیب روشني پیدا ھوگئي - قاھرہ کا مصري انصاف اس کے لیے کوئي خوفناک چیز نہیں ھے - جو قاضي ان آنکھوں سے متاثر ھوے بغیر رھیگا ' اس کے متعلق سمجھہ لینا چاھئے کہ اس کے سینہ میں دل کي جگہ یقیناً پتھر کا ٹکڑا ھوگا - اس رعنائي کے باوجود بیگم فہمي تین شادیاں کر چکي ھے ' اور اس کي ایک ھفدہ سالہ لڑکي بھي موجود ھے ! "

" بیگم فہمي کو اس بات کا یقین ھے کہ وہ قاھرہ میں اپنا مقدمہ جیت لے گي - اس نے مجھے بتایا کہ حال ھي میں اس نے ایک مقدمہ جیتا ھے - وہ مقدمہ ایک ٹریس کیس (صندوق آرائش) کے متعلق تھا جس کي قیمت ۴ ھزار پونڈ ھے - یہ بکس ان دو بکسوں میں سے تھا جو شادي سے کچھہ دن قبل شہزادہ فہمي بے کے لیے بنائے گئے تھے - ایک سیاہ کچھوے کي کھال کا اس کے لیے ' دوسرا زرد رنگ کا اس کي منسوبہ کے لیے - حادثۂ قتل کے بعد فہمي بے کي بہن نے اس بکس کے لیے مقدمہ دائر کیا - بیگم فہمي اس کے لیے لڑي اور بالآخر کامیاب ھوگئي - اس نے کہا " یہ مقدمہ اس لیے نہ تھا کہ وہ بکس بہت قیمتي تھا ' بلکہ یہ اصول کا سوال تھا - اس نے یہ بکس مجھے دیا تھا - اور میرے لیے ضروري تھا کہ میں اسے حاصل کروں " آپ کو یہ سن کر متعجب نہ ھونا چاھیے کہ بیگم فہمي نے اپني چوتھي شادي کا خیال ترک نہیں کیا ھے ' اگرچہ اس میں عجلت نہیں ھے "

ڈاک کي تاریخ

یورپ کے ڈاکخانوں کي بین الاقوامي مجلس کا ایک اجلاس حال میں بہ مقام ھالینڈ منعقد ھوا تھا - اس سلسلہ میں ڈاک کے موجودہ طریقہ کي تاریخ بھي بیان کي گئي جس کا خلاصہ حسب ذیل ھے :

" قدیم زمانہ میں خطوط کي امد و رفت کے [illegible] طریقے تھے - ڈاک کا محکمہ زیادہ تر بادشاھوں کي خدمت کیلیے تھا - بادشاہ اپنے خطوط ' فرمان ' اور احکام اپنے عہدہ داروں اور دوستوں کو بھیجا کرتے تھے - محکمۂ ڈاک یہ تھا کہ کچھہ لوگ خطوط لیکر گھوڑوں اور اونٹوں وغیرہ سواریوں پر سفر کیا کرتے تھے -

مصریوں نے اپني ترقي کے زمانہ میں ڈاک کا باقاعدہ انتظام کیا - مصریوں سے یہ چیز رومانیوں نے لي - شہنشاہ اگسٹس کے زمانہ میں سلطنت روم میں ڈاک کا آغاز ھوا -

ساتویں صدي عیسوي میں فرانس میں ڈاک کو رواج دیا گیا - لیکن چونکہ یہ زمانہ فرانس میں سخت بد امني کا زمانہ تھا ' اس لیے یہ انتظام کامیاب نہ ھوا اور جلد موقوف ھوگیا - چارلس اول کے بعد مین ڈاک کا محکمہ از سر نو قائم کیا تاکہ اسکي وسیع [illegible] میں مواصلات کي آساني ھو - مگر زیادہ عرصہ وہ بھي قایم نہ رہ سکا -

آخر سنہ ۱۴۶۴ع میں لوي چاردھم نے اسکا پھر آغاز کیا اور ڈاک کا انتظام پوري ھوشیاري اور مضبوطي سے قائم کر دیا - سولھویں صدي میں فرانس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ڈاکخانوں کا جال پھیل گیا تھا ' اور ھر شخص کو حق حاصل ھوگیا تھا کہ جب چاھے ' اپنے خطوط ڈاک کے ذریعہ بھیج دے - سنہ ۱۶۲۷ع میں خط نویسي کے قواعد اور شروط مقرر کیے گئے - سنہ ۱۹۲۹ - سے مني آرڈر بھي ڈاکخانوں میں لیے جانے لگے -

ڈاک کے ٹکٹ سب سے پہلے سنہ ۱۶۵۳ع میں فرانس میں ایجاد ھوئے - لیکن تھوڑي مدت بعد انکا استعمال ترک کر دیا گیا اور لوگ انھیں بھول گئے - سنہ ۱۸۲۳ع میں ڈنمارک کے سرکاري اخبار میں ایک مضمون شائع کرکے حکومت کو توجہ دلائي گئي کہ ڈاک کے ٹکٹ استعمال کیے جائیں - مگر اس پر توجہ نہیں کي گئي - سنہ ۱۸۳۹ع میں انگریزوں نے اسکي ضرورت محسوس کي - اسکے بعد باقي سلطنتوں نے بھي انکي تقلید کي - ذیل کے نقشہ سے معلوم ھوگا کہ دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں کب سے ڈاک کے ٹکٹ جاري ھوئے ھیں :

ملک	تاریخ	ماہ	سنہ
انگلستان	—		سنہ ۱۸۳۹
بلجیم	۳	نومبر	سنہ ۱۸۴۷
فرانس	۱	جنوري	سنہ ۱۸۴۸
اسپین	۲	مارچ	سنہ ۱۸۴۸
سوئٹزر لینڈ	۱۴	اپریل	سنہ ۱۸۴۹
پروشیا	۱	جنوري	سنہ ۱۸۵۰
آسٹریا	۱	ایضاً	ایضاً
ڈنمارک	۱۵	ایضاً	ایضاً
اٹلی	۱	ایضاً	سنہ ۱۸۵۱
ھالینڈ	۱	ایضاً	سنہ ۱۸۵۲
ناروے	۱	ایضاً	سنہ ۱۸۵۵
یونان	—	اکتوبر	سنہ ۱۸۶۱
ٹرکي	۳	مئي	سنہ ۱۸۶۶
مصر	۱۵	دسمبر	سنہ ۱۸۶۶

لکھا۔ محمد کا جواب حسب ذیل تھا:

"اُس خدا کا ہزار ہزار شکر جسنے تمھیں اور تمھاری دعوت کو عزت بخشی! ابھی تمھارے بہت آدمی قتل ہونا باقی ہیں!"

اسد بن عبداللہ، شیعوں پر بہت سخت تھا۔ اپنی پہلی حکومت میں جس قدر تشدد اُن پر کر سکا، کیا۔ معزول ہونے کے بعد جب دوبارہ والی گورنر ہوا تو اور بھی زیادہ ظلم و جور کیا۔ چنانچہ ۱۱۸ ہجری میں اُسنے خراسان کے تقریباً تمام داعی گرفتار کر لئے۔ بہتوں کو قتل کیا۔ بہت سے بند کر دئے۔

شیعی دعوت کے نقبا و داعیہ: سلیمان بن کثیر، مالک بن الہیثم، موسیٰ بن کعب، لاہز بن قریظ، خالد بن ابراہیم، طلحہ بن زریق وغیرہم جب اُس کے سامنے پیش کئے گئے تو بہت غضبناک ہو کر چلایا:

"اے فساق! کیا خدا نے فرمایا نہیں ہے کہ "گزشتہ کو اللہ نے معاف کیا۔ البتہ جو کوئی بدی کی طرف دوبارہ لوٹے گا، خدا اُس سے سخت انتقام لے گا"؟

سلیمان بن کثیر نے کہا "میں بولوں یا خاموش رہوں؟"

کہنے لگا "بول"

سلیمان نے کہا "واللہ ہماری مثال بالکل یہ ہے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے:

لو بغیر الماء حلقی شرق ... کنت کالغصان بالماء اعتصاری

پھر اُسنے کہا:

"اے امیر! آپ ہمارا قصہ جانتے ہیں؟ واللہ آپ بچھوؤں کو شکار کھلوا رہے ہیں۔ ہم آپ ہی کی قوم (یمن) کے آدمی ہیں۔ مضری ہمارے دشمن ہیں، کیونکہ ہم اُنکے ہم قوم قتیبہ بن مسلم (والی خراسان) کے سخت مخالف تھے۔ محض انتقام کے خیال سے اُنھوں نے ہم پر یہ تہمت لگائی ہے"

حاکم نے اِن کا جواب معقول سمجھا اور انھیں رہا کر دیا۔ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُسوقت قبائل کی عصبیت کس حد تک پہنچ چکی تھی؟ ۱۲۰ھ میں اسد بن عبداللہ نے انتقال کیا اور شیعوں نے اطمینان کی سانس لی۔

اِس کے بعد عالم اسلامی میں دو ایسے انقلاب پیدا ہوئے جنھوں نے شیعوں کے لئے کامیابی کی راہ باز کر دی اور اُن کے دشمن کی تباہی کا سبب بنے۔ اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) خاندان بنی اُمیہ میں ایسی پھوٹ پڑی کہ کسی طرح دُور نہ کی جا سکی۔ باہمی خانہ جنگی کا دروازہ یزید بن الولید بن عبدالملک بن مروان نے کھولا۔ یزید نے اپنے عم زادے ولید بن یزید بن عبدالملک کے خلاف سر اُٹھایا، اُسے فسق و فجور اور کفر و الحاد سے متہم کیا۔ ایک گروہ نے اُس کا ساتھ دیا اور وہ کامیاب ہو گیا۔

اُس کی کامیابی دیکھ کر دوسرے طامعوں کے حوصلے بھی بڑھ گئے چنانچہ مروان بن محمد بن مروان مسند خلافت کی طرف بڑھا اور اُسپر متمکن ہونے کی جد و جہد شروع کر دی۔ مروان، جزیرہ اور ارمینیہ کا حاکم تھا۔ ایک بڑی فوج اُس کے ہاتھ میں تھی۔ مقتول ولید کے خون کا اُسنے دعویٰ کیا اور اپنی جنگی قوت سے خلافت پر قابض ہو گیا۔ مگر اُس کی کامیابی نے فتنہ و فساد کا استیصال نہیں کیا۔ بلکہ مزید فتنوں کے دروازے کھل گئے۔ یہ بات نہ تھی کہ بنی امیہ اِس خانہ جنگی کے مہلک نتائج سے بالکل غافل تھے۔ اُن کے عقلا خوب سمجھتے تھے کہ یہ بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ چنانچہ اُن کا ایک شاعر کہتا ہے:

انی اعیذکم باللہ من فتن ... مثل الجبال تسامی ثم تندفع

لا تبقرن بایدیکم بطونکم ... فثم لا حسرۃ تغنی و لا الندم

مگر جب ایک مرتبہ فتنہ و فساد پھیل جاتا ہے تو آسانی سے دُور نہیں ہوتا۔

(۲) خراسان میں قومی عصبیت کا ظہور اور عرب قبائل کی باہمی منافرت میں ترقی۔ معلوم ہے عرب دو بڑی قسموں پر بٹے ہوئے ہیں: قحطان اور نزار۔ عرب کی قدیم ریاست و سیادت، یمن یا قحطان کے ہاتھ میں تھی لیکن اسلام نے آکر نزار کو بلند کر دیا اور عربی زعامت اُن کے قبضہ میں آگئی۔ ایک مدت تک جاہلی عصبیت مفقود رہی۔ اسلام نے تمام عربوں کو بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ لیکن جب فتنہ و فساد کی آندھیاں چلیں تو سیاسی اغراض سے امرا و حکام نے یہ عصبیت از سر نو زندہ کرنا شروع کی، اور وہ خراسان میں پوری قوت سے زندہ ہو گئی۔

چنانچہ پہلے قحطانیوں اور نزاریوں میں پھوٹ پڑی۔ اول الذکر کا سرگروہ جدیع بن شبیب تھا اور آخر الذکر کا نصر بن سیار، والی خراسان۔ پھر خود نزاریوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ ربیعہ اور مُضَر کی الگ الگ جماعتیں بن گئیں۔ ربیعہ کی اکثریت شیبان بن سلمہ حروری کے ساتھ تھی اور وہ خلافت سے باغی تھا۔

یہ اختلاف صرف، افکار و آرا کا اختلاف نہ تھا۔ اِس نے جنگ کی صورت اختیار کی۔ نزاریوں کو شکست ہوئی۔ قحطان غالب آئے۔ قحطانیوں نے نصر بن سیار کو ملک سے نکال دیا اور قبائل مُضَر کے گھر گرا دئے۔ اسی پر ایک مضری عورت کہتی ہے:

لا بارک اللہ فی انثیٰ و غدبہا ... تزوجت مضریاً آخر الدہر

اسی زمانہ میں محمد بن علی، امام شیعہ نے انتقال کیا۔ وفات سے پہلے اُنھوں نے اپنا جانشین اپنے بیٹے ابراہیم کو قرار دیا اور شیعوں کو اس کی اطلاع دیدی۔ چنانچہ اب ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے لئے دعوت شروع ہوئی۔

ابو مسلم خراسانی

ابراہیم بن محمد زیادہ خوش نصیب تھا۔ اُس کے بر سر دعوت آتے ہی ایک اولو العزم اور بہادر نوجوان اُس کے زیر علم آگیا۔ اس کا نام ابو مسلم خراسانی تھا۔ اصل میں یہ شخص، عیسیٰ بن معقل عجلی کا غلام تھا بکیر بن ماہان، کوفہ کے شیعی داعی اکبر نے اُسے خرید لیا اور شیعی تعلیم و تربیت پر اُس کی نشو و نما ہوئی۔ یہ سب سے پہلے ۱۲۵ھ میں محمد بن علی کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اب ابراہیم بن محمد سے پوری طرح وابستہ ہو گیا۔

اس کے بشرے ہی سے عزم و حزم اور غیر معمولی ذہانت و شجاعت کے آثار ظاہر تھے۔ خراسان کے شیعوں کو ایک ایسے ہی آدمی کی ضرورت تھی۔ کیونکہ عمل کے لئے زمین تیار ہو چکی تھی۔ بنی امیہ میں خانہ جنگی شروع تھی۔ خراسان میں عربی قبائل باہم کٹے مرتے تھے۔

ابراہیم بن محمد، بڑا ہی دانشمند تھا۔ اُس کی دُور بین نظریں ابو مسلم پر پڑیں۔ فوراً معلوم کر لیا کہ اِس عجمی غلام میں کیسی محیر العقول قوتیں پنہاں ہیں۔ چنانچہ اُسے خراسان روانہ کر دیا، اور وہاں کے شیعوں کو حکم بھیجا کہ ابو مسلم کی پوری پوری اطاعت کریں۔ کیونکہ میں نے اُسے خراسان کا حاکم مقرر کیا ہے۔

ابراہیم بن محمد نے ابو مسلم کو رخصت کرتے ہوئے حسب ذیل وصیت کی تھی:

"اے عبدالرحمٰن! تو ہم اہل بیت ہی میں سے ایک آدمی ہے لہذا میری وصیت پر عمل کر۔ دیکھ قبائل یمن کی عزت کرنا۔ اُنھی میں اُترنا اُنھی پر بھروسہ کرنا۔ کیونکہ یہ معاملہ اُنہی کے ہاتھوں انجام پائیگا۔ قبائل ربیعہ سے بہت ہوشیار رہنا۔ یہ دغاباز لوگ ہیں۔ قبائل مُضَر، آستین کے سانپ ہیں۔ ادنیٰ سے شبہ پر بھی اُنھیں قتل کر ڈالنا۔ ہرگز کوئی نرمی اُن کے ساتھ نہ کرنا۔ اگر تجھ سے یہ ممکن ہو کہ خراسان میں ایک زبان بھی عربی باقی نہ رہے تو ایک بھی باقی نہ رکھ۔ ۵ بالشت کے بچے پر بھی اگر تجھے شبہ ہو جائے تو فوراً قتل کر ڈالنا۔ سلیمان بن کثیر (خراسان کے داعی اکبر) سے ہمیشہ مشورہ لینا اُس کی نافرمانی نہ کرنا۔ اگر کوئی مشکل آپڑے تو اُسی کی رائے پر عمل کرنا"

ابو مسلم ۱۲۸ھ میں خراسان پہونچا۔ یہاں عربوں کی حالت از حد زبوں ہو رہی تھی۔ اُسنے پوری عقل و دانش سے کام شروع کیا۔ ایک سال کے بعد وہ شیعوں کی ایک بڑی جماعت لے کر امام (ابراہیم بن محمد) کی ملاقات کو روانہ ہوا۔ لیکن راستہ ہی میں امام کا قاصد ملا "واپس جاؤ اور کام شروع کر دو" نیز امام نے ایک علم بھی بھیجا۔ اِس کا نام "رایۃ النصر" (فتح کا جھنڈا) تھا۔

دَورِ عمل

ابو مسلم لوٹا اور مرو کے ایک گاؤں "سفیذنج" میں اُترا۔ یہاں اُسنے اپنے داعی ہر طرف پھیلا دئے کہ شیعوں کو جمع کریں۔ چنانچہ ہر طرف سے لوگ جوق جوق آنا شروع ہو گئے۔ یہ رمضان ۱۲۹ھ کا واقعہ ہے۔

۲۵ رمضان کو اُسنے امام کا بھیجا ہوا "رایۃ النصر" بلند کیا۔ یہ چودہ گز بلند تھا۔ اُسوقت ابو مسلم یہ آیت تلاوت کر رہا تھا "اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا، و ان اللہ علیٰ نصرہم لقدیر"! اُسنے اور اُس کے ساتھیوں نے سیاہ لباس پہن لیا جو بعد میں عباسیوں کا سرکاری لباس قرار پایا۔

پہلا کام اُسنے یہ کیا کہ گاؤں کے قلعہ کی مرمت کی اور اُسمیں مقیم ہو گیا۔ رمضان کے بعد عید الفطر آئی۔ ابو مسلم نے اپنے لشکر میں نماز قائم کی۔ سلیمان بن کثیر کو امام بنایا اور حکم دیا کہ نماز بغیر اذان و اقامت کے خطبہ سے پہلے شروع کرے۔ بنو امیہ کا عمل اِس کے خلاف تھا۔ وہ خطبہ و اذان سے شروع کرتے تھے اور نماز کے لئے اقامت بھی کہی جاتی تھی۔ نیز یہ حکم دیا کہ نماز میں مسلسل ۶ تکبیریں کہی جائیں، برخلاف بنی امیہ کے جو پہلی رکعت میں ۴ تکبیریں کہتے تھے اور دوسری میں تین تکبیریں۔ نماز کے بعد ابو مسلم نے اپنی فوج کو پُر تکلف دعوت کھلائی۔

اِس کے بعد ابو مسلم نے نصر بن سیار خراسان کے اموی والی کو خط لکھا۔ یہ خط، ابو مسلم کی ذہانت، بلاغت، اور اولو العزمی کا بہترین ثبوت سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اُس میں ابو مسلم نے خود کچھ بھی نہیں لکھا تھا۔ صرف قرآن کی یہ آیت لکھدی تھی۔ مگر اِس آیت نے وہ اثر پیدا کیا، جو بڑی سے بڑی تحریر بھی پیدا نہیں کر سکتی تھی:

ابو مسلم کا خط یہ تھا:

"اما بعد، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک قوم کی مذمت میں فرمایا ہے: "واقسموا باللہ جہد ایمانہم لئن جاءہم نذیر لیکونن اہدیٰ من احدی الامم، فلما جاءہم نذیر ما زادہم الا نفوراً، استکباراً فی الارض و مکر السیئ و لا یحیق المکر السیئ الا باہلہ، فہل ینظرون الا سنۃ الاولین؟ فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا و لن تجد لسنۃ اللہ تحویلا"

نصر بن سیار سے اِس کے سوا کوئی جواب نہ بن پڑا کہ اپنے غلام یزید کی قیادت میں ایک بڑی فوج بھیجدی۔ ابو مسلم نے مالک بن الہیثم خزاعی کو مقابلہ پر روانہ کیا۔ مقام "آلین" میں پہلی جنگ برپا ہوئی مگر شیعہ فتح یاب ہوئے۔ دشمن کا سپہ سالار یزید زخمی ہو کر قید ہو گیا۔ ابو مسلم نے اُس کا علاج کرایا۔ تندرست ہو جانے پر اُس سے کہا "یا تو ہماری دعوت میں شریک ہو جاؤ۔ یا اپنے آقا کے پاس لوٹ جاؤ، مگر اِس قسم کے ساتھ کہ ہم سے آئندہ نہ لڑو گے اور ہماری نسبت دروغ بیانی نہ کرو گے۔ بلکہ ہماری حالت ہمیشہ وہی بیان کرو گے جو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو"

یزید نے واپسی پسند کی۔ نصر نے اُسے دیکھا تو بہت خفا ہوا۔

کا جس ہمت و بسالت اور جانبازی سے بول بالا کیا؛ وہ میرے قول کا بالکل تازہ ثبوت ہے"

"حجاز سے جنگ کا سبب کیا ہوا؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں" سلطان نے فوراً جواب دیا "میں بقسم کہتا ہوں کہ میں حجا سے ہرگز جنگ کرنے کا خواہش مند نہ تھا۔ لیکن خود شریف حسین نے مجھے جنگ پر مجبور کر دیا۔ اُسنے صرف یہی نہیں کیا کہ نجدی حاجیوں کے لئے مصیبت پیدا کر دی، بلکہ دنیائے اسلام کے تمام حاجیوں کی زندگی خطرے میں ڈال دی تھی۔ ہم مدتوں یہ صورت حال صبر جمیل کے ساتھ برداشت کرتے رہے اور اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر دیا۔ مگر شریف حسین کی سرکشی اور جرأت برابر بڑھتی ہی چلی گئی۔ ہمنے بارہا نتائج بد سے ڈرایا؛ مگر اُنھیں ذرا بھی نصیحت نہ ہوئی۔ بلکہ اُلٹے اُن کا جبر و تکبر برابر زیادہ ہی ہوتا چلا گیا۔ نہایت ہی تحقیر اور بے رحمی سے ہمیں ستانا شروع کر دیا۔ آخر ہمارا بھی پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور ہم نے اپنی فوج حجاز کی طرف بڑھائی۔ آپ جب کبھی میری زبان سے لفظ "فوج" سنیں تو اُس سے یہی بہادر بدو قوم سمجھئے جو آپ اپنے گرد یہاں دیکھ رہے ہیں۔

"ہم نے فوج کشی تو کر دی مگر ہمیں پورا یقین تھا کہ ہماری غرض صرف حجاز کی ظالموں سے تطہیر، حجاج کے لئے قیام امن اور مسلمانوں کے جان و مال کی حمایت ہے۔ ہمیں ہرگز خیال نہ تھا کہ ہم حجاز فتح کرنے اور اپنی سلطنت و قوت بڑھانے جا رہے ہیں۔

"ہم خوب جانتے تھے کہ اہل حجاز کی روایات اور عقائد ہماری روایات اور عقائد سے مختلف ہیں۔ اُس ملک میں قتل و سلب و نہب کے ایسے قوی جتھے موجود ہیں کہ اُن کا قلع قمع بہت مشکل ہے۔ وہاں کے باشندوں میں ویسی تبدیلی جیسی ہم نے نجدیوں میں کر دی ہے ناممکن سی نظر آتی تھی۔

"مزید برآں ہم سمجھتے تھے کہ حجاز کا قبضہ ہمارے لئے بے شمار مشکلات پیدا کر دے سکتا ہے۔ بعض یورپین سلطنتوں کو ہمارے معاملات میں مداخلت کا موقعہ مل سکتا ہے۔ لیکن ان تمام اندیشوں کے باوجود ہم نے حریف کی مبارزت طلبی کا جواب دیا اور میدان میں کود پڑے۔ چونکہ ہماری غرض اور نیت بالکل نیک تھی، اس لئے ہم نے کسی اندیشے کی بھی پروا نہ کی اور وہ کرنے پر آمادہ ہو گئے جسے ہم دیانتاً اپنا فرض سمجھتے تھے۔

"مجھے یقین ہے کہ اسی نیک نیتی نے ہمیں کامیاب کیا۔ یہ جنگ کچھ زیادہ دیرپا نہیں ہوئی۔ ایک ہی یلغار میں دشمن کا خاتمہ ہو گیا۔ شریف کی حکومت اچھی نہ تھی۔ تمام حجاز اُس سے نالاں تھا۔ یہی سبب ہے کہ باشندوں نے اُس کی ذرا بھی مدد نہیں کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ ہر جگہ ہمارا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ اکثر جنگی نقطے ہمیں بغیر جنگ کے مل گئے۔

"ہم نے ابھی شریف اور شریفیوں کو بھگایا ہی تھا، اور باشندوں کو اپنے مقاصد سے آگاہ ہی کرنے پائے تھے کہ اُن کے اہل الحل والعقد نے جمع ہو کر ہم سے اُن کی بیعت قبول کرنے کا مطالبہ کیا۔ ہم نے بھی دیکھا کہ حجاز اور حرم بیت اللہ کی مصلحت اسی میں ہے کہ ہم بیعت قبول کر لیں اور حجاز پر دین الٰہی اور سنت نبوی کی حکومت قائم کر دیں۔ چنانچہ ہم نے پورے غور و فکر کے بعد حجاز کی بادشاہت منظور کر لی"

"حجاز کے نظام حکومت میں اعلیٰ حضرت نے کیا تبدیلی کی ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"حکومت حجاز کا بنیادی نظام، علیٰ حالہ قائم ہے" سلطان نے جواب دیا "ہم نے اُس میں کوئی تبدیلی نہیں کی؛ حتیٰ کہ ہم نے وہ سابق عہدے دار بھی باقی رکھے ہیں جن میں دیانت و اخلاص کی صفات نظر آئیں۔ ہم نے جو کچھ تبدیلی کی ہے وہ صرف یہ ہے کہ شریف حسین کے من گھڑت قوانین اُٹھا دئیے ہیں اور اُن کی جگہ احکام شریعت ۴

۴ قائم کر دئے ہیں۔ تمام باشندوں نے یہ تبدیلی بڑی ہی مسرت سے قبول کی ہے، رہی یہ بحث کہ یہ تبدیلی مفید ہوئی یا مُضر؟ تو خود اپنی آنکھوں سے آپ حجاز میں اس کا جواب دیکھ لیں گے۔ اسوقت سرزمین حجاز میں پورا پورا امن قائم ہو چکا ہے اور ہر طرح کی بدامنی اور شورش کا قطعی انسداد کر دیا گیا ہے"

"اعلیٰ حضرت نے ابھی فرمایا کہ فتح حجاز سے بعض یورپین سلطنتوں کی مداخلت کا احتمال تھا۔ "بعض سلطنتوں" سے آپکی مراد کون سلطنتیں ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

سلطان نے جواب دیا:

"آپ جانتے ہیں کہ اکثر دول یورپ، خصوصاً انگلستان، اسلامی قوموں پر حکومت کر رہی ہیں۔ یہ اپنے حجاج کی حمایت کے بہانے سے مداخلت کے موقعے نکال سکتی تھیں۔ لیکن میں مسرت کے ساتھ اس واقعہ کا اظہار کرتا ہوں کہ اب تک کسی یورپین سلطنت نے اس طرح کی جرأت نہیں کی ہے۔ میں برطانیہ کی خاص طور پر تعریف کروں گا کہ اُسنے معاملہ فہمی سے کام لیا اور کسی قسم کی مداخلت کا ارادہ ظاہر نہیں کیا۔ کیونکہ وہ خوب جانتا ہے دوستانہ تعلقات اُسی وقت تک قائم رہ سکتے ہیں جب تک باہمی احترام اور حقوق کی رعایت موجود ہے"

"خلافت کے بارے میں اعلیٰ حضرت کی کیا رائے ہے؟ کیا اس منصب کے لئے سعی مناسب نہیں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"میں اس اہم مسئلہ میں اظہار خیال مناسب نہیں سمجھتا" سلطان نے مسکرا کر کہا "بہت سے اسباب ایسے موجود ہیں کہ میں اس بارے میں گفتگو بہتر خیال نہیں کرتا۔ میری قوم کے سامنے کچھ شرعی امور و اعتبارات بھی موجود ہیں۔ آداب مجلس کا اقتضاء یہ ہے کہ میں آپکے سامنے *

* کوئی اظہار خیال نہ کروں۔ مسئلۂ خلافت، تمام عالم اسلامی کا مسئلہ ہے۔ تمام مسلمانوں ہی کو حق ہے کہ اُسپر غور کریں۔ مجھے اس منصب کی ہرگز کوئی طلب نہیں ہے"

تاریخ و عبر

تاریخ اسلام کا نفسیاتی مطالعہ

عہد اُمیہ کا خاتمہ اور عباسیہ کی تاسیس

تاریخ اسلام کے ابتدائی عہد کے سیاسی دواعی و محرکات

(۲)

ہاشمی خلافت کی دعوت دو ممتاز دَوروں پر منقسم ہے:

پہلا دَور پُرامن دعوت کا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب اموی خاندان باہم متحد تھا، ابومسلم خراسانی، ہاشمی دعوت میں شریک نہیں ہوا تھا، اور خراسانی فوج میں قومی عصبیت نے ظہور نہیں کیا تھا۔ ۲۰ سال تک یہ دَور قائم رہا۔ دوسرا دَور، قوت و تشدد کے ساتھ دعوت کا دَور ہے۔ اسے دَور عمل کہہ سکتے ہیں۔ دونوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

دَور اوّل

(سنہ ھ سے ۱۲۷ھ ہجری تک)

اس زمانے میں مبلغ و داعی، خراسان کے علاقوں میں سوداگر بن کر دَورہ کرتے اور خفیہ دعوت پھیلاتے تھے۔ اُن کا مرکز کوفہ تھا۔ اپنی کارگزاریوں کی روداد وہاں بھیجتے تھے۔ کوفہ سے خبریں حمیمہ پہنچتی تھیں جہاں سرگروہ دعوت، محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس مقیم تھے۔

خراسان میں سب سے پہلے اُن کا راز ۱۰۲ھ میں کھلا۔ قبیلۂ تمیم کا ایک شخص والی خراسان سعید بن عبدالعزیز کے پاس آیا اور کہا "یہاں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو بُری باتیں کرتے ہیں"

سعید نے اُنھیں فوراً طلب کیا:

"تم کون ہو؟" اُسنے سوال کیا۔

"سوداگر" اُنھوں نے جواب دیا۔

"یہ تمھاری نسبت کیسی شکایت ہے؟" حاکم نے کہا۔

"ہمیں نہیں معلوم" اُن کا صاف جواب تھا۔

"تم کوئی دعوت لے کر آئے ہو؟" والی نے پوچھا۔

"ہمیں اپنی تجارت کی فکروں ہی سے چھٹی نہیں۔ دعوت کیا پھیلائیں گے؟" اُنھوں نے سادہ لوحی سے جواب دیا۔

حاکم نے ضمانت طلب کی۔ ربیعہ اور یمن کے لوگوں نے آکر ضمانت کر لی۔

"ہم اِنھیں خوب جانتے ہیں" اُنھوں نے کہا "ہم ان کی نیک چلنی کے ضامن ہوتے ہیں"

حاکم نے مطمئن ہو کر اُنھیں چھوڑ دیا۔

۱۰۵ھ میں اس خفیہ انجمن کو ایک نئی قوت حاصل ہوئی۔ بکیر بن ہامان نامی ایک امیر کبیر اُس میں شامل ہو گیا اور اپنی تمام دولت اس پر وقف کر دی۔ اُسی اثناء میں کوفہ کا داعی اوّل میسرہ فوت ہو گیا۔ محمد بن علی نے نہایت دُور اندیشی سے اس مرکز کے لئے ابن ہامان کو منتخب کیا اور اُس کے ذریعہ بہت فائدہ حاصل کیا۔

شیعان بن ہاشم پر پہلی مصیبت، اسد بن عبداللہ القسری کے ہاتھوں نازل ہوئی۔ یہ بنی امیہ کا خراسان میں والی تھا سخت بے رحم اور سفاک تھا۔ جاسوسوں نے اُسے اس گروہ کی خبر دی۔ چند آدمی گرفتار ہوئے اور ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد اُنھیں سولی پر چڑھا دیا۔ انہی میں ایک عمار العبادی بھی تھا۔ مگر وہ کسی طرح بچ نکلا اور کوفہ میں آکر بکیر بن ہامان کو یہ منحوس خبر سنائی۔ بکیر نے محمد بن علی کو

بریدِ شرق

مکتوبِ مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

سعد پاشا زغلول کی زندگی پر ایک نظر

مصر میں اسوقت مرحوم زغلول پاشا کے ذکر کے سوا کوئی ذکر اہمیت نہیں رکھتا - قوم اب تک ماتم کر رہی ہے اور نہیں معلوم کب تک کرتی رہے گی - پچھلے ہفتہ ایک مفصل مکتوب، اُن کی وفات پر ارسال کر چکا ہوں - لیکن یہ عظیم مشرقی رہنما ایک مکتوب سے زیادہ ہماری توجہ کا مستحق ہے - میں چاہتا ہوں آج مرحوم کی سیاسی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈالوں۔

زندگی کی پہلی مہم

سعد پاشا کی پوری زندگی، غیر معمولی شجاعت و جرأت کے کاموں سے لبریز ہے - اُنھوں نے ابتدائی تعلیم و تربیت، جامع ازہر میں پائی - ازہر اُن کے زمانے میں - اور اب تک - مصر کی سب سے بڑی اور طاقتور تعلیم گاہ ہے - اُس کی حالت اگرچہ مدت سے زبوں ہے، مگر کم آدمی نکتہ چینی کی جرأت کر سکتے ہیں - سعد نے یہی نہیں کیا کہ آغاز عمر ہی میں ازہر کی علی الاعلان مذمت کی، بلکہ انتہائی شجاعت سے، اس تعلیم گاہ اور اُس کی جملہ خصوصیات سے علیحدہ ہوگئے - اُنھوں نے ازہر کا لباس ترک کر دیا اور جدید وضع کا لباس اختیار کر کے ازہر کی جماعت سے ہمیشہ کے لئے منقطع ہوگئے - یہ اُن کی زندگی کی پہلی مہم تھی اور بہت سخت تھی۔

عجیب جرأت

سرکاری ملازمت کے زمانے میں اُنھوں نے کبھی حکام کی خوشامد نہیں کی - بلکہ ہمیشہ اُن سے ایک طرح کی مخاصمت جاری رہی - وہ اطاعت اور خوشامد چاہتے تھے - اِن کی غیور طبیعت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی - حتیٰ کہ وزارت کے عہدے پر پہنچنے کے بعد ایک مرتبہ خود عباس حلمی پاشا، خدیو مصر سے سخت تکرار ہوگئی - اُنھوں نے ایک لائحۂ عمل طیار کیا تھا - خدیو نے اُسے پسند نہیں کیا - دونوں میں بحث شروع ہوئی خدیو نے خفا ہو کر غصہ سے میز پر ہاتھ مارا - سعد کا بلا پس و پیش جواب یہ تھا کہ اُنھوں نے بھی میز پر گھونسہ مار دیا، اور اتنی آواز بلند ہوئی کہ مصر کے فرمانروا کے گھونسے سے بھی بلند نہ ہوئی تھی۔

وکالت کا پیشہ

وکالت کا پیشہ بھی اُنھوں نے اسی طرح اختیار کیا - وہ باضابطہ وکیل نہ تھے - تاہم اُنھوں نے اپنی شجاعت و جرأت سے کام لیا اور اِس پیشہ میں خلاف قاعدہ داخل ہوگئے - حکومت نے مخالفت کی مگر وہ سب مخالفتوں پر غالب آئے اور وکیل بن بیٹھے - اِس کے بعد اِن کی قانونی قابلیت کی وہ دھوم ہوئی کہ عدالت عالیہ کے جج مقرر ہوئے پھر محکمۂ عدالت کے وزیر بنائے گئے۔

لارڈ کرومر کی پیشین گوئی

اُن کی یہی جرأت و شجاعت دیکھ کر لارڈ کرومر نے پیشین گوئی کی تھی "آیندہ، سعد زغلول، مصر کے سب سے بڑے آدمی اور سیاسی رہنما بن گے" واقعات نے یہ پیشین گوئی بالکل صحیح ثابت کر دی۔

سیاسی زندگی کا آغاز

سعد پاشا کی زعیمانہ سیاسی زندگی، درحقیقت، فروری ۱۹۱۹ء سے شروع ہوتی ہے - یہ وہ وقت تھا جب جنگ عمومی کی ہولناکیوں نے برطانیہ کو شیر ببر کی کھال اُڑھا دی تھی - وہ ہیبت و دبدبہ تھا کہ کسی کو نظر اُٹھانے کی بھی جرأت نہ رہی تھی - خصوصاً مصر میں جہاں جنگی قانون نافذ تھا اور برطانیہ نے غاصبانہ ملک کا الحاق کر لیا تھا مگر سعد زغلول نے منبر عام پر کھڑے ہو کر انتہائی شجاعت سے بانگ دہل انگریزی قبضہ کے خلاف آواز بلند کی، اور مصر کی موجودہ سیاسی بیداری کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔

مرحوم نے اپنی اس پہلی سیاسی تقریر میں کہا تھا:

"ہمارا ملک خودمختار ہے - ۱۸۴۰ء کے معاہدۂ لندن میں اُس کا اعتراف کیا جا چکا ہے - جنگ کے زمانے میں جو سیاسی تبدیلی کی گئی ہے، اس کا ذکر بالکل بے کار ہے - کیونکہ تمام علمارِ قانون کا متفقہ فیصلہ ہے کہ "حمایۃ" (پروٹیکٹریٹ) کا وجود اُسی وقت ہو سکتا ہے جب ایک قوم دوسری قوم سے اُس کی حمایت میں رہنے کی خواہش کرے لہٰذا وہ ایک سمجھوتہ یا عہدنامہ ہے جس میں ایجاب قبول، ضروری شرط ہے - لیکن مصر میں اس طرح کی کوئی بات کبھی پیش نہیں آئی، اور نہ قیامت تک کبھی پیش آسکتی ہے - ۱۹۱۴ء میں برطانیہ نے خود "حمایۃ" کا اعلان کر دیا - لیکن مصر نے اُسے قبول نہیں کیا - لہٰذا یہ حمایۃ، سراسر باطل ہے - ہرگز برقرار نہیں رہ سکتی"

اِس تصریح نے ایک طرف برطانوی حلقوں کو سخت برہم کیا - دوسری طرف مصری قوم میں حق طلبی کی نئی روح پیدا ہوگئی - چنانچہ سیاسی جدوجہد کا آغاز ہوا اور وہ بڑھتے بڑھتے ایک عظیم تحریک بن گئی۔

برطانیہ کی تخویف

پہلے تو برطانیہ، تخویف و تہدید کو کافی سمجھتا رہا - لیکن جب اُسے یقین ہوگیا کہ سعد پاشا ڈرنے والے نہیں ہیں، تو اُس کے ظلم و قہر کی قوتوں میں حرکت ہوئی اور آخری کارروائی کرنے پر تل گئی۔

چنانچہ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۱ء کو جنرل کلاٹین نے فیلڈ مارشل جنرل الینبی، برطانوی سپہ سالار اعظم کا حسب ذیل حکم سعد پاشا کو تحریراً پہنچایا:

"جنگی قانون کے بموجب اس حکم کے ذریعہ سعد پاشا زغلول کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ عام تقریروں سے پرہیز کریں - عام جلسوں میں شریک نہ ہوں - مصری وفود سے ملاقات نہ کریں - اخبارات میں مضمون نہ لکھیں - کوئی سیاسی کام نہ کریں - اُنھیں حکم دیا جاتا ہے کہ فوراً قاہرہ سے چلے جائیں اور اپنے دیہات کے مکان میں قیام کریں - اُس علاقہ کا سرکاری افسر اُن کی نگرانی کرے گا"

سعد پاشا کا جواب

زغلول پاشا کا جواب قابل دید ہے - اُنھوں نے لکھا:

"فیلڈ مارشل الینبی کا حکم مجھے پہونچا - مگر یہ حکم سخت ظالمانہ ہے - اُس کی کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی - میں اپنی پوری قوت سے اُس پر صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔

"چونکہ قوم نے مجھے اپنا وکیل بنایا ہے تاکہ اُس کی خودمختاری کی کوشش کروں، اِس لئے اُس کی قوت کے سوا کسی دوسری قوت کو کوئی حق نہیں کہ اِس مقدس فرض سے دست بردار ہونے پر مجھے مجبور کرے۔

"لہٰذا میں بدستور اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے موجود رہوں گا - ظالمانہ قوت جو کچھ بھی کر سکتی ہے، کر گزرے - ہم مضبوط دل اور ٹھنڈے ضمیر کے ساتھ اُس کے مقابلہ کے لئے طیار بیٹھے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں ہماری جائز کوششوں کے خلاف جتنا بھی تشدد کیا جائے گا وہ ملک کو اُس کی منزل مقصود سے اور بھی زیادہ قریب کر دے گا - ملک کی منزلِ مقصود بجز کامل آزادی کے کچھ نہیں ہے!"

گرفتاری اور جلاوطنی

اِس جواب کے پہنچتے ہی برطانی حکام نے مرحوم کو اور اُن کی جماعت کے ۵ ممبر اور دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔

اِس تاریخی واقعہ کا ذکر خود مرحوم نے جلاوطنی سے واپس آکر ۲۲ دسمبر ۱۹۲۳ء کی تقریر میں کیا ہے - بہتر ہے ہم اُنھی کی زبان سے

بقیہ مضمون صد ۱۶

بن محمد حاکم تھا - لیکن عبداللہ اُس کے تعاقب میں تھا - بیس دن بعد مروان کو وہاں سے بھی بھاگنا پڑا - ابان نے عبداللہ کی اطاعت قبول کر لی اور بغیر کسی جنگ کے یہ علاقہ عباسیوں کو مل گیا۔

مروان، قنسرین پہونچا - عبداللہ نے وہاں بھی پیچھا کیا - قنسرین سے حمص، حمص سے دمشق آیا - مگر عبداللہ نے پیچھا نہ چھوڑا - دمشق میں ایک مختصر سی لڑائی ہوئی اور دار الخلافہ بھی عباسیوں کے قبضہ میں آگیا۔

دمشق سے مروان علاقہ اردن گیا - پھر فلسطین میں پناہ ڈھونڈھی مگر نہ ملی - آخر فسطاط (مصر) کا رخ کیا - فسطاط سے ایک دور افتادہ گاؤں "بوصیر" میں جا کر چھپ گیا۔

عبداللہ اب بھی تعاقب پر سرگرم تھا - مگر ابو العباس کا حکم پہونچا کہ صالح بن علی کو اس مہم پر روانہ کر دے اور خود آگے نہ بڑھے چنانچہ صالح بن علی، مصر پہونچا اور پتہ لگا کر بوصیر میں مروان کو قتل کر ڈالا مروان کے قتل نے مشرق میں اموی خلافت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا اور بنی عباس کی خلافت قائم ہوگئی - تاریخ اسلام کا یہ اہم واقعہ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲ ہجری میں پیش آیا تھا۔

یزید نے کہا: "اُنھوں نے مجھ سے قسم لے لی ہے کہ اُن کی بابت کوئی بات جھوٹ نہیں کہوں گا۔ واللہ میں نے اُنھیں اِس حال میں دیکھا کہ پابندیٔ اوقات کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ اذان دیتے ہیں۔ اقامت کہتے ہیں۔ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے ہیں، رسول اللہ صلعم کی بیت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور کامیاب ہوجائیں گے۔ اگر آپ میرے آقا نہ ہوتے اور آزاد کرکے مجھ پر احسان نہ کیا ہوتا تو واللہ میں اُنہی کے ساتھ رہتا اور ہرگز یہاں لوٹ کر نہ آتا!"

اِس واقعہ کے بعد ابومسلم کو بہت طاقت حاصل ہوگئی۔ اَب اُس کی فوج اتنی زیادہ ہوگئی تھی کہ سفیذنج میں گنجائش باقی نہ رہی۔ مجبوراً وہاں سے ماخوان میں منتقل ہوگیا۔ اُس کی قلعہ بندی کی اور خندقیں کھدوکر بیٹھ گیا۔ اِسوقت اِس کے پاس ۷ ہزار کی جمعیت تھی۔

ہم اوپر بیان کرآئے ہیں کہ اُس زمانے میں خراسان کے عربوں میں تین عصبیتیں یا جماعتیں قائم ہوگئی تھیں: یمنی، مضر، ربیعہ۔ ابومسلم نے اِس باہمی پھوٹ سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ اُسنے اِن سب کو لڑانا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ اُسے قوت حاصل ہوگئی حتیٰ کہ سنہ ۱۳۰ھ میں خود مرو پر بھی قبضہ کرلیا۔ وہ شہر میں اُسوقت داخل ہوا جبکہ علی بن جدیع اور نصر بن سیار دونوں سڑکوں پر لڑرہے تھے۔ یہ آیت اُس کی زبان پر تھی: ودخل المدینۃ علی حین غفلۃ من اہلہا فوجد فیہا رجلین یقتتلان، ہذا من شیعتہ وہذا من عدوہ!"

مرو پر قبضہ کرنے کے بعد ابومسلم نے خراسان کے تمام علاقوں پر حملہ شروع کردیا۔ اُس کے مشہور سپہ سالار قحطبہ بن شبیب نے رَے فتح کیا۔ رَے کے بعد ہمدان، نہاوند، شہرزور، اور موصل فتح ہوئے۔ اب عراق کی باری آئی۔ قحطبہ سرزمین عراق میں داخل ہوگیا۔ ابن ہبیرہ والیٔ عراق نے اُس کا مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھائی۔ اِسی اثنا میں قحطبہ، شیعی سپہ سالار کا انتقال ہوگیا۔ اُس کا بیٹا حسن، جانشین ہوا اور یلغار کرتا ہوا محرم ۱۳۲ھ میں کوفہ پر قابض ہوگیا۔

اموی سپہ سالار ابن ہبیرہ نے واسط میں پناہ لی۔ حسن بن قحطبہ اُس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ دوسرے شیعی سپہ سالار بھی اپنی اپنی فوجیں لے کر بیک وقت مختلف علاقوں پر ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ حمید بن قحطبہ، مدائن گیا۔ مسیب بن زہیر اور خالد بن برمک، دیر قنیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ مہلبی اور شراحیل نے عین التمر پر حملہ کیا۔ بسام بن ابراہیم نے اہواز پر یورش کی۔ اور خود کوفہ کے داعیٔ اکبر ابوسلمۃ الخلال نے اپنا لشکر، حمام اعین کے سامنے اُتار دیا۔

افشائے راز

خراسان و عراق میں یہ ہلچل پڑی ہوئی تھی۔ مگر بنی اُمیہ بالکل غافل تھے۔ اپنی خانہ جنگی میں مشغول تھے۔ اُنھیں ابتک یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ شیعہ کس شخص کی طرف دعوت دے رہے ہیں؟

ہم اوپر بیان کرآئے ہیں کہ محمد بن علی نے اپنے داعیوں کو حکم دیا تھا کہ کسی خاص آدمی کا نام دعوت میں نہ لیں، بلکہ تمام اہل بیت نبوی کی حمایت و نصرت کی طرف مخلوق کو بُلائیں۔ چنانچہ بڑے بڑے دعاۃ و نقباء کے سوا کوئی شخص بھی اصلی راز سے واقف نہ تھا۔

راز اِس طرح ظاہر ہوا کہ مروان بن محمد اموی خلیفہ کو ابراہیم بن محمد (امام شیعہ) کا وہ خط حاصل ہوگیا جو اُسنے ابومسلم خراسانی کے کسی خط کے جواب میں لکھا تھا۔ اب خلیفہ خواب غفلت سے جاگا اور حاکم بلقاء کو حکم دیا کہ حمیمہ پر حملہ کرکے ابراہیم بن محمد کو گرفتار کرلے اور دارالخلافہ بھیجدے۔ ابراہیم نے گرفتار ہوتے وقت اپنے بھائی ابوالعباس کے حق میں امامت کی وصیت کردی اور اُسے پورے خاندان کے ساتھ کوفہ چلے جانے کا حکم دیا۔

ابراہیم، حرّان کے قید خانہ میں بند کیا گیا۔ اور وہیں فوت ہوگیا۔ مورخین میں اختلاف ہے کہ ابراہیم کو زہر دیا گیا تھا، یا اُس پر گھر کی چھت گرادی گئی تھی؟ بہرحال یہ یقینی ہے کہ وہ قتل کیا گیا۔

ابراہیم کا خاندان، ماہ صفر ۱۳۲ھ میں کوفہ پہونچا۔ اُسوقت شیعی تحریک کا سرگروہ ابوسلمہ خلال تھا اور "وزیر آل محمد" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اُسنے ابراہیم کے خاندان کو کوفہ کے ایک محلے میں چھپا دیا اور ۴۰ دن تک کسی شخص کو بھی اُن کی خبر نہ دی۔

بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ ابوسلمہ نے عباسیوں کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ارادہ کرلیا تھا کہ اُن سے کٹ کر علویوں سے مل جائے۔ چنانچہ اُسنے خاندان علیؑ کے تین سرداروں: حضرت جعفر صادق بن محمد الباقر، عبداللہ المحض بن حسن بن حسن، اور عمر الاشرف بن زین العابدین (علیہم السلام) کے پاس خطوط بھیجے۔ قاصد سے کہا پہلے حضرت جعفر صادق کے پاس جائے۔ اگر وہ دعوت قبول کرلیں تو باقی دونوں خط ضایع کردے۔ اگر انکار کریں تو عبداللہ المحض کے پاس جائے۔ اگر وہ بھی نہ مانیں تو آخر میں عمر الاشرف سے ملے۔

جعفر صادق نے قاصد کو دیکھ کر کہا:

"مجھے ابوسلمہ سے کیا سروکار؟ وہ تو کسی اور کا حامی ہے"

"آپ خط تو پڑھئے" قاصد نے کہا۔

"چراغ قریب لاؤ" امام جعفر نے اپنے خادم سے کہا۔

چراغ لایا گیا اور حضرت جعفر صادق نے خط اُس سے لگاکر جلادیا۔

"آپ کچھ جواب دیں گے؟" قاصد نے کہا۔

"جواب تو تم نے دیکھ لیا" اُن کا صاف جواب تھا۔

قاصد مایوس ہوکر حضرت عبداللہ المحض کے پاس گیا۔ اُنھوں نے خط لے لیا اور فوراً حضرت جعفر صادق کے پاس دوڑے آئے:

"یہ ابوسلمہ کا خط ہے" عبداللہ المحض نے کہا "مجھے خلافت قبول کرنے کی دعوت دی ہے۔ ہمارے خراسانی طرفداروں کی یہی خواہش ہے"

"خراسانی، تمھارے کب سے طرفدار بنے ہیں؟" حضرت جعفر صادق نے کہا "کیا تم ہی نے ابومسلم کو وہاں بھیجا تھا؟ اُن میں سے کسی ایک آدمی کا نام بھی تمھیں معلوم ہے؟ کسی ایک کی بھی صورت دیکھی ہے؟ وہ کیسے تمھارے طرفدار ہوسکتے ہیں، حالانکہ نہ وہ تمھیں جانتے ہیں، نہ تم اُنھیں جانتے ہو؟"

"یہ گفتگو شاید کسی خاص وجہ سے آپ کررہے ہیں؟" عبداللہ نے سوال کیا۔

"خدا جانتا ہے کہ میں ہر مسلمان کی خیرخواہی اپنے اوپر فرض سمجھتا ہوں پھر تم سے نصیحت میں کیونکر بخل کروں گا؟" حضرت جعفر صادق نے جواب دیا "یہ خیال خام چھوڑدو۔ یہ سلطنت کسی اور ہی کو ملے گی تم سے پہلے اسی مضمون کا خط مجھے بھی پہنچ چکا ہے"

اِس گفتگو کے بعد عبداللہ المحض نے بھی انکار کردیا۔

آخر میں قاصد، عمر بن زین العابدین کے پاس پہنچا۔ اُنھوں نے سُنتے ہی جواب دیا:

"میں خط والے کو نہیں جانتا، جواب کیسے دوں؟"

اِس اثنا میں ابوسلمہ کے سپہ سالاروں کو اُس کی نیت پر شبہ ہوا ساتھ ہی ابراہیم بن محمد کے خاندان کی کوفہ میں موجودگی کا بھی پتہ چل گیا۔ چنانچہ وہ لشکر سے نکلکر کوفہ پہنچے۔ ابوالعباس کو ابوسلمہ کی نظربندی سے نکالا اور بیعت خلافت اُس کے ہاتھ پر کی۔ مجبوراً ابوسلمہ کو بھی بیعت کرنی پڑی۔ مگر ابوالعباس اُس سے کدہ ہوگیا تھا

ابوالعباس کا خطبہ

۱۳ ربیع الاول روز جمعہ کو ابوالعباس نے جامع مسجد میں نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔ خطبہ میں حمد وثنا کے بعد رسول اللہ صلعم کی قرابت پر فخر کیا۔ خلفاء راشدین کی تعریف کی۔ بنی حرب اور بنی مروان (یعنی امیہ) کے ظلم وجور کی مذمت کی۔ اور کہا:

"اے اہل کوفہ! میں امید کرتا ہوں کہ جس راہ سے تمھیں بھلائی پہنچ چکی ہے، اُس سے تم پر کبھی بُرائی نہ آسکیگی (یعنی اہل بیت نبوی) اور جس راہ سے بُرائی آچکی ہے، اُس راہ سے کبھی بھلائی نہ آسکیگی (یعنی بنی امیہ) ہم اہل بیت کا والی وحامی، اللہ بزرگ و برتر ہی ہے۔ تم اے اہل کوفہ! ہماری محبت کے مورد ہو۔ ہماری دوستی کے اہل ہو۔ تم وہ ہو، جو ہماری محبت سے کبھی برگشتہ نہیں ہوئے۔ ظالموں کا ظلم تمھارا دل ہم سے نہ بدل سکا۔ یہاں تک کہ تم نے ہمارا زمانہ دیکھ لیا اور خدا ہماری سلطنت تمھارے لئے لے آیا۔ پس ہمارے حسن سلوک کے تم سب زیادہ مستحق ہو۔ میں نے تمھارے وظیفوں میں سو سو درہم کا اضافہ کردیا ہے۔ تم طیار ہوجاؤ، کیونکہ میں "سفاح" ہوں ....."

ابوالعباس، "سفاح" کے لقب سے اسی خطبہ کے بعد مشہور ہوا۔ کیونکہ اُس نے خود اپنے مُنہ سے اپنے کو "سفاح" کہا تھا۔

اُس زمانے میں ابوالعباس کو کھانسی کی شکایت تھی۔ خطبہ ختم ہونے سے پہلے ہی اُسے کھانسی آنے لگی اور تقریر نہ کرسکا۔ فوراً اُس کا چچا داؤد بن علی منبر پر چڑھ گیا۔ وہ عباسیوں میں سب سے زیادہ فصیح تھا۔ اُسنے کہا:

"واللہ ہم اِس لئے نہیں اُٹھے ہیں کہ مال و دولت جمع کریں، محل بنائیں، عیش و عشرت کریں۔ ہم صرف اِس وجہ سے اُٹھے ہیں کہ ہمارا حق سلب ہوگیا تھا۔ ہمارے عم زادوں پر ظلم ہوتا تھا۔ تمھاری حالت جور و ستم نے زبوں کردی تھی۔ ہم اپنے بستروں پر ہوتے تھے مگر تمھاری مصیبتیں یاد کرکے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ہماری پیٹھ کے نیچے انگارے بچھے ہیں۔ بنی اُمیہ نے تمھیں ہلاک کرڈالا۔ غلاموں سے بھی بدتر سلوک کیا۔ تمھارے صدقے، تمھاری خیراتیں، مال غنیمت میں تمھارے حصے سب ضبط کرلئے۔ ہم نے بہت برداشت کیا۔ مگر بالآخر مجبور ہوگئے اور تمھاری حمایت وحفاظت پر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم تم سے اللہ کے نام پر، رسول کے نام پر، اور عباس کے نام پر عہد کرتے ہیں کہ کتاب اللہ کے بموجب حکومت کرینگے۔ سنت رسول اللہ کے مطابق سلوک کرینگے ..

.... اے اہل کوفہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمھارے اِس منبر پر دو ہی خلیفہ کھڑے ہوئے ہیں: ایک امیر المومنین علی بن ابی طالبؓ دوسرا امیر المومنین عبداللہ بن محمد (یہ کہکر ابوالعباس کی طرف اشارہ کیا) یقین کرو یہ معاملہ (خلافت) برابر ہمارے ہی ہاتھ میں رہے گا، یہاں تک کہ اُسے عیسیٰ بن مریم صلوات اللہ علیہ کے حوالہ کردیں!"

نماز کے بعد سفاح نے لوگوں سے بیعت لی۔ رات تک اِس کا سلسلہ جاری رہا۔

بیعت لے کر خود سفاح، لشکر میں چلا گیا اور کوفہ کی حکومت اپنے چچا داؤد بن علی کے سپرد کی۔

آخری مقابلہ

اب فیصلہ کُن کارروائی کا وقت آگیا تھا۔ خود خلیفہ مروان بن محمد کی مرکزی قوت پر غالب آنا تھا۔

اُدھر مروان بھی غافل نہ تھا۔ وہ ایک فوج گراں لے کر حرّان سے موصل پہنچ گیا۔ ابوالعباس نے اپنی فوج کی قیادت اپنے چچا عبداللہ بن علی کے سپرد کی۔ دونوں فوجوں میں دریائے زاب پر بہت سخت جنگ ہوئی۔ لیکن مروان کو شکست ہوگئی۔ حالانکہ اُس کے ساتھ ایک لاکھ ۲۰ ہزار شام کی منتخب فوج تھی۔ عبداللہ نے اُس کا پورا لشکر تباہ کرڈالا۔ یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۲ھ کا ہے۔

مروان بھاگ کر حرّان میں پہونچا۔ یہاں اُس کا بھتیجا ابان بن یزید

بصائر و حکم

ماہ ربیع الاول کا اختتام

اور واقعۂ ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ!

تاریخ نوع عالم کی عظیم ہستیاں اور داعی لا الٰہ الا اللہ کی عظمت!

(مقتبس)

دنیا، قدیم سے عظیم انسانوں کی عظمت پر ایمان لائے ہوئے ہے۔ اپنے خیال کے مطابق مظاہر عظمت کی گوناگوں عبادتیں کرتی ہے۔ لیکن مظاہر عظمت کا تخیل حد درجہ متباین ہے۔ ایک تخیل دوسرے تخیل سے مشابہت نہیں رکھتا۔ ہر فرد اور ہر گروہ اپنا اپنا ذوق اور اپنی اپنی نظر رکھتا ہے۔ کل حزب بما لدیہم فرحون!

حکمرانی و فرمانروائی میں عظمت ہے۔ بادشاہ و حکام اُس پر ایمان لائے ہیں۔ حریص اور طامع اُس کی عبادت کرتے ہیں!

مال و دولت میں عظمت ہے۔ دولتمند اُس پر ایمان رکھتے ہیں۔ دل و دماغ کے ساتھ اُس کی پرستش کرتے ہیں!

اہل علم و حکمت کی بھی ایک عظمت ہے، اور اُس کے پجاری بھی موجود ہیں!

حسن میں بھی عظمت ہے اور اُس کے پرستاروں کی بھی کمی نہیں!

طاقت جسمانی میں بھی عظمت ہے۔ عظیم قد و قامت کے انسانوں کے سامنے ہمیشہ انسانوں کا سر جھک گیا ہے!

اسی طرح ہر فن اور ہر صنعت میں عظمت ہے، اور اپنے معتقد اور پرستار رکھتی ہے۔

شاید کوئی بھی اُس مبہم اور مضطرب مفہوم کی تحدید نہیں کر سکتا جس کا نام لوگوں نے "عظمت" رکھ چھوڑا ہے۔ لیکن اس پر بھی وہ قدیم سے دنیا کے لئے ایک بڑا فتنہ رہا ہے۔ ہر شخص اُسے غرض و غایت قرار دیتا ہے۔ اُس کے لئے جد و جہد کرتا ہے، اُسے انسانوں کے مراتب تولنے کی میزان سمجھتا ہے۔

اگر عظمت کا فتنہ اور عظمار کی عبادت موجود نہ ہوتی تو انبیاء کرام کے ذکر پر کسی کے لئے روا نہ ہوتا کہ انھیں عظیم قرار دینے کی بحث کرے اس لئے کہ انبیاء و رسل علیہم الصلوۃ والسلام کی شان اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ انسانی عظمت کی عام صفوں میں ان کی جگہ ڈھونڈی جائے۔ یہ صفیں جسمانی کبریائی کے دھوکوں اور مادی بڑائیوں کی ضلالت اندیشیوں سے اس درجہ لَت پت ہو چکی ہیں کہ انسانیت اعلیٰ کے مظاہر علو و رفعت کے لئے ان کی طرف نظر بھی نہیں اُٹھائی جا سکتی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام رفعت اور بھی بلند ہے۔ اس ذات اعظم و اکمل نے اس کے سوا کچھ قبول ہی نہیں کیا کہ تمام انسان، کنگھی کے دانتوں کی طرح بالکل برابر ہو جائیں۔ نہ عربی کو عجمی پر، اور نہ عجمی کو عربی پر کوئی امتیاز ہو۔ آپ نے کہہ دیا، سب آدمی ہم رتبہ ہیں، سب آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی کا پتلا تھا۔ آپ نے قبول نہیں کیا کہ انسان میں دو قسمیں ہوں: عظیم اور غیر عظیم۔ اُس کی نظر میں خوش حال اور بدحال، فقیر اور بادشاہ، سب برابر درجہ کے آدمی تھے۔

❋

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس ارضی عظمت پر ایمان نہیں رکھتے تھے جس کے فتنہ نے دنیا کو مفتوں بنا رکھا ہے۔ یہ عظمت، درحقیقت بلند نفسوں کے لئے ذلت اور رب العالمین کی جناب میں شرک ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عظمار کی پرستش کے لئے نہیں آئے تھے اگرچہ ساری دنیا نے اُن کی پوجا کی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی ساخت کی یہ عظمت کسی انسان کے لئے بھی تسلیم نہیں کی اور نہ اپنی ذات ہی کے لئے پسند کی حالانکہ وہ اُن کے اختیار میں تھی۔ یہ عظمت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ سرنگوں سامنے آئی۔ اُن کے قدموں پر لوٹی، مگر انھوں نے اُس سے منہ پھیر لیا، اور اُس میں ذرا بھی رغبت ظاہر نہ کی۔ خدا نے اختیار دیا کہ عبدیت کے ساتھ نبی ہوں، یا بادشاہت کے ساتھ نبوت لیں۔ زمین کے خزانوں کی کنجیاں سامنے ڈال دی گئیں۔ تاج و تخت کی ساری شوکتیں جمع کر دی گئیں۔ مگر انھوں نے عبدیت پسند کی غربت اختیار کی۔ اُن کی روح مقدس و مطہر کی خوشی اسی میں تھی کہ فقیری میں زندہ رہیں، فقیری میں دنیا سے جائیں، فقیروں ہی کے زمرے میں اُٹھائے جائیں:

ورادوتہ الجبال الشم من ذہب عن نفسہ فاراہا ایما شمم!

جو لوگ بادشاہت اور اس کی عظمت کے پجاری ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بادشاہ تھے، نہ انھوں نے بادشاہ ہونا گوارا کیا۔ اگر بالمحال انھیں (صلی اللہ علیہ وسلم) بادشاہ ہی قرار دیا جائے تو اُن کی بادشاہت کیا تھی؟ زیادہ سے زیادہ ایک سنگلاخ جزیرہ۔ جزیرۃ العرب! قیصر کی قیصریت اور کسریٰ کی کسرویت کے مقابلے میں اس جزیرہ کی بادشاہی کوئی بڑی بادشاہی نہیں ہو سکتی۔

جو لوگ مال و جاہ دنیوی کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہیں، وہ دیکھ لے سکتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مال و دولت سے تہی دست تھے۔ اُن کی دولتوں کا خزانہ، اُن کا فقر و فاقہ تھا!

جو لوگ دنیا کے عظیم سپہ سالاروں اور فاتحوں کے جاہ و جلال کے لئے نگاہ ادب اور دل عظمت سرا رکھتے ہیں، انھیں مایوس ہو جانا چاہئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی جنگی فتح مکہ کی فتح تھی جو اُس عہد میں بھی دنیا کا ایک گمنام اور حقیر قریہ تھا!

جو لوگ دنیا کے فلاسفہ، حکما، اور موجدین کی عظمتوں کے آشنا اور اُن کی رفعتوں کے پرستار ہیں، اُنکے لئے یہ خبر نئی خبر نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے۔ دنیا کا صناعی لکھنا پڑھنا نہ تو انھوں نے سیکھا تھا اور نہ کسی نے انھیں سکھانے کی جرأت کی تھی۔

کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بھی مادی یادگار چھوڑی جو مصر کے اہرام کی سی عظمت رکھتی ہو؟ کوئی شہر بنایا جس کی عظمت قسطنطنیہ کے برابر ہو؟ تم نے اُن کی تعریفیں، سنگی لاٹوں پر کہیں کندہ دیکھیں؟ کوئی ایک شہر بھی اُن کے نام پر آباد کیا گیا؟ کوئی ایک سڑک بھی اُنکے نام پر بنائی گئی؟ اسکندر کے نام پر اسکندریہ اور قسطنطین کے نام سے قسطنطنیہ آباد ہوا لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ایک بالشت زمین بھی پکاری نہیں گئی!

❋

ہرگز نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خیالی اور فانی عظمتیں رکھنے والوں میں سے نہ تھے۔ اُن کی تاریخ لکھنے والوں کو اُن کی عظمت ان حقیر مظاہر عظمت میں تلاش نہیں کرنی چاہئے، اگرچہ دنیا انہی مظاہر پر مری مٹتی ہے۔

جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا جویا ہو، اُسے اُن کی عظمت صرف ایک کلمہ میں مل سکتی ہے جو وہ لائے تھے۔ اُسی کلمہ میں اُن کی پوری عظمت قائم ہے۔ اُسی کلمہ کے دس بارہ حرفوں کے اندر ان کی عظمت باقی و سرمد، اٹل اور اٹل ہے۔

وہ کلمہ کیا ہے؟

"لا الٰہ الا اللہ"

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۹)

تھک ہو جاتے تھے۔ دس بجے دفتر میں آکر بیٹھتے تھے اور ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ ایک یا دو بجے دوپہر کا کھانا کھاتے تھے کبھی نہیں کھاتے تھے۔ دسترخوان پر ہمیشہ دوستوں کا مجمع رہتا تھا کھانے کے بعد ایک گھنٹہ باتیں کرتے تھے۔ پھر ۵ بجے شام تک آرام کرتے تھے۔ دفتر آتے تھے اور ایک گھنٹہ کام کر کے تفریح کو نکلتے تھے۔ تفریح میں ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت صرف نہیں کرتے تھے۔ واپسی پر پھر مطالعہ کرتے تھے۔ ۸-۹ بجے رات کا کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کے بعد پھر باتیں شروع ہو جاتی تھیں۔ لیکن یہ مجلس ایک گھنٹہ سے زیادہ دراز نہیں ہوتی تھی۔ دس بجے کے قریب چارپائی پر چلے جاتے تھے، اور مطالعہ کرتے کرتے سو جاتے تھے۔ عموماً ۴ گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتے

سنیں۔ اُنھوں نے کہا:

"دو سال پہلے ٹھیک اسی تاریخ میں اندھی قوت نے حق پرس کی جائے امن میں دست درازی کی۔ میرا گھر ہر طرف سے مسلح فوج نے گھیر لیا۔ تمام کمروں اور ڈربوں میں بندوقیں اٹھائے سپاہی گھس پڑے۔ دروازوں اور کھڑکیوں پر مورچے قائم کر دئے۔ پھر ہتیار بند فوجی افسر میرے خاص کمرے میں دَر آئے۔ میں اپنے بستر پر غافل سو رہا تھا۔ مجھے نہایت دہشت ناکی کے ساتھ جگایا گیا اور لباس پہننے سے بھی پہلے گرفتار کر لینا چاہا۔ میں نے انکار کیا اور طلینان سے کپڑے پہنے۔ پھر مجھے نیچے آ لائے۔ میرے گرد بندوقوں اور سنگینوں کا ہجوم تھا۔ میری بیوی میرے پیچھے دَوڑ رہی تھی۔ مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔ مگر اُسے روک دیا گیا۔ صلیب احمر کی ایک بھدی گاڑی پر مجھے بٹھایا گیا۔ اور گاڑی روانہ ہوئی۔ ایک بڑا جنگی مظاہرہ میرے ساتھ تھا۔ مسلح موٹریں آگے تھیں۔ مسلح موٹریں پیچھے تھیں۔ ہر طرف سے بندوقیں جھکی ہوئی تھیں۔ اُن کے استعمال کے لئے ادنیٰ سی ادنیٰ بات کا انتظار تھا۔ یہ تمام کارروائی بالکل اچانک ہوئی۔ مجھے پہلے سے کوئی اطلاع نہیں دی گئی۔ کسی قانون کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ کوئی تحریری حکم پیش نہیں کیا گیا۔ قوت نے اپنی سرکشی اور جبروت کا پورا پورا اظہار کرنا چاہا اور کر دیا۔"

ہندوستان کو شرم آنی چاہیے!

مرحوم کو گرفتار کر کے کہاں لے گئے؟ یہ اظہار میرے لئے نہایت تکلیف دہ ہے۔ یقیناً آپکے تمام غیور قارئین اُسے شرمناک خیال کرینگے۔ مصر کا یہ جلیل القدر رہنما گرفتار کر کے سوئیس کی ہندوستانی چھاؤنی میں بھیجا گیا تھا۔ ہندوستانی خیموں میں رکھا گیا تھا۔ ہندوستانی سپاہیوں کی حراست میں بند کیا گیا تھا!

لیکن اس کے باوجود مرحوم نے کبھی ہندوستان کو بُرا نہیں کہا۔ بلکہ ہمیشہ ہندوستان کی تحریک آزادی سے ہمدردی ظاہر کی۔ ہندوستانی لشکر میں پہنچنے کا حال مرحوم نے یُوں بیان کیا:

"مجھے سوئیس لے گئے۔ مگر ایک ایسے راستے سے جو بالکل غیر آباد تھا۔ حتیٰ کہ کہیں پانی تک دستیاب نہ ہوتا تھا۔ میں بہت بُھوکا تھا۔ کھانے کا کوئی سامان بھی ساتھ لینے کی اجازت نہ تھی۔ خوش قسمتی سے ایک ہندوستانی افسر کو ترس آیا اور اُس نے ایک روٹی اور پنیر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا مجھے دیا۔ دن بھر کی میری غذا بس یہی تھی!

"۵ بجے شام کو میں ہندوستانی لشکر میں پہنچایا گیا۔ یہاں فوجی افسر نے مجھے اپنی حراست میں لے لیا اور ایک پھٹے ہوئے خیمے میں اُتارا۔ رات بھر گرم ہوائیں خیمے کے سُوراخوں سے اندر پہنچتی تھیں اور جھلسائے ڈالتی تھیں۔ میں اُس رات مجبور ہوا کہ اپنے دن ہی کے لباس میں سو جاؤں کیونکہ کوئی دوسرا کپڑا ساتھ نہ تھا۔

"لیکن الحمد للہ مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ میں ضعیف شخص کو یہ ایک گھنٹہ موٹر کی سیر سے تھک جایا کرتا تھا۔ مگر اُس وقت میں بالکل نہیں تھکا۔ اللہ نے میری مدد کی اور ایک ایسی قوت بخشی کہ یہ تمام سختیاں برداشت کر گیا۔

"دوسرے دن میرے پانچوں رفقاء مصیبت بھی پہنچ گئے۔ مجھے نہایت مسرت ہوئی، کیونکہ وہ سب مطمئن تھے اور برطانیہ کی اس طفلانہ حرکت پر ہنستے تھے۔ ۲۹ دسمبر تک ہم ہندوستانی لشکر ہی میں مقیم رہے۔ یہاں تک کہ اُسی دن عشاء کے وقت ہمیں حکم ملا کہ نصف گھنٹے کے اندر سفر کے لئے طیار ہو جاؤ۔ ہمیں طیاری ہی کیا کرنی تھی؟ ہمہ وقت طیار تھے۔ ہمارا طیار ہونا، صرف اُٹھ کھڑا ہونا تھا۔

"ہم قیدیوں کی بند گاڑی میں سوار کر دیے گئے۔ ساحل پر پہنچے۔ یہاں ایک کشتی ہمارے انتظار میں تھی۔ اُس پر سوار ہوئے اور جہاز میں پہنچ گئے۔ جہاز ہندوستانی سپاہیوں سے لبریز تھا۔ یہاں ہمیں معلوم ہوا کہ عدن جا رہے ہیں۔ ۴ جنوری کو عدن پہنچے۔ ۲۸ فروری کو سیشل پہنچائے گئے۔ پھر مجھے جبل طارق بھیج دیا گیا جہاں ۴ ستمبر سے ۳۰ مارچ ۱۹۲۳ء تک برابر قید رہا۔

"ہم نے یہ تمام مدت، قید خانوں اور قلعوں میں گزاری۔ دنیا بھر سے الگ کر دئے گئے تھے۔ کسی کو بھی ہمارے قریب آنے کی اجازت نہ تھی۔ حتیٰ کہ ورزش اور چہل قدمی کے لئے بھی اجازت لینی پڑتی تھی۔ ہماری تمام خط و کتابت دیکھی جاتی تھی اور شاذ و نادر ہی منزل مقصود تک پہونچائی جاتی تھی۔ . . . لیکن یہ تمام بندشیں اور سختیاں بالکل بے کار گئیں۔ کیونکہ ہمارے دلوں میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی۔ ہم اپنی ناقابل برداشت مصیبتوں پر خوش ہوتے رہے۔ ہر مصیبت ہمیں یاد دلا دیتی تھی کہ ہمارا مقصد کیسا شریف اور غایت کیسی نبیل ہے!"

سعد پاشا کے خطوط اپنی حرم کے نام

ذیل میں سعد پاشا کے دو خط ملاحظہ ہوں۔ یہ خط اُنھوں نے جلا وطنی سے اپنی حرم محترم کو بھیجے تھے:

"ہندوستانی لشکر (سوئیس)

"۲۸ دسمبر ۱۹۲۱ء

"عزیزتی!

"تمھارا ۲۷ دسمبر کا خط پہونچا۔ اگرچہ یہ فراق مجھ پر بہت شاق ہے اور ملاقات کی بے حد تمنا ہے۔ لیکن میں نے سردست تمھارے سفر کے التواء کو پسند کیا۔ مجھے اُس وطنی شعور پر فخر ہے جس نے یہ مصیبت تم پر آسان کر دی، حالانکہ میں جانتا ہوں، تمھارے لئے بالکل ناقابل برداشت تھی۔ میرے اَبنائے وطن تمھاری اس قربانی کے ہر طرح مستحق تھے۔ ہمارا یہ فراق کتنا ہی المناک ہو مگر ہمیں پوری ثابت قدمی اور صبر و شکر کے ساتھ اسے برداشت کرنا چاہیے۔ نتیجہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

"عبداللہ خادم بھی پہنچ گیا۔ مہذب مخلص نوجوان ہے۔ انگریزی جانتا ہے۔ میرے خوش رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ اُس کی بیوی کا ہر طرح خیال رکھنا۔

"میری تندرستی، اچھی ہے۔ کئی خط تمھیں بھیج چکا ہوں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے تم تک پہنچنے نہیں دئے گئے۔ اگر یہی بات ہے تو اس سے مقصود ظلم میں زیادتی ہے۔ حالانکہ اس سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ بہر حال میں تمھاری تندرستی اور خوشی کا متمنی ہوں۔"

دوسرا خط

"عدن۔ ۲۵ جنوری ۱۹۲۲ء

"عزیزتی!

"دعا ہے کہ تم اور ہمارا پورا خاندان بخیر و عافیت ہو۔ الحمد للہ ہم اچھے ہیں۔ صرف یہی ایک غم ہے کہ تمھارے خطوط نہیں پہنچتے۔ میں یہ خیال نہیں کر سکتا کہ تم لکھتی نہیں۔ تم ضرور لکھتی ہو، کیونکہ بغیر لکھے رہ نہیں سکتیں لیکن یہ قوت تمھارے خط روک لیتی ہے۔ اس سے ہمیں تکلیف ضرور ہے مگر خود اس قوت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ یقین کرو، میں بھی ہر ہفتہ دو خط لکھتا ہوں۔ اگر تمھیں کوئی خط نہ پہونچا ہو تو سمجھ لو یہ میری خطا نہیں، اسی قوت کی شرارت ہے۔

"ہمیں عربی اخبار نہیں ملتے۔ کبھی کبھی فرانسیسی اور انگریزی اخبار دئے جاتے ہیں، مگر بہت پُرانے۔ ایک اخبار میں مصری قوم سے تمھاری یہ درخواست نظر سے گزری کہ میری تندرستی کے لئے دعا کی جائے۔ میں اس پر بہت خوش ہوا کہ مصر میں تمھارے جیسے بلند ہمت لوگ موجود ہیں اور ایسے اعلیٰ خیالات رکھتے ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ ہماری اُمیدیں بر لائے اور ہماری حالت درست کر دے۔ والسلام"

مرحوم کی شخصیت

مرحوم کی شخصیت، نہایت طاقتور تھی۔ سچ کی صحبتوں میں اپنی شخصیت آدمی کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی تھی۔ معمولی گفتگو کے بعد ہی فوراً لوگ جان جاتا تھا کہ یہ شخص، اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ عقل کا مالک ہے۔ ایک عجیب عظمت اُن پر سایہ فگن رہتی تھی۔ کوئی شخص بھی مرعوب ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا

ابوی شفقت

قدرت نے سعد کو کوئی اولاد نہیں دی۔ مگر اُن میں ابوی شفقت پوری قوت کے ساتھ موجود تھی۔ تمام کم عمروں کے ساتھ اُن کا بالکل ایسا تھا، جیسا باپ کا اپنے بچوں سے ہوتا ہے۔ اُن کا یہ قول مشہور ہے جو اُنھوں نے اپنی بیوی سے کہا تھا: "اولاد نہ ہونے پر کرو، کیونکہ خدا نے ہمیں ۱۴ ملین بچے عنایت کئے ہیں!"

روشن خیالی

سعد ہمیشہ روشن خیال رہے۔ جمود و تقلید کا اُن پر کبھی بھی قبضہ نہیں ہوا۔ وہ اپنے زمانے سے برابر آگے رہے۔ سید جمال الدین افغانی نے مصر میں جو اجتماعی و سیاسی حرکت پیدا کر دی تھی، اُس میں یہ فوراً داخل ہو گئے، حالانکہ کم عمر تھے۔ قاسم امین نے حقوق نسواں کی آواز بلند کی۔ یہ اس جدوجہد میں بھی پیش پیش تھے۔ وکالت سے وزارت تک جملہ منصبوں اور عہدوں میں ان کی اصلاح پسندی اور روشن خیالی کی یادگاریں اب تک موجود ہیں۔

قدرت الٰہی پر یقین

سعد پاشا کی پوری زندگی ایسی مثالوں سے لبریز ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ قدرت الٰہی پر غیر معمولی یقین و ایمان رکھتے تھے۔ سخت سے سخت مصیبتیں پڑیں، مگر وہ کبھی ناامید نہ ہوئے اور ہمیشہ خدا کی ذات پر بھروسہ کئے رہے۔ اُن کی تقریریں ایسے جملوں سے کبھی خالی نہیں ہوتی تھیں جن میں یہ یقین و ایمان ظاہر نہ کیا گیا ہو۔ اُن کی ایک تقریر کے چند جملے مجھے یاد ہیں۔ اُنھوں نے کہا:

"ہمیں بشارت ہو کہ ہم حق پر ہیں، حق کے لئے کوشاں ہیں، حق کی راہ پر چلتے ہیں۔ اور معلوم ہو کہ خدا حق پرستوں کا عمل رائیگاں نہیں کرتا۔"

"خدا نے ہمیں یہ دیکھنے کا عادی بنا دیا ہے کہ وہ ہمیشہ ہماری مدد پر ہے، مصیبتوں میں ہماری دستگیری کرتا ہے۔ مصیبت جتنی زیادہ سخت ہو اُتنا ہی زیادہ منزل مقصود سے قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنے حقوق پر مضبوطی سے جمے رہیں اور ثابت قدمی سے مصائب برداشت کرتے رہیں۔ خدا صابروں کے ساتھ ہے!"

مطالعہ اور گفتگو

مرحوم کو کتابوں کے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ کبھی اُن کا ہاتھ کتاب سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ عربی تقریر و تحریر میں وہ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ لیکن عربی زبان کا دائرہ، اُن کی وسیع عقل و دماغ کے لئے ناکافی تھا۔ لہٰذا اُنھوں نے ۴۰ سال کی عمر میں فرانسیسی زبان اور اس طرح پڑھی کہ اس کے ماہر بن گئے۔ پھر ۶۰ برس کی عمر میں جرمن اور انگریزی زبانیں سیکھیں۔

گفتگو کے بھی وہ بڑے دلدادہ تھے۔ بلکہ اس فن میں عجیب ملکہ رکھتے تھے۔ ایسی دلچسپ گفتگو ہوتی تھی کہ کبھی جی گھبرا نہیں سکتا تھا۔ بذلہ سنجی گویا خمیر میں داخل تھی۔ بہت صاف گفتگو کرتے تھے۔ ایک ایک نقطہ الگ الگ بولتے تھے۔ اس طرح بولتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا زبان سے نہیں دل سے بول رہے ہیں۔

معمولات

اُن کی زندگی بہت منضبط تھی۔ ہر کام وقت پر ہوتا تھا۔ صبح بیدار ہوتے تھے۔ غسل کرتے تھے۔ ناشتہ تناول کرتے تھے اور مطالعہ

مال و دولت کی عظمت، جاہ و عزت کی عظمت، حکومت و سلطنت کی عظمت، علوم و فنون کی عظمت، ہر طرح اور ہر نوع کی دنیاوی اعزاز کی عظمت، اِن میں سے کوئی عظمت بھی، بلکہ یہ تمام عظمتیں مل کر بھی، اُس عظمت کو نہیں پہنچ سکتیں، جو لاالہ الا اللہ میں پنہاں ہے!

دنیا کے تمام قارون، تمام سکندر، تمام ارسطو، دنیا کے تمام بادشاہ، تمام فلاسفہ، کیا وقعت رکھتے ہیں، جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے کلمۂ لاالہ الا اللہ کا ذکر کیا جائے؟

یہ ایک کلمہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں، جملہ عظمتوں سے بڑھ کر عظیم تھا۔ اُس کی عظمت کے آگے دنیا اور دُنیا کے تمام زخرفات و تمتعات ہیچ تھے!

⁂

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اِس دُنیا میں آئے اور یہ کلمہ اُس کے سامنے پیش کیا۔ مگر دنیا اُس کی قدر جان نہ سکی۔ صرف ایک کلمہ تھا لیکن وہ ایک ہی کلمہ، دنیا سے ٹکرایا، اور اُس میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ موقت کے انسانی آداب و عادات اُس کے متحمل نہ ہوئے۔ لہذا آداب و عادات کے پرستار اُس سے لڑنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اوہام و خرافات نے اُسے قبول نہ کیا۔ لہذا اوہام و خرافات کے پجاری اُس سے دست بگریباں ہو گئے۔ ظلم و استبداد کی طبیعت نے اُس سے کراہت کی لہذا ظلم و استبداد کے طاغوت اپنی جملہ قوتیں لے کر اُس پر دَوڑ پڑے!

صرف یہی ایک کلمہ تھا جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی۔ اُس کی قوت سے بادشاہوں کے جتھوں، دولتمندوں کے جتھوں، عوام و خواص کے جتھوں ــــ تمام انسانوں کے جتھوں سے جنگ کی!

محمد صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے چلے گئے۔ لیکن اُن کا کلمہ دنیا میں باقی رہ گیا اور دُنیا میں اپنی ناممکن التسخیر قوت قاہرہ سے اپنا راستہ بناتا رہا! وہ اب بھی باقی ہے۔ اب بھی گام زن ہے۔ اب بھی مستعد مقابلہ ہے۔ اب بھی جنگ سے منہ موڑنے والا نہیں۔ مگر کیسی جنگ؟ ایسی جنگ، جس میں اُسے آج تک کبھی شکست نہیں ہوئی! جسم و آلات کی جنگ نہیں حقیقت و معنی کی جنگ! خون کی آرزومند جنگ نہیں زندگی کی کارفرما جنگ!

⁂

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا کلمۂ لاالہ الا اللہ، دو حالتوں سے خالی نہیں: یا تو آن کا یہ کلمہ حق ہوگا یا باطل ہوگا۔

اگر یہ کلمہ باطل ہے ــ حالانکہ وہ باطل نہیں ہے ــ تو عالم وجود سے اُسی طرح محو ہو جائے گا جس طرح تمام باطل کلمے اور غلط نظریے محو ہو گئے۔ علم حق اور عقل صادق کی روشنیوں کے سامنے سے اُسی طرح غائب ہو جائے گا، جس طرح طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ظلمت شب کافور ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر وہ حق ہے ــ حالانکہ وہ حق ہے ــ تو علم و عقل حق کے انوار اُس کے لئے اِس دُنیا میں اور بھی زیادہ کشادہ راستے کھول دیں گے۔ تاکہ وہ تمام جہان پر چھا جائے۔ مشرق و مغرب پر قبضہ کر لے۔ تمام دلوں میں اُتر جائے۔ کالے، گورے، عرب، عجم، عالم، جاہل، امراء، فقراء سب اُس کے سامنے سرنگوں ہو جائیں!

وہ دن ضرور آنے والا ہے جب صرف علم حق ہی کی سلطنت ہوگی جاہلوں کی جہالت، متعصبوں کا تعصب، وہم پرستوں کے اوہام مدعیانِ علم باطل کے ظنون، سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔ وہ دن ضرور آنے والا ہے جب ایک عقل صادق و حقیقت اندیش ہی کی حکومت ہوگی۔ عقل انسانی تمام بندشوں سے آزاد ہو جائے گی اُس کا پرجلال تخت، علم حق کی روشنی میں بچھے گا۔ اُس دن حق باطل سے الگ ہو جائے گا۔ طیب اور خبیث میں اشتباہ باقی نہیں رہے گا صرف وہی تعلیم انسانیت کے سامنے آنے کی جرأت کر سکے گی جو کارساز فطرۃ کی حقیقی اور بے میل تعلیم ہوگی!

حق و باطل کا فیصلہ نہ صلیبیوں کی تلواریں کر سکیں نہ مجاہدین کی شمشیریں۔ حق و باطل کا فیصلہ نہ پادریوں کے کارخانوں سے ہو سکتا ہے، نہ پیشوایانِ دین کے خود ساختہ دعووں اور مرعوب کن دلیلوں سے۔ نام نہاد علم و دانش کی روشن خیالیاں، اور مقدس جمود و تعلید کی راسخ الاعتقادیاں، یہ تمام چیزیں۔ کہر کے نمود سے زیادہ نہیں ہیں جو علم حق کے نُور کے دمکتے ہی فنا ہو جائے گا۔ محض ایک غوغا ہے۔ علم حق کا مہیب نعرہ بلند ہوتے ہی، سکون موت میں تبدیل ہو جائے گا۔ اُس وقت عقل صادق کا سلطانِ عظیم، نورانی تاجِ علم سر پر رکھے حریت کے پرچم اُڑاتا، جلال ربانی کے ساتھ نمودار ہوگا، اور جہل و ظلمت کے تمام بت سرنگوں ہو جائیں گے!

کلمۂ لاالہ الا اللہ کی کامل فتحمندی میں صرف اتنی ہی دیر باقی ہے کہ علم و عقل حق کے بندھن ٹوٹیں، اور یہ دونوں جبروتی قوتیں جہل و غرور کی چٹانیں پاش پاش کر کے پھینک دیں۔

ہاں، صرف اتنی ہی دیر باقی ہے۔ کیونکہ دنیا کی آنکھوں پر اُس وقت تک جہل و وہم کے کثیف پردے پڑے ہیں۔

ہاں: وہ مبارک دن ضرور آنے والا ہے جب تنہا علم و عقل حق کی فرمانروائی ہو جائے گی۔ علم و عقل حق کی آواز کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دے گی۔ اُس دن، صرف اُسی دن، خدا حق و باطل میں فیصلہ کرے گا۔ طیب کو خبیث سے الگ کر دے گا۔ سچائی کا بول بالا ہوگا۔ منکروں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اُس دن کلمۂ لاالہ الا اللہ زمین کی خشکیوں اور تریوں پر سربلند چلے گا۔ فتح کا نشان اُس کے آگے ہوگا۔ ایک طرف سے اُس کا عرش علم کے کاندھے پر ہوگا، دوسری طرف سے عقل دوش بردار ہوگی۔ اُس دن سارا جہان بہ بانگ دہل شہادت دے گا "لاالہ الا اللہ!"

ہر عظمت زائل ہو جانے والی ہے۔ ہر عظیم، ہلاکت کی تاریکیوں میں گم ہو جانے والا ہے۔ مگر کلمۂ لاالہ الا اللہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ وہی اِس جہان فانی کی تنہا ابدیت ہے۔ وہ نہ تو کبھی زائل ہوگا نہ کبھی ہلاک ہوگا۔ وہ ایک ایسی عظمت ہے جس کی بنیاد، حق ہے، لہذا اُس میں حق کی قوت اور ثبات ہے۔ وہ ایک ایسی عظمت ہے جس کا ستون، الوہیت ہے، لہذا اُسے الوہیت کا خلود و ابدیت حاصل ہے زمین بدل جائے گی۔ آسمان بدل جائے گا۔ نظام کون بدل جائے گا۔ تمام ایجادیں فراموش ہو جائیں گی۔ تمام قوتیں نابود ہو جائیں گی تمام فلسفے مٹ جائیں گے۔ تمام دانائیاں غائب ہو جائیں گی۔ صرف ایک ربّ ذوالجلال والاکرام باقی رہ جائے گا۔ اُس کی ابدیت باقی رہ جائے گی۔ اور اِس لئے کلمۂ لاالہ الا اللہ بھی باقی رہ جائے گا!

اُس دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پُورا ہو جائے گا۔ تمام مخلوق صدق دل سے گواہی دے گی "اشہد ان محمداً رسول اللہ!"

سعد پاشا زغلول کے اقوال

"حمایۃ"

"انگریز کہتے ہیں" تم ہماری غلامی میں نہیں، ہماری حمایۃ و پروٹیکٹوریٹ میں ہو۔ یہ الفاظ وہ اِس لئے بولتے ہیں کہ اُن کے خیال میں مصری الفاظ سے خوش ہوتے ہیں اور معانی پر غور نہیں کرتے۔ لیکن یہ اُن کا خیال غلط ہے۔ اب ہم معانی دیکھتے ہیں، الفاظ کی پروا نہیں کرتے۔ ہم آزادی اور کامل آزادی چاہتے ہیں، اگرچہ تم اُس کا نام غلامی ہی رکھ دو۔ ہم الفاظ کے پجاری نہیں ہیں۔ ہم معانی کے طلبگار ہیں۔ ہمیں صرف آزادی کامل آزادی مطلوب ہے"

ٹائمس کا نامہ نگار

"حضرات! آپ لندن ٹائمز کو جانتے ہیں؟ انگریزی حکومت کی زبان۔ گمراہی پھیلانے کا آلہ۔ لندن ٹائمز کا نامہ نگار میرے پاس آیا اور کہنے لگا:

"آخر یہ تمام شور و غل کیوں ہے؟ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"کچھ نہیں صرف آزادی" میرا جواب تھا۔

"لیکن مصر تو آزاد ہی ہے" نامہ نگار نے کہا۔

"کیا انگلستان اسی قسم کی آزادی اپنے لئے پسند کریگا؟" میں نے سوال کیا۔

"آپ لارڈ کرزن سے کیوں گفت و شنید منظور نہیں کرتے؟" اُسنے پوچھا۔

"ہم شیطان سے بھی گفت و شنید کرنے پر آمادہ ہیں" میں نے کہا: "بشرطیکہ وہ ہماری آزادی تسلیم کر کے گفتگو کرے"

یہ سُن کر نامہ نگار نے رخصت کی اجازت چاہی!"

طالب علموں سے خطاب

"عزیزانِ من! میں پورے خشوع و خضوع کے ساتھ اُن پاک روحوں کا سلام قبول کرتا ہوں جنھوں نے اپنے خون سے مستقبل تحریر کر دیا ہے۔

"میں پُورے سرور و انبساط سے زندوں کا سلام قبول کرتا ہوں اپنے اُن فرزندوں کا جو موجودہ تحریک کا ستون ہیں۔ وہ کون ہیں؟ عزیزو! وہ تم ہو، تم جو نوجوان ہو، ملک کی زندہ روح ہو، متحرک نبض ہو۔

"میں پُورے سکون سے یہ عزت قبول کرتا ہوں کہ ایک ایسی قوم کا سردار ہوں جو چوپایوں کی زندگی بسر کرنے سے انکار کرتی ہے اصول و مبادی پر زندہ ہے۔ اشخاص کی پجاری نہیں ہے۔

"مجھے فخر ہے کہ ایک ایسی قوم کا سردار ہوں جو زندہ، حسّاس اور پُرامید ہے۔ جس کی امیدوں کا مرکز، آزادی، کامل آزادی ہے۔

"میں تم سے عہد کرتا ہوں، ایسا عہد جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا، کہ اپنی پُوری زندگی تمھارے لئے کامل آزادی کی کوشش میں صرف کر دوں گا۔ اگر کامیاب ہوا، تو سبحان اللہ، ورنہ تم میرا نا تمام کام پُورا کرنا یہ میری وصیت ہے۔

"تمھاری جیسی فوج کے سپہ سالار کے لئے روا نہیں کہ کمزور ہو، ضعیف الارادہ ہو، بددیانت ہو۔ ہم پر حرام ہے کہ ایسی بات قبول کریں جس میں تمھاری ذلت ہے۔ ہمارے لئے جرم ہے کہ ایسی بات منظور کریں جو کامل آزادی سے کم درجہ ہے"

جلاوطنی

"زغلول جلاوطن کر دیا گیا، حالانکہ زغلول، مصری قوم کا محض ایک ذرہ ہے۔ تم نہ [illegible] زغلول [illegible] اور زغلول [illegible] آزادی [illegible] کی راہ میں مصائب برداشت کر سکتے ہیں۔ مصر کی تحریک آزادی کچلنے کے لئے ایک زغلول کو نہیں، تمام مصریوں کو جلاوطن کر دینا چاہئے"

مصنوعی آزادی

"کہتے ہیں یہ معاہدہ، مصر کی کامل آزادی کا معاہدہ ہے۔ اگر میں بھی اِس معاہدہ کو کامل آزادی کا معاہدہ کہنے لگوں، تو ابھی برطانیہ کی نظر میں محبوب بن جاؤں اور برطانی اخبار کل ہی سے نعرے لگانا شروع کر دیں "زندہ باد سعد!" لیکن میں غلامی کو آزادی نہیں کہہ سکتا۔ یا تو میں مجنون ہوں کہ آزادی کو غلامی کہتا ہوں، یا وہ مجنون ہیں کہ غلامی کو آزادی کہتے ہیں لیکن میں مجنون نہیں ہوں؛ کیونکہ تم کہتے ہو میں تمھارا

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ١٦ — کلکته : جمعه ١٠ . ربیع الثانی ١٣٤٦ هجری — جلد ١

Calcutta : Friday, 7, October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی . طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای . پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی .

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی . اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گئی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی . یاد رکهیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ١٣٠١ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	١٩٧	اردو حروف کی حق مین	٣٧٥
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	٣٧٤	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	٢٢٨	نستعلیق هون	١٢٧

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین .

الهلال

جنگي اقتدار رکھنے والے بادشاھوں پر رعایا کي کوئي نگراني نہیں ھوتي - لیکن تجارتي حکومتوں میں تجار و اعیان ' حاکم کي نگراني کرتے ھیں ' اور حاکم ' تجار و اعیان کي نگراني کرتا ھے ' کیونکہ پوري قوم اِس ممتاز طبقہ کے مظالم کا نشانہ بن سکتي ھے -

(حکومتوں کي تشکیل میں مذھبي پیشواؤں کا دخل)

ایک تیسري قوت بھي ھے جو حکومتوں کي تشکیل میں بڑا دخل رکھتي ھے - وہ قوت کاھنوں اور مذھبي پیشواؤں کي ھے - قدیم زمانے میں دیني پیشواؤں کو غیر معمولي اھمیت و طاقت حاصل تھي - مصریوں اور یہودیوں میں اِن کا اقتدار بے روک تھا - یہ اِنھي کاھنوں کي قوت تھي جس نے مخلوق سے فرعون کي پرستش کرائي اور رومولس اور ریموس (۱) کو جنگ کے دیوتا کي اولاد تسلیم کرا دیا - چین کے شہنشاھوں کے متعلق بھي ایسا ھي اعتقاد تھا - سیام کے بادشاہ تو آج تک اِسي قسم کے القاب سے یاد کیے جاتے ھیں -

غرضکہ سیاسي قوت ' اجتماعي ارتقاء کا نتیجہ ھوتي ھے - کمزور ھمیشہ طاقتوروں کا لقمہ ھوتے ھیں - قوت صرف مادي ھي نہیں ھوتي - دیني ' اخلاقي ' اور فکري بھي ھوتي ھے - بلکہ کبھي کبھي اقتصادي بھي ھوتي ھے - مارکس کا قول ھے کہ اقتصادي قوت ھي سیاسي قوت میں اصل و بنیاد کا حکم رکھتي ھے - اُس کي یہ رائے ھر حال میں صحیح نہیں ھے ' اگرچہ اقتصادي قوت ' سیاسي نظامات کي تاریخ میں بہت مؤثر رھي ھے -

(سیاسي حکومت ' اور باھمي تعاون کي تاثیر اُمت کي تکوین میں)

سیاسي حکومت کا ظہور ' ایک اجتماعي حادثہ ھے - یہ حادثہ ھمیشہ ایک ھي قسم کا ھوتا ھے - جماعتیں اپني قلت و کثرت میں کتني ھي متباین ھوں ' مگر اِس سے اُن کے طبائع میں کوئي تباین پیدا نہیں ھوتا -

انسان ' باھم اجتماعي تعاون کے رشتوں سے جڑ گئے ھیں - صرف اِسي تعاون کے ذریعہ ھم اپني ضرورتیں پوري کرسکتے ھیں - انسانوں کي ضرورتیں اور قابلیتیں مختلف اور متفاوت ھیں - اِسي صورت حال نے اُنھیں مجبور کر دیا ھے کہ تقسیم عمل کے اصول پر باھمي تعاون سے کام لیں -

ھمارے اجداد کي اجتماعي روش ' ناموس نشو و ارتقاء کے ماتحت فوراً بدل گئي جب اُنھوں نے دور توحش سے دور بداوت میں قدم رکھا - جغرافیائي اور جنگي ضرورتوں سے مجبور ھوکر بہت سے قبیلے متحد ھوگئے - اُن کے اتحاد نے ایک نیا مجموعہ پیدا کردیا - اِسي مجموعہ کا نام بعد کو " اُمت " یا " قوم " ھوا - پھر جب زرعي غلامي اور سرداري کا طریقہ رائج ھوا ' تو غلاموں کے قتل کر ڈالنے کا دستور منسوخ ھوگیا اور غلام کاشتکاري کي خدمت پر مامور کر دیے گئے - پھر صنعت و حرفت کے وسیع پیمانے پر ظہور نے سرے سے یہ غلامي بھي موقوف کردي -

اِسي تدریجي ارتقاء نے قومیتیں پیدا کیں ' اور قبائلي سرداروں کو شاھي تختوں پر بٹھا دیا - پہلے زمانے میں پادشاہ کا اولین کام یہ تھا کہ فوج کي سپہ سالاري کرے - مصریوں ' اشوریوں ' اور یورپین قوموں کي تاریخ ایسي مثالوں سے لبریز ھے -

(جماعت کي زندگي اور تعاون کے دو اصول)

بعض علماء اجتماع کي رائے میں جماعت ' ایک حقیقي زندگي رکھتي ھے - اُن کا خیال ھے کہ جماعتي ذھن و وجدان ' فردي ذھن و وجدان سے علحدہ وجود رکھتا ھے - قدیم زمانے میں افلاطون اور ارسطو کا بھي نظریہ یہي تھا کہ جماعت ' ایک عظیم زندہ وجود ھے - گویا وہ سینکڑوں سروں کا حیوان ھے - ھمارے زمانے میں بھي متعدد علماء نے یہي کہا ھے - چنانچہ ورمس وغیرہ کہتے ھیں کہ جماعتیں ' اپني مستقل زندگي رکھتي ھیں - وہ جسم حي کي مثال پیش کرتے ھیں - وہ کہتے ھیں علماء فیزیو لوجي (علم وظائف اعضاء) کا متفقہ فیصلہ ھے کہ اجسام حیہ کي اساسي طبیعت یہ ھے کہ ھر عضو اپني جگہ پر ایک خاص عمل انجام دیتا ھے جس سے مجموعي جسم کي زندگي برقرار رھتي ھے - مثلاً نبات ' جڑوں ' پتوں ' اور پھولوں وغیرہ سے مرکب ھوتا ھے - اِن میں سے ھر چیز اپني جگہ پر پورے درخت کي سلامتي و بقاء کے لیے کام کرتي ھے -

اعضاء کا یہ تعاون ' دو اصلوں پر مبني قرار دیا جا سکتا ھے :

(۱) مختلف اعضاء میں وظائف کي تقسیم و تحدید -

(۲) وہ غرض و غایت ' جس کے لیے بطریق تعاون تمام اعضاء کوشش کرتے ھیں -

یہ دونوں اصلیں ' تمام انساني و حیواني جماعتوں میں پائي جاتي ھیں - یہ اِس لیے کہ اگر اعضاء جسم میں وظائف کي تقسیم نہ ھو ' تو اُس جسم میں سرے سے وصف عضویت ھي موجود نہیں ھو سکتا - مثلاً اگر ھم ایک رنگ کا ٹیلہ دیکھیں جس کے تمام اجزاء و اقسام متشابہ ھوں ' اور سب ایک ھي عمل انجام دے رھے ھوں ' تو ھمیں فیصلہ کر دینا پڑیگا کہ اِس ٹیلے کے اجزاء میں وظائف کي تقسیم نہیں ھے - یعني اُس میں خود عضویت کا وجود ھي نہیں ھے - یہي حال انساني جماعت کا ھے - جس انساني گروہ کا ھر فرد اپني علحدہ زندگي بسر کرتا اور جماعت کے لیے کوئي کام نہیں کرتا ھے ' ھمیں کہنا چاھیے کہ وہ گروہ سرے سے جماعت ھي نہیں ھے ' بلکہ دور وحشت میں پڑا ھوا ھے -

(وظائف کي تقسیم)

جسم میں عضویت کا آغاز اُسي وقت سے ھوتا ھے جب اُس کے اجزاء میں وظائف کي تقسیم ھو جاتي ھے - یہي حال انسانوں کا ھے جب اُن میں تقسیم عمل نافذ ھو جاتي ھے - بعض کھیتي پر لگ جاتے ھیں - بعض کپڑا بننے لگتے ھیں - بعض مکان بنانے لگتے ھیں ..... اِس حالت میں انسانوں کے اِس گروہ کا نام " جماعت " ھو جاتا ھے -

میلن کي رائے ھے کہ عالم اقتصاد میں تقسیم عمل ' عالم فیزیو لوجي (وظائف الاعضاء) میں تقسیم وظائف (فرائض) کے بالکل مشابہ ھے - یہ تقسیم ھي جسم حي کي خصوصیت پیدا کرتي ھے - اور یہي تقسیم " جماعت " کو موجود کرتي ھے -

اِس کي مثال یہ ھے کہ زندہ جسم میں معدہ ' نہ تو دل کا فرض انجام دیتا ھے ' نہ دل معدے کا - گزشتہ تفصیل سے واضح ھوچکا ھے کہ زندگي پیدا کرنے میں تقسیم وظائف ' تعاون ھي کي بنیاد پر قائم ھوتي ھے - مثلاً دماغ اپني غذا حاصل کرنے کے لیے خود عمل نہیں کرتا ' بلکہ اُس کي غذا معدہ مہیا کرتا ھے ' اور قلب یہ غذا اُس تک پہنچاتا ھے - یہي حال جماعت کا ھے -

---

(۱) رومولس اور ریموس ' مندر وستا کي راھبہ " ري سیلویا " کے توأم لڑکے تھے ' اور زنا سے پیدا ھوئے تھے - مگر راھبہ نے دعوی کیا کہ وہ جنگ کے دیوتا مریخ کي اولاد ھیں - رومولس ' روم کا باني ھے -

علم الاجتماع

(۲)

(فرد کا اقتدار جماعت پر)

جماعت نے طویل تجربے سے معلوم کر لیا تھا کہ شکار اور جنگ میں وھي شخص اُس کا سردار ھونا چاھیے' جو اسلحہ کے استعمال میں مشاق اور جسماني قوت میں اصلح ھو - یہ حال صرف انساني جماعتوں ھي کا نہیں ھے - چڑیاں بھي جب ایک اقلیم سے دوسري اقلیم کو جاتي ھیں ' تو اپني سرداري اور پیش قدمي کے لیے اپنا سب سے زیادہ قوي اور تیز نظر فرد منتخب کرتي ھیں - ھمیشہ دیکھا جاتا ھے کہ چڑیوں کے غول اپنے سردار کے پیچھے اڑتے ھوئے جاتے ھیں !

اپني تکوین کے آغاز میں سلطنت کي بھي یھي صورت ھوئي - افریقہ ' استریلیا ' اور نیوزي لینڈ میں ابتک ایسے قبائل موجود ھیں جو یہ اجتماعي نظام پیش کر رھے ھیں - بعض قبائل ایسے بھي ھیں جن کا سردار دائمي نہیں ھوتا ' عارضي طور پر منتخب کر لیا جاتا ھے - چنانچہ قبائل تسمان کا یھي حال ھے - اُن کا جب کوئي خاندان سفر یا جنگ کو جانے لگتا ھے تو اپنا سردار منتخب کر لیتا ھے - لیکن اِس ضرورت کے ختم ھوتے ھي سردار کي سرداري بھي ختم ھو جاتي ھے ' اور وہ باقي افراد کي طرح ایک فرد عام ھو جاتا ھے -

جو جماعتیں جنگ و جدل سے دور ھیں ' اُن میں فرد کا کوئي اقتدار نہیں ھوتا - چنانچہ قبائل ودجي میں کوئي بھي سردار نہیں ھے - تمام افراد بالکل مساویانہ زندگي بسر کرتے ھیں -

یھي حال قبائل اسکیمو کا ھے - اِن کي تعداد اگرچہ بہت زیادہ ھے ' مگر آج تک اُن میں کوئي سردار نہیں ھے - شروع شروع جب اُن کے سواحل پر یورپین جہاز پہنچے ' تو اُنھیں یہ دیکھہ کر سخت حیرت ھوئي کہ بحري سپاھي اپنے افسروں کے اشاروں پر حرکت کرتے ھیں !

(حکومتوں کي تشکیل میں جنگ کا دخل)

ابتدائي حکومتوں کے وجود کا باعث صرف جنگ ھي نہ تھي - لیکن جو حکومتیں جنگي ضرورت سے قائم ھوتي ھیں ' وہ فرد ھي کے ماتحت ھوتي ھیں - ابتدائي جنگوں کے تجارب نے انساني جماعتوں کو یقین دلا دیا کہ نظام و ترتیب کي قوت ' کثرت تعداد کي قوت سے کہیں زیادہ مؤثر ھوتي ھے - بہت سي جماعتیں محض اِس لیے برباد ھو گئیں کہ اُن میں کوئي نظام موجود نہ تھا - انتشار و فوضویت عام تھي - چنانچہ بتدریج انسانوں نے نظام کے فوائد معلوم کیے اور منتظم زندگي اختیار کرنے پر مجبور ھو گئے -

جملہ مستبد حکومتوں کي پیدائش ' جنگ ھي سے ھوئي ھے - شخصي حکمراني کا باعث ' جنگ سے بڑھ کر کوئي چیز نہیں ھوسکتي -

چنانچہ قرون اولی میں جب روم کے لیے ایک بڑا جنگي خطرہ پیش آیا ' تو قہري حکومت (ڈیکٹیٹرشپ) قائم ھوگئي - لیکن اُس کے دفع ھوتے ھي مینسناتس ' جو اِس حکومت کا حاکم تھا ' اپنے کھیت میں ھل چلانے واپس چلا گیا - تاریخ میں ایسي بہت سي مثالیں موجود ھیں کہ زیادہ سے زیادہ حریت پسند قوموں میں بھي جنگوں نے ایسے آدمي پیدا کردیے ' جو شروع میں حامي حریت معلوم ھوتے تھے مگر جنگي ضرورتوں نے اُنھیں مستبد حاکم بنا دیا -

جنگي قومیں ــــ اپنے جغرافیائي موقعہ کے لحاظ سے ــــ استبدادي طرز حکومت ھي پر برقرار رھیں - اسي طرح تمام وسیع ممالک ' جن پر دشمنوں کے حملے ھوتے رھے یا جن میں اندروني شورشیں زیادہ برپا ھوتي رھیں ' اُن کي حکومتیں لازمي طور پر استبدادي رھي ھیں - برخلاف اِن کے چھوٹے چھوٹے اور چہار طرف پہاڑوں سے محفوظ ملکوں کي حکومتیں جمہوري ھوا کرتي ھیں - چنانچہ قدیم زمانے میں یونان اور موجودہ زمانے میں سوئٹزر لینڈ اُن ممالک کي مثال ھیں جو استبداد سے یکقلم نا آشنا ھیں - لیکن قوم ترکمان ــــ بدویت کي حالت میں ــــ شخصي استبداد کي طرف مائل رھي ھے -

(حکومتوں کي تشکیل میں صناعت کا دخل)

صناعت ' اگرچہ براہ راست حکومتوں کي تکوین کا باعث نہیں ھے ' لیکن جنگ کے بعد وہ بھي اُن کي تشکیل میں بڑا دخل رکھتي ھے - کیونکہ صناعت ' دولتمندي کا اولین سبب ھے اور اس لیے باشندوں میں فرق مراتب کا موجب ھے -

ابتدائي انسان نے جوں ھي آلات کو ترقي دي ' مختلف قسم کي صنعتیں ظاھر ھونے لگیں - صناعوں اور کاشتکاروں نے غیر معمولي محنت کے ذریعہ اِتني پیداوار مہیا کرلي جو اُن کي ضرورت سے زیادہ تھي - چنانچہ اُس کي فروخت اور مبادلہ سے اُنھیں کافي دولت حاصل ھوگئي - اِس دولت سے اُنھوں نے دوسروں سے زیادہ رسوخ حاصل کرلیا اور اپنے لیے خاص خاص صنعتیں اور پیشے خاص کرلیے -

اِن مالداروں کو بہت جلد ضرورت محسوس ھوئي کہ حریص و طماع غریبوں سے اپني دولت محفوظ رکھنے کي تدابیر اختیار کریں - چنانچہ اُنھوں نے اِس مقصد کے لیے قانون و نظام بنائے - یا دوسرے لفظوں میں ملک کے لیے حکومت کي بنیاد رکھي اور اُسکي خاص شکل تجویز کي -

اِس قسم کي حکومتیں ' جو صناعوں اور تاجروں کے ھاتھوں ظاھر ھوئیں ' قدرتي طور پر اُن حکومتوں سے مختلف مزاج رکھتي تھیں ' جنھیں جنگوں نے پیدا کیا تھا - کیونکہ اول الذکر میں کامل شخصي اقتدار قائم نہیں ھو سکتا تھا - صناعوں اور تاجروں کي جماعت کو بھي رسوخ حاصل تھا - اِس قسم کي حکومتوں کي مثال قدیم زمانے میں وینس اور ولمنک کي حکومتیں تھیں - یہ حکومتیں جنگي حکومتوں سے بہت سي باتوں میں مختلف ھوتي ھیں -

ایک قدیم مرقع

— ❋ —
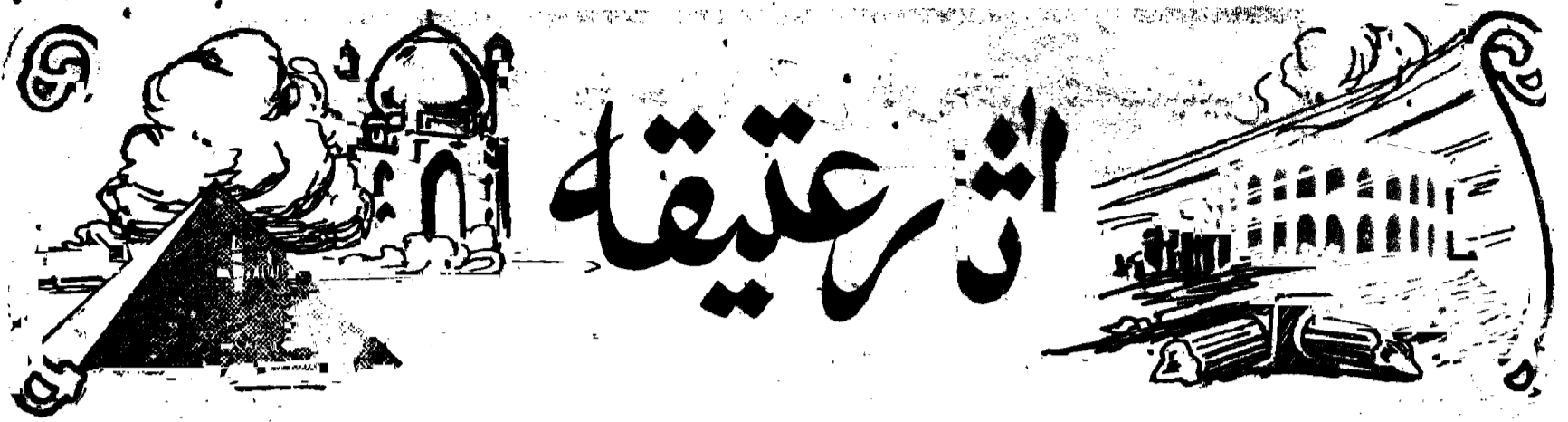
خلیفه هارون الرشید اور فرانسیسي سفارت

عرصه هوا ' زمانهٔ حال کے مشهور مصري مصنف جرجي زیدان موسس الهلال قاهره نے اپني سیاحت یورپ کي یاد داشتیں شائع کرتے هوے لکها تها " سوربن یونیورسٹي میں ایک قدیم مرقع میري نظر سے گزرا - اس میں اُس فرانسیسي سفارت کا خلیفه هارون الرشید کے دربار میں ورود دکهلایا گیا هے جو شارلیمین اول نے بغداد بهیجي تهي ' اور جس کے جواب میں هارون الرشید نے وه عجیب و غریب گهڑي ارسال کي تهي جس کا تمام یورپ میں عرصه تک شهره رها "

جرجي زیدان نے اس مرقع کا عکس شائع کر دیا تها - اس مرقع میں هارون الرشید ایک بلند مسند پر جو تو بر تو گدیلوں سے بنائي گئي هے ' بیٹها هے - سر پر خود کي وضع کي قلنسوه هے اور اس پر عمامه بندها هے - حبشي غلام عقب میں کهڑے هیں ' اور فرانسیسي سفارت کے ارکان زمین بوس هو رهے هیں -

مجهے اس مرقع سے بهت دلچسپي هوي لیکن اِسکي تاریخ قدامت کي کوئي تصریح نهیں کي گئي تهي - میں نے خیال کیا ' بهت ممکن هے زمانهٔ حال کے کسي مصور نے واقعهٔ سفارت کے تخیل کو مرقع کي صورت دیدي هو ' یا کسي تاریخي کتاب کي تزئین کے لیے طیار کیا گیا هو - میں چاهتا تها ' اس بارے میں مزید معلومات حاصل کیے جائیں - کیونکه مجهے اپني ایک زیر تحریر کتاب کے لیے اس طرح کے تمام مواد کي ضرورت تهي -

گذشته سال ایک تقریب سے مجهے موقعه ملا که موسیو بلوشر سے خط و کتابت کروں - یه فرانس کے مشهور فارسي داں متسشرق هیں اور کچهه عرصه سے پیرس کے قومي کتب خانه کے فارسي حصه کي از سر نو تحقیقات کر رهے هیں - میں نے اس مرقع کي نسبت ان سے دریافت کیا - اُن کا جواب حسب ذیل تها :

" جس مرقع کا آپنے ذکر کیا هے (یعنے سوربن یونیورسٹي کا) وه اصل نهیں هے - اصلي مرقع کي نقل هے - اصلي مرقع اس کتب خانه میں (نیشنل لائبریري پیرس) میں محفوظ هے - یه مشکل هے که اس کي صحیح تاریخ معین کي جا سکے ' لیکن اس میں کوئي شک نهیں که سولهویں صدي میں یه مرقع موجود تها - کیونکه سنه ۱۵۸۹ - میں جب هینرخ Heinrich نے اپنا مجموعهٔ تاریخ عرب نیپلز میں شائع کیا هے ' تو اس میں یه مرقع بهي درج کیا گیا تها - مرقع کے نیچے یه عبارت لکهي گئي تهي " بغداد کے خلیفه کے دربار میں شارلیمین کي سفارت — اِس مرقع کي نسبت خیال کیا جاتا هے که یه شارلیمین کے حکم سے طیار کیا گیا تها " مرقع کا جو نسخه بطور اصل کے اسوقت محفوظ هے ' غالباً وه بهي اصل نهیں هے - کسي دوسرے نسخه کي نقل هے - کیونکه اس میں بعض خاص طرح کے رنگ استعمال کیے گئے هیں ' اور اُن رنگوں کا استعمال سولهویں صدي کے بعد شروع هوا هے — * * * * * * * * * * سولهویں اور سترهویں صدي میں یه مرقع منجمله اُن تصاویر کے تها ' جن سے فرانس کے شاهي قصر آراسته کیے جاتے تهے - قصر تریلري کے لیے یه مرقع ایوان استقبال کي اُن تصویروں کي قد و قامت کے مطابق طیار کیا گیا تها ' جو اسکي دهني اور بائیں دیواروں پر قدم آدم جتني ترتیب دي گئي تهیں - میں اگرچه یه کهنے کے لیے کافي تاریخي تصریحات نهیں پاتا که یه مرقع اصلي هے ' تاهم اس کي تاریخي قدر و قیمت سے انکار نهیں کیا جا سکتا - کم از کم یه بات بالکل صاف هے که خود شارلیمین کے عهد کا هو یا نه هو ' لیکن سولهویں صدي سے پیشتر کا رائج و مشهور مرقع ضرور هے * * * ایک دوسرے واقعه سے بهي اس مرقع کي تاریخي حیثیت کي تصدیق هوتي هے - هارون الرشید نے اس سفارت کے جواب میں فرانسیسي سفیروں کے ساتهه اپنے خاص سفراء بهي بهیجے تهے ' اور ان کے ذریعه بیت المقدس کي طلائي کنجیاں اور بهت سے قیمتي تحائف روانه کیے تهے - انهي تحائف میں وه اپنے عهد کي عجیب و غریب گهڑي بهي تهي جس کا ذکر اُس عهد کے مورخ اے جي نارٹ Eginhart نے

ضروري هے كه اس ميں بهي بعض افراد ' قوم كي مدافعت كي ذمه داري ليں ' بعض عام مصالح انجام ديں ... اس تقسيم عمل اور تعاون كي غايت يه هوتي هے كه مجموع يعني جماعت قائم و محفوظ رهے - هر عضو ' دوسرے اعضاء كے مقابلے ميں بيك وقت ' واسطه اور غايت هوتا هے - چنانچه مثلاً كاشتكار حاكم كا خدمت گذار هوتا هے ' اور حاكم ' كاشتكار كا خادم هوتا هے - اسي طرح جماعت كا هر فرد ' دوسرے افراد كا معاون و مدد گار هوجاتا هے -

يه اعمال اپني مجموعي حيثيت سے دائرۂ حيات ميں متعدد حلقوں كا حكم ركهتے هيں - تمام اقوام اور قبائل ' انساني مجموعه ميں ايسے هي دائرے بناتے چلے جاتے هيں -

(سلطنت ميں نظام حيات)

اسپنسر نے كائنات حيه كي بحث ميں بتايا هے كه جسم حي ميں تين بڑے نظام ' تين بڑے وظائف انجام ديتے هيں :
نظام هضمي ' مجموعۂ عصبي ' نظام تنفس -

يهي حال سلطنت كا هے - ايك فريق مجموع كے ليے اس كي غذا مهيا كرتا هے - دوسرا فريق سلطنت كا انتظام سنبهالتا هے - تيسرا فريق — اور وه درمياني فريق هے — زمين كي پيداوار تقسيم كرنے كا ذمه دار هوتا هے تاكه باقي جماعت اسے اپنے كام ميں لائے -

يه عمل ' جسم انساني ميں دوران خون كے نظام سے بهت مشابه هے - سلطنت ميں زراعت ' حكومت ' تجارت ' تين اعضاء هيں اور ان اعضاء ثلاثه كے قائم مقام هيں جو حياة حيواني قائم ركهتے هيں -

يهاں پر ايك سوال قابل لحاظ هے - هميں اسے نظر انداز نهيں كرنا چاهئے - " كيا سلطنت ان اعضاء كے وجود كے بعد هي موجود هوجاتي هے ؟ — گهڑي كا آله يا جهاز كا آله ' كائنات حيه كے مشابه هے - چنانچه وه بهي دوسرے اجسام حيه كي طرح مختلف اعضاء سے مركب هے - اس كے اعضاء ميں بهي تقسيم عمل هے اور اپنے اعمال كي انجام دهي ميں تعاون ركهتے هيں - يه آلات ' زنده اجسام سے اس قدر مشابه هيں كه وحشي انسان انهيں سچ مچ زنده وجود هي سمجهه ليتے هيں - اگر يهي بات هے تو پهر جاندار آلے اور بے جان آلے ميں كيا فرق باقي ره جاتا هے ؟ "

اس سوال كا جواب لاينتس نے يه ديا هے كه " لكڑي يا لوهے كا متحرك آله ' في نفسه كوئي عضويت نهيں ركهتا - برخلاف اس كے هر زنده وجود عضويت اور مستقل زندگي ركهتا هے - هر عالم حي ' هزاروں زنده عوالم كا مجموعه هے "

ريرخوف اور كلود برنارڈ نے ثابت كيا هے كه هر حيوان اپنے سے بهت زياده چهوٹے اور پست بے شمار حيوانات سے مركب هوتا هے - همارے جسموں كے اندر بهت سي ذي روح كائنات موجود هيں - ان ميں سے هر ايك مستقل زندگي ركهتي هے - ان كائنات كي زندگي همارے هي خون سے هے - يه كائنات ' مختلف قابليتيں ' خواهشيں ' امراض ' اور حركات ركهتي هيں - اگر هم كسي كيڑے كے دو ٹكڑے كرديں تو بهي اس كا هر ٹكڑا زنده رهے گا - بلاشبه ترقي يافته حيوانوں كي يه حالت نهيں هے - ليكن ان حيوانات كے بهي بعض اجزاء — مثلاً ناخن اور بال — جسم كي موت كے بعد زنده رهتے هيں - مرنے كے بعد انسان كے ناخن اور بالوں كا بڑهنا اس بات كي دليل هے كه ان ميں زندگي موجود رهتي هے - اسي طرح يه بهي واقعه هے كه كئي چوهوں كي دميں اگر ايك چوهے كے جسم ميں لگا دي جائيں ' تو ان تمام دموں ميں بهي زندگي پيدا هو جائيگي -

مختارات

عورت كي طاقت

عورت ' هيئت اجتماعيه كي بنانے والي هے - پوري هيئت اجتماعيه ' عورت كے قبضۂ اختيار ميں هے - سب كچهه اسي كي مدد سے اور اسي كيليے هوتا هے - عورت ' مرد كي سب سے بڑي مربي و معلم هے - وه عورت هي هے جو مرد كو اعلىٰ اخلاق ' پسنديده آداب ' اور رقيق احساس سكهاتي هے - عورت بعض مردوں كو لطف معاشرت كي تعليم ديتي اور سب كو سخت مزاجي سے باز ركهتي هے - عورت هي كے ذريعه مرد كو معلوم هوتا هے كه اسكي اجتماعي زندگي كيسے نازك اور پر پيچ عناصر و اجزاء سے مركب هے - عورت كے قريب هونے هي سے هم محسوس كرتے هيں كه جذبات كا طوفان اور ايمان كا دهارا اتنا زبردست هے كه اسے روكا نهيں جا سكتا ' اور يه ' كه انسان اپني عقل كے بل بوتے پر نهيں چل رها هے -

(اناتول فرانس)

علماء كي خوش مزاجي

عام طور پر مشهور هے كه علماء و فضلاء خشك مزاج هوتے هيں - شب و روز خشك مباحث ميں غور و فكر كرنے كي وجه سے خشك دماغ هو جاتے هيں - يه چيز اس قدر مشهور هوئي كه علم اور خوش مزاجي كو بڑي حد تك متضاد خيال كيا جانے لگا - بهت سے مدعيان علم مصنوعي خشك مزاجي كي عادت ڈال كر دنيا كو اپني علميت منوانے لگے - حالانكه علم اور بشاشت ميں هرگز كوئي تضاد نهيں هے - زياده سے زياده هنس مكهه آدمي بهي بڑے سے بڑا عالم هوسكتا هے - اس كي سب سے زياده نماياں مثال جاپان ميں موجود هے - يهاں كے علماء فن عموماً بڑے خوش مزاج هوتے هيں - حال ميں مشهور جاپاني عالم ' ڈاكٹر " ميورا " امريكا گيا تها - وهاں كے لوگ اس كي هنسي اور خوش طبعي ديكهكر متعجب هوگئے -

بادشاهوں كو هديه

بادشاهوں كے ليے ايك مصيبت هديے بهي هيں جو انهيں بهت بڑي مقدار ميں هميشه پهنچتے رهتے هيں - ايڈورڈ هفتم كے پاس سيكڑوں صندوق سيگرٹ ' نك ٹائي ' دستانوں ' جوتوں ' اور چهڑيوں سے لبريز بطور هديه كے آيا كرتے تهے - وه هديے بهت كم قبول كرتے اور اكثر واپس كرديا كرتے - تاهم بعض نادر چيزيں لے بهي ليتے تهے - چنانچه ايك شخص نے امريكا سے پاؤ بهر وزن كا ايك آلو بهيجا تها - اسے بادشاه نے قبول كرليا - اسي طرح ايك قديم مصري شاهزادي كا ممي كيا هوا هاتهه بهي منظور كرليا تها ' اور اس سے ميز پر كاغذ دبانے كا كام ليا كرتے تهے !

يهي حال سابق قيصر جرمني كا تها - ايك شخص نے افريقا كے سب سے بلند پهاڑ " كيليما نگارو " كي چوٹي پر سے ايك پتهر كاٹ كر هديه بهيجا تها - اسے قبول كر ليا - نيز ايك بوڑهيا كا سو مارك كا نوٹ بهي منظور كرليا تها - اس عورت نے دربان كے هاتهه شهنشاه كو ايك لفافه بهيجا جس ميں اس بنك نوٹ كے علاوه ايك خط تها : " كل ميں نے آپ كو فوج كي قواعد ملاحظه كرتے وقت سردي سے كانپتے ديكها - يه سو مارك كا نوٹ قبول كيجيے اور اس سے اوني بنيائن خريد ليجيے "

هوتا ' تو بہت ممکن تھا ' اصلاح و تجدد کی راهیں باز هو جاتیں - لیکن عبدالعزیز کے مجنونانہ استبداد نے جسکے ساتھہ شخصی حکمرانی کے تمام عیش پرستانہ عناصر فساد بھی جمع هوگئے تھے ' اصلاح حال کے تمام دروازے مسدود کر دیے - خزانہ بالکل خالی تھا - یورپ سے قرضوں پر قرض لیے جا رہے تھے - مالییات کے بہترین وسائل مکفول هوگئے تھے - روس نے پیٹرسبرگ سے سرائے دولمہ باغیچہ تک اپنی مخفی سازشوں کا جال بچھا دیا تھا - روسی سفیر جنرل اگناتف کا اقتدار روز بروز بڑھرها تھا ' اور سلطان اپنے تمام معاملات میں اسی کے مشوروں پر کار بند تھا - سلطان کا تمام وقت محل کی عیش پرستیوں میں صرف هوتا - بسا اوقات ایک ایک مہینے تک وزراء حکومت کو بار یابی کا موقعہ نہیں ملتا - شخصی حکومتوں کا قدرتی مزاج هی شخصی انانیت اور مستبدانہ قہر و جبر کا هوتا ہے - پھر اگر خصوصیت کے ساتھہ اسکا کوئی حکمران " مستبد " هو جاے ' تو ظاهر ہے ' اسکا استبداد کس درجہ لا علاج اور بے پناہ هوگا ؟ تمام ترک اهل قلم متفق هیں کہ عبدالعزیز اپنے تمام پچھلے مستبد حکمرانوں سے بھی زیادہ مستبد تھا - کوئی بات بھی اسے اسدرجہ طیش و غضب میں نہیں لاتی تھی جسقدر اس بات کا تصور ' کہ دنیا کی کوئی مخلوق اسے " مشورہ " دینا چاهتی ہے ' یا نصیحت کرنے کی جرأت رکھتی ہے - ابتدا میں جو لوگ بھولے سے کوئی ایسی جرأت کر بیٹھے ' انھیں فوراً اسکی سزا بھگتنی پڑی - اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ کارخانۂ سلطنت روز بروز درهم برهم هو رها تھا اور آنے والے خطرے کے آثار قریب سے قریب تر هونے لگے تھے یہ حالت جاری تھی ' مگر هر طرف غفلت و اعراض کا سناٹا چھایا تھا - کوئی صدا نہ تھی جو کلمۂ حق و اصلاح سے آشنا هوتی !

لیکن غفلت و افساد کے اس سکون میں بالاخر جنبش هوئی ' اور دولۃ عثمانیہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ دعوت الی الحق کی بے خوف صدا بلند هوئی - یہ مصطفی فاضل کی صدا تھی - وہ صدائے حق ' جسے نہ تو سلطان عبدالعزیز کی سطوت و جبروت روک سکی ' نہ امارت و وزارت کے مطامع مانع آسکے !

تاریخ میں یہ صداء اصلاح " لائحۂ اصلاحیہ " کے نام سے مشہور ہے - یہ دراصل ایک مکتوب ہے جو سلطان عبد العزیز کے نام لکھا گیا تھا - مصطفی فاضل نے یہ مکتوب سنہ ۱۸۶۷ میں لکھا ' اور بذات خاص سلطان کے حوالہ کیا - لوگوں کو جب اس جسارت کا حال معلوم هوا تو شدت تحیر سے انگشت بدندان رهگئے - دولۃ عثمانیہ کی تاریخ میں یہ بالکل ایک نئی قسم کی جسارت تھی - ایسی جسارت جسکی مصطفی رشید ' فواد پاشا ' اور عالی پاشا جیسے مصلحین بھی جرأت نہیں کرسکتے تھے !

سلطان عبدالعزیز نے یہ لائحہ پڑھا ' اور وهی نتیجہ نکلا جو متوقع تھا - مصطفی فاضل کو قسطنطنیہ سے هجرت کرنی پڑی - وہ پیرس آیا اور ایک مدت تک کیلیے یہاں مقیم هوگیا - مصطفی فاضل کے اسی قیام پیرس سے نوجوان ترک جماعت کی سب سے پہلی بنیاد پڑی - قسطنطنیہ کے متعدد نوجوان بتدریج پیرس چلے آئے ' اور مصطفی فاضل کی امداد و سرپرستی میں متحدہ زندگی بسر کرنے لگے - اس عہد کے وہ تمام اصلاح پسند افراد جنھوں نے نہ صرف دولۃ عثمانیہ کیلیے سیاسی انقلاب کی تخم ریزی کی ' بلکہ ترکی علم ادب و کتابت میں بھی دور جدید کی بنیاد ڈالی ' اسی عہد کی پیداوار هیں - نامق کمال بے ' ضیا پاشا ادیب ' سعد اللہ پاشا ' ابوالضیا توفیق ' وغیرهم کی نشوؤ نما اسی دور میں هوئی -

مصطفی فاضل کو اس جسارت کا صلہ صرف مہاجرت هی کی صورت میں نہیں ملا ' بلکہ اسکی تمام ترکی جائداد بھی ضبط کرلی گئی - اگر فرانسیسی حکومت درمیان نہ پڑتی ' تو شاید مصری جائداد سے بھی محروم هو جاتا -

مصطفی فاضل کا لائحہ ' تاریخ شرق جدید کا ایک اهم واقعہ ہے - جس جرأت و صراحت کے ساتھہ وقت کے ایک مستبد سلطان کو مخاطب کیا گیا ہے ' اور استبداد و شخصیت کی جگہ آزادی و شوری کی دعوت دی گئی ہے ' اس کی کوئی دوسری نظیر اس عہد میں نہیں مل سکتی - هم چاهتے هیں یہ پورا لائحہ اردو میں منتقل هو جاے ' کیونکہ یہ تاریخ شرق جدید کی ایک قیمتی دستاویز ہے -

(مسئلہ اصلاح اور ایک اصل مہم)

یہ موقعہ تفصیل کا نہیں لیکن اشارہ نا گریز ہے - دولۃ عثمانیہ میں سلطان مصلح کے عہد سے لیکر سلطان عبد الحمید خان تک اصلاح و تجدید کی جس قدر حرکتیں ظہور میں آئیں ' وہ اگرچہ اس اعتبار سے قابل احترام هیں کہ استبداد و فساد کے مقابلہ میں حریت و اصلاح کی طلبگار تھیں ' لیکن ساتھہ هی یہ واقعہ بھی یاد رکھنا چاهیے کہ انکی بنیاد میں یورپ کی عامیانہ تقلید و محاکات کے سوا کوئی مجتہدانہ بصیرت موجود نہ تھی -

صدیوں سے اسلام کی حقیقی دینی روح مفقود هو چکی تھی - اسلام کے حقیقی سرچشمۂ شرع و تعلیم کی جگہ طرح طرح کے انسانی ساخت کے نئے سر چشمے پھوٹ نکلے تھے ' اور اجتہاد و نظر کی جگہ تقلید و جمود کی بنیادیں استوار هوگئی تھیں - ضرورت تھی کہ ایسے اصحاب نظر و بصیرت پیدا هوتے ' جو سب سے پہلے امت کے دینی مزاج کی درستگی کی کوشش کرتے جس کے بغیر حکومتوں کا حاکمانہ مزاج بھی درست نہیں هو سکتا تھا - اس اصلاح کے بعد یورپ کے علمی و صناعی فوائد کے اخذ و اختیار کی راہ خود بخود کھل جاتی - البتہ بصیرت و اعتبار کے ساتھہ کھلتی - تقلید و کور چشمی کے ساتھہ نہ کھلتی - لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں هوا - دولۃ عثمانیہ میں ایسے علماء نا پید تھے اور همیشہ نا پید رہے ' جو صاحب نظر و بصیرت هوں - امراء و حکام جہل و اوهام کی تاریکی میں گم تھے - اتفاقات نے چند شخصیتیں پیدا کر دیں جنھیں یورپ کے علوم و لغات سے آشنا هونے کا موقعہ مل گیا - یہ اپنی کسی بصیرت و روشنی کی بنا پر نہیں بلکہ محض تقلید کی راہ سے استبداد و جہل کی مضرتوں پر مطلع هوے ' اور اصلاح و انقلاب کی سعی شروع کردی - سعی صحیح تھی ' بروقت تھی ' لیکن ساعی بصیرت و نظر سے محروم تھے - مرض کا احساس غلط نہ تھا ' لیکن نہ تو تشخیص کامل تھی ' نہ علاج هی صحیح تھا - نتیجہ یہ نکلا کہ اس راہ میں جس قدر قدم بھی اٹھے ' وہ اگرچہ اکثر حالتوں میں اصلاً غلط نہ تھے ' لیکن مجتہدانہ بصیرت و نظر کے فقدان سے کوی صحیح انقلاب صورت حال میں پیدا نہ کر سکے ' اور شرح اس اجمال کی بہت طولانی ہے -

بہر حال بحث و نظر کا یہ مقام دوسرا ہے - اِس کے فہم و ذوق کے لیے دوسری قسم کی صحبتیں مطلوب هیں - یہاں جو حقیقت قلم بند کرنی ہے یہ ہے ' کہ گذشتہ صدی کے مشرقی مصلحین کی تاریخ میں مصطفی فاضل پاشا کو اصلاح و انقلاب ترکیہ کے بانی و داعی هونے کا شرف حاصل ہے ' اور اسکا یادگار کار نامہ " لائحۂ اصلاحیہ " ہے :

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

مصطفی فاضل پاشا

اور لائحۂ اصلاحیہ

(اعلان حق اور امر بالمعروف کا ایک شاندار کارنامہ)

انیسویں صدی کے وسط میں دولۃ عثمانیہ کی سیاسی و اجتماعی اصلاحات کی جو حرکت شروع ہوئی تھی ' عام طور پر اسکی ابتدائی تخم ریزی مرحوم مدحت پاشا کی طرف منسوب کی گئی ہے - لیکن واقعہ یہ ہے کہ مدحت پاشا اس روح تجدید کا داعی اول نہ تھا - اسے منظم و وسیع کرنے والا تھا - ترکی اصلاح و تجدید کی اصلی تاریخ مصطفی فاضل پاشا سے شروع ہوتی ہے - فی الحقیقت نوجوان ترکوں کی اجتماعی حرکت کا حقیقی موسس وہی تھا -

(اصلاح کی ابتدائی فضا)

عثمانی دارالخلافۃ میں جس شخص نے یورپ کے تمدنی انقلاب کا پہلے پہل مطالعہ کیا ' وہ مصطفی رشید پاشا تھا - امراء دولۃ میں یہی پہلا شخص ہے جسنے یورپ کی زبانوں سے واقفیت حاصل کی - اسکی نشوونما سلطان محمود مصلح کے عہد میں ہوئی تھی - سنہ ۱۸۳۹ع میں جب سلطان موصوف کا انتقال ہوا اور سلطان عبدالمجید تخت نشین ہوا ' تو یہ لندن میں عثمانی سفیر تھا - سلطان عبدالمجید نے اس منصب سے ترقی دی اور وزارت خارجیہ پر مامور کردیا - یہ اسی شخص کی سعی کا نتیجہ تھا کہ اسی سال کے ماہ جون میں دولۃ عثمانیہ کی تنظیم و اصلاح کا وہ تاریخی فرمان صادر ہوا جو " خط گل خانہ " کے نام سے مشہور ہے - اسکا نام " گل خانہ " اسلیے ہوا کہ سراے " توپ قپو " کے چمنستان (گل خانہ) میں اُس کا اعلان ہوا تھا - اس اعلان میں دولۃ کے قانونی اور منظم ہونے کا یقین دلایا گیا تھا - نیز مسلم اور ذمی کے حقوق کے مساوی ہونے ' اور ہر طرح کے غیر قانونی امتیازات کے منسوخ کردینے کا اعلان تھا -

مصطفی رشید پاشا نے اپنے عہد وزارت میں تعلیمی و معاشرتی اصلاحات کی جو روح پیدا کی تھی ' اُس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک قلیل جماعت نئے تعلیم یافتہ افراد کی پیدا ہوگئی - ان میں سب سے زیادہ نامور شخص دو ہوے : عالی پاشا اور فواد پاشا - دونوں نے صدارت و نظارت کے مناصب تک ترقی کی ' اور اپنے عہد کے مشاہیر مدبرین میں شمار کیے گئے - سلطان عبدالمجید کے عہد کے تمام اجراءت اصلاحیہ کی باعث و کارفرما شخصیتیں یہی تھیں - معاہدۂ پیرس (۳۰ - مارچ سنہ ۱۸۴۶) میں دولۃ عثمانیہ کو جو کامیابی ہوی ' اور انگلستان ' فرانس ' اور اٹلی نے روس کے بر خلاف ساتھ دیا ' وہ بہت کچھہ انہی دونوں کی مساعی کا نتیجہ تھا - معاہدۂ پیرس کے بعد ہی تاریخ اصلاح عثمانی کا دوسرا فرمان شائع ہوا تھا جو " خط شریف " کے نام سے پکارا جاتا ہے - اس میں " خط گل خانہ " کی مزید تائید کی گئی تھی ' اور تمام رعایا کی آزادی حقوق کے احترام کا یقین دلایا گیا تھا - یہ بھی تمام تر فواد اور عالی ہی کی مساعی کا نتیجہ تھا -

(مصطفی فاضل)

مصطفی رشید ' فواد ' اور عالی پاشا نے اصلاح و تغیر کیلیے فضا پیدا کردی ' مگر جماعت پیدا کرنے کا کام بعد کو ہونے والا تھا - یہ مصطفی فاضل پاشا کی شخصیت تھی ' جس نے اس نئی فضا کو نشوونما دی ' اور " نوجوان " ترکوں کی جمعیت کا اولین سنگ بنیاد رکھدیا - مدحت پاشا بعد کو آیا تا کہ اپنے عظیم اعمال اور عظیم قربانی سے اس سنگ بنیاد پر ایک نئی عمارت چن دے !

مصطفی فاضل پاشا محمد علی بانی خاندان خدیوۂ مصر کا پوتا اور ابراہیم پاشا فاتح حجاز و شام کا بیٹا تھا - سنہ ۱۸۳۰ع میں پیدا ہوا اور مصر میں تعلیم و تربیت حاصل کی - مصر میں محمد علی کے زمانے سے مغربی علوم و السنہ کی اہمیت کا احساس عام ہو چلا تھا ' اور خاندان خدیوی کے تمام افراد فرانسیسی زبان کی تعلیم حاصل کرنے لگے تھے - مصطفی فاضل کو بھی اسکا موقعہ ملا - اس طرح مغربی علوم و تمدن کے فہم و مطالعہ کا دروازہ اُس پر کھل گیا - ابھی سلطان عبدالمجید ہی کا زمانہ تھا کہ وہ قسطنطنیہ آیا ' اور چند سالوں کے بعد جب سلطان عبدالعزیز تخت نشین ہوا ' تو نظارت معارف (تعلیم) کا ناظر مقرر ہوگیا - پھر کچھہ دنوں کے بعد جب مالیات کی وزارت کی جگہ خالی ہوی ' تو حکومت کی نظر انتخاب اسی پر پڑی -

(لائحۂ اصلاحیہ)

یہ وہ وقت تھا ' جبکہ دولۃ عثمانیہ کی زوال پذیر ہستی کی حفاظت کیلیے اصلاح و علاج کی آخری مہلت درپیش تھی ' اور قریب تھا کہ ہمیشہ کیلیے اُسکی شش صد سالہ عظمت و جلال کی دیواریں سرنگوں ہوجائیں - سلطان محمود مصلح نے نئی اصلاحات کی بنیاد رکھی - سلطان عبدالمجید نے اسے بلند کرنا چاہا - اگر سلطان عبدالعزیز کا وجود بھی اس سلسلۂ اصلاح کی تیسری کڑی

کیا ہے - اس عرب سفارت کے ورود و استقبال کا ایک ایسا ہی مرقع فرانس میں موجود ہے جیسا یہ زیر بحث مرقع ہے - اس مرقع میں شارلیمین کو اس کے دربار میں دکھایا گیا ہے اور عرب سفیر اِس حالت میں نمایاں ہیں کہ اپنے تحائف پیش کررہے ہیں - اس سے صاف طور پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ واقعۂ سفارت کے دونوں درباروں کی تصویریں بہ یک وقت طیار کی گئی تھیں - اور عجب نہیں خود شارلیمین کے حکم سے طیار کی گئی ہوں - یہ دوسرا مرقع پیرس کی مشہور عمارت پنتھیوں Pantheon کی دیواروں پر اِس وقت تک موجود ہے - یہاں شارلیمین کے عہد کے مختلف مرقع دکھائے گئے ہیں ' من جملہ ان کے عربی سفارت کا استقبال بھی ہے "

اس مرقع کی نقل ہدیۂ قارئین ہے -

بلاشبہ ' مضبوط اخلاق ہی اِس وجود میں تنہا ایک قوت نہیں ہے - کیونکہ یہاں جرائم کی بھی جرار فوجیں کھڑی ہیں ' اور گناہوں کے تخت بھی بچھے ہیں - لیکن یہ یقینی ہے کہ مضبوط اخلاق ' ایک مستحکم و راسخ بنیاد ضرور ہے - اُس کے بغیر کوئی سلطنت قائم نہیں ہوسکتی - جب وہ کسی قوم کا ساتھہ چھوڑ دیتا ہے ' تو اُس قوم کی اجتماعی عمارت بھی گر پڑتی ہے - اُس کا یہ خاصہ عجیب ہے کہ جوں جوں اُس کی فتوحات میں وسعت ہوتی ہے ' اُس کا دائرہ بھی وسیع و عظیم ہوتا جاتا ہے - برخلاف دوسری قوموں کے جو امتداد زمانہ سے کمزور ہو جاتیں اور کامیابی کے بعد فنا ہونے لگتی ہیں -

اعلی حضرت کی عظمت اور وطن کی عزت کے تمام خیر خواہ ' انتہائی رنج و ملال سے دیکھہ رہے ہیں کہ قوم کی شہامت ' زائل ہو رہی ہے اور اُسکی شرافت و خودداری ختم ہوتی جاتی ہے - یہ اعلی صفات ' قوم میں کیونکر باقی رہ سکتی ہیں ' اگرچہ کتنی ہی راسخ ہوں ' جبکہ مسیحی رعایا کے ساتھہ مسلمان بھی گونا گوں ذلتوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اور ہر قسم کی دنائت کے گھونٹ اُنھیں زبردستی پلائے جارہے ہیں ؟ مسلمان اور عیسائی ' حضور والا کی تمام رعایا ' حکام کے ظلم و جور سے چیخ رہی ہے - یہ حکام وہ ہیں جو حضور کے برائے نام فرمانبردار ہیں - اعلی حضرت کو کیا معلوم کہ وہ شاہی احکام قوم میں جاری کرتے ہیں یا اپنی ہوا و ہوس سے کام لیتے ہیں !

آپ کی سلطنت ' عام رائے سے خالی ہے - نتیجہ یہ ہے کہ آپ کے عمال ' رعایا کے سامنے جواب دہ نہیں ہیں - اُس کے معنے یہ ہیں کہ خود حضور کے عرش معلی کے رو برو بھی ذمہ دار اور جواب دہ نہیں ہیں ' کیونکہ کوئی شخص بھی ' اُن کی شکایت عتبات عالیہ تک پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا ' اور چونکہ اُن کے جرائم ذات شاہانہ کے علم میں نہیں آسکتے ' اِس لیے اُن سے باز پرس بھی نہیں ہوسکتی - لہذا وہ بالکل نڈر ہوگئے ہیں - رعیت پر دست درازی میں بے باک ہیں - ہر قسم کی برائیاں کھلے بندھوں کر رہے ہیں - باشندے دو گروہوں پر منقسم ہوگئے ہیں : ظالم حاکم ' کوئی نہیں جو اُن کا ہاتھہ پکڑے - مظلوم رعایا ' کوئی نہیں جو اُس پر ترس کھائے - حاکم ' جس کا دعوی ہے کہ اُس کی قوت ' خود سلطان کی قوت ہے ' لہذا بے روک اور بے قید ہے - وہ اِس قوت کی گھمنڈ میں جملہ معائب و نقائص سے آلودہ ہوتا ہے - محکوم ' جس کا کام یہ رہ گیا ہے کہ ذلت کے تاریک غار میں برابر گرتا چلا جائے - حکام ' جنھوں نے رعایا کے لبوں پر قفل چڑھا دیے ہیں - اگر کبھی کسی کے منہ سے فریاد کی چیخ بلند ہو جاتی ہے تو یہ حکام اُسے بغاوت قرار دے دیتے ہیں - لہذا تمام رعایا ' نا اُمیدی میں پڑ گئی ہے - بے حساب ظلم و جور کے نیچے دبی ہے ' مگر خوف سے چپ ہے - ظلم کے ہاتھہ اُس کا گلا دابے ہوئے ہیں ' اور اعلی حضرت سے مخفی نہیں کہ ظلم دلوں میں فساد پیدا کر دیتا اور عقلوں میں فتور ڈال دیتا ہے -

ترکوں کی رگوں میں پاک اور بے میل خون موج زن ہے - یقیناً ہم وطن سے بے حد محبت کرتے ہیں - حب الوطنی ' ہماری ہمتیں بلند کرتی ہے ' بڑی سے بڑی قربانیاں بھی ہم پر آسان کردیتی ہے - ہم بہادر سپاہی ہیں ' موت سے نہیں ڈرتے - ہم میں وقار ہے اور ہمارے اسلاف سے ہمیں میراث میں ملا ہے - ہمارا امتیازی وصف ' صریح اخلاص ہے - یہی اخلاص ہمیں آمادہ کرتا ہے کہ مساوات کو جملہ محاسن پر ترجیح دیں - لیکن کیا یہ صفات حمیدہ ہم میں زیادہ مدت تک باقی رہینگی ؟ کیا ہم خیر و شر کے اِس تصادم کا ہمیشہ یونہی مقابلہ کرتے رہینگے ؟

میرے آقا ! جس دن یہ اخلاق ہم سے رخصت ہوجائینگے ' اُسی دن ہماری موت بھی نازل ہو جائیگی - ہم کسی کو بھی اپنا حامی و مددگار نہ پائینگے -

کاش ہماری مصیبت ' صرف ہمارے معنوی انحطاط ہی پر ختم ہو جاتی اور اِس جہل عمیم اور فساد عظیم تک نہ پہنچتی جو ہمارے تمام عقلی قوی تباہ کر رہا ہے -

میرے آقا ! جب ہمارے اسلاف یورپ میں اُترے ' تو اُن کے پاس علم کی کوئی روشنی بھی نہ تھی - لیکن وہ ذوق سلیم رکھتے تھے - یہ ذوق اُن میں قوت و جرأت پیدا کرتا تھا ' جیسا کہ تمام پاک اور بلند نفسوں کا خاصہ ہے - وہ علم نہیں رکھتے تھے ' مگر عقل کے مالک تھے - وہ عقل جو حرکت پسند کرتی ' جمود سے نفرت کرتی ' اور رذالت سے کراہت رکھتی ہے - وہ اُن لوگوں سے بالکل مختلف تھے جو ہمارے ہراول دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے - وائے افسوس ! عقلیں ' اُس حکومت کے زیر سایہ مفلوج ہوجاتی ہیں ' جس میں انفرادی ہمت کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی !

میرے آقا ! آپ کی رعایا میں ترک سب سے زیادہ استبداد سے متأثر ہوتے ہیں - کیونکہ یہ استبداد اُن کی فطری استقامت نفس اور خود داری سے میل نہیں کھاتا - ہم ترکوں میں وہ شرمناک قابلیت ذرا بھی موجود نہیں جو بیزنطینی عیاشوں میں تھی - اُن کی حالت یہ تھی کہ عقل و فطنت رکھتے تھے مگر نہ ذلت سے گریز کرتے تھے نہ مطلق العنان حکومت سے نفرت رکھتے تھے - ہم بالکل سادہ دل پیدا ہوئے تھے - ہمارے خیالات کی سادگی پر دنیا کو حیرت تھی - لیکن جب ہمارے خیالات ہم سے چھین لیے گئے تو ہم مخبوط الحواس ہوگئے - عقل کی نعمت سے محروم ہوگئے - اگر یہی حالت جاری رہی تو ایک دن آئیگا جب ہم میں حکمرانی کی صلاحیت باقی نہ رہے گی - کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ ملیگا جو انتظام سنبھال سکے -

حضور والا ! ہم اب ایک ایسے زمانے میں ہیں جس میں عزت اُسی کو مل سکتی ہے ' جس کی عقل بڑی اور علم زیادہ ہو - یہی باعث ہے کہ تمام یورپ میں علم کا غلغلہ بلند ہے اور تمام قوتیں اُس پر صرف ہو رہی ہیں - کوئی حکومت بھی اِس کے فکر و اہتمام سے خالی نہیں ہے - سوئٹزر لینڈ میں ایک آدمی بھی اَن پڑھ دکھائی نہیں دیتا - انگلستان میں (جس پر مٹھی بھر امرا حکومت کرتے تھے مگر اب اپنے امتیازات سے دست بردار ہوتے جاتے ہیں) ۲۵ - برس سے اشاعت تعلیم کی عظیم الشان کوششیں ہو رہی ہیں - مجھے یقین ہے کہ پروشیا نے آسٹریا پر صرف اِس سبب سے فتح پائی ہے کہ وہ مغلوب سے علم میں زیادہ تھی - کیا ہمارے لیے روا ہے کہ اپنے عقلی انحطاط پر قانع رہیں ' حالانکہ ہمارے گرد یورپ ' عقلی ارتقاء کے لیے اَن تھک کوششیں کر رہا ہے ؟

میں اِس خیال سے پناہ مانگتا ہوں کہ اعلی حضرت اشاعت تعلیم کے لیے صرف مدارس کی کثرت کافی تصور فرمائیں - وہ محل کس کام کے جنھیں مکین نہ ملیں ؟ اُن مدارس سے کیا فائدہ جن میں ذلت و خواری کی اولاد تربیت پائے ؟

(مصطفی فاضل کا لائحہ)

اعلی حضرت !

کلمۂ حق بادشاہوں اور حکمرانوں تک پہنچنا ' بہت مشکل ہے - درباری اُس پر پردہ ڈالتے اور اُسے چھپاتے ہیں - بادشاہ فرمانروائی کے نشہ میں مخمور اور سلطنت کی لذتوں میں غرق ' راہ صواب سے غافل ہو جاتے ہیں -

وہ خیال کرتے ہیں کہ قومیں اپنے ہی کرتوت سے پریشانی میں پڑتی ہیں - اور اپنی ہی غفلت سے پستی میں گرتی ہیں - سلطنتیں ' جب برباد ہوتی ہیں ' تو قضاء و قدر کے بے روک ہاتھوں ہی سے برباد ہوتی ہیں -

واقعات کو رو در رو دیکھنے اور اوہام کو اوہام سمجھنے کے لیے انسان کو بڑے ہی اخلاص اور بڑی ہی جرأت کی ضرورت ہے - بادشاہ تک بے کم و کاست حقیقت پہنچانے کے لیے اور بھی زیادہ اخلاص و جرأت کی ضرورت ہے -

میرے آقا ! یہ اخلاص کبھی میرے دل سے جدا نہیں ہوا - خود اعلی حضرت سلطان اِس کے شاہد ہیں - وہ لوگ بھی اِس سے ناواقف نہیں جو میری جلا وطنی کا سبب ہوے ہیں - بلاشبہ زمانے نے مجھے موقعہ نہیں دیا کہ روشن کارناموں سے اعلی حضرت کی ذات شاہانہ سے اپنی عقیدت ثابت کرتا اور اپنی قوم کی فلاح و بہود --- اگر یہ نہ کہوں کہ اُس کے احیا --- کے ارادے پورے کرسکتا - لیکن میں پہلا آدمی ہوں جس نے اعلی حضرت کے سامنے شاہی حکومت کے عیوب بے پردہ کرنے اور وطن عزیز کے مصائب پیش کرنے کی جرأت کی ہے - یہ اس لیے کہ میرا دماغ اعلی حضرت اور سلطنت عثمانیہ کی خدمت کے لیے سراسر وقف ہے - مجھے اعلی حضرت کے عرش سے جو عقیدت و وابستگی ہے ' اور وطن محبوب سے جو محبت و وارفتگی ہے ' اُسی نے مجھہ میں یہ قوت پیدا کردی ہے کہ بے خوف و خطر اُن مصائب و آلام پر نظر ڈالوں جو ہمیں رات کی تاریکی اور دن کی روشنی میں پیش آ رہے ہیں - حضور کے اخلاق عالیہ پر میرا یقین مجھے ہمت دلاتا ہے کہ اُن مصائب کی تشریح کروں - کوئی ایک بھی مخفی نہ رکھوں - سب کو صاف صاف ظاہر کردوں - پھر وہ علاج عرض کروں جو ہمیں شفا بخش سکتا ہے ' بشرطیکہ اُس کے استعمال سے پہلے وقت نکل نہ جائے -

میرے آقا ! آپ کی مسیحی رعایا کی جانب سے جس سرکشی کا برابر اظہار ہوتا رہتا ہے ' وہ یقیناً ' ہمارے اجنبی دشمنوں کی شرارت کا نتیجہ ہے - لیکن وہ اِس امر کی بھی دلیل ہے کہ اعلی حضرت کی حکومت کا برتاؤ اپنی تمام رعایا کے ساتھہ کوئی عمدہ برتاؤ نہیں ہے - اِس برتاؤ میں اگر حکومت پہلے معذور تھی تو یقیناً اب آسے برقرار رکھنے میں اُس کے لیے کوئی عذر نہیں ہوسکتا - کیونکہ اِس مسلک کا ثمرہ ' ظلم کے سوا کچھہ نہیں ہے - جہل ' اُس سے پھیلتا ہے ' فقر و فاقہ اور شر و فساد کی اُس سے پیدائش ہوتی ہے -

یورپ خیال کرتا ہے کہ سلطنت عثمانیہ میں صرف مسیحی رعایا ہی ظلم و تذلیل کے لیے منتخب کرلی گئی ہے - حالانکہ یہ سخت غلطی ہے - مسلمان ' جن کی حمایت پر کوئی یورپین سلطنت نہیں ' مسیحیوں سے زیادہ ظلم اٹھا رہے ہیں - اُن کے مصائب و آلام کہیں زیادہ ہیں - وہ ابتک محض اِس لیے صبر کیے بیٹھے ہیں کہ قضاء و قدر پر اُن کا پختہ ایمان ہے - صبر و سکون کے عادی ہیں - نفس بلند رکھتے ہیں - اُن کی یہ صفات ' یورپین تخیل سے بہت بلند ہیں - اِس لیے یورپ والے اُنہیں سمجھہ نہیں سکتے - پھر یہ مسلمان ' اُن شریف اور اولو العزم اسلاف کی نسل ہیں جو فرمانروائی کے تخت پر جلوہ گر ہوچکے ہیں - سلطنت سے اُنکا اخلاص ' قرآن پر اُن کے ایمان سے مل کر ایسا راسخ ہوگیا ہے کہ ابتک اُس میں تزلزل پیدا نہیں ہوا - لیکن اعلی حضرت اپنے مخلص ترین خادم کو یہ عرض کرنے کی اجازت دیں کہ اب مسلمانوں کا بھی پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا ہے - مصیبت آخری حد تک پہنچ چکی ہے (آلام نے اُن کا جسم کھا ڈالا ہے - اپنا غم و غصہ چھپانے کی اب اُن میں قدرت باقی نہیں رہی) - یقیناً حضور والا کے خاندان اور قوم کے لیے یہ سخت خطرہ ہے کہ رعایا ' یاس و نا اُمیدی کا شکار ہوجائے -

مخلوق پر ظلم بہت سخت ہوگیا ہے - آپ یقیناً اُس سے متنفر ہیں ' اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ کی اُمت کے عظماء و اکابر بھی اُس سے بیزار ہیں - لیکن وہ مجموعی حکومت کا ایک لازمی نتیجہ ہے - حتی کہ خود اعلی حضرت بھی ' جنکی قوت معلوم اور سطوت مشہور ہے ' شاید اُسے روکنے کی قدرت نہیں رکھتے - کیونکہ اُس کی خبر سمع مبارک تک پہنچتی ہی نہیں - حالانکہ وہ اِس اُمت کی مردانگی تباہ کر رہا ہے - اُس کی شخصیت گرا رہا ہے ' اُس کے فضائل برباد کر رہا ہے -

میرے آقا ! آپ کی رعایا میں ایسے مخلص افراد موجود ہیں جن کے دل یہ دیکھکر حسرت سے پگھلے جاتے ہیں کہ یہ امت --- جو ہماری عزت و فخر ہے --- کس طرح نسل کی کمی اور ہجرت کی زیادتی کی وجہ سے کمزور و کم تعداد ہوتی چلی جا رہی ہے - لیکن میں اس سے خائف نہیں ہوں - ممکن ہے اِس میں ہمارے فوجی نظام کو بھی کچھہ دخل ہو - لیکن جس چیز سے میں ڈرتا ہوں اور جسے روز بروز قریب آتے دیکھتا ہوں ' وہ یہ ہے ' کہ ہم مغلوب قوموں کے مشابہہ ہوتے جاتے ہیں - روز بروز ہماری معنویت کمزور ہو رہی ہے اور یہ مرض قوم کے تمام طبقوں میں عام ہوتا جاتا ہے -

میرے آقا ! ہمارے اسلاف نے چار صدی پہلے مشرق کی رومن شہنشاہت تہہ و بالا کر ڈالی ' عروس البلاد اور ملکۂ جہاں ' قسطنطنیہ میں اپنے قدم گاڑ دیے ' اور وہ فتح عظیم حاصل کی جو تاریخ میں ایک عظیم ترین کارنامہ شمار کی جاتی ہے - لیکن اِس حیرت انگیز کامیابی کا راز کیا تھا ؟ صرف دین کا اعتقاد اور جنگ میں شجاعت ہی نہ تھی - اُن کی وہ اولو العزمی اور بہادری ' درحقیقت ' اُن کی معنویت ہی کا ایک جلوہ تھا - وہ اپنے سرداروں کی اطاعت ' خوش دلی سے کرتے تھے ' نہ کہ خوف اور مجبوری سے - یہی وجہ تھی کہ ذلت اُن پر قابو نہ پاسکی - عقل پر اندھی تابعداری غالب نہ آسکی - اُنکی خود داری برابر باقی رہی - استقلال ذاتی نے اُن کا ساتھہ نہ چھوڑا - اطاعت نظام (ڈسپلن) کی روح ' عزت نفس کی روح سے مل گئی تھی - دونوں روحیں ' مضبوط اخلاق کی بنیادوں پر قائم تھیں - فضیلت نے اُنمیں گھر کرلیا تھا - اس لیے اُنہوں نے وہ عظیم سلطنت اُلٹ ڈالی جسے استبداد کی رذیلتیں گھن کی طرح لگ گئی تھیں ' اور ظلم و جور نے اُس کی تمام چولیں ہلا ڈالی تھیں -

ملین ڈالر بھي جمع کر سکوں گا - اُس وقت میرے پیش نظر صرف یه خیال تها که کسي طرح دنیا کا ایک کامیاب آدمي بن جاؤں -

میرے پیش نظر کامیابي کیا تھي ؟ اُس کا معیار کیا تها ؟ میں بتا نہیں سکتا - کیونکه کوئي مفصل خیال ذهن میں موجود نه تها - کامیابي کا محض ایک مبہم سا تصور تها - میں نے یہي تصور اپنا مطمع نظر قرار دے لیا اور کوشش شروع کردي - مجھے خود تعجب هوا که تهوڑي هي مدت بعد دولت اپنے آپ جمع هونے لگي تهي اور ابتک جمع هوتي چلي جاتي هے !

مجھے آج تک اپني غربت اور تنگ دستي یاد هے - میں بہت کم عمر تها - طرح طرح کے ولولے اور امنگیں دل کو گد گداتي تهیں ' مگر میں اپني کوئي خواهش بهي پوري نہیں کر سکتا تها - مجھے پیٹ بهر کر روٹي بهي نہیں ملتي تهي - میں در بدر کام تلاش کرتا پهرتا ' اور کہیں بهي کام نہیں ملتا - سخت جد وجهد کے بعد بالاخر ایک کام ملا - ایک بحري حوض میں نوکري مل گئي - هفته وار سوله شلنگ تنخواه مقرر هوگئي - میں بہت خوش هوا - مگر فوراً هي میري خوشي رنج سے بدل گئي - کیونکه اِس کمپني کے منیجر مسٹر گوبس نے مجھے بلا کر نہایت خشکي سے کہا " یه تنخواه تمهیں ملے گي ' اگرچه تم اِس کے کسي طرح بهي اهل نہیں هو !"

میں نے کوئي جواب نہیں دیا - میرے دل میں سخت غم و غصه تها - میں نے عزم کرلیا که کچهه هي هو جائے ' میں اپني حالت ضرور درست کرکے چهوڑونگا - چنانچه میں نے کوشش شروع کردي ' اور چند هي سال بعد یہي مسٹر گوبس مجبور هوئے که مجھے اپني عظیم کمپني کا شریک بنا لیں -

مجھه سے لوگ پوچها کرتے هیں " آدمي کروڑ پتي کیسے بن جاسکتا هے ؟ " میرا جواب همیشه یه هوتا هے که دولت جمع کرنے کا کوئي خاص قاعده نہیں هے - اِس کا مدار صرف دو باتوں پر هے : ذهانت اور قسمت - اگر انسان کو اِن دونوں میں سے کافي حصه ملا هے ' تو بلا شبه وه بہت زیاده دولت جمع کرلے سکتا هے -

بہت سے معمولي ذهانت کے لوگ همیشه " زمانه " کو ملامت کیا کرتے هیں که اُن کا ساتهه نہیں دیتا - وه کہتے هیں " اگر همیں ایک موقعه بهي میسر آجائے تو هم فوراً دولتمند بن جائیں " لیکن یه اُن کي غلطي هے - قصور زمانے کا نہیں خود اُن کا هے - اُن کي ذهانت و قابلیت کا هے - اعلی ذهانت کے لوگ هاتهه پر هاتهه رکهه کر موقعه کا انتظار نہیں کیا کرتے - وه خود موقعه پیدا کرتے هیں اور اُس سے فائده اُٹهاتے هیں -

میں نوجوانوں کو همیشه نصیحت کرتا رهتا هوں که اپني تمام قوتیں اور کوششیں ایک هي طرف متوجه رکهیں - کیونکه بغیر اِس کے دولت حاصل نہیں هو سکتي - مختلف کام شروع کرکے کوششیں پراگنده کر دینے سے اکثر ناکامي کي مصیبت پیش آجایا کرتي هے - همیشه ایک مرکز بنانا چاهیے ' اور اُسي پر تمام قوتیں صرف کردیني چاهییں - بلا شبه میں بهي اُن لوگوں میں هوں جو بیک وقت بہت سي تجارتیں پهیلائے هوئے هیں - لیکن یه میں نے اب کیا هے جبکه ایک بڑے سرمایه کا مالک بن چکا هوں - شروع شروع میں نے کبهي یه جرأت نہیں کي که بہت سے کام لے کر بیٹهه جاؤں -

محنت اور چستي کو بهي کامیابي میں بہت بڑا دخل هے - شروع میں میرا دستور یه تها که صبح سات بجے سے اپنے کام پر پہنچ جاتا تها اور گیاره بجے رات سے پہلے واپس نہیں آتا تها - میں جانتا هوں که آج کل کے نوجوان اِتني محنت نہیں کرسکینگے - لیکن اگر وه اُتني محنت بهي کریں ' جتني وه آساني سے کرسکتے هیں ' تو کوئي وجه نہیں که کامیاب نه هو جائیں -

میرے خیال میں منضبط محنت سے زیاده لذیذ کوئي چیز بهي نہیں هے - میں دنیا کے ایک بہترین جہاز کا مالک هوں - بہترین بادباني کشتي بهي میرے پاس هے - میں نے شکار بهي بہت کهیلا هے - عیش و آرام کے جمله سامانوں سے بهي متمتع هوا هوں - مگر میں سچ کہتا هوں - مجھے کسي بات میں بهي اُتني لذت حاصل نہیں هوئي ' جتني اپني روز کي محنت میں حاصل هوتي هے - میں سمجهتا هوں ' میري کامیابي کا سب سے بڑا راز میري اِسي محنت میں هے -

بريد شرق

مکتوب قسطنطنیه

(الہلال کے مقاله نگار مقیم قسطنطنیه کے قلم سے)

غازي مصطفی کمال پاشا کا پیغام - مجلس وطني کا انتخاب - وزراء آستانه میں - غازي کے خلاف سازش -

(غازي مصطفی کمال کا پیغام)

مجلس وطني کے انتخاب کے سلسله میں غازي مصطفی کمال پاشا نے ترکي قوم کے نام ایک پیغام شایع کیا هے - یه تحریر خود موصوف نے اپنے قلم سے لکھي هے - اس لیے نہایت پر زور اور بلیغ هے - اِس میں اُنهوں نے جنگ آزادي کے بعد پہلي مجلس وطني اور اپني جماعت " خلق فرقه سي " کي کارگزاریاں یاد دلائي هیں اور پهر قوم سے اپني جماعت کے انتخاب کي درخواست کي هے - وه لکهتے هیں :

" آج موقعه هے که هم گزشته چارسال کے اندر اپنے عظیم اصلاحي و تعمیري جهاد پر نظر ڈالیں اور اطمینان کے ساتهه وه کامیابیاں دیکهیں جو هم نے حاصل کي هیں - همارا ملک ایک ایسي مہیب جنگ سے جس کي نظیر تاریخ میں نہیں ملتي ' فتحمند نکلا تها - اُسے اُن مساعي و اعمال کي سخت ضرورت تهي جنسے قومیں زنده رهتي هیں - یه پہلا موقعه نه تها که ترکي قوم نے فتح و نصرت دیکهي تهي - ترکي قوم کي پوري تاریخ فتوحات سے لبریز هے - لیکن چونکه پہلے ترکي قوم میدان جنگ سے باهر کوئي کوشش نہیں کرتي تهي ' اس لیے اپني فتح سے کوئي فائده بهي نہیں اُٹها سکتي تهي - بلکه بتدریج اُسکي فتح ' شکست بن جاتي تهي - جو فتحمندي بر قرار نہیں رکهي جاتي ' اُس کے نتائج بسا اوقات '

بريد فرنگ

آزادي ' قوموں کے ليے اولين مربي هے - آزادي هي تمام دوسرے مربيوں کو پيدا کرتي هے - کوئي مربي بهي آزادي کا قائم مقام نہيں هوسکتا - کوئي مربي بهي آزادي کا عمل انجام نہيں دے سکتا - غلام قوميں علم کي تحقير کرتي هيں ' کيونکه علم انهيں کچهه بهي فائده نہيں پہنچاتا - قوميں اسي وقت علم کي طرف راغب هوتي هيں ' جب انهيں اپنے حقوق کي جانب سے اطمينان هوجاتا هے - وه علم اس ليے حاصل کرتي هيں که اپنے حقوق سے فائده اٹهائيں - اور بہتر سے بہتر اور زياده سے زياده فائده اٹهائيں - هر جاهل اور غلام قوم ' بزدل هوتي هے يا خائن -

اعلى حضرت ! اس وقت همارى مصيبت صرف يہي نہيں هے که هم معنوي کمزوري اور عقلي فساد ميں مبتلا هيں - همارى مصيبت اس سے بهي بڑي هے - هم هر جگه ايک جبار و قهار دشمن کو اپنے سامنے پاتے هيں - وه بے رحم دشمن ' همارا افلاس هے - حضور نے کتني مرتبه اپنے خزانے خالي ديکهے ؟ کتني مرتبه تنخواهيں تقسيم کرنے کے ليے روپيه موجود نه پا کر رنجيده هوئے ؟ آپ کا رحيم قلب يه سوچ کر هميشه کس قدر اداس هوتا رها هے که عمال سلطنت کي تنخواهيں بہت حقير هيں ؟ يه اس ليے که حضور جانتے هيں ' مشرقي عهده دار جب تنخواه کافي نہيں پاتے ' تو رشوت خوار هو جاتے هيں - رعايا ميں لوٹ کهسوٹ شروع کر ديتے هيں - ليکن سلطنت کے خزانے خالي هونے پر هميں اتنا افسوس نہيں جتنا رعايا کي غربت کا افسوس هے - کيونکه سرکاري خزانه محض اس ليے خالي رهتا هے که رعايا غريب هے - رعايا کا افلاس ' ايک عظيم ترين خطره هے -

دنيا کي حکمتوں ميں صرف اعلى حضرت هي کي حکومت ايسي هے جو اتنے قليل خراج پر زنده هے - حضور کي سلطنت نہايت عظيم ' وسيع ' اور آباد هے - تعجب هے که رعايا اتنا قليل خراج بهي ادا نہيں کر سکتي ! ليکن همارا يه تعجب باقي نہيں رهتا جب هم ديکهتے هيں که خراج جمع کرنے کا طريقه ' ايک بد ترين طريقه هے - همارى قوم ' بہت هي کم کام کرتي هے - وه هر هنر سے جاهل هے - يہي وجه هے که فقر و فاقه ميں مبتلا هے اور حکومت کا خراج ادا کرنے کي قدرت نہيں رکهتي - حالانکه دوسرے ملکوں کي رعايا هم سے بہت زياده خراج بخوشي ادا کر ديتي هے -

اعلى حضرت کي سلطنت ميں هر چيز کو زوال آگيا هے : زراعت تجارت ' صنعت ' کوئي چيز بهي تباهي سے نه بچي - هم پيدا کرنے کے طريقے بالکل بهول گئے هيں اور اپنے فقر و فاقه کے مشاهده پر قانع هيں - فقر کي هيبتناک صورت همارے سامنے هے - هم اس کي دهشت سے همت و جرأت کا کوئي کام کر هي نہيں سکتے -

بد نصيب کروڑ پتي

(کيا دولت ' حسرت کا سبب هے ؟)

(دولت جمع کرنے کے ليے هے يا خرچ کيليے ؟)

عام طور پر خيال کيا جاتا هے که دولت مند ' خوش نصيب هيں - اور فقر و فاقے ميں مبتلا انسان بد نصيب - ليکن يه کوئي قاعدهٔ کليه نہيں هے - کيونکه بہت سے کروڑ پتي ' انتهاء درجه بد نصيبي کي زندگي بسر کر رهے هيں - اور بہت سے نان شبينه کے محتاج هيں جنهيں مسرت و سعادت کي زندگي حاصل هے !

حال ميں مسٹر چارلس ولنت نے جو ايک مشهور امريکن کروڑ پتي هيں ' اس موضوع پر ايک مضمون شايع کيا هے - وه اس لائق هے که مفلس اور امير ' دونوں اسے غور سے پڑهيں -

وه لکهتے هيں :

دولت ' مسرت و سعادت کے ليے کوئي لازمي شرط نہيں هے - کيونکه مسرت ' در حقيقت خود اس شخص پر موقوف هوتي هے جو اس کا متمني هوتا هے - ميں بہت سے کروڑ پتيوں سے واقف هوں - يه دنيا کے سب سے زياده بد نصيب انسان هيں - ليکن بہت سے ايسے مفلس انسانوں کو بهي جانتا هوں جو نہايت پر مسرت زندگي بسر کر رهے هيں !

مجرد دولت سے اسي شخص کو مسرت حاصل هو سکتي هے جو حد سے زياده طماع اور صرف مال کا حريص هو - ورنه محض دولت کے جمع هوجانے سے هرگز لازم نہيں آتا که مسرت بهي جمع هو جائے -

دولت سے وهي شخص مسرت حاصل کر سکتا هے جو صرف اس کا جمع کرنا هي نہيں جانتا ' بلکه خرچ کرنا بهي جانتا هے - ميرے خيال ميں وهي دولت مند ' مسرت و سعادت محسوس کرتے هيں جو اپني دولت بہتر طريقوں پر خرچ کرنا جانتے هيں -

ميں بہت سے آدميوں کو جانتا هوں جو کہا کرتے هيں " اگر هميں ايک ملين ڈالر مل جائے تو هم مطمئن هو جائيں اور خوش و خرم زندگي بسر کريں " ليکن يه خيال صحيح نہيں هے - اتني دولت جمع هوجانے کے بعد بهي وه خوشي محسوس نہيں کرينگے ' الا يه که وه يه بهي سيکهه ليں که اپني دولت کس طرح خرچ کرني چاهيے ؟

جب ميں نے دولت جمع کرني شروع کي ' تو ايک لمحه کے ليے بهي مجهے يه خيال نہيں گزرا تها که ميں عنقريب کروڑ پتي بن جاؤنگا - ميرے خواب ميں بهي يه بات کبهي نہيں آئي تهي که ايک

فسانہ

غضبناک محبوبہ

L'ARRABIATA

پال ہیس کے قلم سے

پال ہیس Paul Heyse، جرمنی کا مشہور و معروف شاعر اور فسانہ نگار ہے۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں اُسنے انتقال کیا۔ اُس کے دیوان اور اُس کے افسانے اس قدر مقبول ہوئے ہیں کہ اُس کا نام غیر فانی ہوگیا ہے۔ ذیل میں اس کے ایک مقبول عام فسانہ کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ غالبًا یہ دو نمبروں تک مسلسل شائع ہوتا رہے۔

پو پھٹ رہی تھی۔ آتش فشاں ویزو ویس کی چوٹی، سیاہ بادل میں چھپی تھی۔ اُس کے دامن شہر نابلی تک پھیلے ہوئے تھے۔ قرب و جوار کے گاؤں بھی اندھیرے میں تھے۔ سمندر خاموش اور صاف تھا۔ خلیج سورنتو کے کناروں پر ماہی گیر اور اُن کی عورتیں اپنے روزمرہ کے کام شروع کر چکی تھیں۔ کوئی ہاتھ بھی خالی نہ تھا۔ بوڑھے اور بچے تک محنت کر رہے تھے۔

"ریشل!" ایک بڑھیا نے اپنی پوتی سے کہا "لے، پادری انٹونڈ آگیا۔ انٹونیو، اُسے اپنی کشتی میں جزیرہ کاپری لے جائے گا۔ مگر ملاح کی آنکھیں نیند کے خمار سے اب تک بھاری ہو رہی ہیں"

سب لوگ، پادری کی تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُس کا چہرہ نورانی تھا۔ دائیں بائیں، سر کے اشارے سے، مسکراتے ہوئے، سب کا سلام قبول کیا اور اپنے کپڑے احتیاط سے سمیٹ کر کشتی میں بیٹھ گیا۔

"ہمارا پادری، جزیرے میں کیوں جا رہا ہے؟" چھوٹی لڑکی نے اپنی دادی سے سوال کیا "کیا وہاں کوئی پادری نہیں ہے؟"

"تم ٹھیک کہتی ہو" دادی نے اپنا پوپلا منہ ہلا کر کہا "جزیرے میں بہت سے پادری ہیں۔ وہاں کے سے خوبصورت کنیسے دنیا بھر میں کہیں موجود نہیں۔ لیکن وہاں ایک امیر عورت بیمار ہے۔ ایک زمانے میں وہ یہاں رہتی تھی۔ اُس وقت بھی بیمار ہوئی تھی اور ہمارے اسی پادری کی دعا سے اچھی ہوئی تھی۔ اس خوشی میں اُسنے پادری کو، اُسکے کنیسے کو، اور یہاں کے فقیروں کو بہت کچھ دیا تھا۔ اب پھر اُس نے پادری بلایا ہے تاکہ دنیا چھوڑنے سے پہلے اس مقدس آدمی کے سامنے اعتراف گناہ کرلے۔ سچ یہ ہے کہ ہمارے پادری جیسا اچھا اسوقت کوئی پادری بھی نہیں ہے!"

یہ کہہ کر بڑھیا نے ایک مرتبہ پھر پادری کو سلام کیا، کیونکہ اُس کی کشتی اب روانہ ہونے کو تھی۔

"موسم کیسا ہے؟" پادری نے نابلی کی طرف نظر اُٹھا کر انٹونیو ملاح سے کہا۔

"باپ! ابھی سورج نہیں نکلا" ملاح نے جواب دیا "یہ تمام بادل سورج نکلتے ہی چھنٹ جائے گا"

"تو جلدی کرو۔ دھوپ سے پہلے ہم نکل جائیں" پادری نے کہا۔

نوجوان انٹونیو نے فوراً قدم اُٹھائی۔ مگر وہ اچانک رُک گیا۔ کنارے کی سڑک غور سے دیکھنے لگا۔ سڑک پر کوئی آدمی تیزی سے بڑھا چلا آتا تھا اور ہاتھ ہلا کر اشارے کر رہا تھا۔

یہ در اصل ایک لڑکی تھی۔ اُس کی بغل میں ایک گٹھری دبی تھی۔ معمولی لباس پہنے تھی۔ ظاہری وضع، فقر و غربت کا پتہ دیتی تھی۔ اُس کے کالے بالوں کی لٹیں ہوا میں اُڑ رہی تھیں۔ انٹونیو نے اُسے پہچان لیا۔

"انتظار کیا ہے؟" پادری نے سوال کیا۔

"ایک اور شخص بھی جزیرے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت دیں" ملاح نے منت کہا "ذرا بھی دیر نہ ہوگی۔ وہ ایک لڑکی ہے۔ ابھی پورے ۱۸ برس کی بھی نہیں ہے"

اب لڑکی سامنے تھی۔

"مودیلا!" پادری نے کہا "اُسے جزیرے میں کیا کام ہے؟"

انٹونیو نے جواب میں اپنے شانے ہلا دئے۔ لڑکی برابر تیزی سے بڑھی چلی آتی تھی۔ اُس کی نظریں کشتی پر لگی تھیں۔

"اخاہ! غضبناک پری! سلام!" بعض ماہی گیر اور ملاح چلائے۔

دوشیزہ نے حقارت کے ساتھ اُنھیں دیکھا۔ کسی کو کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کی تیوری پر بل پڑے تھے۔ غصہ سے منہ تمتما رہا تھا۔ اگر وہاں پادری موجود نہ ہوتا تو ملاح اُسے ضرور چھیڑتے۔

"صبح بخیر! مودیلا!" پادری نے کہا "کیسی ہو؟ ہمارے ساتھ جزیرے چلتی ہو؟"

"اگر مقدس باپ کی اجازت ہو" مودیلا نے ادب سے جواب دیا۔

"انٹونیو سے اجازت لو" پادری نے کہا "کشتی اُسی کی ہے۔ ہر آدمی اپنا مالک ہے، اور خدا سب آدمیوں کا مالک ہے"

"یہ میرے پاس چار پیسے موجود ہیں، اگر کرایہ کو کافی ہوں؟" مودیلا نے انٹونیو کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"تمھاری ضرورت مجھ سے زیادہ ہے" انٹونیو نے جواب دیا اور نارنگی کی ٹوکریاں ہٹا کر جگہ نکالنے لگا۔ نوجوان ملاح، جزیرے میں نارنگی لے جا کر بیچا کرتا تھا۔ کیونکہ صرف کشتی کے کرایہ سے کافی آمدنی نہیں ہوتی تھی۔

"لیکن میں مفت نہیں جاؤں گی" مودیلا نے خفگی سے کہا۔ اُس کے چہرے اور سیاہ آنکھوں میں غصہ کی حدت نمایاں تھی۔

"بیٹی! چلی آؤ" پادری نے دوشیزہ سے شفقت کے لہجہ میں کہا "انٹونیو اچھا لڑکا ہے۔ وہ تیرے جیسے تھوڑے سے پیسے لینا نہیں چاہتا" (دوشیزہ نے لڑکی کی طرف سہارا دینے کو ہاتھ بڑھایا) "دیکھ اُسنے تیرے لئے اپنی چادر بچھا دی ہے۔ سب جوان ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک لڑکی کے لئے اتنا کرتے ہیں جتنا اپنے دس پادریوں کے لئے بھی نہیں کرتے۔ حالانکہ ہمیں" مقدس باپ "بھی کہتے ہیں! انھیں نہیں؛ انٹونیو! معذرت کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے ناخوش نہیں ہوں۔ خدا کی مشیت یہی ہے کہ ہر کوئی اپنے ہم جنس کی طرف جھکے!"

اب مودیلا کشتی میں آ چکی تھی۔ وہ پادری کے قریب بیٹھ گئی۔ لیکن انٹونیو کی چادر دُور ہٹا کے۔ انٹونیو اس حرکت پر کچھ بڑبڑایا اور کشتی روانہ ہوئی۔

"اس گٹھری میں کیا ہے؟" پادری نے دوشیزہ سے پوچھا۔

اب سورج نمودار ہو رہا تھا۔ اُس کی روپہلی کرنیں ان مسافروں پر پڑ رہی تھیں۔

"ریشم، مدبغت، اور روٹی" لڑکی نے جواب دیا "ریشم اور مدبغت جزیرے میں بک جائے گا۔ روٹی میں کھاؤں گی"

"مجھے یاد پڑتا ہے تم نے کپڑا بننا بھی سیکھا تھا؟" پادری نے پھر سوال کیا۔

"ہاں لیکن میری ماں کی بیماری مجھے گھر سے نکلنے نہیں دیتی کہ اس ہنر کی اچھی طرح مشق کرلوں۔ خود میرے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ گھر میں بننے کا سامان جمع کروں" لڑکی نے حسرت سے جواب دیا۔

"اب اُس کا کیا حال ہے؟" پادری نے گہری ہمدردی سے کہا "آہ! بیچاری نے بڑی تکلیف اُٹھائی۔ پچھلی دفعہ جب میں نے دیکھا تھا تو ذرا اچھی تھی"

"یہ موسم ہمیشہ اُسے تکلیف دیتا ہے" لڑکی نے نا اُمیدی کے لہجہ میں جواب دیا۔

"دعا کر! بیٹی، دعا کر!" پادری نے زور دے کر کہا "کبھی نماز سے غافل نہ ہو۔ دعا سے باز نہ آ۔ شاید خدا سُن لے۔ نیک بن، نیک تاکہ تیری دعائیں قبول ہوں"

مودیلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحہ کی خاموشی کے بعد پادری نے پھر کہا:

"مودیلا! میں نے ابھی سنا کہ ملاح تجھے "غضبناک" کے لقب سے پکار رہے تھے۔ یہ کیوں؟ یہ لقب تو مسیحی دوشیزہ کے لئے کچھ اچھا لقب نہیں۔ تجھے حلیم اور خوش مزاج ہونا چاہیئے"

دوشیزہ کے کندنی چہرے پر غصے کے آثار ظاہر ہوئے۔ اُس کی آنکھیں تیزی سے چمکنے لگیں:

"وہ اسی طرح مجھے چڑھاتے ہیں" لڑکی نے خفگی سے کہا "وہ مجھے روز چھیڑتے ہیں کیونکہ میں اور لڑکیوں کی طرح گاتی، ناچتی، اور ان سے ہنسی مذاق نہیں کرتی ہوں۔ وہ میرے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟ میں نے اُن کا کیا بگاڑا ہے؟"

"سچ ہے" پادری نے سنجیدہ ہو کر کہا "لیکن تمھیں بہرحال خندہ رو ہونا چاہیئے۔ لوگوں کو ناچنے گانے دو، ورنہ زندگی ناقابل برداشت ہو جائے گی۔ میٹھی زبان میں بہت بھلائی ہے"

دوشیزہ نے اپنی لمبی کالی پلکیں جھکا دیں، گویا اپنی آنکھوں کا راز ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتی۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ اب دُور افق میں سورج طلوع ہو چکا تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں چمک اُٹھیں۔ سورنتو کی خلیج کے چھوٹے چھوٹے سفید مکان نارنگی کے باغوں میں صاف نظر آ رہے تھے۔ صرف ویزو ویس کے کنارے کنارے بدلی کے چند ٹکڑے پل رہے تھے۔

شکست سے بھي زیادہ بد تر ثابت ہوئے ہیں - لیکن اِس مرتبہ ہم نے اِس قدیم سنت پر عمل نہیں کیا - ہم فوراً اصلاحي اور تعمیري کوششوں میں لگ گئے - حالتِ امن میں ہماري مساعي ' حالت جنگ کي مساعي سے بھي کہیں زیادہ عظیم تھیں - ہم نے عزم بالجزم کر لیا تھا کہ اِس فتح مبین سے فائدہ اٹھائینگے اور اِسے ترکي قومیت کي تجدید کا سنگ بنیاد بنا دینگے - چنانچہ ہم نے ایسا ہي کیا !"

اِس کے بعد غازي نے اپني جماعت کي کارگزاریاں بیان کي ہیں :

" جنگ آزادي سے ملک ایک عظیم اصول لے کر باہر نکلا - وہ اصول یہ تھا " سیادت بلا کسي قید و شرط کے صرف قوم ہي کي ہے " اِسي اصول کي بنا پر جمہوریت کا اعلان کیا گیا - اِسي اصول کي بنا پر منصبِ خلافت موقوف کیا گیا جو صدیوں سے ترکي قوم کے سر پر ناقابل برداشت بار تھا - ہماري جمہوري جماعت کي رائے ہے کہ ہر اجنبي مداخلت سے جمہوریت کي حفاظت کرنا ترکي قومیت کے مستقبل کے لیے نا گزیر ہے - یہي سب سے بڑا وطني فرض ہے - یہي قوم کي زندگي کي اصلي ضمانت ہے "

اِس کے بعد موصوف نے اُن حیرت انگیز ترقیوں کا ذکر کیا ہے جو اِس قلیل مدت میں اُن کي جماعت کے ہاتھوں ظاہر ہوئي ہیں - بالآخر پیغام اِس عبارت پر ختم ہوتا ہے :

" اِس زندگي میں میرا سب سے بڑا بھروسہ اور میري سب سے بڑي قوت یہ ہے کہ قوم مجھپر اعتماد کرتي ہے - یہي سبب ہے کہ میري زندگي کا سب سے بڑا مقصد بھي یہي رہا ہے کہ اِس امانت کو زیادہ سے زیادہ مقدس سمجھوں اور بہتر سے بہتر طریقہ پر ادا کرنے کي کوشش کروں - اگر تم ہمارے نام زد کردہ اشخاص کو اپني مجلس وطني میں بھیجوگے' تو ہم دو بارہ تمہاري خدمت کا موقعہ حاصل کر سکینگے - مجھے پورا یقین ہے کہ مستقبل میں ترکي جمہوریت اور ترکي قوم کي اور بھي زیادہ شاندار خدمتیں میں انجام دے سکتا ہوں - عنقریب ترکي کا مستقبل بہت ہي عظیم ہوگا ' کیونکہ اُس کے افراد پوري ہمت سے مستقبل کي تعمیر میں مصروف ہیں "

(مجلس وطني کا انتخاب)

مجلس وطني کے انتخابات ختم ہوگئے ہیں ' ہر طرف سے خبریں آ رہي ہے کہ جمہوري یا کمالي جماعت کامیاب ہو رہي ہے - لیکن یہ کامیابی کوئي ایسي کامیابي نہیں ہے جسے انتخاب اور مقابلہ کي کامیابي سے تعبیر کیا جائے - کیونکہ اِس جماعت کے سوا کوئي دوسري جماعت ملک میں موجود ہي نہیں ہے - اور اگر ہے تو انتخاب میں شریک نہیں ہوئی ہے -

غازي مصطفی کمال کي جمہوري جماعت کي طرف سے ۳۱۶ - امیدوار کھڑے کیے گئے ہیں - اُن کي تفصیل حسب ذیل ہے :

۴۹ - انتظامي آدمي ہیں - ۴۶ - کاشتکار ہیں - ۴۰ فوجي افسر ہیں - ۳۴ وکالت پیشہ ہیں - ۲۵ علمي آدمي ہیں - ۲۵ تاجر ہیں - ۲۳ اخبار نویس ہیں - ۲۳ ڈاکٹر ہیں - ۲۳ ماہر اقتصادیات ہیں - ۹ سیاسي ہیں - ۷ انجینیر ہیں - ۳ محکمۂ تار اور ڈاک کے آدمی ہیں - ۳ آلات سازي کے ماہر ہیں - ایک دوا ساز ہے -

اِس مرتبہ مخالفین سے میں کسي ایک شخص کو بھي اِس جماعت نے نامزد نہیں کیا - چنانچہ علی فؤاد پاشا ' طیار پاشا ' کاظم قارا بکیر پاشا وغیرہ میں سے کوئي بھي انتخاب میں شریک نہیں ہے -

(تمام وزراء آستانہ میں)

اِس وقت تمام وزیر آستانہ ہي میں موجود ہیں - پرسوں غازي کي صدارت میں مجلس وزارت با ضابطہ منعقد ہوئي - جمہوري حکومت کي یہ پہلي مجلس سلاطین آل عثمان کے تاریخي محل ' طولمہ باغچہ میں جمع ہوئي اور مختلف مسائل پر غور کیا -

اِس واقعہ سے پھر لوگوں میں یہ افواہ پھیل رہي ہے کہ اگر پایۂ تخت انگورہ سے پوري طرح منتقل نہ ہوا ' تو بھي قسطنطنیہ گرمائي پایۂ تخت ضرور بنا دیا جایگا -

(غازي کے خلاف سازش)

اِس ہفتہ کا اہم واقعہ غازي مصطفی کمال پاشا کے قتل کي سازش ہے - اِس سازش میں چار آدمي گرفتار ہوئے ہیں - تین ارمني ہیں - ایک ترک بتایا جاتا ہے - سازشیوں نے پولیس سے مقابلہ بھي کیا - ایک قتل ہوگیا - تین پکڑ لیے گئے - پولیس کا بھي ایک سپاہي قتل ہوا ہے -

مجرموں نے اقرار کیا ہے کہ حکومت یونان کے اشارے سے اُنھوں نے یہ اِرادہ کیا تھا - تجویز یہ تھي کہ غازي موصوف جب انگورہ واپس جانے لگیں تو راستے میں اُنکي ریل ڈائنامیٹ سے اُڑا دي جائے -

اِس خبر نے یہاں کي عام رائے میں سخت ہیجان پیدا کر دیا ہے - کیونکہ ترکي قوم ارمنیوں اور یونانیوں کي سازشوں سے بہت نقصان اُٹھاچکي ہے - سعید حلیم پاشا وزیر اعظم ' غازي انور پاشا ' جمال پاشا ' طلعت پاشا ' کاظم بک وغیرہ ' ترکی کے ایسے فرزند تھے ' جنمیں سے ہر شخص اپني جگہ دنیا کا بڑا آدمي شمار ہوتا تھا - مگر شقي ارمنیوں نے سب کو ایک ایک کرکے دھوکے سے قتل کر ڈالا ' اور ترکي کے دل پر ایسے زخم لگائے ' جو مدتوں مندمل نہ ہونگے -

اب اِن بد بختوں کي نظر غازي مصطفی کمال پاشا پر ہے جو اِس وقت ترکي قوم کي روح رواں ہیں -

الہلال کی تصاویر

افسوس ہے کہ دسہرہ کي تعطیل کے وجہ سے (جو کلکتہ میں پوجا کي تعطیل کہي جاتي ہے) وہ تصاویر طیار نہ ہوسکیں جنھیں الہلال کے صفحات میں درج کرنا تھا - اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس کي تلافي آئندہ اشاعت میں کي جائے -

"تمھارے یہاں سیاح بہت آتے ہیں؟" شراب خانے کی مالکہ نے اُس سے سوال کیا۔

"اس سال فصل بہت خراب تھی۔ اب آنا شروع ہوئے ہیں" انٹونیو نے جواب دیا۔

"ابکی موسم بہار بھی دیر میں آئے گا" شراب خانے کی مالکہ نے کہا "تمھارے یہاں آمدنی اس جزیرے سے زیادہ ہے؟"

"پیٹ بھر روٹی بھی نہ ملتی، اگر یہ کشتی میرے پاس نہ ہوتی" انٹونیو نے خشکی سے جواب دیا، "لیکن میرا چچا، نارنگی کے کئی باغوں کا مالک ہے وہ کہا کرتا ہے جب تک میں زندہ ہوں، تجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی بحر وقت بھی تجھے نہیں بھولوں گا!"

"اس مالدار چچا کے اولاد بھی ہے؟" عورت نے سوال کیا۔

"نہیں" انٹونیو نے کہا "اُسنے شادی ہی نہیں کی۔ دوسرے ملکوں میں رہکر بہت دولت جمع کرلی۔ وہ عنقریب ایک شکار خانہ بنانے والا ہے اُس کا انتظام میرے ہی ہاتھ میں رہے گا"

"انٹونیو! تم بڑے جوانمرد ہو" عورت نے خوشامد سے کہا۔

"زندگی سب کے لئے کٹھن ہے" نوجوان ملاح نے شانے ہلاکر کہا اور باہر نکل کے پھر تمام راستے اور آسمان دیکھنے لگا۔ حالانکہ خوب جانتا تھا، موسم معلوم کرنے کے لئے ہر طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں!

"میں ایک اور بوتل لاتی ہوں" شراب فروش عورت نے کہا، "تمھارا چچا تو دام ادا ہی کردے گا"

"نہیں" انٹونیو نے انکار کیا "پہلی ہی بوتل نے سر چکرا دیا ہے"

وہ یہ کہنے ہی پایا تھا کہ کسی کی چاپ سنائی دی۔ نوجوان ملاح فوراً پہچان گیا۔ پاؤں کی اسی آواز کے لئے وہ دن بھر ہمہ تن گوش بنا رہا تھا — موریلا سامنے کھڑی تھی۔

انٹونیو تیزی سے کھڑا ہوگیا:

"مجھے فوراً جانا ہے" اُسنے شراب خانے کی مالکہ سے کہا۔

چشم زدن میں وہ اپنی کشتی پر تھا۔ موریلا، بدستور کھڑی تھی۔ کچھ متردد سی تھی۔ بالآخر اُسنے بھی شراب فروش عورت کو سلام کیا اور گھاٹ پر پہنچ گئی۔ وہ اب بھی چاروں طرف دیکھ رہی تھی، شاید کسی اور مسافر کو ساتھ لینے کا خیال کر رہی تھی۔ لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ سمندر ٹھنڈا تھا۔ ماہی گیر سو رہے تھے یا اپنے جال درست کرنے میں ایسے مصروف تھے کہ کسی نے توجہ نہ دی۔

انٹونیو، ایک لمحہ چپ کھڑا رہا۔ اُس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمک رہی تھیں۔ آخر وہ کشتی سے کنارے آیا اور کچھ کہے بغیر موریلا کو اس طرح گود میں اُٹھالیا گویا ایک چھوٹا سا بچہ ہے۔

موریلا، کشتی کے بالکل آخر میں جاکر بیٹھی۔ اُسنے اپنا سر اس قدر جھکالیا کہ صرف آدھا چہرہ دکھائی دیتا تھا۔ اُس کے بال ہوا میں اُڑ رہے تھے اور چشم و ابرو کو چھپا لیتے تھے۔ خوبصورت ناک کھڑی دکھائی دیتی تھی۔

وہ غیظ و غضب سے لبریز تھی!

سمندر میں کچھ دور جانے کے بعد ڈوبتے ہوئے سورج کی تپش اُسے محسوس ہوئی۔ اُسنے گٹھری کھولی اور رومال نکالکر سر پر باندھ لیا۔ پھر روٹی کھانے لگی کیونکہ صبح سے بالکل بھوکی تھی۔

اب تک دونوں بالکل خاموش تھے۔ انٹونیو نے موریلا کو روکھی روٹی کھاتے دیکھکر ٹوکری سے دو نارنگیاں نکال کر بڑھادیں:

"موریلا!" ملاح نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا، "روٹی، اس کے ساتھ کھاؤ۔ یہ نہ سمجھنا میں نے یہ نارنگیاں تمھارے لئے بچا رکھی تھیں۔ یہ ٹوکری سے گر گئی تھیں؛ لوٹتے پر ملی ہیں"

انٹونیو، اس وقت جھوٹ بول رہا تھا!

"تم ہی کھاؤ" لڑکی نے غصہ سے کہا "میرے لئے روٹی کافی ہے"

"اس گرمی میں نارنگی اچھی ہوتی ہے، تم بہت چلکر آئی ہو" انٹونیو نے کہا۔

"میں پانی پی چکی ہوں" غصہ ور لڑکی نے خشکی سے جواب دیا۔

"خیر" ملاح نے کہا اور پھر خاموشی چھاگئی۔

اسوقت سمندر بالکل خاموش اور آئینہ کی طرح شفاف تھا۔ ہر طرف سناٹا تھا، حتی کہ ساحل پر اُڑنے والی چڑیاں بھی اس پُر جلال منظر کے سامنے ساکت تھیں۔ صرف کشتی سے موجوں کے ٹکرانے کی آواز سنائی دیتی تھی۔

"تم اپنی ماں کے لئے نارنگیاں لے جاسکتی ہو" انٹونیو نے آنکھیں نیچی کرکے کہا۔

"گھر میں نارنگیاں رکھی ہیں" لڑکی نے پھر خفگی سے جواب دیا "اور جب ختم ہوجائیں گی تو میں اور خرید سکتی ہوں"

"ٹھیک ہے" ملاح نے شرمندہ ہوکر کہا "لیکن یہ نارنگیاں میری طرف سے اپنی ماں کو دینا۔ میرا سلام کہدینا"

"وہ تمھیں نہیں جانتی" موریلا نے جھنجھلا کر کہا۔

"تم میرا تعارف کردینا" انٹونیو نے پھر کہا۔

"میں بھی تمھیں نہیں جانتی" لڑکی کا صاف جواب تھا۔

یہ پہلا موقعہ نہ تھا کہ موریلا نے ملاح سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک اتوار کو موریلا کا عاشق (مصوّر) جب گاؤں میں آیا اور پہلی مرتبہ اس لڑکی کو دیکھا، تو مبہوت ہوکر اُس کے حسن و جمال کا نظارہ کرنے لگا۔ عین اُسی وقت انٹونیو اپنے دوستوں کے ساتھ فٹ بال کھیل رہا تھا۔ مصوّر اپنے خیالات میں محو تھا کہ انٹونیو نے جان بوجھ کر گیند ایسا مارا کہ غریب کے سر پر زور سے لگا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اُس مظلوم سے لڑنے کے لئے بھی آمادہ ہوگیا۔

کئی ہفتے بعد جب موریلا نے شادی کی درخواست نامنظور کردی تو مصوّر نے چلتے وقت کہا "میں جانتا ہوں، اُس نوجوان کی وجہ سے تم مجھے سوکھا جواب دے رہی ہو" مگر موریلا نے اُس وقت بھی یہی کہا:

"ہرگز نہیں، میں اُسے پہچانتی تک نہیں"

حالانکہ وہ گیند کے واقعہ سے واقف ہوچکی تھی اور انٹونیو کو پوری طرح جانتی تھی۔

آج اسوقت دونوں کشتی میں ہیں۔ تنہا ہیں — اس طرح بیٹھے ہیں گویا حریف ہیں۔ حالانکہ دونوں کے دل بُری طرح دھڑک رہے ہیں!

انٹونیو، وہ ہمیشہ کا ہنس مکھ نوجوان، اس وقت، فرط تاثر سے سُرخ ہو رہا ہے۔ بڑی ہی قوت سے کشتی کھے رہا تھا۔ پانی کے قطرے اُڑکر موریلا پر گرتے تھے ساتھ ہی کچھ غصے میں بڑبڑا بھی رہا تھا۔

موریلا اس طرح بیٹھی تھی گویا اُسے دیکھ ہی نہیں رہی ہے۔ بڑی ہی بے پروائی سے کشتی کا کنارہ دیکھ رہی تھی اور ہاتھ نیچا کئے پانی سے کھیلتی جاتی تھی۔ پھر اُسنے اپنے سر کا رومال کھول ڈالا۔ ایک ہاتھ سے بال درست کرنے اور دوسرے سے رخسار پانی سے تر کرنے لگی وہ اس انداز سے بیٹھی تھی، گویا کوئی دوسرا وہاں موجود ہی نہیں ہے۔

کشتی، کھلے سمندر میں پہنچی۔ جزیرہ نظر سے اوجھل ہوگیا۔ سورنٹو کا کنارہ بھی دور ہے۔ قرب و جوار میں کوئی اور کشتی بھی دکھائی نہیں دیتی۔

انٹونیو نے چاروں طرف دیکھا۔ اُس کے تیور ایسے ہوگئے گویا کوئی عزم مصمم کرچکا ہے۔ اُس کے رخسار کی سُرخی غائب ہوگئی؛ زردی چھاگئی۔ اُسنے اچانک ڈانڈ سے ہاتھ اُٹھالئے۔

موریلا نے اُسے دیکھا۔ بغیر کسی خوف، مگر ہوشیاری سے۔

"اب فیصلہ ہوجانا چاہئے،" انٹونیو یکایک چلایا "یہ کھیل بہت ہوچکا تعجب ہے میں اب تک زندہ کیسے ہوں؟ تم کہتی ہو مجھے نہیں جانتی! حالانکہ اس تمام زمانے میں مجھے دیکھتی رہی ہو کہ پاگلوں کی طرح تمھارے پیچھے پھرتا ہوں۔ میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ اپنا دکھ کہنا چاہتا ہوں، مگر تم حقارت سے ہمیشہ بے پروائی دکھاتی ہو۔ گویا میں کوئی ہستی ہی نہیں رکھتا!"

"کیا؟" لڑکی نے پیشانی پر بل ڈالکر کہا "مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ ہاں میں دیکھتی تھی تم مجھ سے تعارف چاہتے ہو۔ لیکن میں بلا سبب لوگوں کی چہ میگوئیوں کا نشانہ بننا نہیں چاہتی تھی۔ خصوصاً جبکہ میں تمھیں اپنا شوہر بنانا نہیں چاہتی — نہ تمھیں، نہ کسی اور انسان کو"

"نہ کسی انسان کو!" انٹونیو نے دانت پیسکر کہا "تم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتیں، صرف اسی وقت کہہ رہی ہو، کیونکہ اُس مصوّر سے شادی پسند نہیں کی۔ لیکن تم نا سمجھ ہو۔ آج نہیں تو مستقبل میں تمھیں شادی کرنی ہی پڑے گی۔ مصوّر نہ سہی، کسی اور کو شوہر بناؤ گی"

"کون جانتا ہے؟" موریلا نے سنجیدگی سے کہا "مستقبل کو کوئی نہیں جان سکتا۔ ممکن ہے میں اپنا خیال بدل دوں۔ لیکن تمھیں اس کی فکر کیوں ہے؟"

"مجھے فکر کیوں ہے؟" انٹونیو چلایا۔ بیچ کشتی میں کھڑا ہوگیا۔ کشتی دائیں بائیں جھکنے لگی "مجھے فکر کیوں ہے؟ یہ تم کہتی ہو؟ خوب جانتی ہو! قسم کھاکر کہتا ہوں، جس شخص کو بھی مجھپر ترجیح دوگی، اُس کی جان میرے ہاتھ سے جائے گی! میں برداشت نہیں کرسکتا! برداشت نہیں کرسکتا!"

"کیا؟" موریلا نے پیشانی پر بل ڈالکر کہا "کیا میں تم سے کوئی وعدہ کرچکی ہوں؟ اگر تم پاگل ہوجاؤ تو میرا کیا قصور ہے؟ تمھیں مجھپر کیا حق حاصل ہے؟"

"آہ! حق!" ملاح نے جوش سے چلانا چاہا مگر اُسے رونا آگیا۔ آواز رُک گئی "بے شک میرا حق کہیں لکھا ہوا نہیں ہے۔ کسی حاکم نے مانا نہیں ہے۔ کسی وکیل نے ثابت نہیں کیا ہے۔ کسی انسان نے جانا بھی نہیں ہے۔ لیکن میں محسوس کرتا ہوں، میں جانتا ہوں کہ تمپر میں حق رکھتا ہوں، ٹھیک اُسی طرح جس طرح آسمان (جنت) میں میرا حق ہے اگر میں مسیحیت پر مرجاؤں۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تمھیں کسی دوسرے شخص کے ساتھ گرجے میں جاتے دیکھوں گا اور خاموش رہوں گا؟ کیا میں برداشت کرسکتا ہوں کہ گاؤں کی لڑکیاں شانے ہلاکر میرا مذاق اُڑائیں؟"

"جو جی چاہے کرو" لڑکی نے سکون سے جواب دیا "میں تمھاری دھمکیوں سے ڈر نہیں سکتی۔ میں آزاد ہوں، جو میرے جی میں آئے گا، کروں گی"

انٹونیو، غصہ سے دیوانہ ہوگیا۔ اُس کا تمام بدن کانپنے لگا:

"پھر کبھی نہ کہنا" ملاح چلایا "میں وہ نہیں ہوں کہ تیری جیسی ایک لڑکی میری زندگی برباد کرڈالے۔ تو اسوقت میرے بس میں ہے۔ اچھی طرح سمجھ لے۔ میرا حکم ماننا ہوگا!"

موریلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن اُس کی آنکھیں غصہ سے لال ہوگئیں۔ اُسنے ملاح کو جرأت سے دیکھا:

"ہمت ہو تو مار ڈالو!" اُسنے پورے سکون سے کہا۔

"جو کہتا ہوں، وہی کرتا ہوں" انٹونیو نے زور سے کہا، مگر اُس کی آواز بھرا گئی "یہاں سمندر کی تہ میں ہم دونوں کی جگہ ہے۔ معزز خاتون! میں اس سے باز نہیں رہ سکتا"

اُسنے یہ لفظ بڑی حسرت و تکلیف سے کہے۔ اُس کا چہرہ بالکل دیوانوں کا سا ہوگیا تھا:

"لیکن" اُسنے پھر کہا "ہمیں ساتھ ہی چلنا چاہئے۔ ابھی چلنا چاہئے۔ فوراً چلنا چاہئے" یہ کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھا اور موریلا

"موریلا!" پادری نے پھر گفتگو شروع کی "تو لوئی سمّو کی بھی کچھ خبر ہے؟"

موریلا نے اپنے نازک ہونٹ بھینچ کر انکار کیا۔

"تمھاری تصویر اُتارنا چاہتا تھا، تم نے انکار کیوں کیا؟" پادری نے پھر سوال کیا۔

"میری تصویر کیوں؟" دوشیزہ نے جھنجھلا کر جواب دیا "کیا مجھ سے زیادہ خوبصورت عورتیں موجود نہیں؟ کون جانتا ہے میری تصویر لے کر کیا کرتا؟ شاید جادو کر دیتا۔ مجھے تکلیف دیتا۔ قتل کر ڈالتا۔ میری ماں یہی کہتی تھی"

"ہِش!" پادری نے خلوص سے کہا "فضول نہ بکو۔ کیا تم خدا کی اماں میں نہیں ہو؟ کیا خدا کے حکم بغیر ایک ذرّہ بھی ہل سکتا ہے؟ کوئی انسان بھی تیرا رُواں میلا نہیں کر سکتا۔ پھر وہ تو تجھ پر عاشق تھا، ورنہ شادی کی درخواست کیوں کرتا؟"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"تم نے شادی کیوں نامنظور کی؟" نیک دل پادری نے سوال کیا "لوگ کہتے ہیں شریف و معقول آدمی تھا۔ تیری اور تیری ماں کی خبرگیری کرتا۔ ریشم بیچنے سے کہیں زیادہ تم فائدے میں رہتیں"

"ہم بالکل فقیر ہیں" لڑکی نے بڑے تأثر سے جواب دیا "میری ماں مدت سے بیمار ہے۔ ہم اُس پر بوجھ ہوتے۔ پھر میں عزّت دار خاتون بننے کے لائق نہیں ہوں۔ اپنے دوستوں کے سامنے وہ مجھے دیکھ کر ضرور شرمندہ ہوتا"

"کیا کہتی ہو؟" پادری نے خیرخواہی سے کہا "میں کہتا ہوں وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ شاید تمھارے ساتھ سورنتو ہی میں رہ جاتا۔ ایسا شوہر ملنا مشکل ہے"

"میں شوہر نہیں چاہتی" موریلا نے بہت آہستہ سے مگر یقینی لہجے میں کہا "میں کبھی شادی نہیں کروں گی!"

"کیا رہبانیت اختیار کرنے کا ارادہ ہے؟" پادری نے تعجب سے سوال کیا۔

دوشیزہ نے سر کے اشارے سے انکار کیا۔

"لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ تو ضدی ہے" پادری نے جوش سے کہا "تیری ہٹ بہت سخت ہے۔ ایک لمحہ کے لئے سونچ، تیری یہ ضد کتنی خطرناک ہے؟ یہ تیری مصیبت میں اضافہ کرنے والی ہے۔ تیری ماں کی بدنصیبی بڑھانے والی ہے۔ کیا تیرے پاس کوئی ایک وجہ بھی ہے کہ ایسے شریف آدمی کو رد کر دیتی ہے؟ جواب دے"

"میرے پاس وجہ ہے" موریلا نے دبی زبان سے کہا "مگر میں بیان نہیں کروں گی"

"بیان نہیں کروں گی!" پادری نے خفا ہو کر اُس کا جملہ دُہرایا "مجھ سے بیان نہیں کرو گی؟ میں جو تیرا پادری ہوں۔ تو خوب جانتی ہے تیرا خیرخواہ ہوں۔ کیا یہ صحیح نہیں؟"

موریلا نے سر ہلا کر اقرار کیا۔

"تو اپنا راز مجھ پر ظاہر کر" پادری نے شفقت سے کہا "اگر وجہ ٹھیک ہوگی تو میں سب سے پہلے تائید کروں گا۔ تم ابھی بہت کم عمر ہو۔ اس دنیا سے بالکل بے خبر ہو۔ ایک زمانہ آئے گا جب یہ زرّیں موقعہ کھو دینے پر افسوس کرو گی۔ معلوم ہوتا ہے، خدا نے رحم کھا کر اس شخص کو تمھارے گھر پر بھیجا تھا"

موریلا نے شرمائی ہوئی نظریں اُٹھائیں اور کشتی کے سرے پر دیکھنے لگی جہاں انٹونینو کی نگاہیں دُور افق پر جمی تھیں اور اپنے خیالات میں غرق تھا۔ پادری نے دوشیزہ کو بغور دیکھا۔ اپنا کان اُس کے قریب کر دیا۔ "آپ میرے باپ کو نہیں جانتے" لڑکی نے نہایت آہستگی سے پادری کے کان میں کہا۔

"تیرا باپ؟" پادری چلّا اُٹھا "کیوں نہیں؟ تو ابھی دس برس کی بھی نہ تھی کہ خدا نے اُسے بُلا لیا۔ آسمان کی بادشاہت میں اُسے جگہ ملے! اپنی اِس ضد میں اُس کا ذکر کیوں کرتی ہے؟"

"آپ نہیں جانتے" لڑکی نے زور دیکر کہا "آپ کو نہیں معلوم میری ماں کی تمام بیماری کا وہی اکیلا سبب ہے"

"کیونکر؟" پادری نے تعجب سے سوال کیا۔

"اپنی بے رحمی سے" موریلا نے فوراً جواب دیا "آخری وقت تک میری ماں کو مارتا رہا۔ مجھے وہ راتیں اب تک یاد ہیں۔ وہ ایک عجیب جنون کی حالت میں گھر آتا تھا۔ میری ماں ایک لفظ بھی نہیں کہتی تھی۔ مگر وہ مارنا شروع کر دیتا تھا۔ آہ! میرا دل اب بھی رنجیدہ ہوتا ہے! میں اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیتی تھی اور تڑپتی تھی لیکن اندر ہی اندر روتی رہتی۔ وہ میری ماں کو مارتے مارتے آخر تھک جاتا۔ غریب بیہوش ہو کر گر پڑتی تھی۔ وہ اُسے دیر تک غور سے دیکھتا پھر نہیں معلوم اُس کے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا کہ دوڑ کر اُسے اُٹھاتا اور سینے سے لگا کر پیار کرنے لگتا۔ اتنے زور سے دابتا تھا کہ اُس کے منہ سے چیخ نکل جاتی تھی لیکن اِس تمام ظلم پر بھی میری ماں کبھی خفا نہیں ہوتی۔ بلکہ مجھے بھی منع کرتی رہتی تھی کہ کسی سے اِس کا ذکر نہ کروں۔ میری ماں کو اُس سے بلا کی محبت تھی۔ اِس سختی پر بھی وہ اُسی کا کلمہ پڑھتی رہتی۔ جب سے وہ مرا ہے، یہ بھی بیمار ہوگئی ہے۔ اُسے غم کھائے جاتا ہے۔ اگر مر گئی۔ خدانخواستہ۔ تو میں جانتی ہوں اُس کا قاتل کون ہے"

پادری سنّاٹے میں پڑ گیا۔ تعجب سے سر ہلانے لگا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا، اِس عجیب لڑکی کو کیونکر قائل کرے۔

"اپنے باپ کو معاف کر دو!" بالآخر پادری نے کہا "اُسی طرح معاف کر دو، جس طرح تمھاری ماں نے معاف کر دیا ہے۔ پُرانی باتوں کی تکلیف دہ یاد دُور کر دو۔ مستقبل میں تمھارے اچھے دن آئیں گے اور تمام مصیبتیں بھلا دیں گے"

"نہیں، نہیں!" موریلا نے جوش سے کہا "میں کبھی نہیں بھول سکتی، یہی وجہ ہے کہ میں نے عمر بھر کنواری رہنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ ہرگز کسی مرد کی کنیز نہیں بنوں گی۔ یہ مرد پہلے مارتے ہیں، پھر پیار کرتے ہیں لیکن میرے ساتھ کوئی یہ حرکت نہیں کر سکتا۔ مجھ سے جو مرد بھی محبت کی درخواست کرے گا، اُس کا منہ توڑ دوں گی۔ لیکن میری ماں بالکل بے بس تھی۔ وہ نہ مار کا مقابلہ کر سکتی تھی، نہ پیار کا۔ وہ اُس سے محبت کرتی تھی۔ میں ہرگز کسی مرد سے محبت نہیں کرونگی"

"تم بالکل بچہ ہو!" پادری نے مسکرا کر کہا "دنیا کو کچھ بھی نہیں جانتی، اسی لئے بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ کیا سب مرد تمھارے باپ ہی کے سے ہیں؟ کیا تم نے کبھی کوئی اچھا آدمی نہیں دیکھا؟ کیا دنیا میں ایسی خوش نصیب بیبیاں نہیں ہیں جو اپنے شوہروں کے ساتھ عیش و آرام سے رہتی ہیں؟"

"کچھ ہو" موریلا نے زور دے کر کہا "میرے ماں باپ کا حال کوئی نہیں جانتا۔ میری ماں مر جانا پسند کرتی تھی مگر اُس کی شکایت پسند نہیں کرتی تھی۔ یہ صرف محبت کی وجہ سے۔ اگر محبت یہی ہے، اگر محبت، زبان گونگی کر ڈالتی ہے، اگر محبت ایسی سخت مصیبت لاتی ہے، تو میں ہرگز ہرگز کسی مرد سے محبت نہیں کروں گی"

"میں نے کہدیا تم ایک بچے سے کچھ زیادہ نہیں" پادری نے کہا "تم بے معنی باتیں کرتی ہو۔ جب وقت آجائے گا، تمھاری رائے اور پسند نہیں پوچھی جائے گی۔ تم محبت کی زنجیر میں اپنی مرضی کے خلاف بھی جکڑ دی جاؤ گی"

موریلا خاموش رہی۔

"کیا تمھارے خیال میں یہ مصوّر بھی سنگدل تھا؟" پادری نے پھر سوال کیا۔

"اُس کی نظریں بالکل ویسی ہی تھیں جیسی میرے باپ کی ہو جایا کرتی تھیں جب وہ میری ماں کی خوشامد کرتا تھا۔ میں وہ نظریں خوب پہچانتی ہوں۔ ایک مرد اس طرح کی نظروں سے دیکھتا بھی ہے! اور پھر عین اسی وقت اپنی بے خطا بیوی کو مار کے ادھ موا بھی کر دے سکتا ہے۔ مجھے ایسی نظروں سے بڑا ہی ڈر لگتا ہے"

موریلا اب بالکل چپ ہوگئی۔ پادری نے بھی اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ اُس کے ذہن میں اب بہت سی معقول دلیلیں آگئی تھیں مگر وہ چپ ہی رہا کیونکہ نوجوان ملّاح کا چہرہ یہ گفتگو سُن کر غصّہ سے لال ہو رہا تھا۔

دو گھنٹے کے سفر کے بعد کشتی جزیرہ کے گھاٹ پر پہنچ گئی۔ انٹونیو نے پادری کو گود میں اُٹھا لیا اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں چل کر اُسے خشکی پر اُتار دیا۔ لیکن موریلا نے اُس کا انتظار نہیں کیا۔ اُس نے ایک ہاتھ میں اپنی کھڑاؤں لی۔ دوسرے میں ننھی ڈبائی اور گھٹنوں تک کپڑے اُٹھا، ساحل پر پہنچ گئی۔

"میں یہاں کچھ مدت ٹھہروں گا" پادری انٹونیو سے کہہ رہا تھا "انتظار کی ضرورت نہیں۔ شاید میں کل سے پہلے لوٹ نہ سکوں گا۔ موریلا! (دوشیزہ کی طرف مخاطب ہو کر) گھر لوٹ کر اپنی ماں کو سلام کہدینا۔ اسی ہفتہ میں ملاقات کو آؤں گا۔ کیا، ... سر پہلے واپس جاؤ گی؟"

"اگر ممکن ہوا" لڑکی نے اپنے کپڑے ٹھیک کرتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

اب انٹونیو بولا:

"لیکن مجھے لوٹنا ضرور ہے" اُس نے مضطرب آواز سے کہا "تاہم میں شام تک انتظار کروں گا۔ اگر آپ نہ آئے ــ میرے لئے برابر ہے"

"موریلا!" پادری نے کہا "تم ضرور واپس جانا۔ رات بھر ماں کو اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں"

موریلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ آگے بڑھی۔ پادری کا ہاتھ چوما اور اِس طرح سلام کیا کہ ملّاح بھی اُس کا مخاطب تھا لیکن انٹونیو نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ ٹوپی اُٹھا کر صرف پادری کو تعظیم دی۔ دونوں دو مختلف راستوں پر روانہ ہوگئے۔ انٹونیو تھوڑی دیر تک پادری کو دیکھتا رہا۔ پھر موریلا پر نظر جما دی، جو دھوپ سے بچنے کے لئے آنکھوں پر ہاتھ رکھے چلی جا رہی تھی۔ راستہ کی موڑ پر پہنچ کے موریلا ٹھہری اور بلندی پر سے گھوم کر پیچھے دیکھنے لگی۔ اُس کے سامنے خاموش سمندر نیلگوں فرش بچھائے پھیلا ہوا تھا۔ صبح کے سورج کی دلفریب شعاعیں اُس کی سطح پر لوٹ رہی تھیں۔ آسمان صاف شفاف تھا۔ واقعی منظر شاعرانہ اور جذبات انگیز تھا۔

لیکن قسمت کا کرشمہ دیکھو۔ موریلا کی نظریں اُٹھتے ہی انٹونیو کی چمکیلی نظروں سے جا لڑیں۔ دونوں گھبرا سے گئے۔ بیک وقت دونوں میں ایک ایسی جنبش ہوئی گویا اُنھوں نے کوئی غلطی کی ہے اور اُسے چھپانا چاہتے ہیں!

موریلا تیزی سے مڑی اور نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

(۲)

انٹونیو کو ماہی گیروں کے شراب خانے میں بیٹھے کئی گھنٹے ہوگئے وہ از حد مشغول معلوم ہوتا تھا۔ بار بار اُٹھتا تھا اور تمام راستوں پر نظر ڈال کے لوٹ آتا تھا۔

موسم میں تبدیلی شروع ہوگئی۔ وہ خیال کرنے لگا اگر رات سے پہلے ہی موسم بدل گیا تو وہ "جلد واپسی پر مجبور ہوگی۔"

جمیل (مشہور شاعر عرب)

جمیل کا عشق بثینہ سے مشہور عام ہے۔ ابو سہل ساعدی عیادت کو گیا۔ نزع کی حالت تھی۔ جمیل نے کہا "ابو سہل! ایسے آدمی کی بابت کیا کہتے ہو جو خدا سے اس حال میں ملتا ہے کہ اُسنے کسی کا خون نہیں بہایا، شراب نہیں پی، کبھی بدکاری نہیں کی۔ کیا اس کے لئے جنت کی امید ہے؟"

ساعدی نے کہا "بخدا ہاں، مگر وہ کون ہے؟"

"مجھے اُمید ہے کہ میں ہوں" جمیل نے جواب دیا۔

ساعدی نے بثینہ کا ذکر کیا۔

"دیکھو" جمیل نے آہ سرد بھر کر کہا "یہ دنیا میں میرا آخری دن ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں اگر کبھی بثینہ کی طرف میں نے بدی سے نظر کی ہو"

جب وفات بالکل قریب پہونچی تو جمیل نے اپنے ایک دوست کو بلا کے یہ وصیت کی:

جب میں مرجاؤں، تو گھر کا تمام سامان تمھارا ہے۔ صرف میرے کپڑوں کا ایک جوڑا اس سے الگ ہے۔ تم میری اونٹنی پر سوار ہو کر بثینہ کے قبیلہ میں جانا اور بلند جگہ پر کھڑے ہو کر میرے کرتے کا گریبان پھاڑ ڈالنا پھر چلا کر یہ شعر پڑھ دینا:

صدع النعی وما کنی بجمیل   وثوی بمصر ثواء غیر قفول

موت بے دھڑک آپہونچی، جمیل سے کوئی رعایت نہ کی۔ وہ اب اس طرح مقیم ہو گیا کہ کبھی واپسی نہ ہوگی۔

ولقد اجر الذیل فی وادی القری   نشوان بین مزارع ونخیل

میں وادی قری میں کھیتوں اور نخلستانوں میں خوشی خوشی پھرا کرتا تھا۔

قومی بثینۃ فاندبی بعویل   وابکی خلیلک دون کل خلیل

بثینہ! اُٹھ اور نوحہ کر۔ اپنے سب سے بڑے دوست کے لئے!

دوست نے وصیت پوری کردی۔ جمیل نے ۸۲ھ (۷۰۱ء) میں انتقال کیا۔

مہلب بن ابی صفرہ

وفات کے وقت اپنے تمام لڑکوں کو جمع کیا۔ پھر ترکش منگایا اور کہا "کیا تم یہ تمام ایک ساتھ بندھے ہوئے تیر توڑ سکتے ہو؟" اُنھوں نے کہا "نہیں" مہلب نے کہا "اگر الگ الگ ہوں؟" اُنھوں نے جواب دیا "ایک ایک تیر کا توڑنا بالکل آسان ہے" مہلب نے کہا "یہی مثال اتفاق و اتحاد اور جماعت کی ہے۔ ملے رہوگے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ الگ الگ ہو جاؤگے تو بہ آسانی ہلاک کردئے جاؤگے"

۸۳ھ (۷۰۲ء) میں فوت ہوئے

عبد الملک بن مروان

موت کے وقت اپنے بیٹے ولید سے کہا:

"دیکھ میری موت پر بیوقوف عورتوں کی طرح بیٹھ کر آنسو نہ بہانا۔ بلکہ کمر باندھنا، آستین چڑھانا، چیتے کی کھال پہن لینا۔ مجھے میرے گڑھے میں ڈالکر چھوڑ دینا۔ میں اپنا معاملہ خود چکا لوں گا۔ لیکن تم اپنے معاملہ کی فکر کرنا۔ لوگوں کو بیعت کے لئے بلانا۔ جو اپنے سر سے یوں کرے (یعنی انکار کرے) تو تم بھی اپنی تلوار سے یوں کرنا" (یعنی اُس کی گردن اُڑا دینا)

پھر یزید بن معاویہ کے دونوں لڑکوں: محمد اور خالد کو طلب کیا۔ اُن سے پوچھا "کیا ولید کی بیعت پر نادم ہو؟" اُنھوں نے جواب دیا "ہم ولید سے زیادہ کسی کو بھی خلافت کا حقدار نہیں سمجھتے" عبد الملک نے کہا "واللہ اگر تم کچھ اور جواب دیتے تو فوراً تمھارا سر اُڑا دیتا!" پھر اپنے بچھونے کا کنارا اُٹھا کر دکھایا۔ نیچے شمشیر برہنہ رکھی تھی!

یہ اُس وقت کی گفتگو ہے جب سکرات موت طاری تھی۔ عبد الملک نے کہنا شروع کیا "وہ خدا کتنا بڑا ہے جو چھوٹے بڑے سب کو پہلی سے موت دیتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

اس لفظ پر روح پرواز کر گئی۔

اصمعی کہا کرتا تھا "میں عبد الملک پر حسد کرتا ہوں۔ کیونکہ اُس نے مرتے وقت کہا تھا "خدایا! میرے گناہ اگرچہ بے شمار ہیں اور بے حد بڑے ہیں، لیکن تیرے عفو کے سامنے بہت کم اور بہت چھوٹے ہیں۔ لہٰذا مجھے معاف کردے!"

کہتے ہیں، عبد الملک نے وفات کے وقت اپنے محل کی کھڑکی سے ایک دھوبی کو کپڑے دھوتے دیکھا تھا۔ اُسنے ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگا "کاش میں اس دھوبی کی طرح ہوتا کہ اپنی روز کی کمائی سے پیٹ پالتا! کاش میں خلیفہ نہ بنا ہوتا!" پھر یہ شعر پڑھا:

لیتنی کنت قبل ما قد بدالی   فی رؤوس الجبال ارعی الوعولا

ابو حازم نے یہ قول سُنا تو کہنے لگے "الحمد للہ۔ یہ لوگ موت کے وقت اُس بات کی تمنا کرتے ہیں جو ہمیں حاصل ہے۔ لیکن ہم موت کے وقت اُن کی حالت کی آرزو نہیں کرتے!"

۸۶ھ (۷۰۵ء) میں وفات پائی۔

ابن القریہ

مشہور عرب خطیب ابن القریہ کو قتل کرنے کا حجاج بن یوسف نے حکم دیا۔ جلاد تلوار لے کر آیا۔ ابن القریہ نے کہا "خدا حاکم کی درستگی کرے! میں مرنے سے پہلے تین لفظ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں جو میرے بعد ضرب المثل ہو کر ہمیشہ زندہ رہیں گی"

حجاج نے کہا "کہہ، کیا کہتا ہے؟"

ابن القریہ نے کہا "ہر اصیل گھوڑا ٹھوکر کھاتا ہے۔ ہر تلوار کند ہو جاتی ہے۔ ہر دانا سے غلطی ہوتی ہے"

حجاج نے کہا "یہ وقت، مذاق کا نہیں ہے۔ جلاد! اپنا کام کر!"

جلاد کا ہاتھ چلا اور ابن القریہ کا سر، زمین پر تھا۔

۸۴ھ (۷۰۳ء) کا یہ واقعہ ہے۔

اخطل

مشہور شاعر اخطل سے موت کے وقت پوچھا گیا "کوئی وصیت؟" کہا "ہاں" پھر اپنے دوست فرزدق کو یہ وصیت کی:

اوصی الفرزدق عند المات   بام جریر واعیارہا

(میں موت کے وقت فرزدق کو وصیت کرتا ہوں کہ جریر کی ماں اور اُس کی سوکنوں کا خیال رکھے)

۹۰ھ (۷۰۸ء) میں فوت ہوا

امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ امام کوفہ

موت کے وقت سخت خوفزدہ ہوئے۔ لوگوں نے اعتراض کیا۔ کہنے لگے "اس حالت سے زیادہ خطرناک حالت اور کیا ہو سکتی ہے؟ ہر لحظہ دھڑکا لگا ہے کہ پروردگار کا قاصد پہونچے اور جنت یا دوزخ کی خبر دے۔ قسم خدا کی، میری تمنا ہے کہ قیامت تک میری روح یوں ہی حلق میں پھنسی رہے!"

۹۶ھ (۷۱۴ء) میں انتقال کیا

مروان بن محمد

بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان بن محمد جب عباسیوں کے ہاتھ قتل ہونے لگا تو یہ شعر کہے:

الدہر یومان: ذا امن وذا حذر   والعیش شطران: ذا صفو وذا کدر

زمانہ، دو ہی دن ہیں: امن کا دن اور اندیشہ کا دن۔ زندگی کیا ہے؟ آدھی میں خوشی، آدھی میں رنج۔

وکم علی الارض من خضر ویابسۃ   ولیس یرجم الا ما لہ ثمر

زمین پر بے شمار خشک و تر چیزیں ہیں، مگر پتھر اُسی درخت پر مارے جاتے ہیں جس میں پھل ہیں۔

قل للذی بصروف الدہر عیرنا   ہل عیر الدہر الا من لہ قدر

زمانے کے انقلاب پر طعنہ دینے والوں سے کہدو کہ زمانہ اُسی کے خلاف ہوتا ہے جو کوئی درجہ رکھتا ہے۔

الا ترى البحر تعلو فوقہ جیف   وتستقر باقصی قعرہ الدرر

تم دیکھتے نہیں دریا ہی کی سطح پر مُردے تیرتے ہیں لیکن موتی اُس کی تہ میں بیٹھے رہتے ہیں۔

وان تکن عبثت ایدی الزمان بنا   ونالنا من تجنی بؤسہ ضرر

اگر زمانے کے ہاتھوں نے ہمیں ستایا اور اُسکی سختیاں ہم پر پڑی ہیں،

ففی السماء نجوم لا عداد لہا   ولیس یکسف الا الشمس والقمر

تو کوئی تعجب نہیں۔ آسمان میں بے شمار ستارے موجود ہیں مگر گہن صرف چاند اور سورج ہی کو لگتا ہے۔

۱۳۲ھ (۷۵۰ء) میں قتل ہوا

ابو جعفر منصور

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے سفر حج میں مقام "بیر میمون" پر پہونچکر جب اپنی وفات قریب دیکھی، تو اپنے ولی عہد، مہدی کو طلب کیا اُسوقت ابو جعفر کے سامنے ایک بڑا تھیلا رکھا تھا۔ اسمیں کتابوں اور حساب کے کاغذات رہتے تھے۔ کبھی کسی شخص کو اُسے ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

ولی عہد کو دیکھ کر خلیفہ نے کہا:

"فرزند! یہ تھیلا دیکھ۔ اس کی حفاظت کرنا، کیونکہ اس میں تیرے بزرگوں کا علم محفوظ ہے۔ اس شہر (بغداد) کا خیال رکھنا۔ کسی اور شہر کو اپنا پایہ تخت نہ بنانا۔ کیونکہ یہ شہر تیرا اپنا ہے اور اس میں تیری عزت ہے۔ میں نے اُس میں تیرے لئے اتنے خزانے جمع کردئے ہیں جتنے کبھی کسی خلیفہ نے جمع نہیں کئے تھے۔ حتیٰ کہ اگر دس برس بھی تجھے سلطنت کا خراج نہ ملے تو بھی یہ خزانے جملہ مصارف کے لئے کافی سے زیادہ ہونگے۔ اِن کی حفاظت کرنا، کیونکہ اُن کی موجودگی میں تجھے ہمیشہ قوت حاصل رہے گی۔ تیرا گھر آباد رہے گا۔ لیکن میں جانتا ہوں تو اُن کی حفاظت نہیں کرے گا۔

"اپنے خاندان سے نیک سلوک کرنا۔ اُنھیں عزت بخشنا۔ اُن پر احسان کرنا۔ ان کے لئے منبر نصب کرنا۔ اُن کی چوکھٹوں پر لوگوں کو جھکانا۔ کیونکہ اُن کی عزت، تیری عزت ہے۔

"اپنے غلاموں سے نیکی کرنا۔ اپنے قریب رکھنا۔ اُن کی تعداد میں اضافہ کرنا۔ کیونکہ مصیبت کے وقت وہ تیری سپر ہونگے۔

"خراسانیوں کے بارے میں میری نیک وصیت یاد رہے۔ وہ تیرے حامی و مددگار ہیں۔ اُنھوں نے اپنی جان و مال سے تیری مدد کی ہے اُن سے اجبار تا دُور کرنا۔ اُن کی خطائیں معاف کرنا۔ اُن کے یتیموں اور بیواؤں کی خبر لینا۔

"خبردار! کوئی نیا شہر آباد نہ کرنا۔ کیونکہ تو اُسے پورا نہ کرسکے گا۔ خبردار! عورتوں کو اپنے مشورے میں داخل نہ کرنا۔ یہ میری آخری وصیت ہے"

جب دم لبوں پر آیا تو کہا "بادشاہ وہ ہے جو نہ مرے!"

۱۵۸ھ (۷۷۵ء) میں انتقال کیا

امام سفیان ثوری رح

موت کے وقت نہایت مضطرب تھے۔ کہا گیا "ابو عبد اللہ! یہ اضطراب کیوں؟ کیا آپ اُس ذات کے پاس نہیں جارہے ہیں، جس کی آپنے ہمیشہ عبادت کی اور ہمیشہ اُسی کی طرف بھاگتے رہے؟"

کہنے لگے "تمھارا بھلا ہو! میں ایک ایسے راستہ میں سفر شروع کرنے والا ہوں، جسے میں نہیں جانتا اور اُس پروردگار کے روبرو پہنچنے والا ہوں، جسے میں نے دیکھا نہیں ہے!"

۱۶۱ھ (۷۷۸ء) میں وفات پائی۔

عبد اللہ بن عبد العزیز

موت کے وقت کہنے لگے "خدا کی نعمت کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر پیدا

بصائر و حکم

عالمِ انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقاتِ وفات میں

اکابر تاریخ اسلام کے مختصر وفیات

ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

وفات کے قریب آپ نے اپنی وصیت لکھوائی اور حضرت عثمان اور ایک انصاری کے ہاتھ مسجد میں بھیج دی تاکہ مسلمانوں کو سُنا دی جائے۔ وصیت حسب ذیل تھی:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ ابوبکر بن ابی قحافہ کی وصیت ہے جبکہ وہ دنیا سے رخصت ہو رہا تھا اور آخرت میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ ایسے وقت کی وصیت ہے جبکہ منکر ایمان لے آتا، فاجر بدبختی میں پڑتا، اور جھوٹا بھی سچ بولنے لگتا ہے۔ میں نے تم پر عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کو امیر بنایا ہے۔ اگر وہ عدل کرے اور تقویٰ برتے، تو اُس کی بابت میرا یہی گمان اور یہی امید ہے۔ لیکن اگر وہ بدل جائے، تو میں نے تمہاری بھلائی چاہی ہے۔ غیب کا علم، خدا کے سوا کسی کو نہیں"

اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے "میرے والد مرضِ موت کے آخری دنوں میں بے ہوش ہو گئے۔ میری زبان سے بے اختیار نکل گیا" افسوس، میرے باپ کو سخت بیماری لاحق ہو گئی ہے" اتنے میں ان کی آنکھ کھل گئی تو فرمایا "نہیں، یہ بیماری نہیں ہے؛ وہ چیز ہے جس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے وجاءت سکرۃ الموت بالحق، ذلک ما کنت منہ تحید۔ پھر پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفنایا گیا تھا؟ میں نے عرض کیا، تین کپڑوں میں۔ پھر پوچھا، انھوں نے کس دن وفات پائی تھی؟ عرض کیا۔ پیر کے دن۔ پوچھا، آج کونسا دن ہے؟ میں نے کہا۔ پیر کا دن ہے۔ فرمایا: میں خدا سے امید کرتا ہوں کہ آج رات اور دن کے درمیان میری موت واقع ہو جائے۔ پھر اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا اور کہا: دو مزید کپڑے ملا کر انہی میں مجھے کفنا دینا۔ میں نے کہا۔ یہ تو پُرانا ہے۔ فرمایا: الحی احوج الی الجدید من المیت انما ہو للمہنۃ والصدید۔ زندہ انسان بمقابلہ مردہ کے نئے کپڑے کا زیادہ حاجت مند ہے۔ اور کفن تو ریم اور خون کے لئے ہے!

جب وفات ہوئی تو یہ دعا یوسفی آپکے زبان پر تھی: "توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین! خدایا! اس حالت میں موت دے کہ مسلم ہوں، یعنی تیرا فرمانبردار ہوں، اور ایسا کر کہ صالح انسانوں کے ساتھ میرا شمول ہو!

تاریخ وفات ۱۳ھ (۶۳۴ء)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت اپنے صاحبزادے عبداللہ سے فرمایا:

"میرا چہرہ زمین پر رکھدے، شاید خدا مجھ پر مہربان ہو جائے اور رحم کرے!"

آخری کلمہ وصیت اہل ذمہ یعنے غیر مسلم رعایا کی نسبت تھا:

"میں اپنے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ غیر مسلم رعایا کے لئے اللہ اور اُس کے رسول کی ذمہ داری یاد رکھے۔ اُن سے جو اقرار کئے گئے ہیں، ہمیشہ پورے کئے جائیں، اُن کی اُن کے دشمنوں سے حفاظت کی جائے، اُن پر کبھی سختی نہ کی جائے"

تاریخ وفات ۲۴ھ (۶۴۴ء)

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

جب قتل کا یقین ہو گیا تو حضرت علی کو خط لکھا:

"سیلاب، چوٹی تک پہنچ گیا۔ معاملہ، حد سے تجاوز کر گیا۔ خط دیکھتے ہی میرے پاس آؤ۔ موافقت میں یا مخالفت میں"

خط کے آخر میں یہ شعر لکھا:

فان کنت ماکولا فکن خیر آکل والا فادرکنی ولما امزق

(اگر میرے لئے یہی صورت رہ گئی ہے کہ میں کسی کا نوالہ بنوں تو سب سے بہتر کھانے والے تم بنو۔ ورنہ میرے ٹکڑے اڑ جانے سے پہلے مجھے آکر بچالو)

۳۵ھ (۶۵۵ء) میں شہید ہوئے

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت بہت حسرت ظاہر کرنے لگے۔ لوگوں نے کہا "اے ابو عبدالرحمن! آپ کو کس چیز پر افسوس ہے؟ جواب دیا "میں دنیا پر افسوس نہیں کرتا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک وصیت کی تھی۔ فرمایا تھا "تمھارے پاس مسافر کے زادِ راہ بھر سامان ہونا چاہئے" میں ڈرتا ہوں، ہم نے اس وصیت پر عمل نہیں کیا۔ کیونکہ میرے گرد یہ چیزیں جمع ہیں"

یہ کہہ کر گھر کے سامان کی طرف اشارہ کیا۔ دیکھا گیا تو گھر میں کُل سامان، ایک تلوار، ایک طشت، ایک پیالہ تھا!

۳۶ھ (۶۵۶ء) میں انتقال ہوا

امام حسن علیہ السلام

وفات کے وقت بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا شروع کیا۔ ایک صاحبزادے نے عرض کیا "آپ بھی دنیا پر افسوس کرتے ہیں؟" فرمایا "فرزند! دنیا پر نہیں، خود اپنے نفس پر افسوس کرتا ہوں، کیونکہ اُس جیسی کوئی چیز مجھے کبھی نہیں ملی!"

۵۰ھ (۶۷۰ء) میں انتقال کیا

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت رونے لگے۔ سبب پوچھا گیا۔ کہا:

"اس لئے روتا ہوں کہ سفر بہت دراز ہے، زادِ راہ بہت کم ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ نہیں معلوم جنت میں مقام ہوگا یا دوزخ میں؟"

۵۹ھ (۶۷۸ء) میں فوت ہوئے

سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت اپنی اولاد سے کہا "میری وصیت کون قبول کرے گا؟" بڑے نے کہا "میں" کہنے لگے "میرا قرضہ ادا کرنا ہوگا" پوچھا "کتنا ہے؟" کہا "۸۰ ہزار دینار!" پوچھا "کیوں لیا تھا؟" جواب دیا:

"دو قسم کے آدمیوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں: شریف النفس غریبوں کی۔ اور حیا سے سوال نہ کر سکنے والوں کی۔ یہ مجبور ہو کر آتے تھے۔ مگر شرم سے مانگ نہ سکتے تھے۔ فرطِ حیا سے چہرہ سُرخ ہو جاتا تھا۔ میں سوال سے پہلے ہی اُنھیں دے دیتا تھا"

۵۹ھ (۶۷۸ء) میں فوت ہوئے۔

سعید بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

بڑے خود دار اور بلند ہمت تھے۔ مرض الموت میں مشورہ دیا گیا "بیمار، کراہنے سے راحت پاتا اور طبیب سے اپنی حالت بیان کرنے سے مطمئن ہوتا ہے"

کہنے لگے "کراہنا، بزدلی ہے، عیب ہے۔ خدا ہرگز میرا کراہنا نہیں سُنے گا تاکہ اُس کے حضور بزدل نہ ٹھہروں۔ رہا طبیب، تو واللہ، خدا کے سوا کسی کو بھی اپنے اوپر اختیار نہیں دوں گا۔ خدا چاہے تو مجھے رکھے، چاہے اُٹھا لے!"

ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ

فالج میں مبتلا ہوئے۔ کہا گیا "دوا کیوں نہیں کرتے؟" جواب دیا "میں دوا کا فائدہ جانتا ہوں، مگر نہ مریض ہی زندہ رہے گا نہ طبیب پھر دوا کیوں کروں؟"

۶۴ھ (۶۸۳ء) میں وفات پائی

معاویہ بن یزید بن معاویہ

وفات کے وقت مشورہ دیا گیا "اپنے خاندان میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کر جائیے"

جواب دیا "میں نے خلافت سے نہ زندگی میں فائدہ اُٹھایا نہ مرنے کے بعد اُس کا بوجھ اُٹھاؤں گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ بنی امیہ اُس کی شیرینی لیں اور میرے حصے میں تلخی آئے"

۶۴ھ (۶۸۳ء) میں وفات پائی۔

(بقیہ مضمون صفحہ)

کو اُٹھا لینا چاہا۔ مگر فوراً ہی اُسی تیزی سے اپنا داہنا ہاتھ نکالے پیچھے ہٹ گیا۔ اُس کے ہاتھ سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ مُوریلا نے اُسے پُوری قوت سے کاٹ کھایا تھا۔

"ہا! ہا!" موریلا قہقہہ مار کر ہنسی:

"مجھے تیرا حکم ماننا پڑے گا؟" وہ جوش سے چلائی "میں تیری لونڈی ہوں؟"

یہ کہہ کر وہ خود سمندر میں پھاند پڑی۔ ملاح کی نظروں سے غائب ہو گئی پھر نمودار ہوئی۔ اُس کے کپڑے جسم سے چمٹ گئے تھے۔ بال کھل گئے تھے بڑی طاقت و مہارت سے تیر رہی تھی۔ اُس نے کوئی لفظ نہیں کہا۔ کشتی سے دُور ہونے لگی۔ ساحل کی طرف جانے لگی۔

مغلوبین تک پڑہی۔

قرأت ختم ہونے پر اُن میں سے ایک نے اور بھی زیادہ خوش الحانی مگر عجمیت کے ساتھ ایک دعا مانگی۔ اسمیں سلطان محمد فاتح کا ذکر تھا جو اس مسجد کا گویا بانی ہے۔ نیز ایک اور سلطان کا بھی نام لیا مگر ہم سمجھ نہ سکے۔

ترک خطیب

اب خطیب منبر پر کھڑا ہوا۔ خطبہ دیا۔ یہ خطبہ عربی زبان میں تھا۔ مگر اس کا لہجہ عربوں کے لئے ناقابل فہم تھا۔ ہم خطبہ کا صرف پہلا جملہ سمجھ سکے جو یہ تھا: "الحمد للہ، الحمد للہ، الحمد للہ الذی انعم علی المومنین بختم القرآن"

خطیب نے خطبہ کے آخر میں "جیوش المسلمین وعساکر الموحدین" کے لئے دعا کی اور ترکی جمہوریت کے بقا و دوام کی التجا پر خطبہ ختم کیا۔

ترک نمازی

ترک نمازیوں کے آداب دیکھ کر میں بہت متأثر ہوا۔ نہایت ہی عقیدت و احترام کے ساتھ صفوں میں بیٹھے تھے۔ از حد خشوع و خضوع، اُن پر طاری تھا، حالانکہ وہ خطبہ و تلاوت میں سے ایک لفظ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ یہ بہادر قوم، اپنے ایمان میں نہایت راسخ ہے۔ لباس اور وضع قطع میں کتنی ہی تبدیلی ہو جائے، مگر اُس کے ایمان میں کوئی تزلزل نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت یہ قوم، تمام مسلمانوں کے لئے قابل فخر ہے۔

نمازی عورتیں

مسجد کے آخری حصہ میں عورتوں کے لئے ایک جگہ خاص کر دی گئی ہے یہ جگہ بھی بھری ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ بوڑہی عورتیں ہی نماز کی طرف زیادہ راغب ہوتی ہیں۔ چنانچہ اِن میں اکثر عورتیں بوڑہی تھیں۔ شاید قدیسہ صوفیہ ایسی ہی نمازی عورتیں اپنے معبد میں دیکھنا پسند کرتی ہے!

مسجد میں عربی تحریریں

اوپر لکھ چکا ہوں کہ مسیحی نقوش کی جگہ جا بجا قرآنی آیتیں اور عربی عبارتیں لکھ دی گئی ہیں۔ چنانچہ درمیانی قبہ کے مرکز کے گرد یہ آیت خط ثلث میں کندہ ہے۔ "اللہ نور السموات والارض، مثل نورہ کمشکاۃ فیہا مصباح، المصباح فی زجاجۃ، الزجاجۃ کأنہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لاشرقیۃ ولاغربیۃ"

محراب میں یہ آیت لکھی ہے "فاسجدوا للہ واعبدوا"

دیواروں پر جا بجا "اللہ، محمد، ابو بکر، عمر، عثمان، علی، حسن، حسین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے اسمار گرامی درج ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی تختیاں آویزاں ہیں، اور اُن میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور بہت سی عربی نصیحتیں لکھی ہیں۔

یہ تمام کتبے، فن خطاطی کے اعلیٰ ترین نمونے ہیں۔ شاید ہی کہیں اُن کی نظیر مل سکے۔

ایک عجیب وصف

ایا صوفیہ کی عمارت میں یہ عجیب ہندسی وصف موجود ہے کہ اُس میں آواز کتنی ہی آہستہ بلند ہو، اُس کی بازگشت خوب بلند اور بالکل صاف ہوتی ہے۔ چنانچہ امام کے پورے خطبے کی بازگشت در و دیوار سے صاف سنائی دیتی تھی۔ یہ وصف ہم نے کسی دوسری عمارت میں نہیں دیکھا۔

ایا صوفیہ کو کنیسہ بنانے کی برطانی کوشش

ایا صوفیہ کو دوبارہ کنیسا بنا دینے کی کوشش یورپ مدت سے کر رہا ہے مگر سب سے زیادہ خطرناک اور آخری کوشش اُس وقت کی گئی تھی، جب جنگ عمومی کے بعد اتحادیوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ مسجد کے بالکل قریب اب تک دو چوبی فوجی بارکیں موجود ہیں۔ خالی اور اجاڑ پڑی ہیں وضع سے برطانی فوجوں کی معلوم ہوتی ہیں۔ انھیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مکان اس غرض سے بنائے گئے تھے کہ اِن میں انگریز سپاہی رہیں گے، تاکہ مسجد میں نمازیوں کو داخل ہونے سے باز رکھیں۔ اُس وقت اتحادیوں نے یہ مجنونانہ فیصلہ کر لیا تھا اور امروز فردا میں اُس کا اعلان کرنا چاہتے تھے۔ مگر بر وقت ترکوں کو خبر لگ گئی۔ اُن کے کئی ہزار آدمی مسجد میں جمع ہو گئے اور طے کر لیا کہ موت سے پہلے ایا صوفیہ کو گرجا بننے نہیں دیں گے۔ اُنکے ارادے کی خبر ہوا کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی اور عام شورش کا سامان ہونے لگا۔

اتحادی ڈر گئے اور اپنا فیصلہ کسی دوسرے مناسب موقعہ کے لئے ملتوی کر دیا۔ اُنھیں یقین تھا، سال دو سال بعد پوری طرح قابو حاصل کر کے یہ کارروائی کر سکیں گے۔ مگر مشیئت الٰہی اس کے خلاف تھی۔ اتحادیوں کو نامراد قسطنطنیہ خالی کر دینا پڑا۔ ایا صوفیہ آج تک مسجد ہی ہے اور انشاء اللہ مسجد ہی رہے گی۔

دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزائے قتل

ایک خط کے جواب میں

الہلال نمبر ۱۲ میں۔ ایک عزیز طالب حق کی جو مراسلت درج کی گئی تھی، افسوس ہے کہ پے در پے سفر اور علالت طبع کی وجہ سے اُس کی طرف متوجہ ہونے کی مہلت نہیں ملی۔ اب اس کے لئے وقت نکال سکا ہوں۔

مذہب اور پیروان مذہب

میرا خطاب عزیز موصوف سے ہے۔

افسوس ہے، اس خط میں آپنے اپنے جو تأثرات ظاہر کئے ہیں، وہ اُسی اصولی غلطی کا نتیجہ ہیں جس سے پرہیز کرنے کا آپنے ارادہ کیا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب آپ پہلے پہل مجھ سے ملے، اور اپنے دل کے شکوک و اضطراب مجھ پر ظاہر کئے، تو میں نے بعض مقدمات آپکے ذہن نشین کرنے چاہے تھے۔ میں نے کہا تھا کہ یہ وہ بنیادی مقدمات ہیں جن کے بغیر آج طلب حقیقت کی راہ میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جا سکتا۔ من جملہ اُن مقدمات کے ایک مقدمہ یہ تھا کہ مذہب اور پیروان مذہب کا امتیاز ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ ایک چیز نہیں ہے۔ مذہب کے بارے میں ہماری دو تہائی مایوسیاں صرف اسی غلطی کا نتیجہ ہوتی ہیں کہ ہم بسا اوقات اِن دونوں کا عددی اختلاف بھول جاتے ہیں۔ میں سب سے پہلی بات جو آپکے علم میں لانی چاہتا ہوں یہ ہے کہ آپنے جستجوئے حقیقت میں ایک بنیادی صداقت معلوم کی تھی اور اب اُس کا سر رشتہ آپکے ہاتھ سے چھوٹا جا رہا ہے اور افسوس ہے کہ آپ متنبہ نہیں ہیں۔

آپ لکھتے ہیں "ایک بڑی مشکل ہم لوگوں کی راہ میں یہ ہے کہ آپ جیسے بزرگ اسلام کی تعلیم اور اسپرٹ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، وہ جب دوسرے مسلمانوں کی تعلیم میں ڈھونڈہی جاتی ہے تو نہ صرف یہ کہ نہیں ملتی بلکہ ایسی ایسی باتیں سامنے آتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند دماغ شک و شبہ کے طوفان سے محفوظ نہیں رہ سکتا" سوال یہ ہے کہ اسلام کی جو تعلیم آپکے علم میں آئی ہے، اگر فی الحقیقت آپ مطمئن ہو گئے ہیں کہ وہ اسلام کی تعلیم ہے، تو پھر آپ دوسرے "مسلمانوں" کی تعلیم میں اُسے ڈھونڈہنا کیوں چاہتے ہیں؟ آپ کو "اسلام" کی تعلیم کی تلاش ہے، یا "مسلمانوں" کی تعلیم کی؟ یقیناً یہ دونوں چیزیں ایک نہیں ہو سکتیں۔ ایک چیز تعلیم بہ حیثیت تعلیم کے ہے اور ایک چیز اُسکے پیروں کا فہم و عمل ہے۔

اگر آپ کو اسلام کی تعلیم کی جستجو ہے، تو وہ دنیا کی ہر تعلیمی حقیقت کی طرح صرف اپنے حقیقی سرچشمہ ہی میں ڈھونڈہی جا سکتی ہے، نہ کہ انسانوں کی تعلیم میں اگرچہ وہ انسان اپنے اعتقاد میں مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر آپکی اُس سرچشمہ تک رسائی ہو گئی ہے (اور کم از کم میرا تأثر آپکی نسبت یہی تھا کہ آپ کو اس کا اعتراف ہے) تو اسکے یہ معنی ہیں کہ آپ اسلام کی تعلیم معلوم کرنے کے لئے خود اسلام تک پہنچ گئے ہیں، اور اس صورت میں آپکے لئے صرف یہی رہ جاتا ہے کہ خود اسلام سے اسلام معلوم کریں، اور جب معلوم ہو گیا تو جہاں تک اسلامی تعلیم کا تعلق ہے، آپکی جستجو ختم ہو جائے۔ بلاشبہ آپ کے لئے یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ زندگی میں اُس کا عمل تلاش کریں۔ لیکن "عمل" تلاش کریں۔ یہ نہیں کہ مسلمانوں کے "عمل" کو "اسلام" کی تعلیم قرار دے دیں۔ اگر مسلمانوں کی زندگی میں آپ کو اُس کا عمل نظر آئے، تو آپکو یہ رائے قائم کرنی چاہئے کہ اسلام کی تعلیم پر دنیا کی مسلمان نامی جماعت عمل کر رہی ہے۔ نہ نظر آئے تو افسوس کرنا چاہئے، اور سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا کی عالمگیر گمرہیوں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ مسلمان نامی جماعت بھی اسلام کی تعلیمات پر عامل نہیں۔ میں نہیں سمجھتا یہ قدرتی اور سچا طریقہ چھوڑ کر آپنے غلط روی اور کج اندیشی کی راہ کیوں اختیار کی؟ جہاں آپکو "عمل" دیکھنا چاہئے، وہاں آپ "تعلیم" ڈھونڈہتے ہیں، اور جہاں سے "تعلیم" کی حقیقت کا سراغ مل سکتا ہے، اسے اپنے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں؟

عزیز من! میری وہ بات یاد کیجئے جو میں نے بار بار آپکے ذہن نشین کرنی چاہی تھی: دنیا کی کوئی تعلیمی صداقت بھی ایسی نہیں ہے جسکے پیروں کا فہم و عمل حجت قرار دے کر ہم حقیقت کی طرف قدم بڑھا سکتے ہوں۔ مذہب کو چھوڑئیے۔ دنیوی اور مادی علوم و صنائع کا کوئی محدود سے محدود گوشہ لے لیجئے۔ کیا اس طریقہ سے ہم ان گوشوں میں بھی حقیقت کی طرف قدم اُٹھا سکتے ہیں؟ جب دنیا کے ایک معمولی مصنف یا عالم کی کتاب کے لئے لاکھوں کروڑوں انسانوں کا فہم دادعا کچھ مفید نہیں ہو سکتا، اگر کوئی ایسی بات بیان کی جائے جو خود اُس کتاب میں موجود نہ ہو، تو مذاہب عالم کے لئے جن پر انسانی فہم و استعداد کے تغیرات و حوادث کی صدیاں گزر چکی ہیں اور لاکھوں کروڑوں افراد کے اعمال و ظروف سے نسلاً بعد نسل اُن کے تعلیمی حقائق متأثر ہو چکے ہیں کسی فرد یا جماعت کا فہم و عمل حجت ہو سکتا ہے؟

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم

(۳۰:۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

قدیم قسطنطنیہ پر ایک جدید نظر!

(مصری اہل قلم استاذ مرسی محمود کے قلم سے)

مسجد ایا صوفیہ

سیاحان عالم نے ہمیشہ اعتراف کیا ہو کہ ایا صوفیہ کے مشاہدے سے تعمیری و معنوی جلال و جمال کی جو عظمت انسان کے دل و دماغ کو مسخر کرلیتی ہو، وہ دنیا کی کسی موجودہ عمارت میں نہیں پائی جاتی۔ لندن کے دسٹمنسٹر، پیرس کے ناٹرڈیم، رومہ کے کینسے، ایتھنز کے کرلول، اقصر کے معبد کرنک، الحمرا کے محل، کوئی بھی اُس نوعیت کی تاثیر نہیں رکھتا، جو ایا صوفیہ کے لئے مخصوص ہی۔ میں نے جلیل القدر توتاخن آمن کی لاش اُس کے پُرشوکت مقبرے میں دیکھی ہو، وہ مقبرہ جس کے اکتشاف نے دُنیا بھر کے اعصاب ہلا دئے ہیں۔ لیکن میرے دل پر وہ اثر نہیں پڑا جو کل ایا صوفیہ کے مشاہدے سے محسوس ہوا تھا اور جو شاید زندگی بھر محسوس ہوتا رہیگا!

کنیسۂ ایا صوفیہ، اب مسجد ایا صوفیہ بن گیا ہو۔ یہی بہتر اور مناسب بھی تھا۔ کیونکہ قدیسۂ صوفیہ، جس کے نام پر یہ عمارت بنائی گئی ہو، عرف و عادت کے اعتبار سے، ایک مستقل معبد بننے کی مستحق نہیں ہو۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۷)

دُنیا میرے قدموں کے نیچے آجائے تو بھی میں اُسے لینے والا نہیں کیونکہ میں ہمیشہ اسی دن سے ڈرتا رہا ہوں جو آج درپیش ہو"

۲۸۰ھ (۸۹۳ء) میں انتقال کیا

سیبویہ امام نحو

مشہور نحوی سیبویہ نے وفات کے وقت یہ شعر پڑھا:

یؤمل دنیا لتبقی لہ ۔۔۔ فمات المؤمل قبل الامل

آرزو کرنے والے نے آرزو کی کہ دنیا ہمیشہ باقی رہو۔ لیکن آرزو سے پہلے ہی آرزو کرنے والا مرگیا۔

یہ کہہ کر بیہوش ہوگئے۔ سر بھائی کے زانو پر تھا وہ رونے لگے۔ انھوں نے آنکھ کھول دی۔ اُن کے آنسو دیکھ کر کہا:

وکنا جمیعا فرق الدہر بیننا ۔۔۔ الی الامد الاقصی فمن یامن الدہرا

ہم سب ساتھ تھے، زمانے نے ہمیشہ کے لئے جُدا کردیا۔ پس زمانے پر کون بھروسہ کرسکتا ہو؟

۱۸۶ھ (۸۰۲ء) میں وفات پائی۔

یہ عظیم کنیسا، جسے کوسٹنیان نے شہیدۂ قدیسہ صوفیہ کی یادگار بنانے کے لئے تعمیر کیا تھا، اور جسے عظیم اسلامی بادشاہ محمد ثانی نے مسجد بنادیا، صدیوں پر صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اپنے مسیحی مظاہر و خصوصیات برقرار رکھے ہوئے ہو۔ ابتک یہ پُورا کنیسا ہو۔ اُس کی صلیبی شکل بدستور قائم ہو۔ اُس کے مختلف حصے، جن کی ترتیب و تنسیق میں صلیبی شکل مدنظر رکھی گئی ہو، ابتک اپنی صلیبیت ہی پر باقی ہیں۔ اُس کے ستون ابتک کوسٹنیان اور اُس کی ملکہ کے نشان وفاداری کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ اُس کے اندر دونوں پہلوؤں میں بپتسمہ دینے کے حوض اب تک موجود ہیں۔ یہ سنگ مرمر کے ہیں۔ اُن کی شکل مرتبانی ہو۔ ان میں آج نمازی عورتیں وضو کرتی ہیں۔ اُس کی دیواروں پر مقدس نقوش بھی اب تک نظر آتے ہیں، اگرچہ ترکوں نے اُنھیں محو کرنے کی کوشش کی تھی۔ حضرت مریم (علیہا السلام) کی تصویر آج بھی اپنی موثر آنکھوں سے نمازیوں کی صفیں دیکھنے کے لئے موجود ہو۔ ترکوں نے اُس کا مصورانہ نقشہ مٹانے کی کوشش کی کیونکہ اسلام کی عبادت گاہ اس نشانِ شرک کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی، مگر پوری طرح نہ مٹ سکا شاید یہ اُس کا "معجزہ" ہو کہ وہ ایک ایسے تاریک حصے میں ہو جہاں سے وہ سب کو دیکھتی ہو، مگر اُسکو سب دیکھ نہیں سکتے!

یہ عجیب اتفاق ہو کہ اُس کی محراب ۔ حالانکہ وہ کنیسا تھی ۔ بغیر کسی ترمیم کے مسجد کی محراب بن گئی۔ کیونکہ ٹھیک قبلہ کی سمت میں واقع تھی۔ یہی سبب ہو کہ نماز میں تم اپنے آپ کو ایسے رنگین شیشوں کے سامنے پاؤگے جو صرف کنیسوں ہی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ تمھاری نگاہ جدھر اُٹھے گی، آیات قرآنی اور عربی عبارتیں نظر آئیں گی، مگر تم یہی محسوس کروگے کہ مسجد میں نہیں، مسیحی کنیسے میں ہو۔ کیونکہ ایا صوفیہ کی مجموعی ہیئت اب تک بالکل کنیسے ہی کی ہو۔

اس محراب کے قریب، جو صلیب کا سر پیش کرتی ہو، سنگ مرمر کا وہ منبر ابتک قائم ہو جس پر مسیحی خطیب کھڑا ہوتا تھا۔ اسی کے بالمقابل ایک اور منبر بنایا گیا ہو۔ اُس پر اسلامی خطیب کھڑا ہوتا ہو۔ یہ دونوں منبر گویا تاریخ کے دو اہم صفحے ہیں اور کبھی محو ہونے والے نہیں!

مسجد کے ساتوں فولادی پھاٹک اتنے عظیم الشان ہیں کہ مستحکم قلعوں کے پھاٹک معلوم ہوتے ہیں۔ ہر پھاٹک کی فولادی چادر پر صلیب بنی تھی، ترک فاتحوں نے اُس کا اُفقی خط مٹا دیا ہو۔ لیکن طولی خط آجتک ویسا ہی موجود ہو جیسا قدیم عہد میں تھا۔

میں زیادہ تفصیل کرنی نہیں چاہتا۔ کیونکہ بے فائدہ ہو۔ کتنی ہی کوشش کروں، قارئین، اصلیت کا عشر عشیر بھی تصور نہ کرسکیں گے۔ مختصر یہ ہو کہ سابق کا یہ کنیسا اور حال کی مسجد، ایک ایسی عمارت ہو جس سے زیادہ خوبصورت اور شاندار عمارت، انسانی آنکھ اس وقت صفحۂ زمین پر کہیں نہیں دیکھ سکتی۔

بازلیک

ایا صوفیہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کا ہم نے ارادہ کیا۔ لیکن مسجد میں جانے سے پہلے بازلیک میں داخل ہوئے۔ بازلیک، ایا صوفیہ کے قریب واقع ہو۔ یہ دراصل زمین کے نیچے ایک بہت بڑا حوض یا زیر زمینی حوض کا تالاب ہو۔ تقریباً ۳۳۶ ستونوں پر قائم ہو۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ دشمن کے محاصرے کے وقت اس میں پانی محفوظ رکھا جائے، تاکہ شہر پیاس سے ہلاک نہ ہوجائے۔ یہ تالاب، ایک سُرنگ کے ذریعہ، آیا صوفیہ سے ملا دیا گیا ہو اور آسانی سے آمد و رفت ممکن ہو۔

ایا صوفیہ میں نماز جمعہ

بازلیک کی سیر سے فارغ ہوکر ہم نماز جمعہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ہمیں یہ دیکھنے کا از حد شوق تھا کہ ترکی کے موجودہ اجتماعی انقلاب کے بعد ہیٹ پوش ترک نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر پڑھتے ہیں تو ہیٹ کے ساتھ کیونکر پڑھتے ہیں؟

لیکن مسجد میں داخل ہوتے ہی ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی ہم نے دیکھا، مسجد نمازیوں سے لبریز ہو۔ جب کبھی ایا صوفیہ کی بابت کہا جائے کہ لبریز ہی، تو سمجھ لینا چاہئے کہ ہزارہا آدمی اُس میں موجود ہیں۔ ممکن ہو ۱۰ ہزار ہوں۔ ممکن ہو بیس ہزار ہوں۔ ممکن ہو ۵۰ ہزار ہوں۔ تعداد کا صحیح اندازہ کون کرسکتا ہو؟

یہ دیکھ کر ہمیں اور بھی تعجب ہوا کہ سب ہیٹ پہنے ہیں۔ اُسوقت ہمیں معلوم ہوا کہ ترکوں نے جو ہیٹ پہنی ہو، وہ یورپین ہیٹ نہیں ہو۔ ترکوں نے اُسے بھی ایا صوفیہ کی طرح مسلمان کرلیا ہو۔ یہ ہیٹ، مسجد میں بھی اُنکے سروں پر موجود تھی۔ اور اللہ کی عبادت سے روک نہیں سکتی تھی!

ابھی ہماری حیرت بدستور باقی تھی۔ ہم سوچتے تھے، اس ہیٹ کے ساتھ لوگ نماز کیسے پڑھیں گے؟ لیکن ہم نے دیکھا، جو آدمی نماز کے لئے اُٹھتا ہو، ہیٹ اپنے سامنے رکھ لیتا ہو اور جیب سے معمولی کپڑے کی ٹوپی نکالکر پہن لیتا ہو۔ بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس خاص ٹوپیاں نہ تھیں۔ وہ رومال سر پر باندھ لیتے تھے۔ خود ہم نے بھی اسی طرح نماز پڑھی۔ بعض ایسے بھی تھے جو نرم ہیٹ پہنے تھے۔ انھوں نے نماز کے وقت اپنی ٹوپیاں گھمادیں۔ بلند کنارا پیچھے کردیا اور پست کنارا سامنے، تاکہ رب العالمین کے حضور اپنا ماتھا زمین پر رکھ سکیں!

ترک قاری

ہم اسلامی اور مسیحی دونوں منبروں کے مابین بیٹھے۔ ہم سے کچھ فاصلہ پر سنگ مرمر کے ۶ بلند پایوں پر ایک وسیع بیٹھک تھی۔ اُس پر چار ترک قاری بیٹھے خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ ہر قاری ایک ایک گوشہ میں تھا۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں تلاوت کرتے تھے۔ ترتیب یہ تھی کہ پہلے ایک قاری پڑھتا۔ پھر اُسی کا اعادہ باری باری باقی تینوں قاری کرتے تھے۔ آخر میں سب ملکر کہتے "سبحان اللہ، الحمد للہ، ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر"

میں نے اپنے عرب رفقاء کا امتحان لینا چاہا۔ اُن سے پوچھا یہ لوگ کون سورتیں پڑھ رہے ہیں؟ مگر وہ جواب نہ دے سکے۔ لیکن ہمیں بالآخر معلوم ہوگیا کہ وہ سورۂ الم نشرح اور اُس کے بعد کی سورتیں پڑھ رہے تھے۔ آخر میں اُنھوں نے سورۂ فاتحہ تلاوت کی۔ پھر سورۂ بقرہ،

ایک هفته وار مصور رساله

نمبر ۱۷ — کلکته : جمعه ۱۷ - ربیع الثانی ۱۳٤٦ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 14. October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکهتی ۔

طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای ۔

پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی ۔ اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی هین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین ۔ لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکهیی ۔ طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی ۔ ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱٤۰۱ مراسلات وصول هوی هین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین ۲۰۷ — اردو حروف کی حق مین ۳۹۰

موجوده مشترك طباعة کی حق مین ٤٢٤ — حروف کی حق مین بشرطیکه نستعلیق هون ۱٤۰

پتهر کی چهپائی کی حق مین ۲٤۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی ۔

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی ۔ آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی ۔ مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین ۔ الهلال

طریقِ جدل اور طریقِ ہدایت

معلوم نہیں آپکو وہ بات بھی یاد رہی یا نہیں جو میں نے گذشتہ سال آپکے ذہن نشین کرنی چاہی تھی؟ اس راہ میں بحث و جستجو کے ہمیشہ سے دو طریقے رہے ہیں۔ ایک طریقہ وہ ہے جسے قرآن نے اپنی زبان میں "جدل" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ دوسرا طریقہ وہ ہے جسے "ہدایت" کے لفظ سے پکارا ہے۔ "جدل" کے معنی لڑنے جھگڑنے کے۔ "ہدایت" کے معنی سیدھی اور سچی راہ اختیار کرنے کے۔

وہ تمام لوگ جو حقیقت و صداقت کے متلاشی نہیں ہوتے بلکہ کسی خاص خیال اور جذبہ سے اپنی کوئی بات منوانی اور دوسرے کی کوئی بات گرادینی چاہتے ہیں، طریقِ جدل پر عامل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپکو کتنا ہی حق کا طالب و مطیع ظاہر کریں، لیکن فی الحقیقت وہ حق کے نہیں، اپنی ہوائے نفس کے مطیع ہوتے ہیں۔ وہ سچائی کے متلاشی نہیں ہوتے کہ ہر موقعہ پر اُس کے ظہور و علم کے منتظر رہیں۔ وہ محض اپنے کسی ٹھہرائے ہوئے خیال اور اعتقاد کے بُجاری ہوتے ہیں، اور اس لئے ہمیشہ اسی ڈھونڈھ میں لگے رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنی بات منوادیں۔ مذاہب عالم کے پُرجوش حامیوں، مذہبی مجالس کے زبان دراز مناظروں اور مذہبی بحث و نظر کے بنائے ہوئے نام نہاد علوم میں دسترس رکھنے والوں کا غالب حصہ اسی طریقِ جدل کی پیداوار ہے۔

لیکن دوسرا طریقہ طریقِ "ہدایت" ہے۔ یہ اُن لوگوں کی راہ ہے جو سچ مچ کو سچائی اور حقیقت کے متلاشی ہوتے ہیں، اور منوانے کے لئے نہیں بلکہ ماننے کے لئے قدم بڑھاتے ہیں۔ وہ نہ تو کوئی خاص فریقانہ جذبہ رکھتے ہیں، نہ کوئی خاص فریقانہ دعویٰ۔ نہ تو اُنھیں کسی خیال اور رائے کی برتری ثابت کردینے کی پچ ہوتی ہے، نہ کسی خاص خیال اور رائے کو ترک دینے کا جوش۔ اُن کی طلب، اُن کی جستجو، اُن کا اعتقاد، اُن کا مشرب، اُن کا حلقہ، اُن کی تمام کدوکاوش کی غرض و غایت، صرف یہی ہوتی ہے کہ حق کی تلاش کی جائے، اور جب ملجائے تو اُسے پہچان لیا جائے۔ اس طریقہ کے رہرو کی ہر بات پچھلے طریقہ سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ مقصد اور نظر و فکر کی روح میں کلی اختلاف ہوتا ہے۔ طریقِ جدل پر چلنے والے سچائی کے نہیں بلکہ سچائی کے نام پر جھگڑنے کے شائق ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کی ہر بات میں ایک جھگڑالو اور کج بحث دماغ کی روح پائی جاتی ہے۔ لیکن طریقِ ہدایت کا پیرو کسی حال میں بھی جھگڑالو اور کج بحث نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اُس کی روح طلب حق کی روح ہوتی ہے، اور حق کی طلب اور اُس کی معرفت کا عشق کبھی بحث و نزاع کی نفس پرستیوں کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ فی الحقیقت ان دونوں طریقوں میں نہ صرف اختلاف ہے بلکہ صریح تضاد ہے۔ پہلے کا نتیجہ یہ ہے کہ حق کی طلب و معرفت کی استعداد ہی طبیعت انسانی میں باقی نہیں رہتی۔ دوسرے کا نتیجہ یہ ہے کہ صرف حق ہی کی طلب و معرفت کا استغراق باقی رہجاتا ہے۔ نفس و ہوس کی تمام غفلتیں اور خود پرستیاں معدوم ہوجاتی ہیں۔

جدل یا ہدایت؟

میں نے پہلے بھی کہا تھا، اور اب پھر آپکو توجہ دلاتا ہوں کہ اگر سفر کا عزم ہے تو کیوں پہلے ہی سے اپنی گمرہی کا بھی فیصلہ کرلیں؟ کیوں نہ قدم بڑھانے سے پہلے سوچ سمجھ لیں کہ ہمیں کونسی راہ اختیار کرنی ہے؟ راہیں یہاں دو ہی ہیں۔ ایک وہ جسے قرآن نے اپنی بولی میں "جدل" کہا ہے۔ دوسری وہ جسے "ہدایت" سے تعبیر کیا ہے۔ اگر "جدل" کا شوق ہے، تو واقعہ یہ ہے کہ آج دُنیا کے پرستارانِ مذاہب میں ننانوے فی صدی انسان اسی راہ پر گامزن ہیں۔ آپ بھی اس بھیڑ میں شامل ہوجائیے۔ لیکن اگر حق کی طلب اور سچائی کی لگن ہے، تو پھر ضروری ہے کہ دوسری راہ اختیار کی جائے۔ لیکن دوسری راہ اختیار کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ زبان سے اسکا دعویٰ کیا جائے۔ جہاں تک دعوے کا تعلق ہے، کوئی سخت سے سخت مجادل (جھگڑالو) انسان بھی اس دعوے سے دست بردار ہونا پسند نہیں کرے گا۔ چاہئے کہ سچ مچ کو جدل و نزاع کی جگہ سچائی کے ایک سچے اور بے نفس متلاشی کی روح آپکے اندر پیدا ہوجائے۔ اس صورت میں آپکے بحث و مطالعہ کا انداز ہی دوسرا ہوجائے گا۔ جو چیزیں بقول آپکے آج "شک و شبہ کا طوفان" آپکے اندر پیدا کردیتی ہیں، اُس حالت میں آپکے لئے مزید یقین کا پیغام اور معرفتِ حق کا وسیلہ بن جائیں گی!

مذاہب عالم باعتبار حفظ و عمل

اگر ایک شخص "مجادل" نہیں بلکہ طریقِ "ہدایت" پر عامل ہے، تو وہ بغیر کسی بحث و اختلاف کے تسلیم کرے گا کہ آج جس قدر مذاہب دنیا میں موجود ہیں، تعلیمی مصادر کے لحاظ سے اُنھیں تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) وہ نہایت قدیم مذاہب جن پر امتدادِ زمانہ سے انقلاب حالت کے ایسے دَور گزر چکے ہیں کہ اب اُنھیں اُن کی حقیقی صورت و حالت میں معلوم کرنا نہایت دشوار ہوگیا ہے۔ اُن کی تعلیم کے مصادر محفوظ نہیں ہیں، اُنکی حقیقی تعلیمی روح یک قلم منقلب ہوگئی ہے، اُنکے پیرؤں کی عملی زندگی میں حقیقت کا اب کوئی سراغ نہیں لگایا جاسکتا۔

کسی چیز کی اصلیت و حقیقت معلوم کرنے کے لئے دو طرح کی شہادتیں مل سکتی ہیں: اندرونی اور بیرونی۔ دونوں کا مطلب واضح و معلوم ہے۔ حاجت تشریح نہیں۔ اس قسم کے مذاہب کی حقیقی تعلیم معلوم کرنے کے لئے ہم اُن کی اندرونی شہادتوں پر قناعت نہیں کرسکتے، کیونکہ انقلاب حالت کی وجہ سے اُن کے پیرؤں کی علمی و عملی زندگی اس درجہ بدل چکی ہے کہ اُس سے حقیقت کی شہادت ملنا متوقع نہیں۔ طالب حقیقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیرونی شہادتوں کی جستجو کرے۔ اگر کوئی ایسی شہادت مل جائے تو اُس کی روشنی میں اُن کی اندرونی حالت پر نظر ڈالے۔

(۲) دوسری قسم اُن مذاہب کی نظر آئے گی جن کی عمر پہلی قسم کے مذاہب سے کم ہے، اور جنھیں نسبتًہ اپنی تعلیم کی اشاعت و توسیع کے لئے بہتر زمانہ حاصل ہوا تھا۔ اس لئے اگرچہ اُن پر بھی انقلاب حالت کے وہ تمام دَور گزر چکے ہیں جو اصلیت کو محرّف اور مبدّل کردیتے ہیں اور عملی روح یک قلم مفقود ہوجاتی ہے۔ تاہم اُن کی تعلیم کے بنیادی سرچشمے اس حد تک ضرور موجود ہیں کہ ایک طالب حق اُن سے اندرونی شہادت حاصل کرسکتا ہے، اور تغیر و تحریف کے بے شمار پردے پڑجانے پر بھی اصلیت کی جھلک نظر آجاتی ہے۔

البتہ یہ اندرونی شہادت اس درجہ واضح اور قطعی نہیں ہے کہ بیرونی شہادتوں کی ضرورت نہ ہو۔ ضروری ہے کہ کوئی مضبوط شہادت باہر سے بھی حاصل کی جاسکے، ورنہ حقیقت کا قابل یقین فیصلہ نہیں ہوسکے گا۔

(۳) اگر ہم نے صحت نظر کے ساتھ ان دونوں قسموں پر نظر ڈال لی ہے، تو ضروری ہے کہ ایک تیسری اور آخری قسم بھی سامنے آجائے۔ یہ وہ قسم ہے جس کا ظہور دنیا کے تمدن و علوم کی اشاعت و تنظیم کے زمانے میں ہوا، اور اس لئے ایسے وسائل اُسکے لئے بہم ہوگئے کہ تعلیمی مصادر کے تلف ہونے یا کمی بیشی سے محرّف ہوجانے کا کوئی کھٹکا باقی نہیں رہا۔ جس طرح اُس زمانے میں جبکہ اُس کا نیا نیا ظہور ہوا تھا، اُس کی تعلیم اپنی حقیقی صورت و حالت میں دیکھی جاسکتی تھی، ٹھیک اُسی طرح آج بھی ہر آنکھ دیکھ لے سکتی ہے۔ البتہ انقلاب حالت کے وہ تمام دَور جو جمعیت بشری کی دماغی و عملی زندگی پر گزرا کرتے ہیں، اُس پر بھی گزرے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُس کے فہم و عمل کی روح روز بروز کمزور پڑتی گئی۔ یہاں تک کہ اُس کی حقیقی تعلیم کے مقابلہ میں، اُسکے پیرؤں کی عملی ذہنیت نے بہ حیثیت مجموعی ایک نئے قسم کا نقشہ پیدا کردیا۔ تاہم ایک جویائے حقیقت کے لئے اضطراب و تشویش خاطر کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ اُسکے تمام تعلیمی مصادر اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں، اور وہ اس قدر واضح، اس قدر مختصر، اسقدر سہل الحصول ہیں کہ ہر طالب حقیقت طلب و معرفت کا ایک قدم بڑھاکر اُن تک پہنچ جاسکتا ہے، اور جیسی کچھ بھی اصلیت ہے اُس کے سامنے روشن ہوجاسکتی ہے۔

چونکہ اس آخری قسم کے تمام تعلیمی مصادر محفوظ، مدوّن، اور ہر انسان کے دسترس میں ہیں، اس لئے اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے کسی بیرونی شہادت کی ضرورت نہیں۔ یہ صرف اپنی اندرونی شہادت ہی سے پہچانی جاسکتی اور پرکھی جاسکتی ہے۔

بلاشبہ اُس کی عملی روح امتدادِ زمانہ کے موثرات و عوامل سے متاثر ہوچکی ہے، اور اس لئے "تعلیم" اور "عمل" دو مختلف چیزیں ہوگئی ہیں، تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُسکی عملیت کی بنیادیں پچھلی دو قسموں کی طرح منہدم ہوگئیں۔ ایک جویائے حقیقت معلوم کرلے سکتا ہے کہ امتدادِ زمانہ کے یہ تمام تغیرات سطح سے نیچے نہیں اُتر سکے ہیں۔ بنیادیں بدستور قائم ہیں۔

مذاہب عالم میں ہندوستان اور ایران کے قدیم مذاہب پہلی قسم میں داخل ہیں۔ یہودی اور مسیحی مذاہب دوسری قسم میں۔ تیسری قسم سے مقصود اسلام ہے۔

جویائے حقیقت کا فرض

اگر ایک شخص کی راہ وہ راہ نہیں ہے جسے "جدل" سے تعبیر کیا گیا ہے، تو وہ مذاہب عالم کی اس صورت حال کے اعتراف میں ہرگز تامل نہیں کریگا۔ اور اس لئے "تعلیم" اور "عمل" کا اختلاف، یا حقیقی تعلیم اور غیر حقیقی تعلیم کی موجودگی کبھی اُس کے لئے "شک و شبہ کا طوفان" پیدا نہیں کرسکے گی۔ وہ دُنیا کی زیادہ سے زیادہ واضح حقیقتوں کی طرح دیکھے گا کہ پیروانِ مذاہب کا موجودہ عمل و فہم اُن مذاہب کی حقیقی تعلیم کے لئے حجت نہیں ہوسکتا اور یہ ناگزیر ہے کہ جماعت، عمل، اور شخصی ترجمانی سے بے اثر ہوکر صرف مذہب اور اُس کی "تعلیم" پر اعتماد کریں۔ ورنہ یا تو ہمیں یک قلم مذاہب کے برخلاف فیصلہ کرنا پڑے گا، یا فریقانہ تعصب و انکار میں مبتلا ہوجائیں گے، اور اس طرح فہم حقیقت و اعتدال رائے کی راہیں ہم پر بند ہوجائیں گی۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، شاید ہی دُنیا میں کسی تعلیم کی حقیقت و اصلیت کا ادراک اسقدر آسان اور سہل ہو، جسقدر اسلام کا ہے۔ اوّل یہ کہ اُس کی تعلیمی اصل اس طرح محفوظ اور مرتب دنیا کے ہر انسان کے دسترس میں ہے، کہ بغیر کسی علمی تحقیق و کاوش کے ہر شخص حاصل کرلے سکتا ہے اور اُس کے مطالب سے واقف ہوجاسکتا ہے۔ ثانیًا اُس کے تمام مصادر اس طرح مسلّم اور طے شدہ ہیں کہ اس بارے میں کسی اشتباہ کی گنجایش نہیں۔ ثالثًا تعلیمی مصادر کی جتنی بھی مقدار ہے، بہت مختصر ہے۔ اتنی مختصر ہے کہ اگر ایک معمولی درجہ کا تعلیم یافتہ انسان چاہے تو ایک دن کے اندر معلوم کرلے سکتا ہے کہ اسلام کے تعلیمی مصادر کے مطالب کیا کیا ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب ایک تعلیم اس درجہ واضح اور سہل ہمارے سامنے موجود ہو، تو کیا کسی انصاف پسند غیر مجادل انسان کے لئے جائز ہوسکتا ہے کہ وہ اُس کے فہم کے لئے خود اُسپر اعتماد نہ کرے، اور اگر اُس کی تعلیم میں اور بعض انسانوں کے فہم میں اختلاف واقع ہوجائے، تو اپنے آپ کو "شک و شبہ کے طوفان" کے حوالے کردے؟

یہاں تک میں نے صرف اصولی بحث کی ہے۔ اب مجھے آپکے بعض تاثرات اور پیش کردہ سوالات کا جواب دینا چاہئے۔

"جو سورج کو جس طرف سے چاهے نکالے" لیکن سورج کا ایک سمت کي جگه کسي دوسري سمت سے نکلنا کوئي دنیا کا محسوس واقعه نه تها جو لوگوں کے علم میں هوتا اور حضرت ابراهیم اُسے اپنے پروردگار کا فعل قرار دے سکتے - نمرود کہه سکتا تها که اچها اگر یہي دلیل هے تو تمهارا پروردگار پورب کي جگه پچهم سے ایک مرتبه نکال دکهائے - اِس پر حضرت ابراهیم کیا جواب دیتے ؟ کیا وہ اپنے پروردگار سے چاهتے که نظام شمسي کا پورا کارخانه درهم برهم کرکے سورج دوسري سمت سے نکلتا هوا دکها دے ؟

(٥) علاوه بریں جب حضرت ابراهیم علیه السلام نے پہلي دلیل سے رجوع کرکے دوسري دلیل پیش کي ' تو ضروري تها که یه پہلے سے زیاده واضح و اقطع هوتي - اُن کي پہلي دلیل یه تهي که موت و حیات کي باگ الله هي کے هاتهه هے - دوسري یه که اجرام سماوي اُسي کے حکم و مشیت سے کام کرتے هیں - ظاهر هے که دوسري دلیل پہلي سے زیاده وزني نہیں کہي جا سکتي - اگر موت و حیات جیسا واضح اور بدیهي معامله خصم کو ساکت نه کر سکا ' تو اجرام سماوي کا معامله کیا مفید اثبات هو سکتا هے ؟

میں نے بڑے هي شوق سے حضرت امام فخر الدین رازي کي تفسیر کبیر دیکهي تهي - کیونکه وہ قران مجید کے مقامات کو عقلي مباحث سے صاف کرنا چاهتے هیں - مگر میں عرض نہیں کر سکتا که مجهے کس قدر مایوسي هوئي ؟ لطف یه هے که انهوں نے پوري تفصیل کے ساتهه یه تمام شبهات خود هي لکهے هیں ' لیکن جواب کا جو کچهه حال هے ' اس کا اندازه اِس سے کر لیجیے که اُس کے پڑهنے کے بعد اپنے دل کو اور زیاده شکوک و شبهات میں مُبتلا پاتا هوں -

پہلے شبه پر انهوں نے بالکل توجه نہیں کي هے - دوسرے شبه کے دو جواب دیے هیں - ایک یه که ایک دلیل چهوڑ کر دوسري دلیل کا اختیار کرنا مستدل کے لیے جائز هے - اس میں کوئي حرج نہیں ' کیونکه دوسري دلیل پہلي دلیل سے اوضح هے - اِسے علم مفسرین کي طرف منسوب کرتے هیں - دوسرا جواب "محققین" کا جواب قرار دیا هے - وہ یه هے که " یه ایک دلیل کو چهوڑ کر دوسري دلیل کا اختیار کرنا نه تها - بلکه ایک هي دلیل کي مزید وضاحت کرني تهي : و هوانا نری حدوث اشیاء لا یقدر الخلق علی احداثها ' له امثالة ' منها الاحیاء و الاماتة ' و منها السحاب و الرعد والبرق ' و منها حرکات الافلاک و الکواکب ' و المستدل لا یجوز له أن ینتقل من دلیل علی دلیل آخر ' لکن اذا ذکر لایضاح کلام مثالا ' فله أن ینتقل من ذلک المثال الی مثال آخر ' فکان ما فعله ابراهیم من باب ما یکون الدلیل واحداً ' إلا انه یقع الانتقال عند ایضاحه من مثال الی مثال آخر - و هذ الوجه احسن و الیق بکلام اهل التحقیق "
اُس کے بعد آگے چل کر لکهتے هیں : " لما احتج ابراهیم بالاحیاء و الاماتة ' اورد الخصم علیه سوالا لا یلیق بالعقلاء ' و هو انك اذا دعیت الاحیاء و الاماتة لا بواسطة ' فذلك لا تجد الی اثباته سبیلا ' و ان دعیت حصولها بواسطة حرکات الافلاک ' فنظیره او ما یقرب منه حاصل للبشر - فاجاب ابراهیم بان الاحیاء و الاماتة و ان حصلا بواسطة حرکات الافلاک ' لکن تلك الحرکات حصلت من الله تعالی و ذلك لا یقدح في کون الاحیاء و الاماتة من الله ' بخلاف الخلق فانه لا قدرة لهم علی تحریکات الافلاک " خلاصه اِس تقریر کا یه هے که پہلي دلیل پر جو نمرود نے اعتراض کیا تو اِس کا مطلب یه تها که اُس نے کہا ' خدا کي صفت جلانے اور مارنے کي کیسي هے ؟ وہ بلا واسطه جلاتا اور مارتا هے ' یا افلاک کي حرکت اور اس کے اثرات کے ذریعه ؟ اگر پہلي بات هے تو اُس کا اثبات ممکن نہیں - اور اگر دوسري بات هے تو یه انسان کو بهي حاصل هے - یعني وسائط کے ذریعه موت و حیات وجود میں آسکتي هے - مثلاً مرد اور عورت کے ملنے کے واسطه سے زنده انسان پیدا هو سکتا هے ' اور قتل کے ذریعه هلاک کیا جا سکتا هے - اس کے جواب میں حضرت ابراهیم نے اپني دلیل کي مزید وضاحت کي اور فرمایا که احیاء اور اماتت اگرچه افلاک کي حرکات کے واسطه سے ظهور میں آتي هے ' لیکن افلاک کي حرکت بهي تو خدا هي کے حکم و مشیت سے هے - اُس کے سوا کون هے جو انهیں حرکت میں لا سکے ؟ اور جب اُس کے سوا کوئي دوسرا افلاک کو متحرک نہیں کر سکتا ' تو ثابت هوگیا که احیاء اور اماتت بهي نہیں کر سکتا -

میں حیران هوں که اس امام جلیل القدر کي اس تقریر کي نسبت کیا عرض کروں ؟ ان کے جواب سے شبه دور هوا هے یا اور زیاده مضبوط هوگیا هے ؟ اول تو یه فرض کرنا که نمرود کا مطلب اعتراض سے واسطه اور بغیر واسطه کا جهگڑا تها ' کہاں سے ثابت هوتا هے ؟ قران مجید میں تو صرف اتنا هي هے که " انا احي و امیت " پهر یه کہنا که یه دوسري دلیل کي مزید توضیح هے ' نئي دلیل نہیں هے ' کسي طرح بهي سمجهه میں نہیں آتا - افلاک کي حرکت کو بهلا موت و حیات سے کیا تعلق ؟ کیونکر یه استدلال پہلي دلیل کے ساتهه مربوط هوسکتا هے ؟ پہلي دلیل کا تعلق جلانے اور مارنے کي صفت سے تها - دوسري میں سورج کے طلوع و غروب کي جهت سے - اس میں اور موت و حیات کي طاقت و تصرف میں کوئي علاقه نہیں - تعجب هے که کیونکر امام موصوف ایسي کمزور اور بے ربط بات کو محققین کا مذهب قرار دیتے هیں اور وثوق کے ساتهه قرار دیتے هیں -

پهر مفسرین کا یه عام مذهب بهي که دوسري دلیل پہلي سے اوضح هے ' تشفي پیدا کرنے سے قاصر هے - صاف بات تو یہي معلوم هوتي هے که پہلي دلیل هي زیاده واضح اور قطعي تهي -

تیسرے شبه کا جواب امام موصوف نے یه دیا هے که نمرود دوسري دلیل کا معارضه نہیں کرسکا - اسلیے که هوسکتا هے ' خدا نے اُس وقت اُس کے حواس مختل کردیے هوں - وہ اس قابل هي نه رها هو که اعتراض کرے - سوال یه هے که اگر معترض اور مشکک کو اسي طرح حواس باخته کرکے چپ کرادینا تها ' تو پهر اس مناظره کي ضرورت هي کیا تهي ؟ پہلے هي سے مخبوط الحواس بنا دیا هوتا تا که وہ اعتراض هي نه کر سکتا - علاوه بریں اگر خدا تعالی کي سنت یہي هے که جو معترضین انبیاء کرام سے معارضه کرتے هیں ' ان کے حواس سلب کر لیا کرتا هے ' تو اس کا مطلب یہي هو سکتا هے که انبیاء کرام کے پاس مسکت اور قاطع جواب نہیں هوتے ' اس لیے غریب معترضین مخبوط الحواس کرکے چپ کرا دیے جاتے هیں - کیا ایسے جوابوں سے قران مجید کے معارف روشني میں آسکتے هیں ؟ خصوصاً اِس زمانے میں ؟

خود امام صاحب بار بار اس پر زور دیتے هیں که " جب ایک دلیل یا مثال خصم کے مقابله میں پیش کي جائے ' اور اُس پر وہ نا فهمي سے اعتراض کردے ' تو مستدل کا فرض هے که اُس کے اعتراض کي خامي ظاهر کردے اور بغیر اس کے آگے نه بڑهے ' اور جب ایک معمولي مناظر کے لیے ایسا کرنا ضروري هے ' تو ظاهر هے که ایک نبي ' اولوالعزم کے لیے کیوں ضروري نہو جس کا مناظره تمام دنیا کے سامنے بطور ایک بنیادي صداقت کے پیش کیا جا رها هے ؟ " تاهم وہ اس قوت کے ساتهه اعتراض وارد کرکے ' اس کا کوئي کمزور سے کمزور جواب بهي نہیں دیتے ' اور صرف یه کہکر چپ هوجاتے هیں که " محققین کي تفسیر پر شبهات وارد

ضرت ابراهیم اور ایك بادشاه كا مكالمه

ۂ كریمه " الم تر الی الذی حاج ابراهیم " كی تفسیر

ایک استفسار

(از جناب مولوي محمد عبدالحق صاحب سکندرابادي)

جیسا که جناب کو معلوم هے' میں گذشته سال سے ایک سلسلۂ رسائل کي ترتیب میں مشغول هوں جن کا مقصد یه هے که قران مجید کے مطالب حکیمانه ایک ایسے نئے اسلوب سے بیان کیے جائیں که آج کل کي مذهب سے برگشته طبیعتیں اُن سے تشفي حاصل کرسکیں - ایک همدرد ملت رئیس دکن نے اُنکے انگریزي زبان میں ساتهه ساتهه ترجمه کرانے کا بهي انتظام کر دیا هے' اور اُمید هے که چند ماه کے اندر اُنکي اشاعت کا سلسله شروع هو جایگا * * * * اِس سلسله میں قرآن مجید کے متعدد مقامات هیں جو ایک عرصه سے میرے سامنے هیں - لیکن حقیقت حال یه هے که جیسا تشفي بخش حل اُنکا هونا چاهیے' اِس وقت تک نہیں هوسکا هے' اور جب تک خود اپني طبیعت مطمئن نه هو جائے' دوسروں کے سامنے قدم اُٹهانا دیانت تحریر کے خلاف سمجهتا هوں - یه عرض کرنا ضروري نہیں که قران مجید کے فہم و مطالعه کا جسقدر بهي خاکسار ذوق پیدا کرسکا هے' وہ سب جناب هي کے طفیل هے' اور جناب هي کي تحریرات کے شغف کا نتیجه هے - اِسلیے اِن مشکلات میں بهي جناب هي سے دستگیري کي اُمید هے - اگرچه وہ مقامات ایک سے زیاده هیں' مگر سر دست میں جرأت نہیں کرسکتا که جناب کا زیاده وقت لوں - صرف ایک مقام کي نسبت اپنا اِطمینان چاهتا هوں جسکے خاطر خواه حل نه هونے کي وجه سے خاکسار کي زیر ترتیب کتاب کا کام رک گیا هے -

سورۂ بقره میں حضرت ابراهیم علیه السلام اور ایک پادشاه کے مناظره کا ذکر هے جسکي نسبت همارے مفسرین کا بیان هے که وه نمرود تها : الم تر الي الذي حاج ابراهیم في ربه ان اتاه الله الملک' اذ قال ابراهیم ربي الذي یحي و یمیت' قال انا احي و امیت' قال ابراهیم فان الله یاتي بالشمس من المشرق فات بها من المغرب' فبهت الذي کفر' و الله لا یهدي القوم الظالمین - مضمون اِس آیت کا یه هے که حضرت ابراهیم سے نمرود نے خدا کے باب میں حجت کي - اسپر اُنهوں نے فرمایا که میرا پروردگار وه هے جو جلاتا هے اور مارتا هے - یعني زندگي اور موت اُسي کے قبضۂ و تصرف میں هے - اگر کوئي دوسري هستي خدائي کي مدعي هے تو اُسے چاهیے که یه قوت و تصرف اپنے اندر ثابت کرے - نمرود نے اِسکے جواب میں کہا - اگر یہي وصف خدائي کا هے تو یه مجهه میں بهي هے - میں بهي جلاتا هوں اور مارتا هوں - حضرت ابراهیم نے یه سنکر فرمایا که خدا پورب سے سورج نکالتا هے - تو پچهم سے نکال دے - اِس پر نمرود مبہوت هوکر رهگیا -

یه دراصل حضرت ابراهیم علیه السلام اور نمرود کا مناظره هے جسمیں نمرود کي حیثیت خدائي کے مدعي کي هے اور حضرت ابراهیم اسکے زعم باطل کا بطلان ثابت کرنا چاهتے هیں - اب اس آیۃ کي تفسیر میں چند درچند مشکلات حائل هیں :

(۱) اول یه که جب نمرود خدا هونے کا مدعي تها' تو ظاهر هے که دلیل پیش کرنا اسکے ذمه تها - نه که حضرت ابراهیم کے ذمے جنکي حیثیت منکر کي تهي - لیکن یهاں حضرت ابراهیم اس سے کوئي دلیل نہیں مانگتے- بلکه خود اپنے پروردگار کي پروردگاري کي دلیل پیش کر دیتے هیں که " الذي یحي و یمیت " اور وه اس سے معارضه کرنے لگتا هے -

(۲) پهر جب اُنهوں نے ایک ایسي دلیل بیان فرمادي تهي جس سے بڑهکر واضح اور قاطع دلیل نہیں هوسکتي' تو چاهیے تها که نمرود کے جاهلانه اور طفلانه معارضه کي قلعي کهول دیتے - کیونکه وه اپنے جهل و بلادت سے زندگي بخشنے اور موت دینے کا وه مطلب سمجهه هي نه سکا تها جو موٹي سے موٹي انساني عقل کو بهي سمجهه لینا چاهیے - وه بول اُٹها که یه بات تو مجهے بهي حاصل هے - ضروري تها که حضرت ابراهیم فرماتے' موت اور حیات بخشنے سے مطلب یه هے که جس طرح وه اَن دیکهي ذات تمام جانداروں کو نیستي سے هستي بخشتي هے' اور پهر ایک خاص وقت پر فنا کر دیتي هے' اسي طرح تو بهي ایک چهوٹا سے چهوٹا کیڑا بنا دیکهه - لیکن آپ یه نہیں کہتے' بلکه فوراً اس دلیل کو چهوڑ کر ایک دوسري دلیل پیش کر دیتے هیں - یعني سورج کو اسکي معمولي سمت کي جگه دوسري سمت سے نکالدینے کي فرمایش کرتے هیں - اس سے لازم آتا هے که گویا آپنے آپني پہلي دلیل کي کمزوري مان لي - اور (نعوذ بالله) نمرود کے معارضه سے لاچار هوگئے - اسلیے اسے چهوڑ کر نئي دلیل کا سہارا لیا - ایک معمولي مناظر کیلیے بهي یه بات دلیل عجز هے' چه جائیکه ایک جلیل القدر پیغمبر کیلیے -

(۳) پهر دوسري دلیل جو پیش کي گئي' اُس پر بهي شبہات وارد هوتے هیں - قران مجید ناطق هے که پہلي دلیل سے نہیں مگر دوسري دلیل سے نمرود لا جواب هو کر رهگیا - مگر اعتراض هو سکتا هے که جس شخص کي شوخ چشمي کا یه حال تها که موت و حیات کے وصف الهي تک کا بیان اُسے چپ نه کرا سکا' وه اِس دوسري دلیل سے کس طرح لا جواب هوگیا ؟ اگر کہا جاے' اس لیے که وه پچهم کی طرف سے سورج نکالنے پر قادر نه تها' تو جواب یه هے که وه موت و حیات بخشنے پر بهي تو قادر نه تها ؟ جس طرح اس بات کا ایک غلط مطلب ٹهرا کر اُس نے معارضه کر دیا تها اور حضرت ابراهیم ترک دلیل پر مجبور هوگئے تهے' اسي طرح اِس کا بهي کر دے سکتا تها - کہدیتا میں بهي ایسا کر سکتا هوں -

(۴) علاوه بریں دلیل کے معنے یه هیں که وه ایسي بات هوتي هے که اس کے اثبات سے مدعا کا ثبوت متحقق هو جاتا هے - لیکن حضرت ابراهیم کي دوسري دلیل ایسي معلوم نہیں هوتي - اُس کا اثبات اس مقدمه کے اثبات پر موقوف هے که " خدا وهي هوسکتا هے

یه اجتماعي قانون نہایت عجیب ھے - کیونکه بظاھر ایک قسم کا تناقض رکھتا ھے - ایک طرف کہتا ھے ' تغیر و تبدل ضروري ھے - نئي چیز لو اور پراني چیزیں چھوڑ دو - دوسري طرف یه بھي کہے جاتا ھے که پراني چیزیں یک لخت فنا نه ھونے دو - اپنے پچھلے مقومات و خصوصیات باقي رکھو - اپني قومي خصوصیات مٹا کر کوئي قوم ' قوم نہیں رہ سکتي - لیکن في نفسه اِس میں تناقض نہیں ھے - دونوں باتیں اپني جگه ٹھیک ھیں - نئي چیزوں کے اختیار کرنے کا مطلب یه ھے که وہ تمام نئي چیزیں اختیار کر لي جائیں جو قومي مزاج و مصالح کے موافق ھوں - خصوصیات کے باقي رکھنے سے مقصود یه ھے که وہ تمام بنیادي چیزیں قائم رکھي جائیں جو قومي مزاج کا استقلال و اختصاص قائم رکھنے کیلیے ضروري ھیں - یعني رد و قبول اور اخذ و ترک میں اعتدال کا سر رشته ھاتھه سے نه دیا جاے -

بلا شبه اِس قانون کي تطبیق میں اعتدال قائم رکھنا بہت مشکل ھے - چند ھي قومیں اصلاح میں اپنا دماغي توازن قائم رکھه سکي ھیں - یا تو یه ھوا ھے که اپني تمام قدیم عادات و روایات پر اڑ گئیں' اور ایک قدم بھي آگے بڑھنے سے انکار کردیا - یا یه ھوا که فوراً تبدیل و انقلاب پر اُتر آئیں ' اور اپني کوئي بھي قدیم خصوصیت باقي نه رکھي - پہلي صورت تفریط کي ھے - دوسري صورت افراط کي ھے - اور نجات و ترقي توسط و اقتصاد میں ھے -

(قدیم قوموں کا جمود و تقلید)

تبدل کي قابلیت کے معني اس کے سوا کچھه نہیں ھیں که عالم خارجي کي اطاعت کي جائے - قدیم زمانے میں ھر جگه لوگوں کا طرز معیشت تقریباً یکساں تھا - اسي لیے تبدل کی ضرورت بھي کمزور تھي - اُس کي قابلیت آھسته آھسته پیدا ھوتي تھي - حتیٰ که بعض قدیم قومیں صدیوں تک ایک ھي حالت پر قائم رھیں اور تبدیلي کي ضرورت محسوس نه کي - اُن کا تعلق ھمیشه ایسي قوموں سے رھا ' جو اُنھي کي طرح وحشي یا نیم وحشي تھیں - اُن کے سامنے کوئي بہتر نمونه تہذیب و تمدن کا موجود نه تھا - اس لیے ترقي کي رغبت بھي پیدا نه ھوئي ' اور جمود و تقلید کي طبیعت برابر باقي رھي -

قدیم قوموں کے جمود و تقلید کا راز یه ھے که وہ اپني فطرت کي طرف سے مجبور کي جاتي ھیں که اپني زندگي اور زندگي کي بنیادیں محفوظ رکھیں - یہي باعث ھے که اُن قوموں میں فرد کا معامله چنداں اھمیت نہیں رکھتا تھا - بلکه اُس زمانے میں فرد کے لیے جائز ھي نه تھا که مستقل زندگي بسر کرے - وہ قومیں اِسے بالکل قدرتي بات خیال کرتي تھیں که عام مصلحت کے لیے افراد اپني ھستي قربان کر دیں - اُس وقت شخصي آزادي ' کسي کے واھمه میں بھي نه تھي -

بعض نظري آدمیوں نے آزادي کي اعلیٰ مثال یوناني جمہوریتوں میں بتائي ھے - حالانکه اُن جمہوریتوں میں افراد کو مطلق آزادي حاصل نه تھي - وہ ایسے نظامات کي پابندیوں میں جکڑے ھوے تھے جنھیں آج متمدن دنیا میں کوئي آدمي بھي برداشت نہیں کر سکتا - اُن جمہوریتوں میں افراد کو اِتني آزادي بھي حاصل نه تھي که اپني مرضي سے کوئي دیني عقیدہ رکھیں' یا اپني اولاد کي بطور خود تعلیم و تربیت کرسکیں - اسپارٹا میں یه حالت تھي که افراد وہ اپنے گھروں میں کھانا پکانے اور کھانے کي بھي اجازت نه تھي - وہ مجبور تھے که عام دستر خوانوں ھي پر بیٹھه کر کھانا کھائیں - یونان میں اصلاح و تجدید کے داعي مجرم سمجھے جاتے تھے - چنانچه پوري قوم' سقراط کے خلاف کھڑي ھوگئي ' اور اُس وقت تک چین نه لیا' جب تک اُس مصلح کي جان نه لے لي !

بلا شبه اِس قسم کے سخت نظامات اُن ملکوں کے لیے ضروري ھیں ' جو ھمیشه دشمن کے حملوں کا نشانه بنے رھتے ھیں -

قدیم زمانے میں رومانیوں نے معلوم کرلیا تھا که اصلاح و انقلاب میں نقطهٔ توازن کیا ھے - ایک طرف وہ تجدد و اصلاح کے حامي تھے ' دوسري طرف اپني خصوصیات کي حفاظت بھی کرتے تھے - یه وصف اُن میں اِس وجه سے پیدا ھوا تھا که فتوحات نے اُن کے تعلقات دوسري قوموں سے قائم کردیے تھے - یه تعلقات نئے نئے حالات پیدا کر دیتے تھے ' اور وہ نظامات کي تبدیلي پر مجبور ھوجاتے تھے - رومانیوں کا سنہرا زمانه وھي تھا جب وہ اِس مرکز توازن پر قائم تھے - لیکن جب سے اُنھوں نے افراط و تفریط شروع کي ' روز بروز گرنے اور تباہ ھونے لگے -

(انگریزوں کي کامیابي کا راز)

موجودہ زمانے میں علمي اکتشافات ' جدید صنائع کے ظہور ' اور مواصلات کي سہولت و کثرت نے مختلف تمدنوں میں ایک ایسا تصادم و احتکاک پیدا کر دیا ھے ' که ھر لمحه عظیم تغیرات و انقلابات کے موقعے پیدا ھوتے رھتے ھیں - اس صورت حال کا قدرتي نتیجه یه ھے که مرکز توازن تقریباً مجہول ھو گیا ھے ' اور اُس کي تلاش از حد مشکل ھوگئي ھے - یہي سبب ھے که موجودہ دنیا میں ھر طرف شورششیں اور انقلابات برپا ھو رھے ھیں - کوئي نظام بھي پائداري حاصل کرنے نہیں پاتا -

لیکن صرف انگریزوں ھي کي قوم یورپ کي ایک ایسي قوم ھے جس نے رومانیوں کي طرح مرکز توازن معلوم کر لیا ھے - وہ ایک طرف اصلاح و تجدد کي حامي ھے - دوسري طرف اپنے قومي مقومات بھي برقرار رکھے ھوئے ھے - اُن میں جمود و تقلید نہیں ھے - برابر اصلاح و تجدید میں مشغول ھیں ' مگر پوري تدریج اور دانشمندي کے ساتھه قدم بڑھاتے ھیں - انگلستان کي آزادي نه تو کرامویل کے ھاتھوں قائم ھوئي ھے ' نه جمہوریت پسندوں کي لائي ھوئي ھے - وہ انگریزي تاریخ کي پیداوار ھے (۱) - یه تمام ' عظمت و قوت جس پر آج انگلستان فخر کر رھا ھے ' درحقیقت اِسي توازن فکر و عمل کا نتیجه ھے -

---

(۱) جب خاندان اسٹورات کے پادشاہ چارلس اول کا استبداد بہت بڑہ گیا ' تو انگریز امریکا کي طرف ھجرت کرنے لگے - حتیٰ که انگلستان کے بعض علاقے بالکل خالي ھوگئے - ظالم بادشاہ یه دیکھه کر گھبرایا اور ھجرت کي ممانعت کردي - جس دن ممانعت کا اعلان ھوا ' دریائے ٹیمس میں مہاجرین کے کئي جہاز روانگي کے لیے طیار تھے - اُنھي میں کرامویل بھي تھا - اب باشندوں نے دیکھا که ظلم سے نجات حاصل کرنے کي راہ بغاوت کے سوا کوئي نہیں ھوسکتي - چنانچه بغاوت شروع ھوگئي - کرامویل اِس باغي فوج کا سپه سالار مقرر ھوا - بغاوت کامیاب ھوئي - جمہوریت کا اعلان کیا گیا - کرامویل جمہوریت کا صدر منتخب ھوا - اُس وقت اُس کا لقب " لارڈ پروٹیکٹر " تھا - مگر بعد میں خود یه بھي مستبد ھوگیا - آخر سنه ۱۶۴۹ع میں قوم نے اُس کي حکومت کا بھي خاتمه کر دیا -

نہیں ہوسکتے " حالانکہ وہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ خواہ نئی دلیل بیان کی جائے ' خواہ نئی مثال ' ضروری ہے کہ انتقال سے پہلے معارض کی خامی واضح کردی جائے - پس جس طرح شبہ عام مفسرین کی تفسیر پر وارد ہوتا ہے ' اسی طرح اُس تفسیر پر بھی وارد ہوتا ہے جسے امام موصوف " محققین " کی تفسیر قرار دیتے ہیں -

مجھے جب اس طرف سے مایوسی ہوگئی تو خیال ہوا کہ موجودہ زمانے کے محققین نے اس پر ضرور نئی روشنی ڈالی ہوگی - چنانچہ میں نے بمبئی سے استاد امام شیخ محمد عبدہ مصری کی تفسیر منگوا کر دیکھی ' لیکن افسوس ہے کہ اس میں بھی وہی امام رازی والی تفسیر بجنسہ پائی - اِن شبہات کا کوئی جواب نہیں ملا - تفسیر نیشا پوری ' تفسیر ابن کثیر ' تفسیر علامۂ ابن سعود ' تفسیر روح المعانی شیخ آلوسی بھی خاکسار کے پیش نظر ہیں ' مگر اِن سب میں بھی یا تو وہی تفسیر کبیر والا جواب نقل کردیا ہے ' یا وہ باتیں لکھدی ہیں جنھیں امام رازی نے عام مفسرین کا جواب قرار دیا ہے - یا پھر سرے سے کسی طرح کی کاوش ہی نہیں کی گئی ہے -

جب پچھلوں میں حضرت امام رازی جیسے محقق نے اور حال کے محققین میں شیخ محمد عبدہ مصری جیسے امام و مفسر نے مجھے صاف جواب دیدیا ' تو پھر میرے لیے صرف جناب ہی کی چوکھٹ باقی رہگئی - لاریب صرف جناب ہی کی ایک ذات والا صفات ہے جو موجودہ زمانے میں حقائق قران کی وہ تمام مشکلات حل کرسکتی ہے جن تک دوسروں کی نظر و تحقیق نہیں پہنچ سکی ہے - اب خاکسار ہر طرف سے مایوس ہوکر آپ سے دستگیری کا طالب ہے - اور امید قوی رکھتا ہے کہ مایوس نہ ہوگا -

مجھ سے میرے حیدراباد کے ایک دوست نے ذکر کیا تھا کہ جمعیت العلماء ہند نے عید کے موقع پر اخبار الجمعیت کا ایک خاص نمبر " خلیل نمبر " کے نام سے نکالا ہے اور اس میں صدر جمعیت مولانا کفایت اللہ صاحب نے اس مقام کی تفسیر شرح و بسط سے تحریر فرمائی ہے - میں نے بڑے ہی شوق سے خلیل نمبر منگوایا اور دیکھا - واقعی اس میں مولانا صاحب موصوف کا مضمون " مناظرۂ خلیل و نمرود " کے عنوان سے تین بڑے صفحوں میں نکلا ہے ' لیکن مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں تمام تر وہی تفسیر کبیر کی پوری بحث اردو میں نقل کردی گئی ہے - اس سے زیادہ ایک حرف نہیں ہے -

الہلال :

آپ نے استفسار میں اِس قدر تشریح و تفصیل کی ہے کہ اسی نے آج کی اشاعت کا بڑا حصہ روک لیا - اب جواب کے لیے آیندہ اشاعت کا انتظار کیجیے -

علم الاجتماع

(۳)

(ناموس اجتماع اور محافظت و تجدید)

افراد کے وجدان سے علحدہ ' جماعتی وجدان کے متعلق ہم نے جتنے اقوال نقل کیے ہیں ' دلائل نے ابتک اُن کی تصدیق نہیں کی ہے - نیز ابتک یہ بھی ثابت نہیں ہوا ہے کہ جماعت کی صفت عضویۃ ' افراد کی عضویت سے الگ وجود رکھتی ہے - یہ اقوال نظریوں اور آراء کا حکم بھی نہیں رکھتے - زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تشبیہات و استعارات ہیں -

لیکن ساتھہ ہی یہ یقینی ہے کہ تمام طبیعی کائنات کی طرح عالم اجتماع کے بھی خاص نوامیس و قوانین ہیں ' اور وہ غیر متبدل اور اٹل ہیں -

اجتماع کا ایک قانون یہ ہے کہ جن اجزاء سے سلطنت اور امت مرکب ہوتی ہے ' وہ تمام اجزاء باہم دگر اس درجہ وابستہ و مربوط ہوتے ہیں کہ ایک جزء کے متأثر ہوتے ہی باقی تمام اجزاء بھی فوراً متأثر ہوجاتے ہیں -

اِس اجتماعی قانون کی بنا پر مقننین اور مصلحین کے لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ ماہر طبیبوں کی طرح اصلاح و تشریع میں بہت زیادہ ہوشیار و محتاط ہوں - ایسا نہ ہو کہ ایک عضو کی بیماری کے علاج میں باقی اعضاء سے غافل ہوجائیں ' اور پہلی بیماری سے بھی بدتر بیماریوں کی پیدایش کا سبب بن جائیں -

علم اجتماع کے دو رخ ہیں : ایک طرف وہ جدید اصلاحات اور جدید اصول و مبادی کا حامی ہوتا ہے تا کہ مستقبل ' ماضی و حال سے بہتر ہوجاے - دوسری طرف وہ ماضی و قدیم کی بھی حفاظت چاہتا ہے - وہ قوموں کو بتاتا ہے کہ اپنا ماضی ' اپنے مقومات ' اور اپنی خصوصیات بالکل فنا نہ ہوجانے دیں ' انھیں بچائیں ' اور باقی رکھیں - ورنہ اُن کی قومیت درہم برہم ہو جائیگی ' اور اصلاح ' فساد کا ذریعہ بن جائیگا -

تاریخ بھی ہمیں یہی سبق دیتی ہے - مشاہدہ کی بھی یہی ہدایت ہے - ہم دیکھتے ہیں کہ قوموں کی ترقی کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ تبدیل و تغیر قبول کریں - یعنی وہ نئے اوصاف اختیار کریں ' مگر تدریج اور نظر و حزم کے ساتھہ -

قوموں کی حالت پر غور و فکر کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ترقی کے اصلی ستون دو ہیں :

(۱) تغیر و تبدل کی قابلیت کا موجود ہونا -

(۲) تدریج و تطور کے ساتھہ تغیر قبول کرنا -

جب حکومت کي شکل حالات ' ماحول ' اور قومي آرزوں کے خلاف هوتي هے ' اور اُس کي تبديلي کے ليے قوم کے سامنے کوئي قانوني راه باز نہيں هوتي ' تو يه وقت انقلاب و بغاوت کے ظہور کا وقت هوتا هے - لہذا ضروري هے که ضرورت کے وقت فوراً اصلاح شروع کردي جائے ' ورنه قوم کو يه حق حاصل هو جائيگا که فوري تبديلي کے ليے اپنا قدرتي حق استعمال کرے اور بغاوت پيدا هوجاے -

اسپين ميں باشندگان هالينڈ کي بغاوت (سنه ۹۶۲ ھ) خاندان اسٹورٹ پر انگريزوں کا خروج ' نپولين بونا پارٹ پر جرمني کي بغاوت ' آسٹريا پر اٹالين قوموں کي بغاوت — يه تمام بغاوتيں تاريخ کي نظر ميں ' صحيح ' جائز ' اور قانوني بغاوتيں تهيں -

(انقلاب کي طبيعت اور حکومت کے فرائض)

بغاوت عموماً آتش فشاں پہاڑ کے انفجار يا آندهي کے طوفان کے مشابه هوتي هے - شروع شروع ميں اُس کا خيال چند افراد کے اندر پيدا هوتا هے - پهر آهسته آهسته تمام قوم ميں پهيل جاتا هے - بغاوت کا خيال تبديلي کے احساس سے پيدا هوتا هے - جب تبديلي ظاهر نہيں هوتي تو حکومت کي طرف سے عام بددلي پيدا هوجاتي هے - يه بددلي مخفي غصه کي صورت اختيار کر ليتي هے - جب حالت اِس درجه تک پہنچ جاتي هے تو قوم هر لمحه مشتعل هو جانے کے ليے طيار هو جاتي هے - اُس وقت معمولي سے معمولي بات بهي عام بغاوت کا سبب بن جاسکتي هے -

لہذا حکام کا فرض هے که ايسي حالت پيدا هونے سے پہلے هي اصلاح نافذ کرديں - ليکن اگر بر وقت نه کرسکيں ' تو پهر اُن کے ليے بہترين طريقه يه هے که اِس بغاوت و انقلاب ميں شامل هوجائيں ' يعني اُسے اپنے هاتهه ميں لے ليں ' تاکه اُس کي مضرتيں کم سے کم هوجائيں -

افسوس هے که شہر کي عام تعطيل کي وجه سے اس هفته بهي مطلوبه تصاوير طيار نه هوسکيں اور هميں تصوير کے بغير پرچه شائع کرنا پڑا - تصاوير کے نه مل سکنے کي اطلاع ملنے پر وه تمام مضامين بهي ترک کردينے پڑے جن کا تعلق تصاوير سے تها - اس صورت حال کا صحيح علاج يہي هے که جلد از جلد تصاوير کي طياري کا مستقل انتظام کرليا جاے - آينده پرچوں ميں هم اس کمي کي پوري تلافي کرديںگے -

منيجر

عالم سماوی

کيا ستارے زندگي سے محروم هيں ؟

هم تاروں بهري رات ميں نظر اُٹهاتے هيں تو آسمان پر بے شمار ستارے نظر آتے هيں - يه ستارے درحقيقت ويسے هي کرے هيں ' جيسا ايک کره خود هماري زمين هے - اِن ستاروں ميں بہت سے ستارے هماري زمين سے بهي بہت زياده بڑے اور بہت زياده عمر کے هيں - بعض هماري زمين سے چهوٹے اور اُس سے کم عمر رکهتے هيں - يه تمام ستارے بهي ويسے هي ايک نظام سے وابسته هيں ' جيسا همارا نظام شمسي هے - اِن ميں بهي آفتاب هيں اور اپنے گرد بہت سے کواکب اور سيارے رکهتے هيں -

مدت سے علماء فلک ميں سخت اختلاف هے که يه ستارے بهي هماري زمين کي طرح زنده موجودات سے آباد هيں يا نہيں ؟ ايک گروه پہلي رائے کا قائل هے - دوسرا دوسري راے کا -

پہلے گروه کي دليل يه هے که زندگي کے ليے جن شرطوں کي ضرورت هے ' وه زمين کے علاوه اِن ستاروں ميں موجود نہيں هيں - ليکن اُس کا يه دعوی کئي وجوه سے نا قابل تسليم هے - پہلي بات تو يه هے که اِن شرطوں کي عدم موجودگي کا ثبوت کيا هے ؟ کون دعوی کر سکتا هے که هوا ' پاني ' نور ' حرارت ' وغيره لوازم زندگي سے يه ستارے بالکل خالي هيں ؟ بلا شبه اب تک اِن کے وجود کي بهي کوئي دليل همارے علم ميں نہيں آئي - ليکن بہت ممکن هے که يه چيزيں وهاں موجود هوں اور هماري تحقيقات ميں ابهي نه آئي هوں - حال هي ميں انساني علم نے معلوم کر ليا هے که بعض ستاروں ميں اکسيجن موجود هے ' جو زندگي قائم رکهنے والي هوا کا اصلي جزء هے -

پهر يه دعوی بهي بالکل بے دليل هے که زندگي کي جو شرطيں هميں معلوم هيں ' اُن کے بغير زندگي کا وجود ممکن نہيں - بلا شبه هماري زمين پر زندگي اِن شرطوں کے بغير نا ممکن هے - ليکن يه کيا ضروري هے که دوسرے ستاروں کي طبيعت بهي بالکل ويسے هي هو جيسي هماري زمين کي هے ؟ يه بهي ضروري نہيں که زندگي کا ظهور اُن ستاروں ميں بهي ويسا هي هو ' جيسا اِس زمين ميں هے - بہت ممکن هے اُن ستاروں ميں زندگي کي شکليں بالکل مختلف هوں - اجسام کي ساخت جدا هو ' اعضاء و عضلات دوسري وضع کے هوں - زندگي کے لوازم مختلف هوں - ستاروں کي کائنات پر ايک هي اعتبار سے قياس کرنا اور اُن پر يکساں حکم لگانا ' صحيح نہيں هوسکتا -

اِس تفصیل سے واضح هو جاتا هے که هر قوم کے اخلاق و عادات ایسے هونے چاهئیں که آساني سے بدل نه سکیں - لیکن ساتهه هی اُن میں اِتني لچک بهي لازمي هے که بتدریج تبدیلي قبول کر سکیں - تاریخ کا قبرستان ایسي قوموں کي نعشوں سے لبریز هے جو یه راز معلوم نه کر سکنے کي وجه سے هلاک هو گئیں -

(ترقي انقلاب سے بهتر هے)

اجتماع کا یه ناموس بهي همیشه پیش نظر رهنا چاهیے که تدریجي ترقي کي راه ' اچانک انقلاب سے بهتر اور محفوظ هوتي هے - لیکن کبهي کبهي ایسے حالات بهي پیدا هوجاتے هیں که انقلاب ضروري هو جاتا هے - اس کي مثال یه هے که بعض جسماني امراض کا بهترین علاج یهي هوتا هے که فوراً سخت بخار چڑه آئے - بخار کي شدت ' وه امراض دور کر دیتي هے - قومیں بهي کبهي کبهي ایسے هي امراض میں مبتلا هو جاتي هیں ' اور اُن کا علاج یهي هوتا هے که فوراً انقلاب برپا کر دیا جائے - کیونکه ایسي حالت میں اگر تدریجي اصلاح کا انتظار کیا جائے گا ' تو مرض امتداد زمانه سے تمام قومي جسم پر حاوي هو جائیگا ' اور پهر اُس کا علاج مشکل هو جائیگا - چنانچه جهاں تک کسي ایسی قوم کي ترقي کا تعلق هے ' جو کسي دوسري غاصب قوم کے ماتحت آ گئي هو ' انقلاب کے بغیر چاره نهیں - کیونکه اس صورت میں کسي قدرتي حالت کي اصلاح و ترقي کا سوال درپیش نهیں هوتا ' بلکه ایک غیر قدرتي اور ناجائز قبضهٔ و غصب کا خاتمه مطلوب هوتا هے -

بهر حال ماهرین سیاست کا فرض هے که زمانے کي روح ' اُس کے پهیلنے سے پهلے هي معلوم کرلیں ' اور حکومت کي شکل میں ایسي تبدیلیاں کرتے رهیں جن پر عام رائے مطمئن هوسکے - ورنه نتیجه نهایت هي مهلک هوگا -

(نوجوان اور بوڑهے)

اِس سلسله میں یه حقیقت بهي قابل ذکر هے که سن رسیده افراد نوجوانوں کے مقابلے میں اصلاح و تجدد کے کم حامي هوتے هیں - اِس میں اُن کا کوئي قصور نهیں هے که قابل ملامت هوں - علم وظائف اعضاء سے ثابت هوچکا هے که بوڑهے اجسام میں اعصاب کمزور پڑ جاتے هیں ' اسلیے عادات کي مقاومت کي قوت باقي نهیں رهتي - برخلاف اس کے نوجوانوں کے اعصاب مضبوط هوتے هیں اور اسلیے عادات کي مخالفت آساني سے کرسکتے هیں -

(خیالات کا عروج و هبوط)

زمانے کي روح همیشه موجود رهتي هے - هر زمانے میں بدلتي رهتي هے - تاریخ کے بڑے بڑے دور اس کے سوا کچهه نهیں هیں که زمانے کي مختلف روحوں کے مظهر هیں - جدید خیالات و افکار کي مثال بالکل ستاروں کي سي هے - وه کبهي افق پر بلند هوتے هیں ' کبهي بالکل چهپ جاتے هیں - اسي طرح کبهي ایک قسم کے خیالات کو عروج هوتا هے ' کبهي دوسرے قسم کے خیالات کو - آج جو خیالات مقبول عام و خاص هیں ' بهت ممکن هے که کل مکروه و متروک هو جائیں - صلیبي جنگوں کے زمانے میں جن افکار نے تمام یورپ میں هلچل ڈال دي تهي ' آج دنیا اُن سے نفرت کرتي اور اُن پر حقارت سے مسکراتي هے -

زمانه بهت سي قوتوں کو پراگنده کرکے فنا کر ڈالتا هے ' اور بهت سي نئي قوتیں پیدا کردیتا هے جو کسي کے وهم و گمان میں بهي نهیں هوتیں - دنیا کي بهت سي پراني آرزوئیں آج مٹ چکي هیں اور اُن کي جگه بالکل نئي امنگوں نے لے لي هے -

(زمانه کي روح)

زمانے کي روح کبهي ایک نقطه و مرکز پر قائم نهیں رهتي - وه بحر زخار کي موجوں کي طرح هر طرف پهیلتي اور ظاهر هوتي رهتي هے - وه هوا کي طرح هر مقام پر پهنچتي اور دلوں اور دماغوں کو جنبش میں لاتي رهتي هے -

زمانے کي روح هی درحقیقت قوموں میں زندگي اور حرکت پیدا کرتي هے - زمانے کي روح ایک پر اسرار اَن دیکهي مخلوق هے - کوئي اُسے دیکهه نهیں سکتا ' مگر وه سب میں داخل هوتي اور اپنا عمل انجام دیتي رهتي هے !

زمانے کي روح خاص طور پر بڑي بڑي انساني جماعتوں میں جنبش پیدا کردیتي هے - بڑے بڑے شهروں میں قوت سے ظاهر هوتي هے - قصبوں اور دیهاتوں میں اُس کا اثر کمزور هوا کرتا هے -

حکام و ارباب سیاست کا فرض هے که سب سے پهلے زمانے کي روح اور اُس کے مقتضیات معلوم کریں - اس کے مطابق اپنے اندر تبدیلي کریں - ایسے نظام جاري کریں جو اِس روح کے مطابق هوں - ورنه نتیجه ' ناکامي و هلاکت کے سوا کچهه نه هوگا -

حکام وقت کا فرض هے که اپنے زمانے کي روح سے غفلت نه برتیں - یه روح کوئي خیالي بات نهیں هے ' بلکه حقیقي وجود رکهتي هے - قوموں کے حکام اور رهنماؤں کي ذمه داري بهت هي عظیم هوتي هے - اُن کا کام بالکل جهاز کے ناخدا کا سا هے ' جو ایک لمحه کے لیے بهي هوا اور موسم کي طرف سے غافل نهیں هوسکتا - اُس کي نظریں ' جهاز کے چپه چپه پر هوتي هیں - کیونکه ایک ننها سا سوراخ بهي پورے جهاز کي غرقابي کا باعث هو جا سکتا هے -

اِس تمام بحث کا خلاصه یه هے که زمانے اور حالات کي تبدیلي کے ساتهه ساتهه اجتماعي و سیاسي نظامات میں بهي تبدیلي لازمي هے - ایسا کرنے سے ترقي و سعادت کي راهیں کهلتي هیں - اور اِس کي مخالفت سے تباهي و بربادي نازل هوتي هے -

(مسلح انقلاب)

بغاوت یا مسلح انقلاب اُسي وقت جایز هوتا هے ' جب عام رائے اور قوم کي امیدوں کے موافق هو - ایسے انقلاب میں پوري قوم کے جذبات مشتعل هو جاتے هیں - انقلاب — کسي قسم کا بهي هو — بنیادي تبدیلي کا ثبوت هوتا هے -

اصلاح کے عمل میں حقوق کا دائره طبیعي طور پر وسیع هوتا هے - برخلاف اس کے انقلاب میں تبدیلي اچانک واقع هوتي هے - انقلاب درحقیقت ' اجتماعي انتقام هے - ایک غیر طبیعي حرکت هے - خونریزي اور مصائب و آلام اُس سے پیدا هوتے هیں -

انقلاب ' ایک مصیبت هے - ملک پر یه مصیبت اُسي وقت نازل هوتي هے جب ضرورت کے مطابق ' اصلاح موجود نهیں هوتي - فساد اجتماعي جسم میں پهیل جاتا هے ' اور قومي مزاج بالکل بگاڑ ڈالتا هے - اصلاح کي تاخیر کا ایک سبب یه بهي هوتا هے که اُس کي راه میں کوئي رکاوٹ پڑ جاتي هے - وه اپني طبیعي حد کو پهنچنے نهیں پاتي - نتیجه یه هوتا هے که دبي هوئی اجتماعي روح اچانک اُبل پڑتي هے ' اور تمام موانع کو قوت کے ساتهه اُٹها پهینکتي هے - پس انقلاب ' کوئي اجتماعي قانون نهیں هے هاں اُسے اجتماعي حادثه کهه سکتے هیں -

مسیحیت اور بت پرستی

آٹھویں اور نویں صدی میں مسیحیت کو خیالات کی ایک بڑی خانہ جنگی کا سامنا کرنا پڑا تھا - اِس خانہ جنگی کی وجہ ' بت پرستی تھی - بیزنطینی شہنشاہیت میں یہ نزاع آخری حد تک پہنچ گئی تھی -

ابتدائی عہد کے عیسائی بتوں ' تصویروں ' اور نقش و نگار کی تعظیم و عبادت سے نفرت رکھتے تھے - کیونکہ یہ بت پرستی تھی - وہ یہودیت سے نکلے تھے ' اور یہودیت خدا کا تجسم نا جائز قرار دیتی ہے - انھیں یورپ میں یونانیوں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا ' یونانی بت پرستی کے سب سے بڑے شائق تھے - اس لیے قدرتی طور پر وہ اپنے حریفوں سے اپنے آپ کو علحدہ رکھنا چاھتے تھے -

اُس زمانے میں مسیحی دعاۃ اِن بت پرستوں پر ھنستے تھے اور تعجب کرتے تھے کہ یہ لوگ خود اپنی بنائی ھوئی چیزوں کو سجدہ کرتے ھیں - لیکن بت پرستی سے یہ بیزاری تثلیث اور تجسم کو روک نہ سکی - بلکہ اس کے بحث و جدال ھی نے در حقیقت بت پرستی اور تصویر پرستی مسیحی کنیسا میں پیدا کردی !

(بت پرستی کی ابتدا)

یہ چیز مسیحیت میں سب سے پہلے جن نو مذھب عیسائیوں کے ذریعہ آئی تھی ' وہ بھی حضرت مسیح کے بت یا تصویر کی پرستش نہیں کرتے تھے - لیکن چونکہ بت پرستی سے نئے نئے مسیحیت میں آئے تھے ' اس لیے اُنھوں نے حضرت مسیح کی تصویروں کی تعظیم و تکریم شروع کردی - ٹھیک اُسی طرح ' جس طرح ارسطو اور فیساغورس وغیرہ کی تصویروں کی یونانی عزت کیا کرتے تھے - اِن کے نئے نئے ایمان کے خیال سے مسیحی علماء نے تساھل برتا ' اور یہ خیال کرکے کہ یہ لوگ اِن چیزوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ صرف تعظیم کرتے ھیں ' ان پر کوئی تشدد نہیں کیا - اس طرح یہ تعظیم بغیر کسی روک کے جاری ھوگئی -

بتدریج اِس تعظیم نے عبادت کی صورت اختیار کرلی - یہانتک کہ تیسری صدی میں قسطنطین نے مسیحی کلیسے میں با ضابطہ طور پر یہ نئی مسیحی عبادت داخل کردی - مسیحی علماء نے اُس وقت بھی کوئی مخالفت نہیں کی - اُنھوں نے خیال کیا ' بت پرستی کی اب جڑیں تک اُکھڑ چکی ھیں ' اُس کے از سر نو احیا کا کوئی اندیشہ نہیں ہے -

چنانچہ نئی پرستش کا آغاز ھوگیا - سب سے پہلے صلیب اور مقدس آثار کی تعظیم سے شروع ھوئی - پھر شہیدوں اور ولیوں کی قبور کی تعظیم و تکریم شروع ھوگئی - پھر اُن سے منتیں مرادیں مانگی جانے لگیں - بالآخر ان کی مورتیں ظاھر ھوئیں - لوگوں نے خیال کیا : اگر صلیب اور مقدس آثار و قبور میں بزرگی ہے ' تو کوئی وجہ نہیں کہ مورتوں میں اور بھی زیادہ بزرگی اور برکت نہ ھو ؟ بادشاھوں اور بڑے آدمیوں کے بت بنائے جاتے ھیں ' کیوں نہ خدا کے برگزیدہ بندوں کے بھی بت بنائے جائیں ' اور ان

سے برکت و سعادت حاصل کی جاے ' حالانکہ وہ بادشاھوں سے کہیں زیادہ اجلال و تکریم کے مستحق ھیں ؟

' اِس طرح بتدریج بت پرستی مسیحی کنیسے میں داخل ھوگئی - شروع شروع میں کنیسا کی دیواروں پر تصویریں اور مورتیں اس غرض سے آویزاں کی گئی تھیں کہ " ان کے معائنہ سے عبرت و موعظت حاصل ھوگی " لیکن آگے چلکر ان کی حیثیت ایک نا گزیر دینی شعار اور ربانی عبادت کی ھوگئی - مخلص عیسائی بتوں اور تصویروں کے لیے اُسی طرح نماز پڑھنے لگے ' جس طرح وہ خدا کے لیے نماز پڑھتے تھے !

اِس بدعت کے ساتھ اور بھی کئی مشرکانہ رسمیں مسیحی کنیسا میں داخل ھوگئیں - چنانچہ چراغاں ' بخور ' رکوع و سجود وغیرہ رسمیں ' سب بت پرستوں ھی سے لی گئی ھیں -

سچے عیسائیوں نے جب یہ حالت دیکھی تو اعتراض کیا - مگر اُن کی کوئی شنوائی نہیں ھوئی - اِن مقدس تصویروں اور مورتوں کے ہزاروں معجزے مشہور ھو چکے تھے - لوگ اُن سے دست بردار ھونے کے لیے طیار نہ تھے -

شروع شروع میں روح القدس کی تصویریں بہت مبہم اور مضطرب بنائی جاتی تھیں - لیکن حضرت مسیح اور مریم (علیہما السلام) اور فرشتوں کی تصویریں بالکل صاف اور خالص انسانی قالب میں ھوا کرتی تھیں -

(چھٹی صدی مسیحی)

ابھی چھٹی صدی ختم نہیں ھوئی تھی ' کہ یہ مشرکانہ عبادت کنیسا کی ایک شرعی عبادت بن چکی تھی - تمام کنیسے تصویروں اور بتوں سے آراستہ تھے ' حتی کہ خود ویٹیکان (محل اعظم پوپ) بھی اُن سے لبریز ھو چکا تھا - اب یہ حالت تھی کہ مسیحی مؤمنین تصویروں اور بتوں کے حد سے زیادہ دلدادہ تھے - انھیں عبادت و برکت کے لیے ضروری سمجھنے لگے تھے - وہ تقوی و بزرگی کے نشان خیال کیے جاتے تھے -

آٹھویں صدی کے اوائل میں تصویر پرستی اور بت پرستی ' مسیحی عبادت خانوں میں پورے عروج تک پہنچ چکی تھی - اِسی زمانے میں بعض یونانی علماء ظاھر ھوئے ' اور اِسے کنیسا کی بت پرستی قرار دیا - اِن لوگوں نے کہا " مشرک قومیں بھی اپنے بتوں کو خدا نہیں کہتی تھیں ' بلکہ بعینہ وھی معانی اُن کے پیش نظر تھے ' جو اِن تصویروں اور مورتوں کے بارے میں تمھارے پیش نظر ھیں - لیکن اِس پر بھی خدا کی شریعت نے اُنھیں مشرک قرار دیا - تم میں اور اُن میں کوئی فرق نہیں - صرف الفاظ اور اسماء کا اختلاف ہے " -

(اسلام کا ظہور)

صدیوں کی غفلت کے بعد مسیحی علماء میں یہ بیداری صرف اِس وجہ سے پیدا ھوئی تھی کہ دین اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر اب مصر ' شام ' فلسطین پر چھا گیا تھا اور خود بیزنطینی کنیسے کے مرکز پر اُسکی تیز نظریں پڑ رھی تھیں - اسلام کی تعلیمات اِس بارے میں معلوم و مشہور ھیں - ابتدائی تصادم کے زمانے ھی میں مسیحیوں کو معلوم ھو گیا تھا کہ مسلمان اُنھیں بت پرست اور مشرک کہتے ھیں - اُنھوں نے اسلامی مسجدیں بھی دیکھی تھیں جو ھر قسم کی تصویروں اور مورتوں سے خالی تھیں -

مسیحیوں کی ایک جماعت اسلامی اثرات سے متأثر ھوگئی اور توراۃ کی تعلیم کی طرف از سر نو دعوت دینے لگی جو تصویر پرستی اور بت پرستی کی تمام شکلوں کو حرام قرار دیتی ہے -

دوسرے گروہ کا بیان بڑی حد تک مقبول ہے - وہ کہتا ہے ہماری زمین کیا ہے ؟ اِس لا متناہی فضا میں بہنے والے لاکھوں کروں میں سے ایک چھوٹا سا کرہ ہے - زمین کو ظاہری اعتبار سے دوسرے کروں پر کوئی امتیاز حاصل نہیں - نہ تو اُس کا حجم ہی سب سے بڑا ہے ، نہ عمر ہی سب سے زیادہ ہے - پھر کیا وجہ ہے کہ اُس ہیں زندگی موجود ہو ، اور باقی تمام کرے جو اُس سے کہیں زیادہ بڑے اور قدیم ہیں ، زندگی سے بالکل خالی سمجھے جائیں ؟

ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ یہ تمام ستارے بھی ویسے ہی ایک دقیق نظام سے وابستہ ہیں ، جیسا نظام ہماری زمین کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے - وہ بھی نہایت انتظام کے ساتھ اپنے افلاک میں گردش کرتے ہیں - اُن کی رفتار میں بھی ادنی سے ادنی خلل یا بد نظمی کبھی پیدا نہیں ہوتی - پھر کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ ستارے جن پر قدرت اپنی اِس قدر توجہ صرف کر رہی ہے ، بغیر کسی زندگی کے موجود ہوں ، اور اِس کے سوا کوئی غرض و غایت نہ رکھتے ہوں کہ ہماری دلچسپی اور نظر فریبی کا سامان مہیا کریں ؟ اِس میں قدرت کی کیا حکمت ہو سکتی ہے کہ یہ ننہا سا ذرہ ، یعنی زمین ، تو آباد ہو ، اور باقی تمام عظیم الشان عوالم چٹیل میدان سے بھی بدتر ہوں ؟ حالانکہ وہ بھی زمین ہی کی طرح ایک پورے حکیمانہ نظام کے ماتحت قائم ہیں -

بے شمار علمی قرائن اِس نظریے کی تائید کر رہے ہیں کہ ہمارے تمام نظام شمسی کے کواکب کی اصلیت ایک ہی ہے - اور وہ سدیم ہے - اِن سب کی تکوین ، سدیم ہی کے مادہ سے ہوئی ہے - وہ بتدریج سدیمی کرہ سے جدا ہو کر مستقل وجود بنے ہیں - اِسی طرح تمام کیمیاوی و فلکی دلائل کا رجحان بھی اِسی نظریے کی طرف ہے کہ نہ صرف خاندان شمسی بلکہ جملہ عوالم فلکی ، اِسی سدیم سے بنے ہیں - زمین اور جملہ ستاروں کا خمیر ایک ہی ہے - سب ایک ہی مادے کی مختلف شکلیں ہیں - سب کا مادہ کیمیاوی ذروں سے مرکب ہے - ان میں ہر ذرہ اپنے اندر دو کہربائی لہریں ایجابی اور سلبی رکھتا ہے -

پس جب جملہ کائنات اور ہماری زمین ، ایک ہی اصل رکھتی ہیں ، تو کوئی وجہ نہیں کہ صرف ایک ہمارے کرے ہی میں زندگی ہو اور باقی تمام کرے ، مردہ اور بے جان فرض کر لیے جائیں - اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ زمین کے سوا کسی دوسرے ستارے میں زندگی نہیں ہے ، تو یہ سوال قابل غور ہے کہ بقول علماء فلک کے سورج اپنی حرارت برابر کھو رہا ہے ، اور کروڑوں برس کے بعد ایک وقت آجائیگا جب وہ بالکل بے نور اور بے حرارت ہوکر رہ جائیگا - اُس وقت زمین یقیناً زندگی سے محروم ہو جائیگی - ایسی حالت میں یہ کروڑوں ستارے کیا ہونگے ؟ کیا یہ بھی ہمارے نظام شمسی کے ساتھ تباہ ہو جائینگے ؟ حالانکہ معلوم ہے کہ گنتی کے چند کواکب کے سوا باقی تمام ستارے ہمارے نظام شمسی سے باہر ہیں اور ہمارے آفتاب کی موت و حیات کا اُن پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا - اگر یہ تباہ نہیں ہونگے ، تو اِن کے وجود سے فائدہ کیا ہے جب کہ وہ بالکل اُجاڑ ، سنسان ، اور بے جان ہیں ؟

تمام عقلی و نقلی علوم اور دینی روایات بھی ثابت کر رہی ہیں کہ جملہ کائنات ، ایک ہی اصل سے ظاہر ہوئی ہیں اور ایک ہی قسم کے طبیعی ناموس کے ماتحت برقرار ہیں - اگر یہ صحیح ہے تو زمین کو کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں ہے کہ صرف اُسی پر زندگی ہو اور باقی تمام عوالم ، بے نور اور زندگی سے محروم ہوں - زمین پر زندگی کے جو لوازم ہیں ، ضروری نہیں کہ دوسرے ستاروں میں بھی لوازم ہوں - ناموس انتخاب طبیعی بتاتا ہے کہ زندہ کائنات اپنے ماحول اور زمان و مکان کے اختلاف سے مختلف صورتیں اختیار کرلیتی ہیں - اُن کی شکل بھی بدل جاتی ہے - مزاج بھی مختلف ہو جاتا ہے - پہلے یقین کیا جاتا تھا کہ سنٹی گریڈ کے سو درجہ حرارت میں کوئی ذی روح زندہ نہیں رہ سکتا - لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ بعض جراثیم کھولتے ہوئے پانی میں بھی زندہ رہجاتے ہیں - اِسی طرح بعض جراثیم برف میں بھی مدتوں نہیں مرتے - اگر یہ صحیح ہے تو یہ باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے ستاروں کے جاندار بھی اُس ماحول میں زندہ نہیں رہ سکتے ، جو ماحول ہماری زندگی کے منافی ہے -

ممکن ہے ستاروں میں زندگی کا قوام ہماری زمین کی زندگی کے قوام سے مختلف ہو - مثلاً آکسیجن ہمارے لیے ضروری ہے ، مگر دوسرے ستاروں کی مخلوقات کے لیے ضروری نہ ہو - ظاہر ہے کہ ستاروں کے جاندار ہم سے مختلف ہونگے ، کیونکہ اُن کا ماحول ہم سے بالکل مختلف ہے - ہمارے اُن کے درمیان مابہ الاشتراک صرف روح ہی ہو سکتی ہے - اور معلوم ہے کہ روح نہ تو کوئی شکل رکھتی ہے ، نہ مادے کے تابع ہے - خود اپنی اِسی زمین پر ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں مخلوقات اپنی جسمانی ترکیب اور ضروریات زندگی میں ایک دوسرے سے پورا اختلاف رکھتی ہیں - تاہم سب زندہ ہیں ، اور سب میں ایک ہی روح کار فرما ہے - جب خود زمین پر مخلوقات کا اختلاف اِس درجہ زیادہ ہے ، تو ظاہر ہے ، دوسرے ستاروں کی مخلوق ہم سے کیوں مختلف نہو ؟

چونکہ ہماری زمین ، سب سے زیادہ قدیم نہیں ہے ، اس لیے ممکن ہے ، دوسرے ستاروں میں زندگی زیادہ قدیم اور بہت ترقی یافتہ ہو - بہت ممکن ہے کہ بعض ستاروں کی مخلوق اِس درجہ ترقی کر گئی ہو کہ ہم سے بہت زیادہ علم و حکمت رکھتی ہو - ہم سے بہت زیادہ اسرار وجود سے واقف ہو - ہم سے کہیں زیادہ اُس کی ایجادیں محیر العقول ہوں - ممکن ہے اُس کے پاس ایسے ذرایع موجود ہوں کہ قریب کے دوسروں ستاروں تک بھی پہنچ سکتے ہوں اور روح و مادہ کے راز معلوم کرچکی ہوں - ممکن ہے اُن کے جسم ہمارے ہی جیسے ہوں - ممکن ہے ہم سے بالکل مختلف ہوں - بہت ممکن ہے وہ ہم سے زیادہ حواس رکھتے ہوں -

یہ ہے خلاصہ دوسرے گروہ کے خیالات کا - اور پہلے گروہ کے خیالات سے زیادہ معقول معلوم ہوتا ہے -

اطلاع

اکثر حضرات الہلال کے ابتدائی نمبروں کا شوق ظاہر کرتے ہیں ، اور خریدار ہوتے ہوے لکھتے ہیں کہ تمام پچھلے پرچے بھیج دیے جائیں - لیکن افسوس ہے کہ ابتدائی نمبر اب دفتر میں موجود نہیں ہیں اور اسلیے دفتر تعمیل سے مجبور ہے -

منیجر

ترکی حکومت

اور اُس کے اجتماعی و سیاسی تغیرات

شروع سے ابتک

(۱)

دور اول

سنہ ۶۹۹ ھ (۱۳۰۰ع) سے سنہ ۱۲۲۳ ھ (۱۸۰۸ع) تک

آل عثمان کی سلطنت اُس زمانہ میں ظاہر ہوئی' جب صلیبی جنگوں کی خونریزی سے مشرق قریب کی سر زمین سرخ ہو رہی تھی' اور مسیحی تعصبات سے وقت کا مطلع غبار آلود تھا - اس وقت کی آب و ہوا کا یہ قدرتی اثر تھا کہ سلطان عثمان اور اُن کی اولو العزم اولاد میں دینی جہاد کا جذبہ پیدا ہوا' اور وہ مسیحی ممالک کی فتوحات پر کمر بستہ ہوگئے - یہ یورپ کے صلیبی حملہ کا قدرتی رد فعل تھا -

اُس وقت ایشیاے کوچک کے اطراف و جوانب بروسہ' ازمید' ازنیق' طرابزن میں بیزنطینی سلطنت (قسطنطنیہ) کے باج گزار امراء حکمران تھے - آل عثمان نے اپنے جہاد اور ملک گیری کا آغاز اُنھی سے کیا' اور یکے بعد دیگرے مطیع یا مغلوب کرتے گئے - اِن سے فارغ ہوکر در دانیال کے آگے بڑھے' اور بلغاریا' سربیا' اور بیزنطینی سلطنت کو زیر وزیر کرنے کے بعد مسیحیت کی راج دھانی " روم " کو گھورنے لگے - یہ صلیبی لڑائیوں کے جوابی حملہ ھی کا جذبہ تھا' جس نے سلاطین آل عثمان کو یک قلم یورپ کی طرف متوجہ کر دیا تھا' اور ایشیا سے بڑی حد تک غافل رہے تھے - صرف سلطان سلیم یاوز (خونریز) نے ایشیا کی طرف توجہ کی' مگر اِس کی ایشیائی فتوحات میں ایک اَور ھی جذبہ کار فرما تھا - وہ عرش خلافت پر جلوہ گر ہونے کا متمنی تھا' جس میں آسے پوری طرح کامیابی ہوگئی -

یورپ صلیبی جنگوں سے بالکل خستہ ہو چکا تھا - مسلسل شکستوں نے اُس کی شجاعت و ھمت پر کاری ضربیں لگائی تھیں - فرقہ وارانہ حسد و منافست نے اُس کے تمام قوی معطل کر دیے تھے - اِن حالات کا لازمی نتیجہ تھا کہ دول یورپ نے ترکی سیلاب کے مقابلہ کا کوئی خیال نہیں کیا' اور قسطنطنیہ اور مشرقی یورپ کی مسیحی ریاستوں اور قوموں کو مغلوب ہوجانے دیا - لیکن جب ترکوں نے بلقان سے بھی قدم آگے بڑھایا' اور ھنگری پر ترکتازیاں شروع کردیں' تو یورپ کی آنکھیں کھلیں - مذھب کے نام پر متحدہ محاذ قائم کیے گئے' اور ترکوں کے روکنے کی کوشش شروع ہوئی - مگر کامیابی حاصل نہ کرسکے -

یہانتک کہ سلطان سلیمان قانونی کی وفات کے بعد خود ترکوں میں کمزوری پیدا ہوگئی - سلطان مراد ثالث کے عہد میں یہ کمزوری ظاہر ہوئی' سلطان احمد اول کے زمانہ میں اس نے ترقی پائی' اور سلطان محمد رابع کے دور میں بلوغ و کمال تک پہنچ گئی - ترک جس قدر کمزور ہوتے گئے' یورپ کا مسیحی اتحاد بھی اُسی قدر ٹوٹتا گیا - یہانتک کہ صرف روس اور آسٹریا ترکوں کے مقابلہ میں رہ گئے' اور اُنھیں یورپ سے نکالنے کی کوشش کرتے رہے -

اِس طرح ترکی شہنشاھیت نے اپنی عمر کا اکثر حصہ پے در پے جنگوں میں گزار دیا - ابتدائی جنگیں حملہ آورانہ تھیں' بعد میں مدافعانہ ہوگئیں - لیکن اس تمام مدت میں ترکی سلطنت ایک مذھبی سلطنت رھی - اس کا تمام داخلی نظام شریعت کے احکام پر مبنی تھا - علماء و فقہاء کو غیر معمولی اقتدار حاصل تھا - مفتیوں کے فتوے عزل و نصب اور نظم و نسق کے لیے جاری ہوتے رہتے - چونکہ عثمانی حکومت کی نشو و نما ھی اُس وقت ہوئی تھی' جب کہ اسلام کے دینی علم و عمل کی روح پژمردہ ہونا شروع ہوگئی تھی' اور دینی نظر و بصیرت اور اجتہاد فکر کی جگہ تقلید و جمود کی بنیادیں قائم ہوچکی تھیں' اس لیے مذھبی احکام و نظام کی کوئی بہتر روح پیدا نہ ہوسکی - جن علماء کے ہاتھہ میں نظم و نسق کے احکام تھے' ان کا علم تمام تر فقہ حنفی کی چند متداول متون و شروح تک جو متاخرین کی ترتیب دی ہوئی تھیں' محدود تھا' ان سے باھر نہ تو کوئی نظر رکھتے تھے' اور نہ ایسی فضاء تھی کہ بلند نظری پیدا ہوسکتی -

اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کی پچھلی حکومتوں کی طرح' عثمانی حکومت میں نظم و ادارہ کی کوئی موافق روح پیدا نہ ہو سکی - دائرۂ حکومت تمام بر اعظم یورپ اور مشرق میں پھیل گیا تھا - مختلف مذاھب' مختلف نسلیں' مختلف تمدن' اور مختلف جماعتی مزاج رقبۂ حکومت میں جمع ہوگئے تھے' حکومت کے لیے اتنے مختلف عناصر پر کامیاب حکومت قائم رکھنی آسان نہ تھا - ترک ھمیشہ سے ایک جنگی قوم تھے - اب ان کے زیر نگیں یورپ اور مشرق کی تمام متمدن آبادیاں آگئی تھیں - ضرورت تھی کہ انتظام حکومت کی ایک طاقتور روح پیدا کی جاتی - یہ روح ضرور پیدا ہوتی' اگر علوم دینیہ کی حقیقی روح باقی رھتی' اور تقلید و تنگ نظری نے فقہاء کے دماغ عقیم نہ کردیے ہوتے - لیکن افسوس کہ حالت دوسری تھی - نتیجہ یہ نکلا کہ روز بروز حکومت کا انتظامی مزاج مختل ہونے لگا - حتی کہ یورپ کے مورخین کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ " اسلام کے احکام کی روح ھی حاکمانہ انتظام (اڈمنسٹریشن) کے خلاف ہے " حالانکہ اسلام کی روح مخالف نہیں ہے - مسلمانوں کا دماغی تنزل مخالف ہے -

(دور اصلاح)

سنہ ۱۲۲۳ ھ (۱۸۰۸ع) سے سنہ ۱۲۹۳ ھ (۱۸۷۶ع) تک

اِدھر ترکی مدافعانہ جنگوں میں مصروف تھی - روس اور آسٹریا کے حملوں کا مقابلہ کر رھی تھی - اُدھر یورپ میں ایک نئی تہذیب پھیل رھی تھی' جدید تمدن زندگی اور ترقی کے نئے نئے دروازے کھول رھا تھا' اور اقوام یورپ تیزی سے آگے بڑھ رھی تھیں - ایک طرف کامل وقفہ تھا' دوسری طرف پوری حرکت و سرعت تھی - نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ بہت آگے بڑھ گیا' اور ترکی جہاں تھی' رھیں کی رھیں رہ گئی' بلکہ مسلسل دفاعی جنگوں نے اُسکی چولیں ھلا ڈالیں -

اِس کے بعد پھر بت پرستی کے خلاف کوئی با ضابطہ مسیحی دعوت پیدا نہیں ہوئی - یہانتک کہ صلیبی لڑائیوں کے بعد اسلامی توحید کی تعلیم یورپ کے قلب تک پہنچی' اور مشہور مسیحی مصلح لوتھر کا ظہور ہوا -

(لیون کی اصلاح)

سی زمانے میں لیون سوم قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھا تھا - اِس شہنشاہ نے اشور کے پہاڑوں میں نشو و نما پائی تھی - ہر قسم کی تعلیم و تربیت سے محروم تھا - تاہم عقل سلیم رکھتا تھا - یہودیوں اور عربوں کی صحبت میں بیٹھ چکا تھا ' اور اُن کے اثر سے تصویروں اور بتوں کی تعظیم و عبادت سے متنفر تھا -

یہ تخت نشین ہوا ؛ اور غایت تدبر سے اپنے ارادے مخفی رکھے - یہانتک کہ جب پوری طرح اقتدار حاصل ہوگیا تو دینی اصلاح کی طرف قدم اٹھایا - اِس نے پہلا کام یہ کیا کہ علماء کی ایک مجلس منعقد کی اور یہ فتوی صادر کرایا کہ کنیسوں اور مقدس ہیکلوں سے تصویریں اور مورتیں ہٹا کر کسی ایسی بلند جگہ منتقل کردی جائیں جہاں مشرکانہ رسمیں انجام نہ دی جا سکیں -

چند سال بعد اُس نے دوسرا قدم اٹھایا اور مورتیوں کی پرستش' انکی تعظیم ' اور کنیسوں میں موجودگی ' سب ناجائز قرار دیدی - اُس نے صرف اِتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا ' بلکہ قسطنطنیہ کے تمام کنیسوں کو تصویروں اور مورتوں سے خالی بھی کر دیا - چنانچہ حضرت مسیح اور حضرت مریم بتول (علیہما السلام) کے تمام بت توڑ کر پھینک دیے گیے - اور تمام تصویریں محو کردی گئیں -

اُس کے بیٹے قسطنطین پنجم نے اِس بارے میں اور بھی زیادہ سختی برتی - سنہ ۷۵۴ ع میں اُس نے ایک دینی مجلس منعقد کی - اِس میں ۳۳۸ پیشوا جمع ہوئے - اِس لحاظ سے یہ مجلس بہت ہی بڑی مجلس تھی - مگر اس میں صرف بیزنطینی کنیسے ہی کے علماء شریک ہوئے تھے - روم ' اسکندریہ ' بیت المقدس ' اور انطاکیہ کے نمائندے شامل نہیں تھے - بادشاہ نے اِس مجلس کے سامنے تصویر پرستی کا مسئلہ پیش کیا - متفقہ فیصلہ ہوا کہ یہ عبادت ' مسیحی تعلیمات کی رو سے قطعاً حرام ہے - اور پرستش کی تصویریں' مجسمے ' اور آثار مسیحی عبادت گاہوں سے خارج کردینے چاہئیں - اس مجلس نے صلیب کو بھی اپنے فتوے میں مستثنی نہیں کیا ' اُسے بھی تجسم کا رمز قرار دیکر ممنوع ٹھہرایا - مزید برآں خود فن مصوری کو بھی نا جائز بتایا - اِس نے یہ حکم بھی نافذ کیا کہ جو شخص صلیب بنائے ' یا مقدس تصویریں اور نقوش اتارے ' اُسے فوراً کنیسے سے خارج کردیا جائے ' اگرچہ وہ خود علماء کی جماعت ہی میں سے کیوں نہ ہو -

سنہ ۷۶۶ ع میں اِس فیصلہ کو اور بھی زیادہ تشدد کے ساتھ جاری کیا گیا - صلیب رکھنا ' ولیوں کے لیے نماز پڑھنا ' تصویروں کی تعظیم کرنا ' یہ سب باتیں جرم قرار پائیں' اور مخالفوں کے لیے تازیانہ کی سزا سے لیکر آنکھیں پھوڑنے ' زبان کاٹنے ' اور سولی پر چڑھانے تک کی سزائیں تجویز کی گئیں -

(بت پرستی کا دوسرا دور)

لیکن ملکۂ ایرینی کے عہد میں پھر انقلاب ہوا - یہ ملکہ بت پرستی کی حامی تھی ' کیونکہ وہ نسلاً یونانی تھی اور عورت تھی - وہ اِس حیثیت سے تخت نشین ہوئی تھی کہ اپنے نا بالغ لڑکے قسطنطین ششم کی ولی اور سر پرست رهیگی - اِس نے برسر اقتدار آتے ہی ایقونی کنیسا (یعنی بت پرستی کو حرام سمجھنے والے کنیسا) کے علماء کو ستانا شروع کردیا - ستمبر سنہ ۷۸۷ع میں بہ مقام نیس ایک دینی مجلس منعقد کی - اِس میں ۳۶۷ پادری جمع ہوئے تھے' پوپ کے نمائندے بھی شریک تھے - بالاتفاق یہ فتوی صادر کیا گیا کہ مقدس تصویروں اور بتوں کی عبادت مسیحیت میں جائز ہے - اتنا ہی نہیں بلکہ شرعاً مستحسن ہے - دلیل میں اسلاف کی بہت سی جھوٹی روایتیں پیش کی گئی تھیں - مزید براں قسطنطنیہ کی سابق دینی مجلس کی تکفیر بھی کی گئی تھی - اُس کے فیصلہ پر عمل کرنے والوں کو بھی کافر و مرتد قرار دیا گیا !

(دوسری اصلاح)

ایک مدت تک اِس نئے فیصلہ پر عمل ہوتا رہا - یہاں تک کہ تیو فیلس بیزنطینہ کا بادشاہ ہوا - یہ بت پرستی کا دشمن تھا - سنہ ۸۳۳ ع میں اِس نے پھر علماء مسیحیت سے ایک نیا فتوی حاصل کیا اور بت پرستی حرام قرار پائی - اِس نے صرف تصویریں اور بت ہی نہیں مٹائے ' بلکہ کنیسوں میں مسیحی بزرگوں کے ناموں کے ساتھ " مقدس " کا لفظ بھی مٹا ڈالا - مصوروں اور بت سازوں کو شدید سزائیں دی گئیں - بہت سے خلاف ورزی کرنے والے پادریوں کی پیشانیاں آگ سے داغ دی گئیں - غرضکہ اِس رسم کے خلاف سخت جہاد جاری ہوگیا -

اُسی زمانے میں ایک مسیحی عالم جان (جسے عربوں نے یوحنا نحوی کے نام سے پکارا ہے) مشرقی رومن سلطنت کے کنیسے کا بطریق اعظم مقرر ہوا - یہ شہنشاہ کا استاد تھا اور بت پرستی کا سخت مخالف ' مگر اسکی طبیعت بہت کمزور تھی - اِس نے شاہی احکام کی تنفیذ میں تساہل کیا - نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفوں کے حوصلے بڑھگئے اور وہ علانیہ احکام شاہی کی خلاف ورزی پر آمادہ ہوگئے - شہنشاہ نے یہ حالت دیکھی تو سخت برہم ہوا - پہلے سے بھی زیادہ تشدد پر اُتر آیا اور مقدس تصویروں اور بتوں کے معتقدین کو سخت سزائیں دینے لگا -

(بت پرستی کا تیسرا دور)

شہنشاہ کے انتقال پر اُس کی ملکہ تخت نشین ہوئی - یہ اپنے شوہر کے خلاف عقیدہ رکھتی تھی - اس نے بت پرستی پھر رائج کرنی چاہی مگر اُس کی راہ میں سب سے بڑی رک بھی یوحنا نحوی تھا - یہ شخص دونوں جماعتوں کی نظر میں مکروہ تھا - بت پرستی کے مخالف' اِسے بزدل اور منافق سمجھتے تھے - حامی دشمن خیال کرتے تھے - اِس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یہ طبیعی علوم اور فلسفہ کا عالم تھا - یہ چیز اُس زمانے میں تمام دیندار مسیحیوں کی نظر میں کفر و الحاد تھی - اِس صورت حال نے یوحنا کو بالکل بے یار و مددگار کر دیا - چنانچہ اُسے معزول کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں - اُس پر یہ تہمت لگائی گئی کہ جادو گر ہے - یہ تہمت اُس کی معزولی کے لیے کافی تھی - چنانچہ اُسے ذلت کے ساتھ نکالا گیا اور ایک گم نام خانقاہ میں جلا وطن کر دیا گیا - مگر مخالفوں کو اِس سے سیری نہیں ہوئی - تھوڑے ہی دنوں کے بعد اُس پر یہ الزام لگایا گیا کہ اُس نے ایک ولی کی تصویر کی آنکھیں پھوڑ ڈالی ہیں - اِس الزام پر اُسے سخت سزا ملی اور توراۃ کے قانون " دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ " کے بموجب اُس کی آنکھیں پھوڑ ڈالی گئیں !

اب ملکہ کے لیے میدان صاف تھا - اُس نے سنہ ۸۴۲ع میں ایک اور دینی مجلس قسطنطنیہ میں منعقد کی اور از سر نو بت پرستی کا فتوی صادر کرادیا - تمام مخالف ' کافر قرار دیے گئے ' اور بت پرستی مسیحیت کی بنیادی عبادت تسلیم کرلی گئی - ۱۹ فروری سنہ ۸۴۲ ع میں کنیسۂ ایا صوفیا میں پھر تصویریں اور مورتیں واپس آگئیں - یونانی کنیسا اب تک یہ دن ایک عظیم دینی تہوار کے طور پر مناتا ہے -

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

مصطفیٰ پاشا الفاضل

اور لائحہ اصلاحیہ

(۲)

میرے آقا! اہل یورپ کہتے ہیں کہ ہماری کمزوری اور انحطاط ہماری قومیت اور ہمارے دین کی وجہ سے ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ ہم فوجی زندگی بسر کرنے کے علاوہ اور کسی بات کے لئے موزوں ہی نہیں۔ حالانکہ ان کا یہ خیال حقیقت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ ہماری امت دنیا کی دوسری امتوں سے کوئی مستثنیٰ صورت حال نہیں رکھتی۔ جس طرح دنیا کی مختلف قومیں ابتدا میں جنگی قوت سے نمایاں ہوئیں تاکہ اپنی ہستی کے لئے استقلال پیدا کریں، اور پھر علوم و صنائع اور تمام اعمال مدنیہ کے لئے مستعد ہو گئیں، اسی طرح ہم بھی اپنی جنگی شجاعت سے دنیا میں نمایاں ہوئے، اور کوئی وجہ نہیں کہ ترقی و سعادت کے تمام اعمال کی طرف قدم نہ بڑھائیں۔ قوم کی ابتدائی حرکت لڑائی میں ظاہر ہوئی ہو یا صنائع میں، مصدر دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے اور وہ حرکت کی استعداد ہے۔ جس میں استعداد ہے، اس کی راہ کبھی رک نہیں سکتی۔ خود یورپ کی مختلف قوموں کا اٹھان ہماری ہی طرح جنگ و عسکریت سے ہوا ہے، اور اب وہ تمدن و صنائع کے میدان میں سب سے پیش پیش ہیں۔

اسی طرح ہمارے دین پر بھی الزام صحیح نہیں۔ اس دین کی طرح دنیا کے تمام دینوں کی بھی تعلیم یہی ہے کہ جملہ کائنات، مشیت الٰہی کے ماتحت ہے۔ مسیحیوں کے عقیدے اس بارے میں ہمارے عقیدوں سے کہیں زیادہ سخت ہیں۔ وہ مذہب جبر پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ انکے پولس رسول کی تعلیم ہے کہ انسان، پروردگار کے ہاتھ میں ایسا ہے، جیسے گندھی ہوئی مٹی کمہار کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اے میرے آقا! انھیں بھلائی اور بہتری حاصل کرنے سے کوئی چیز روک نہ سکی۔

حق کا اظہار ضروری ہے۔ ہمیں جس چیز نے ان کی طرح علی قوم ہونے سے روک دیا ہے، وہ ہمارا طرز حکومت ہے۔ جس حکومت میں یہ اندھیر روا ہو کہ ایک انسان دوسرے انسان کی محنت سے بغیر استحقاق کے نفع اٹھائے، وہاں نہ عقل ترقی پا سکتی ہے، نہ خوشحالی، عام ہو سکتی ہے۔ جس ملک میں بھی ظلم پھیل جاتا ہے، مخلوق عمل سے کنارہ کش ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اسے اپنی محنت سے متمتع ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔

فرانس کی حالت ہمارے سامنے ہے۔ یہ خوبصورت ملک، جس کے ملاح علی حضرت بھی ہیں ۱۸۴۸ء سے پہلے سخت غفلت و فلاکت میں پڑا تھا۔ لائق سے لائق وزیر برسر حکومت آئے اور بڑی بڑی کوششیں کیں کہ صنعت و حرفت اور تجارت و زراعت کو رواج دیں، ملک میں حرکت و زندگی پیدا کریں، مگر ناکام رہے۔ ملک نے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ ظلم و استبداد ہر طرف چھایا ہوا تھا۔ رعایا اپنی محنت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ کسان جنگلوں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ فقر و فاقہ نے انھیں حیوانوں کی سی مخلوق بنا دیا تھا۔ کوئی بھی محنت و مشقت کی طرف رغبت ظاہر نہیں کرتا تھا۔

لیکن صرف تیس برس کی مدت کے بعد اب فرانس، فرانس ہو گیا ہے۔ تمدن و تہذیب کا مرکز ہے علوم و صنائع سے مالامال ہے۔ میرے آقا! یہ حیرت انگیز تبدیلی، صرف نظام حکومت کی تبدیلی کا نتیجہ تھی۔ مستبد حکومت نے ملک کو ویران کر ڈالا تھا۔ آزاد حکومت نے آتے ہی اس میں روح پھونک دی۔ ایسی روح جس نے اسے زندہ، جوان، طاقتور، اور خوشحال بنا دیا۔ درحقیقت فرانس پر آزادی کا بہت ہی عظیم احسان ہے۔

میرے آقا! آزادی، قوموں کو زندہ کر دیتی ہے۔ صرف معنوی زندگی ہی نہیں، مادی زندگی بھی بخشتی ہے۔ جب انسان اپنے حقوق سے محروم ہو جاتا ہے، تو ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اس کے تمام جسمانی و معنوی قویٰ معطل ہو جاتے ہیں۔

میرے آقا! جب قوم کی وہ حالت ہو جائے، جو اوپر عرض کر چکا ہوں۔ زمانہ، اس کے اخلاق پر دست درازی کرے، غفلت، آہستہ آہستہ اس کی عقل پر حاوی ہوتی جائے، فقر و فاقہ اس کا خون چوسنے لگے، اور سلطنت کے خزانے خالی ہو جائیں، تو ایسی حالت میں ہر محب وطن اور مخلص قوم کا فرض ہو جاتا ہے کہ صرف اصلاح کے مطالبہ ہی پر قانع نہ ہو جائے بلکہ عمل کا فوری قدم بھی اٹھائے۔ اصلاح ایک بے معنی لفظ ہے اگر اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ کتنے قوانین کا ہم سے وعدہ کیا گیا؟ کتنے نظام شائع کئے گئے؟ مگر کبھی عمل ہمارے سامنے نہیں آیا۔ لہذا اب ہم پر فرض ہو گیا ہے کہ ایک قدم آگے بڑھیں اور یہ اہم معروضہ، عرش معظم کے روبرو انتہائی تعظیم و احترام کے ساتھ پیش کر دیں۔

میرے آقا! آپ اس سلطنت کا ہاتھ پکڑیئے اور اس کا شباب تازہ کر دیجئے۔ دستور (یعنی دستوری نظام حکومت) کا ہاتھ بڑھائیے اور اُسے اختلال و بدنظمی سے نکال لیجئے۔ امت کو ایسا دستور بخشئے جس کا جسم تندرست ہو، سینہ کشادہ ہو، نیت نیک ہو۔ پھر اُسے اپنی امان میں لے لیجئے، ایسا انتظام قائم کیجئے کہ وہ اخلاص سے جاری ہو، امانت سے اس پر عمل کیا جائے، اور ہمیشہ کے لئے دست درازیوں سے محفوظ ہو جائے۔ ایسا دستور جس کے سامنے مسلم اور غیر مسلم، دونوں اپنے حقوق و واجبات میں برابر ہوں، تاکہ قومی اتحاد پیدا ہو۔ سب کو سلامتی اپنے سایہ میں لے لے، اور مغربیوں کا یہ کلیہ ٹوٹ جائے کہ "غالب اور مغلوب میں اتحاد، محال ہے"

آہ میرے آقا! میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اہل حل و عقد میں منافق اور جاہل، لفظ دستور تک سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اعلیٰ حضرت سے کہتے ہیں کہ دستور بادشاہ کو ایک بے جان کٹھ پتلی بنا دیتا ہے۔ اس کا اختیار چھین لیتا ہے۔ اس کی عظمت سلب کر لیتا ہے۔ دوسری طرف قوم سے کہتے ہیں: دستور تمھیں تمھاری عزیز ترین خصوصیتوں: دین، لباس، رسم و رواج سب سے محروم کر دے گا۔ لیکن یہ لوگ یا تو دغا باز ہیں، یا جہالت نے ان کی عقل پر پردے ڈال دئے ہیں۔

میرے آقا! ان لوگوں کے مشورے پر کان نہ دھریئے۔ اے میری امت! ان کی گمراہی کی پروا نہ کر۔ دستور، صرف خود غرضی کو روکتا ہے۔ بادشاہ کی صرف اتنی ہی آزادی سلب کرتا ہے کہ وہ رعیت کے معاملہ میں غلطی نہ کرے۔ اتنا ہی اختیار کھینچتا ہے، جتنے میں معتدل اختیار سے شر پیدا ہوتا ہے۔ وہ قوم پر کوئی ایسا حکم نہیں لگاتا جو اس کی عزت کے خلاف یا اس کی سعادت کے منافی ہو۔ وہ دین کی حفاظت کرتا ہے۔ سلطنت کا نگہبان ہوتا ہے۔ حقوق کی ضمانت کرتا ہے۔ دلوں میں اطمینان اُتارتا ہے۔ ہر انسان کو آزاد اور شریف بنا دیتا ہے!

دستور ہمارے لئے یہ موقعہ بہم پہونچائے گا کہ تمام سلطنتوں سے اپنے تعلقات اور زیادہ بہتر بنا دیں۔ یہاں، اس ملک میں اور وہاں، یورپ میں، کون نہیں جانتا کہ ہمارے معاملات میں منفرد دول کی مداخلت نے کتنا نقصان پہنچایا ہے؟ یہ لوگ برابر اصلاح، اصلاح چلاتے ہیں مگر سب کو معلوم ہے کہ اس مطالبہ سے ان کا مقصد ایک قوم کو دوسری قوم پر ترجیح دینا ہے، یا اس سے ان کی غرض بعض افراد کی خدمت ہے، یہ اور بھی زیادہ برا اور نقصان دہ ہے۔ لیکن دستور، ہماری حکومت ایسی مستحکم بنیادوں پر قائم کر دے گا کہ کسی اجنبی کو مداخلت کی جرأت باقی نہ رہے گی۔ تمام رعایا اپنی حکومت کے ظل حمایت میں ہوگی۔ سب کو عدل و انصاف کے سایہ میں یکساں امن ملے گا۔ دستور کے سامنے سب آدمی برابر برابر ہو جائیں گے۔

میرے آقا! وقت آ گیا ہے کہ اسلاف کی سلطنت کو آپ بچا لیں۔ اس کی راہ میں ہمارے خون اور ہمارے آنسوؤں کی قربانیاں عظیم تھیں۔ اس کا ماضی، شاندار تھا، اس کا حاضر، حسرت ناک ہے۔ آہ! یہ حاضر خود اعلیٰ حضرت کے رحیم قلب کے لئے کیسا کس درجہ تکلیف دہ ہے؟ ہمارے گرد ہر چیز ہمیں ہمکا رہی ہے۔ ہمارے ہاتھ کی ہر چیز گرتی اور ٹوٹتی جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی دوربین نظریں یہ سارے خطرے دیکھ رہی ہیں۔ معاملہ، سنجیدہ اور واقعی ہے۔ خیال تو ہم کی اسمیں گنجائش نہیں۔ آپکے پاس اتنی فوج موجود ہے کہ اجنبی ایندھن سے بھڑکنے والی ہر فساد کی آگ، بجھا دے سکتی ہے۔ لیکن اس فوج کے پاس نہ تو کھانا ہے کہ مفتوحین کا پیٹ پال سکے، نہ حکمت ہے کہ مغلوبوں کے دلوں میں اُتار سکے، اور نہ ہی امان ہے کہ خوف زدوں کو اپنے دائرہ حفاظت میں لے لے اور ظالموں کا ظلم روک سکے۔ آپ طاغوں کو اپنے ملک میں نئے نئے امتیازات دے کر فیصلہ کا دن دور کر سکتے ہیں، لیکن آپ کی اس بخشش میں ہمارا حصہ کیا ہے؟ بہت ممکن ہے فیصلہ کے ہولناک دن میں ہم اسی بخشش کی بدولت اور بھی زیادہ کمزور، بے کس، اور فقیر ثابت ہوں۔

میرے آقا! ہر سال جو گزرتا ہے، ہمارے بیرونی مددگاروں کی تعداد کم کرتا اور ہماری داخلی زندگی کا ایک چراغ بجھا دیتا ہے۔ یہ انگلستان ہمارے سامنے موجود ہے۔ اب وہ ہماری امداد کا ویسا خواہشمند نہیں جیسا بارہ برس پہلے تھا۔ یہ آسٹریا، جرمنی سے شکست کھانے کے بعد مغربی ہونے سے زیادہ مشرقی سلطنت بن گیا ہے۔ اب وہ سلاوی قوموں سے تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے جو ہماری سرزمین میں مقیم ہیں۔ اس سے بھی زیادہ اندیشہ کی بات یہ ہے کہ یورپ کی عام رائے ہمارے خلاف ہو گئی ہے۔ ۱۸۵۵ء میں وہ ہماری طرفدار تھی، مگر روز بروز ہم سے منہ پھیرتی

سلطان محمود ثاني تک ترک اپني عظمت و سرگراني کي وجه سے علم و فن کي هر نئي بات کو نفرت کي نظر سے دیکهتے تھے - صرف توپ خانه اور طباعت کي چند اصلاحات منظور کي گئي تهیں - باقي تمام علمي و صناعي انکشافات سے غفلت و اعراض تها - مشهور ترکي مورخ جودت پاشا نے اپني تاریخ میں ترکوں کا ذهني جمود دکهایا هے - وه لکهتا هے که " رسمي احمد آفندي نے سلطان مصطفی ثالث کے زمانه میں یورپ کي سیاحت کي تهي - واپس آکر سلطان کے ایک مقرب خاص یوسف آفندي سے بیان کیا که دول یورپ اپنے ملکوں کے حفظان صحت پر بهت متوجه هیں - جا بجا قرنطینے قائم کیے گئے هیں - سلطنت عثمانیه کو بهي یهي کرنا چاهیے - لائق مصاحب نے یه سنکر پیشاني پر بل ڈال لیے اور کها " میں تمهیں ابتک عقلمند سمجهتا تها ' مگر تم سخت احمق نکلے ' تم اِتنا بهي نهیں سمجهه سکتے که یورپ کے لوگ همارے ملک میں صرف بیماریوں کے ڈر سے نهیں آتے - اگر هم حفظان صحت کا انتظام کر دینگے تو ظاهر هے ' یه روک اُٹهه جائیگي ' اور یورپین هماري سر زمین پر چیونٹي کي طرح پهیل جائینگے - پهر هم اُنهیں کیسے قابو میں رکهه سکینگے ؟ "

یه بات نهیں هے که ترکي میں کسي کو بهي اصلاح کا خیال نه تها - خود سلطان مصطفی ثالث اور سلیم ثالث اصلاح کے بڑے حامي تهے - مگر بالکل مجبور تهے - اصلاح کي سب سے بڑي مخالفت فوج اور عامة الناس کي طرف سے هوتي تهي - ینگ چري فوجوں کو حد سے زیاده اقتدار حاصل هوگیا تها ' سلطان اُنکے هاتهه میں کهلونا تها - یه فوجیں سخت جاهل اور گنوار تهیں - کسي طرح کي اصلاح دیکهنا نهیں چاهتي تهیں - عام رعایا سرکاري علماء کے هاتهوں میں تهي ' اور معلوم هے که علماء دولت هر زمانه میں اصلاح کے سب سے بڑے مخالف هوتے هیں - اصلاح کي هر صدا اِن علماء سوء کے مذهب میں کفر و الحاد کي صدا تهي - وه ایک لمحه کیلیے بهي گوارا نهیں کرسکتے تهے که علم کي ایک شعاع بهي ترکي کے آسمان پر چمکے !

سب سے پہلے سلطان محمود ثاني کو اصلاح کي توفیق ملي - یه سلطان بڑا هي اولوالعزم تها - اُس نے ینگ چري فوجوں کا قتل عام کرکے خاتمه کردیا - اس کا اثر یه هوا که اُس کي هیبت دلوں پر چهاگئي ' اور علماء دولت بهي باوجود اپني تمام سرکشیوں کے لرزنے لگے - اِس سلطان نے اصلاح کے لئے اپني سلطنت کے دروازے کهول دیے اور فوج کا نظام بالکل جدید کر دیا - عام ترکي لباس بهي ترک کر دیا گیا - اور خود سلطان نے نیا فوجي لباس پهنکر اس کي ابتدا کردي - مگر افسوس هے که اب بهت دیر هوچکي تهي - یورپ تر و تازه هوکر از سر نو ترکي کي تباهي پر تل گیا تها ' اور هرگز نهیں چاهتا تها که یه پرانا حریف از سر نو طاقت حاصل کرلے - چنانچه ترکي کي ماتحت عیسائي اقوام سے بغاوت کرائي گئي ' اُن کي حمایت و حفاظت کے لیے مداخلت کا مطالبه کیا گیا ' اور بین الاقوامي سیاست میں " مسئلۂ مشرق " کے نام سے ایک جدید لفظ کا اضافه هوگیا ' جس سے مقصود صرف یه تها که ترکي کا خاتمه کر دیا جاے -

یه تاریخي واقعه هے که سلطان محمود اور اُن کے بعد سلطان عبد المجید نے اصلاحات عام کرنے کي سر توڑ کوششیں کیں ' شیخ الاسلام احمد عارف آفندي نے تمام قلمرو میں دوره کرکے مسلمانوں کو سمجهانا شروع کیا که اصلاحات شریعت کے خلاف نهیں هیں اور انهیں نفرت و وحشت کي نظر سے نهیں دیکهنا چاهئے - اِس طرح تمدني اصلاحات کي راه میں کوئي بهي اندروني رکاوٹ باقي نهیں رهي تهي - لیکن خود یورپ ' جو همیشه اصلاحات کے لیے غل مچایا کرتا تها ' سد راه هوا - لا متناهي جنگوں کا سلسله شروع کرادیا گیا ' اور ترکي کے مدبرین اور خزانه کو اصلاح کي ذرا بهي مهلت نهیں دي گئي - اس طرح ۶۸ سال کا زمانه نکل گیا -

زنجي تحریک حریت

کچهه عرصه سے افریقا کے زنجیوں میں آزادي کي تحریک پهیل رهي هے - اِس کا مرکز جمهوریه " لیبریي " میں هے - مرقص گاروي صدر انجمن " آزادي جنس زنجي " نے اعلان کیا هے که نصف صدي کے اندر اندر افریقا کے سیاه آدمي اِس قابل هو جائیں گے که اپنے اوپر خود حکومت کرنے لگیں اور پورے افریقا کي متحده جمهوریت قائم کرلیں - صدر نے کام کي موجوده مشکلات کا اعتراف کرتے هوئے کها هے : هم في الحال تقریر و تحریر کے ذریعه پروپگنڈا نهیں کرسکتے - کیونکه باشندوں میں تعلیم مفقود هے - لیکن همارے پاس ایک معقول ذریعه موجود هے ' اور وه " ڈهول " هے - هم ڈهول پر اپني دعوت ایک قبیله سے دوسرے قبیله تک پهنچادیتے هیں اور باشندے اُسے قبول کرتے جاتے هیں -

(پارلیمنٹري گالیاں)

پارلیمنٹوں میں همیشه تعلیم یافته آدمي بیٹهتے هیں - با ایں همه اُن کي گالیوں کا ایک نمونه ملاحظه هو :

سرویا کي پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے ایک مقرر کو مخاطب کرکے کها : " چرس پینے والے ! مرده کهوپڑیوں کے سوداگر ! حریت کے قاتل ! "
جرمن پارلیمنٹ میں ایک ممبر نے دوسرے سے کها : " تو سڑا هوا سور هے ! تو کیڑے پڑا هوا جسم هے ! تو دیوانوں کا بادشاه هے ! "

" تو بوئر یهودي هے ! تو قانون کا تاجر هے ! تو آئرلینڈي شکاري کي رسي هے ! تو کرامول کے زمانه کا سڑا هوا چیتهڑا هے ! " یه انگریزي پارلیمنٹ میں ایک ممبر کا بیان تها !

برید شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

قصر یلدیز کے ہوٹل کی بندش۔ مجلس کے انتخابات۔ ایک نئی سازش۔ ترک اور افغان۔ ٹرکی اور ایران

قصر یلدیز کے ملعب کی بندش

آپ کے قارئین، قصر یلدیز کے نام سے نا آشنا نہ ہونگے۔ یہی وہ محل ہو جسمیں بیٹھ کر سلطان عبد الحمید ثانی نے کامل ۳۳ سال تک ایسے مستبدانہ قہری حکومت کی، جو موجودہ دنیا کی تاریخ میں کوئی دوسری مثال نہیں رکھتی!

یلدیز، باسفورس کے یورپی ساحل پر واقع ہو۔ اُس کا پہلا ٹھیک لب سمندر ہو۔ یہاں سے صنوبر کے گھنے اور خوبصورت جنگل شروع ہو جاتے ہیں۔ انہیں طے کر کے محل تک پہنچنے کے لئے تیز موٹر کار میں بھی کم سے کم پندرہ منٹ صرف ہوتے ہیں۔ بہت بلندی پر محل، مستحکم قلعہ کی طرح کھڑا ہو۔ پہلے اُس کے گرد میلوں تک، مورچے اور قلعہ بندیاں تھیں

اُس زمانے میں یلدیز کا نام ترکوں کے دل لرزا دیتا تھا۔ یلدیز کا نام لینا، یلدیز کا ذکر کرنا، یلدیز کا لفظ تحریر میں لانا، یلدیز کی طرف نظر اُٹھانا، یہ سب باتیں انسان کو حکومت کی نظر میں مشتبہ کر دینے کے لئے کافی تھیں۔ اُسوقت بڑے بڑے حکام کے سوا، کسی ترک کے وہم میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اندر سے یلدیز کی کبھی جھلک دیکھ لے سکتا ہو!

۳۳ سال کے بعد یلدیز کا یہ طلسم ٹوٹا۔ سلطان محمد خامس مرحوم کے زمانے میں اُس کی وہ ہیبت باقی نہیں رہی۔ لیکن عوام کے لئے اُس کا داخلہ اب بھی ناممکن تھا۔

وحید الدین محمد سادس، آخری عثمانی سلطان کے زمانے میں پھر یلدیز نے اپنا رعب واپس لینا شروع کر دیا تھا۔ یہ سلطان، اپنے بھائی عبد الحمید کی سی طبیعت رکھتا تھا، اور اُسی جبروت سے حکومت کرنی چاہتا تھا۔ مگر زمانے کے انقلابات نے اُسے مہلت نہ دی اُسے تخت سلطنت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جانا پڑا۔

آخری خلیفہ سلطان عبد المجید کے مختصر عہد میں یلدیز کی تمام ہیبت زائل ہو گئی۔ جمہوریت نے آتے ہی اُس کے دروازے عالم مخلوق کے لئے کھول دئیے۔

جمہوری حکومت نے یہ محل آستانہ کی بلدیہ (میونسپلٹی) کو دے دیا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ اس طرح استعمال میں لایا جائے کہ شہر کے باشندوں کی خوشحالی میں ترقی ہو۔ اور اُس کے قیام و مصارف کا بار خزینۂ حکومت پر نہ پڑے۔ اُسی زمانے میں ایک اٹالین سرمایہ دار ماتوسیرا نامی نے درخواست پیش کی کہ یہ محل اُسے کرایہ پر دیدیا جائے۔ وہ اس میں ہوٹل اور ملعب (تفریح کی جگہ) قائم کرے گا، اور ایک معقول رقم حکومت کو دیا کرے گا۔ ترکی حکومت نے یہ تجویز اس شرط پر منظور کرلی کہ ترک باشندوں کو اُس میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور اُس کے قیام کا اعلان دنیا کے تمام بڑے بڑے شہروں میں کر دیا جائے۔ حکومت کا خیال تھا کہ اس طرح ترک، اسراف سے بچ جائیں گے اور دوسرے ملکوں کے دولتمند یہاں آکر اپنی دولت بہائیں گے۔ اور اس طرح شہر کو وہ عظیم مالی فوائد حاصل ہوں گے جو اسوقت تک صرف یورپ کے بڑے بڑے شہروں کو حاصل ہو رہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہو کہ یہ ارکان حکومت کی بہت بڑی غلطی تھی۔ اُنھوں نے معاملہ کا صرف ایک ہی پہلو دیکھا، اور تمام پہلو نظر انداز کر دئیے۔

بہر حال اٹالین نے شرائط منظور کرلیں، اور افسوس ہو کہ تاریخ میں پہلی مرتبہ ترکی سلاطین کے پایۂ تخت میں لہو و لعب کا یہ عظیم الشان مرکز قائم ہو گیا!

ٹھیکہ کی باقی شرطیں یہ تھیں کہ ماہوار کرایہ کے علاوہ بلدیہ کو ہوٹل کی آمدنی سے بھی فی صدی ایک معقول رقم دیجائے گی۔ چنانچہ بلدیہ نے پہلی قسط ۳۵،۰۰۰ (ترکی پونڈ) کی ہوٹل کی آمدنی سے وصول کئے اس کے مقابلہ میں سرمایہ دار کو ۱۰ لاکھ ترکی پونڈ نفع ہوا۔

تقریباً ۷ مہینے یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر اس تمام مدت میں بلدیہ کو برابر شکایت رہی کہ کرایہ دار معاہدے کی شرطیں پوری نہیں کر رہا ہو۔ ترکی اخبارات میں روز مضامین شایع ہوتے تھے اور اعداد و شمار سے دکھایا جاتا تھا کہ اس ملعب سے ترکی قوم کی کتنی دولت ضائع ہو رہی ہو؟ بجائے اس کے کہ یورپ کے سرمایہ دار یہاں آکر اپنی دولت صرف کریں، خود ترکوں کی دولت برباد کرنے کا ذریعہ بن گیا ہو۔ ہوٹل میں علانیہ قمار کھیلا جاتا تھا، اور اس کا شوق ترکوں میں بھی پھیلنے لگا تھا۔ دنیا کی یہ شریف ترین قوم اب تک قمار کے مہلک مرض سے محفوظ تھی، لیکن اس اٹالین سرمایہ دار کی زبردستی اور ارکان حکومت کی ناعاقبت اندیشی نے اس سے ترکوں کو بھی آشنا کر دیا!

ایک طرف یہ بربادی پھیلی ہوئی تھی، دوسری طرف یورپ کے دولتمندوں نے گویا اس کا مقاطعہ کر رکھا تھا۔ اول تو کرایہ دار نے اس مرکز کا یورپ کے مراکز تفریح میں اعلان ہی نہیں کیا، کیونکہ اُس نے دیکھا، مقامی آبادی ہی اُس کی مطلب براری کے لئے کافی ہو پھر یہ بھی ہوا کہ قومی تعصب کی وجہ سے دوسری قوموں کے دولتمند، لندن، پیرس، برلن کو چھوڑ کر اپنی دولت ترکوں میں خرچ کرنا پسند نہیں کرتے تھو

الحمد للہ کہ ۷ ماہ کی غفلت کے بعد اب حکومت متنبہ ہوئی اور اُس نے فیصلہ کر لیا کہ اس عظیم خطرے کا سد باب کر دے۔ چنانچہ کل رات کو گشنر نظیف بک پولیس کی ایک بڑی جمعیت لے کر محل یلدیز میں گھس پڑے۔ قمار خانے میں داخل ہوئے۔ وہاں بازیاں لگ رہی تھیں۔ حاضرین میں ایک اچھی تعداد ترکوں کی موجود تھی۔ ایک ترک طالب علم بھی موجود تھا۔ لوگ اسے آسمانی بلا سمجھ کر بھاگنے لگے۔ مگر گشنر نے ڈپٹ کر کہا:

"کھیل ختم ہو گیا۔ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے!"

چنانچہ سب مبہوت کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ فوراً اُن کے نام لکھے گئے۔ بازی کی رقمیں جمع کی گئیں۔ کل ۲،۰۰۰ پونڈ تھے۔ پھر قمار خانے کا صندوق ضبط کیا گیا۔ اُس میں ۴۰۰۰ پونڈ تھے۔ ایک شخص اتنی ہی رقم لئے بھاگ رہا تھا، اُسے بھی گرفتار کیا گیا۔ پھر محل کے تمام دروازے مقفل کر دئیے گئے اور محافظ پھاٹکوں پر کھڑے ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد گشنر نے حسب ذیل بیان شایع کیا:

"حکومت نے صرف اس بات کی اجازت دی تھی کہ اجنبی لوگ یلدیز میں اپنا ملعب قائم کریں تاکہ اس سے شہر کو مالی منفعت حاصل ہو لیکن ماتوسیرا نے معاہدے کی پابندی نہیں کی اور اُسے شہر کے لئے ایک نہایت خطرناک قمار خانہ بنا دیا جسے کسی حال میں بھی حکومت گوارا نہیں کر سکتی۔ مجبوراً حکومت نے فیصلہ کر لیا کہ معاہدہ منسوخ کر دے اور قوم کو اس مصیبت سے نجات دلائے"

اس طرح ترکوں کو یلدیز کی مصیبت سے دوبارہ نجات مل گئی۔

مجلس کے انتخابات

مجلس (پارلیمنٹ) کے انتخابات ختم ہو گئے۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی پوری جماعت انتخابات میں کامیاب ہو گئی۔ کسی دوسری جماعت کا ایک آدمی بھی نئی مجلس میں نہ ہوگا۔ تمام کرسیاں "خلق فرقہ سی" کے آدمیوں ہی کے قبضہ میں رہیں گی۔

اس کامیابی پر غازی ممدوح نے قوم کے نام ایک اعلان شایع کیا ہو۔ اُس میں لکھتے ہیں:

"میرے عزیز برادران وطن نے اپنی متفقہ رائے سے ثابت کر دیا کہ وہ ہماری سیاسی جماعت پر اعتماد رکھتے ہیں۔ اُس کی گزشتہ خدمات بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں، اور اُس کے آئندہ مسلک کو مفید یقین کرتے ہیں۔ یقیناً اُن کا یہ اعتماد، ہمارے لئے بہت ہمت افزا ہو۔ اُس نے ہمیں مستقبل کی تعمیر کے لئے پہلے سے بھی زیادہ قوت بخش دی ہو"

بلاشبہ یہ کامیابی ہو۔ لیکن اس میں ایک پہلو ایسا بھی موجود ہو جو ہر شخص کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتا ہو۔ واقعہ یہ ہو، جیسا کہ پچھلے مکتوب میں لکھ چکا ہوں کہ موجودہ انتخابات میں اس جمہوری جماعت کے سوا کوئی دوسری جماعت شریک ہی نہیں ہوئی تھی۔ لہذا ہر حال میں یہی نتیجہ نکلتا تھا کہ اس جماعت کے امیدوار منتخب ہو جائیں اسے کوئی ایسی کامیابی نہیں کہہ سکتے جو مقابلہ کے بعد حاصل ہوتی ہو۔

یہ اہم پہلو، خود انگورہ کے نیم سرکاری اخبار "حاکمیت ملت" کو بھی زیر بحث لانا پڑا۔ وہ اپنے مقالۂ افتتاحیہ میں لکھتا ہو:

"دوسرے ملکوں میں انتخابات، مختلف ذہنی مذاہب (اسکول) یا مختلف طبقوں کے ذاتی منافع کی بنا پر ہوا کرتے ہیں۔ انہیں دونوں سببوں سے مختلف سیاسی جماعتیں قائم ہو جاتی ہیں۔ اور ان میں ہر جماعت برسر اقتدار آنے کی کوشش کرتی ہو۔ لیکن ٹرکی میں یہ صورت حال نہیں ہو۔ یہاں اب تک ایسے طبقے موجود نہیں ہیں جن کے مفاد مختلف ہوں۔ ٹرکی میں سرمایہ داروں، مزدوروں، اور متوسط الحال لوگوں کی جماعتیں موجود نہیں ہیں۔ یہاں صرف ایک ہی قوم ہو، اُس کے تمام باشندے مشترک مفاد و اغراض رکھتے ہیں"۔

"بلاشبہ حالت امن میں یہاں بھی دو فکری رجحان پیدا ہو جاتے ہیں: ایک گروہ کا فکری رجحان یہ ہوتا ہو کہ ملک کی نجات و سلامتی ماضی میں، ماضی کی تقلید میں، اور قدیم رسم و رواج کی پابندی میں ہو۔ دوسرے گروہ کی رائے میں کامیابی تمام تر اصلاح و تجدد میں ہو پہلے گروہ میں عامۃ الناس اور غیر تعلیم یافتہ اشخاص داخل ہیں دوسرا

جاتی ہے۔ اگر اعلیٰ حضرت، مہربانی فرما کر پیرس، لندن، اور روم کے اخبارات پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہو جائے گا کہ جو قومیں اپنی مصلحت سے ہماری مدد کیا کرتی تھیں، اب وہ ہماری تباہی کا یقین کرنے لگی ہیں۔ انگلستان، فرانس، اور اٹلی کے بہت سے مدبر ہمارے حکام کی حرکتیں دیکھ کر اور رعایا پر ظلم و ستم مشاہدہ کر کے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اعلان کرنے لگے ہیں "یہ حکومت ہرگز اپنی اصلاح نہیں کر سکتی۔ اس کا زوال یقینی ہے۔ ہم بھی اسے چھوڑ دیں۔ اس کی موت جلد واقع ہو جانے دیں!"

میرے آقا! ہمیں ان پیشین گوئیوں کی تکذیب کر دینی چاہیے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے کہ اپنی حکومت میں تبدیلی کریں۔ یہ تبدیلی ضرور بہتر ہوگی، کیونکہ اعلیٰ حضرت کے ارادے اور حکم سے ہوگی۔ ہم فرانس، انگلستان اور اٹلی پر ثابت کر دیں کہ نہ ہماری قومیت نے ہمیں اس کمزوری اور فساد میں گرا رکھا ہے، نہ یہ ہمارے مقدس دین ہی کا اقتضا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہم مر چکے ہیں! ہم زندوں کی طرح عمل کر کے دکھا دیں کہ نہیں مرے نہیں ہیں، زندہ ہیں!

میرے آقا! ہم پہلی قوم نہیں ہیں جس پر زمانے نے یورش کی ہے۔ اسکی ہر خوبی بگاڑ ڈالی ہے، اور اس کے تمام قویٰ کمزور کر ڈالے ہیں۔ ہم آخری قوم بھی نہیں ہونگے جس کی ایسی زبوں حالت ہوئی ہے۔ یورپ میں بھی بہت سی ایسی قومیں ہیں جن پر زمانہ اپنی تمام مصیبتوں کے ساتھ ٹوٹ پڑا ہے، اور ان کا حال بھی بالکل ہمارے جیسا ہو گیا ہے۔ میں اعلیٰ حضرت کے روبرو عرض کر چکا ہوں کہ گزشتہ صدی میں فرانسیسی قوم کس قدر تباہ ہو گئی تھی۔ کس طرح اس کی صنعت و حرفت برباد ہو گئی تھی۔ کس درجہ اس کی ثروت کمزور ہو گئی تھی کہ ہر دس سال کے بعد دیوالیہ ہو جایا کرتی تھی۔ کس طرح اس کے تمام طبقوں پر ظلم ہو رہا تھا، حتیٰ کہ اس وقت کے ایک مدبر نے لوئی پانزدہم سے کہدیا تھا "آپ کی سلطنت میں کوئی نہیں جو اپنی عزت پر فخر کرے اور وزیر کے انتقام سے بچ جائے۔ کوئی نہیں جو اپنی بدحالی پر صبر شکر کرے اور ایک حقیر چپراسی کے غصے سے بھی بچ سکے!" اس ملک میں حکومت کا کوئی رعب داب باقی نہ رہا تھا۔ اس کے سامنے عمل کی تمام راہیں بند ہو گئی تھیں۔ حواس گم ہو گئے تھے۔ دفعۃً ایک نئی روش اختیار کرتی اور بدلتی تھی۔ جنگ ہفت سالہ کے بعد تو فرانس گر کر تیسرے درجے کی دُوَل کے زمرے میں شمار ہونے لگا تھا۔ لیکن اس نے پھر بہت جلد اپنی اصلی جگہ حاصل کر لی۔ چند ہی سال میں اس کی تمام برباد قوتیں واپس آ گئیں۔ حتیٰ کہ اس کی فوجوں نے پورے یورپ کی متحدہ یلغار روک دی۔

یہ حیرت انگیز کامیابی فرانس نے کیونکر حاصل کی؟ صرف اس وجہ سے کہ اس نے حکومت کے بوسیدہ نظام کی جگہ ایک نیا صحیح پرور نظام قائم کر دیا تھا۔ بلاشبہ یہ شاندار تبدیلی مصائب سے خالی نہ تھی۔ بہت سا خون بہا، بہت سے آنسو گرے۔ مگر یہ مصائب کچھ اس تبدیلی کا لازمی نتیجہ نہ تھیں۔ ان مصائب کی اصلی وجہ یہ تھی کہ تبدیلی اس وقت واقع ہوئی جب اس کے لئے ذرا بھی وقت باقی نہ رہا تھا۔ بالکل آخری لمحہ تھا وہ لمحہ جس میں اگر قومیں اٹھ پڑتی ہیں، تو ان کا اٹھنا بڑا ہی ہولناک ہوتا ہے۔

میرے آقا! ایک فرانسیسی قوم ہی ایسی نہیں ہے جو اپنے مصائب سے صحیح سالم نکل آئی ہو۔ فرانس کے علاوہ اور بھی ایسی قومیں موجود ہیں۔ ریاست پیڈمونٹ (اٹلی) کے نواب نے آرزو کی کہ عظیم الشان اطالین قوم کا بادشاہ ہو جائے۔ وہ بادشاہ ہو گیا! کیونکر؟ اس نے کوئی فوج جمع نہیں کی، کوئی رسالہ طیار نہیں کیا۔ اس نے صرف یہ کیا کہ قوم کو ایک آزاد دستوری حکومت بخش دی۔ اس بخشش کے ساتھ ہی اس کی فتوحات شروع ہو گئیں۔ زمین کی فتوحات نہیں جن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، دلوں کی فتوحات جو دنیا کی حقیقی فتوحات ہیں۔ وہ پورے اٹلی کے دلوں اور عقلوں پر قابض ہو گیا۔ مرتے وقت اس نے متبسم لبوں سے پیشین گوئی کی تھی "میرے بیٹے وکٹر عمانوئیل کی سلطنت کا رقبہ میری ریاست کے رقبے سے تین گنا زیادہ ہوگا" دنیا نے دیکھ لیا کہ بوڑھے نواب کی پیشین گوئی بالکل حق تھی، یہ کیوں ہوا؟ صرف اس وجہ سے کہ دانشمند حکمران نے ٹھیک وقت پر آزادی کا لفظ اپنی زبان سے کہا تھا، وہ لفظ جو اپنے تین حرفوں میں دنیا کی تمام سعادتیں اور کامرانیاں پوشیدہ رکھتا ہے!

میرے پاس اس سے بھی زیادہ روشن اور صاف مثالیں موجود ہیں اور اس کی مستحق ہیں کہ اعلیٰ حضرت ان پر نظر غائر ڈالیں۔ لیکن میں اس عریضہ میں ان سب کا ذکر نہیں کر سکتا۔ میں آسٹریا کا ذکر کروں جو اپنی دستوری آزادی کے سہارے وقت کے عظیم خطروں سے محفوظ گزر رہی ہے؟ پروشیا کا ذکر کروں جو ابھی کل کی بات ہے کہ اپنی تہذیب کی بدولت میدان جنگ سے فتحمند نکلی ہے؟ لیکن مجھے زیادہ بیان کی ضرورت نہیں۔ میں جس قدر عرض کر چکا ہوں، اعلیٰ حضرت کو مطمئن کر دینے کے لئے کافی ہے۔

اعلیٰ حضرت! قوموں کی آزادی ان کا حق ہے۔ ان کی امانت ہے۔ ان کا ورثہ ہے۔ اور حکومتوں کا فرض ہے کہ اس امانت کے سپرد کر دینے میں تساہل نہ کریں۔ یہ سپردگی ان کی قوت بڑھاتی ہے اور انھیں ہر طرح کے خطروں سے محفوظ کر دیتی ہے۔ آج دنیا کی تمام حکومتیں اس امانت کی سپردگی پر مجبور ہو گئی ہیں۔ کونسی وجہ ہے کہ عثمانی حکومت اس عام اجتماعی حالت سے مستثنیٰ تصور کر لیا جائے؟ کیا ترکی قوم زمرۂ اقوام میں شامل نہیں ہے؟

پھر ایسا کیوں ہو؟ کیا اس لئے کہ ہمارا دین ہمیں ترقی و سعادت سے محروم رکھتا اور تمدن و شائستگی سے دُور رکھنا چاہتا ہے؟ میرا جلیل القدر آقا مجھ سے زیادہ واقف ہے کہ ایک لمحہ کے لئے یہ گمان صحیح نہیں ہو سکتا۔

میرے آقا! اس دنیا میں دو سیاستیں نہیں ہیں: اسلامی اور مسیحی۔ عدل ایک ہی ہے، اور سیاست اس عدل کے سوا کچھ نہیں جو حاکم کے ہاتھ سے صادر ہوتا ہے۔

یہ ہمارا دین نہیں ہے بلکہ ہمارا قدیم نظام ہے جو ہمیں فنا کر رہا ہے۔ اس نے ہمارے مدبروں کی طبیعت بگاڑ دی اور ان کی خودداری زائل کر دی پھر ان مدبروں نے سلطنت کی طبیعت بگاڑ دی اور اس کی عزت تلف ہو گئی۔ پس ہمیں یہ نظام ترک کر دینا چاہیے اور اس کی طرف کبھی لوٹنا نہیں چاہیے۔ اس نظام کے بوجھ کے نیچے امت پڑی سسک رہی ہے۔ یہ نظام حملہ آور دشمن سے ہمیں کبھی پناہ نہیں دے سکتا۔ ہمیں وہ نظام اختیار کرنا چاہیے جو عدل و مساوات اور حریت صادقہ کا نظام ہے، اور جس کا خاصہ یہ ہے کہ جہاں کہیں قائم ہو جاتا ہے وہاں قوموں کو ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیتا ہے اور عظمت کے محل طیار کر دیتا ہے۔

کیا ہمارے لئے یہ زیبا ہے کہ وہ صوبے جو ابھی حال ہی میں ہم سے جدا ہوئے ہیں اور جنھیں اپنے خون یا دین کے لحاظ سے ہم پر کوئی ترجیح حاصل نہیں، آزاد نظام حکومت کا خیر مقدم کریں، اور ہم پیچھے رہیں؟ کیا آپکی سلطنت میں ایسے سچے اور مخلص محب وطن موجود نہیں ہیں جیسے سرویا، مولڈاویا، رومانیہ، اور سرویہ میں ہیں؟ کیوں نہیں ضرور ہیں۔ انھیں بلائیے، وہ سر کے بل دوڑ کر آئیں گے۔ ہر شہر میں رعایا کی پسند سے ایک گروہ منتخب کیجئے، وہ آپکے سامنے رعیت کے معاملات بے نقاب کرے گا، اور پھر وہ راہ عمل باز ہو جائے گی جس کی جانب حضور کی ابوی شفقت کا رجحان ہے۔ اس کے بعد اپنے شاہانہ ارادے سے رعایا کے نمائندوں کو اپنی سلطنت کے مرکز میں جمع کیجئے۔ وہ عرش اعظم کے روبرو رعیت کی ضرورتیں پیش کرینگے اور عتبۂ عالیہ تک اس کی آرزوئیں پہونچائیں گے۔

ایک طبیب کہا کرتا تھا "مجھے ایک گز کپڑا دو، میں تمھیں ایک شریف آدمی دے دوں گا"، اے میرے آقا! آپ بھی اپنی سرپرستی میں حقوق عطا کر کے اپنی رعایا کو محنتی، اولوالعزم، اور زندہ بنا سکتے ہیں۔ وہ آزادی کی بخشش پر حضور کی شکر گزار ہوگی، ظلم اٹھ جانے پر دعائیں دے گی۔ آپ کی خدمت کے لئے اپنی جانیں قربان کرے گی۔ آپ کی، اپنی اور سلطنت کی بھلائی کے لئے کوشش کرے گی۔ اس کی عقل درست ہو جائے گی۔ اس کا نفس پاک ہو جائے گا، اور اس طرح وہ اسلاف کی فضیلتیں دوبارہ حاصل کر لے گی۔ جب خطرے کا بگل بجے گا، تو وہ ہتھیلیوں پر سر لے کر دوڑے گی، عرش معظم کے گرد جمع ہو جائے گی، اور اعلیٰ حضرت کی نصرت میں خوش و خرم موت کا خیر مقدم بجا لائے گی کیونکہ وہ سمجھے گی، اس کی تمام سعادتوں کا ضامن سرچشمہ یہی عرش مبارک ہے۔

میں یہاں اس دستوری نظام حکومت کی تشریح کرنی نہیں چاہتا جسے میں ملک کی قابلیت، اخلاق، اور روایات کے مطابق دیکھنے کا متمنی ہوں۔ میں عنقریب یہ دستور اعلیٰ حضرت کے حضور میں پیش کر دوں گا۔ اسے میں نے اور میرے رفقاء نے ترتیب دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے علم میں یہ حقیقت پہلے سے موجود ہے کہ میں صاحب غرض نہیں ہوں۔ مجھے نہ کسی منصب کی طلب ہے نہ کسی عطیے اور بخشش کی آرزو۔ میری غرض صرف اس قدر ہے، اور میں بلند آہنگی سے اس کا اعلان کرتا ہوں، کہ اعلیٰ حضرت کے روبرو سلطنت کی عظیم اکثریت یعنی مسلمانوں اور مسیحیوں کی آرزو رکھ دوں۔ یقیناً جلاوطنی کی تمام تلخیاں مجھ پر آسان ہو جائیں گی اگر ذات شاہانہ کے سامنے حقیقت عریاں پیش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت سلطان معظم! سب سے پہلے خود اپنے ضمیر طاہر کی طرف رجوع کیجئے کہ وہ اس زمانے میں آپ کا کیا فرض بتاتا ہے، جبکہ آپ کی رعیت حیرت میں پڑ گئی ہے اور پورے معنی میں تباہ ہو رہی ہے؟ یہ ایک جلیل القدر عمل ہے۔ اسے وہی انجام دے سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عزم شہامت کا وصف عطا فرما دیا ہے۔ جو کوئی بھی یہ عمل عظیم انجام دے گا، تاریخ اس کا نام ہمیشہ یاد رکھے گی اور تمام مخلوق اس کا نام عزت و شکر گزاری کے ساتھ لیتی رہے گی!

میرے آقا! اگر زمانے نے حضور والا کو وہ شرف نہیں بخشا جو آپکے اجداد کے حصے میں آیا تھا، یعنی آپ کے ہاتھوں اس عظیم سلطنت کی بنیاد نہیں پڑی، تو زمانے نے یہ شرف آپکے لئے محفوظ رکھ چھوڑا تھا کہ اس سلطنت کی عظمت رفتہ دوبارہ واپس لانے کا کام آپ ہی کے دست مبارک سے انجام پائے۔ تمام صادق محبان وطن بلکہ آپ کی کروڑوں مسلمان اور مسیحی رعایا کی آوازیں اس دعوت میں میری شریک ہیں کہ حضور اس عمل عظیم و اشرف کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت ہی اسکے اہل ہیں۔ یہ شرف حضور کے اسم گرامی کو ان عظمائے تاریخ کے بلند پایوں کی صف میں لکھ دے گا جن کی تمام مخلوق تعظیم کرتی اور جن کی عظمت کے راگ تمام قومیں گا رہی ہیں"

مصطفیٰ فاضل سنہ ۱۸۶۶ء

دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزائے قتل

ایک جویائے حق کے خط کے جواب میں

(۲)

یہاں تک میں نے جو کچھ لکھا، وہ اس باب میں ایک اصولی بحث تھی میں نے ابھی اس طرف توجہ ہی نہیں کی ہو کہ جن باتوں کا آپنے ذکر کیا ہو اُن کی اصلیت کیا ہو اور وہ فی الحقیقت اسلام کے احکام ہیں یا نہیں؟ میں صرف یہ واضح کرنا چاہتا تھا کہ صورتِ حال کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن آپکا طریقِ نظر صحیح نہیں ہو۔ آپ اسلام کی حقیقی تعلیم معلوم کرنے کے بعد محض اس وجہ سے اپنے آپ کو "شک وشبہ" کے حوالے کر دیتے ہیں کہ "دوسرے مسلمانوں" کا فہم وعمل اس کے خلاف نظر آتا ہو۔ "دوسرے مسلمانوں" کا یہ بیان کردہ فہم وعمل فی الحقیقت خلاف ہو یا نہیں؟ اس سے بھی ابھی کوئی بحث نہیں۔ سوال یہ ہو کہ ایک جویائے حقیقت انسان جس کا مقصد جدل ونزاع نہیں بلکہ سچائی کی طلب تحقیق ہو، کیوں راہ تحقیق میں اصل تعلیم چھوڑ کر لوگوں کے فہم وعمل سے متأثر ہو، اور اس کی وجہ سے "تشکک وشبہات" میں مبتلا ہو جائے!

بہ حیثیت ایک طالب حق وصداقت کے یہ بات پیشتر سے آپکے علم میں ہونی چاہیے کہ مذاہب کی تعلیم اور پیروان مذاہب کا فہم وعمل دو مختلف چیزیں ہو گئی ہیں۔ ایک چیز نہیں ہیں، اور اس لئے اگر اس طرح کا کوئی اختلاف آپکے علم میں آتا ہو، تو یہ کوئی نیا انکشاف نہیں ہو جس سے آپ حیران وسراسیمہ ہو جائیں، بلکہ پیشتر کی سمجھی بوجھی ہوئی بات کا ایک مزید معائنہ اور تجربہ ہو۔ تجربہ شک شبہ کا باعث کیوں ہو؟ اس سے تو آپکے علم ویقین میں اور زیادہ اضافہ ہونا چاہیے؟

دعوتِ قرآنی کی بنیادی اصل

یہ موقعہ زیادہ تفصیل وبحث کا نہیں ہو ورنہ میں آپ کو بتلاتا کہ جستجوئے حقیقت اور معرفتِ صداقت کی یہی وہ بنیادی اصل ہو جس کی اب تیرہ سو برس پہلے قرآن حکیم نے نوعِ انسانی کو دعوت دی تھی۔ دراصل قرآن کی ساری تعلیم اسی اصل کی شرح ہو۔ قرآن جس وقت نازل ہوا، اُس وقت دُنیا میں مذاہب کے پیرؤں کی کمی نہ تھی، لیکن مذاہب کی حقیقت گُم ہو چکی تھی۔ اُسی طرح گم تھی جس طرح آج بھی گم ہو۔ مذاہب کے پیرؤں کی بے شمار جماعتیں قائم تھیں، اور ہر جماعت صرف اپنے ہی کو سچائی کی وارث اور ہر دوسری جماعت کو سچائی سے محروم یقین کرتی تھی۔ سچائی کی راہ ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے قرآن کے لیے بہ ظاہر دو ہی طریقے ہو سکتے تھے: یا تو تمام پیروان مذاہب کی تصدیق کرے یا سب کی تکذیب کرے۔ سب کی تصدیق کی نہیں جا سکتی تھی کیونکہ ہر ایک کا دعویٰ دوسرے سے متضاد تھا۔ ہر جماعت نہ صرف اپنی صداقت کی مدعی تھی، بلکہ دوسرے کے بطلان کی بھی مدعی تھی۔ اس لئے سب کی تصدیق کے معنی یہ تھے کہ سب کو بہ یک وقت حق اور باطل، دونوں تسلیم کر لیا جائے۔ اسی طرح سب کی تکذیب بھی صداقت کے خلاف تھی۔ کیونکہ اس صورت میں دُنیا کا مذہبی صداقت سے خالی ہونا لازم آتا تھا، اور انسان کی روحانی ہدایت وتربیت کی تمام بنیادیں منہدم ہو جاتی تھیں۔ پس اُسنے ان دونوں طریقوں میں سے کوئی طریقہ بھی اختیار نہیں کیا۔ ایک تیسری راہ اختیار کی۔ اُسنے کہا، دُنیا کے تمام مذاہب حق ہیں، لیکن دنیا کے تمام پیروان مذاہب حق سے منحرف ہو گئے ہیں۔ جس قدر بھی گمراہی ہو، جس قدر بھی اختلاف ہو، جسقدر بھی دعووں کی لڑائی اور جماعت بندیوں کا تصادم ہو، پیروان مذہب کے فہم وعمل میں ہو۔ مذاہب کی تعلیم میں نہیں ہو۔ اگر پیروان مذہب کا یہ انحراف دُور ہو جائے جو حق نہیں ہو، تو ہر جماعت کے پاس وہ چیز باقی رہ جائے گی جو صرف حق ہو، اور چونکہ وہ حق ہو، اس لئے نہ تو اُس میں ایک راہ سے زیادہ کی گنجائش ہو۔ نہ کسی طرح کے اختلاف ونزاع کا امکان۔ یہی مذاہب عالم کا "مشترک حق" دنیا کی عالمگیر روحانی صداقت ہو، اور اسی کو قرآن نے اپنی زبان میں "اسلام" اور "صراط مستقیم" سے تعبیر کیا ہو:

قولوا امنا باللہ وما انزل الینا، وما انزل الی ابرٰہیم واسماعیل ویعقوب والاسباط، وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ، وما اوتی النبیون من ربہم، لا نفرق بین احد منہم، ونحن لہ مسلمون۔ فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا، وان تولوا فانما ہم فی شقاق فسیکفیکہم اللہ، وھو السمیع العلیم! (۲: ۱۳۰)

سچائی کی راہ یہ ہو کہ کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اُس سچائی پر ایمان لے آئے ہیں جو ہمارے سامنے پیش کی گئی ہو۔ نیز اُن تمام مذہبی صداقتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ابراہیم پر نازل ہوئیں، اور جن کی اسماعیل ویعقوب اور ان کی نسل کے رہنماؤں نے دعوت دی، اور پھر وہ تعلیم جو موسیٰ کو دی گئی، اور وہ تعلیم جو عیسیٰ کا پیغام حق تھا۔ غرضکہ دنیا کے سارے نبیوں اور مذہبی صداقت کے سارے معلموں کو خدا کی طرف سے وقتاً فوقتاً جو کچھ ملا ہو، اُس سب پر ہمارا ایمان ہو۔ ہم اُن سبکے ایک ہی طرح کے یقین اور احترام کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ ہم اُن میں کسی طرح کی تفریق نہیں کرتے کہ ایک کی تصدیق کریں اور دوسرے کو جھٹلائیں۔ ہم خدا کے فرماں بردار ہیں۔ اُس کی سچائی جہاں کہیں اور جب کبھی آئی ہو، ہمارے لئے سچائی ہو اور ہم اُسے قبول کرتے ہیں!

اس طرح قرآن نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ یہ تھا کہ تمام مذاہب کی تصدیق کی، مگر تمام پیروان مذاہب کی تکذیب کی، اور اس تصدیق وتکذیب کے اجتماع سے اُس بنیادی صداقت کی راہ نوعِ انسانی پر کھول دی، جسپر چلے بغیر کوئی انسان مذہبی حقیقت کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔ آج بھی ہر اُس انسان کے لئے جو مذہب کی روحانی صداقت کی طلب رکھتا ہو، اس راہ کے سوا دوسری کوئی راہ موجود نہیں ہو۔ وہ وقت اب دُور نہیں ہو جب عالم انسانیت مذاہب عالم کے اختلافات سے اُکتا کر مجبور ہو جائے گا کہ یا تو یک قلم مذہب ترک کر دے یا تمام مذہبی صداقتوں کو جمع کر دے۔ میرا یقین ہو کہ جمعیتِ انسانی مذہب ترک نہیں کر سکتی۔ اس لئے ناگزیر ہو کہ دوسرا طریقہ اختیار کرے۔ اور جب وہ دوسرا طریقہ اختیار کرے گی، تو فی الحقیقت وہ یہی طریقہ ہوگا جس کی طرف تیرہ سو برس پہلے قرآن نے دعوت دی تھی: یعنی انسانوں کے فہم وعمل کی تکذیب اور اصل مذاہب کی تصدیق۔ اُس وقت دُنیا کے تمام پیروان مذاہب یک زبان ہو کر اعلان کریں گے:

کان الناس امۃ واحدۃ، فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین، وانزل معہم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فی ما اختلفوا فیہ، وما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ من بعد ما جاءتہم البینات بغیاً بینہم، فہدی اللہ الذین آمنوا لما اختلفوا فیہ من الحق باذنہ، واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم! (۲: ۲۰۹)

دنیا میں انسانی جمعیت کی ابتدا اختلاف سے نہیں بلکہ وحدت ویگانگت سے ہوئی ہو۔ سب ایک ہی قوم تھے اور سب فطری صداقت کے ایک ہی طریق پر چلنے والے تھے پھر ایسا ہوا کہ ان میں پھوٹ پڑ گئی اور گمراہی وفساد کی بے شمار راہوں میں بکھر گئے۔ تب خدا نے اُن کی ہدایت کے لئے نبیوں کو مبعوث کیا جو نیک کرداری کے پھل کی بشارت دیتے تھے اور بد کرداری کے نتائج سے ڈراتے تھے۔ اُنکے ساتھ تعلیم حق کی کتابیں تھیں۔ یہ اس لئے نازل کی گئی تھیں تاکہ جن جن باتوں میں نادانی وگمراہی سے اختلاف اور جھگڑا پیدا کر دیا گیا ہو، اُن سب کا فیصلہ ہو جائے اور سب اُس حقیقی دین پر متفق ہو جائیں جس سے منحرف ہو کر ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے ہیں۔ افسوس ہو کہ نسل انسانی اسپر بھی اختلاف وفساد سے باز نہ آئی۔ جن جن باتوں کے فیصلہ کے لئے یہ کتابیں نازل کی گئی تھیں، اُنھی میں پھر اختلاف پیدا کر دیا گیا، اور دین حق کی حقیقت اور وحدت گم ہو گئی۔ جب ایسا ہوا تو ضروری تھا کہ ایک مرتبہ ان تمام اختلافوں اور گمراہیوں کے خلاف دین حق کی حقیقت کا عام اعلان کر دیا جائے، اور تمام جماعتوں اور مدعیوں کو ایک نقطہ پر جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ اللہ نے اپنے فضل ورحمت سے اس کا دروازہ اہل ایمان پر کھول دیا، اور وہ جسکو چاہتا ہو، ہدایت کی راہ دکھا دیتا ہو!

مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اب میں اُس خاص معاملہ پر متوجہ ہوتا ہوں جس کا آپنے ذکر کیا ہو۔ میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ اس بارے میں آپنے جس قدر تأثرات قبول کئے ہیں، وہ زیادہ تر اسی اصولی غلطی کا نتیجہ ہیں۔

اس بارے میں آپنے جو کچھ لکھا ہو، اُس کا خلاصہ یہ ہو کہ آپ تسلیم کرتے ہیں، یہ رسالہ فی الحقیقت نہایت بے ہودہ اور دلآزار تھا اور اس پر اعتراض کرنے میں مسلمان حق بجانب تھے۔ لیکن آپ کہتے

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۶)

"لیکن حاشا وکلا، قوم اور اُس کے زعیم کا مقام اس سے بلند ہو۔ سعد نے مر کر لازوال زندگی حاصل کر لی۔ تمھاری آرزوئیں جو اُس کے وجود میں مجسم تھیں، اب اُس کی غیر فانی روح کے ساتھ، ابدی وسرمدی ہو گئیں۔ اب فنا کا ہاتھ کسی طرح بھی اُن تک نہیں پہنچ سکتا"

"ابنائے وطن! وفد، جو تمھاری بیداری کا پہلا مظہر تھا، اب بھی باقی ہو، اور آئندہ بھی باقی رہے گا۔ وہ تمھاری قوت کی میزان، تمھارے جہاد کا عنوان، تمھاری وحدت کی بنیاد، تمھاری آرزوؤں کی زبان، اور تمھارے آلام کا ترجمان ہو!

"وہ اُس وقت تک میدان نہیں چھوڑے گا جبتک کامل خود مختاری اور صحیح آزادی کے ذریعہ وطن کی عزت بے داغ نہ کر دے"

گروہ، تعلیم یافتہ اشخاص کا ہے"

"یہ دونوں فکری رجحان، ٹرکی میں ۳۰ برس سے متصادم ہو رہے ہیں۔ سیاست، فوج، ادب، علم، کوئی میدان نہیں جس میں یہ دونوں نقطہائے فکر باہم دست بگریباں نہ ہوں"

"لہذا یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اگر بہت سی جماعتیں نہیں تو کم سے کم دو جماعتیں ملک میں ضرور موجود ہیں اور برسر اقتدار آنے کے لئے متصادم ہو سکتی ہیں۔ لیکن اسوقت عملاً صرف ایک ہی سیاسی جماعت موجود ہے، اور وہ حامیان اصلاح و تجدد کی ہے"

"اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ حامیان اصلاح اپنے مقاصد کا بانگ دہل اعلان کرتے ہیں اور مقرر و منضبط لائحہ عمل رکھتے ہیں۔ برخلاف انکے حامیان جمود و تقلید میں اپنے مقاصد کے اعلان کی جرأت نہیں درحقیقت وہ کوئی معین راہ عمل رکھتے ہی نہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اُن میں باہم کوئی فکری رابطہ بھی موجود نہیں ہے جو ایک باقاعدہ جماعتی شکل پیدا کر سکے۔ ہر کوئی اپنی ایک علحدہ مضطرب اور مبہم رائے رکھتا ہے اور دوسرے کے ساتھ ملنے پر آمادہ نہیں ہے"

"یہی سبب ہے کہ عملی طور پر یہ جماعت مر گئی ہے۔ کسی طرح بھی اپنے حریف کے مقابلے میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اُس کی اس عملی موت نے اُس میں یہ خطرناک مرض بھی پیدا کر دیا ہے کہ وہ پس پردہ سازشوں اور خیانتوں کے جال بناتی اور ملک میں پھیلانے کی کوشش کرتی ہے"

یہ کہنا ضروری نہیں کہ "حاکیت ملیت" کی یہ رائے افراط و تفریط سے خالی نہیں ہے۔

ایک نئی سازش

اس ہفتے ایک نئی سازش پر سے پردہ اُٹھا ہے۔ آپکے قارئین کو یاد ہوگا کہ معاہدۂ لوزان کے بعد ہی ترکی حکومت نے اپنی سرحدوں سے ۱۵۰ آدمیوں کو ہمیشہ کے لئے جلا وطن کر دیا تھا۔ کیونکہ اُن کی پچھلی زندگی، سازشوں اور خیانتوں سے لبریز تھی۔

یہ لوگ ٹرکی سے نکلکر یونان، مصر، شام وغیرہ ملکوں میں پھیل گئے اور ترکی حکومت سے انتقام لینے کی فکریں کرنے لگے۔ یونان میں پناہ گزیں خائنوں کی روش بہت مشتبہ تھی۔ ترکی خفیہ پولیس برابر اُن کی نگرانی کرتی رہتی تھی۔

انھوں نے کئی سال مطمئن زندگی بسر کرنے کے بعد خیال کیا کہ ترکی حکومت اُن سے بالکل غافل ہو گئی ہے۔ چنانچہ حکومت یونان کے بھروسے پر ایک سازش بنائی اور عمل کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سازش کا سرغنہ، حاجی سامی ہے۔ یہ چرکسی قوم کا آدمی ہے اور اپنے وقت کا مشہور جرائم پیشہ اور خونریز رہ چکا ہے۔ انجمن اتحاد و ترقی کی حکومت کے زمانے میں اسنے سیکڑوں خون کئے تھے۔ مرحوم انور پاشا جب ترکستان گئے تو یہ بھی وہاں پہونچا اور جنگ میں شریک ہو گیا۔ اُن کی شہادت کے بعد پھر ٹرکی واپس آیا اور اپنا پرانا مشغلہ جاری کر دیا۔ معاہدۂ لوزان کے بعد حکومت نے اسے بھی جلا وطن کر دیا تھا۔

پچھلے ہفتے ترکی پولیس کو معلوم ہوا کہ یہ یونان سے اپنا مسلح جرگہ جہاز کے ذریعہ سمرنا پہونچا ہے، اور غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی جان لینے کی فکر میں ہے۔ چنانچہ فوراً اُسے گرفتار کرنا چاہا۔ مگر اُسنے مقابلہ کیا نتیجہ یہ ہوا وہ خود مارا گیا، مگر اُس کی پوری ٹولی قید ہو گئی۔

اس ٹولی میں تمام چرکسی لوگ شامل ہیں۔ بعض کے نام یہ ہیں: مجید کوچک، مجید کلاں، حقی قاتل، مکی برادر حاجی سامی۔ ان لوگوں نے اپنی سازش کا اعتراف کر لیا ہے۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ انگورہ کے قریب مقام "نفللو خان" میں جا کر قیام کرینگے۔ یہاں تک کہ جب غازی موصوف اُن کے ذریعہ اس علاقہ کے وسط میں انگورہ روانہ ہونگے تو مذکورۂ بالا گاؤں میں اُن کی ریل ڈائنامیٹ کے ذریعہ اُڑا دیجائیگی!

تلاشی لینے پر ان لوگوں کے پاس سے سادے کاغذ کی ایک کتاب دستیاب ہوئی۔ پولیس کو شبہ ہوا تو اُس کی کیمیاوی تحقیقات کرائی گئی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس میں غیر مرئی روشنائی سے اُن کے باقی ہم خیالوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس طرح حکومت کو اس پورے جتھے کا علم ہو گیا۔ اس سلسلہ میں ایک پنشن یافتہ فوجی افسر عاطف بک کی گرفتاری بھی عمل میں آئی ہے۔

ترک اور افغان

حال میں حکومت افغانستان نے فوجی تربیت و تعلیم کے لئے اپنے متعدد افسر، ٹرکی بھیجے ہیں۔ انہیں باہر شادی کرنے کی سخت ممانعت تھی تاہم صوبہ دار محمد اکرم خاں نے ایک ترکی خاتون سے شادی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اسنے اس بارے میں افغانی سفیر کو درخواست دی۔ سفیر نے درخواست، کابل بھیجدی۔ کابل سے خود امیر امان اللہ خاں کا حکم آیا کہ شادی اجازت دیدی جائے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ تمام افغانی افسروں کو بھی اب ترک خاتونوں سے شادی کی آزادی دیدی جائے۔ ساتھ ہی شاہ افغانستان نے یہ بھی لکھا کہ یہ شادی، ترکی قانون مدنی کے موافق عمل میں آئے۔ فرمان عالی میں یہ بھی تھا کہ "میں نہایت خوش ہوں گا اگر افغان افسر اپنی ترک بیویوں کے ساتھ کابل پہنچیں۔ ترکی اجتماعی زندگی کے اصول سیکھ کر آئیں اور اپنے ملک میں اُنھیں رائج کریں"

ٹرکی اور ایران

پچھلے دنوں بعض سرحدی حوادث کی وجہ سے ٹرکی اور ایران میں کشیدگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے، جیسا کہ میں بروقت آپ کو مطلع کر چکا ہوں لیکن اب دونوں حکومتوں کے تدبر سے جملہ غلط فہمیاں دور ہو گئی ہیں۔ اس کا تازہ ثبوت یہ ہے کہ اسی ہفتے ایرانی سفارتخانے میں ترکی وزیر خارجہ توفیق رشدی بک اور ترکی سفیر متعینۂ طہران ممدوح شوکت بک کو نہایت پرتکلف دعوت دی گئی۔ اس دعوت میں ایرانی سفیر نے تقریر کرتے ہوئے بہت زوردار الفاظ میں کہا کہ دونوں حکومتوں کے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں، اور ہمیشہ دوستانہ ہی رہیں گے۔

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

نئے رہنما کا انتخاب

سعد پاشا زغلول کی وفات کے بعد اُن کے جانشین کے انتخاب کا معاملہ بہت اہم اور مشکل تھا۔ ظاہر ہے اسوقت مصر کی توجہات کا مرکز، اس مسئلہ کے سوا، کوئی دوسرا مسئلہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن انگلستان میں بھی اسکی وجہ سے بےچینی کچھ کم نہ تھی۔ مصر میں انگلستان کی تمام امیدیں اسی مسئلہ سے وابستہ تھیں اور وہ انتہائی اضطراب سے فیصلہ کا انتظار کر رہا تھا۔

حسب عادت انگریزی اخبارات نے مصر کی متفقہ صفوں میں پھوٹ ڈالنے کی پوری کوشش کی۔ ایک طرف احمد زیور پاشا کی پیٹھ ٹھونکنا شروع کی کہ اب موقع ہے۔ ہمت کرو اور برسر اقتدار آجاؤ۔ دوسری طرف اعتدال پسندوں، یعنی عدلی پاشا اور ثروت پاشا کی جماعت کو اُکسایا کہ وفد کی جماعت، مصر کی پوری سیاست پر حاوی ہو رہی ہے۔ اب وقت ہے اُسے گرا دو!

تیسری طرف خود وفد کی جماعت میں بھی نااتفاقی ڈالنی چاہی۔ اس غرض کے لئے فتح اللہ باشا برکات سے بہتر کوئی شخص نہیں مل سکتا تھا۔ موصوف، مرحوم زغلول پاشا کے بھانجے ہیں اور اُنکے ساتھ جہاد ملی میں بے شمار مصائب برداشت کر چکے ہیں۔ ان اخبارات نے خیال کیا کہ تعریفیں کر کے انہیں وفد کی صدارت کے لئے کھڑا کر دینا چاہیے۔ وفد کی جماعت، بعض موانع کی بنا پر ان کی سرداری قبول نہیں کرنا چاہتی۔ اس طرح آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی اور ملک کی سب سے بڑی سیاسی قوت درہم برہم ہو جائے گی۔

مگر مقام مسرت ہے کہ یہ تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ زیور پاشا نے کان ہلائے، مگر عام رائے سے مرعوب ہو کر خاموش ہو گئے۔ اعتدال پسندوں نے بھی قابل تعریف رویہ اختیار کیا، اور وفد کی جماعت سے لڑنا نامنظور کر دیا۔

خود وفد نے بھی نہایت دانشمندی سے کام لیا اور مرحوم رہنما کی جانشینی کا مسئلہ بڑی ہی خوش اسلوبی سے حل کر دیا۔ فتح اللہ باشا برکات نے جنھیں انگریزی اخبارات، برات کا دولھا بنانا چاہتے تھے، صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ مجھے سرداری کی طلب نہیں ہے۔ میں وفد کے فیصلے کے سامنے ہر وقت بلا کسی قید و شرط کے سر خم کرنے کو طیار ہوں۔

وفد نے اپنا فیصلہ ۲۶ ستمبر کو سنا دیا۔ یہ جلسہ نہایت عظیم الشان تھا تقریباً تمام ارکان جمع تھے۔ جلسہ کی کارروائی، محمد نجیب الغرابلی باشا کی تقریر سے شروع ہوئی۔ یہ تقریر پورے وفد کی جانب سے تھی۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"جو کوئی سعد کی ذات خاص کا مددگار تھا، تو سعد مر گئے۔ لیکن جو سعد کے اصول کا حامی تھا، تو سعد کے اصول باقی ہیں، کبھی مرنے والے نہیں۔

"بلاشبہ سعد مر گئے۔ بہت سے دل، جو اُن کی ہیبت سے خائف تھے مسرت سے اُچھلنے لگے۔ بہت سے سر جو اُنکے رعب سے خم تھے، بلند ہونے لگے فتنہ کا سر اپنی دونوں آنکھیں تم میں ہر طرف پھرانے لگا کہ کوئی شگاف دیکھ اور در آئے۔ لیکن قدیر و حکیم خدا نے تمھیں اُس کی نظر بد سے بچا لیا۔ تم نے خدا کی توفیق سے فتنہ کی آنکھ پھوڑ ڈالی۔ اپنا اتحاد بچا کر شیطان کو مایوس کر دیا، وہ تمھارے متحدہ عَلَم دیکھ کر اُلٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور ہو گیا

"وفد نے اپنے قانون کے بموجب اپنی صدارت کے معاملے پر غور کیا۔ پورے غور و خوض کے بعد اُس کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ یہ جلیل القدر منصب ایک ایسے شخص کے سپرد کرے، جسے تم سب جانتے ہو اور حق کی حمایت میں اُس کا حصہ دیکھ چکے ہو۔ وہ مصائب میں ہمیشہ ثابت قدم رہا۔ تکلیفوں میں اُس کی پیشانی پر کبھی بل نہ آیا۔ ایمان میں اُسنے ہمیشہ سبقت کی آزادی کے لئے اُسنے اپنی زندگی وقف کر دی۔

"وہ شخص کون ہے؟ وہ مصطفی نحاس ہے!......"

اس تقریر کے بعد اور بہت سی تقریریں ہوئیں اور مصطفےٰ نحاس باشا بالاتفاق، وفد کے صدر، اور پارلیمنٹ کی دونوں مجلسوں میں جماعت وفد کے رئیس منتخب ہو گئے۔

وفد کا پیغام

مصری وفد نے قوم کے نام حسب ذیل پیغام شائع کیا ہے:

"ابنا وطن! عظیم القدرت خدائے بزرگ و برتر کی مشیت پوری ہوئی اور سعد زغلول کا انتقال ہو گیا۔ تم اُس کے فراق پر رنج سے روئے لیکن رحمت الٰہی نے اس کے سوا کچھ منظور نہ کیا کہ تمھارے سردار کو ویسی ہی شریف موت دے، جیسی شریف زندگی اُسے بخشی تھی۔ چنانچہ جس طرح وہ مجاہد زندہ رہا تھا، اُسی طرح مجاہد ہی مرا۔ دنیا و آخرت، دونوں میں اُس کے لئے مجاہدین کا ثواب جزیل موجود تھا!

"سعد مر گیا، اس سے تمھارے دل ٹوٹ گئے۔ بعض لوگوں نے تمھارا رنج و الم دیکھ کر کہنا شروع کر دیا کہ اُس بڑے سینے میں جو بڑی بڑی آرزوئیں پنہاں تھیں، اُس کی موت ہی کے ساتھ مر گئیں

بصائر و حکم

عالم انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

اکابر تاریخ اسلام کی مختصر وفیات

ابراہیم موصلی

اپنے زمانے کا سب سے بڑا ماہر فن موسیقی، ابراہیم موصلی، قولنج کی بیماری میں مبتلا ہوا اور خلیفہ کے محل میں آنے جانے سے معذور ہو گیا جب تکلیف بہت بڑھی تو یہ شعر اس کی زبان پر جاری ہو گئے:

مل و اللہ طبیبی — عن مقاساۃ الذی بی

واللہ طبیب میرے مرض کی تشخیص سے اکتا گیا ہے۔

سوف انعی عن قریب — لعدو و حبیب!

عنقریب دوست دشمن سب کو میری موت کی خبر سنا دی جائے گی!

ایک دن خلیفہ ہارون الرشید عیادت کو گیا اور پوچھا:

"ابراہیم کیا حال ہے؟"

ابراہیم نے جواب میں یہ شعر پڑھ دیا:

سقیم مل منہ اقربوہٗ — واسلمہ المداوی و الحمیم

بیمار، جس سے اس کے رشتہ دار اکتا گئے ہیں۔ طبیب اور دوست سے چھوڑ چکے ہیں۔

۱۸۸ھ (۸۰۴ء) میں انتقال کیا

عباس بن الاحنف

اصمعی نے بیان کیا ایک دن میں بصرہ کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں ایک حسین نوجوان میرے پیچھے کھڑا ہے۔

"میرا آقا آپ کو یاد کرتا ہے" خوبصورت لڑکے نے کہا۔

میں اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ صحرا میں ایک خیمہ کھڑا تھا مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہو گئی کہ عباس بن الاحنف اس میں پڑے دم توڑ رہے ہیں اس وقت ان کی زبان پر یہ شعر تھے:

یا بعید الدار عن وطنہ — مفرداً یبکی علی شجنہ

اے اپنے وطن سے بہت دور! تنہا جو اپنی حسرت پر رو رہا ہے!

کلما جدّ النحیب بہ — زادت الاسقام فی بدنہ

جوں جوں اس کا گریہ بڑھتا ہے، اس کے جسم میں بیماریاں بھی بڑھتی جاتی ہیں!

پھر وہ بیہوش ہو گئے۔ درخت پر ایک چڑیا چلائی۔ عباس نے اس کی آواز پر آنکھ کھول دی اور یہ شعر پڑھنے لگے:

ولقد زاد الفؤاد شجیً — ہاتف یبکی علی فننہٖ

دل کا رنج اور بھی زیادہ کر دیا، اپنی ڈالی پر سے پکارنے والے نے۔

شاقنی ما شاقہ فبکی — کلنا یبکی علی سکنہٖ

جس کا شوق مجھے ہے، اسی کا اسے بھی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے حبیب کے لئے روتا ہے۔

وہ پھر بیہوش ہو گئے۔ میں نے خیال کیا پہلی سی غشی ہے۔ مگر انھوں نے ایک لمبی سانس لی اور سرد ہو گئے تھے!

۱۹۲ھ (مطابق ۸۰۸ء) میں فوت ہوئے۔

خلیفہ ہارون الرشید

جب بیماری بہت سخت ہو گئی تو طبیب بلائے گئے۔ مگر کسی علاج سے بھی فائدہ نہ ہوا۔ ہارون مایوس ہو گیا اور یہ شعر پڑھے:

ان الطبیب بطبّہٖ و دوائہٖ — لا یستطیع دفاع کروہ اتیٰ

طبیب اپنی طب اور دوا سے کسی مصیبت کو اس کے آجانے کے بعد دور نہیں کر سکتا۔

ما للطبیب یموت بالداء الذی — قد کان یبری مثلہ فی ما مضیٰ؟

یہ کیا ہے کہ طبیب اسی بیماری سے مرتا ہے جسے ہمیشہ اپنے علاج سے اچھا کیا کرتا تھا؟

ہلک المداوی و المداویٰ و الذی — جلب الدواء و باعہ و من اشتریٰ

معالج، مریض، دوا لانے والا، دوا بیچنے والا، دوا خریدنے والا سب مر جائیں گے!

جب موت کا یقین ہو گیا تو بنی ہاشم کو طلب کیا، اور کہا:

"ہر مخلوق مر جانے والی ہے۔ آج میں بھی موت کے گھاٹ اتر رہا ہوں میں تمھیں تین وصیتیں کرتا ہوں: اپنی امانت کی حفاظت کرنا۔ اپنے سرداروں کی خیر خواہی کرنا۔ اپنا اتحاد برقرار رکھنا۔ میرے دونوں لڑکوں محمد (امین) اور عبد اللہ (مامون) کو دیکھنا۔ ان میں سے جو بھی اپنے بھائی پر سرکشی کرے، اسے گمراہی سے روک دینا اور اس کا عہد توڑ دینا"

۱۹۳ھ (۸۰۹ء) میں وفات پائی۔

ابونواس

ہارون رشید کے مشہور مصاحب اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے راوی شعر اور شاعر، ابونواس نے مرتے وقت یہ شعر کہے:

دبّ فیّ الفناء سفلاً و علوا — و ارانی اموت عضواً فعضوا

اوپر نیچے ہر طرف سے فنا مجھ میں دوڑ رہی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ جوڑ جوڑ سے مر رہا ہوں۔

ذہبت شرتی بجدۃ نفسی — و تذکرت طاعۃ اللہ نضوا

میری تمام تیزی چلی گئی۔ اپنے سوکھ جانے پر مجھے طاعت الٰہی کا خیال آیا!

لیس من ساعۃ مضت لی الا — نقصتنی بمرہا بی جزوا

ہر گھڑی جو مجھ پر گذر رہی ہے۔ کوئی نہ کوئی حصہ کم کرتی جاتی ہے!

لہف نفسی علی لیال و ایام — تملیتہن لعباً و لہوا

ان دنوں اور راتوں پر میرا افسوس! جنھیں میں نے لہو و لعب میں گزار دیا!

قد اسأنا کل الاسارۃ فاللّٰہم — صفحاً عنا و غفراً و عفوا

ہم نے سراسر برائی ہی کی ہے لیکن خدایا! ہم تیری عفو و بخشش چاہتے ہیں!

محمد امین

ہارون رشید کے جانشین محمد امین کو گرفتار کرنے کے لئے جب مامون کے آدمی آدھی رات کے وقت محل میں گھسے، تو چلا اٹھا:

"انا للہ و انا الیہ راجعون! واللہ میری جان، خدا کی راہ میں چلی گئی۔ آہ، کوئی تدبیر نہیں کوئی حامی نہیں۔"

گرفتار ہو جانے پر اس نے اپنی اولاد اور عزیزوں سے کہا:

"یہ تمھارا آخری دیدار ہے۔ خدا تمھارا نگہبان ہو!"

قتل کے وقت جلادوں سے کہا:

"تمھارا برا ہو! جانتے نہیں میں رسول اللہ کے چچا کا پوتا، ہارون الرشید کا بیٹا، اور مامون کا بھائی ہوں؟ میرا خون کرنے میں خدا سے ڈرو!"

۱۹۸ھ (۸۱۳ء) میں قتل ہوا

حضرت معروف الکرخی رح

مشہور صوفی و زاہد معروف کرخی سے حالت نزع میں کہا گیا "وصیت کیجئے"

کہنے لگے:

"جب میں مر جاؤں تو میرا یہ کرتا بھی صدقہ کر دینا۔ میں چاہتا ہوں دنیا سے اسی طرح جاؤں، جیسا آیا تھا"

۲۰۰ھ (۸۱۶ء) میں وفات پائی۔

حضرت بشر بن المنصور رح

وفات کے وقت بہت خوش تھے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا،

"آپ موت پر خوش ہوتے ہیں؟"

کہنے لگے "کیا تمھارے خیال میں خالق کے حضور جانا، جس سے مجھے بڑی ہی امید ہے، مخلوق میں رہنے کے برابر ہے؟ وہ مخلوق جس سے میں ڈر رہا ہوں؟" یہ کہتے ہی روح پرواز کر گئی۔

(۲۲۹ھ ۔ ۸۲۵ء)

بقیہ مضمون صفحہ ۱

…ں تو اس کی بالکل کوشش نہیں کرتے کہ احتیاط اور انصاف کے …اتھ قدم اٹھائیں۔ ہندوستان میں تقریباً ۵ برس سے ہندو مسلمانوں… موجودہ کشمکش شروع ہوئی ہے۔ اگر ان ۵ برسوں کے وہ تمام بیانات… مباحث جمع کر لئے جائیں جو ایک فریق نے دوسرے کے اقوال و… ل کی نسبت بیان کئے ہیں، اور پھر ان پر انصاف اور صداقت شعاری… ساتھ نظر ڈالی جائے، تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ نصف سے… وہ مقدار ان باتوں کی نکلے گی جو کبھی فتنہ و فساد کی صورت نہ اختیار… ں اگر واقعات کے مطالعہ میں انصاف و دیانت کا تھوڑا… بھی لحاظ رکھا جاتا۔

کہ معاملہ اس حد تک پہنچکر ختم نہیں ہوگیا۔ بلکہ آپکے لفظوں میں:

"جو طریقہ مسلمانوں نے ملک کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک اختیار کیا، اور جو باتیں کہی گئیں، وہ نہ صرف حق و انصاف کے خلاف تھیں بلکہ عجیب طرح کی مذہبی ذہنیت ظاہر کرتی تھیں جنھیں کسی طرح بھی ٹھیک راستہ پر نہیں لے جایا جاسکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام لیڈروں اور "مولنا صاحبان" نے اور جمعیت العلماء نے فتویٰ جاری کردیا کہ رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کرنا چاہیے۔ اور یہ کہ اسلام کا قانون یہی ہے کہ جونہی کوئی غیر مسلمان حضرت بانئ اسلام کے خلاف بدزبانی کرے، اُسے فوراً مار ڈالنا چاہیے"

میں آپ کی طبیعت کی صداقت اندیشی اور حق جوئی کا معترف تھا اور اس موقعہ پر بھی معترف ہوں۔ آپنے اس رسالہ کے متعلق جو رائے قائم کی، اور جس طرح بے لاگ اور قطعی لفظوں میں اپنا خیال ظاہر کردیا، فی الحقیقت ایک راستی پسند انسان کا یہی شیوہ ہونا چاہیے لیکن جن واقعات کا آپنے ذکر کیا ہے، افسوس ہے کہ نہ تو اُن کی تعبیر صحیح ہے، اور نہ وہ تاثر صحیح ہے جو آپ نے قبول کیا ہے۔ آخری چیز میں وہی اصولی غلطی کام کررہی ہے جس پر پچھلی سطور میں بحث کرچکا ہوں

تعبیر میں آپنے جو غلطی کی ہے، وہ غلطی عام ہے۔ اور اُس ناواقفیت کا نتیجہ ہے جو ایک ہزار سال کی یکجائی کے باوجود ہندؤں کو اسلام اور مسلمانوں کی نسبت ہے۔ میں نے بارہا خیال کیا ہے کہ اگر کسی ذریعہ سے ہم یہ باہمی ناآشنائی دُور کرسکیں، تو باہمی مخالفت اور توحش کی کتنی بڑی تعداد خود بخود دُور ہوجاسکتی ہے؟ مگر افسوس ہے کہ اس کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔ آپنے غالباً بعض اخباروں کے مضامین دیکھ کر یہ رائے قائم کرلی کہ "مسلمان لیڈروں اور جمعیت العلماء نے فتویٰ دیدیا" لیکن اگر آپ کو مسلمانوں کی اصطلاح "فتویٰ" کی حقیقت معلوم ہوتی جو بہت ہی معمولی اور عام ہے، تو کبھی یہ بات آپکے قلم سے نہیں نکلتی۔ آپ "لیڈروں" کے ساتھ "فتویٰ" کا لفظ نہیں نکالتے۔ آپ سے یہ غلطی بھی نہیں ہوتی کہ اُن تمام باتوں کو جو کسی "لیڈر" یا عالم نے عام مجالس کے ایک مقرر ہونے کی حیثیت سے کہی ہیں یا اپنے اپنے انداز طبیعت کے مطابق نرم و گرم خیالات ظاہر کئے ہیں "فتویٰ" قرار دیدیتے۔ بلاشبہ آپ ان تمام باتوں پر اس حیثیت سے نظر ڈال سکتے تھے کہ کہاں تک موزوں ہیں یا غیر موزوں ہیں۔ لیکن انھیں "فتویٰ" کے لفظ سے تعبیر نہ کرتے۔ کیونکہ فی الحقیقت وہ "فتویٰ" نہیں ہیں۔

غالباً آپ کا خیال یہ ہے کہ جب کبھی کسی معاملہ پر ایک مسلمان، مذہبی قسم کی کوئی بات کہے، تو وہ "فتویٰ" ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس طرح تو وہ ساری باتیں جو مسلمان جلسوں میں کہتے ہیں یا اخباروں میں لکھتے ہیں، "فتویٰ" ہوجائیں گی۔ "فتویٰ" مسلمانوں کے دینی علوم کی ایک اصطلاح ہے، اور اس کا اطلاق صرف اُس بیان پر ہوتا ہے جو ایک مستند عالم دین اس حیثیت سے دیتا ہے کہ فلاں مسئلہ میں اُس کے نزدیک شریعت کا حکم یہ ہے۔ جب تک ایک عالم شرع اس حیثیت سے ایک بیان نہ دے، وہ فتویٰ نہیں ہے، اور کوئی مسلمان بھی اُسے فتویٰ نہیں سمجھیگا۔ اب آپ غور کیجیے کہ لیڈروں کی طرف "فتویٰ" منسوب کردینا کیسی افسوسناک غلطی ہے؟ آپ کہہ سکتے ہیں کہ علماء بھی "لیڈر" ہیں۔ یہ ٹھیک ہے لیکن یقیناً یہاں لیڈر سے مقصود علماء نہیں ہیں بسلمان جماعتوں کے عام سر برآوردہ اشخاص اور سیاسی رہنما ہیں، اور یقیناً نہ تو وہ "فتویٰ" دیتے ہیں، نہ مسلمانوں میں کوئی شخص اُنکے بیانات کو فتوی کی حیثیت سے قبول کرتا ہے۔

البتہ جمعیت العلماء مذہبی حیثیت سے "فتویٰ" دے سکتی ہے، لیکن یہ خیال صریح غلط ہے کہ جمعیت العلماء نے "رنگیلا رسول" کے لکھنے والے یا چھاپنے والے کی نسبت کوئی "فتویٰ" جاری کیا۔ یہاں پھر وہی باہمی ناواقفیت اور ناآشنائی کی بلا آگئی ہے جو ہندو مسلمانوں کے تمام معاملات پر چھائی ہوئی ہے۔ چونکہ مسلمانوں کی مذہبی اصطلاح "فتویٰ" کی حیثیت اور نوعیت پر آپ کی نظر نہیں، اس لئے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہورہی ہیں۔ غور کیجئے، اس ایک معاملہ میں کیے بعد دیگرے کتنی غلطیاں پیدا ہوگئی ہیں:

اولاً مسلمانوں میں شرعی حیثیت سے فتویٰ اسی وقت دیا جاتا ہے جب کسی خاص معاملہ میں شرعی حکم واضح کردینا ہو تاکہ مسلمانوں کا کوئی فرد یا جماعت اُس پر عمل کرے۔ موجودہ صورت میں "فتویٰ" کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ ہندوستان میں ایک شخص نے اسلام کے خلاف دلآزار کتاب لکھی تھی اور شائع کی تھی۔ یہاں نہ تو مسلمانوں کی حکومت ہے، نہ شرعی قوانین نافذ ہیں، نہ مسلمانوں کے مذہبی گروہ کو کسی طرح کا دخل سیاست و تعزیر میں ہے۔ جو کچھ بھی اس بارے میں کرسکتی ہے حکومت کرسکتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس میں مداخلت کریگا مجرم ہوگا۔ پس ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں مسلمانوں کے فتویٰ لینے یا دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہاں یہ ممکن تھا کہ کوئی شخص اس درجہ مجنوں یا احمق ہوجائے کہ وہ خیال کرے، ہندوستان میں اسے تعزیر و سیاست کے احکام جاری کرنے کی قدرت حاصل ہوگئی ہے اور اس لئے فتویٰ دینا شروع کردے کہ فلاں آدمی کو قتل کرڈالنا چاہیے، اور فلاں آدمی کو قید میں ڈال دینا چاہیے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

ثانیاً جمعیت العلماء کی نسبت یہ سمجھ لینا کہ چونکہ وہ علماء کی انجمن ہے، اس لئے اُس کی جانب سے جو کچھ بھی کہا جاتا ہے "فتویٰ" ہے، کس درجہ ناواقفیت کی بات ہے؟ وہ ایک انجمن ہے، اور اس حیثیت سے وہ تمام طریقے اظہار رائے کے عمل میں لاتی ہے جو دُنیا کی تمام انجمنیں عمل میں لایا کرتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجاتا ہے جس پر وہ کاروائی کرنا ضروری سمجھتی ہے، تو تجویز کی شکل میں کوئی بات ترتیب دیتی ہے اور اُسے منظور کرکے شائع کردیتی ہے۔ اس معاملہ پر بھی اُسنے ایک تجویز منظور کی، اور غالباً لاہور میں اپنی جمعیتہ عاملہ (ورکنگ کمیٹی) کا ایک جلسہ کرکے اس کا اعلان کردیا۔ وہ جمعیت العلماء کی ایک تجویز ہے۔ یقیناً لوگوں نے اُسے اُس درجہ اہمیت دی ہوگی، جس درجہ اہمیت وہ جمعیت العلماء کی تجاویز کو دیا کرتے ہیں، لیکن وہ "فتویٰ" نہیں ہے۔ کیونکہ "فتویٰ" دینے کی اس معاملہ میں گنجائش ہی نہ تھی۔ آپ جمعیت کی ایک تجویز کو "فتویٰ" کہہ رہے ہیں۔

ثالثاً، جمعیت العلماء کی اس تجویز کا مضمون بھی آپنے صحیح طور پر معلوم نہیں کیا ہے، اور جو کچھ لکھا ہے، وہ اصلیت سے اس درجہ ہٹا ہوا ہے کہ اگر میں آپ کو ملامت کروں تو آپ کو ناخوش نہیں ہونا چاہیے۔ کم از کم آپ جیسی طبیعت کے آدمی کو ایک واقعہ کے نقل کرنے میں اس درجہ بے احتیاط نہیں ہونا تھا۔ جمعیت العلماء کی تجویز تمام اخباروں میں شائع ہوگئی تھی۔ میری نظر سے بھی گزری تھی۔ اگر آپ چاہیں تو اُسوقت کا کوئی اُردو اخبار حاصل کرکے دیکھ لے سکتے ہیں۔ اُس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ "رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کردینا چاہیے" جیسا کہ آپنے لکھا ہے۔ کم سے کم اتنی بات تو ہر شخص کی سمجھ میں آجانی چاہیے کہ برٹش انڈیا میں کوئی شخص یا جماعت اپنے آپ کو گرفتار کرائے بغیر کسی انسان کے قتل کی علانیہ ترغیب نہیں دے سکتی۔ اگر جمعیت نے یا کبھی انجمن نے ایسا اعلان کیا ہوتا تو یہ صریح ایک انسان کے قتل کا اقدام تھا۔ دراصل وہ تجویز مسلمانوں کو مخاطب کرکے لکھی ہی نہیں گئی تھی کہ اس طرح کی قاتلانہ ترغیب کی اس میں گنجائش ہوتی۔ اُس کا تمام تر خطاب حکومت سے تھا۔ حکومت سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اس طرح کے دلآزار حملوں کا سدّباب کردے، اور اگر موجودہ قوانین اسکے لئے کافی نہیں ہیں تو نیا قانون نافذ کردے۔ البتہ اُس تجویز میں اس بات کا حوالہ ضرور تھا کہ اسلامی قوانین میں (یا بصورت اسلامی حکومت ہونے کے۔ مجھے اصلی الفاظ یاد نہیں ہیں) ایسے شخص کی سزا قتل ہے جو پیغمبر اسلام کی عمداً توہین و تذلیل کرے۔ یہ حوالہ جس طریقہ سے دیا گیا تھا، اُس کا صاف منشا یہ تھا کہ معاملہ کی اہمیت حکومت پر واضح ہوجائے۔ یعنی یہ بات اُس کے علم میں آجائے کہ مسلمانوں کے دینی احساسات اس بارے میں کیا ہیں، اور اُن کے نقطۂ خیال سے یہ معاملہ کس درجہ اہم اور ضروری ہے؟ بلاشبہ اس پر بحث کی جاسکتی ہے کہ اس موقعہ پر اس قانون کا حوالہ دینا یا ذکر کرنا کہاں تک صحیح تھا؟ اور فی الحقیقت اسلام کا قانون کیا ہے؟ اس بارے میں میری رائے اور اسلامی قوانین کی حقیقت کی بحث آگے آئے گی اور آپ معلوم کرلینگے کہ میرا خیال اور عمل کیا ہے لیکن بحیثیت ایک صداقت اندیش انسان کے آپ کو اور اُن تمام لوگوں کو جو اس بارے میں طرح طرح کے تاثرات قبول کررہے ہیں، یہ تسلیم کرلینا چاہیے کہ واقعہ کی نوعیت وہ نہیں ہے جو اُنھوں نے سمجھ رکھی ہے۔ ہم ایک معاملہ کی نسبت موافق رائے رکھتے ہوں یا مخالف، ہر حال میں ہمارا فرض ہے کہ معاملہ کو اُس کی صحیح اور حقیقی صورت میں دیکھیں، اور جیسا کچھ بھی وہ ہے، اُسے تسلیم کرکے رائے قائم کریں۔ انصاف کیجئے، کہاں یہ بات کہ جمعیت العلماء نے ایک تجویز منظور کرکے حکومت کو صورت حال پر توجہ دلائی اور اسمیں اس بات کا حوالہ دیا کہ اسلامی قانون اس بارے میں یہ تھا، اور کہاں اُس کی یہ تعبیر کہ "جمعیت نے فتویٰ دیدیا کہ قتل کردینا چاہیے"؟ اسوقت دُنیا کے کسی مذہب کے ماننے والے بھی ایسے نہیں ہیں جنھوں نے گزشتہ زمانے میں اپنے اپنے وقت کے مصالح کے مطابق قتل و تعزیر کے احکام نافذ نہ کئے ہوں اور وہ ان کی کتابوں میں ثبت نہ ہوں۔ مختلف موقعوں پر بےمحل یا بامحل اُن کا ذکر بھی کردیا جاتا ہے، لیکن کوئی شخص اُس کا مطلب یہ نہیں سمجھتا کہ بحالت موجودہ انھیں نافذ کرنا مقصود ہے۔

رابعاً آپنے جن لفظوں میں جمعیت کے بیان کردہ اسلامی قانون کی تعبیر کی ہے، وہ بھی صحیح نہیں ہیں۔ آپ لکھتے ہیں "اسلام کا یہ قانون ہے کہ جونہی کوئی غیر مسلمان حضرت بانی (داعی) اسلام کے خلاف کوئی بدزبانی کرے، فوراً اُسے مار ڈالنا چاہیے" لیکن آپ یقین کیجئے کہ نہ تو جمعیت العلماء کی تجویز میں اس قانون کی یہ تعبیر تھی، اور نہ میری معلومات میں کسی مسلمان نے کبھی یہ تعبیر کی ہے۔ جمعیت نے یا کسی دوسری جماعت نے اگر یہ کہا ہے کہ اسلامی حکومتوں کا یہ قانون تھا، تو اس کا صاف مطلب وہی ہوسکتا ہے جو حکومتوں کے قوانین کا عام طور پر ہوتا ہے۔ یعنے اُنکے قوانین کی رُو سے یہ ایک ایسا جرم تھا جو اگر عدالتی تحقیقات کے بعد ثابت ہوجائے، تو اس کے لئے قتل تک کی سزا دی جاسکتی تھی۔ اس کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ "جو مسلمان کسی کو بدزبانی کرتے دیکھے، اُسے فوراً قتل کرڈالے"؟ اسلام کے شرعی نظم کی رُو سے تو کسی جرم کے لئے بھی ایسی انارکی جائز نہیں ہوسکتی۔ تعزیر اور سیاست کے تمام احکام کا تعلق قضا سے ہے۔ یعنی آجکل کی بول چال میں عدالتی کاروائی سے۔ کسی فرد کو بھی اپنی جگہ اختیار نہیں کہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اور جس کسی کو اپنے نزدیک مجرم سمجھے سزا دیدے۔ یہ کام صرف حکومت اور عدالت کا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے گا، تو وہ اسلامی قوانین کی رُو سے اُسی طرح سزا کا مستحق ہوگا، جس طرح ایک قانون کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم ہوسکتا ہے۔

میں نے اس حصۂ بیان میں ضرورت سے زیادہ تفصیل اسلئے کی کہ میں چاہتا ہوں، یہ بات آپ پر واضح ہوجائے کہ واقعات کے مطالعہ و بیان میں وقت کی کوتاہیوں اور کج اندیشیوں کا کیا حال ہے؟ کس طرح ایک بات بغیر کسی اشتباہ اور پیچیدگی کے، محض اس لئے کچھ سے کچھ ہوجاتی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے اور بے لاگ طریقے سے معاملات پر نظر ڈالنے کی استعداد کھوچکے ہیں، اور جب کبھی کسی معاملہ پر بحث کرتے

"مجھے ایسا برتاؤ نہ کرنا تھا۔ تمھیں غصہ دلا کر میں نے سخت غلطی کی۔ اور یہ زخم . . . . . ."

موریلا، انٹونیو کے ہاتھ کی طرف اشارہ کرکے چپ ہوگئی۔

"تم نے کچھ نہیں کیا" انٹونیو نے کہا "تم نے صرف اپنا بچاؤ کیا تھا۔ یہی کرنا بھی چاہیے تھا۔ میری دیوانگی کے مقابلے میں اسی کی ضرورت تھی۔ تمھاری ذرا بھی خطا نہیں ہے۔ ہرگز معافی کا ذکر نہ کرو۔ تم نے تو مجھ پر بڑا ہی احسان کیا ہے۔ میں تمھارا دل سے شکرگزار ہوں۔ اچھا، اپنا رومال لیتی جاؤ"

انٹونیو نے رومال آگے بڑھایا۔ لیکن موریلا خاموش تھی۔ اس کے اندر خیالات میں سخت تصادم تھا:

"میری غلطی سے تمھاری چادر بھی چلی گئی۔ نارنگی کی تمام قیمت بھی اسی میں بندھی تھی۔ مجھے بہت دیر بعد اس کا خیال آیا۔ میں اس وقت اس کی تلافی نہیں کرسکتی — ہمارے گھر میں کچھ نہیں ہے۔ اگر ہے تو میری ماں کا ہے — لیکن یہ چاندی کی صلیب، میری ہے۔ مصور جاتے وقت چھوڑ گیا تھا۔ میں نے آجتک اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ صندوق میں بھی نہیں رکھا تھا۔ اگر اسے بیچو گے تو کچھ نہ کچھ وصول ہوجائے گا۔ میری ماں کا یہی خیال ہے — نقصان کا تھوڑا سا بدلہ ہوجائے گا۔ باقی میں اپنی ماں کے سوجانے کے بعد رو وزرات کو سُوت کات کات کے ادا کردوں گی"

"نہیں نہیں، میں ہرگز نہیں لوں گا" یہ کہہ کر انٹونیو نے چمکیلی صلیب لوٹا دی۔ "لیلو" موریلا نے کہا "تم نہیں جانتے، تمھارا ہاتھ کتنے دن کام نہیں کرسکے گا۔ یہ صلیب رکھی ہے"

"مجھے تکلیف نہ دو" انٹونیو نے نقاہت سے کہا۔

"میں کہتی ہوں لے لو" موریلا نے اصرار سے کہا۔

"سمندر میں پھینک دو" انٹونیو جھنجلا گیا۔

"میں ہدیہ پیش نہیں کررہی ہوں۔ اپنا کچھ بوجھ ہلکا کرنا چاہتی ہوں" موریلا نے پھر کہا۔

"تم پر میرا کوئی قرضہ نہیں ہے" انٹونیو نے جوش سے کہا "اگر تم میرا کچھ اپنے ذمہ سمجھتی ہو تو میری ایک درخواست منظور کرلو۔ تم پورے بار سے ہلکی ہوجاؤ گی۔ میری درخواست یہ ہے کہ جب کہیں دکھائی دو تو میری طرف نظر نہ اٹھانا، تاکہ مجھے اپنی اس دیوانگی پر ہمیشہ ندامت ہوا کرے۔ خدا حافظ! جاؤ۔ یہ ہماری آخری باتیں ہیں"

موریلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے اُسنے اپنا رومال اٹھا کر ٹوکری میں ڈالا۔ صلیب بھی اسیں گرادی۔ پھر ٹوکری کا ڈھکنا بند کیا۔ انٹونیو نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو آنسو اس کے نازک رخساروں پر بہہ رہے تھے!

"الٰہی!" انٹونیو چلایا "موریلا! کیا ہوا؟ کچھ بیمار ہوگئیں؟ پیر سے پاؤں تک کانپتی کیوں ہو؟"

"کچھ نہیں۔ مجھے گھر لوٹنا چاہیئے"

یہ کہہ کر موریلا لڑکھڑاتے پاؤں سے دروازے کی طرف لپکی۔ مگر باہر نہیں گئی۔ دیوار پر سر رکھ کے رونے لگی۔ دیر سے بھری ہوئی تھی اب بے قابو ہوگئی۔ انٹونیو نے اُس کی سسکیاں سنیں۔ مگر قبل اس کے کہ وہ اٹھ کر پاس پہنچے، وہ خود دوڑ کر آئی اور اُس پر گر پڑی:

"اب میں برداشت نہیں کرسکتی" اُسنے آنسوؤں کے ساتھ ملاح کو زور سے پکڑ کر کہا "میں برداشت نہیں کرسکتی! میں تمھیں چھوڑ کر جا نہیں سکتی۔ آہ! تم مجھ سے اتنی محبت کے ساتھ بولتے ہو! مجھے مارو۔ میری جان لے لو۔ مجھے لعنت ملامت کرو۔ لیکن مجھے اپنے سے دور نہ کرو . . . . . ."

روتی ہوئی لڑکی کو انٹونیو نے فوراً اُٹھا لیا۔ وہ بھی چپ تھا۔ مگر آنسو اُس کی آنکھوں سے بھی جاری تھے!

انٹونیو نے لمبی سانس لے کر کہا "خدایا یہ میں کیا سنتا ہوں؟ اگر میرا خون زخم سے بہ گیا ہے تو میرا دل اس طرح کیوں دھڑک رہا ہے؟ کیوں سینے سے نکلا پڑتا ہے؟ موریلا! اگر یہ تم صرف تسلی دینے کے لئے کہتی ہو، تو اس کی کوئی ضرورت نہیں لیکن کیا تیرا میرا کوئی حق نہیں ہے؟ کیا میں نے تمھارے پیچھے بہت دکھ نہیں سہا ہے؟"

"ہرگز نہیں!" موریلا مضبوط آواز میں کہا "کوئی حق نہیں! کیونکہ میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں! اب مجھے کہنے دو۔ میں تم سے، اسی محبت کے ڈر سے بھاگا کرتی تھی۔ لیکن اب نہیں بھاگوں گی"

(۷)

موریلا، گھر کے باہر تاریکی میں غائب ہوگئی۔ انٹونیو، کھڑکی کے سامنے مبہوت بیٹھا تھا۔ خاموش سمندر اس کے آگے پھیلا تھا۔ اُفق میں ہر طرف تاریکی اور خاموشی تھی۔ جھلملاتے تارے آسمان پر سے منہ نکالے دیکھ رہے تھے!

(۸)

اعتراف کی کرسی پر پادری بیٹھا مسکرا رہا ہے۔ موریلا ابھی ایک بہت لمبا اعتراف کرکے رخصت ہوئی ہے۔

"کون خیال کرسکتا تھا؟" پادری نے اپنے آپ سے کہا "واقعی کون خیال کرسکتا تھا کہ خدا اس گمراہ دل کو ہدایت بخشے گا؟ ہماری نظریں بہت کوتاہ ہیں۔ آسمان کے راز دیکھ نہیں سکتیں۔ خدا موریلا کو، انٹونیو کو، دونوں کی اولاد کو برکت دے!"

(۹)

کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ عورت کے دل کے سمجھنے کے لئے اس دنیا میں ہمارا کوئی قانون اور قاعدہ بھی کام نہیں دے سکتا۔ وہ جب بہت زیادہ غضب ناک ہوتی ہے تو بہت زیادہ محبت کرتی ہے، اور جب بہت ملتفت ہوتی ہے تو فوراً محبت سے دست بردار ہوجاتی ہے۔ تاہم ایک قاعدہ ضرور ہماری رہنمائی کرسکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایثار اور خود فروشی کے مقابلہ میں کبھی غصہ کی نفرت اور خودداری کی بے پروائی قائم نہیں رہ سکتی۔ سخت سے سخت جنگ آزما روح بھی ایثار اور خود فروشی کے مقابلہ میں سپر ڈال دے گی اور ہار مان لے گی!

رہنمایان ملک و ملت کا متفقہ اعلان

اخبار الجمعیۃ کی خدمات کا اعتراف

آج ہر شخص پر یہ بات روشن کی طرح ظاہر ہوگئی ہے کہ قوموں کی مذہبی۔ تمدنی۔ اخلاقی و اقتصادی ترقی میں قومی اخبارات کی رہنمائی کو بڑا دخل ہے۔ جو لوگ دنیا کے روزانہ انقلاب اور قوموں کے عروج و انحطاط کے حالات سے بےخبر ہیں وہ زندگی کے کسی شعبہ میں ترقی نہیں کرسکتے۔ اسی طرح قومی اخباروں میں سے جو اخبار کہ قوم کی فلاح و بہبود کی جگہ اپنے مالی فائدے کو مدنظر رکھتے ہیں وہ بجائے قوم کی اصلاح کرنے کے اس کی تباہی و بربادی کے باعث بنجاتے ہیں۔

اخبار الجمعیۃ دہلی جو تین سال سے جمعیۃ علماء ہند دہلی کی سرپرستی میں نکل رہا ہے اُن صحیح اور حقیقت شناس راست باز اخباروں میں سے ہے جنھوں نے حقیقی طور پر مذہب و وطن کی سچی خدمت کی ہے اور ہر موقع پر نہایت دیانت اور جرأت کے ساتھ حق رہنمائی ادا کیا ہے۔ اپنے مالی فائدے اور نقصان سے قطع نظر کرکے قوم کے خالص فائدے کا خیال رکھا اور طرفۃ العین کے لئے بھی جادۂ حق سے انحراف نہیں کیا۔ الجمعیۃ بجا طور پر اس کا مستحق تھا کہ قوم کا کوئی فرد اس کی رہنمائی سے بے بہرہ نہ رہتا اور مسلمانوں کے گھر گھر میں یہ اخبار پڑھا جاتا۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسکی کما حقہ قدر نہ کی اور اس ۳ سال کے عرصہ میں اس کی اتنی اشاعت بھی نہیں ہوئی کہ وہ اپنے مصارف سے ہی بے فکر ہوجاتا۔ ہم تمام مسلمانوں سے مذہب و وطن کے نام پر اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس معزز و مؤقر اخبار کے زریں مضامین سے فائدہ اُٹھائیں اور کوشش کریں کہ پڑھے لکھے مسلمانوں کا کوئی گھر اس اخبار سے خالی نہ رہے بالخصوص معاونین جمعیۃ سے پوری اُمید رکھتے ہیں کہ ہر خریدار کم از کم دو جدید خریدار مہیا کردینے کی کوشش کرکے اپنے مذہبی اور وطنی فریضہ کو ادا کرے گا۔ اخبار الجمعیۃ کی امداد در حقیقت مذہب وطن اور قوم کی امداد ہے اور ہر معاون تمام مسلمانوں اور مذہب و وطن کی طرف سے شکریہ کا مستحق ہے۔

(حضرت مولانا مفتی) محمد کفایت اللہ (صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند) (سیٹھ حاجی) عبداللہ ہارون (ایم ایل اے صدر جمعیۃ مرکزیہ خلافت) (مولانا) حبیب الرحمٰن (صاحب صدر خلافت کمیٹی لدھیانہ) (مولانا ظفر علیخاں) (صاحب۔ اڈیٹر زمیندار لاہور) (مولانا محمد سعید (صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند) (جناب) قریشی (صاحب اڈیٹر منظم۔ آنریری اسسٹنٹ سکرٹری آل انڈیا تنظیم کمیٹی امرتسر) (مولانا سید سلیمان (صاحب ندوی۔ اڈیٹر معارف اعظم گڈھ) (مولانا ابوالمعارف) محمد عرفان (صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء بہار و ناظم جمعیۃ مرکزیہ خلافت) (مولوی سر) رحیم بخش (صاحب سابق وزیر اعظم ریاست بہاولپور کے سی ایس آئی۔ ایم ایل سی) (مولانا سید) عطاء اللہ شاہ (صاحب بخاری) (مولانا ثناء اللہ (صاحب اڈیٹر اہلحدیث امرتسر) (مولانا) عبدالماجد (صاحب دریابادی اڈیٹر سچ و صدر خلافت کمیٹی لکھنؤ) (ڈاکٹر) سیف الدین (صاحب کچلو امرتسر) (مولانا سید) غلام بھیک (صاحب نیرنگ معتمد عمومی جمعیۃ مرکزیہ تبلیغ الاسلام انبالہ) (مولانا) غلام رسول (صاحب مہر اڈیٹر انقلاب لاہور) (سید) جالب (صاحب دہلوی اڈیٹر ہمدم لکھنؤ) (ڈاکٹر سر) محمد اقبال (صاحب بیرسٹرایٹ لا لاہور) محمد الحسنی (صاحب ہلالی اڈیٹر مدینہ بجنور) (حضرت مولانا) حسین احمد (صاحب جانشین حضرت شیخ الہند) (مولانا) شبیر احمد (صاحب عثمانی دیوبند) (مولانا) حبیب الرحمٰن (صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند) (مولانا) عبدالحلیم (صدیقی لکھنؤ) (مولانا ابوالمحاسن) محمد سجاد (صاحب نائب امیر شریعت صوبہ بہار) (مولانا) تقی حسن (صاحب دیوبند) (پیر صاحبزادہ) عبدالقیوم (ایم ایل اے) (دیوان سید) آل رسول (صاحب سجادہ نشین درگاہ اجمیر شریف) (مولانا پیر) محمد ضیاء الدین (صاحب سجادہ نشین سیال شریف پنجاب) (مولانا سید) مناظر احسن (صاحب گیلانی پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن) (مسٹر) عبدالحئی (قریشی)۔

(اخبار الجمعیۃ کے لئے تمام درخواستیں منیجر الجمعیۃ۔ دہلی کے پتہ پر آنی چاہئیں۔ قیمت سالانہ ۶ ششماہی ۳ ممالک غیر سے ۸۔ نمونہ مفت)

افسانہ

غضب ناک محبوبہ

L'ARRABIATA

(پال ہیس کے قلم سے)

(۲)

انٹونیو، لڑکی کے غرق ہونے کے خوف سے سناٹے میں آگیا۔ وہ بُت بنا کھڑا تھا۔ اُس کے دماغ میں کوئی خیال بھی باقی نہیں رہا تھا۔ آسمان پر نظر جمائے اس طرح کھڑا تھا، گویا کسی معجزے کا انتظار کر رہا ہو!

آخر کار اُس کے حواس درُست ہوئے۔ اُسنے ڈانڈ اُٹھائی اور پُوری قوت سے کشتی، لڑکی کی طرف لے چلا۔ اُس کی آنکھیں لڑکی پر جمی تھیں۔ اُسے بالکل خیال نہ رہا کہ اُس کے ہاتھ سے خون کا فوارہ بہ رہا ہے۔

موریلا بڑی تیزی سے پیرتی چلی جاتی تھی۔ مگر کشتی اُس کے قریب پہنچ ہی گئی۔

"خدا کے لئے کشتی پر آجاؤ!" انٹونیو چلایا "میں دیوانہ ہوگیا تھا۔ خدا جانے میری عقل پر کیسے پتھر پڑ گئے تھے۔ گویا مجھ پر بجلی گر گئی تھی۔ میرے سینے میں آگ کا تنور جل اُٹھا تھا۔ موریلا! میں معافی تک کی درخواست نہیں کرسکتا۔ میں معافی کا بھی مستحق نہیں ہوں۔ بس میری التجا صرف اتنی ہو کہ کشتی پر چلی آؤ۔ ہلاک مت ہو!"

موریلا برابر پیرتی رہی۔ گویا اُس نے سُنا ہی نہیں۔

"ساحل تک پہنچنا محال ہو" انٹونیو نے پھر کہا "ابھی پُورے دو میل باقی ہیں۔ اپنی بیمار ماں کا خیال کرو۔ اُس کا کیا حال ہوجائے گا؟ اگر تمھیں نقصان پہونچا تو میں بھی جان دے دوں گا"

موریلا نے سامنے نگاہ کرکے فاصلہ دیکھا۔ پھر بغیر کوئی جواب دیئے کشتی کی طرف آنے لگی۔ کشتی کا کنارہ پکڑ لیا اور اوپر چڑھنے لگی۔ انٹونیو، سہارا دینے کے لئے اُٹھا۔ کشتی ایک طرف جھک پڑی۔ ملاح کی چادر کنارے رکھی تھی۔ پانی میں گر پڑی۔ لڑکی نے سہارا لینے سے انکار کیا۔ پھرتی سے اوپر آگئی اور اپنی پہلی جگہ پر خاموش جا بیٹھی۔

(۴)

انٹونیو نے اُسے مطمئن دیکھ کر پھر کشتی کھینا شروع کردی۔ موریلا اپنے بال ہاتھوں میں لے کر نچوڑنے لگی۔

یکایک موریلا کی نظر کشتی کی زمین پر پڑی۔ وہ خون سے رنگین تھی اُس نے معًا انٹونیو کے ہاتھ کی طرف نظر اُٹھائی۔ ہاتھ سخت زخمی تھا۔ مگر وہ پُوری قوت سے کام کر رہا تھا۔

"یہ لو" موریلا نے کہا اور اپنے رومال کی طرف اشارہ کیا انٹونیو نے موریلا کو دیکھے بغیر سر کے اشارے سے انکار کردیا۔ اور کشتی چلاتا رہا تھوڑی دیر بعد موریلا اپنی جگہ سے اُٹھی۔ آگے بڑھی۔ ملاح کے سامنے بیٹھ گئی، اور اپنے رومال سے اُس کا ہاتھ باندھنے لگی۔ انٹونیو نے بہت بہت انکار کیا مگر دوشیزہ نے اُس کے زخمی ہاتھ سے ڈانڈ لے لی اور خود چلانے لگی۔ وہ ملاح کو نہیں دیکھتی تھی، لیکن ڈانڈ پر اُس کے ہاتھ کے خون کے جو قطرے لگ گئے تھے، اُن پر نظریں گڑ گئی تھیں۔

دونوں چپ تھے۔ چہرے اُترے ہوئے تھے۔ جب ساحل کے قریب پہنچے تو ماہی گیر صاحب سلامت کرنے لگے بعض بعض نے آنکھوں ہی آنکھوں میں با ہمدگر اشارات بھی کئے۔ لیکن وہ دونوں بالکل خاموش رہے۔ اُن میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔

شفق ابھی تک باقی تھا۔ کنارا آگیا۔ موریلا نے اپنے کپڑے درُست کئے اور اُتر پڑی۔

صبح والی بڑھیا اپنی پوتی کے ساتھ وہیں بیٹھی چرخا کات رہی تھی۔

"انٹونیو!" ملاح کو دیکھ کر چلائی "تیرے ہاتھ میں کیا ہوا؟ خدا خیر کرے! تیری کشتی بھی خون سے رنگین ہو!"

"کچھ نہیں" انٹونیو نے افسردگی سے جواب دیا "کشتی میں ایک کیل نکل آئی تھی۔ اُس سے زخم لگ گیا۔ صبح تک اچھا ہوجائے گا۔ یہی زیادہ خون تو میرے لئے مصیبت تھا۔ زخم کی راہ نکل گیا"

"یہاں آؤ: میں پٹی باندھ دوں" نیک دل بڑھیا نے کہا "ذرا ٹھہرو، میں ابھی کوئی جڑی بوٹی لاتی ہوں"

"شکریہ" انٹونیو نے کہا "زحمت نہ کرو۔ زخم بھر گیا ہو۔ صبح تک بالکل ٹھیک ہوجائے گا۔ میری تندرستی اچھی ہو۔ معمولی تکلیف کا کوئی اثر نہیں ہوتا"

"خدا حافظ!" موریلا نے کہا جو ابتک کھڑی بڑھیا کی باتیں سن رہی تھی۔

خدا حافظ!" انٹونیو نے اُس کی طرف نظر اُٹھائے بغیر جواب دیا۔

موریلا اپنے گھر روانہ ہوگئی۔ انٹونیو نے بھی بے دلی کے ساتھ اپنی ڈانڈ اور ٹوکریاں اُٹھائیں اور جھونپڑے کی راہ لی۔

(۵)

انٹونیو اپنے چھوٹے سے جھونپڑے میں اکیلا ہو۔ بہت پریشان ہو۔ کسی پہلو چین نہیں۔ اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ہوا ٹھنڈی تھی اور بے شیشہ کی کھڑکیوں سے اندر آرہی تھی۔ تنہائی اس کے لئے ایک حد تک آرام دہ تھی۔ دیوار پر مقدس کنواری (مریم علیہا السلام) کی تصویر لٹک رہی تھی۔ وہ تصویر کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ کنواری کے پرستاروں کی آرائش دیکھی۔ لیکن نماز پڑھنے کو جی نہیں چاہا۔ وہ نماز کیوں پڑھے؟ ابھی ابھی وہ اپنی زندگی کی تمام آرزؤں سے محروم ہوچکا ہو!

اُس نے خیال کیا "آج دن ختم نہ ہوگا۔" بے صبری سے رات کا انتظار کرنے لگا۔ تھکا ہوا تھا۔ خون بہ جانے کی وجہ سے بھی [illegible] کمزور ہو رہی تھی۔ ہاتھ کے زخم کا درد بڑھنے لگا۔ وہ لکڑی کی ایک چھوٹی سی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ہاتھ کی پٹی کھولی تو پھر خون بہنے لگا ہاتھ ورم کر آیا تھا۔ بڑی محنت سے اُس نے ہاتھ دھویا۔ موریلا کے [illegible] کے نشان صاف نظر آتے تھے!

"اُس کی کیا خطا ہو؟" اپنے آپ سے کہنے لگا "میں وحشی ہو [illegible] تھا۔ مجھے یہی سزا ملنی چاہئے تھی۔ کل بڑھیا کے ہاتھ اُس کا رومال [illegible] کر دوں گا۔ اور اب کبھی اُس کا سامنا نہ کروں گا!"

زخم دوبارہ دھویا۔ دانتوں کی مدد سے پٹی باندھی۔ بچھو[نے پر] دراز ہوگیا۔ اور آنکھیں بند کرلیں۔

وہ سمجھ نہ سکا، سویا تھا یا رات بھر جاگتا رہا۔ لیکن اُسے جا[گا] دھندلی روشنی میں جب ہوش آیا تو ہاتھ میں سخت درد ہو رہا تھا

(۶)

یکایک دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔

موریلا اُس کے سامنے کھڑی تھی!!

وہ بغیر اجازت کے اندر چلی آئی۔ بالکل خاموش تھی۔ سر کا [illegible] کھولا، ہاتھ کی ٹوکری، سامنے چھوٹے سے میز پر رکھ دی۔

"اپنا رومال لینے آئی ہو؟" انٹونیو نے پوچھا "ناحق تکلیف اُٹھائی۔ میں خود کل صبح بھیجدینے والا تھا"

"رومال نہیں" موریلا نے ہانپتے ہوئے جواب دیا "میں [صبح] سے پہاڑی پر جڑی بوٹی ڈھونڈھ رہی تھی۔ لو، یہ لائی ہوں"

"تم نے بڑی تکلیف کی" ملاح نے جوش مسرت کے احساس سے مضطرب ہوکر کہا "افسوس، تم بہت پریشان ہوئیں۔ مجھے تو آرام ہو۔ لیکن اگر تکلیف بھی ہو، تو اس کا مستحق ہوں۔ تم [یہاں] کیوں آئیں؟ اگر کوئی دیکھ لے؟ تم لوگوں کی عادت جانتی ہو۔ [انہیں] ہر وقت کچھ نہ کچھ کہنا ہی چاہئے"

"میں کسی کی بھی بکواس کی پرواہ نہیں کرتی" موریلا نے غم [اور] ہمدردی کے ملے جُلے لہجہ میں کہا "میں تمھارا ہاتھ دیکھنے اور دوا [لگانے] آئی ہوں۔ تم اپنے بائیں ہاتھ سے دوا نہیں لگا سکتے"

"میں دوا کا مستحق نہیں ہوں۔ سچ کہتا ہوں" انٹونیو نے [اداسی] کے ساتھ کہا۔

"اچھا مجھے ہاتھ دیکھنے دو۔ اچھا ہوگا تو دوا نہ لگاؤں گی" یہ کہہ کر موریلا نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب انکار اُس کی [طاقت] سے باہر تھا۔ پٹی کھولتے ہی دوشیزہ چلائی "آہ، مسیح!"

نہیں معمولی سا ورم ہو۔ کل تک اُتر جائے گا" انٹونیو نے بے پروائی سے کہا۔

موریلا نے سر ہلایا:

"تم ایک ہفتہ سے پہلے سمندر میں لوٹ نہیں سکتے"

"اوہو، ایک ہفتہ، دو ہفتے، دس ہفتے" ملاح نے [illegible]

موریلا اُس کا زخم بڑی توجہ سے دھونے لگی۔ وہ بچے کی طرح کراہتا تھا۔ موریلا نے زخم پر دوا تھوپ دی۔ پٹی باندھ دی درد میں کمی ہوگئی۔

"موریلا! شکریہ!" انٹونیو نے آرام پاکر کہا "اگر مجھ پر احسان کرنا چاہتی ہو، تو وہ یہ ہو کہ میرا دن والا قصور معاف کردو [اور] سب باتیں بھول جاؤ۔ نہیں معلوم ایسا کیوں ہوا؟ ہرگز نہیں [تمھاری] کوئی خطا نہیں تھی۔ اب میری زبان سے کبھی کوئی ناگوار بات سنو گی......"

"نہیں نہیں، مجھے معافی مانگنی چاہئے" موریلا [illegible]

گر آپ

علم وکتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کرلیگئی ہیں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم وادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کرسکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھٹے ماہ کے

بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (القرآن الکریم)

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۸ — کلکته : جمعه ٢٤ ـ ربیع الثانی ۱۳٤٦ هجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 21, October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافته طریق طباعة نہین رکھتی ۔ طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین که حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔ پتھر کی چھپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وہ هین جن مین الهلال چھپتا هی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی هین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اهم مسئله هی ۔ ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔

الهلال

قارئین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱٤۹۲ مراسلات وصول هوی هین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲۱۷	اردو حروف کی حق مین	٤۱۰
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	٤٦٤	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۵۰	نستعلیق هون	۱۵۱

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاهر کیا هی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین هی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی ۔ آیندہ اس باری مین، مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی، مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔

الهلال

ان تمام اصحاب کے لئے
جو
قیمتی تمدن و ۔۔۔ کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں
دنیا میں عظیم الشان مقام
I. SHENKER,
118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.
ہے
مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے، اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔
نوادر عالم کا یہ ذخیرہ
دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔
بایں ہمہ
قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں ہیں!
براعظم یورپ امریکہ
اور
مشرق
کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں
اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں
تو
آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

صرف لوتھر اور میلان هي نے اِس علمي تحقیق کي مخالفت نهیں کي ' بلکه پروتسٹنٹ کنیسا کے اور بهت سے اقطاب بهي سخت مخالف رهے - چنانچه کالون نے اپني کتاب " حواشي بر سفر تکوین " میں کوپر نیکوس اور اس کے هم خیالوں پر بڑي سختي سے حمله کیا هے اور اُن سب کو کافر اور ملحد قرار دیا هے جو زمین کو نظام کائنات کا مرکز تسلیم نهیں کرتے - وہ زبور کي آیتیں پیش کرنے کے بعد سوال کرتا هے " وہ کون هے جو کوپر نیکوس کو روح القدس کي سي عظمت رکھنے والا سمجھنے کي جرأت کر سکتا هے ؟ "

کالون کے جانشین ' تریتن کي بهي یهي رائے تهي - کیپلر اور نیوتن نے جب کوپر نیکوس اور گلیلیو کے نظریے پوري طرح ثابت کر دیے ' اور ان کے لیے غیر متزلزل قواعد مقرر کر دیے ' تب بهي تریتن اپني لاهوتي کتاب شایع کرنے سے باز نهیں رها ' اور کتاب مقدس کے نصوص سے ثابت کرنا چاها که آسمان ' سورج ' اور چاند زمین کے گرد گهومتے هیں ' اور خود زمین نظام کائنات کے مرکز میں قائم و ثابت هے !

تاریخ انگلستان میں بهي اِس لاهوتي جد و جهد کي بهت مثالیں ملتي هیں - هچنسن نے اپني کتاب " اصول موسوی " میں ' ڈاکٹر سموئیل بیک نے " مقدس فلسفه " میں ' هورن ' اسقف هورسلے ' اور وربس وغیرهم نے اپني اپني تفسیروں میں نیوتن کے نظریے کي بڑي سرگرمي کے ساتھ مقاومت کي هے - کتاب مقدس کي آیتوں سے مسلح هوکر اُس پر ٹوٹ پڑے هیں - یهي حال ڈاکٹر جان اوین کا هے ' جو پیوریٹین مذهب کا ایک بڑا قطب مانا جاتا هے - اُس نے انتهائي دیده دلیري سے اعلان کردیا که " کوپر نیکوس کا نظریه ' سراسر وهم و خیال هے - کیونکه نصوص وحي کے برخلاف هے " مشهور جان دیسلے بهي اِس گروہ سے باهر نهیں هے - اُس کا صاف اعلان تها " جدید فلکي نظریے کفر و الحاد کي طرف لیجانے والے هیں "

سولھویں صدي کے وسط میں شهر ویٹنبرگ میں (جو پروتسٹنٹ مذهب کا مرکز تها) در عالم رتي کوس اور رینالڈ رهتے تهے - اُنهوں نے کوپرنیکوس کے مذهب کي تحقیقات کي تهي ' اور اُسے حق سمجھتے تهے - لیکن انهیں اجازت نهیں دي گئي که اپنے طالب علموں پر اپنا یه اعتقاد ظاهر کریں - رتي کوس نے تو تنگ آکر یونیورسٹي سے استعفا دیدیا ' تاکه آزادي کے ساتھ اعلان حق کرسکے - لیکن رینالڈ یه نه کرسکا - اُسے مجبور هونا پڑا که قدیم مذهب کي حمایت کرتا رهے - اُسے حکم دیا گیا تها که اپنے درس میں کوپرنیکوس کے مذهب کا کوئي ذکر نه کرے - اگر کبھي اِشارہ کرنا پڑے تو پهر اُس پر بطلیموسي نظام کو ترجیح دے - اُس نے اِس حکم پر عمل کیا - لیکن اِس پر بهي تکفیر سے محفوظ نه رہ سکا ' اور بالاخر ذلت کے ساتھ یونیورسٹي سے نکال دیا گیا - اُس کي جگه ایک نیا استاد مقرر هوا تها - اِس معلم نے اپني پهلي تقریر اِس جملے سے شروع کي تهي : " کوپرنیکوس کا نظریه ' بدیهي طور پر غلط هے - خلاف عقل هے - هرگز علمي مرکزوں میں اُسکا ذکر نهیں کرنا چاهیے ! "

پروتسٹنٹ لاهوتیوں نے صرف اِتنے هي پر اکتفا نهیں کیا ' بلکه تعلیم گاهوں میں بهي ایسي کتابیں داخل کر دیں ' جو قدیم خرافات کا مجموعه تهیں - چنانچه کاهن هنسل نے مدارس کے لیے ایک مختصر کتاب " اصل کائنات اور نظام موسوي کا اتباع " لکهي تهي اور ثابت کیا تها که کوپرنیکوس کے فلکي نظریے کتاب مقدس کے بالکل خلاف هیں " خواہ ریاضي کے قواعد اور دور بین کے مشاهدات کا کتناهي دعوی کیوں نه کیا جاے ' لیکن ایک ایماندار مسیحي کو کبهي تسلیم نهیں کرنا چاهیے " !

یه علم دشمني صرف قرون مظلمه هي کا خاصه نه تهي - جدید پروتسٹنٹیت کو بهي وراثت میں ملي تهي - چنانچه اُنیسویں صدي کے آخري برسوں میں مشن کالجوں کے بهت سے استاد اِس جرم پر خارج کر دیے گئے تهے ' که وہ جدید علم هیئت پر اعتقاد رکھتے تهے اور اسلیے ملحد تهے !

(کلیسائي علم و استدلال)

لاهوتي عدالت میں گلیلیو کي سزا یابي کے بعد رومن کیتھولک کلیسا کي هدایت سے کئي کتابیں لکهي گئي تهیں ' تاکه کوپر نیکوس کي " گمراهي " مسیحي دلوں سے دور کي جائے - چنانچه سیبیرمونتي اپني کتاب میں زمین کو ساکن ثابت کرتے هوے لکهتا هے :

" جو حیوانات حرکت کرتے هیں ' اُن کے اعضاء اور عضلات هوتے هیں - لیکن چونکه زمین نه تو اعضاء رکهتي هے ' نه عضلات ' اس لیے وہ حرکت نهیں کرسکتي - وہ فرشتے هیں ' جو زحل ' مریخ ' آفتاب وغیرہ کو حرکت دیتے رهتے هیں - اگر بفرض محال تسلیم بهي کرلیا جائے که زمین متحرک هے ' تو اُسے حرکت میں لانے کے لیے ضروري هوگا که اُس کے مرکز میں ایک فرشته هو - حالانکه معلوم هے که فرشتے زمین کے اندر نهیں رهتے - وهاں تو صرف شیطان کا بسیرا هے - اگر کها جاے که شیطان زمین کو متحرک رکھتا هے ' تو یه نا قابل تسلیم هے - کیونکه شیطان کے ایسے اعمال کتاب مقدس سے ثابت نهیں " !

کاش اس مسیحي علامه کو معلوم هوتا که اگر ستاروں کي حرکت کیلیے فرشتوں کي تلاش هے ' تو وہ فرشته موجود هے - اس کا نام " قوت جذب و دفع " هے !

پرلاک اپني کتاب " کوپر نیکوس کے رد " میں اِس طرح گهر افشاني کرتا هے :

" کتاب مقدس کي تصریح موجود هے که زمین ساکن هے اور سورج چاند گردش میں هیں - اگر کبهي هم دیکهیں که سورج چاند متحرک نهیں هیں ' تو کتاب مقدس کي رو سے همیں ماننا پڑیگا که یه تبدیلي کسي عظیم معجزے کي بنا پر پیدا هوئي هے - اِس کے خلاف جتنے خیالات هیں ' اُن کي اشاعت پوري سختي سے روک دیني چاهیے ' کیونکه اُنمیں زمین کے متعلق ایک ایسي رائے پیش کي جاتي هے جو کتاب مقدس کے صریح خلاف هے "

پهر عقلي دلائل اور مشاهدے سے بهي استدلال کرتا هے :

" اگر تسلیم کر لیا جائے که زمین حرکت کرتي هے تو پهر مشاهدات کي توجیه کیا کي جاسکتي هے ؟ اگر ایک تیر آسمان کي طرف پهینکا جاے ' تو وہ اپني جگه واپس آجایگا - حالانکه تیر بهت دور جاکر گرنا چاهیے - کیونکه نئے نظریے کے بموجب زمین از حد سرعت سے مشرق کي طرف جا رهي هے - اگر في الواقع زمین متحرک هوتي تو زمین کا پورا کارخانه درهم برهم هو جاتا "

اسکے بعد لکهتا هے :

" کوپرنیکوس کے نظریے کے بموجب زمین کا متحرک هونا ' خود زمین کي طبیعت کے بهي خلاف هے - کیونکه زمین ' صرف ٹهوس

علم اور کلیسا کا معرکہ

کلیسائی جہل و جمود کے بعض تاریخی حقائق

گزشتہ تین صدیوں سے دین اور علم کی معرکہ آرائی کا غلغلہ بلند ہے - لیکن فی الحقیقت یہ معرکہ دین اور علم میں نہیں ہے - دینی جماعتوں اور علم کے مدعیوں میں ہے - اگر یہ دونوں صف آرا جماعتیں میدان سے ہٹ جائیں ' تو پھر صرف علم اور دین باقی رہجائینگے ' اور دنیا دیکھہ لیگی کہ ان میں کوئی نزاع نہیں ہے !

یورپ میں جب نئی علمی ترقیات نے نشوؤ نما پائی ' تو دین ' مسیحی کلیسا کی شکل میں موجود تھا - علمی حلقوں کا تصادم کلیسا کے جمود و تعصب سے ہوا ' اور اس نے معرکۂ علم و دین کی صورت اختیار کرلی -

امریکا میں ڈریپر نے اور یورپ میں کیلی نے اس معرکہ آرائی کی داستانیں لکھیں ' اور " علم " کی فتح مندیوں اور " دین " کی ہزیمتوں کا غلغلہ ہر طرف بلند ہوگیا - حالانکہ اس فرضی معرکہ آرائی میں اُنھوں نے جس فریق کو " دین " کے نام سے پکارا ہے ' وہ دین نہ تھا ' دینی جماعتوں کا ایک خاص نظام تھا جو کلیسا کے نام سے قائم ہوگیا ہے - اگر وہ " دین " کی جگہ " کلیسا " کا لفظ اختیار کر لیتے ' تو یہ پورا رزم نامہ اپنی جگہ صحیح ہوجاتا ' اور ہمیں علم کی فتح مندیوں اور کلیسا کی ہزیمتوں کے اعتراف میں ذرا بھی تامل نہ ہوتا - جان ڈکنسن اور پروفیسر وہائٹ نے ڈریپر اور کیلی کی یہ غلط اندیشی دور کرنی چاہی ' لیکن اُن کی صدائیں زیادہ بلند اور مقبول نہ ہوسکیں -

(پروٹسٹنٹ کلیسا اور علم)

انیسویں صدی کے آخر میں اکثر مصنفوں نے اِس نزاع کی ذمہ داری رومن کیتھولک کنیسے پر ڈالدی ہے اور اُسی کو علم کی دشمنی اور علماء کی تعذیب کا مجرم قرار دیا ہے - گویا اِس کنیسے کے سوا کسی دوسرے مسیحی کنیسے نے علم کی کوئی مقاومت نہیں کی - لیکن یہ صحیح نہیں ہے - یہ تاریخی حقیقت ہے کہ روشن خیالی اور تسامح علمی میں سب سے زیادہ مشہور کلیسا ' پروٹسٹنٹ بھی عقلی تنگ نظری اور علم دشمنی میں رومن کنیسے سے پیچھے نہیں رہا - لوتھر کے جانشینوں نے بھی علم دشمنی میں ویسی ہی مجاہدانہ روح پیدا کرلی تھی ' جیسی صدیوں سے قدیم کلیسا میں موجود تھی -

گیلیلیو نے جب کوپر نیکوس کے نظریے کی حقانیت ثابت کردی ' اور دور بین کے ذریعہ چاند میں پہاڑ ' سورج میں دھبے ' اور عطارد کے اقمار دکھا دیے ' تو رومن کنیسا غیظ و غضب سے مجنوں ہوگیا - دینی عدالت کو حکم دیا گیا کہ اِس " ملحد " کو گمراہی سے روکا جائے ' اور کنیسا کی اطاعت پر مجبور کیا جائے - دلیل و برہان سے نہیں — جس سے کنیسا تہی دست تھا — لوہے اور آگ سے ' جس کی کنیسے کے پاس کوئی کمی نہ تھی !

لیکن کیا لوتھر اور اُس کے پیرو اِس " الحاد " کے کم دشمن تھے ؟ کیا اُنھوں نے عقل کے قید کرنے اور گمراہی کے پھیلانے میں کوئی کمی کی ؟ اِس کا جواب ہم خود لوتھر کی زبان سے سن سکتے ہیں - کوپر نیکوس کا رد کرتے ہوئے وہ کہتا ہے :

" لوگ ایک مجنون نجومی کی بکواس پر کان دھرتے ہیں - حالانکہ وہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ زمین گردش کرتی ہے ' نہ کہ آسمان - واقعہ یہ ہے کہ لیاقت اور دانائی میں شہرت حاصل کرنے کا ہر خواہش مند انسان کوئی نہ کوئی نیا نظریہ پھیلانے کی کوشش کرتا ہے - وہ مدعی ہوتا ہے کہ اُس کا نظریہ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ یقینی ہے - یہ آسیب زدہ انسان آج اتنا ہے کہ علم ہئیت کے تمام قواعد و اصول تہہ و بالا کر ڈالے - حالانکہ کتاب مقدس میں صاف لکھا ہے کہ یوشع نبی نے سورج سے کہا ' ٹھہر جا - لیکن زمین کو ایسا حکم نہیں دیا گیا ' کیونکہ وہ خود ہی ٹھہری ہوئی ہے "

ایک دوسرے پروٹسٹنٹ مصلح میلان کا لہجہ اِس " الحاد " کے مقابلے میں لوتھر سے نرم ہے - لیکن وہ بھی اپنی کتاب میں (جو کوپر نیکوس کی وفات کے چھہ برس بعد شایع ہوئی ہے) لکھتا ہے :

" ہماری آنکھیں مشاہدہ کرتی ہیں کہ آسمان ہر چوبیس گھنٹے میں گھوم جاتے ہیں - لیکن بعض جدت پسندوں نے مشہور کرنا شروع کردیا ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے نہ کہ فلک ثانی اور آفتاب - اِس قسم کے خیالات کی علانیہ اشاعت اور اُن کے ذریعہ مخلوق کی تضلیل بلند ہمتی اور دیانت داری کے قطعی خلاف ہے - کیونکہ یہ لوگوں کے لیے مکروہ نتائج پیدا کرنے والا نمونہ بن جائیگا - جو کوئی بھی نیکی کا طالب ہے ' اُسے حق سے روگردانی نہیں کرنی چاہئے - وہ حق ' جو خداوند خدا نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے ' اور جسکے سوا سب کچھہ باطل ہے "

اس کے بعد یہی مسیحی مصلح مزامیر داود اور دیگر مقدس صحیفوں کا حوالہ دے کر دعوی کرتا ہے " ان سے پوری وضاحت کے ساتھہ ثابت ہوجاتا ہے کہ زمین ٹھہری ہوئی ہے اور سورج اُس کے گرد گھومتا ہے " اِتناہی نہیں بلکہ اپنے بیان کے اثبات میں وہ عقلی دلائل بھی پیش کرتا ہے ' اور پھر یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ " زمین اُسی حالت میں ایک جگہ قائم رہسکتی ہے جبکہ وہ اِس کائنات کے وسط میں ہو " پھر اُسے غصہ آجاتا ہے - وہ غضبناک ہوکر کہتا ہے " اُن لوگوں کو سخت عبرت انگیز سزائیں دینی چاہئیں جو کوپر نیکوس کی تعلیم کی اشاعت کرتے ہیں " !

سمجھتے - میں نے خیال کیا ' اپنے گاؤں کے لیے کوئي ایسي زبان ایجاد کرني چاهئے ' جو سب کے لیے آسان اور قابل فہم هو - اسپرانٹو ' اسي خیال کا نتیجہ ہے "

یہ کام آسان نہ تھا - ڈاکٹر مذکور کو یورپ کي تقریباً تمام زبانیں سیکھني پڑیں - سب کي صرف و نحو میں مہارت حاصل کي ' اور ایک بالکل نئي زبان اور نیا قاعدہ بنانا پڑا - سنہ ١٨٨٥ ع میں اُس نے اپني تعلیم ختم کي تھي اور طبابت کا پیشہ اختیار کرلیا تھا - تاهم اُس کي تمام تر توجہ اِس نئي زبان کي تکمیل و اشاعت هي پر صرف هوتي رهي - سنہ ١٨٨٧ ع میں اُس نے اِس زبان کي پہلي کتاب شائع کي - اُس کا نام " عالمگیر زبان " تھا -

شروع شروع میں اُسے سخت ناکامیابي هوئي - سب لوگ اُسے مجنون قرار دیتے تھے - کوئي اُس کي مدد پر کھڑا نہیں هوتا تھا - لیکن بتدریج یورپ میں اُس کا خیال مقبولیت حاصل کرنے لگا ' اور اِس زبان کي ترقي کے لیے پیرس میں ایک انجمن " Esperantistes Pacifiques De Paris " کے نام سے قائم هوگئي -

سب سے پہلے سنہ ١٨٧٨ میں دنیا نے یہ نئي زبان سني - ڈاکٹر موصوف نے ایک جلسہ میں اس زبان کي ایک نظم سنائي - اس کے ابتدائي بند مع ترجمہ حسب ذیل هیں :

En La mondo vanis nova sento

دنیا میں ایک نیا شعور آیا -

Fra La mondo iras ferta voko

دنیا میں ایک طاقتور دعوت پھیلانے لگا

Per de flugiloj de facila vento

هلکي هوا کے بازؤں پر

Nun de loko flugu gi al loko

اُسے ایک جگہ سے دوسري جگہ اڑنے دو !

اسپرانٹو ' اِس قدر آسان زبان ہے کہ اُس کے تمام قواعد ایک گھنٹہ کے اندر معلوم کر لیے جاسکتے هیں - اُس کے الفاظ کي تعداد صرف ٩ هزار ہے - چند هفتے کي مزاولت کے بعد گفتگو اور تحریر بخوبي کي جا سکتي ہے - اُس کے تمام الفاظ یوناني ' لاطیني ' جرمن ' روسي ' فرانسیسي ' اور انگریزي زبانوں سے ماخوذ هیں - اُس میں صرف ٢٣ حرف هیں - u, s, j, h, g, c دو حرفوں کے قائم مقام هوتے هیں - کوئي ساکن حرف نہیں ہے - جو حرف لکھا جاتا ہے ' تلفظ بھي کیا جاتا ہے - شاذ افعال بھي نہیں هیں - معرفہ کا صرف ایک حرف ہے اور وہ La ہے -

الفاظ کي قسمیں اُن کے اواخر سے پہچاني جاتي هیں - مثلاً Patro (باپ) میں o اسم کي علامت ہے - Patra (ابوي) میں a نعت یا نسبت کي علامت ہے - Patre میں e ظرف کي علامت ہے - Palri میں i فعل کي علامت ہے -

حروف علت ' a, e, u, o, جب اصل لفظ سے ملا دیے جاتے هیں ' تو وہ لفظ یا تو صفت هوجاتا ہے یا ظرف ' فعل ' اور اسم :

فعل کي تصریف یوں هوتي ہے :

(مصدر)	Ami (محبت
میں محبت کرتا هوں	mi Amas
میں نے محبت کي	mi Amis
میں محبت کرونگا	mi Amos
شاید میں محبت کروں	mi Amus
محبت کرو	Amu
محبت کرنے والا	Aman ta
محبت کرتا تھا	Amin to
عنقریب محبت کریگا	Amon te

اسپرانٹو زبان میں مسیحي نماز کي دعا کا ترجمہ یہ ہے :

Patro nia Kiu estas en la cielo,

اے همارے باپ تو جو آسمان میں ہے !

sankta estu Via nomo Venuregeco Via.

تیرا نام پاک مانا جائے ' تیري بادشاهي آئے !

Estu rolo Via Kiel en la cielotiel ankau, sur la tero.

تیري مرضي جیسي آسمان پر پوري هوتي ہے ' زمین پر بھي هو !

Panon mian ciu tagan donu almi hodiau.

هماري روز کي روٹي آج همیں دے !

Kaj pardona al ni suldojon niaju.

همارے قرض همیں بخش دے !

Kiel ni ankau pardonas al niajsuldantoj.

جس طرح هم نے اپنے قرضدارو ں کو بخش دیا ہے !

Ni Konduku nin en tenton.

همیں آزمائش میں نہ پڑنے دے !

Sed lilerigu nin de la mallona.

بلکہ برائي سے بچا !

Amen !

آمین !

اور سرد ہي نہيں ھے ' بلکه اپنے عناصر میں برودت کے خواص بھي رکھتي ھے - معلوم ھے که برودت حرکت کو روکتي ھے - بلکه اُسے فنا کر ڈالتي ھے - ھم حیوانات میں دیکھتے ھیں که ٹھنڈے پڑ جانے کے ساتھہ ھي اُن کي حرکت بھي موقوف ھو جاتي ھے - لہذا زمین کا متحرک ھونا قطعاً محال ھے "

" کتاب مقدس کي صریح نصوص سے ثابت ھے که آسمان زمین کے اوپر حرکت کر رھے ھیں' اور چونکه مدور حرکت کے لیے ضروري ھے که اُسکا کوئي مرکز قائم ھو' لہذا تسلیم کر لینا پڑیگا که زمین نظام کائنات کے وسط میں ثابت و قائم ھے "

یه کیتھولک کلیسا کے خیالات تھے - مگر پروٹسٹنٹ کلیسا بھي اس سے کچھه کم عقل مند نه تھا - لوتھر کے پیرو بھي کتاب مقدس کي تفسیروں اور لوتھر کے اقوال کے اندھے مقلد تھے - کالو لیس باوجود اپنے وسیع علم و نظر کے' لوتھر کا اس درجه مقلد تھا که اُس نے بھي اِس علمي حقیقت کے تسلیم کرنے صاف انکار کر دیا - زمین کي حرکت کے خلاف اُس کي سب سے بڑي دلیل یه تھي :

" کتاب مقدس میں لکھا ھے - خدا نے خرقیا نبي سے کہا " دیکھه میں آفتاب کے ڈھلے ھوئے سایه کے درجوں میں سے جو دھوپ گھڑي میں معلوم کیے جاتے ھیں' دس درجے پھرا کے چڑھا لاؤنگا " چنانچه آفتاب جن درجوں میں ڈھل گیا تھا ' اُن سے دس درجے پھر چڑھ گیا (اشعیاء - باب ۳۸) "

انگلستان کے مشہور لاھوتي عالم ڈاکٹر اسمتھه نے اعلان کر دیا تھا :

" شاھي علمي انجمن ' ملحدوں کي انجمن ھے اور دین کے خلاف کوشش کر رھي ھے "

جان اوین کا اعلان ھے :

" نیوٹن کا نظریه کبھي صحیح علمي بنیاد پر قائم نہیں ھوا - وہ سراسر اوھام و خرافات ھے - اور کتاب مقدس کي صریح نصوص کے مخالف ھونے کي وجه سے ناقابل اعتنا ھے "

جان ویزلي کا مقوله مشہور ھے :

" اگر سحر و ساحري بے اصل چیز ھے ' تو انجیل کي کوئي بات بھي صحیح نہیں ھے "

یه تھي مسیحي کلیسا کي ذھنیت جس نے علم کے مقابله کا اعلان کیا تھا ' اور یقیناً اُس کے لیے اس میدان مبارزت میں دائمي اور ھلاکت انگیز شکست کے سوا کچھه نه تھا - کسي انسان کو بھي جو حقیقت اور صداقت کا احساس رکھتا ھے ' اس شکست پر متاسف نہیں ھونا چاھئے -

دنیا کی مشترک اور عام زبان

کیا تمام دنیا میں ایک مشترک زبان رائج ھو سکتي ھے ؟

اسپرنٹو

گذشته مہینے میلان (اٹلي) میں یورپ کي نئي مشترک زبان " اسپرنٹو " کے حامیوں کا سالانه اجتماع منعقد ھوا تھا جو کئي سال سے ھر سال منعقد ھوا کرتا ھے - تازہ ڈاک میں اس اجتماع کي بعض دلچسپ تفصیلات آئي ھیں - چونکه ھندوستان میں اس وقت تک اس نئي زبان کي نسبت بہت کم لکھا گیا ھے ' اس لیے ھم بعض مضامین کا خلاصه درج کردیتے ھیں :

موجودہ علمي ترقیوں ' تمدني ضرورتوں ' ذرائع مواصلات کي سہولت نے دنیا کے تمام براعظموں کو باھم دگر ملا دیا ھے - اِس زمانے میں کوئي قوم ' دوسري قوموں سے قطع تعلق کرکے زندہ نہیں رہ سکتي -

لیکن اِتنے قرب و مواصلت پر بھي دنیا کي قومیں اِس وقت تک ایک دوسرے سے دور ھي ھیں - اُن میں باھمي تعارف کے ذرائع بہت کم پیدا ھوے ھیں - اِس صورت حال کي بڑي ذمه داري' قوموں کي علحدہ علحدہ زبانوں پر ھے - ھر قوم اپني مخصوص زبان رکھتي ھے - دوسري قوم کي زبان سے نا واقف ھے - اگر واقف ھونا بھي چاھے تو بہت مشکل ھے که بہت سي زبانیں ھر شخص سیکھه سکے - اِس لیے عالمگیر تعارف و اجتماع کي کوئي صورت نکل نہیں سکتي -

یه حالت دیکھکر مدت سے بعض عقلاء مغرب کا خیال ھے که دنیا بھر کے لیے کوئي سہل اور مختصر زبان پیدا کي جاے - " اسپرنٹو " ایک ایسي ھي نو ساخته زبان کا نام ھے جو پچھلي صدي کے اواخر میں ایجاد کي گئي ھے -

اسپرنٹو کا موجد ایک روسي ڈاکٹر زمینھوف نامي ھے - یه صوبهٔ کروڈنو کے ایک چھوٹے سے گاؤں بیسلٹوک کا رھنے والا ھے -

اِس زبان کي ایجاد کا خیال اُسے اُس وقت پیدا ھوا ' جبکه اُس کي عمر صرف دس بارہ برس کي تھي - اُس نے یه سرگذشت خود اپني زبان سے اِس طرح بیان کي ھے :

" میرے گاؤں میں روسیوں ' یہودیوں ' پولشوں ' جرمنوں کي مخلوط آبادي تھي - میں روز سڑکوں پر لڑائي جھگڑے کے واقعات دیکھا کرتا تھا - تحقیقات سے معلوم ھوا که یه جھگڑے زیادہ تر اِس لیے پیدا ھوجاتے ھیں که باشندے ایک دوسرے کي زبان نہیں

میں داعی بھیجے گئے - حجاز ریلوے بنائی گئی - غرض کہ ایک ایسی فضا پیدا کردی گئی ' جس نے مسلمانان عالم میں " خلیفۂ اسلام " کی شہرت عام کردی - اِس صورت حال نے سلطان کے ہاتھہ میں بظاہر ایک ایسی قوت دیدی تھی ' جس سے وہ دول یورپ کو اپنے عالمگیر اسلامی اثر کا یقین دلانا چاہتا تھا -

اِس میں شک نہیں کہ سلطان عبد الحمید کی اِس حکمت عملی نے ایک سطحی شان و شوکت اور نام و نمود ضرور پیدا کردی تھی - دنیا کی سطح بین نگاہیں دیکھتی تھیں کہ سلطنت عثمانی کی بین الاسلامی مقبولیت کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے - لیکن فی الحقیقت یہ جو کچھہ بھی تھا ' محض ایک بالائی نمائش تھی - تہ میں کوئی صحیح اور حقیقی عملی روح نہ تھی - جہاں تک خلافت آل عثمان کی بین الاسلامی مقبولیت کا تعلق ہے ' تیس برس کے پورے حمیدی دور میں کوئی کوشش ایسی نہیں کی گئی جس کا منشا یہ ہو کہ دوسرے ممالک کے مسلمانوں سے صحیح بنیاد پر روابط قائم کیے جائیں ' اور اُن میں اور مرکز خلافت میں معنوی اور اخلاقی معاونت کا رشتہ پیدا ہو - ایسے دماغ قصر سلطانی میں موجود ھی نہ تھے جو ان مہمات کے فہم و عمل کی استعداد رکھتے ہوں - اس باب میں جو کچھہ بھی ہوا ' وہ اس سے زیادہ نہ تھا کہ درچار خود غرض اور خداع عرب ' صوفیت اور تقدس کے بھیس میں قصر سلطانی تک پہنچ گئے ' اور سلطان کی توھم پرستی سے فائدہ اٹھا کر اُس پر حاوی ہو گئے - شیخ ابو الہدی رفاعی ' شیخ ظافر مدنی ' فضل اللہ ملا باری وغیرہم ' اسی قسم کی شخصیتیں تھیں - وہ نہ تو اسلامی ممالک میں کوئی اثر و رسوخ رکھتی تھیں ' نہ اس طرح کے کاموں کے فہم و عمل کی اُن میں صلاحیت تھی - اگر انھوں نے اس قسم کا کوئی کام انجام دیا بھی ' تو وہ صرف یہ تھا کہ عراق اور شام میں ایسے لوگوں کی ایک جماعت پیدا کردی ' جو بیش قرار وظائف لیکر سلطان کی مدح و ثنا میں سرگرم رہا کرتے تھے ' اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد سلطان کی اطاعت و انقیاد کے وجوب پر کوئی کتاب شائع ہو جایا کرتی تھی - سب سے بڑا کام اس جماعت کا اور اس کے ہم مشربوں کا یہ تھا ' کہ جاسوسی اور مخفی خبر رسانی کا ایک بالا تر محکمہ بن گئے تھے -

سلطان عبد العزیز

شب و روز فرضی خطروں کے گڑھنے اور پھر ان کے انسداد کے لیے بڑی بڑی رقموں کے وصول کرنے میں سر گرم رہتے - اسلامی خلافت ' بین الاسلامی مرکزیت ' دینی شوکت و جبروت ' اور روحانی پیشوائی و سلطانی کا یہ تمام طلسم ' صرف ان بنیادوں پر قائم تھا ' کہ قصر یلدز کی داخلی حکومت ترک افسروں کی جگہ حبشی اور حجازی خواجہ سراؤں کے ہاتھہ میں چلی گئی تھی ' سلطان کا خاص بادی گارڈ عرب سواروں کا تھا ' افریقہ اور ھندوستان کے بعض سیاحوں کو جو گاہ گاہ قسطنطنیہ آجاتے تھے " نشان مجیدی " کے تمغے مل جاتے تھے ' تعلیم و ترقی کی تمام راہیں یہ کہکر بند کردی گئی تھیں کہ " اسلامی مقاصد " کے خلاف ھیں ' اصلاح نظام حکومت کو الحاد اور زندقہ سے تعبیر کیا جاتا تھا ' تمام اصلاح طلب مسلمانوں کا شمار " مرتدین " میں تھا ' اور سب سے بڑھکر یہ کہ ھر ہفتہ شیخ ابو الہدی وغیرہ مشائخ یلدز کے خواب میں دنیا کے تمام پیغمبر اور اولیا آکر سلطان عبد الحمید کے لیے الٰہی برکتوں اور غیبی نصرتوں کی بشارتیں پہنچا دیا کرتے تھے !

سلطان عبد الحمید نے اگر صرف وہ قوت ھی منظم کردی ہوتی جو خلافت اسلامی کی بین الاسلامی مقبولیت سے پیدا ہو رہی تھی ' تو فی الحقیقت یہ اُسکے تمام جبر و استبداد کا کفارہ ہوتا ' اور دولت عثمانیہ کے لیے مغربی طاقتوں کے غلبۂ و تسلط کا خطرہ ھمیشہ کے لیے دور ھو جاتا ' لیکن وہ تو اسلام اور اسلامی خلافت کو محض اپنے شخصی استبداد کے حفظ و بقا کا آلہ بنانا چاھتا تھا - اوہام و خرافات کے سوا کوئی حقیقی عمل اُس کے سامنے نہیں تھا - چین کے پانچ کروڑ مسلمانوں نے بار بار منتیں کیں اور وفود پر وفود بھیجے کہ انکی دینی ھدایت و تعلیم کا انتظام کیا جاے ' لیکن کچھہ نہیں کیا گیا - افریقہ کے مسلمانوں کے وفود چار سال تک قسطنطنیہ میں پڑے رہے تا کہ انھیں مرکز خلافت اپنی اخلاقی سر پرستی میں لیلے ' لیکن کوئی شنوائی نہیں ھوئی - مصر اور مراکش کی سر پرستی خود اپنے ہاتھوں ضائع کر ڈالی - یمن اور نجد کے قبائل محض اس لیے سرکش و مخالف رہے ' کہ ترک والیوں کے مظالم سے اُنھیں کبھی نجات نہیں ملتی تھی -

مصطفی فاضل پاشا

جس نے سلطان عبد العزیز کے نام لائحۂ اصلاحیہ بھیجا تھا -

حکومت ترکیه

اور اُس کے اجتماعي و سیاسي تغیرات

شروع سے ابتک

(۲)

(بین الا سلامي ترکي)

سنه ۱۲۳۹ ھ (۱۸۷۶ ع) سے سنه ۱۳۴۶ ھ (۱۹۰۸ ع) تک

صورت حال یه تهي که سلطان عبدالحمید ثاني ترک مصلحین کي سعي و تدبیر سے تخت نشین هوئے - مدحت پاشا اور اُس کے ساتهي اصلاح پسند وزراء نے سلطان مراد کي جگه

سلطان محمود مصلح
متوفي سنه ۱۸۳۹

عبد الحمید کو اس لیے تخت نشین کیا تها ! که وه محسوس کرتے تهے ' سلطنت اور قوم کي سب سے بڑي ضرورت اصلاح اور دستور هے ' اور اُس کے لیے اِس نو جوان شهزاده کا سلطان هونا مفید هوگا -

عبد الحمید تخت نشین هوا - اصلاحات کا مزید اعلان کیا گیا - عثماني سلطنت " شخصي " کي جگه " دستوري " قرار پا گئي ' اور عثماني پارلیمنت کے قیام کا فرمان نافذ هوگیا -

اگر یه صورت حال جاري رهتي ' تو با وجود دول یورپ کي پے هم مقاومتوں اور جنگ پلیونا کے شدید نقصانات کے ' دولۃ عثمانیه کي نئي نشو و نما شروع هو جاتي - لیکن افسوس هے که بهت جلد سلطان کے مزاج نے پلٹا کهایا ' اصلاح پسند عنصر کي جگه قدامت پرست اور خود غرض پاشاؤں کا اقتدار قائم هو گیا ' اور اصلاح و تغیر کي تمام امیدیں جو سلطان محمود مصلح کے زمانے سے نشؤ و نما پانے لگي تهیں ' سنه ۱۸۸۰ میں ختم هوگئیں !

جس سال سلطان عبد الحمید تخت نشین هوا اور عثماني دستور کا اعلان کیا گیا ' اُسي سال جاپان کے نظام حکومت میں بهي

سلطان عبد المجید
جسنے اصلاحات کو مزید رونق اور ترقي دي

اصلاح هوي تهي اور دستوري حکومت کا اعلان کیا گیا تها - جاپان تیس سال کے اندر مشرق کي سب سے بڑي طاقتور حکومت بن گیا ' لیکن عثماني حکومت نے اُسي تیس سال کے اندر اپني رهي سهي طاقت بهي فنا کردي - جاپان نے دستوري حکومت قائم رکهي تهي ' سلطان عبد الحمید نے چهه ماه کے بعد اس کا خاتمه کر دیا تها !

اصلاحات کا خاتمه کر دینے کے بعد سلطان نے ایک نئي حکمت عملي ایجاد کي - یه حکمت عملي ترکي اور ترکي سے باهر " بین الاسلامي حکمت عملي " یا " اتحاد اسلامي " کے نام سے پکاري جاتي تهي - اس کا منشا یه بیان کیا گیا تها که " یه تمام مسلمانان عالم کي معنوي اور اخلاقي اعانت مرکز خلافت کے ساتهه وابسته کر دیگي "

چنانچه مدتوں کا لپٹا هوا علم خلافت از سر نو بلند کیا گیا - علماء و مشائخ کا ایک بڑا گروه دارالخلافۃ میں جمع هوگیا - ابو الهدی رفاعي اور شیخ ظافر وغیره مشائخ نمایاں هوے ' عربي عنصر سے از سر نو رشتۂ ارتباط قائم کیا گیا - عزت پاشا عابد وغیره سر بر آورده عرب مقرب بنائے گئے - عرب سپاهي بڑي بڑي تنخواهوں پر باڈي گارڈ میں داخل کیے گئے ' عربي ممالک

قدیم ترکي فوج کا ایک منظر
ینگ چري سپاهي جو اصلاح کي راه میں سب سے بڑي روک تهے

انہوں نے تاریخ کا سبق بھلا دیا ' اور سادہ لوحی سے یقین کرلیا کہ اِن نئے اصول پر چلنے سے یورپ اور سلطنت کے مسیحی عناصر مطمئن ہو جائینگے ' اور انکا ملک خوشحال اور ترقی یافتہ ہوجائیگا - یہی حسن ظن ' اُنکی سب سے بڑی غلطی تھی - چنانچہ فوراً داخلی اور خارجی مشکلات نمودار ہوگئیں - آسٹریا نے برسینیا هرزی گونیا پر قبضہ کر لیا - یونان کریٹ پر قابض ہوگیا - اٹلی نے طرابلس الغرب پر ہاتھہ صاف کیا - البانیا کٹ کر الگ ہو گیا ' بلقانی ریاستوں نے یورپ کے اکثر ترکی مقبوضات ہضم کر لیے - ملک کے اندر غیر ترکی عناصر نے سر کشی شروع کردی - صرف غیر مسلم جماعتوں ہی میں نہیں ' بلکہ مسلمانوں میں بھی نئی نئی انجمنیں قائم ہوگئیں - خود دار الخلافة میں مسلمانوں کی متعدد مخالفانہ انجمنیں بن گئی تھیں - مثلاً انجمن " اِخاء عربی " " عربی کلب " ' " چرکس انجمن " " کردی انجمن " " البانی انجمن " وغیرہ وغیرہ - اِن انجمنوں کے ظہور کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اِن اسلامی عناصر اور ترکی عنصر میں نفرت و عداوت پیدا ہوگئی - یہ صورت حال دیکھکر خود ترکوں میں سلطنت کی حکمت عملی کے متعلق اختلاف رونما ہوگیا - ایک گروہ نے از سر نو حمیدی سیاست زندہ کرنی چاہی - ایک گروہ نے " تورانیت " کا نعرہ بلند کیا - آخری گروہ کا تعصب یہانتک بڑہ گیا تھا کہ اُسکے ترجمان اخبار " اقدام " نے تجویز پیش کردی کہ ترکی زبان سے تمام عربی الفاظ خارج کر دینے چاہییں !

لیکن پیہم مصائب نے زمام حکومت معتدل گروہ کے ہاتھہ میں دیدی - " انجمن ائتلاف " نے حکومت سنبھال لی - سلطان عبد الحمید کا شاگرد کامل پاشا وزیر اعظم ہوا ' کامل پاشا ایک طرف یورپ کو مطمئن کرنے لگا ' دوسری طرف ترکی کے مختلف عناصر کے سر پر بھی ہاتھہ پھیرنے لگا - اب چونکہ " بلقانی مسئلہ " کے بعد " عربی مسئلہ " کے نام سے ایک نئی الجھن پیدا ہوگئی تھی ' اور فرانس اُس سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا ' اسی لیے کامل پاشا نے پیش بندی کرکے ۱۳۲۹ ع میں والی بیروت ادھم بک کو حکم دیدیا کہ صوبۂ شام کی کونسل سے مطلوبہ اصلاحات کے بارے میں گفتگو کرکے رپورٹ طیار کرے - اِس پیش بندی نے ترکی کو بہت فائدہ پہنچایا - کیونکہ جب فرانس نے سرکاری طور پر شام میں اصلاحات جاری کرنے کا مطالبہ کیا ' تو کامل پاشا نے اِس جواب سے اُسکا منہ بند کر دیا " ہم پہلے ہی سے اِس فکر میں ہیں "

عرض عبودیت !
سلطان عبد الحمید کے سامنے وزراء حکومت سجدہ کر رہے ہیں !

اِدہر یہ سیاسی بازی گرمی ہو رہی تھی ' اُدہر انجمن اتحاد و ترقی گھات لگائے بیٹھی تھی - چنانچہ موقعہ پاتے ہی اُسنے وزارت الٹ دی ' اور محمود شوکت پاشا وزیر اعظم قرار پائے - انہوں نے آتے ہی شامی کونسل کو غیر قانونی قرار دیدیا ' اور والی کو خفیہ اشارہ کردیا کہ تحریک کو اُبھرنے نہ دے - والی نے پوری سختی ظاہر کی ' حتی کہ جنگی قانون بھی جاری کردیا ' مگر اِس پر بھی شامی انجمن نے اپنا سالانہ جلسہ کرھی دیا - اِس جلسہ میں ۸۲ نمائندے شریک ہوئے تھے - اُنہوں نے اصلاحات کا لائحہ منظور کر لیا - جب حکومت نے اور بھی زیادہ تشدد کیا ' تو شامیوں نے اپنی مؤتمر پیرس میں منعقد کی - اب انجمن اتحاد و ترقی پریشان ہوئی - کیونکہ ایک طرف اُسکی حریف " انجمن ائتلاف و ترقی " بر سر مخالفت تھی ' دوسری طرف عربی مسئلہ بین الاقوامی شکل اختیار کرتا جاتا تھا - ایک عجیب اتفاق یہ ہوا کہ عربی مؤتمر ' محمود شوکت پاشا کے قتل کے تیسرے دن منعقد ہوئی ' جس سے حکومت اور بھی زیادہ متاثر ہوئی ' اور پرنس سعید حلیم پاشا وزیر اعظم صلح و آشتی کی حکمت عملی اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے - چنانچہ اُنہوں نے اپنا ایک نمائندہ پیرس بھیجا ' اور عرب رہنماؤں سے گفت و شنید کے بعد مطلوبہ اصلاحی لائحہ کا بڑا حصہ منظور کر لیا -

شامیوں کی کامیابی دیکھکر عراقیوں کے خون میں بھی گرمی پیدا ہوئی ' اور طالب بک نقیب کی سر براہی میں عراق نے اصلاحات کا مطالبہ شروع کر دیا - لیکن اب نوجوان ترک سنبھل گئے تھے - اُنہوں نے جاوید پاشا کو

سلطان عبد الحمید کے دور حکومت کا خاتمہ
یہ اُس موقعہ کا مرقع ہے جب قوم کا وفد پیام عزل پہنچا رہا ہے !

اصل یہ ہے کہ سلطان عبدالحمید مرحوم نے اتحاد اسلامي اور خلافت دیني کا مظاهرہ اس لیے نہیں کیا تھا کہ في الحقیقت اس باب میں کوئي روشني اس کے سامنے موجود تھي ' اور وہ کسي تعمیري جذبہ سے اِس طرف قدم بڑھانا چاھتا تھا ' بلکہ یہ تمام باتیں محض ایک طرح کے منفي اور تخریبي جذبہ سے پیدا ہوئي تھیں - مقصود یہ تھا کہ اِس کے ذریعہ اصلاح طلب تحریک کي نشو و نما کا خاتمہ کردیا جائے " اور اُس کي طرف سے عثماني رعایا کے قلوب غافل ھوجائیں - یہي وجہ ہے کہ یہ باتیں صرف اِسي حد تک کام میں لائي جاتي تھیں ' جس حد تک ترکي مصلحین کي مخالفت میں سود مند ھوسکتي تھیں - حقیقت اور عملیت کي کوئي روح موجود نہ تھي - اگر سلطان عبد الحمید اتحاد اسلامي اور مرکزیت خلافت کي تقویت کا واقعي طلب گار ھوتا ' تو سید جمال الدین اسدآبادي اور شیخ محمد عبدہ سے بڑھکر اِس کے لیے کون داعي اور عامل ھو سکتے تھے ؟ ان دونوں نے بیس برس تک اپني تمام طاقتیں عبد الحمید کے ھاتھوں میں دیدیني چاھیں ' لیکن ان کے ساتھہ جو سلوک ھوا ' دنیا کو معلوم ہے - پہلے کو موت کا زهر آلودہ جام پینا پڑا - دوسرے کو قصر سلطاني کي چوکھٹ تک باریابي نصیب هي نہ ھوئي !

مدحت پاشا

شہید راہ حریت و دستور !

بہر حال سلطان عبدالحمید کا دور دولۃ عثمانیہ کے زوال طاقت کا آخري عہد تھا - سلطان کو مدحت پاشا کي جماعت نے اس لیے تخت نشین کیا تھا ' کہ وہ سلطان مصلح کي اصلاح کي تکمیل کریگا ' اور دولۃ عثمانیہ کو استبدادي حکومت کے مفاسد سے نجات مل جائیگي - سلطان نے ابتدا میں اصلاح پسند جماعت کا ساتھہ دیا - ترکي پارلیمنٹ قائم کردي گئي - لیکن پھر بتدریج رجعت پسند عناصر برسر اقتدار آگئے - پارلیمنٹ معطل کردي گئي - مدحت پاشا اور اُس کے ساتھیوں کو فرضي الزامات عائد کرکے گرفتار کر لیا گیا ' اور قلعۂ طائف کے قید خانے میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا - اس کے بعد تمام نظم حکومت تہہ و بالا ھوگیا - وزراء اور دفاتر حکومت کي جگہ " مابین همایوني " یعني قصر سلطاني کي براہ راست حکومت شروع ھوگئي - اس حکومت کا نہ تو کوئي اصول تھا ' نہ قاعدہ - نہ بجٹ بنتا تھا ' نہ مالیات کا کوئي تخمینہ تھا - خواجہ سراؤں کے افسر " بہرام آغا " کے ھاتھہ میں سب کچھہ تھا - وہ سلطان کے احکام باب عالي کے وزراء تک پہنچا دیا کرتا - بیس برس کے اندر جتنے انسان محض اس بنا پر هلاک کر دیے گئے ' کہ اُن پر اصلاح پسندي و انقلاب کا شبہ تھا ' کوئي ذریعہ نہیں کہ انکي صحیح تعداد

سلطان عبد الحمید

چالیس سال کي عمر میں

معلوم کي جا سکے - یلدز کے بعض کاغذات سے معلوم ھوا تھا کہ صرف چھہ ماہ کے اندر یعني مارچ سنہ ۱۸۹۸ سے ستمبر سنہ ۱۸۹۸ تک تین سو اسي آدمي گرفتار کئے گیے تھے !

لیکن نہ تو سلطان عبدالحمید دنیا کے پچھلے جبار و مستبد حکمرانوں سے زیادہ طاقتور تھا ' نہ اس کي خاطر خدا کے قوانین حق و عدالت معطل ھو جا سکتے تھے - بالاخر نوجوان ترکوں کي پنجاہ سالہ مساعي بار آور ھوئیں ' اور عین اُس وقت جب کہ سلطان کے وھم و گمان میں بھي کسي طرح کا خدشہ نہ تھا ' مناستر اور سلانیک میں انقلاب کا نا ممکن التسخیر علم بلند کردیا گیا - سلطان نے بہت کوشش کي کہ کسي طرح اس ناگہاني طاقت کا مقابلہ کرسکے مگر نہ کرسکا - اور عثماني دستور کے قیام کا اعلان کرنا پڑا -

یہ دستور سلطان کي ذات خاص کا مخالف نہ تھا - لیکن سلطان کي مستبد روح اُس سے موافق نہ ھو سکي بالاخر نو ماہ کے بعد تصادم ھوا ' اور محمود شوکت پاشا مرحوم نے اپني مشہور عالم تیس هزار فوج کے ساتھہ قسطنطنیہ پہنچکر قصر یلدز کا محاصرہ کر لیا - تین دن کے محاصرہ کے بعد عثماني پارلیمنٹ کے نمایندے قصر یلدز میں داخل ھوے ' اور قوم کا پیغام پہنچا دیا کہ " آپ معزول کیے گئے ' اور شہزادہ محمد رشاد تخت نشین ھو رہے ھیں " قصر یلدز کے اس مشہور قہرمان نے اُسوقت لرزتے ھوے یہ التجا کي تھي " میں اپني زندگي کیلیے تمھیں خدا کا واسطہ دیتا ھوں " ! یہ اب اپني زندگي کیلیے انسانوں کو خدا کا واسطہ دیتا تھا - اُن انسانوں کو ' جنھوں نے اپني مظلوم اور بیکس زندگي کیلیے سیکڑوں مرتبہ اُسے خدا کے واسطے دیے تھے ' لیکن ایک لمحہ کیلیے بھي اُسکے دل میں خدا کے خوف نے جگہ نہیں پائي تھي !

تاریخ مشرق کا یہ عبرت انگیز انقلاب جولائي سنہ ۱۹۰۸ ع میں واقع ھوا تھا -

---

(اتحادي ترکي)

جمعیۃ اتحاد و ترقي کا دور

سنہ ۱۳۲۶ ھ (۱۹۰۸ ع) سے سنہ ۱۳۳۲ (۱۹۱۴ ع) تک

انجمن اتحاد و ترقي نے برسر اقتدار آتے ھي " وطنیت " " حریت " " اخوت " اور " مساوات " کي بنیادوں پر عثماني سلطنت کو استوار کرنا چاھا - نوجوان ترک ' بڑے ھي ذھین ' چست ' اور مخلص تھے لیکن مدبر اور تجربہ کار نہ تھے -

شہر رقیم کا انکشاف

ام حسبتم انہ اصحاب الکہف و الرقیم کانوا من ایا تنا عجبا

(۱)

صدیونکے خواب گراں کے بعد اب شہر رقیم یاپیٹرا پہر بیدار ہو رہا ہے - قدس اور لندن کي آمدہ اطلاعات مظہر ہیں کہ حال میں اس قدیم شہر کے کہنڈروں میں قیمتي پتھروں اور پرانے طلائي زیورات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بدوي عربوں کے ھاتھہ لگا ہے -

پیٹرا عرب قدیم کا ایک گم شدہ شہر ہے - سالہا سال سے غیر آباد پڑا تھا - کبھي کبھي صحرا گرد بدوي جنکو شاداب نخلستانوں اور سر سبز چرا گاھوں کي تلاش اِدھر اُدھر آوارہ رکھتي ہے ' تمدن قدیم کي اس یادگار کو آدمي کي صورت دکھا دیتے تھے !

(الف لیلہ کا طلسم)

ایک مرتبہ ایک صحرا نشین عرب پیٹرا' کے کہنڈروں میں گھوم رہا تھا - ناگاہ اوسکا پانوں ایک پتھر پر پڑ گیا - قبل اسکے کہ وہ اس بات کا اندازہ کر سکے کہ کیا ہونے والا ہے ' پتھر نیچے کو کھسکا ' زمین دھنسي ' اور اب عرب ایک عجیب و غریب غار میں پڑا تھا - پتھر بدستور اپني جگہ پر آگیا ' اور راہ بند ہوگئي !

اب بدوي نے خود کو ایک زمین دوز محراب میں پایا ' لیکن باہر آنے کا کوئي راستہ نظر نہیں آتا تھا -

غریب عرب ایک عرصہ تک ادھر اُدھر تٹولتا رہا - تاریکي بلا کي تھي - محض اس خوف سے کہ کہیں کسي دوسري نامعلوم مصیبت سے دو چار نہ ہونا پڑے ' اوسنے ھاتھوں اور پیروں کے بل رینگنا شروع کیا - اس جد و جہد میں ایک وسیع ایوان مل گیا - اس ایوان کي تاریکي کو ایک پہاڑي سوراخ سے نکلني والے دھندلي روشني ایک حد تک کم کر رہي تھي - روشني کا سہارا پا کر اس محصور بلا نے ادھر اُدھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کیا - کیا دیکھتا ہے کہ ایک گوشے میں قیمتي جواھرات اور طلائي اشیا کا ڈھیر پڑا ہے - یہ خزانہ غالباً طائر اور صیدان کے بحري قزاقوں نے ازمنہ مظلمہ میں جمع کیا ہوگا - عرب حیرت کے دریا میں ڈوبا ہوا ' اس تمام ماحول کو عالم رویا سمجھہ رہا تھا - بالاخر اوسنے چند جواھر ریزے اپنے عمامہ میں رکھہ لیے ' اور باہر نکلنے کي راہ تلاش کرنے لگا - اس نے غور کیا کہ روشني جس سوراخ سے آ رہي ہے ' اس سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں ؟ اس کا خیال ٹھیک تھا - روشني کے نیچے ایک سنگي زینہ موجود تھا - بہ مشکل سوراخ تک پہنچ سکا - وہاں پتھر کے کئي ٹکرے ایک دوسرے پر پڑے تھے - زور کرنے سے ایک پتھر ھٹ گیا اور یہ باہر نکل آیا -

یہ جواھرات بیت المقدس کے بازاروں میں بکے - ماھرین آثار اِنھیں تورات سے بھي زیادہ پرانا بتاتے ھیں -

بیان کیا جاتا ہے کہ پیٹرا کا یہ کنز مخفي لارڈ کارناروان کے دریافت کردہ وادي الملوک (مصر) کے خزائن سے بھي کہیں زیادہ بیش قیمت ہے - عجائب خانہ لندن کا ایک وفد اس گم شدہ شہر کي تحقیقات کیلیے جا رہا ہے -

(جغرافیائي محل)

یہ مقام ساحل بحر قلزم سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے - نقشہ کے دیکھنے سے بحر قلزم کا بالائي حصہ دو ٹکڑوں میں منقسم معلوم ہوگا - اس کے شمال میں جزیرہ نماء سینا ہے جسکي شکل مثلث نما ہے - سینا کا جنوبي نوکدار کنارہ بحر قلزم کو دو شاخوں میں جدا کر دیتا ہے - سینا کے غرب میں بحر قلزم کي وہ شاخ ہے جو خلیج سوئز کے نام سے موسوم ہے - آج کل یہ تجارت عالم کي شاہراہ عظیم ہے - سینا کے شرق میں بحر قلزم کا وہ حصہ ہے جو خلیج عقبہ کے نام سے پکارا جاتا ہے - یہ جگہ اب متروک ہوگئي ہے - جہاز بہت کم آتے جاتے ھیں - ایک طرف سینا کي ننگي پہاڑیاں ھیں - دوسري طرف خلیج عقبہ کے پہاڑوں اور صحراء عرب کا نا پیدا کنار سلسلہ ہے - اس خلیج کے ساحل پر کوئي بندر گاہ نہیں ہے - قصبہ عقبہ کے چند بے ترتیب مکانات کے سوا باقي تمام حصہ غیر آباد اور پتھریلا ہے - بحر شمالي و بحر جنوبي کے دور دراز سواحل کو چھوڑ کر جہاں بمشکل ذي روح وجود کا پتہ چلتا ہے ' دنیا کا کوئي ساحل اس قدر ساکت اور سنسان نہیں ہے !

لیکن پرانے زمانہ میں خلیج عقبہ کي اھمیت ھمارے زمانہ کے خلیج سوئز سے کہیں زیادہ تھي - تین ہزار سال قبل یہاں حضرت سلیمان کے بحري مراکب ہندوستان کي اشیاء تجارت بار کیے ہوئے ہر وقت لنگر انداز رہتے تھے - جب تک ہندي و ایراني تجارتي قافلے اس راستے سے آمد و رفت کرتے رہے ' یہ ملک تمدن عالم کا مرکز رہا - جب شاہراہ تجارت یہاں سے دوسري جانب منتقل ہوگئي ' اور بحر روم اور خلیج سوئز کا راستہ دریافت کر لیا گیا ' تو یہ ساحل رفتہ رفتہ غیر آباد ہوگیا - صلیبي لڑائیوں کے زمانہ میں مسیحي مجاھدین نے اس نواح میں کچھہ بیداري پیدا کردي تھي ' مگر سلطان صلاح الدین کي تیغ جہاد نے یہ حصۂ عالم بھي صلیبیوں پر تنگ کر دیا ' اور اس کے بعد سے پیٹرا کے اطراف انساني آبادي سے ہمیشہ خالي رہے -

جنگ عظیم کے زمانہ میں شریف حسین اور اس کے بیٹے امیر فیصل نے اس نواح کو اپني افواج کا عقبي مستقر بنایا تھا - ہر ہفتہ انگریزي جنگي جہاز اور دخاني کشتیاں سامان حرب سے لدي ہوئي ساحل پر آتي تھیں - سنہ ۱۹۱۷ع اور سنہ ۱۹۱۸ ع میں اس آمد و رفت کا تسلسل نہایت پابندي سے قائم رہا ' اور ایک

بہرام آغا خواجہ سرا
جو تمام وزرا پر حکومت کرتا تھا

عراق کا گورنر بنا کر بھیج دیا - اس نے آتے ہي عراقي تحریک کا خاتمہ کردیا - ساتھہ ہي بکرسامي بک کو بیروت کي گورنري پر مقرر کیا ' جو اپنے تدبر اور سخت گیري میں بہت شہرت رکھتا تھا ' اس نے کچھہ ایسے پینترے بدلے ' کہ شامي تحریک بھي سرد پڑگئي ' اور پیرس کي موتمر میں جو کچھہ طے پایا تھا ' اُسکا اکثر حصہ کالعدم ہوگیا !

اب جنگ عمومي کي خوفناک گھٹائیں فضا میں پھیل رہي تھیں - وہ مصیبت سر پر آگئي تھي جسکا تصور بھي کبھي انساني دماغ نے نہیں کیا تھا -

تھا کہ بہت سے سر بر آوردہ شامي ' ترکي کے خلاف فرانس سے ساز باز کرچکے ھیں - مگر اُنھوں نے خیانت کے تمام مجرموں سے چشم پوشي کي - البتہ عیسائیوں سے پوري باز پرس کي گئي -

جمال پاشا نے صرف شام ھي میں نہیں بلکہ تمام جزیرۃ العرب میں دیني جہاد کا غلغلہ بلند کر دیا - کربلا ' نجف ' بغداد کے علماء کي دیني حمیت جوش میں آگئي - شریف مکہ ' سلطان ابن سعود ' ابن رشید ' امام یمن ' تمام امراء عرب کو جہاد کي دعوت دي گئي -

حسین رامي پاشا
محکمۂ جاسوسي کا سرغنہ

لیکن نوجوان ترکوں نے بہت جلد دیکھہ لیا کہ مسلمانوں اور عربوں میں اُن کي دعوت کوئي گرم جوشي پیدا نہ کرسکي - بلکہ جنسي و نسلي اور مقامي مصالح کا تعصب اس کڑے وقت میں بھي اُن پر غالب رہا - وہ سلطنت عثمانیہ اور خلافۃ اسلامیہ کي حمایت و نصرت پر آمادہ نہ ھوسکے - ھندوستان اور مراکش کے مسلمان انگریزي اور فرانسیسي جھنڈے کے تلے جمع ھوکر آے ' اور ان کے سینوں پر بے دریغ گولیاں چلائیں !

اِس نامرادي کا نتیجہ یہ ھوا کہ تورانی تحریک کے حمایتیوں کو پھر زور حاصل ھوگیا - نا چار انجمن اتحاد و ترقي کو ان کے نظام عمل پر چلنا پڑا -

جنگ عمومي کے بعد

سنہ ۱۳۳۲ ھ (۱۹۱۴) ء سے سنہ ۱۳۳۳ ھ (۱۹۱۵) تک

دستوري نظام حکومت کے کامیاب بنانے اور سلطنت کے مختلف عناصر کو مشترک وطنیت و قومیت کے نام پر متحد کرنے میں انجمن اتحاد و ترقي کو ناکامي ھوئي - اِس تلخ تجربہ کے بعد اِس انجمن کے ارکان میں آیندہ طرز عمل کے متعلق اختلاف پیدا ھوا - اکثریت " تورانی تحریک " پھیلانے کے حق میں تھي ' اور اقلیت " اتحاد اسلامي " کے فکر کو عملي جامہ پہنانا چاھتي تھي - یہ اختلاف ابھي ختم نہیں ھوا تھا کہ عالم گیر جنگ کا طبل بج گیا ' اور اکثریت کو اقلیت کي راے کے سامنے جھک جانا پڑا - اب بجز اِس کے کوئي چارہ کار نہ تھا کہ تمام اسلامي عناصر ' خصوصاً عربوں کي تائید اسلام کے نام پر حاصل کي جائے -

چنانچہ انور پاشا نے عبد الرحمن بک الیوسف اور شیخ اسعد شقیر وغیرہ کو شام بھیجا کہ عربوں کے اسلامي جذبات بیدار کریں - پھر جمال پاشا نے جو شام کے جنگي حاکم تھے ' عربوں کي مدارات شروع کي اور عربي تحریک سے اپني گہري دل چسپي اور ہمدردي کا اظہار کیا - فرانسیسي قنصل خانہ سے جو کاغذات دستیاب ھوئے تھے ' اُن سے اُنھیں صاف معلوم ھوگیا

غازي مصطفی کمال پاشا

عربوں کي ناعاقبت اندیشي نے اور زیادہ ترکوں کو مایوس کردیا تھا - شام کے چند خود غرض اور برخود غلط افراد طیار ھوگئے کہ اس نازک وقت سے فائدہ اٹھائیں اور دول متحدہ کا ساتھہ دیکر " عربي امارت " کي بنیادیں قائم کردیں - بہت ممکن تھا کہ اِن لوگوں کے انقلابي افکار عامۃ الناس میں مقبول نہ ھوتے ' لیکن اُسي موقعہ پر حجاز میں برطانی سازشیں کامیاب ھوگئیں اور شریف نے علم بغاوت بلند کردیا - جس وقت جمال پاشا مصر پر حملہ کي طیاریاں کررھا تھا ' اور تمام ساز و سامان مکمل ھو چکا تھا ' اچانک اُس نے دیکھا کہ شریف حسین اور اُس کے لڑکوں کي بغاوت نے اس کي تمام امیدوں کا خاتمہ کردیا ھے !

افسانہ

رُوحانیات کی مجلس

ہولناک رات

(مترجم)

ایوان پطروویچ نے اپنے دوستوں کو مضطرب آواز اور زرد چہرے کے ساتھ ذیل کا واقعہ سنایا:

سنہ ۱۸۵۲ کے کرسمس کی رات، بہت ہی اندھیری تھی۔ میں اپنے ایک دوست کے یہاں دیر تک ایک روحانی جلسے میں بیٹھا رہا۔ مجھے تاریکی میں اپنے گھر لوٹنا تھا۔

اُس زمانے میں ماسکو کی ایک ایسی گلی میں میرا قیام تھا، جو شہر میں سب سے زیادہ وحشت ناک اور تاریک گلی تھی۔ جب جب میں اُس سے گزرتا، ڈراؤنے خیالات میرا دماغ پریشان کر دیا کرتے تھے۔

روحانی جلسے میں آخری جملہ جو میں نے سنا تھا، وہ خاص میری ذات کے متعلق تھا۔ مشہور فیلسوف سپینوزا کی روح کی نسبت ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ جلسہ میں شریک ہے۔ اُسنے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:

"تیری موت قریب آ گئی، جلد خدا کے سامنے توبہ کر!"

میں ڈر گیا۔ پھر سوال کیا۔ مزید تشریح چاہی۔

"تیری زندگی ختم ہو گئی۔ آج ہی توبہ کر لے!" یہ میرے سوال کا دوبارہ جواب تھا۔

میں علم الارواح (اسپریچولیزم) کا قائل نہیں ہوں۔ تاہم موت کا خیال ہمیشہ مجھے خوفزدہ کر دیا کرتا تھا۔ ایک عجیب طرح کی اُداسی مجھ پر چھا جاتی تھی۔

میں بدحواس جلسہ گاہ سے بھاگا۔ اور اپنے گھر کی راہ لی۔ اوپر کی منزل پر پہنچ کے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ اُسوقت بھی میرا خوف سے بُرا حال تھا۔ معلوم ہوتا تھا گرا پڑتا ہوں۔

(۲)

کمرہ تاریک تھا۔ باہر تیز ہوا چل رہی تھی۔ کھڑکی کے شیشوں سے جھونکے ٹکرا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عناصر بھی خوف و دہشت کی حالت میں مضطرب ہو رہے ہیں!

"اگر سپینوزا کی پیشین گوئی ٹھیک ہے" میں نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں آہستہ آہستہ کہا "اگر اس سنگدل فیلسوف کی روح نے سچ کہا ہے تو بس آج ہی رات میرا خاتمہ ہے! یہ واویلا کرنے والی ہوائیں میرا نوحہ کریں گی، یہ کالی بدلیاں ماتم کی صفیں بچھائیں گی! افسوس میری زندگی....."

میں نے دیا سلائی جلائی۔

[illegible]! میں گھبرا کر بے خودی سے چلایا اور دروازے کی طرف بھاگا۔ سر سے پاؤں تک تمام بدن کانپ رہا تھا [illegible]

گردش میں پہنچ کر میں نے خوف سے آنکھیں بند کر لی تھیں!

میں نے کمرہ میں کیا دیکھا؟ دیکھو! اسوقت بھی میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ دل دھڑک رہا ہے۔

عین کمرے کے وسط میں مُردے کا تابوت رکھا تھا! اُس پر ارغوانی غلاف چڑھا تھا۔ سنہری صلیب لگی تھی۔ میں نے صرف ایک ہی جھلک دیکھی تھی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مجھے اُس کا ہر حصہ نظر آ گیا۔ آج تک اُس کا پورا نقشہ میرے ذہن میں محفوظ ہے!

یہ ایک لڑکی کا تابوت تھا۔ کیونکہ بہت چھوٹا تھا۔ اور رنگ اور آرایش ویسی ہی تھی، جیسی لڑکیوں کے تابوتوں پر کی جاتی ہے۔

(۳)

میں تیر کی طرح زینے پر پہونچا اور سیلاب کی تیزی سے اُترنے لگا۔ بلکہ کہنا چاہئے گرنے لگا۔ ایک نہایت ہی خوفناک رعب اپنی پوری قوت سے مجھے دھکیل رہا تھا!

سڑک پر میں نے جلدی سے روشنی کا ایک کھمبا دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ لیا۔ کھمبا، مینہ سے بھیگا ہوا تھا۔ برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔ جسم نے سردی محسوس کی تو میرے ہوش و حواس واپس آنے لگے۔

"اگر کمرے میں آگ لگی ہوتی" میں خیال کرنے لگا "بلکہ اُس میں چور رکھڑا ہوتا، شیر ٹہلتا ہوتا، دیوانہ کتا بیٹھا ہوتا، اگر اُس کی چھت بھی اچانک گر پڑتی، تو بھی مجھے تعجب نہ ہوتا۔ میں اسے ایک معمولی بات سمجھتا۔ مگر لاش! ایک مکمل تابوت! اس کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میرے مکان میں تابوت کیونکر آیا؟ کون لایا؟ ایک امیر لڑکی کا کامدار تابوت! سونے چاندی کے کام سے آراستہ! ایک معمولی نوکر کے حقیر کمرے میں اُسے کون لایا؟ کیوں لایا؟ معلوم نہیں، وہ خالی ہے یا اندر لاش رکھی ہے؟........"

اچانک مجھے خیال آیا "اگر یہ معجزہ نہیں تو کوئی ہولناک جرم ہے" لاکھ لاکھ سوچا۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔

"دروازے پر تو قفل چڑھا تھا" میں پھر سوچنے لگا "کنجی ایسی مخفی جگہ رکھی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ناممکن ہے کہ کسی دوست نے یہ موت کا تحفہ میرے لئے مہیا کیا ہو۔ شاید کوئی مزدور غلطی سے لے آیا۔ لیکن مزدور لاتا تو مزدوری لئے بغیر چلا کیوں جاتا؟ اور پھر یہاں مزدور تابوت کیوں لائے؟......"

[illegible] ایک اور خیال آیا۔

"ممکن ہے یہ کارروائی اُسی روح کی ہو، جسنے آج رات میری موت کی خبر دی ہے۔ شاید یہ تابوت میری لاش کے لئے لایا گیا ہو۔ لیکن یہ ناممکن ہے۔ تابوت میرے قد سے بہت چھوٹا ہے۔"

(۴)

اب بارش پھر شروع ہو گئی۔ گویا میرے قتل کے لئے آسمان سے یورش ہو رہی ہے۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ میرا اُوور کوٹ اُڑا جاتا تھا۔ میں بھیگ کر شرابور ہو گیا۔

"مجھے کہیں پناہ لینی چاہئے" میں نے دل سے کہا "لیکن کہاں؟ کمرے میں، جہاں تابوت رکھا ہے؟ ناممکن! اگر میں وہاں گیا تو یقیناً دیوانہ ہو جاؤں گا"

مگر اس پانی اور سردی میں سڑک پر کھڑا رہنا بھی مشکل تھا۔ میں نے فوراً اپنے ایک دوست رستوف نامی کے گھر کی راہ لی۔ وہ بھی ایک تنگ تاریک گلی میں ایک کمرہ کے اندر رہتا تھا۔

دروازہ کھٹکھٹایا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے ایک طاق میں ہاتھ مارا تو کنجی مل گئی۔ قفل کھولکر اندر چلا گیا۔

میرا کوٹ بھیگ گیا تھا۔ میں نے اُسے اُتار کر کمرے کی زمین پر ڈال دیا۔ اندھیرے میں پاؤں نے ایک کرسی سے ٹھوکر کھائی۔ میں اُسی پر بیٹھ گیا۔ تاریکی سخت تھی۔ کچھ سوجھائی نہیں دیتا تھا۔ ہوا تیز تھی۔ کھڑکیاں ہل رہی تھیں۔ باہر کنیسوں کے گھنٹے کرسمس کی خوشی میں بج رہے تھے۔

میں نے جیب سے ڈبیا نکالکر دیا سلائی جلائی۔

"اُف، یہاں بھی!" بے اختیار میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ میں دیوانہ وار بھاگ کر کمرے کے باہر گرا۔

یہاں بھی تابوت رکھا تھا! لیکن میرے کمرے کے تابوت سے بڑا تھا۔ اور سیاہ غلاف سے ڈھکا تھا۔ سیاہ غلاف نے اُسے اور بھی زیادہ ہیبت ناک بنا دیا تھا!

"یہاں بھی وہی تابوت!" میں سوچنے لگا "معلوم ہوتا ہے یہ میرا وہم و خیال ہے۔ میری نگاہ دھوکا کھا رہی ہے۔ ناممکن ہے کہ میں جہاں جاؤں، میرے استقبال کے لئے ایک خوفناک تابوت پہلے سے مہیا ہو جائے۔ ضرور آج میرے اعصاب میں خلل آ گیا ہے۔ جہاں جاتا ہوں تابوت ہی نظر آتا ہے... میں ضرور پاگل ہو گیا ہوں۔ جنون کا سبب صاف ظاہر ہے۔ اسی منحوس روحانی جلسے اور سپینوزا کی شیطان روح نے میرا دماغ خراب کر ڈالا!"

میں تھک کر زمین پر بیٹھ گیا۔ دونوں کنپٹیاں زور سے ہاتھوں میں دبا لیں۔

"الٰہی! کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ آہ میں پاگل ہو گیا!" یہ کہتے ہوئے بے اختیار میرے آنسو نکل آئے۔

قریب تھا میرا سر پھٹ جائے۔ میرے پیروں میں سکت باقی نہیں رہی تھی۔ مینہ کا وہ زور تھا کہ خدا کی پناہ۔ میرا تمام بدن سردی سے کانپنے لگا۔ نہ سر پر ٹوپی تھی نہ جسم پر کوٹ۔ میں اُنھیں لینے کمرے میں جا بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ وہاں....... آہ، بہت ہی ہولناک منظر، ناقابل برداشت ہولناکی موجود تھی!

(۵)

میرے سر کے تیر کی طرح سیدھے بال کھڑے ہو گئے۔ ٹھنڈا پسینہ، پیشانی سے بہنے لگا۔ حالانکہ اب مجھے کامل یقین ہو چکا تھا کہ جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا ہے، وہ محض ایک طرح کے اعصابی مرض کا نتیجہ اور وہم و خیال ہے۔ حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔

"اب کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟" بار بار یہی سوال دُہراتا تھا۔

یکایک مجھے ایک دوسرا دوست، گوڈ [illegible] یاد آگیا۔ اس لئے

عارضي چهل پهل پيدا هوگئي - ليکن جنگ کے خاتمه کے بعد يه سرگرمي بهي ختم هوگئي ' اور يه حصه پهر شهر خموشاں بن گيا -

خليج عقبه کے دهانه سے ايک پہاڑي اور ريگستاني سلسله شروع هوتا هے جو اندرون ملک ميں دور تک چلا جاتا هے - پيٹرا کے کهنڈر عقبه سے ۹۰ - ميل کي مسافت پر واقع هيں - پهاڑوں کے درميان اس شهر کا محل وقوع هے - بدو رهنما کے بغير ان آثار تک سياح کي پهونچ مشکل هے - پيٹرا سے شمال کو ۲۰ ميل کے فاصله پر وادي بحر ميت هے - سيدهے هاتهه يعني شرق کي طرف شمالي عرب کا عريض ريگستان هے - سامنے ارض ادوم يا ادوميا کے پهاڑونکا وه سلسله هے ' جو باب الرقيم يا پيٹرا کا پهاٹک کهلاتا هے - اس سلسله کو قطع کيے بغير پيٹرا تک پهونچنا محال هے - دوسري جانب پهاڑي مگر ڈهالو راسته هے - اس پر سے هوکر نيچے اترتے هيں - چند گهنٹے کے پهاڑي اور پيچ در پيچ راسته کے بعد وادي ادوم کا خاتمه هو جاتا هے - سفيد ريت کے ٹيلونکے ختم هونيکے بعد ايک تنگ دره ملتا هے - يه بلند پهاڑي ديوار کا دروازه هے - يهاں پر وادي کي وسعت ۱۲ - ميل سے کم هوکر صرف ' ۱۲ - فيٹ رهجاتي هے - دره کي ديواريں هزارها فيٹ اونچي هيں - عرب اس راسته کو " شق " کے نام سے پکارتے هيں - اس شق کي راه سے بدوؤں کے گهوڑے اور بار برداري کے اونٹ افتاں و خيزاں راه طے کيا کرتے هيں - پتهرونپر چاروں طرف چهپکلياں لپٹي هوئي هيں - هر هر قدم پر تنگنائے زياده وحشتناک هوتي جاتي هے - راسته ميں ايک پهاڑي شگاف ملتا هے جس سے شفاف پاني کا چشمه موجزن هے - عرب کهتے هيں ' يهي وه جگه هے جهاں حضرت موسى عليه السلام نے عصا مار کر اپنے پياسے همرائيونکے لئے پاني کے چشمے جاري کر دیے تهے - يه وادي وادي موسى کے نام سے موسوم هے - وادي اسقدر تنگ هے که اونٹ پر سے دونوں طرف کي ديواريں بخوبي چهوي جاسکتي هيں - اکثر جگه ارد گرد کي پهاڑياں بلند هوکر چهت کا کام ديتي هيں - اس جگه آسمان بالکل دکهائي نهيں ديتا - سورج کي شعاع بهي يهانتک نهيں پهونچتي -

(يوناني مندر)

ايک گهنٹه کي مسافت کے بعد سياح ايک تيز گهماؤ سے گذرتا هے - اب نظر کے سامنے ايسا دلفريب اور حيرت خيز منظر آجاتا هے جو ايک عرصه تک کيليے از خود رفتگي کي کيفيت طاري کر ديتا هے - يوناني طرز کا ايک نفيس اور خوشرنگ مندر سامنے نظر آتا هے - اوسکا دلفريب حسن اور دلکشا طرز ' حد درجه متاثر کرنيوالا هے - عهد کهن کے صناعوں نے پهاڑوں سے کاٹ کاٹ کر يه خوبصورت عمارت تعمير کي تهي -

ادومي پهاڑونسے يه عمارت تراشتے هوے ' دندانه دار آلات سے کام ليا گيا هوگا - اس مندر کي بالائي سطح مختلف رنگونسے مزين هے ' اور ريشمي کپڑے کي طرح جهلک رکهتي هے -

دنيا کا کوئي اور پهاٹک ' دنياء قديم کے اس خاموش شهر کے دروازے سے زياده اثر ڈالنے والا نهيں هے - هندوستان کا سرخ شهر ' فتح پور سيکري بهي اسکا مقابله نهيں کرسکتا - روماني و يوناني مخلوط فن تعمير کے طرز پر يه مندر کم از کم دو هزار سال قبل اس پهاڑي سے طيار کيا گيا تها - اسکا عهد تعمير روماني شهنشاه هڈرين کي فوج کشي کے زمانه سے تعلق رکهتا هے - اهل عرب ميں اس مندر کا نام الخزينه مشهور هے - لمبے لمبے ستونوں کے اوپر ايک ديو پيکر صراحي نما ظرف هے - عرب کهتے هيں که يه ظرف فراعنه کے جواهرات اور طلائي سرمايه کا مخزن هے - شروع سے اسے توڑنے کي کوششيں کي گئيں مگر کاميابي نهيں هوي - کرنيل لارنس کے ساتهيوں نے بهي هزاروں گولياں چلائيں - بعض بعض دفعه پتهر کے چهوٹے چهوٹے ٹکڑے ٹوٹ کر گر پڑے - مگر کچهه زياده اثر نه هوا - نهيں معلوم کس ديوي يا ديوتا کي يهاں پوجا هوتي تهي ؟ کرنيل لارنس کي راے ميں مصري ديوي " ايسيس " کي پرستش هوتي هوگي - کيونکه هيڈرين کي فوج کشي کے وقت تمام سواحل بحر روم اسي ديوي کے سامنے سر بسجود تهے -

يهانسے چند گز کے فاصله پر اصل شهر بيضاوي نشيب ميں واقع هے - سطح سمندر سے ۹- هزار فيٹ اونچے محدب حصه سے شروع هوتا هے - وادي کي بلندي صرف ايک هزار فيٹ رهجاتي هے - اس نشيب ميں اسوقت تک شهر کي سڑکوں اور عمارتوں کے آثار باقي هيں - يه تمام عمارتيں پهاڑ کاٹ کر بنائي گئي تهيں !

پيٹرا کے رنگ برنگ آثار هر اس سياح کو جو مشرقي ديوار عبور کرنيکي جرأت کرتا هے ' اپني جانب مائل کرليتي هيں - سورج کي کرنيں ارد گرد کي پهاڑيوں کو قوس قزح بنا ديتي هيں - انکي چمک بلوچستان کي ارغواني پهاڑيوں سے بهي کهيں زياده دلکش هے - پهاڑيونکي سطح سے زعفراني ' نارنجي ' ارغواني ' بنفشي رنگ کي لهريں نکلتي رهتي هيں - غروب آفتاب کے وقت رات کي تاريکي چها جانے سے پہلے ' ايسا معلوم هوتا هے ' گويا طرح طرح کے رنگوں کے کي موجيں امنڈ رهي هيں !

محمد يحيى - ايم - اے - ايل - ايل - بي
وکيل بدايوں

لئے ہز مجسٹی برطانیہ نے سر گلبرٹ ولنگھم کلیٹن کو اپنا مختار قرار دے کر روانہ کیا، اور ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا نے ہز ہائی نس امیر فیصل اپنے فرزند اور نائب کو اپنا مختار قرار دیا۔

" مذکورۂ بالا تمہید کی بنا پر، دونوں نمائندوں کی مختار کے کاغذات کی صحت سے مطمئن ہو کر، ہز ہائی نس امیر فیصل بن عبدالعزیز اور سر گلبرٹ ولنگھم کلیٹن نے حسب ذیل شرطوں پر اتفاق کیا ہے:

شرط اول۔ ہز مجسٹی برطانیہ، ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا کی کامل اور بے قید خود مختاری کا اعتراف کرتے ہیں۔

شرط دوم۔ ہز مجسٹی برطانیہ اور ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا کے مابین امن و امان اور دوستی برقرار رہے گی۔ طرفین عہد کرتے ہیں کہ باہم عمدہ تعلقات برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے، اور اپنے جملہ وسائل اس سلسلے میں صرف کرینگے کہ اپنے ملک کو ایسے غیر قانونی اعمال کے لئے مستعمل ہونے نہ دیں جو دوسرے فریق کے ملک میں امن و امان اور سکون کے مخالف ہوں۔

شرط سوم۔ ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا وعدہ کرتے ہیں کہ برطانیہ کی جملہ مسلمان رعایا یا اُس کے زیر حمایت مسلمان باشندوں کے لئے فرض حج کی ادائیگی میں سہولت پیدا کریں گے، جیسا کہ باقی تمام حجاج کے لئے کرتے ہیں۔ نیز ہز مجسٹی وعدہ کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی جان و مال کو اُن کے قیام حجاز کے دوران میں ہر طرح امنیت حاصل رہے گی۔

شرط چہارم۔ ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا وعدہ کرتے ہیں کہ مذکورۂ بالا حاجیوں میں سے جو لوگ اُن کی سرحدوں میں فوت ہو جائینگے اور جن کے شرعی وارث ہز مجسٹی کے ملک میں موجود نہ ہونگے، اُن کا ترکہ جدہ میں برطانوی نمائندے یا اُس کے نائب کے حوالہ کر دیا جائے گا، تاکہ متوفی کے مستحق وارثوں تک پہنچا دیا جائے لیکن یہ حوالگی اس شرط کے ساتھ عمل میں آئے گی کہ پہلے ہز مجسٹی سلطان کی خاص عدالتوں کے سامنے یہ معاملہ پیش ہو جائے اور حجازی قوانین کے مطابق لازمی محصول وصول کر لیا جائے۔

شرط پنجم۔ ہز مجسٹی شہنشاہ برطانیہ، ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا کی جملہ رعایا کے لئے حجازی اور نجدی جنسیت کا اعتراف کرتے ہیں جبکہ وہ ہز مجسٹی برطانیہ کے مقبوضات اور زیر حمایت ملکوں میں پائے جائیں اسی طرح ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا بھی برطانیہ کی رعایا یا اُس کے زیر حمایت باشندوں کے لئے برطانی جنسیت کا اعتراف کرتے ہیں جبکہ وہ حجاز و نجد و ملحقاتہا کے ممالک میں پائے جائیں گے۔ اس امر میں اُن بین الاقوامی قوانین کا لحاظ کیا جائے گا جو خود مختار حکومتوں کے مابین نافذ ہیں۔

شرط ششم۔ ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا عہد کرتے ہیں کہ کویت، بحرین، اور ساحل عمان کے مشائخ کے حسن جوار کو ملحوظ رکھیں گے جن سے برطانیہ کے خاص معاہدات ہو چکے ہیں۔

شرط ہفتم۔ ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا عہد کرتے ہیں کہ اپنے تمام وسائل سے غلامی کے سدباب میں برطانیہ کی مدد کرینگے۔

شرط ہشتم۔ معاہدہ کرنے والے فریقین پر لازم ہے کہ جلد سے جلد یہ معاہدہ نافذ کریں اور منظوری کے کاغذات ایک دوسرے کے حوالہ کر دیں۔ معاہدہ اُس دن سے نافذ ہوگا، جب منظوری کے کاغذات کا باہم مبادلہ عمل میں آ جائے گا۔ معاہدہ اس تاریخ سے ۷ برس تک نافذ رہے گا۔ لیکن اگر طرفین میں سے کوئی فریق بھی ۷ سال گزرنے کے بعد ۶ مہینہ پہلے سے اعلان نہ کرے گا کہ وہ معاہدہ باطل کر دینا چاہتا ہے، تو اس صورت میں معاہدہ برابر نافذ رہے گا۔ معاہدہ اُسی وقت باطل ہوگا، جبکہ ۶ مہینے پہلے اُس کے ابطال کا کوئی فریق باضابطہ اعلان کرے۔

شرط نہم۔ ہز مجسٹی شاہ برطانیہ اور ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا کے درمیان جو معاہدہ ۲۶ دسمبر ۱۹۱۵ء کو ہوا تھا، جبکہ ہز مجسٹی صرف نجد کے حاکم تھے، اب وہ اس نئے معاہدے کے بعد کالعدم ہو گیا۔

شرط دہم۔ یہ معاہدہ دو زبانوں: عربی اور انگریزی میں قلمبند کیا گیا ہے۔ دونوں دستاویزوں کا درجہ بالکل مساوی ہے۔ لیکن اگر کسی عبارت کی تفسیر میں اختلاف پیدا ہو تو انگریزی دستاویز کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

شرط یازدہم۔ یہ معاہدہ، معاہدۂ جدہ کے نام سے موسوم ہوگا۔

یہ معاہدہ جدہ میں بروز جمعہ تاریخ ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۴۵ہجری مطابق ۲۰ مئی ۱۹۲۷ء میں طے پایا"

معاہدہ جدہ پر بحث غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔ آپکے قارئین خود دیکھ سکتے ہیں کہ یہ معاہدہ بالکل ویسا ہے جیسے معاہدے دنیا کی تمام ہم رتبہ خود مختار سلطنتوں کے درمیان ہوا کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ سلطنت نجد و حجاز کامل طور پر خود مختار تسلیم کر لی گئی، بلکہ شرط پنجم کی رُو سے اُسے تمام بین الاقوامی حقوق بھی حاصل ہو گئے۔ نجد و حجاز کی جدید تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ اُن کے باشندوں کی مستقل جنسیت تسلیم کر لی گئی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ دونوں ملکوں کے تعلقات برطانیہ سے بین الاقوامی قوانین کی بنیاد پر قائم ہو گئے، جیسا کہ اسی شرط کے آخر میں بالتصریح مذکور ہے۔ اب برطانیہ کے وہ امتیازات بھی باقی نہیں رہے جو مرحوم سلطنت عثمانیہ نے اپنے ملکوں میں اُسے بخش رکھے تھے، اور جو اب تک حجاز میں اور کسی حد تک نجد میں بھی برقرار تھے۔

اس معاہدے میں جابجا "سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا" کے لفظ آئے ہیں۔ ملحقاتہا سے مقصود وہ تمام علاقے ہیں جن پر سلطان ابن سعود کا قبضہ یا حمایت ہے۔ مثلاً ملک عسیر جو حال ہی میں اپنی رضا و رغبت سے حضرت شیخ سنوسی کے مشورہ پر، اُن کی حمایت میں آ گیا ہے۔

مسئلہ اسلحہ

معاہدے کے ساتھ چند ضمیمے بھی ہیں۔ یہ بھی شایع ہو گئے ہیں۔ ایک ضمیمہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا ہے کہ بحر احمر کو اُس بین الاقوامی قانون سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کرے گا، جو ہتھیاروں کی فروخت کے متعلق ہے۔ آپکے قارئین واقف ہونگے کہ یورپ کی دول عظمیٰ نے مشرقی قوموں کو کمزور رکھنے کے لئے ایک قانون بنا رکھا ہے، جس کی رُو سے بہت سے مشرقی ممالک، جن میں ایران اور ممالک عرب بھی داخل ہیں، سمندر کی راہ سے اسلحہ خریدنے کے حق سے محروم کر دئیے گئے ہیں۔ یقیناً سلطان ابن سعود کا تمام مشرقی دنیا خصوصاً عربی ممالک پر بہت بڑا احسان ہوگا اگر ان کی کوشش سے بحر احمر اس جابرانہ قانون سے مستثنیٰ ہو جائے اگر اس کوشش میں کامیابی ہو گئی تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ عربی ممالک کی جنگی قوت بہت بہتر ہو جائے گی۔ ایک قریبی فائدہ یہ بھی ہوگا کہ یمن، اٹلی کی حرص و طمع سے محفوظ ہو جائے گا جو اُس پر بہت جلد ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔

عقبہ و معان

ایک دوسرے ضمیمہ میں عقبہ و معان کے مسئلہ پر بھی بحث کی گئی ہے۔ یہ دونوں علاقے شریف علی نے اپنی مختصر حکومت کے زمانے میں برطانیہ کے حوالے کر دئیے تھے۔ سلطان ابن سعود کو اس کارروائی پر اعتراض تھا۔ اُن کا اعتراض یہ تھا کہ یہ فعل ایک مفرور حاکم کا ہے، جس کی حکومت کی بنیادیں ایک دن کے لئے بھی استوار نہیں ہوئیں، اور جسے عملاً ایک شہر (جدہ) سے زیادہ حصے پر اقتدار حاصل نہیں تھا۔ عرصہ تک برطانیہ کو اس اعتراض کی [illegible] سے انکار رہا، مگر اب اُس نے اصل اعتراض تسلیم کر لیا ہے۔ اور بحث کسی دوسرے موقعہ کے لئے ملتوی کر دی ہے۔ بلاشبہ اس وقت عقبہ و معان کا مسئلہ حل نہیں ہوا لیکن اس کے حل کے لئے راستہ کھل گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ سلطان ابن سعود بہت جلد یہ دونوں علاقے برطانیہ سے واپس لے لیں گے، کیونکہ یہ حجاز کی حفاظت کے لئے از حد ضروری ہیں۔ اور حدود حجاز میں داخل ہیں۔

معاہدہ کی کامیابی کے اسباب

قلم روکنے سے پہلے چند الفاظ اُن اسباب کے بیان میں بھی ضروری ہیں جو اس معاہدہ کا موجب ہوئے ہیں۔ یہ حقیقت تمام دنیا پر روشن ہے کہ برطانیہ مدت سے کوشاں ہے کہ کسی طرح پورے عرب خصوصاً حجاز پر قابو حاصل کر لے۔ شریف حسین کے ساتھ اُس کے معاہدے اور اٹلی کے ساتھ سمجھوتہ اس حقیقت کا تازہ ثبوت ہے۔ تاہم وہ ایک مرتبہ پھر مجبور ہو گیا کہ ایسا ایک معاہدہ منظور کر لے جو اُس کی پرانی آرزوں کے صریح خلاف ہے۔

اس کے تین اہم سبب ہیں:

(۱) سلطان ابن سعود نے پچھلے چند سالوں کے اندر غیر معمولی قوت حاصل کر لی ہے۔ فتح حجاز کے بعد عسیر کی حمایت نے اُنھیں عرب کا ایسا طاقتور حکمراں بنا دیا ہے کہ برطانیہ آسانی سے مغلوب نہیں کر سکتا عرب کی سرزمین پر اچانک اتنی بڑی قوت کے ظہور نے برطانیہ کو مجبور کر دیا کہ یا تو عرب کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرے، یا مدت تک کے لئے عرب میں اپنے تجارتی و سیاسی مفاد سے ہاتھ دھو لے۔ سلطان ابن سعود کو ناخوش کرنے کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک طرف وہ عراق کی طرف بڑھیں، دوسری طرف شرق اردن پر نظر ڈالیں اور تیسری طرف خلیج فارس کے نیم برطانی علاقوں پر حملہ آور ہو جائیں عرب کے حالات سے واقفیت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ عراق، شرق اردن، اور خلیج فارس کے اکثر عرب علاقوں میں تمام بدوی آبادیاں سلطان ابن سعود کے زیر اثر ہیں، اور قریب قریب، نجدی دعوت قبول کر چکی ہیں۔ سلطان کا ایک اشارہ ان ممالک میں قیامت برپا کر دے سکتا ہے۔ برطانیہ کی قوت کتنی ہی عظیم ہو، مگر وہ اتنا نادان نہیں ہے کہ بیٹھے بٹھائے یہ تمام بلائیں اپنے سر پر نازل کر لے لہذا اُس کی مصلحت یہی تھی کہ سلطان ابن سعود سے تعلقات خوشگوار رکھے اور ان کی کامل خود مختاری کے خلاف کوئی جذبہ ظاہر نہ ہونے دے۔

(۲) شام کی حکمرداری نے عربی ممالک میں فرانس کو برطانیہ کا رقیب بنا دیا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ یورپ میں برطانی سیاست نے فرانس کو سخت شکست دی ہے۔ اور اُسے اُس کے تمام دوستوں سے محروم کر کے لاچار کر دیا ہے۔ فرانس اس سبب برطانیہ پر دانت پیس رہا ہے اور مشرق میں اُس سے انتقام لینے پر تُل گیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک طرف چین میں برطانیہ کی مخالفت کر رہا ہے، دوسری طرف عرب میں سلطان ابن سعود سے راہ و رسم پیدا کر رہا ہے۔ برطانیہ نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر اُس نے اس موقعہ پر ذرا سی بھی غفلت کی تو بہت ممکن ہے، فرانس اس پر بازی لے جائے۔

(۳) بالشویک روس نے پچھلے دنوں عرب سے بہت دلچسپی ظاہر کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بالشویک دعوت کا ایک مرکز حجاز میں بھی قائم کر دیں، تاکہ یہاں سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں اُس کی اشاعت ہو سکے۔ برطانیہ، اسوقت روس سے از حد خائف ہے۔ اُس کا یہ ارادہ معلوم کر کے بالکل بدحواس ہو گیا، اور بے تحاشا کوشش شروع کر دی کہ دوستانہ معاہدہ منعقد ہو جائے۔ معاہدہ کی دوسری شرط کا تعلق غالباً اسی چیز سے ہے۔

غالباً اس تفصیل کے بعد معاہدۂ جدہ پوری روشنی میں آ جائے گا اور اس کے فہم میں کسی کو غلط فہمی نہ ہوگی۔ آئندہ مکتوب میں ان اصلاحات پر بحث کروں گا جن کا اسوقت حجاز میں اجراء در پیش ہے۔

حال ہی میں ڈاکٹری کی سند حاصل کی تھی، اور میرے قریب رہتا تھا وہ بھی میرے ساتھ روحانی جلسے میں شریک تھا۔

میں بے تحاشا اُس کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اُس کا کمرہ مکان کی سب سے اونچی منزل پر واقع تھا۔

لیکن میں ابھی زینے ہی پر تھا، کہ اوپر سے خوفناک شور سنائی دیا۔ ایسا معلوم ہوا، جیسے کوئی آدمی بدحواسی سے اِدہر اُدہر دوڑ رہا ہو۔ اور زور زور پاؤں زمین پر مار رہا ہو۔

فوراً ہی ایک دہشت ناک آواز میرے کانوں میں آئی:

"مدد! مدد! دَوڑو! دَوڑو!"

اور اس کے ساتھ ہی ایک شخص اوپر سے بے تحاشا گرتا ہوا مجھ سے ٹکرایا۔

"سارونف! سارونف! دوست! تم ہو؟ کیا ہوا؟" میں بے اختیار چلا اُٹھا۔ کیونکہ یہ شخص میرا دوست سارونف ہی تھا۔

زینے پر دھندلی روشنی تھی۔ سارونف نے آتے ہی دیوانہ وار میرے مونڈھے پکڑ لئے۔ وہ تمام بدن سے کانپ رہا تھا۔ چہرہ زرد تھا۔ آنکھیں عجب قسم کی وحشت ظاہر کر رہی تھیں!

"سارونف!" میں پھر چلایا۔

"ریکیموف!" اُس کی لرزتی ہوئی آواز بلند ہوئی "ریکیموف! تم ہو تم؟ کیا واقعی تم ہی ہو؟"

اُسنے مجھے بغور دیکھا اور لمبی سانس لی۔

"یہ تمھیں کیا ہوگیا ہے؟ مُردے کی طرح پیلے پڑ گئے ہو۔ اُف، تمھاری صورت کیسی ڈراؤنی ہو رہی ہو؟ خدارا بتلاؤ کیا ہوا؟" اُسنے مجھے بغور دیکھ کر کہا۔

"اور یہ تمھاری حالت کیا ہو رہی ہو؟ بالکل مُردہ معلوم ہوتے ہو!" میرا جواب تھا۔

"ٹھہرو" اُسنے جلدی سے کہا "ذرا دم لینے دو۔ آہ میں اس وقت تم سے ملکر کتنا خوش ہوا ہوں؟ جان جاتے جاتے بچی۔ محاضرات ارواح کے جلسوں پر خدا کی لعنت! علم الارواح پر ہزار لعنت! اُس جلسے نے نہیں معلوم میرے لئے کیسی کیسی ہولناک چیزیں پیدا کردی ہیں؟ کیا تم یقین کروگے کہ جونہی میں اپنے کمرے میں داخل ہوا... اُف کیسا ڈراؤنا منظر! میں نے دیکھا، کمرے کے عین وسط میں ایک تابوت رکھا ہو"!

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ یہ تو بعینہٖ خود میری سرگذشت تھی۔ میں نے چیخ کر پوچھا:

"تابوت! کیا کہتے ہو؟ تابوت!"

اُسنے صاف لفظوں میں کہا "تابوت! ایک حقیقی تابوت! میں بُزدل نہیں ہوں۔ لیکن اس منظر سے تو شیطان بھی بے ہوش ہوجائیگا"

میں پھر خوف سے کانپنے لگا۔ میں نے بمشکل اپنے دونوں مشاہدے اُس سے بیان کردئے۔ میں نے کہا "خدایا! عجیب طرح کی ہولناکی! میں نے اپنے کمرے میں تابوت دیکھا۔ اپنے دوست کے کمرے میں تابوت دیکھا۔ اور اب تم کہتے ہو کہ تم نے بھی اپنے کمرے میں تابوت دیکھا ہو......"

(۶)

ہم دونوں مکان کی چوکھٹ پر کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ہم دونوں مبہوت تھے۔ ہمیں خیال ہوا، شاید ہم سو رہے ہیں۔ یہ شبہ بیک وقت دونوں کے دماغ میں گزرا، اس لئے ایک دوسرے کو ٹہوکے مارنے لگے تاکہ معلوم کرلیں، ہم واقعی جاگ رہے ہیں یا عالم خواب میں ہیں!

"نہیں، ہم خواب میں نہیں ہیں" سارونف نے کہا "ہم ٹہوکے کی چوٹ محسوس کرتے ہیں۔ ضرور جاگ رہے ہیں۔ ہم نے جو تابوت دیکھے ہیں یقیناً وہ تابوت ہی ہیں۔ ہمارا وہم و خیال نہیں ہو۔ اب بتلاؤ، کیا کریں؟"

ہم اب مکان کی سیڑھی پر آکے کھڑے ہوگئے، اور دیر تک سوچتے رہے، کیا کرنا چاہئے؟ آخر طے ہوا کہ ہمت کرکے اوپر چلیں، اور نوکر کو جگا کر کمرے میں جائیں۔

(۷)

نوکر ہاتھ میں شمع لئے اندر گیا۔ ہم پیچھے پیچھے چلے۔ واقعی کمرے کے عین وسط میں ایک تابوت رکھا تھا۔ اُسپر سفید ریشمین چادر پڑی تھی کناروں پر سونے کے تاروں کا کام تھا۔ جابجا چاندی کے پھول کڑھے تھے!

تابوت دیکھ کر نوکر نے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔

"اب ہم حقیقت معلوم کرلے سکتے ہیں" میرے دوست نے رُک رُک کر کہا، کیونکہ وہ پورے جسم سے کانپ رہا تھا "دیکھنا چاہیو معاملہ کیا ہو؟ تابوت خالی ہو یا اُس میں کوئی لاش بھی ہو؟"

بڑے پیش و پس کے بعد سارونف نے ہمت کی۔ چند قدم آگے بڑھا، اور تابوت کا ڈھکنا اُلٹ کر پیچھے ہٹ گیا۔

ہم نے جھک کر دیکھا۔ تابوت بالکل خالی تھا۔ نعش کی جگہ ایک لفافہ پڑا تھا!

(۸)

میرے دوست نے لفافہ اُٹھا لیا، اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کھولا۔ اُس کے اندر حسب ذیل سطریں مرقوم تھیں:

"میرے پیارے دوست سارونف!

"تمھیں معلوم ہو ہماری مالی حالت کس درجہ بگڑ چکی ہو۔ مختصر لفظوں میں واقعہ یہ ہو کہ میرا بھائی دیوالیہ ہوگیا ہو۔ کل اُس کا تمام سامان نیلام ہوجائے گا۔ تم جانتے ہو، اُس کی دکان میں تابوتوں کے سوا کچھ نہیں ہو (کیونکہ شہر بھر کے لئے وہی تابوت مہیا کرتا ہو) اب ہمارے لئے فقر و فاقہ کے سوا کچھ باقی نہیں ہا۔ ہمارے خاندان نے مشورے کے بعد طے کیا ہو کہ جتنے تابوت بھی راتوں رات نکالے جا سکتے ہیں، نکال دئے جائیں تاکہ وہ نیلام سے بچ جائیں۔ چنانچہ اپنے تمام دوستوں کے یہاں ایک ایک تابوت بھیجا ہو۔ ایک تابوت تمھارے یہاں بھی رکھوا دیتے ہیں۔ تم مطمئن رہو، ایک ہفتے سے زیادہ تمھیں اسکی حفاظت نہیں کرنی پڑے گی، اور ہم اسکے لئے تمھارے اور تمام دوستوں کے نہایت شکرگزار ہوں گے"

تمھارا مخلص "ایوان گودین"

(۹)

اس واقعے کے بعد تین مہینے تک میں اپنے اعصاب کا علاج کرتا رہا۔ اب تک یہ حالت ہو کہ جب کبھی شام کو گھر لوٹتا ہوں، تو دروازے پر خوف سے ٹھٹک جاتا ہوں۔ کمرے میں تابوت کا منظر یاد آجایا کرتا ہو۔

بریدِ شرق

مکتوبِ حجاز

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم جدّہ کے قلم سے)

معاہدہ جدّہ

قارئین الہلال واقف ہوں گے کہ نجد اور برطانیہ کے مابین ۱۹۱۵ء میں ایک معاہدہ منعقد ہوا تھا۔ اس معاہدے میں بعض دفعات ایسی تھیں جن سے نجد کی خود مختاری پر پابندیاں عائد ہوتی تھیں۔ مثلاً اسمیں ایک شرط یہ تھی کہ حکومت نجد، برطانیہ کے سوا کسی دوسری سلطنت سے سیاسی گفت و شنید نہیں کرے گی اور نہ تجارتی و اقتصادی تعلقات قائم کرے گی۔ یا یہ کہ سلطان نجد، حجاز کی طرف پیشقدمی نہیں کرینگے اس کے معاوضہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ خارجی حملوں سے انکے مقبوضات کی حفاظت کرے گا۔

اگرچہ سلطان ابن سعود نے کبھی برطانیہ کو اپنے ملک میں مداخلت کا موقع نہیں دیا، تاہم بیرونی دُنیا میں حالات سے بے خبر لوگوں کو معاہدے کی شرطیں دیکھ کر شبہ ہوتا تھا کہ نجد، برطانیہ کی حمایت اور سرپرستی میں ہو۔

دراصل ۱۹۱۵ء کا معاہدہ جنگ عظیم کے خاص حالات کا نتیجہ تھا! سلطان کو برطانیہ اور اُس کے اتحادیوں، خصوصاً شریف حسین کی طرف سے سخت خطرے درپیش تھے۔ جرمنی اور ٹرکی سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ اس لئے مجبور ہوکر اُنھوں نے یہ معاہدہ منظور کرلیا تھا لیکن جنگ کے چند ہی سال بعد وہ اس سے بے پروا ہوگئے، اور فرانس سے تجارتی تعلقات قائم کرلئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ حجاز پر بھی یورش کردی، اور برطانیہ کے پروردۂ اقتدار شریف حسین اور اس کے خاندان کو خارج کردیا!

اب گویا عملاً کوئی معاہدہ بھی نجد اور برطانیہ کے درمیان موجود نہ تھا۔ حالات میں انقلاب عظیم واقع ہوچکا تھا، اور اس لئے جدید معاہدے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس کے لئے گزشتہ ماہ مئی ۱۹۲۷ء میں گفت و شنید شروع ہوگئی اور اب ۲۲ ستمبر سنہ رواں کو تکمیل کے بعد اعلان ہوگیا ہو۔

اصلی معاہدے کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہو:

"ہز مجسٹی شاہ برطانیہ، آیرلینڈ، برطانی مقبوضات ماوراء البحر اور شہنشاہ ہندوستان نے ایک جانب سے، اور ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد وملحقاتہا نے دوسری جانب سے، اپنے باہمی دوستانہ تعلقات کے استحکام اور اپنے مصالح کی حفاظت کے خیال سے عزم کیا ہو کہ باہم دوستی اور حسن تفاہم کا ایک معاہدہ منعقد کریں۔ چنانچہ اس غرض کے

سینہ میں چھپا لے، اور وقت مناسب کی منتظر ہے۔ علی حیدر بے کو خود نوشتہ سوانح عمری کا جو مسودہ اپنی والدہ سے ملا تھا، وہ ناتمام تھا، اور کچھ پتہ نہیں چلا تھا کہ اصل میں ناتمام تھا، یا اس کے بقیہ اوراق ضائع ہوگئے تھے۔ اعلان دستور کے بعد یکایک یہ خبر ترکی اخبارات میں چھپی کہ "وصفی آفندی مدیر اوراق (ریکارڈ کیپر) طائف نے ۳۰ برس کے بعد، طائف کے ایک باغ بیرون شہر سے وہ آہنی صندوق نکالا ہے، جس میں مدحت پاشا کی خود نوشتہ کتاب محفوظ تھی۔ وصفی آفندی نے مدحت پاشا کے قتل کے بعد ۱۵۔ ذی قعدہ ۱۳۰۲ھ کو زمین میں دفن کر دیا تھا"

وصفی آفندی نے یہ صندوق علی حیدر بے کے حوالہ کر دیا۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ مدحت پاشا نے اپنی کتاب مکمل کر لی تھی، اور احتیاطاً اس کی دو نقلیں بھی، اپنے رفیق حبس شیخ خیر اللہ آفندی (سابق شیخ الاسلام) سے کرا لی تھیں تاکہ اگر اصل نسخہ محفوظ نہ رہ سکے تو اس کی نقل موجود رہے۔ اصل نسخہ کا ابتدائی حصہ بدفعات سمرنا بھیج دیا گیا، بقیہ اجزاء ابھی نہیں بھیجے گئے تھے کہ ۱۲ رجب ۱۳۰۱ ہجری کی وہ ہولناک رات آگئی جو مرحوم اور اس کے ساتھی محمود پاشا داماد کے قتل کی رات تھی۔ اس طرح مرحوم کو بقیہ اوراق بھیجنے کا موقعہ نہیں ملا۔ یہ اوراق قتل کے بعد قید خانہ کے حکام کو مل گئے تھے اور قسطنطنیہ بھیج دیے گئے تھے۔ لیکن اُن کی دو نقلیں خیر اللہ آفندی کے پاس رہ گئی تھیں۔ خیر اللہ آفندی نے کوشش کی کہ کسی طرح یہ دونوں نسخے کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں۔ اُسنے ایک نسخہ اپنے معتمد دوست کمال آفندی شیخ تکیہ آستانہ تک پہنچا دینے کے لئے ایک شخص مصطفےٰ آفندی نامی کے سپرد کیا، اور دوسرا طائف کے ڈاکٹر فخری بے کو دے دیا۔ پہلا نسخہ کمال آفندی تک نہ پہنچ سکا اور مصطفےٰ آفندی کا انتقال ہوگیا۔ لیکن دوسرا نسخہ ڈاکٹر فخری نے وصفی آفندی مدیر اوراق طائف کے سپرد کر دیا۔ وصفی آفندی، مدحت پاشا کی جماعت سے ہمدردی رکھتا تھا اور دل سے اصلاح پسند تھا۔ اُسنے اس امانت کی قدر کی، اور ایک آہنی صندوق میں بند کر کے شہر کے باہر دفن کر دیا۔

مدحت پاشا کی خود نوشتہ سوانح عمری

علی حیدر بے انقلاب کے بعد قسطنطنیہ آگیا تھا۔ اُسنے اس مسودہ کا پچھلے مسودہ سے مقابلہ کیا، اور ترکی میں ایک نئی کتاب مرتب کر کے ۱۹۰۸ء میں شایع کر دی۔ یہ مدحت پاشا کی سرگزشت حیات کا مکمل مجموعہ ہے۔ اس میں اس کی خود نوشتہ سوانح عمری ہے، قید خانۂ طائف کے تمام خطوط ہیں، اصلاح نظام حکومت کی تمام یادداشتیں ہیں، اور آخر میں چند ضمیمے ہیں جن سے کتاب کے بعض تفصیل طلب مقامات کی مزید تشریح ہو جاتی ہے۔

علی حیدر بک اس مجموعہ کے دیباچہ میں لکھتا ہے:

"ایک ایسے موقعہ پر جبکہ میری قوم قیام دستور کی یادگار منا رہی ہے (جولائی ۱۹۰۸ء) میں اپنے والد مرحوم کی خود نوشتہ سوانح حیات کا ہدیہ اُس کے سامنے پیش کرتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ یہ عبرت و موعظت کا ذریعہ ہوگا!

"جب ہمارا وطن عزیز اپنی صدہا سالہ عظمت و شوکت کی بلندیوں سے تنزل کر کے قعر ذلت میں گر رہا تھا، اور عدل و نظام کے فقدان نے امید و مراد کے تمام دروازے بند کر دیئے تھے، تو اُسوقت ان اوراق کا مصنف ملک ملت کی خدمت کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی زندگی کے کامل ۵۰ سال اس راہ میں بسر کر دیئے۔ یہاں تک کہ اسی کی راہ میں اپنی جان عزیز بھی قربان کر ڈالی!

"میرے والد نے یہ اوراق قلعہ طائف کے قید خانہ میں اُسوقت لکھے تھے، جبکہ وہ خونی مجرموں کی طرح ایک تنگ کوٹھری میں مقید تھا، اور شقی و جافی پاسبانوں کی نگاہیں ہر وقت اُس پر لگی رہتی تھیں۔ مسودہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا اکثر حصہ ایک ایک دو دو سطر کر کے، مختلف اوقات میں لکھا گیا ہے، اور بہت سے مقامات میں ناتمام جملوں اور لفظوں پر قلم کی کشش رُک گئی ہے۔ وہ قلم اور کاغذ فرش کے نیچے چھپا کر رکھ دیا کرتے تھے، اور جب کبھی پاسبانوں کی نگاہوں سے مہلت ملتی تھی، لکھنے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ پوری دو سطریں بھی نہیں لکھنے پاتے تھے کہ کسی آدمی کی آہٹ سنائی دیتی، یا باہر سے باتوں کی آواز آنے لگتی، اور وہ قلم کاغذ چھپا دینے پر مجبور ہو جاتے!

"عین اُس حالت میں بھی جبکہ موت سامنے تھی، زندگی و راحت کے تمام وسائل مفقود ہو چکے تھے، ضعف پیری اور امراض کے آلام سے قویٰ معطل ہو رہے تھے، اور ایک جابر و مستبد پادشاہ اور اُس کے رذیل اور جرائم پیشہ حکام ہر آن اُس کے انفاس حیات کم کرنے کے درپے ہو رہے تھے، وہ اپنی قوم اور ملت کی خدمت سے بے فکر نہیں ہوا، اور محض اس امید موہوم سے کہ شاید اُس کے لکھے ہوئے اوراق کبھی وقت قوم کی نظروں تک پہنچ جائیں، اُسنے اپنی زندگی کے تمام تجارب و افکار قلمبند کر دیئے۔ عین اُسوقت جبکہ عبد الحمید اُس کی موت کے وسائل پر غور کر رہا تھا، وہ قید خانہ کی کوٹھری کے اندر اُن وسائل کے قلمبند کرنے میں مشغول تھا جن کے ذریعہ عبد الحمید کا عرش مملکت موت کے خطرات سے نجات پا سکتا تھا!

"میرے والد نے یہ کتاب قید خانہ میں لکھی، اور اس کا ایک حصہ سمرنا میں اپنے اہل و عیال کے پاس بھجوا دیا۔ یہ ابتدائی حصہ اور بعض خطوط مجھے اپنی والدہ مرحومہ سے ملے تھے، اور میں نے اُنھیں ایک مقدس تذکار سمجھ کر محفوظ رکھا تھا۔ چند سال پیشتر میں نے یورپ میں جو کتاب مرحوم کے وقائع حیات پر شایع کی تھی، وہ انہی اوراق سے مرتب کی گئی تھی۔

"یہ اُس شخص کا اثر ہے جسے ۱۲۔ رجب ۱۳۰۱ ہجری کو رات کے ۶ بجے (یعنے انگریزی گھڑی کے حساب سے بارہ بجے) عبد الحمید کے حکم سے قید خانۂ طائف میں گلا گھونٹ کر ہلاک کر ڈالا گیا۔ اس لئے ہلاک کر ڈالا گیا، کہ وہ ظلم و استبداد کا مخالف تھا، اور عدل و دستور کا داعی تھا۔ آج جبکہ تمام مملکت عثمانیہ قیام دستور کے یادگار کی خوشیاں منا رہی ہے، بیجا نہیں اگر میں یہ اُمید کروں کہ دستور عثمانی کے اس شہید کی یاد ہر فرد قوم کے دل میں تازہ ہو جائے!"

سوانح حیات

مدحت پاشا کی اسی خود نوشتہ سوانح عمری سے ہم مختصراً اس کے حالات نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد اُن خطوط کا ترجمہ درج کرینگے جو قلعۂ طائف سے بھیجے گئے تھے۔

ابتدائی تعلیم

مدحت پاشا ابن قاضی حاجی حافظ محمد اشرف

صفر ۱۲۳۸ھ میں بہ مقام قسطنطنیہ پیدا ہوا۔ والدین نے احمد شفیق نام رکھا تھا۔ دس برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور حافظ شفیق کہلانے لگا۔

۱۲۴۹ھ میں اس کے والد علاقۂ لودین کے قاضی مقرر ہوگئے۔ یہاں اسنے لکھنا سیکھا، اور ایک برس بعد جب وہ واپس ہوا، تو عاکف پاشا وزیر خارجیہ کے حکم سے دیوان ہمایونی میں داخل کر لیا گیا۔ یہاں اُسنے اُس رسم الخط کی مشق کی جو اس محکمہ کے لئے خاص ہے۔ اس محکمہ کی تعلیم گاہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے تمام فارغ التحصیل طلبا کو ایک علحدہ نام یا لقب دے دیا کرتی تھی۔ چنانچہ اُسنے حافظ شفیق کے لئے بھی ایک نیا نام تجویز کیا۔ یہ "مدحت" تھا۔ اُس دن سے "شفیق" کی جگہ "مدحت" کے نام سے پکارا جانے لگا۔

۱۲۵۱ھ میں اس کے والد علاقۂ لونجہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ مدحت بھی ساتھ گیا اور تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اُس کے والد چونکہ فارغ التحصیل عالم تھے، اس لئے شروع ہی سے اسے فارسی، عربی، اور دینی علوم کی تعلیم دی گئی۔ لونجہ سے واپس آنے کے بعد اُس نے آستانہ کی تاریخی مسجد "جامع فاتح" میں دینی علوم کی تکمیل کی اور فارسی زبان میں بھی کامل مہارت حاصل کر لی۔

جب ۱۲۵۷ھ میں حکومت نے "مدرسۂ عرفانیہ" جاری کیا اور منتخب ہونہار طالب علم اُس میں داخل کئے گئے، تو اُن میں ایک مدحت آفندی بھی تھا۔ لیکن اُس نے جلد دیکھ لیا کہ اس مدرسہ کے طالب علم اُس کے برابر قابلیت نہیں رکھتے، اور تعلیم بھی بہت معمولی درجہ کی ہے، اس لئے برداشتہ خاطر ہو کر چھوڑ دیا۔

علمی زندگی

۱۲۵۸ھ میں اُسنے اپنی تعلیم ختم کر لی۔ مگر اُس کی عملی زندگی، اس سے بہت پہلے سے شروع ہو چکی تھی۔ وہ کم عمری ہی سے سرکاری دفتر میں ملازم ہوگیا تھا۔ دفتر کا کام بھی انجام دیتا اور تعلیم بھی جاری رکھتا۔

لیکن ۱۲۵۸ھ میں اُسنے خالص عملی زندگی میں قدم رکھا۔ ۲۵۰ قرش تنخواہ پر اُسے ایک مستقل جگہ مل گئی۔ یہ ولایت شام میں سرکاری کاغذات کی تحریر کی جگہ تھی۔ دو تین برس تک اسی جگہ پر مامور رہا۔ پھر ۱۲۶۱ھ میں سامی پاشا والی قونیہ کے دفتر میں لے لیا گیا۔ ۱۲۶۲ھ میں اسی والی کے ساتھ صوبۂ قسطمونی میں گیا۔ ۱۲۶۴ھ میں قسطنطنیہ واپس آیا اور اسی زمانہ میں اُس کی شادی ہوئی۔ اس کے بعد اُسے وزیر اعظم کے دفتر میں انشاء و کتابت کی معزز جگہ مل گئی۔ اس جگہ کے ملجانے سے اُس پر اعلیٰ اور مرکزی مناصب کا دروازہ کھل گیا۔ اور وہ حکومت کے ممتاز اور ذمہ دارانہ مناصب پر مامور ہونے لگا۔

تفتیش (انسپکشن)

۱۲۶۷ھ میں حلب شام کے جنگی خانے میں سخت بدنظمی پیدا ہوئی۔ حتیٰ کہ خزانۂ حکومت کے ۰۰ تھیلے غائب ہوگئے۔ اس معاملہ کی تفتیش کے لئے مدحت آفندی بھیجا گیا۔ اُسے خفیہ طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ عربی ممالک کے سپہ سالار اعظم محمد پاشا قبرصلی کے طرز عمل کی بھی تحقیقات کرے۔ ۶ مہینے کی محنت کے بعد اُسنے ثابت کر دیا کہ نقدی کے ۲۰ تھیلے نہیں، بلکہ ۵ ہزار تھیلے چوری ہو گئے ہیں۔ چور کا بھی پتہ چلا لیا، اور اُس سے ایک ہزار ۰۰ ۴ تھیلے وصول کر لئے۔ نیز ناقابل رد دلائل سے ثابت کر دیا کہ سپہ سالار نے توم و دروز کے معاملے میں سخت غلطیاں کی ہیں۔

مجلس والا کی صدارت

وزیر اعظم رشید پاشا نے مدحت آفندی کی اس خدمت کی بہت تعریف کی۔ عرب کا سپہ سالار معزول کر دیا گیا۔ اور مدحت کو ۱۲۶۹ھ میں مجلس والا کا صدر مقرر کیا گیا۔ یہ منصب اُس کی فطری اور غیر معمولی انتظامی قابلیت کے ظہور کے لئے ہر طرح موزوں تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اس کی قابلیتوں کے ایسے نمایاں ثبوت ملے کہ وہ رشید پاشا، عالی پاشا، رشدی پاشا وغیرہ ارکان سلطنت کا معتمد علیہ بن گیا۔ چنانچہ جب مسئلہ کریمیا کے حل کرنے کے لئے روسی پرنس منچیکوف قسطنطنیہ آیا، تو معاہدوں کی تحریر اسی کے سپرد کر دی گئی جو بہت بڑی ذمہ داری کا کام تھا۔

ارکان حکومت سے مخالفت

اب ترقی کرتے کرتے، مدحت آفندی "المکتوبی" یعنی مکتوب ثانی کے عہدے پر پہنچ گیا تھا۔ ۱۲۷۰ھ میں محمد پاشا قبرصلی، وزیر اعظم مقرر ہوا

تاریخ مشرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

(۱)

ترکی اصلاح و تجدد کی تحریک سلطان محمود مصلح کے زمانے میں شروع ہوئی، اور سلطان عبد العزیز کے عہد میں مصطفےٰ فاضل پاشا کے ہاتھوں اُس کی پہلی جماعت کی بنیاد پڑی۔ تاہم یہ محض ابتدا تھی۔ تحریک کے قیام و ترقی کے لئے ضرورت تھی کہ کوئی ایسی اولوالعزم شخصیت نمودار ہو، جو اپنی قربانی کے خون سے اس نئی تخم ریزی کی آبیاری کر سکے۔ اصلاح و تغیر کی تحریک، اس آبیاری کے بغیر کبھی نشو و نما نہیں پا سکتی۔ ترکی اصلاح کا پہلا فکری عنصر مصطفےٰ رشید کی شخصیت میں نمایاں ہوا تھا، لیکن اُسے سلطان محمود اور سلطان عبد المجید جیسے اصلاح پسند فرمانروا ملے، اور اس لئے اُس کی اصلاح پسندی آزمایش کی جگہ مزید قبولیت کا باعث ہوئی۔ فواد پاشا اور عالی پاشا بھی مصلحانہ افکار رکھتے تھے، لیکن وہ کوئی عملی قدم نہ اُٹھا سکے۔ اس لئے اُنکے لئے کوئی آزمایش پیدا نہ ہو سکی۔ مصطفےٰ فاضل پاشا نے بلاشبہ نیا قدم اُٹھایا، اور "لائحہ اصلاحیہ" پیش کر کے اپنے لئے خطرات پیدا کر دیئے تاہم معاملہ اس سے آگے نہ بڑھا کہ جلا وطن ہو گیا۔ یا مصر کی حکومت و خدیویت سے محروم ہو جانا پڑا۔ پس جہاں تک تحریک کی ابتدائی نشو و نما کا تعلق ہے، اب تک کوئی شخصیت ایسی نمایاں نہیں ہوئی تھی جسے اس راہ میں جانفروشی و قربانی کی منزل سے گزرنا پڑا ہو۔ یہ منزل ایک اولوالعزم شخصیت کے ظہور کی منتظر تھی۔ یہ اولوالعزمی مدحت پاشا کی شخصیت میں ظاہر ہو گئی۔ مدحت پاشا اس راہ کا پہلا قتیل و شہید ہے۔ اُس کے خون نے وہ آبیاری بہم پہنچا دی، جس کے بغیر یہ تخم انقلاب بارآور نہیں ہو سکتا تھا!

مدحت پاشا اور عبد الحمید

سلطان عبد الحمید کی پُر فریب حکمت عملیوں نے واقعات و حقائق پر ایسے پردے ڈال دیئے تھے کہ مدتوں تک دُنیا کی نگاہیں دھوکا کھاتی رہیں۔ اور مدحت پاشا کی شخصیت نمایاں نہ ہو سکی۔ مدحت پاشا اور اُسکے ساتھیوں کے خلاف جب مقدمہ قائم کیا گیا، اور اُسے سلطان عبد العزیز کے قتل کی سازش کے انکشاف سے تعبیر کیا گیا، تو دُنیا نے بغیر کسی شک کے قبول کر لیا۔ کیونکہ نہ تو مدحت پاشا کی مصلحانہ حیثیت اور اعمال کی دنیا کو خبر تھی، اور نہ ترکی میں کوئی ایسی قومی طاقت پیدا ہوئی تھی جو اصلیت کا اظہار کر سکتی۔ سر ہنری ایلیٹ (انگریزی سفیر متعینہ قسطنطنیہ) نے ۱۸۸۸ء میں جب اپنی یادداشت شائع کی، اور مدحت پاشا کو بے تصور ظاہر کیا، تو خود انگلستان میں بہت کم لوگوں نے اسے باور کیا۔ عام طور پر خیال کیا گیا کہ سر ہنری اپنی ذاتی دوستی کا جو اُس میں اور مدحت پاشا میں تھی، حق ادا کر رہا ہے۔ جہاں تک مشرقی اور اسلامی ممالک کا تعلق ہے، اُسوقت نہ تو لوگوں میں اس قسم کے معاملات سمجھنے کی استعداد پیدا ہوئی تھی اور نہ عام طور پر دلچسپی لی جاتی تھی۔ ہندوستان میں اُس وقت جس قدر اُردو اخبار نکلتے تھے، سب نے مدحت پاشا کے مقدمہ کو "باغیوں" کے مقدمہ سے تعبیر کیا تھا۔ اُس زمانے کے بعض اخبارات کے فائل ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ کلکتہ کے "اُردو گائیڈ" اور لاہور کے "انجمن پنجاب" نے "باغی مدحت پاشا" کی سزایابی کی خبریں شائع کی تھیں!

مقدمہ کے بعد مدحت پاشا طائف کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ اور کچھ دنوں بعد گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔ اُسوقت دُنیا اس مظلوم کو بالکل بُھلا چکی تھی۔ اصلاح پسند ترکوں کے سوا جو یورپ میں منتشر ہو چکے تھے، کوئی جماعت ایسی نہ تھی جسے حقیقت حال کا علم ہو، یا اس کی شخصیت میں دلچسپی رکھتی ہو۔

یلدز کی دعایتہ

برسوں پر برس گزر گئے، اور اس قتیل ظلم و استبداد کی ہولناک موت کی حقیقت دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہی۔ قسطنطنیہ میں عہد حمیدی کے تمام مستبدانہ اعمال اپنی پوری سرگرمی کے ساتھ شروع ہو چکے تھے مدحت پاشا اور اسکے رفقا کا نام لینا ایسا ہی ناقابل معافی جرم تھا، جیسا "اصلاح" اور "دستور" یا "پارلیمنٹ" کا نام لینا۔ کئی کتابوں کی اشاعت محض اس بنا پر صیغۂ احتساب نے (جو "نظارۂ معارف" کے نام سے قائم کیا گیا تھا) روک دی کہ اُنکے مصنفین کا نام بھی مدحت تھا۔

مدحت پاشا کے اعمال حیات کو دُنیا کی نظروں میں مذموم ثابت کرنے کے لئے ترکی اور ترکی سے باہر بے شمار اہل قلم کی خدمات خریدلی گئی تھیں اور وہ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد کوئی نہ کوئی ایسی تحریر شائع کرتے رہتے تھے جس کے ذریعہ مدحت اور اس کی جماعت کو ملک و سلطنت کا دشمن ثابت کیا جاتا تھا، اور سلطان عبد الحمید کے قاتلانہ اعمال کی مدحت سرائی کی جاتی تھی۔ قسطنطنیہ میں احمد فارس شدیاق کا عربی اخبار "الجوائب" اس کام میں سب سے زیادہ پرجوش اور سرگرم تھا۔ اُسنے بار بار اپنے قارئین کو یقین دلانا چاہا کہ مدحت اور اسکی جماعت کا اصلی مقصود دین مقدس اسلام کی بیخ کنی کرنی تھی! یورپ اور انگلستان میں بھی قصر یلدز کے ایجنٹ بے دریغ روپیہ خرچ کر رہے تھے۔ بہت سے اخبار اور اخبار نویس تھے، جنھوں نے اپنی خدمات یلدز کے حوالہ کر دی تھیں۔ ۱۹۰۱ء میں ایک انگریزی کتاب "دوازدہ سالہ عہد حکومت سلطان عبد الحمید" کے نام سے انگلستان میں شائع ہوئی تھی۔ اُس کے دیباچہ میں ظاہر کیا گیا تھا کہ "یہ انگلستان کی ایک شہزادی کی ذاتی تحقیقات کا نتیجہ ہے" یہ کتاب بھی حمیدی دعایتہ (پروپیگنڈا) کا نتیجہ تھی، اور اس لئے شائع کرائی گئی تھی تاکہ سر ہنری ایلیٹ کے اُن مضامین کا جواب دیدیا جائے جو اُسنے مدحت پاشا اور اُس کی مصلحانہ مساعی کی حمایت میں لکھے تھے اس کتاب کا اُردو ترجمہ ہندوستان میں شائع ہو چکا ہے۔

انکشاف حقیقت

ایک عرصہ کے بعد جب مدحت پاشا کا لڑکا علی حیدر بے جوان ہوا، تو اُس کی ماں نعیمہ خانم نے اُس کے باپ کی آخری امانت اُس کے سپرد کر دی۔ یہ امانت کیا تھی؟ یہ ایک نامکمل خود نوشتہ سوانح حیات تھی، جو اس شہید حریت نے طائف کے قید خانہ میں لکھی تھی۔ اور چند خطوط تھے، جو اُسنے اور اُس کے ساتھیوں نے طائف سے بھیجے تھے۔ اِن خطوط میں اُن تمام ہولناک واقعات کی تفصیل درج تھی جو طائف کے محبس میں پیش آئے تھے۔

یہ خطوط طائف کے قید خانے سے کیونکر بھیجے گئے اور کس ذریعہ سے مرحوم کے خاندان تک پہنچے؟ اس کی تفصیل ان اوراق میں درج تھی۔ اُس زمانے میں مصر کے خاندان خدیوی کی ایک امیرزادی، بیگم صفوت پاشا نے مکہ معظمہ میں قیام اختیار کر لیا تھا، اور اپنی دولت و ریاست کی وجہ سے شریف اور گورنر حجاز پر بہت رسوخ رکھتی تھی۔ یہ بیگم مدحت پاشا اور اس کے مصلحانہ اعمال سے واقف تھی۔ اسے جب معلوم ہوا کہ وہ مع اپنے رفیقوں کے طائف میں قید کیا گیا ہے، تو آمادہ ہو گئی کہ اپنی موجودگی سے ان کی مصیبت کم کرنے کی کوشش کرے۔ اور تو کچھ نہ کر سکی، لیکن اس کی وجہ سے خط و کتابت کا ایک محفوظ ذریعہ پیدا ہو گیا۔ طائف کا ایک فوجی ڈاکٹر فخری بے اُس کے زیر اثر تھا اُسے قیدیوں کے دیکھنے کی اجازت تھی۔ وہ اُن سے پوشیدہ خطوط لے لیتا اور مکہ معظمہ پہونچا دیتا۔ مکہ سے خطوط مصر بھیجدیئے جاتے۔ مصر سے سمرنا کی ایک فرانسیسی کمپنی کے دفتر میں پہنچ جاتے جہاں مدحت پاشا کا خاندان مقیم تھا۔ کمپنی کے دفتر کا منتظم مدحت پاشا کی بیوی اور بہن تک پہونچا دیتا۔

البتہ مدحت پاشا کی خود نوشتہ سوانح عمری ناتمام تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یا تو تکمیل کا موقعہ نہیں ملا، یا بقیہ مسودہ ضائع ہو گیا۔ علی حیدر بے نے اِن اوراق کی مدد سے مدحت پاشا کے اعمال حیات پر ایک کتاب مرتب کی، اور ۱۹۰۳ء میں پیرس سے شائع کی پہلے فرانسیسی زبان میں شائع ہوئی تھی۔ پھر اُس کا انگریزی اڈیشن بھی شائع ہو گیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ دُنیا کو حقیقت حال سے واقف ہونے کا موقعہ ملا، اور کذب و افترا کے وہ تمام پردے چاک ہو گئے جو عبد الحمید اور اُس کے حامیوں نے اس راست باز مصلح کی زندگی پر ڈال دیئے تھے۔ قصر یلدز کے کارپردازوں نے بہت کوششیں کیں کہ کسی طرح اس کتاب کی قطعی شہادتیں کمزور ثابت کر دیں لیکن اب ۲۰ سال کی مستور حقیقت عالم آشکارا ہو چکی تھی! اور حقیقت جب ایک مرتبہ آشکارا ہو جائے، تو پھر دُنیا کی کوئی طاقت اُسے مستور نہیں کر سکتی!

طائف کا مدفون صندوق

۱۹۰۸ء کے انقلاب دستور کے بعد اس سلسلہ میں ایک نیا انکشاف ہوا۔ معلوم ہوتا ہے، اس شہید ظلم کی مقدس امانت صرف اُس کے خاندان ہی میں محفوظ نہ تھی، بلکہ طائف کی زمین نے بھی اپنا آغوش صیانت کھول دیا تھا، تاکہ اُس کی آخری امانت لینے

برید فرنگ

مکتوب جرمنی

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم برلن کے قلم سے)

قیصر کی جرمنی میں واپسی ۔ قیصر کے موجودہ خیالات ۔

قیصر کی واپسی

اپنے کسی پچھلے مکتوب میں قیصر ولیم کی جرمنی میں واپسی پر مفصل بحث کرچکا ہوں۔ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ گزشتہ ماہ جولائی میں قیصر فوراً واپس آجائے گا۔ لیکن جولائی پر دو ماہ اور گزر گئے، اور قیصر کی جلاوطنی ختم نہ ہوئی۔ حکومت جرمنی نے قیصر کی جلاوطنی والے قانون کی مدت میں دو سال کا مزید اضافہ کردیا ہے۔ لوگ حیرت و تعجب سے اس کا سبب دریافت کررہے ہیں؟

یہ واقعہ ہے کہ گزشتہ ماہ جولائی میں قیصر واپس آنے والا تھا جولائی کی قید اس لئے تھی کہ قیصر کی جلاوطنی والے قانون کی مدت اسی مہینے میں ختم ہوجاتی تھی۔ لیکن مدت ختم ہونے سے تین چار دن پہلے حکومت نے اس میں دو سال کی مزید توسیع کردی۔ یہ کارروائی خود قیصر کے اشارے سے ہوئی تھی۔ اصلی وجہ یہ تھی کہ اب تک فرانسیسی فوجوں نے جرمنی کی سرزمین خالی نہیں کی ہے۔ اسوقت وہ دریائے رین پر قلعے بنا رہی ہیں جب تک یہ قلعے طیار نہیں ہوجائیں گے، وہ جرمنی خالی نہیں کریں گی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ سنہ ۱۹۲۹ء کے موسم سرما میں تعمیر مکمل ہوجائے گی اور پورا جرمنی آزاد ہوجائے گا۔

دراصل قیصر ولیم نے اسوقت تک کے لئے جرمنی میں قدم رکھنے سے انکار کردیا جب تک اس کی سرزمین پر ایک اجنبی سپاہی بھی موجود ہے۔ یہی سبب ہوا کہ کچھ عرصہ کے لئے قیصر کی واپسی پھر ملتوی ہوگئی۔

قیصر نے انکار کیوں کیا؟ کیا سرحد پر فرانس کی مختصر فوجوں کی موجودگی اس کے لئے خطرناک تھی؟

یہاں خطرے کا سوال نہ تھا۔ خودداری کا سوال تھا قیصر کی عزت نفس نے گوارا نہ کیا کہ اپنے وطن اس حال میں واپس ہو جبکہ اس کی سرزمین پر اجنبی سپاہی موجود ہیں۔

اپنے کسی پچھلے مکتوب میں اس نزاع پر روشنی ڈال چکا ہوں جو قیصر کی نئی بیوی اور سابق ولی عہد کی بیوی میں جاری ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ قیصر کی بیوی جرمنی میں آکر مقیم ہوگئی ہے تاکہ اپنے شوہر کی تخت نشینی کے لئے میدان صاف کرے۔ دوسری طرف ولی عہد کی بیوی اپنے بڑے لڑکے کو جرمنی کا بادشاہ بنانے کی کوشش کررہی ہے۔ لیکن اب یہ نزاع کلیتہً دور ہوچکی ہے۔ تمام شاہ پسند متحد و متفق ہوگئے ہیں اور صرف قیصر کی حمایت کررہے ہیں۔

چند اہم تبدیلیاں

پچھلے چند ماہ میں اہم تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ پہلے شاہ پسندوں کا زعیم مارشل لوڈنڈارف تھا۔ اب قیصر نے اسے معزول کردیا ہے۔ اب ہنڈنبرگ جمہوری حکومت کی صدارت کے ساتھ، شاہ پسندوں کا بھی سرگروہ بن گیا ہے۔ مارشل لوڈنڈارف نے کئی سال بے کار گزار دئے اور شاہی تحریک کو کوئی ترقی نہیں دی۔ لیکن مارشل ہنڈنبرگ نے غیر معمولی تدبر سے کام لے کر پوری کامیابی حاصل کرلی ہے۔ قیصر کے مخالفوں کا سب بڑا اعتراض یہ تھا کہ ایک نہایت نازک زمانے میں قیصر اپنا ملک چھوڑ کر ہالینڈ بھاگ گیا۔ لیکن ہنڈنبرگ نے اب یہ اعتراض دور کردیا ہے۔ اسنے قیصر کی اس حرکت کی تمام ذمہ داری خود اپنے سر لے لی ہے۔ اسنے صاف لفظوں میں اعلان کردیا:

"میں نے ہی قیصر کو اس فعل پر مجبور کیا تھا۔ حالانکہ وہ راضی نہ تھا درحقیقت قیصر نے ملک چھوڑ کر ملک کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اس نے خود ذلت اٹھانا گوارا کرلیا تاکہ ملک کی عزت برقرار رہے۔ اگر قیصر فوراً ہالینڈ چلا نہ جاتا تو ایک طرف جرمنی کی تمام فوجیں تباہ ہوجاتیں کیونکہ اس کی غیرت ہرگز ہتھیار رکھ دینا قبول نہ کرتی۔ دوسری طرف اتحادی سلطنتیں ملک کے شہنشاہ کو گرفتار کرکے مجرموں کی طرح سزا دینے کی کوشش کرتیں۔ انہی وجوہ کی بنا پر میں نے قیصر کو جلاوطنی پر مجبور کردیا تھا"

ہنڈنبرگ کے اس اعلان نے جرمنی کے اکثر باشندوں کو مطمئن کردیا ہے۔ اب وہ قیصر کے بھاگنے کو اس کا عیب و نقص نہیں، بلکہ ایک ملکی خدمت اور عظیم قربانی سمجھنے لگے ہیں۔

قیصر پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اسنے اپنی ملکہ کے فوت ہوتے ہی نہایت بے وفائی کے ساتھ دوسری شادی کرنے میں جلدی کی۔ ہنڈنبرگ نے یہ اعتراض بھی دور کردیا اور اس کی ذمہ داری بھی خود اوڑھ لی ہے۔ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ اسنے ایک طرف سابق ولی عہد کو راضی کرلیا کہ اپنے باپ کے خلاف کوئی کوشش نہ کرے، دوسری طرف ولی عہد کی بیوی اور قیصر کی نئی بیوی میں بھی صلح کرادی۔ غرضکہ اسنے تمام شاہ پسندوں کو ایک خیال پر جمع کردیا۔ اب سب صرف قیصر کی تخت نشینی چاہتے ہیں۔

ہنڈنبرگ نے یہ صورت حال صرف پروشیا ہی میں پیدا نہیں کردی بلکہ جرمنی کے تمام صوبوں اور ریاستوں کو بھی قیصر کی حمایت پر آمادہ کردیا ہے۔ اب جب قیصر واپس ہوگا تو یقین کیا جاتا ہے کہ صرف پروشیا ہی کا نہیں بلکہ ریاست سکسونی کو چھوڑ کر تمام جرمنی کا شہنشاہ ہوگا۔ (ریاست سکسونی میں بالشویک خیالات مقبول ہوگئے ہیں اور وہاں عنقریب سوویٹ حکومت قائم ہوجانے والی ہے) صرف اسی قدر نہیں بلکہ امید کی جاتی ہے کہ آسٹریا بھی اس کے زیر نگیں آجائے گا۔ کیونکہ اس وقت وہاں جرمنی سے الحاق کا خیال بہت عام ہورہا ہے۔

شاہ پسندوں کی انجمنیں

اسوقت جرمنی میں شاہ پسندوں کی بارہ انجمنیں قائم ہیں۔ یہ انجمنیں نہایت سرگرمی سے مصروف عمل ہیں۔ تقسیم عمل کے اصول پر ہر انجمن نے تحریک کے مختلف کام بانٹ لئے ہیں۔

مثلاً ایک انجمن کا کام یہ ہے کہ وہ دنیا بھر میں قیصر کو مقبول بنانے کی دعوت پھیلا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں اس کی تمام تر کوشش یہ ہے کہ جنگ عمومی کی ذمہ داری سے قیصر کو بری ثابت کرے اور سفاکی و خونریزی کے وہ تمام الزام دور کردے جو اتحادی سلطنتوں نے قیصر پر لگا رکھے ہیں۔ اس انجمن نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ دنیا کی علم رائے اب قیصر کی اتنی مخالف نہیں رہی جتنی پہلے تھی۔

ایک دوسری انجمن کا نام "شعبۂ خارجیہ" ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام سلطنتوں اور قوموں کے خیالات قیصر کے متعلق معلوم کرتی رہتی ہے۔ اس کی تازہ روداد سے ثابت ہوتا ہے کہ دُول یورپ میں صرف ایک فرانس ہی ایسی دولت ہے جو اب تک قیصر کی دشمنی پر قائم ہے۔ باقی سلطنتوں کو زیادہ پرخاش باقی نہیں رہی۔ روداد میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اٹلی اور امریکہ، قیصر کی واپسی کی کوئی مخالفت نہیں کریں گے۔ انگلستان کی مخالفت کا بھی اندیشہ نہیں ہے، الّا یہ کہ مسٹر لائیڈ جارج پھر برسر حکومت آجائے اور اس کی اب کوئی امید نہیں۔

تیسری انجمن کا نام "انجمن مظاہرات" ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ پورے جرمنی میں قیصر کی حمایت کے مظاہرے کیا کرتی ہے۔ چنانچہ کوئی ہفتہ خالی نہیں جاتا جس میں بڑے بڑے شہروں کی سڑکوں پر عام مظاہرے نہ نکلتے ہوں۔ یہ انجمن قیصر کی تصویریں اور مورتیں مفت تقسیم کرتی ہے۔ نیز ایسے عام جلسوں کا اہتمام کرتی ہے جن میں تمام شاہی رسمیں برتی جاتی ہیں۔

چوتھی انجمن کا کام یہ ہے کہ تحریر کے ذریعہ قیصر کی حمایت کے افکار پھیلاتی رہے۔ چنانچہ اس کی سرپرستی میں بکثرت اخبار نکل رہے ہیں اور سیکڑوں لائق انشا پرداز مضامین اور کتابیں لکھتے رہتے ہیں۔

پانچویں انجمن بحری و بری فوجوں اور پولیس میں اپنے مقاصد کی اشاعت کررہی ہے اور پوری کامیابی حاصل کرچکی ہے۔ اسوقت جرمن فوج اور پولیس میں مشکل سے کوئی آدمی ایسا نکلے گا جو قیصر کا حامی نہ ہو۔ حتیٰ کہ خفیہ پولیس کے آدمی بھی اس تحریک میں شامل ہوچکے ہیں

مختصر یہ کہ پورا جرمنی قیصر کے لئے چشم براہ ہے۔ عام باشندے ہی نہیں بلکہ جمہوری حکومت اور اس کے اکثر ارکان بھی اسی خیال کے ہوگئے ہیں۔ ہنڈنبرگ تو اپنی شاہ پسندی میں پوری طرح مشہور ہوچکا ہے لیکن موجودہ وزیر اعظم ہر سٹرسمان بھی کچھ کم شاہ پسند نہیں ہے۔ کوشش ہورہی ہے کہ کسی طرح فرانسیسی فوجیں جلد سے جلد جرمنی کی سرحد خالی کردیں تاکہ قیصر مرنے سے پہلے واپس آجائے۔

قیصر کے خیالات

یقیناً یہ معلوم کرنا نہایت دلچسپی کا موجب ہے کہ اسوقت جبکہ قیصر کا

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۵)

وطن کردیں۔ یہ روسی اثرات کا مخالف اور ایک دیانت دار شخص تھا سلطان نے اسے صوبہ بروسہ کا حاکم مقرر کرکے حکم دیا کہ پایۂ تخت سے روانہ ہوجائے حسین جاوید بیمار تھا۔ مگر سلطان نے اسے جبراً بھجوا دیا۔ اسی قسم کا برتاؤ اور بہت سے مخلص اشخاص کے ساتھ بھی کیا گیا۔

کچھ مدت بعد حسین جاوید پاشا بروسہ سے لوٹ آیا اور دیکھا کہ علما نے سلطان کے معزول کردینے کا تہیہ کرلیا ہے۔ اسنے اس بارے میں بعض سربرآوردہ آدمیوں سے مشورہ کیا۔ سب نے بالاتفاق اس تجویز کی حمایت کی ؛

یہ مدحت آفندی کا سخت دشمن تھا۔ کیونکہ اسی نے اُسے عرب کی "سپہ‌داری" سے معزول کرایا تھا۔ اب اُسنے انتقام لینا اور سرکاری ملازمت سے خارج کرا دینا چاہا۔ اُسنے بہت کوشش کی مگر کوئی بات قابل گرفت نہیں ملی۔ آخر اُس نے خیال کیا، اسے صوبجات ردمیلی کا حاکم بنا کر بھیج دیا جائے، اور چونکہ سخت ہنگامے برپا تھے، اور بہت سے والی امن و امان قائم کرنے میں ناکام رہ چکے تھے، اس لئے مدحت آفندی بھی ناکام رہیگا، اور اس طرح اُسے نالائق قرار دینے کا بہتر موقعہ نکل آئے گا۔ چنانچہ اُسنے احکام صادر کردئیے۔

اب مدحت آفندی کو بڑی سخت مشکل پیش آئی۔ وہ وزیر اعظم کی بدنیتی سے واقف ہوچکا تھا، اگر نہیں جاتا تھا تو معزول کئے جانے کا خطرہ تھا، جاتا تھا، تو ناکامی کا اندیشہ تھا۔ بہرحال اُسنے جانے کا فیصلہ کر لیا، اور ١٢٧٤ھ میں ایک فوجی مہم ساتھ لے کر روانہ ہوگیا۔

یہاں مدحت آفندی نے حیرت انگیز قابلیت کا ثبوت دیا۔ صرف ۲ مہینے کی قلیل مدت میں ۲۸۰ باغی سرغناؤں کو گرفتار کرلیا۔ ۲۸ کو حکومت کی بلا اجازت پھانسی دے دی۔ ۸۰ کو آستانہ کے قیدخانے میں بھیجدیا۔ باقی کو قانون کے مطابق سخت سخت سزائیں دیں۔

باغی صوبوں نے نئے حاکم کی یہ غیر معمولی مستعدی دیکھی تو اطاعت کے لئے فوراً سر جھکا دئیے۔ یورپ کی زبان بالکل بند ہوگئی جو بلقان کی اس پیچیدگی کو اپنی مداخلت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ خوش قسمتی سے آب محمد پاشا بھی معزول ہوچکا تھا۔ رشید پاشا اُن کی جگہ وزیر اعظم تھا۔ اُسنے مدحت آفندی کی شاندار خدمات کا اعتراف کیا اور آستانہ واپس بلا لیا۔ مدحت آفندی نے ردمیلی کے حالات کی مفصل روداد پیش کی اور اصلاحات کا ایک مسودہ بھی طیار کیا، حکومت نے اسے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ مگر بعض حالات اور تبدیلیاں ایسی پیش آگئیں کہ اصلاحات کی تجاویز پر کوئی عملی کارروائی نہ ہوسکی۔ در اصل حکومت کا مزاج صدیوں سے ایسا ہوگیا تھا کہ بغیر کسی بنیادی تغیر کے اصلاحات کی تجاویز سودمند نہیں ہوسکتی تھیں۔

وزیر اعظم نے مدحت آفندی کو مجلس والا میں دوبارہ داخل کیا۔ مگر ابھی چند ماہ بھی اس صورت حال پر نہیں گزرے تھے کہ رشید پاشا پھر معزول ہوگیا اور مصر چلا گیا۔ اسکی جگہ عالی پاشا کو ملی، مگر اُسے بھی یورپ کا سفر پیش آگیا اور دار الحکومت سے غیر حاضر ہوگیا۔ اسکی نیابت محمد پاشا قبرصلی کو مل گئی۔ اسی محمد پاشا کو جو مدحت کا جانی دشمن تھا اپنے برسر اقتدار آتے ہی پھر انتقامی تدابیر کا عمل میں لانا شروع کردیا۔

اس مرتبہ مدحت پر یہ تہمت لگائی گئی کہ اُسنے حکومت کے بعض محاصل پر قبضہ کرلیا ہے۔ چنانچہ باضابطہ مقدمہ قائم ہوگیا۔ مگر پہلی ہی پیشی میں ثابت ہوگیا کہ الزام کی کوئی اصلیت نہیں محض اتہام ہے۔ ایک گواہ نے تو علانیہ عدالت کے سامنے اقرار کرلیا کہ "اُسے جھوٹ بولنے پر مجبور کیا گیا ہے، اور مدحت کے خلاف اُسنے جو کچھ کہا ہے، سراسر باطل ہے"

مدحت آفندی عزت کے ساتھ بری ہوگیا، اور نائب وزیر اعظم کو سخت شرمندگی اُٹھانی پڑی۔

بلغاریہ اور سرویہ میں

اُس زمانے میں بلغاریہ کی حالت خراب ہونے لگی۔ حکام کے ظلم نے باشندوں کو پریشان کرڈالا۔ مدحت آفندی تحقیقات کرنے بھیجا گیا۔ اسنے اپنی روداد باب عالی میں پیش کردی اور ثابت کیا، کہ باشندوں کی شکایتیں صحیح ہیں۔ گورنر سعید پاشا اور اُس کے کارندوں نے سخت فساد مچا رکھا ہے۔ باب عالی نے اس کی روداد تسلیم کرلی، اور گورنر اور اُسکے عہدہ داروں کو معزول کردیا۔

بلغاریہ سے فارغ ہوکر مدحت آفندی سرویہ گیا۔ وہاں بھی سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ بعض علاقوں کے باشندوں نے ترکی حکام کو بالکل خارج کردیا تھا۔ اور طوائف الملوکی قائم ہوگئی تھی۔ مدحت آفندی نے اس صوبے کی بھی اصلاح کی اور باغی علاقوں میں از سر نو حکومت قائم کردی۔

یورپ کا سفر

مدحت آفندی، قسطنطنیہ واپس آگیا۔ اُسے یقین تھا کہ حکومت اُس کی خدمات کا اعتراف کرے گی۔ مگر یہاں سلطان عبد المجید پر معزول گورنر سعید پاشا اور اُس کے دوستوں کا جادو چل چکا تھا۔ انھوں نے سلطان کو مدحت آفندی سے ناراض کرادیا۔

اسی اثنا میں رشید پاشا کا بھی انتقال ہوگیا۔ جو مدحت کا سرپرست تھا۔ مدحت آفندی، سلطان کی ناراضی سے افسردہ خاطر ہوچکا تھا۔ اپنے مربی کی وفات سے اور بھی زیادہ بے دل ہوا، اور سرکاری مناصب ترک کردینے کا ارادہ کرلیا۔ ساتھ ہی اُسے خیال ہوا کہ ممالک یورپ کی سیر و سیاحت کرے جن کی علمی و تمدنی ترقیات کے افسانے اس کے گوش گزار ہوچکے تھے۔ چنانچہ ١٢٧٤ھ میں یورپ روانہ ہوگیا۔ ٦ مہینے وہاں قیام کیا۔ پیرس، لندن، وائنا، بلجیم وغیرہ کی سیر کی اور یورپ کی ترقی کے اسباب و وسائل معلوم کئے۔

فرانسیسی زبان

مدحت آفندی کی طالب علمی کے زمانے میں فرانسیسی زبان کو ٹرکی میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ اس لئے اُسنے بھی اس طرف کوئی توجہ نہیں ہوئی۔ لیکن اب حالات میں عظیم تبدیلی واقع ہوچکی تھی، اور ہر سیاسی مدبر کے لئے اس زبان سے واقفیت لازمی ہوگئی تھی۔ مدحت آفندی نے اپنے اندر یہ کمی محسوس کی، اور اس زبان کی تحصیل پر کمر بستہ ہوگیا۔ وہ اپنی فرصت کے اوقات میں بطور خود مطالعہ کرتا رہتا یہاں تک کہ یورپ کا سفر پیش آیا اور اس زبان میں اُسنے پوری مہارت حاصل کرلی۔

رتبۂ وزارت اور صوبہ کی ولایت

١٢٧٥ھ میں مدحت آفندی یورپ سے واپس آیا اور دوبارہ مجلس والا کی صدارت کے لئے منتخب کیا گیا۔ اسی اثنا میں محمد پاشا قبرصلی پرانا دشمن وزیر اعظم ہوچکا تھا۔ مدحت آفندی کو خوف تھا کہ پھر اُسکی عداوت کا نشانہ بنے گا، مگر یہ دیکھ کر اُسے تعجب ہوا کہ اب مخالفت کی جگہ اس کی طرف سے موافقت کے اظہارات شروع ہوگئے تھے۔ اُسنے مدحت آفندی کو طلب کیا۔ گزشتہ معاملات کی معافی چاہی اور سلطان عبد المجید سے بھی سفارش کی کہ اس کی پچھلی خدمات کے اعتراف میں وزارت کا اعزازی رتبہ بخشا جائے، اور صوبۂ نیش کی حکومت سپرد کردی جائے۔ چنانچہ ١٢٧٧ھ میں مدحت آفندی اس صوبہ کا والی مقرر ہوگیا۔ اور سلطان عبد المجید کی وفات تک اسی منصب پر مامور رہا۔

سلطان عبد العزیز

سلطان عبد العزیز کے آخری عہد میں سلطنت عثمانیہ کی حالت از حد زبوں ہوگئی۔ ہر طرف داخلی شورشیں برپا ہوگئیں، اور یورپ نے متحد ہوکر از سر نو دباؤ ڈالنا شروع کردیا۔

بدقسمتی سے سلطان، اپنے وزیر اعظم محمود ندیم پاشا کے قبضہ میں تھے۔ اور ندیم پاشا، روسی سفیر جنرل اگناٹیف کے اشاروں پر حرکت کررہا تھا۔ ترکی قوم اس حقیقت سے واقف ہوگئی تھی اور ندیم پاشا کی معزولی کا مطالبہ کررہی تھی۔ مگر سلطان نے کانوں میں تیل ڈال لیا تھا، نہ کسی کی نصیحت سنتا تھا نہ کسی فریاد پر توجہ دیتا۔

اُسی زمانے میں خبر مشہور ہوئی کہ سلطان، ۴۰ لاکھ پونڈ کا ایک نیا قرضہ لینے والے ہیں۔ عام رائے اس خبر سے نہایت برہم ہوئی۔ کیونکہ سلطان کے اسراف نے سلطنت کا تمام خزانہ خالی کردیا تھا اور قرضوں کا ناقابل برداشت بوجھ پہلے ہی سے ملک کی گردن توڑ رہا تھا۔

اسی اثناء میں صوبۂ ہرزی گوینا کا مسئلہ پیش آیا۔ یہ محض حکومت کی غفلت کا نتیجہ تھا۔ عام رائے اب اور بھی زیادہ برہم ہوگئی۔ چند دن بعد خبریں آنا شروع ہوئیں کہ بلقان میں بغاوت پھوٹ پڑی ہے اور اُسکے شعلے، ادرنہ تک پہنچ گئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ آستانہ میں بلقان کے مسلمان طالب علموں کے پاس خطوط پہنچے کہ "باغیوں نے ہمارے گھر لوٹ لئے۔ اور عزیز و اقارب قتل کرڈالے" طالب علموں نے یہ وحشت ناک خبریں سنیں تو جوش میں آگئے۔ اُن کے جوش نے شہر کی تمام مسلمان آبادی میں بھی ہیجان پیدا کردیا۔ لوگوں کو پہلے سے یقین تھا کہ حکومت، بلقان کے معاملات سے غفلت برت رہی ہے، اور ندیم پاشا روس کے اشارے سے یہ سب کچھ کررہا ہے۔ روس کا مقصد یہ تھا کہ اس بہانے سے اُسے مداخلت کا موقعہ ملے۔

بلقانی طالب علموں کے ساتھ ہزاروں مخلوق باب عالی کی طرف روانہ ہوئی اور وزیر اعظم سے ملاقات کا مطالبہ کیا۔ وزیر اعظم نے یہ حالت دیکھی تو ڈر گیا، اور سلطان کو مشورہ دیا کہ نئی وزارت کا اعلان کرکے عوام الناس کا جوش ٹھنڈا کردیں۔ چنانچہ محمود ندیم پاشا اور حسن آفندی شیخ الاسلام، دونوں معزول کردئیے گئے۔ رشدی پاشا وزیر اعظم مقرر ہوئے اور خیر اللہ آفندی شیخ الاسلام بنائے گئے۔ نیز مدحت پاشا بھی رتبۂ وزارت کے ساتھ مجلس اعلیٰ کا رکن مقرر ہوگیا۔

لیکن وزارت کی تبدیلی سے حالات میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔ ندیم پاشا اگرچہ معزول کردیا گیا تھا، لیکن محض ایک سطحی تبدیلی تھی۔ سلطان بدستور ندیم پاشا کے ہاتھوں میں تھا۔ ندیم پاشا روسی سفارت خانہ سے احکام حاصل کرتا، اور انکے مطابق سلطان کو مخفی مشورے دیتا رہتا۔

عام رائے نے جلد معلوم کرلیا کہ ندیم پاشا امروز فردا ہی میں پھر برسر حکومت آجائے گا۔ اُس کی معزولی، محض ایک دکھاوے کی کارروائی ہے۔ اسی اثنا میں روسی سفیر جنرل اگناٹیف نے ہر طرف مشہور کردیا کہ دار السلطنت میں عنقریب بغاوت ہونے والی ہے۔ مسلمان عیسائیوں کے قتل کی عام طیاری کررہے ہیں۔ ساتھ ہی اُسنے یہ بھی کیا کہ اپنی جگہ سے سو مسلح نوجوان بلا کر اپنی سفارت کی حفاظت کے لئے مقرر کردئیے۔ اس کارروائی نے تمام شہر میں تشویش پیدا کردی۔ قسطنطنیہ کی مسیحی آبادی نے کاروبار بند کردیا اور شہر چھوڑ دینا چاہا۔ ان کارروائیوں سے روسی سفیر کا مدعا یہ تھا کہ ندیم پاشا کی دوبارہ وزارت کے لئے میدان صاف کرے۔ وہ یہ دکھلانا چاہتا تھا کہ نئی وزارت امن و امان قائم نہیں رکھ سکتی، اور مسیحی رعایا کے لئے خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔

ترکوں نے یہ حالت دیکھی، تو وہ مرعوب نہیں ہوئے، اُنھوں نے خود سلطان کے معزول کردینے کا ارادہ کرلیا۔ کیونکہ اب وہ سمجھ گئے تھے کہ اس شخص کی موجودگی میں کسی قسم کی اصلاح ممکن نہیں۔

یہ خبر ہوا کی طرح بازاروں میں پھیل گئی۔ وہاں سے قصر شاہی پر پہنچی۔ سلطان بہت پریشان ہوئے۔ والدہ سلطان نے مدحت پاشا کے پاس اپنا معتمد علیہ خواجہ سرا جوہر آغا بھیجا اور دریافت کیا کہ قوم کی ناراضی دور کرنے کے لئے کونسا طریقہ مفید ہوسکتا ہے؟

مدحت پاشا نے فوراً اصلاحات کا ایک مسودہ طیار کیا اور سلطان کی خدمت میں یہ کہکر پیش کیا کہ اسے جاری کردینے سے عام رائے مطمئن ہوجائے گی۔ مگر سلطان کی نخوت نے اُسے منظور نہ کیا۔

اس تمام مدت میں سلطان، محمود ندیم پاشا کے مشورہ پر چلا کرتا رہا اور محمود ندیم، جیسا کہ بیان ہوچکا ہے، روسی سفیر کی انگلیوں پر ناچ رہا تھا۔ محمود ندیم نے سلطان کو ترغیب دی کہ حسین عونی پاشا کو ملا

بصائر و حکم

عالم انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

اکابر تاریخ اسلام کی مختصر وفیات

حضرت امام شافعیؒ

امام مزنی کہتے ہیں، جس دن حضرت امام شافعی رح نے انتقال کیا اُس کی صبح کو میں عیادت کے لئے حاضر ہوا تھا۔

"مزاج کیسا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

اُنھوں نے ٹھنڈی سانس لی:

"دُنیا سے جا رہا ہوں، دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں، موت کا پیالہ مُنہ سے لگا ہے۔ نہیں علوم میری روح جنت میں جائے گی کہ اُسے مبارک باد دوں، یا دوزخ میں جائے گی کہ اُسے تعزیت پیش کروں؟"

پھر یہ شعر پڑھے:

ولما قسا قلبی وضاقت مذاہبی جعلت الرجا منی لعفوک سلما

اپنے دل کی سختی اور اپنی بیچارگی کے بعد میں نے تیری عفو پر اپنی امید کو سہارا بنا لیا ہے۔

تعاظمنی ذنبی فلما قرنتہ بعفوک ربی کان عفوک اعظما

میرا گناہ میری نظر میں بہت ہی بڑا تھا، مگر جب تیرے عفو کے مقابلے میں اُسے رکھا، تو اے رب، تیرا عفو زیادہ بڑا نکلا۔

۲۰۴ھ (۸۱۹ء) میں وفات پائی۔

مامون الرشید

نزع کے وقت جاحظ عیادت کو حاضر ہوا۔ کسی جانور کی کھال کا بچھونا بچھا تھا۔ بچھونے پر ریت پڑی تھی، اور خلیفہ ریت پر لوٹ رہا تھا۔ یہ الفاظ زبان پر تھے:

"اے وہ جس کی بادشاہی کبھی زائل نہ ہوگی، اُس پر رحم فرما جس کی بادشاہی جا رہی ہے! اے وہ جو کبھی نہیں مرے گا، اُس پر رحم کر جو مر رہا ہے!"

جاحظ نے کہا "خدا امیر المومنین کا ثواب زیادہ کرے اور تندرستی بخشے!"

"میری تندرستی کی دعا نہ کرو" مامون نے فوراً کہا "بلکہ میرے لئے مغفرت کی دعا کرو"

پھر کہا "خدایا! تو نے ہمیں حکم دئے اور ہم نے نافرمانی کی۔ تو مجھے بخش دے کیونکہ تو بڑا ہی رحیم ہے" اس پر روح پرواز کر گئی

۲۱۸ھ (۸۳۳ء) میں وفات پائی۔

حکیم ابو العتاہیہ

مشہور زاہد و حکیم شاعر ابو العتاہیہ سے موت کے وقت پوچھا گیا۔

"کوئی خواہش باقی ہے؟"

کہا "ہاں، میری خواہش یہ ہے کہ مغنی "مخارق" آئے اور میرے سرہانے میرے یہ شعر گائے:

اذا ما انقضت منی من الدہر مدتی فان عزاء الباکیات قلیل!

جبکہ دنیا میں میری زندگی کی مدت ختم ہو چکی ہے تو رونے والیوں کی تعزیت بھی بہت کم ہے۔

سیعرض عن ذکری وتنسی مودتی ویحدث بعدی للخلیل خلیل!

سب میرے خیال سے مُنہ پھیر لیں گے، میری محبت بھول جائیں گے۔ میرے بعد بھی دوست اپنے دوستوں سے باتیں کرینگے۔

۲۲۱ھ (۸۳۵ء) میں انتقال کیا۔

خلیفہ واثق باللہ

خلیفہ واثق باللہ نے مرتے وقت یہ شعر پڑھے:

الموت فیہ جمیع الناس تشترک لا سوقۃ منہم یبقی ولا ملک

موت میں سب برابر کے شریک ہیں۔ نہ بازاری لوگ بچیں گے نہ بادشاہ ہی زندہ رہیں گے۔

ما ضر اہل قلیل فی مفاقرہم ولیس یغنی عن الملاک ما ملکوا

غریبوں کو اُن کی قبر میں غربت نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ امیروں کو اُن کی امیری بھی کوئی نفع نہ پہنچائے گی۔

پھر حکم دیا، فرش اُٹھا دیا جائے۔ فوراً تعمیل کی گئی۔ خلیفہ نے اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا اور چلایا:

"اے وہ جس کی بادشاہی لازوال ہے، اُس پر رحم کر جس کی بادشاہی ختم ہو گئی!"

یہ کہتے ہی انتقال ہو گیا (۲۳۲ھ ۸۴۶ء)

خلیفہ منتصر باللہ

خلیفہ محمد منتصر باللہ ایک دن دیبا کے فرش پر بیٹھا تھا۔ اتفاق سے اُس کی نظر ایک فارسی عبارت پر پڑ گئی جو فرش پر کندہ تھی۔ خلیفہ نے اُسے پڑھوایا تو لکھا تھا:

"مجھ شیرویہ بن کسریٰ نے اپنے باپ کو قتل کیا، لیکن اُس کے بعد بادشاہی سے کوئی تمتع حاصل نہ کر سکا"

خلیفہ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ فوراً ہی مجلس سے اُٹھ گیا۔ چند ہی روز بعد بیمار پڑا اور زندگی سے مایوس ہو گیا۔ ماں عیادت کو آئی تو خلیفہ نے کہا "دُنیا اور آخرت دونوں میرے ہاتھ سے نکل گئیں۔ میں نے اپنے باپ کی موت میں جلدی کی، لہٰذا میری موت میں بھی جلدی کی گئی"

پھر یہ شعر پڑھا:

فما فرحت نفسی بدنیا اصبتہا ولکن الی اللہ الکریم اصیر

دنیا کے حاصل ہو جانے سے میری روح کو کوئی خوشی نصیب نہ ہوئی اب میں خدا کی طرف جا رہا ہوں۔

۲۴۹ھ ۔ ۸۶۳ء میں وفات ہوئی۔

امام جاحظ

ادب عربی کا مشہور امام، جاحظ کا جب وقت آخر ہوا تو ابو العباس المبرّد عیادت کو گیا۔

مزاج پرسی کے جواب میں جاحظ نے کہا:

"وہ شخص کیسا ہو گا جس کا آدھا دھڑ سُن ہو گیا ہو حتیٰ کہ اگر آرے سے بھی چیر دیا جائے تو اُسے پتہ نہ چلے؟ اور آدھا دھڑ اتنا حسّاس ہو گیا ہو کہ اگر مکھی بھی اُس کے قریب اُڑے تو درد محسوس کرنے لگے؟"

پھر یہ شعر پڑھے:

أترجو ان تکون، وانت شیخ کما قد کنت ایام الشباب؟

کیا تو آرزو کرتا ہے کہ اب بڑھاپے میں بھی ویسا ہی ہو جائے جیسا جوانی کے دنوں میں تھا؟

لقد کذبتک نفسک لیس ثوب دریس کالجدید من الثیاب؟

تیرا نفس جھوٹا ہے۔ پرانا کپڑا نئے کپڑے کی طرح کیونکر ہو سکتا ہے؟

۲۵۵ھ (۸۶۹ء) میں انتقال کیا۔

خلیفہ معتضد باللہ

سولہواں عباسی خلیفہ، معتضد باللہ سخت ظالم و مستبد تھا۔ وفات کے وقت اپنا مرثیہ اُس نے یوں پڑھا:

تمتع من الدنیا فانک لا تبقی وخذ صفوہا ما ان صفت ودع الرنقا

دنیا سے لطف اُٹھا لے کیونکہ تو باقی نہیں رہے گا۔ اُس کی بھلائی لے لے اور بُرائی چھوڑ دے!

ولا تامن الدہر الذی قد امنتہ فلم یبق لی حالا ولم یرع لی حقا

اُس دُنیا پر ہرگز بھروسہ نہ کرنا جس پر میں نے بھروسہ کیا تھا دیکھ اُس نے مجھ سے بیوفائی کی اور کسی حق کا بھی خیال نہ کیا۔

قتلت صنادید الرجال ولم ادع عدوا، ولم امہل علی طغیہ خلقا

میں نے بڑے بڑے بہادر مارے۔ کوئی دشمن نہ چھوڑا۔ کسی کو بھی اُس کی سرکشی پر باقی نہ رہنے دیا۔

واخلیت دار الملک من کل نازع فشردتہم غربا، ومزقتہم شرقا!

میں نے پایۂ تخت تمام مخالفوں سے خالی کر دیا، اُنھیں پراگندہ کر کے مشرق و مغرب میں پھیلا دیا۔

فلما بلغت النجم عزا ورفعۃ وصارت رقاب الخلق اجمع لی رقا

لیکن جب میں اپنی عزت و رفعت میں ستاروں تک پہنچ گیا اور تمام مخلوق کی گردنوں میں میری غلامی کا طوق پڑ گیا،

رمانی الردی سہما، فاخمد جمرتی فہا انا ذا فی حفرتی عاجلا القی!

تو ایسا ہوا کہ موت نے مجھ پر ایک تیر چلایا اور میری آگ بجھا دی۔ دیکھ، اب میں عنقریب ہی اپنے گڑھے میں ڈالا جانے والا ہوں۔

ولم یغن عنی ما جمعت، ولم اجد لذی ملک سہما، ولا راغب رفقا

میرے جمع کئے ہوئے خزانے میرے کام نہ آئے۔ دولت کے بیزار ہونے والے اور دولت کے لالچی، کسی نے بھی ہمدردی نہ کی!

فیا لیت شعری بعد موتی ما القی الی نعم الرحمن ام نار ہ القی؟

آہ کاش! میں جان لیں، موت کے بعد اللہ کی نعمتیں پاؤں گا، یا دوزخ میں جھونک دیا جاؤں گا؟

۲۸۹ھ (۹۰۲ء) میں انتقال کیا۔

والپسی کے لئے جرمنی میں میدان طیار ہوچکا ہی، خود قیصر کی ذہنیت کیا ہی؟ یہاں کے اخباروں نے حال ہی میں قیصر کی ایک گفتگو شایع کی ہی۔ اُسنے یہ گفتگو ایک انگریز ممبر پارلیمنٹ سے کی تھی۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہی:

دُنیا کی آیندہ جنگ

"دس برس گزرنے سے پہلے"، قیصر نے کہا "دنیا کو ایک اور عظیم جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس جنگ میں یورپ کی تمام سلطنتیں شریک ہوں گی۔ کوئی بھی اُس سے علٰحدہ نہ رہ سکے گی۔ میں یہاں اپنی جلاوطنی کی جگہ سے بیٹھا دیکھ رہا ہوں کہ مغرب کے افق سے ایک ہولناک جنگ کی گھٹائیں اُٹھ رہی ہیں۔ یہ ایسی سخت جنگ ہوگی جس کے سامنے پچھلی جنگ ہیچ ہوجائے گی۔ تمام دنیا خون میں غرق ہوجائے گی۔ بہت سے ملک ویران ہوجائینگے۔ بہت سی سلطنتیں ناپید ہوجائیں گی۔ دُنیا کی تمام قومیں اُس کی مصیبت سے چیخ اُٹھیں گی۔ ایسی مصیبتیں جن سے عالم انسانیت اب تک ناواقف ہی۔ یقیناً یہ جنگ نہایت ہیبتناک ہوگی کیونکہ اُس کے ظہور کے وقت دُنیا کی تمام قومیں پُورے طور پر نئے اسلحہ سے آراستہ ہوں گی"

"ہاں، میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام قومیں جنگ کی طیاریاں کر رہی ہیں۔ مجلس اقوام کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ محض سیاسی تفریح کا ایک نیا سامان ہی۔ اُس کے امن کے وعظوں پر قومیں ہنستی ہیں ... تمام سلطنتیں جنگی جہاز، آبدوز کشتیاں، اور ہوائی بیڑے طیار کر رہی ہیں۔ مختلف قسم کے جدید گیس ایجاد کئے گئے ہیں جو اب تک غیر معلوم تھے۔ قومیں نہایت اخفار کے ساتھ ان جہنمی مواد کے تجربے کر رہی ہیں۔ ہر سلطنت نے مہلک ہتیاروں اور گیسوں کے بکثرت ذخیرے جمع کرلئے ہیں تاکہ جب جنگ کا بگل بجے تو پُوری طرح طیار ثابت ہوں" یہ تمام طیاریاں کیوں ہیں؟ جواب دیا جاتا ہی مدافعت کے لئے! مگر جنگ کا کس طرف سے اندیشہ ہی جبکہ ہر سلطنت مدافعت ہی کی طیاری کر رہی ہی؟"

"تھوڑے دن ہوئے، ایک معزز انگریز میری ملاقات کے لئے یہاں آیا۔ دوران گفتگو میں نے پُوچھا، آخر یہ ہر طرف جنگی طیاریاں کیوں ہو رہی ہیں؟ اُس نے جواب دیا "اصلی خطرہ مشرق میں ہی۔ جنگ عمومی کے بعد مشرقی قومیں بیدار ہوگئی ہیں اور مغربی حکومتوں کے خلاف طیار ہو رہی ہیں۔ اُن کی ہولناک بغاوت کے خوف سے یورپ جنگی طیاری پر مجبور ہوگیا ہی!"

"میں اس جواب پر ہنس پڑا۔ میں نے کہا مغربی قومیں، مشرقی قوموں سے ہرگز خائف نہیں ہیں۔ دراصل وہ آپس ہی میں ایک دوسرے سے ڈرتی ہیں۔ مغربی قوموں میں باہم سخت حسد اور منافست ہی۔ سیاسی مدبر ایک دوسرے سے چکنی چُپڑی باتیں کرتے ہیں۔ مگر حکومتوں کے وزیر اور فوجوں کے سپہ سالار آیندہ جنگی میدانوں کے نقشے بنانے میں مصروف ہیں۔ ایک طرف سفرا اور دل کھڑے زیتون کی شاخ ہلا رہے ہیں (یعنی امن پسندی کا اظہار کر رہے ہیں) دوسری طرف بحری سپہ سالار جدید ترین آبدوزوں اور جہنمی مادّوں کے تجربے کر رہے ہیں۔ اُن کی کوشش ہی کہ کسی طرح زہریلی گیس سمندر کی موجوں پر پھیلانے میں بھی کامیابی حاصل کرلیں!"

"ہوابازوں نے محیط اٹلانٹک کے عبور کی کوشش شروع کردی ہی ہر ہفتے ہم ایک نئی کوشش کی خبر سنتے ہیں۔ کرنل لنڈبرگ نے اپنی حیرت انگیز جرأت سے ثابت کردیا ہی کہ محیط اٹلانٹک، پیسیفک، یا محیط ہندی کا ہوائی جہاز سے عبور کرنا ناممکن نہیں ہی۔ آیندہ جنگ ایسے ہواباز پیدا کرے گی جو سمندر کی موجوں پر ہنسیں گے، اور اپنے عمل سے ثابت کر دیں گے کہ سمندر پار رہکر بھی کوئی قوم جنگ کی ہولناکیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتی"

"میرے عہد حکومت میں کونٹ زیپلن نے ایک دن مجھ سے کہا اگر جرمنی کے پاس زیپلن وضع کے ۵۰۰ ہوائی جہازوں کا بیڑا ہوجائے، تو تمام دُنیا پر جرمنی کی برتری قائم ہوسکتی ہی۔ اگر اعلیٰ حضرت کی حکومت ضروری مصارف مہیا کردے تو میں ایک سال کی مدت میں پانسو جہاز طیار کردے سکتا ہوں۔ ایک سال اور ایک ہفتہ کے بعد جرمنی تمام دُنیا پر حکومت کرے گا!" لیکن مجلس حکومت نے یہ تجویز منظور نہیں کی"

"اگر میرے لئے پیشین گوئی کرنا جائز ہو، تو میں بعض اُن قوموں کے نام بھی بتلا دے سکتا ہوں جو آیندہ جنگ میں حملہ آورانہ یا مدافعانہ شرکت کریں گی۔ لیکن ایک جلا وطن بادشاہ کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ وہ اُنگلی اُٹھا کر اُن قوموں کی طرف اشارہ کرے جو جنگ کا تنور سلگا رہی ہیں!"

"آیندہ جنگ کئی سال تک جاری نہیں رہے گی جیسی کہ پچھلی جنگ تھی۔ آیندہ جنگ میں ہر کام بجلی کی سی تیزی سے ہوگا۔ جنگ کا صُور پھُنکتے ہی تاربرقی اور بے تار برقی کے آلات میں حرکت ہوگی، اور چشم زدن میں تمام جنگجو قوتیں اُٹھ کھڑی ہوں گی۔ غیر مرئی آبدوزیں اپنی جگہوں سے نکل پڑیں گی۔ ہولناک ہوائی بیڑے آسمان کی سطح پر چھا جائیں گے۔ قتل و ہلاکت کے سامان حیرت انگیز سرعت سے منتقل ہونے لگیں گے، اور چند گھنٹوں کے اندر خشکی اور تری کی تمام زندگیاں موت سے بدل جائیں گی۔ پچھلی جنگ میں ایک جہاز کے غرق ہونے میں جتنی دیر لگتی تھی، اُس سے سوگنا جلد غرقابی عمل میں آئے گی۔ اس جنگ میں وہی قوم کامیاب ہوگی، جو سب سے پہلے اپنی آبدوزیں اور ہوائی بیڑے میدان میں پہنچا سکے گی، تاکہ سب سے پہلے اپنی جہنمی فرائض ادا کر دے!"

"مستقبل کی جنگ میں فوجیں، عقابوں کی طرح اچانک ٹوٹ پڑیں گی۔ اگر تمام سلطنتیں سرعت عمل میں برابر نہ ہوں گی، تو کامیابی پیشقدمی کرنے والی سلطنت کو حاصل ہوگی۔ بہت ممکن ہی، اُس جنگ میں بڑی بڑی سلطنتوں کی پُوری قوت صرف ۴۸ گھنٹے میں برباد ہوجائے!"

"یہ اس لئے کہ مستقبل جنگ کے طریقے بہت ہی سریع اور ہولناک ہونگے۔ اس جنگ میں سب سے زیادہ ضروری اور مفید عنصر جاسوسوں کا ہوگا۔ یہ عنصر اس وقت بھی ہر سلطنت کے یہاں بہت بڑی وسعت کے ساتھ موجود ہی۔ ہر سلطنت دوسری سلطنت کی طیاریاں اپنے جاسوسوں کے ذریعے معلوم کر رہی ہی۔ جس سلطنت کی اطلاع زیادہ وسیع اور صحیح ہوگی، وہی اُس جنگ میں فتح یاب ہوگی۔ جنگ عمومی سے پہلے اور اُس کے دوران میں جرمنی کا محکمۂ جاسوسی بہت مکمل تھا۔ ہمارے جاسوس دُنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس محکمہ کی نگرانی خود میں نے اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ میں تمام بڑے بڑے جاسوسوں سے براہ راست ملتا اور نہایت غور اور محنت سے اُن کی خفیہ رُوداد یں مطالعہ کیا کرتا۔ دُنیا میں ہر لمحے جو کچھ بھی ہوتا تھا، اُس کا علم مجھے حیرت انگیز سرعت سے ہوجایا کرتا تھا"

"میں خوب جانتا ہوں کہ اسوقت دُنیا میں جاسوسی، پہلے سے کہیں زیادہ موجود ہی۔ خاص طور پر روس کا محکمۂ جاسوسی سب سے زیادہ منظم ہی۔ میں اُن تمام سلطنتوں کے نام گِنا سکتا ہوں جن کے جاسوس دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں حتیٰ کہ یہاں خود میرے گرد بھی اُن کے جاسوسوں کا ہجوم ہی۔ وہ خیال کرتی ہیں، میرا وجود اُن کی سلامتی کے لئے خطرہ ہی۔ حالانکہ اگر ان سلطنتوں کو عقل ہوتی تو وہ جان لیتی کہ اس بڑھاپے میں میری سب سے بڑی آرزو یہ ہی کہ اپنی حکومت پر واپس جاؤں اور دُنیا کو ایک نیا سبق دوں۔ حرب و ضرب کا نہیں، صلح و آشتی کا!"

"جنگ دنیا میں ہمیشہ باقی رہیگی کیونکہ انسان کی فطرت میں طمع و حرص کے جذبات راسخ ہیں۔ جنگ کو معدوم کرنے کی کوششیں بالکل بے کار ہیں۔ ہاں جنگ کو کم کرنے کی کوششیں مفید ہوسکتی ہیں اگر میں اپنے قدیم تخت پر ہوتا، تو دنیا کو امن و سلامتی کا ایک نیا راستہ دکھا سکتا تھا۔ لیکن میں دنیا سے الگ کردیا گیا ہوں۔ سلطنتیں میری ہلاکت کی کوشش کر رہی ہیں، حالانکہ اس سے اُنھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اگر وہ مجھ سے مشورہ کریں اور مجھے جرمنی واپس جانے دیں، تو میں اُنھیں بہت کچھ نفع پہونچا سکتا ہوں"

برلن ۲۸ ر ستمبر ۱۹۲۷ء

معاہدۂ حجاز و برطانیہ

"برید شرق" میں ہم ایک مراسلت درج کرچکے ہیں جس میں معاہدۂ حجاز و برطانیہ کی تمام تفصیلات درج ہیں۔ مراسلہ نگار نے لکھا ہی کہ بعض مسائل جو اس معاہدہ میں طے نہ ہوسکے، ضمیمہ میں اُنکے بحث طلب ہونے کا اعتراف کیا گیا ہی، اور کسی آیندہ مناسب موقعہ کے لئے ملتوی کردئے گئے ہیں۔

اب تازہ ڈاک سے حجاز کا سرکاری جریدہ "ام القریٰ" مورخہ ۲۲ ر ستمبر ۱۹۲۷ء موصول ہوا ہی۔ اسمیں معاہدہ کی وہ عربی نقل بجنسہٖ موجود ہی جو مراسلہ نگار نے ہمارے پاس بھیجی تھی۔ ساتھ ہی وہ خط و کتابت بھی شایع کردی ہی جو بعض مختلف فیہ مسائل کی نسبت فریقین میں ہوئی تھی۔ اس خط و کتابت کا تعلق انہی مسائل سے ہی جنھیں مراسلہ نگار نے "بحث طلب" اور "ملتوی شدہ" قرار دیا ہی۔

پہلا خط سر گلبرٹ کلیٹن کا (مورخہ ۱۹ ر مئی ۱۹۲۷ء) ہی جسمیں وہ لکھتا ہی: "آپکی تجویز ہی کہ معاہدہ میں ایک دفعہ اس مضمون کی بڑھا دی جائے کہ حکومت برطانیہ کی جانب سے وہ تمام رکاوٹیں دُور کر دی جائیں گی جو اسلحہ اور جنگی مواد کے خریدنے اور منگوانے میں حائل ہوسکتی ہیں۔ میں آپکو حکومت برطانیہ کی جانب سے یہ اطلاع دینے کی عزت حاصل کرتا ہوں کہ اس بارے میں کسی دفعہ کے بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اور مجھے اجازت دی گئی ہی کہ میں آپ کو اطمینان دلادوں کہ جزیرۃ العرب کو جنگی مواد بھیجنے کی ممانعت اب اُٹھا دی گئی ہی، اور اگر آپکی حکومت چاہی تو وہ انگلستان کے کارخانوں سے ہر طرح کا سامان جنگ منگوا سکتی ہی۔ برطانی حکومت کی جانب سے کوئی رکاوٹ اسمیں ڈالی جائے گی"

اس کے جواب میں حکومت حجاز کی جانب سے ۱۹ ر مئی کو لکھا گیا:

"آپکے اس اطلاع کے جواب میں کہ "جزیرۃ العرب میں اسلحۂ جنگ کی خرید اور انکا ورود آپکی حکومت کی جانب سے ممنوع نہیں ہی" شکریہ ادا کیا جاتا ہی"

دوسرے خط میں حجاز کے حدود کا ذکر ہی۔ حکومت حجاز معترض تھی کہ عقبہ اور معان حجاز کے حدود میں داخل ہیں۔ برطانیہ حجاز اور شرق الاردن کی حدود طول بلد ۳۸ شرقی اور عرض بلد ۲۵، ۲۹ شمالی قرار دیتا تھا جس سے یہ مقامات نکل جاتے تھے۔ اسپر ۱۸۔ ذی قعدہ کو حکومت حجاز کی جانب سے لکھا گیا۔

"آپکے خط سے معلوم ہوا کہ حکومت برطانیہ اپنی رائے پر مُصر ہی۔ چونکہ بحالت موجودہ اس نزاع کا آخری فیصلہ مشکل ہی، اس لئے ہم اسکے لئے طیار ہیں کہ یہ مسئلہ بالفعل ملتوی کردیا جائے، اور آیندہ کسی مناسب موقعہ پر اس کا آخری فیصلہ عمل میں آئے"

اس خط و کتابت سے معلوم ہوا کہ جہاں تک مسئلہ اسلحہ کا تعلق ہ[ے] ... م تھا، جو طائف حکومت اسپر آمادہ نہ ہوئی کہ معاہدہ میں صاف صاف اپنا موقف ظاہر کرے۔ اور جہاں تک عقبہ و معان کا تعلق ہی، موجودہ صورت حال جاری رہیگی۔ برطانیہ نے اس بارے میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہا ہی جس سے ثابت ہو کہ وہ اس مسئلہ کو از سر نو زیر بحث تسلیم کرتا ہی۔ البتہ حکومت حجاز*

*نے آیندہ کے لئے دروازہ کھلا چھوڑ دیا ہی اور اپنا حق اعتراض محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہی۔

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۹ [illegible] : جمعه ۱ . جمادی الاولی ۱۳۴۶ هجری جلد ۱

Calcutta : Friday, 28, October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نهین ؟

آج کوئی زبان ترقی نهین کر سکتی اگر وه اپنا ترقی یافته طریق طباعة نهین رکھتی .
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نهین که حروف کی چهپائی اختیار کی جای .
پتهر کی چهپائی مین محدود رهکر اردو کی طباعة کبهی ترقی نهین کر سکتی .

اردو کی سب سی بهتر حروف جو اس وقت تك بن سکی هین ، وه هین جن مین الهلال چهپتا هی . اور عربی کا بهترین خط نسخ وه هی جس مین یه سطرین کمپوز کی گی هین . آپ ان دونون مین سی جسی چاهین پسند کر لین . لیکن پتهر کی چهپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین .

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین إطلاع دیجیی . یاد رکهیی . طباعة کا مسئله آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیاده اهم مسئله هی . ضروری هی که اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین .

الهلال

قاریین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۵۸۰ مراسلات وصول هوی هین . تقسیم آراء حسب ذیل هی :

عربی حروف کی حق مین	۲۲۵	اردو حروف کی حق مین	۴۲۰
موجوده مشترك طباعة کی حق مین	۵۱۴	حروف کی حق مین بشرطیکه	
پتهر کی چهپائی کی حق مین	۲۶۱	نستعلیق هون	۱۵۱۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بهی متفق ظاهر کیا هی .

آراء کی دیکهنی سی معلوم هوا که اس باری مین بعض اهم تفصیلات پر لوگون کی نظر نهین هی . اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت هی . آینده اس باری مین مولانا به تفصیل اپنی خیالات ظاهر کرینگی مگر ضرورت هی که بقیه حضرات بهی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بهیج دین . الهلال

(جدید ترکی)

سنه ۱۳۴۲ ھ (۱۹۲۳ع) سے ابتک

مصطفی کمال پاشا نے نئی قومی حرکت کا علم بلند کیا ' اور عثمانی شہنشاہی کے کھنڈروں پر جدید ترکی سلطنت کی بنیادیں تعمیر کردیں !

ترکوں کو خاص اپنے آبائی وطن پر یونان کی غاصبانہ حکومت سے سخت اذیت ہوئی تھی - وہ کسی طرح بھی یہ ذلت برداشت نہیں کر سکتے تھے - وہ منتظر تھے کہ کوئی مرد میدان آئے ' اور یہ اُسکے زیر علم قومی جہاد شروع کر دیں - ضرورت نے مصطفی کمال پاشا کو پیدا کر دیا ' اور ترکی قوم نے پوری خود فروشی کے ساتھہ اُس کا ساتھہ دیا -

اُس وقت قسطنطنیه پر دول اتحاد کا قبضه تھا - سلطان اُنکے ہاتھہ میں کٹھہ پتلی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا - جوں ھی دول متحدہ نے اناطولیه میں بیچینی دیکھی ' سلطان نے ایک فرمان شائع کرا دیا جس میں مصطفی کمال اور اُسکے تمام ساتھی باغی اور مستحق قتل قرار دیے گئے تھے - یہ پہلا موقعه تھا که ترکوں کو آل عثمان کے خلاف بغاوت کا خیال پیدا ہوا ' اور اُنھوں نے اِس خاندان سے ہمیشه کیلیے پیچھا چھڑا لینے کا عزم کرلیا -

سنه ۱۹۲۰ - میں اناطولیه کی مجلس قومی نے منظم فوج طیار کرنے کا فیصله کیا - اُس وقت تک لوگ کمالیوں کی مجاھدانه جرأت پر ہنستے تھے - یہانتک که سنه ۱۹۲۱ - میں " اَرِیں نو " کے معرکه میں عصمت پاشا نے عظیم الشان فتح حاصل کی - اب دنیا کی نظریں مجلس قومی کی طرف اُٹھہ گئیں - اُسے عزت کی نگاھوں سے دیکھا جانے لگا - وہ ترکی قوم کی نمائندہ تسلیم کرلی گئی !

شروع میں مصطفی کمال پاشا شخصی ترفع و ظہور سے تنفر

سنه ۱۹۰۸ سے ۱۹۳۴ تک!

(۱) محمود شوکت پاشا مرحوم جو اتحاد و ترقی کی دستوری حرکت کے فوجی مظہر تھے - جنھوں نے سنه ۱۹۰۸ میں بغیر کسی کشت و خون کے سلطان عبد الحمید مرحوم کو معزول کردیا -

(۲) غازی مصطفی کمال پاشا جو ترکوں کی جمہوری تحریک کے بانی و زعیم ھیں - انھوں نے سنه ۲۴ - میں نه صرف عثمانی خلیفه بلکه عثمانی خلافت کا منصب ھی ختم کردیا -

ظاہر کرتے رہے - وہ کہا کرتے تھے ' میں یہ مہم ختم کر کے کسی دیہات میں چلا جاؤنگا اور خاموش زندگی بسر کرونگا - لیکن جوں جوں کامیابی یقینی ہوتی گئی ' اُن کے خیالات میں بھی نمایاں تغیرات ہوتے گئے - یہانتک که صاف کہنا شروع کردیا " مجلس قومی کی حکومت ' سلطنت آل عثمان کے کھنڈروں پر قائم کی گئی ھے " اِس تصریح سے اُنھوں نے اپنی نیت کا صاف اظہار کر دیا تھا که اب وہ آل عثمان کی حکومت نہیں چاھتے - پھر فروری سنه ۱۹۲۳ع میں سمرنا کی اقتصادی مؤتمر میں اِس سے بھی زیادہ صاف الفاظ اختیار کیے گئے " اِن سلاطین نے ملک کی تمام دولت اپنی عیاشیوں میں برباد کر ڈالی - قوم کو فقیر اور قلاش کرکے چھوڑ دیا ! "

اُنھوں نے یہی نہیں کیا که انگورہ کو حکومت کا مرکز قرار دیا اور خود مجلس کے صدر منتخب ہو گئے ' بلکه مجلس میں اپنی ھی جماعت کو اکثریت بھی دلائی - اب اُنکے اختیارات بے روک تھے - اُنھوں نے فوراً آلِ عثمان کی حکومت ختم کرکے جمہوریت کا آخری اعلان کر دیا ' اور خود جمہوریت کے پہلے صدر منتخب ہو گئے !

کمالی اصلاح کی راہ میں " خلافت " ایک روک سمجھی جاتی تھی - چنانچه اُسے بھی اُنھوں نے ھٹا دیا - پھر قوانین سلطنت کی بھی ترمیم و تنسیخ کی - ملک کی اجتماعی زندگی کی ہر شاخ میں بھی انقلاب عظیم پیدا کردیا - اب وہ ایک ایسے راسته پر چل رہے ھیں جو اُنکے نزدیک بہترین راسته ھے - مستقبل فیصله کریگا که یہ راسته صحیح ھے یا غلط ؟ لیکن اس میں شک نہیں که جہانتک ملک کے اجتماعی اور معاشرتی انقلاب اور یورپ کی مقلدانه روح کا تعلق ھے ' اِن کی راہ اعتدال و صواب کی راہ نہیں ھے -

حکومت ترکیہ

اور اُس کے اجتماعی و سیاسی تغیرات

شروع سے ابتک

(۳)

تورانی دور

سنہ ۱۳۳۳ ھ (۱۹۱۵ع) سے سنہ ۱۳۳۷ ھ (۱۹۱۸) تک

" تورانیت " کا بوق پھونکا گیا - ترکی قوم نے اُسے سنا - مگر زیادہ مانوس نہ ہوئی - کیونکہ اِس بوق کے پھونکنے والے اگرچہ

طلعت بے
اتحاد و ترقی کا سر بر آوردہ رکن

نسلاً ترک تھے ' مگر تمام تر بیرونی ممالک کے باشندے تھے ' اور ان پر ترکوں کو پورا بھروسہ نہ تھا - وہ بارہا دھوکے کھا چکے تھے - تورانیت کے اولین علم بردار روسی تاتاری نو جوان تھے جو عہد حمیدی کے بعد ترکی میں آ بسے تھے ' اور تمام ترکی اقوام کو تورانی قومیت کے نام پر جمع کرنے کے خواب دیکھہ رہے تھے - اِن میں سب سے زیادہ سر بر آوردہ شخص ارغلی یوسف اور احمد اغاییف بک تھے -

لیکن چونکہ یہ نئی دعوت دنیا کی موجودہ قوم پرست ذہنیت کے بالکل موافق تھی ' اس لیے بہت جلد توحش دور ہوگیا ' اور جوق جوق ترک اُسکے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے - وزارت داخلیہ ' مشیخۃ اسلامیہ ' اور وزارت اوقاف نے اپنے اپنے خزانوں کے منہہ اُسکی تقویت و تبلیغ کیلیے کھول دیے - یہی نہیں بلکہ تمام سر بر آوردہ اخبارات مثلاً " اقدام " " ترجمان حقیقت " اور " جون ترک " وغیرہ کے صفحات اُسکے لیے وقف ہوگئے - بڑی بڑی انجمنیں مثلاً " ترک یوردو " اور " ترک اُجاغی " وغیرہ قائم کی گئیں -

جاوید بے
اتحاد و ترقی کا سر بر آوردہ رکن جسے گذشتہ انگورہ میں پھانسی دی گئی -

اندرون ملک اور بیرون ملک میں ترکی قوموں کو جگانے کیلیے مبلغین اور دعاۃ بھیجے گئے - غرضکہ ایک نئی حرکت پیدا ہوگئی - جرمنی نے بھی جو اُس وقت تک جنگ میں فتحمند تھی ' اِس تحریک کا خیر مقدم کیا ' اور اُسکے خوشنما اور موثر بنانے میں ساعی ہوگئی -

تھوڑی ہی مدت بعد بظاہر کامیابی کے آثار نظر آنے لگے - اُسی زمانہ میں روس کا انقلاب ظہور میں آیا اور بالشویک حکومت قائم ہوگئی - روس کی تمام ترکی اقوام نے بھی اِس تورانی دعوت کو بڑی گرم جوشی سے لبیک کہا - چنانچہ سنہ ۱۹۱۷ کی تورانی موتمر میں ۸۰۰۰ - نمائندے مختلف ترکی منگولی اقوام کے یکجا ہوئے ' اور بڑے جوش و خروش سے " اتحاد تورانی " کے راگ گائے گئے -

مگر بدقسمتی سے ترکی کو جنگ میں شکست ' انتہائی بڑی - ایسی شکست ' کہ قریب تھا ' ترکی حکومت کا ہمیشہ کیلیے خاتمہ ہو جائے - سنہ ۱۹۱۹ - میں دول اتحاد دارالخلافہ پر قابض ہوگئیں ' اور وہ وقت آگیا کہ یا تو کوئی عجیب اور غیر معمولی قوت پیدا ہوکر ترکی حکومت کیلیے نیا سامان حیات بہم پہنچا دے ؛ یا چھہ سو برس کی یہ تاریخ عظمت و جلال ہمیشہ کیلیے ختم ہو جاے !

جمال پاشا
جو ایام جنگ میں والی شام تھا

کچهه عرصه کے بعد بنو اسرائیل کا زوال شروع هوگیا - اهل اسیریا نے رفته رفته ان کے ممالک - چهین لیے - ادومیا بهي باجگزار بن گیا - اهل اسیریا کو جب میڈیا والوں کے هاتهوں شکست ملي ' تو ان کے ضعف نے نبطیوں کو پیٹرا پر قابض کرادیا - حضرت اسماعیل کے ۲۲ - لڑکے تهے - "نابت" سب سے بڑے تهے - ان سب بهائیوں کي اولاد عرب کے مختلف حصوں میں پهیل گئیں - بنو نابت کو نبطي یا بنو نیابوط بهي کهتے هیں - نبطیوں نے نهایت ترقي کي - ابتداء ان کا پیشه بحري قزاقي تها - بعد کو ایک طاقتور اور متمدن قوم بن گئے - ان کے مکانات عالیشان اور سنگیں تهے - تجارت ' صناعت ' سنگ تراشي ' شیشه سازي ' ظروف سازي ' پارچه بافي ' میں ان کا کوئي ثاني نه تها -

انباط کي سلطنت بهت وسیع تهي - اس کے حدود شمال میں دمشق تک ' غرب میں فلسطین تک ' اور جنوب میں وسط عرب تک پهیلے هوئے تهے - پیٹرا یا رقیم اُن کا دارالسلطنت تها - ادومي و نبطي عهد میں پیٹرا تجارت عالم کا مرکز بن گیا تها - پیٹرا کے عروج کے وقت وادي موسی دنیا کي مشهور ترین شاهراه تهي - کاروانوں کے گهنٹوں کي غیر منقطع جهنکار اور پے درپے قافلوں کے شور و هنگاموں نے اهل روما کو بهي متحیر کردیا تها - انباط کا آخري بادشاه حارث رابع تها - یه بادشاه حضرت یحیی اور حضرت عیسی (علیهما السلام) کا هم عصر تها - اس نے یهودیوں کے بادشاه هیرودتس قاتل حضرت یحیی پر فوج کشي کي ' اور میدان جنگ میں هزیمت دي - پولوس حواري اسي حارث کے یهاں قید تها ' اور جیل خانه سے کسي نه کسي طرح فرار هوگیا تها - حارث کے بعد کوئي طاقتور حکمران پیدا نهیں هوا - دولت انباط اهل روما کي نا قابل تسخیر قوت کي تاب مقاومت نه لا سکي ' اور همیشه کے لیے اپني آزادي کهو بیٹهي -

عهد نامه عتیق میں "سلاع" کے نام سے اس شهر کا تذکره هے - عبراني زبان میں سلاع کے معني پهاڑي کے هیں - جب فراعنۂ مصر کے مظالم نے بنو اسرائیل پر سر زمین مصر تنگ کردي تهي ' و یه شهر بهت زمانه سے آباد تها ' اور پرانا شهر کهلاتا تها - بعض ...ایات میں آیا هے که بنو اسرائیل نے صحرا نوردي سے تنگ آکر اهل ...بٹرا سے پناه کي درخواست کي تهي ' لیکن اُنهوں نے اپنے دروازه ... بد نصیبوں پر بند کردیے - اسي لیے انبیاء بني اسرائیل نے اهل ...ٹرا کے حق میں سخت بد دعائیں کي تهیں -

پیٹرا عرصۂ دراز تک مصري تمدن کے زیر نگیں رها - مصریوں سے ...ل پیٹرا کے تجارتي تعلقات جاري رهتے تهے - ادوم کے بادشاهان ...ی کي شادیاں فراعنۂ مصر کے خاندانوں میں هوتي تهیں - فن ...گ تراشي میں پیٹرا نے مصر سے بهت کچهه سیکها تها - پیٹرا کے ...وان اور متمول طلباء علم و فن کي تکمیل کے لیے مصر کا سفر ...تے تهے - دنیا کے شهروں میں پیٹرا مضبوط ترین شهر سمجها جاتا تها - ...ندر اعظم نے بهي اس کے فتح کے لیے ایک جرار فوج بهیجي ... ' لیکن پهاڑي دیوار عبور نه کرسکي - اگرچه یوناني تلوار پیٹرا کو ... نه کرسکي ' لیکن یوناني تمدن نے اُسے مفتوح کرلیا - یوناني علوم و فنون یهاں رواج پاگئے - پیٹرا کے وسیع تماشه گاهوں ' عریض محلوں ' دلکش باغوں ' اور تجارت سے حاصل کي هوئي عیش وعشرت نے ' اُسے سیاحان وقت کا کعبه سفر بنا دیا تها - یورپ کے لیے روما اور ایشیائے کوچک کے لیے پیٹرا ' یکساں منزلت رکهتے تهے - تجارتي لحاظ سے یه نبطي شهر دنیاء قدیم کا قرطاجنه تها - یا وسطي یورپ کا برلن -

حریص اهل روما پر پیٹرا کي شهرت نهایت شاق گزرتي تهي - بالاخر انهوں نے ایک طاقتور بحري بیڑے کي مدد سے سنه ۱۰۵ ع میں پیٹرا اور اس کے حوالي فتح کرلیے - اب یه حصۂ ملک "اربیبا پیٹرا" کے نام سے روماني سلاطین کا ایک صوبه بن گیا تها - روماني عهد حکومت میں بهي پیٹرا عرصه دراز تک عرب ' فارس ' هند ' فلسطین ' مصر ' اور شام کي کارواني تجارت کا مرکز رها - لیکن بعد کو شاهراه تجارت کي تبدیلي اور روما کے زوال نے پیٹرا کے انحطاط کے دور کا آغاز کر دیا -

(استدراک)

مندرجۂ صدر مقاله مولوي محمد یحی صاحب وکیل بدایوں نے بعض انگریزي رسائل سے اخذ کر کے لکها هے ' جو بعض جزئي ترمیمات کے بعد درج کر دیا گیا - اس سلسله میں چند امور کي وضاحت ضروري هے :

" الدیر "

(۱) پیٹرا کے یه آثار مقامي عربوں میں "رقیم" کے نام سے مشهور هیں - گذشته صدي کے اواخر کے اور حال کے تمام سیاحوں نے اسي نام سے اسکي تحقیقات کي هے - سنه ۱۹۰۶ - میں جب مقام "طابه" کي نسبت حکومت مصر اور دولة عثمانیه میں نزاع هوئي تهي ' اور ایک مشترک ترکي مصري کمشین تحقیقات کے لیے متعین هوا تها ' تو اُسوقت بهي "الرقیم" کے ذکر سے دنیا کے کان آشنا هوے تهے -

(۲) تورات میں بهي "رقیم" کا ذکر موجود هے -

(۳) قرآن حکیم نے سورۂ کهف میں جهاں "اصحاب کهف" کا ذکر کیا هے ' وهاں "الرقیم" کا لفظ بهي آیا هے : ام حسبتم ان اصحاب الکهف و الرقیم کانوا من آیاتنا عجبا ؟ (۱۸ : ۸) کهف کے لفظ کے معني واضح تهے که غار کے هیں ' مگر "الرقیم" کے مفهوم کے تعین میں اختلاف هوا - عربي میں رقیم کے معني ایسي چیز کے هین جو لکهي هوئي هو - اس لیے بعض مفسرین نے خیال کیا که رقیم سے مقصود یه هے که اصحاب کهف کے حالات قلمبند کرلیے گئے تهے - یا اُس غار پر جس میں اصحاب کهف کي نعشیں تهیں ' کوئي کتبه لکهکر لگا دیا هوگا - چنانچه امام بخاري نے حضرت عبد الله ابن عباس کا ایک قول به روایت سعید بن جبیر نقل کیا هے کہ ' اصحاب کهف کا حال ایک پتهر پر کهود کر نصب کر دیا گیا تها - اسي لیے "رقیم" کے لقب سے مشهور هوگئے -

(۴) عجب نهیں اس خیال کا باعث وه عام شهرت هو جو ایشیائے کوچک اور شام کے عیسائیوں میں ایک ایسے هي واقعه کي نسبت موجود تهي - قدیم لاطیني تحریرات میں ایک ایسي تحریر

شهر رقیم کا انکشاف

ام حسبتم ان اصحاب الکهف و الرقیم کانوا من ایا تنا عجبا

(۲)

(قربان گاه)

پهاڑیوں سے تراشي هوئي سیڑهیاں جن میں سے بعض بعض کا طول ایک میل هے ' پیٹرا کي چوٹیوں تک پهونچا دیتي هیں - انمیں سے اکثر سیڑهیاں عهد عتیق کي ارن مرتفع قربانگاهوں سے گزرتي هیں جهاں هزارها سال پہلے اهل پیٹرا اپنے مراسم مذهبي بجا لاتے تھے - ان میں سے بعض آثار تقریباً ایک هزار فیت کي بلندي پر واقع هیں - ایک زینه اوس مندر تک پهنچتا هے جو اسوقت تک " الدیر " کے نام سے موسوم هے - اسکي ڈیڑه سو فیت اونچي گلابي رنگ ایک پهاڑ سے تراش کر بنائي گئي هے - اسکي چوٹي پر بهي ایک صراحي نما ظرف هے - عرب اسے بهي جواهرات کا مخزن کهتے هیں - دوسرا زینه جبل قرباني کا راسته هے - یه پهاڑي بالکل علحده هے - اس پر سے پوري وادي کا منظر نظر آجاتا هے - اسکے بالائي حصه میں دو قربان گاهیں هیں - ایک آگ جمع کرنے کیلیے تهي - دوسري میں ارن جانوررنکا خون جمع هوتا تها جو قربان کیے جاتے تھے - قربان گاه کے قریب قدیم وضع کے دو طویل مربع مینار هیں - پهاڑ کے عقب میں ایک دوسري مرتفع چوٹي هے جسپر ایک صلیبي نائٹ کے قلعه کے بعض آثار نظر آتے هیں - مگر اس نائٹ کا نام معلوم نهیں -

قربان گاه

(مدفن حضرت هارون)

یهاں سے کچهه فاصله پر ایک سیاه پهاڑ کا عکس سا معلوم هوتا هے - اسکي چوٹي پر ایک سفید گنبد تعمیر هے - ریگستاني سورج کي کرنیں اسے اور زیاده چمکدار بنادیتي هیں - اهل عرب کا قول هے که یهي جگه حضرت هارون (علیه السلام) کا مولد و مدفن هے - اس سفید گنبد میں ایک چهوٹي سي مسجد اور چهوٹا سا مقبره بهي هے - یه پهاڑي جبل حور کے نام سے پکاري جاتي هے - اس وادي خاموش میں هر جگه مندروں اور محلوں کي کثرت هے -

(اثري تحقیقات)

ایک صدي کا عرصه هوا ' اسکاٹ لینڈ کے مشهور سیاح عرب ' جان برکات نے اس شهر کا معائنه کیا تها - سنه ۱۸۴۶ء میں هلینا مارتینا نامي ایک سیاح عورت نے بهي یه کهنڈر دیکهے تھے - دو یا تین سال هوئے ' دو جرمن ماهرین آثار نے بهي چند مساحت دانوں کي معیت میں اس وادي کي تحقیقات کي تهي ' اور متعدد نقشے اور خاکے طیار کیے تھے -

(تاریخي حالات)

اگر تورات کے موجوده نسخے پر اعتماد کیا جائے ' تو " رقیم " کي ابتدائي تاریخ حسب ذیل هے :

قطورا حضرت ابراهیم کي تیسري بیوي تهیں - ارن کے بطن سے مدین پیدا هوا - مدین کي اولاد پهلي پهولي ' اور اتني بڑهي ' که بالاخر ایک قوم بن گئي - بنو مدین ' سنه ۱۷۰۰ قبل مسیح میں پانچ قبائلي شیوخ یا ملوک کے زیر نگیں تھے - ایک بادشاه کا نام رقیم تها - پهلي صدي قبل مسیح کا اسرائیلي مورخ یوسیفس لکهتا هے که اسي مدیاني بادشاه نے رقیم آباد کیا تها - اسکا دوسرا نام پیٹرا یونانیوں نے رکها تها - یوناني زبان میں پیٹرا پتهر کو کهتے هیں - غالباً اس شهر کا سنگستاني ماحول اس نام کیلیے محرک هوا هوگا -

مدیاني قوت کے اضمحلال کے بعد بنو ادوم مسلط هوگئے - حضرت ابراهیم کي زوجه اولی ساره کے بطن سے حضرت اسحاق پیدا هوئے تھے - حضرت اسحاق کے دو لڑکے هوئے - یعقوب اور عیص یا ادوم - بنو ادوم انهیں ادوم کي نسل سے تھے -

سلاطین ادوم نے ایک عرصه تک رقیم پر حکمراني کي - آخري ادومي پادشاه هدار کے زمانه میں ادومیوں اور اسرائیلیوں میں سخت معرکه آرائیاں هوئیں - شاول (طالوت) اور حضرت داؤد نے بنو ادوم کو پے در پے هزیمتیں دیں - بالاخر نویں صدي قبل مسیح میں امصیا پادشاه یهود نے رقیم فتح کرلیا -

میں زور سے چلا اٹھی " نہیں ، نہیں ، میں مرد ہونا نہیں چاہتی ! "

" اب یہ زنانہ کپڑے اتار دو " ایک ڈاکٹر نے میرے کندھے پر ہاتھہ رکھکر کہا " اب ہمارا جیسا کوٹ پتلون پہن لو - آج کے بعد یہ ریشمین جرابیں اور اونچی ایڑی کا جوتا نہ پہننا ! اب تم ہماری طرح مرد ہوگئی ہو " !

میری مصیبت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی - مجھے اپنے منگیتر کو یہ ہولناک خبر سنانا ابھی باقی تھا !

" خدایا ! میں کیا کروں ؟ " راستے میں میں خیال کرنے لگی " اپنے منگیتر سے کیونکر کہوں — ؟ اف ! یہ منحوس خبر اسے کیسے سناؤں ؟ "

" میرے دوست " میں نے انتہائی حسرت و یاس سے لڑکھڑاتی آواز میں اپنے عاشق کو مخاطب کیا " اب میں عورت نہیں رہی — ہماری شادی ناممکن ہے ! — "

اس نے قہقہہ مارا اور مجھے ہاتھہ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا - لیکن میں نے سنجیدگی سے تمام واقعہ سنا دیا -

" کیا ؟ " وہ غصہ سے چلایا " کس شیطان نے تم سے یہ کہہ دیا ہے ؟ " میں نے جیب سے طبی سندیں نکال کر اسکے سامنے ڈالدیں - وہ حیرت زدہ رہ گیا - ہم دیر تک حسرت و یاس سے بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے - بار بار اس پر ایک غشی کی سی حالت طاری ہو جاتی تھی - ہم دونوں اپنی پچھلی محبت پر غور کرتے تھے ، اپنے وعدے یاد کرتے تھے ، مستقبل کا خیال کرتے تھے ، اور یہ سب کچھہ ایک خواب سا معلوم ہوتا تھا - ایسی غمناکی یعدی) دنیا میں کبھی واقع نہیں ہوئی ہوگی !

میں اگرچہ اب مرد ہو چکی تھی ، لیکن اپنے منگیتر کی محبت میرے دل میں بالکل اتنی ہی اور ویسی ہی تھی ، جتنی اور جیسی عورت ہونے کی حالت میں ہوسکتی ہے - میری حسرت بے حساب تھی - میں خیال کر رہی تھی کہ میرا عاشق اگر چاہے تو کسی دوسری عورت کو اپنی بیوی بنالے سکتا ہے ، لیکن میں کتنا ہی چاہوں ، اب کسی مرد کو اپنا شوہر نہیں بنا سکتی !

" کچھہ پروا نہیں ! " میرا عاشق جوش سے چلا کر کھڑا ہوگیا - " اگر تم مرد ہوگئی ہو تو کوئی پروا نہیں - میں تم سے اب بھی محبت کرونگا - اگر تم میری بیوی نہیں بن سکتی ، تو دوست تو بن سکتی ہو؟ میں تم سے ایسی محبت کرونگا ، جیسی محبت اس آسمان کے نیچے کسی نے بھی اپنے دوست سے نہیں کی ہوگی ! میں زندگی بھر تمہارے نام پر کنوارا رہونگا ! "

پھر ہم دونوں نے نہایت جوش سے مصافحہ کیا - لیکن کیسا مصافحہ ؟ مردانہ مصافحہ !

جب میں نے پہلی مرتبہ خوبصورت زنانے کپڑے اتار کر مردانے کپڑے پہنے ، تو بے اختیار دل بھر آیا ، اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی - آئینہ میں جب میں نے اپنی صورت دیکھی ، تو رنج و غم کی شدت سے میرا دل قریب تھا کہ پھٹ جائے - آج میں بازاروں میں اپنی سہیلیوں کو زنانہ لباس میں چلتے دیکھکر رشک و حسد سے جل جاتی ہوں - ہر عورت کے نسوانی وجود کا منظر میری آنکھوں کے لیے غم ناک ہے - میرا دل بے اختیار رونے لگتا ہے !

یہ عجیب بات ہے کہ نوجوان مرد جو پہلے مجھہ سے اظہار محبت کرتے تھے اور مجھے اپنے ساتھہ فخر و مباہات سے تھیٹر لیجاتے تھے ، اب مجھہ سے کہتے ہیں ، آؤ ہمارے ساتھہ مل کر نوجوان لڑکیوں سے ملاقاتیں کرو - کیونکہ تم بھی ہماری ہی طرح مرد ہوگئے ہو ! " مگر وہ بالکل نہیں جانتے کہ اگرچہ میں مرد ہوچکی ہوں ، مگر اب تک میرے جذبات نسوانی ہی ہیں - میں ہر خوبصورت لڑکی کو دیکھکر آتش رشک میں جلنے لگتی ہوں - وہ مجھے اپنی رقیب معلوم ہوتی ہے !

میں اب مرد ہونے کے بعد زندگی پر نظر ڈالتی ہوں تو پہلے سے مختلف پاتی ہوں - اب زندگی میرے لیے ویسی رحیم و شفیق نہیں رہی جیسی پہلے تھی - اب خود مجھے دوسروں کی حمایت کرنے کے فرائض ادا کرنا پڑتے ہیں - حالانکہ پہلے دوسرے لوگ میری حمایت کرنے کی فکر میں رہتے تھے - مجھے اپنی تزئین و آرائش کے سوا کوئی فکر نہ تھی - اب مجھے اپنے ساتھہ تھیٹر جانے والی عورتوں کے مصارف اپنی جیب سے ادا کرنا پڑتے ہیں ، حالانکہ پہلے میرے مصارف دوسروں کے ذمے ہوا کرتے تھے - لیکن ساتھہ ہی مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ اب میری آزادی پہلے سے بہت زیادہ ہوگئی ہے - اب میں اپنی زندگی کی مالک ہوں - آزادی سے جہاں چاہوں جاسکتی ہوں ، اور جتنی دیر چاہوں ، گھر سے باہر رہ سکتی ہوں -

شروع میں خیال تھا کہ نوجوان مرد اور نوجوان عورتیں ، دونوں مجھہ سے نفرت کرینگے - میری یہ جنسی تبدیلی کسی کو بھی پسند نہیں آئے گی - مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ میرا خیال غلط تھا - دونوں گروہ مجھے پسند کرتے ہیں - مرد اس لیے کہ مرد ہوگئی ہوں اور ان کی صحبتوں اور گفتگوؤں میں مرد کی طرح حصہ لینے لگی ہوں - عورتیں اس لیے کہ پہلے میں انھی کی طرح عورت تھی میری طرف زیادہ رغبت کا اظہار کرنے لگی ہیں اور مجھہ سے محبت کی طالب ہیں - لیکن عورتوں کی یہ حرکت مجھے بالکل نہیں بھاتی ، کیونکہ اگرچہ طبیبوں نے میرے مرد ہو جانے کا فیصلہ کردیا ہے - مگر میرا احساس ہنوز یہی ہے کہ میں عورت ہوں !

جونہی اخبارات نے میری اس " بد نصیبی " کی خبر شائع کی ، یورپ کے مختلف شہروں سے تقریباً پچاس درخواستیں عورتوں نے میرے پاس بھیج دیں - جن میں لکھا تھا کہ وہ مجھہ سے شادی کرنے کے لیے طیار ہیں - مجھے بہت تعجب ہوا کہ وہ مجھہ سے شادی کیوں چاہتی ہیں ؟ سب نے بالاتفاق لکھا تھا " ہم تم سے اس لیے شادی پسند کرتے ہیں کہ تم پہلے عورت تھیں ، اس لیے عورتوں کے احساسات و جذبات سے بخوبی واقف ہو - تم دنیا کے تمام مردوں سے زیادہ بہتر شوہر بن سکتی ہو "

لیکن میں کسی عورت سے بھی شادی کرنا نہیں چاہتی - میں نے قسم کھا لی ہے کہ اپنے منگیتر سے محروم ہو جانے کے بعد اسی کی طرح میں بھی عمر بھر بغیر شادی کے رہوں گی !

تمام طبیبوں کا بیان ہے کہ میری یہ تبدیلی نہایت ہی حیرت انگیز ہے - جرمنی کی ایک یونیورسٹی مجھے ایک ہزار پونڈ اس شرط پر دے رہی ہے کہ موت کے بعد اپنی نعش اس کے حوالہ کر دوں اور وہ میری جسمانی ساخت کا معائنہ کرسکے - ہر طرف سے لوگ مجھے لکھہ رہے ہیں کہ اگر میں دنیا کا دورہ کروں تو بڑی دولت جمع کرلونگی - ایک سینما کمپنی کی بھی درخواست آئی ہے - وہ میری تصویریں لیکر تماشا گاہوں میں دکھانا چاہتی ہے - لیکن میں اس قسم کی کوئی بات بھی منظور نہیں کرونگی - میں اپنے جسم کو مال جمع کرنے کا آلہ بنانا نہیں چاہتی ! "

بریدِ فرنگ

اس وقت تک موجود ہے - خیال کیا جاتا ہے کہ پانچویں صدی مسیحی میں انطاکیہ کے ایک بطریق نے یہ تحریر لکھی تھی - اس میں سات آدمیوں اور ان کے ایک وفادار کتے کراتیمری نامی کا (جسے عربی میں قطمیر کرلیا گیا ہے) قصہ بیان کیا گیا ہے -

(۴) لیکن اگر " رقیم " سے مقصود وہی شہر ہے ، جس کا ذکر عہد عتیق اور یوسیفس کی تاریخ میں ہے ، تو " رقیم " عبرانی لفظ ہے نہ کہ عربی ، اور اس لیے عربی مادہ کی اس کے لیے جستجو سود مند نہیں - عبرانی میں یہ لفظ " راقیم " تھا - عربی میں " رقیم " ہوگیا -

(۵) عرب شعراء جاهلیة کے کلام میں جس طرح کہف کا ذکر پایا جاتا ہے ، رقیم کا بھی ذکر موجود ہے - امیہ بن ابی الصلت کہتا ہے :

ولیس بها الا الرقیم مجاوراً
رصیدهم ، والقوم في الکهف همد

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب جاهلیت کے لوگ " الرقیم " سے واقف تھے ، اور اصحاب کہف کے قصہ کی بھی شہرت تھی - البتہ تمام پرانے واقعات کی طرح یہ واقعہ بھی بہت کچھ منحرف ہوگیا تھا ، اور طرح طرح کی کہانیاں مشہور ہوگئی تھیں - قرآن حکیم نے اصلی واقعہ آشکارا کردیا -

(۶) بلاشبہ اغلب یہی ہے کہ " الرقیم " سے مقصود یہی شہر ہو - الرقیم عرب میں یا عرب سے بالکل متصل واقع تھا - قرب کی وجہ سے وہاں کے حالات قدرتی طور پر اهل عرب کے علم میں آتے رہتے تھے - اگر علماء مفسرین اور مورخین کا یہ خیال تسلیم کرلیا جائے ، کہ اس واقعہ کا تعلق ایشیائے کوچک کے رومی شہر ایفی سس (افسوس) سے تھا ، تو قدرتی طور پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ عرب جاهلیت میں ایک رومی شہر کا واقعہ جو یونانی زبان میں لکھا گیا تھا ، کیونکر مشہور ہوگیا ؟

(۷) مفسرین میں بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے - چنانچہ امام ابن جریر اور ابوالفداء نے ان کے اقوال نقل کیے ہیں -

(۸) مضمون میں ایک پہاڑی چشمہ کا ذکر ہے جسکی نسبت عربوں میں مشہور ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام والا چشمہ ہے - یہ شہرت بے اصل نہیں معلوم ہوتی -

حضرت موسی علیہ السلام جب بنو اسرائیل کے قبائل ساتھ لیکر مصر سے نکلے ، تو فلسطین تک پہنچتے پہنچتے دو واقعات پہاڑی چشموں کے بہنے کے پیش آئے - پہلا واقعہ وادی سینا میں پیش آیا تھا ، جس کا ذکر سفر خروج کی فصل ۱۷ - میں ہے - دوسرا واقعہ وہ ہے جو ادومیوں کے ملک کے قریب ایک ایسے موقعہ پر پیش آیا تھا جہاں سے " جبل هور " قریب تھا - اس کا ذکر سفر اعداد کے اصحاح ۲۰ - میں ہے - یقیناً یہ دوسرا واقعہ شہر رقیم ہی سے تعلق رکھتا ہے ، اور اسی لیے اسکا نام وادی موسی مشہور ہوگیا ہے -

اب میں مرد ہوں !

ایک عورت کے خیالات مرد ہو جانے کے بعد !

اٹلی میں رینا تیگرا زیانا نامی ایک اٹھارہ سال کی دوشیزہ لڑکی تھی - اچانک اس کے اعضاء میں تبدیلی شروع ہوئی - اب وہ پورے معنی میں مرد ہوگئی ہے - چنانچہ ڈاکٹروں نے اسے مرد ہونے کی سند دیدی ہے !

پچھلے دنوں ریوٹر ایجنسی نے یہ خبر تمام دنیا میں مشتہر کردی تھی - اب اسکی مزید تفصیلات انگلستان کے اخبارات میں آگئی ہیں :

یہ حیرت انگیز واقعہ گزشتہ ماہ اگست میں پیش آیا - اس سابق دوشیزہ اور حال کے نوجوان مرد نے اخبارات میں ایک مضمون شایع کیا ہے - اس مضمون میں وہ مرد ہو جانے کے بعد اپنے تأثرات بیان کرتا ہے - چونکہ وہ ابتک اپنے جذبات میں نسوانیت کا تاثر ظاہر کرتا ہے ، اسلیے بہتر ہے کہ هم بھی اس کا ذکر ضمیر مونث کے ساتھ کریں - وہ لکھتی ہے :

" بچپن ہی سے میرے دل میں یہ تمنا موجود تھی کہ کاش میں مرد ہوتی ، تاکہ مردوں کی سی آزاد زندگی بسر کرسکتی - لیکن اب جبکہ قدرت نے میرے لڑکپن کی یہ طفلانہ آرزو پوری کرکے دنیا کا سب سے بڑا عجیب واقعہ دکھا دیا ہے ، میری خواہش بالکل برعکس ہوگئی ہے - کاش میں دوبارہ عورت ہو جاتی !

مسلسل تین هفتے اطباء کی ایک بڑی مجلس ، میرا طبی معائنہ کرتی رہی - بالاخر متفقہ طور پر اس نے فیصلہ صادر کر دیا کہ میں عورت نہیں رہی - مرد ہوگئی ہوں - قارئین اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ عجیب فتوی سن کر میری حیرت کا کیا حال ہوا ہوگا ؟ میں مبہوت ہوکر رہ گئی - پھر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی - میں نے اپنا منہ دونوں هاتھوں سے چھپا لیا - میری هچکی بندھ گئی -

(۹) توراۃ میں جس پہاڑ کا ذکر " جبل هور " کے نام سے کیا گیا ہے (جو عبرانی لفظ ہے) وہی آج کل " جبل حور " کے نام سے عربوں میں مشہور ہوگیا ہے - یہ خیال کہ یہاں حضرت هارون علیہ السلام دفن ہوے تھے ، غلط نہیں ہے - توراۃ سے پوری طرح اس کی تصدیق ہوتی ہے - سفر اعداد اصحاح ۲۰ - میں حضرت هارون کی وفات کا ذکر موجود ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹھیک اسی جغرافیائی محل میں ، جبل هور کی بلندیوں پر ، حضرت هارون نے وفات پائی تھی - اسلامی عہد میں بھی یہ مقام اس حیثیت سے مشہور تھا - چنانچہ غالباً عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں وہاں ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی - مسجد اسوقت تک موجود ہے -

کے بالائي حصه پر پہنچتا اور اُس ایوان میں داخل ہوتا جس میں بادشاہ٬ ولي عہد٬ اور ارکان سلطنت بڑے جاہ و جلال سے بیٹھے ہوتے تھے - شاہي استقبال کے بعد سفیر اپني تحریر اسناد سناتا تھا اسکے بعد اپنے کاغذات پیش کرتا - پھر بادشاہ کے حضور اپنے ساتھیوں اور مصاحبوں کو ایک ایک کرکے پیش کرتا - استقبال کا یہ جلسہ بہت دیر تک رہتا تھا - پھر سب کھانے کے کمرے میں جاتے تھے اور دعوت شروع ہو جاتي تھي - بعض سفیر اِس قدر بھڑکیلي اور بھاري وردیاں پہنے ہوتے تھے کہ اُنکے بوجھہ سے کھانا نہیں کھا سکتے تھے - مجبور ہوتے تھے کہ دستر خوان پر بیٹھنے سے پہلے دوسرے کمرے میں جاکر اپنا لباس بدل آئیں - دعوت کے بعد سفیر پھر اپني سرکاري وردي پہن لیتا اور ولي عہد اور وزراء وغیرہ سے ملاقات کرتا - یہ ملاقاتیں بھي اتني لمبي ہوتي تھیں کہ سفیر تھک جاتا تھا٬ اور کھانے کے کمرے میں دوبارہ جاکر کچھہ کھا پي لیتا تھا -

لیکن اب یہ طریقے موقوف ہوگئے ہیں - آج کل یورپ میں یہ دستور ہے کہ نئے سفیر کے پہنچنے کے بعد دو بجے حاجب سفارت خانہ جاتا ہے - سفیر اور اُس کا عملہ سرکاري وردیاں پہنے اُس کا استقبال کرتے ہیں - چند مدت بعد سرکاري گاڑیاں اور باڈي گارڈ پہنچ جاتا ہے٬ اور سفیر صدر جمہوریت یا بادشاہ کي ملاقات کے لیے محل کو روانہ ہو جاتا ہے - سفیر کے پہنچنے پر جنگي موسیقي کے ذریعہ اُسے سلامي دي جاتي ہے - جس ملک کا سفیر ہوتا ہے٬ پہلے اُسي ملک کا گانا گایا جاتا ہے - پھر قومي گیت بجایا جاتا ہے - موسیقي سے فارغ ہوکر سفیر اور اُس کے ساتھي گاڑیوں پر سے اُترتے ہیں - زیریں سیڑھي پر دو فوجي افسر استقبال کرتے ہیں اور سفیر کو مع اُس کے ہمراہیوں کے استقبال کے کمرے میں لیجاتے ہیں -

استقبال کے کمرے میں ایک طرف صدر جمہوریت یا بادشاہ اور ارکان حکومت ہوتے ہیں٬ دوسري طرف سفیر اور اُس کے ساتھي - دونوں کے بیچ میں حاجب اور مترجم کھڑے ہو جاتے ہیں - حاجب سفیر کا نام اور لقب بیان کرکے اُس کا تعارف کراتا ہے - پھر سفیر اپنے کاغذات پیش کرتا اور لکھي ہوئي تقریر پڑھ کر سنادیتا ہے - صدر جمہوریت یا بادشاہ جوابي تقریر کرتا ہے - پھر رسمي گفتگو ہوتي ہے - طرفین کے آدمیوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا جاتا ہے اور مصافحہ پر تقریب ختم ہوجاتي ہے -

علوم مادیہ کی ترقی

اور

علماء کے حوصلے

عقل انساني کس حد تک ترقي کرتي چلي جائیگي؟ مادي علم کي تگ و دو کہاں پر جاکے رکے گي؟ علماء کے حوصلے کیا ہیں؟

علم کي موجودہ حیرت انگیز ترقیاں دیکھکر یہ سوال ہر شخص کے ذہن میں پیدا ہوجاتا ہے - لیکن جواب بہت مشکل ہے - اجمالي طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ علم٬ کائنات فطرت کے جملہ مادي و روحاني راز معلوم کرلینا چاہتا ہے - اگرچہ وہ اِس وقت تک صرف چند گوشوں ہي پر سے پردہ اُٹھا سکا ہے - في الحال علماء کے سامنے اہم ترین مسائل حسب ذیل ہیں:

(۱) شباب کي تجدید
(۲) زندگي کي زیادہ سے زیادہ تطویل
(۳) حسب مرضي نسل کي تولید
(۴) زندگي کي تخلیق
(۵) موت کے بعد زندگي کا اعادہ

علم اور علماء کے یہ حوصلے٬ کچھہ نئے نہیں ہیں - قدیم ترین زمانوں سے یہ مسائل زیر بحث ہیں - البتہ پہلے دنیا اِن مسائل کے اشتغال کو جنون سمجھتي تھي اور اُن پر ہنستي تھي - لیکن اب نہ کوئي ہنستا ہے٬ نہ جنون سمجھتا ہے - بلکہ سب حیرت کے ساتھہ زیادہ سے زیادہ حیرت انگیز علمي انکشاف دیکھنے کے منتظر رہتے ہیں - کیونکہ گزشتہ ۱۵ برس میں علم نے زیادہ سے زیادہ ناممکن باتیں ممکن کر دکھائي ہیں -

ڈاکٹر وورو نوف نے اب بکثرت عملي تجارب سے ثابت کردیا ہے کہ شباب کي کامل تجدید٬ وہم و خیال نہیں ہے جیسا کہ پہلے سمجھا جاتا تھا٬ بلکہ واقعہ و مشاہدہ ہے - اِس ڈاکٹر نے از کار رفتہ بوڑھوں کو بالکل جوان بنا دیا ہے - وہ اب تک زندہ ہیں اور صحیح معنوں میں جوان ہوگئے ہیں -

حال ہي میں یہ علمي انکشاف بھي ہوا ہے کہ ایک مرے ہوئے کچھوے کا دل اطباء نے کاٹ لیا اور نمک پوٹاس٬ اور سوڈے کے اجزاء سے ممزوج عرق میں ڈال دیا - چند ہي لمحے بعد٬ دل میں زندگی کے آثار ظاہر ہوگئے - وہ زندہ دل کی طرح حرکت کرنے لگا - کئی گھنٹے تک زندہ رہا - حالانکہ کچھوا دیر سے مرا پڑا تھا!

قلب کو زندہ کردینے کا یہ پہلا تجربہ نہیں ہے - اِس قسم کے بے شمار تجربے ہوچکے ہیں - یہ عمل مدت سے جاری ہے کہ موت

مطبوعات جدیدہ

سفیروں کا استقبال

حال میں ایک دلچسپ کتاب جرمنی میں شایع ہوی ہے : "زمانۂ وسطیٰ کے شاہی مراسم" اسکے بعض حصوں کا ترجمہ مصری معاصر المقتطف نے شائع کیا ہے - ذیل کا ٹکڑہ اُسی سے ماخوذ ہے :

قدیم زمانہ میں سفراء کے استقبال و ملاقات کے لئے دربار بڑی شان و شوکت سے سجائے جاتے تھے - بادشا اِس بارے میں بہت زیادہ اہتمام کا اظہار کرتے تھے - موجودہ زمانہ میں اگرچہ وہ پرانی شان و شوکت باقی نہیں رہی ' تاہم سفراء کی ملاقات و استقبال کے معین اصول و قواعد موجود ہیں ' جن کی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے - اِن اصول و قواعد کو بین الاقوامی زبان میں "پروٹوکول" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے -

(عربی سفرا)

عربی عہد حکومت میں سفراء کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی - موجودہ زمانہ کی طرح اُس وقت بھی سفیر دو قسم کے ہوتے تھے : عارضی اور دائمی - عارضی سفیروں کا کام کسی خاص پیغام کا پہنچانا یا کوئی خاص مہم انجام دینا ہوتا تھا - دائمی سفیروں کو دوسری سلطنتوں میں ہمیشہ حاضر رہنا پڑتا تھا -

صاحب نہایۃ الارب کی تصریح کے مطابق عربوں نے سفیر کے لیے یہ شرطیں قرار دی تھیں : " خوبصورت ہو - اُس کا نام خوشگوار ہو - متدین اور پارسا ہو - مخلص ' امین ' اور نیک طینت ہو - حاضر جواب ہو - معاملہ فہم ہو - خوشامد کا عادی نہ ہو - رشوت قبول نہ کرے - ڈرپوک نہ ہو ... "

عرب خلفاء بیرونی سفیروں کی بڑی خاطر مدارات کرتے تھے - فاطمی عہد حکومت میں سفیروں کے قیام کے لیے ایک نہایت ہی شاندار محل مخصوص تھا ' اور خلفاء کا حکم تھا کہ اُن کی زیادہ سے زیادہ عزت کی جائے -

استقبال کا طریقہ یہ تھا کہ اگر سفیر سپہ سالار کی قسم سے ہوتا ' تو اُس کے پہنچتے ہی خلیفہ ملاقات کرتا اور پیغام سنتا تھا ... اگر فوجی آدمی نہ ہوتا ' تو ملاقات سے پہلے تین دن تک مہمان خانہ میں رکھا جاتا تھا - اِس اثنا میں کوئی شخص بھی اُس سے نہیں مل سکتا تھا - چوتھے دن خلیفہ کا دربار آراستہ کیا جاتا - جنگی افسر رعب و داب سے صفیں باندہ کر کھڑے ہو جاتے - بادشاہ اپنی پوری شان و شوکت سے تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوتا - ارکان حکومت اپنے اپنے رتبہ کے مطابق بیٹھتے - جب سب انتظام مکمل ہو جاتا ' تو صاحب اعظم ' سفیر کو لیے دربار میں داخل ہوتا - جوں ہی خلیفہ کا چہرہ دکھائی دیتا ' سفیر فرش زمین کو بوسہ دیتا - پھر ادب کے ساتھہ آہستہ آہستہ وسط دربار میں پہنچتا ' اور وہاں سے مجرا ادا کرنے کے بعد اُس مقام پر پہنچایا جاتا ' جہاں خلیفہ سے ہم کلامی کرسکتا تھا - اُس مقام پر پہنچکر سفیر کھڑا رہتا - اس کے گرد شاہی حاجب اور مترجم دست بستہ کھڑے ہوتے - خلیفہ جب گفتگو کی اجازت دیتا ' تو سفیر مجرا ادا کرکے اپنے بادشاہ کا سلام پہنچاتا - خلیفہ اُس بادشاہ کے درجہ کے مطابق سلام کا جواب دیتا - پھر سفیر اپنی جیب سے بادشاہ کا خط نکال کر اپنی آنکھوں اور سر پر رکھتا اور خلیفہ کے حضور پیش کردیتا - اگر خلیفہ کو اُس بادشاہ کی عزت افزائی منظور ہوتی ' تو کھڑے ہو کر اُس کا خط اٹھاتا تھا - پھر وزیروں کو خط کے کھولنے اور پڑھنے کا حکم دیتا تھا - تھوڑی دیر معمولی سلام کلام کے بعد سفیر کو بیٹھنے کی اجازت ملتی - وہ آداب بجا لاکر اپنی جگہ بیٹھ جاتا - دربار کے بعد سفیر مہمان خانہ بھیج دیا جاتا تھا - نج کی ملاقاتیں بعد میں ہوتی تھیں -

(فرانس کے شاہی رسوم)

فرانس میں جب شاہی قائم تھی ' تو سفیروں سے ملاقات کا طریقہ یہ تھا کہ پیرس میں چند روز قیام کرنے کے بعد وہ وزیر تشریفات سے ملاقات کرتا تھا - وزیر اُسے بتاتا تھا کہ بادشاہ کس دن ملاقات کریگا - ملاقات سے تین دن پہلے شاندار شاہی گاڑیاں سفیر کی قیام گاہ پر پہنچتی تھیں ' اور اُسے مع اُس کے مصاحبوں کے سفیروں کی مہمانی کے خاص محل میں لیجاتی تھیں - یہاں وہ بادشاہ کا مہمان ہوتا تھا - یہ محل نہایت آراستہ ہوتا تھا اور مہمان کی تواضع میں غیر معمولی فیاضی سے کام لیا جاتا تھا - روزانہ دعوتیں ہوتی تھیں ' اور سفیر کے خوش کرنے کی پوری کوشش کی جاتی تھی -

سفیر جتنے زیادہ دور ملک کا ہوتا تھا ' اُتنی ہی زیادہ اُس کی خاطر مدارات کی جاتی تھی - مورخین کا بیان ہے کہ ترکی سفیر کے صرف کھانے پر شاہ فرانس روزانہ ۵۰۰ اشرفی خرچ کرتا تھا - سنہ ۱۶۹۹ع میں جب سلطنت مراکش کا سفیر آیا ' تو بریست کے قیام کے دوران میں ۹۰۰۰ پونڈ ' اور پیرس کے قیام میں ۳۱۷۰۰ پونڈ صرف کیئے گیے - شہر بریست سے پایۂ تخت تک سفر میں ۳۸۰۰ پونڈ صرف ہوے تھے - یعنی کل ۴۴۵۰۰ پونڈ یا ۶۶۷۵۰۰ روپیہ خرچ کیے گیے تھے !

اُس زمانہ میں دستور تھا کہ سفیر کے دستر خوان کے تماشہ کیلیے پیرس کے عمائدین بلائے جاتے تھے - اُنکی موجودگی میں سفیر کو کھانا کھلایا جاتا تھا - بادشاہ سے ملاقات کے دن سفیر ایک دوسرے محل میں منتقل کیا جاتا - یہاں کچھہ دیر ٹھہرنے کے بعد شاہی سواریاں اُسے لینے آتی تھیں ' اور اُسکا جلوس دیکھنے کیلیے پیرس کی سڑکوں پر تماشائیوں کا ہجوم ہو جاتا تھا -

ورسلز کے شاہی محل تک پہنچنے میں کامل تین گھنٹے لگتے تھے - محل کے پھاٹک اور بیرونی میدان میں سفیر کو صف بستہ فوجیں نظر آتی تھیں - اِنسے گزر کر وہ سیڑھیوں پر چڑھتا ہوا محل

اُس وقت سردي ناقابل برداشت هوگي - سردي کا تعلق سورج سے زیادہ هواؤں سے هوجائے گا - جب قطبي هوائیں چلینگي تو سردي بڑہ جائیگي - جب خط استوا کي هوائیں چلینگي تو گرمي هو جائیگي -

ظاهر هے که فضا کي حرارت هي آبي بخار پیدا کرتي هے - یه بخار پاني برساتا هے اور انسان پینے کے لیے پاني پاتا هے - لیکن جب سورج کي حرارت کم هوجائیگي ' تو بخار بننا بهي موقوف هو جائیگا - یعني بارش بهي نہیں هوگي - جتنا پاني پہلے کا جمع هوگا ' وہ بهي بگڑ جائے گا ' اور بے شمار نئے نئے امراض پیدا هو جائینگے -

غرضکه اُس وقت زمین پر زندہ رهنا مشکل هوجائے گا - یہانتک که جب سورج کي آخري شعاعیں بهي ختم هوجائینگي تو زندگي بالکل ختم هوجائیگي -

(قلب کے متعلق ایک نیا نظریه)

ڈاکٹر مندلسن جرمني کا مشہور محقق هے اور برلن کي یونیورسٹي میں قلبي امراض کا اُستاد هے - اِس نے حال میں قلب کے متعلق ایک نیا نظریه پیش کیا هے -

وہ کہتا هے که قلب ' زندگي بر قرار رکھنے کا اصلي آله نہیں هے بلکه دوسرے درجه کي چیز هے - زندگي کي اصلي بنیاد ' قلب پر نہیں ' بلکه جسم کي اُن خلایا پر هے جو خون جذب کرتي هیں - اِس کا ثبوت یه هے که بہت سے کمزور دل کے آدمي مدتوں تک زندہ رهتے هیں - حالانکه اُن کا قلب ' جسم کے مختلف اجزاء میں پوري طرح خون پہنچا نہیں سکتا - نیز ایک ثبوت یه بهي هے که بہت سے آدمي قلب کي حرکت بند هوتے هي ' مردہ سمجهه کر دفن کردیے جاتے هیں حالانکه وہ دراصل زندہ هوتے هیں - ایسے واقعات بکثرت پیش آتے رهتے هیں - اگر قلب هي پر زندگي کا مدار هوتا ' تو اُس کي حرکت بند هونے کے بعد هي زندگي بهي ختم هوجاتي ' حالانکه ایسا نہیں هوتا -

(ایک عجیب مخلوق)

آسٹرین اخباروں نے یه عجیب خبر شایع کي هے که ابواني نام ایک گاؤں میں اب سے ۱۹ - برس پہلے ایک عورت کے لڑکا پیدا هوا - یه بندر سے بہت مشابه تها - والدین نے اُس کا نام الکزنڈر رکها - جوں جوں اُس کي عمر بڑهتي گئي ' بندر سے مشابهت بڑهتي گئي - حتی که اب جوان هونے پر وہ بالکل بندر هے - صرف صورت و شکل هي میں نہیں ' حرکات و سکنات و عادات میں بهي بندر هے - وہ آدمیوں کي طرح رهنا پسند نہیں کرتا - بول بهي نہیں سکتا - بندر کي طرح چلاتا اور اچهلتا کودتا هے - پہلے تو اُس کے والدین نے اُسے ایک آهني قفس میں قید کر رکها تها - کیونکه آدمیوں کو تکلیف پہنچانے لگا تها - ایک دن اتفاق سے چهوٹ گیا اور سڑک پر پہنچ گیا - لوگ اُسے گوریلا سمجهه کر ڈرگئے اور بهاگے - بڑي مشکل سے اُسے قید کیا گیا - اب ایک هنگرین عورت اُسے اپنے ساتهه بوداپست لے گئي هے - ڈاکٹر متعجب هیں که کیا رائے قائم کریں ؟ وہ آدمي تو هے - مگر آدمي کے پیٹ سے بندر کیسے پیدا هوسکتا هے ؟ یہاں مسئله وراثت سے بهي کوئي بحث نہیں کي جاسکتي - کیونکه ڈارون کے متبعین بهي یه نہیں کہتے که انسان بندر سے پیدا هوا هے - بلکه یه کہتے هیں که بندر اور انسان ایک هي مورث کي اولاد هیں -

(کیا کهانے کي ضرورت باقي نہیں رهے گي ؟)

علماء کي رائے هے که ویٹامین Vitamine هي دراصل هماري تمام غذا کا حقیقي جوهر هے - اِسي پر زندگي کا دار و مدار هے - ویٹامین کي بہت سي قسمیں قرار دي گئي هیں ' اور هر قسم کا حروف ابجد پر الگ الگ نام رکهدیا گیا هے - بعض جرمن علمي رسائل کا بیان هے که ایک جرمن کیمیائي کو ویٹامین (الف) کي ایجاد میں کامیابي حاصل هوگئي هے -

سر الفرید مونڈ نے حال میں اِس جرمن عالم کي تحقیقات کا معاینه کیا ' اور اپنے خیالات اِس بارے میں شائع کیے هیں - وہ لکهتا هے :

" اگر اِس جرمن عالم کا دعوی صحیح هے که اُس نے ویٹامین کیمیاوي طریق پر طیار کر لي هے ' تو اِس کے معني یه هیں که هم عنقریب جمله میوؤں ' سبزیوں ' ترکاریوں ' اور مچهلي کے تیل کي غذاؤں سے مستغني هو جائینگے - هماري اقتصادي زندگي میں عظیم انقلاب هو جائیگا - کوئي ملک اپني غذا میں دوسرے ملک کا محتاج نہیں رهے گا - انسان کي غذا ' ویٹامین کي ٹکیاں هونگي ' اور بهتر سے بهتر خوراک کا کام دینگي -

" اتنا هي نہیں بلکه پورے عالم تمدن پر اِس کا اثر پڑے گا - جسم انساني کي موجودہ ترکیب میں بهي تبدیلي هو جائیگي - اِس جدید غذا کے لیے معدے کي ضرورت باقي نہیں رهیگي - ایک زمانه ایسا آجائیگا جب انسان کے جسم سے معدہ بالکل غائب هو جائیگا "

اطلاع

مولانا ابو الکلام کي علالت

۲۴ ستمبر سے مولانا ابو الکلام کي طبیعت برابر علیل هے - پہلے بیري بیري مرض کے اشتداد سے دوران سر کي تکلیف شروع هوئي - پهر سرخ بخار (ڈینگو فیور) لاحق هوگیا - جس کي آج کل کلکته میں عام شکایت هے - اب اگرچه بخار اُتر چکا هے ' مگر اُس کي وجه سے بیحد طبیعت کمزور هوگئي هے - یهي وجه هے که آل انڈیا کانگرس کمیٹي کے جلسوں میں بهي وہ حصه نه لے سکے ' بجز ورکنگ کمیٹي کے جلسوں کے جو اُن کي علالت کے خیال سے اُنهي کے مکان میں منعقد هورهے هیں -

جن حضرات کے خطوط اس دو هفته کے اندر ان کے نام آچکے هیں ' وہ جواب نه ملنے کي وجه سے پریشان خاطر هونگے - براہ عنایت چند دن اور انتظار کریں تاکه مولانا کي طبیعت بحال هوجائے ' اور وہ به اطمینان خطوط کا جواب لکهوا سکیں -

منیجر

طاري هونے کے بعد سينه چير ڈالتے هيں اور خاص طريقوں سے دل کو ملنا شروع کر ديتے هيں - تهوڑي دير ميں دوران خون شروع هوجاتا هے - دل هلنے لگتا هے ' اور دل کي حرکت کے ساتهه هي تمام جسم ميں زندگي واپس آجاتي هے - حال هي کا واقعه هے که لندن کے شفاخانۂ سينٹ تهامس ميں ايک عورت مسز اڈيلڈ ايک خطرناک جراحي ميں فوت هوگئي - ڈاکٹر نے فوراً اُس کا سينه چاک کر ڈالا اور دل کي مالش شروع کردي - پندره منٹ بعد وه بالکل زنده هوگئي تهي - البته وه بيهوش رهي ' اور تيس گهنٹے ضعف قلب کي وجه سے پهر مر گئي -

اس سے بهي زياده عجيب تجربه علماء نے يه کر دکهايا هے که جانوروں کے سر کاٹ کر ايک دوسرے کے جسم ميں لگا دیے هيں اور وه زنده رهے هيں ! چنانچه پچهلے دنوں لندن ميں علماء کے ايک جم غفير کے سامنے ايک ڈاکٹر نے بہت سے جهينگروں کے سر کاٹ دیے - پهر ايک کا سر دوسرے ميں جوڑ ديا - حاضرين يه ديکهه کر حيرت زده رهگئے که چند لمحے بعد تمام جهينگر اپنے نئے سروں کے ساتهه کودنے لگے - يه تجربه يهيں پر ختم نہيں هوگيا بلکه کچهه مدت بعد جهينگروں ميں جنسي تبديلي بهي ظاهر هوئي - يعنے جن ميں ماده کے سر لگائے گئے تهے ' وه ماده هوگئے ' اور نر سر والے نر بن گئے !

يه شعبده نه تها - ايک علمي تجربه تها - علماء کي نظر ميں اِس تجربے کی بہت اهميت هے - کيونکه اُن کے خيال ميں يه تجربه حسب مرضي نسل پيدا کرنے کا دروازه کهول دے گا - انسان اپني پسند کے مطابق نر يا ماده اولاد پيدا کر سکے گا -

اِسي سلسله ميں يه علمي تحقيق بهي قابل ذکر هے که علماء نے تجربے سے معلوم کر ليا هے که اگر مچهر کي پرورش سرد مقام ميں کي جائے اور غذا کم دي جائے ' تو اُس کي نسل عموماً نر پيدا هوتي هے - بر خلاف اس کے گرم جگه ميں رکهنے اور زياده خوراک دينے سے اولاد زياده تر ماده پيدا هوتي هے - اِس تجربے کي بنا پر انساني مردم شماري کي تحقيقات کي گئي ' تو معلوم هوا عام مصائب خصوصاً جنگ کے زمانوں ميں مرد زياده پيدا هوتے هيں' اور امن و راحت کے دوران ميں عورتيں زياده هو جاتي هيں -

آج کل علم وراثت کے ماهر نهايت کوشش کر رهے هيں که مادي و دماغي ' هر اعتبار سے انسان کي آئنده نسليں زياده ترقي يافته پيدا کريں - ڈاکٹر شٹناخ اور وررو نوف وغيره علماء کي کوششوں سے يه اميد پيدا هوگئي هے که اِس مقصد ميں ضرور کامياب هو جائينگے - اِن ڈاکٹروں کا دعوی هے که اِس صدي کے ختم هونے سے پهلے هي انساني عمر کا اوسط ' سو برس هوجائيگا - اور پهر بهت جلد يه صورت پيدا هوجائيگي که انسان ڈيڑه سو بلکه دو سو برس تک کي عمر حاصل کر سکے گا -

ليکن اِن تمام حيرت انگيز کاميابيوں کے باوجود علم معترف هے که وه ابهي تک اپنے عهد طفوليت هي ميں هے ' اور قدرت الهي انسان کو جسقدر دولت علم بخشنا چاهتي هے ' ابهي اُس کا سوواں حصه بهي انسان نے حاصل نہيں کيا هے !

(جب سورج بجهه جائيگا ؟)

بالاتفاق تمام علماء فلک کا فيصله هے که سورج کا حجم کم هو رها هے ' کيونکه اُس کي حرارت ميں لگا تار کمي واقع هورهي هے - ايک دن ايسا آنے والا هے جب اُس کي حرارت بالکل ختم هوجائيگي - وه بجهه جائيگا - بالکل ٹهنڈا پڑجائيگا - اُس وقت همارا يه کرۂ زمين اور نظام شمسي کے جمله کواکب ' بالکل تاريک هوجائينگے - غذائي مادے کم هوکر بالکل ناپيد هوجائينگے - مهلک وبائيں پهيل جائينگي - انسان ' حيوان ' نباتات ' کوئي ذي روح ' بهی باقي نہيں رهيگا - کيونکه زمين ' زندگي پيدا کرنے اور قائم رکهنے کی صلاحيت سے قطعي طور پر محروم هو جائيگي !

علماء کے خيال ميں يه نتيجه لازمي هے - دنيا کي بربادي اِسي طور پر واقع هوگي - ليکن يه بربادي کب هوگي ؟ کيا هم يا هماري قريبي نسليں يه هولناک نتيجه ديکهه سکيں گی ؟

نہيں - علماء نے آفتاب کي حرارت اور روشني کا حساب لگا کر بتايا هے که ابهي آفتاب ميں اِتني قوت موجود هے ' که وه کم سے کم ۱۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ سال تک نظام شمسي کو زنده رکهه سکتي هے !

ليکن آفتاب اچانک نہيں بجهه جائيگا - بتدريج بجهے گا - کيونکه وه بتدريج اپني قوت و حرارت کهو رها هے - اِس وقت آفتاب کي حرارت ' دهر نهيت کے مقياس کے حساب سے دس هزار درجه هے - علماء کا خيال هے که جب يه حرارت نو هزار درجے پر آ جائے گي ' تو کرۂ ارضي کے خط استوا پر حرارت ' صفر کے نيچے گر جائيگي - ظاهر هے که اِس صورت ميں کوئي انسان بهي خط عرضي کے درجه ۶۰ سے اوپر زنده نہيں ره سکے گا ' (بجز سکنڈناويا کے جهاں سمندر کا وه دهارا موجود هے جسے "خليج کا دهارا" کهتے هيں اور جو اِتني حرارت باقي رکهے گا که زندگي بر قرار رهے) الا يه که جنوب سے غذا مهيا کرنے کا اُس کے پاس سامان موجود هو -

علماء کا خيال هے که جب آفتاب کي حرارت نو هزار درجے پر آجائيگي ' تو تمام انسان سمٹ کر خط استواء کے گرد جمع هو جائينگے -

اُنهيں سب سے بڑي فکر غذا حاصل کرنے کي هوگي - اُس وقت سخت جنگيں برپا هونگي - کيونکه آدمي زياده هونگے ' اور غذا کم هوگي - طاقتور ' کمزوروں کو هلاک کر ڈالينگے - تنازع للبقاء اور بقاء اصلح کا قانون پوري بے دردي سے نافذ رهے گا - طاقتوروں کو بهي اطمينان نصيب نه هوگا - کيونکه سورج برابر ٹهنڈا هوتا رهے گا - غذا کم هوتي جائيگي ' اور زندگي کے ليے انسانوں ميں برابر جنگ جاري رهے گي !

حرارت کے ساتهه آفتاب کي روشني بهي لازمي طور کم هوتي جائے گي - بتدريج آسمان کا نيلا رنگ بدل کر تيز زرد هوجائے گا - [illegible] رنگ بهي زرد هو جائے گا - آفتاب کي شعاعيں حسب ترتيب ذيل سے زائل هو جائينگي :

(۱) ماوراء بنفشي شعاعيں
(۲) بنفشي شعاعيں
(۳) نيلي شعاعيں
(۴) اودي شعاعيں
(۵) سبز شعاعيں
(۶) زرد شعاعيں
(۷) نارنجي شعاعيں
(۸) سرخ شعاعيں

جب آفتاب کا نور بهت کم هوجائے گا ' تو اُس کي شعاعيں سرخ هوجائينگي - پهاڑوں پر جمي هوئي تمام برف اُس وقت سرخ يا زرد دکهائي دے گی !

عالم مطبوعات و صحائف

روح

ساٹھ اطبّاء عصر کے مباحث

حال میں آمریکہ کے ایک علمی رسالے نے دو سوال شایع کئے تھے:

(۱) کیا روح کے وجود پر کوئی علمی دلیل موجود ہے؟

(۲) کیا علمی دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد روح باقی رہتی ہے؟

۶۰ مشہور طبیبوں نے اِن دونوں سوالوں کے جوابات دئیے ہیں سب نے بالاتفاق تقریباً ایک ہی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ذیل میں اُن کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

ڈاکٹر [illegible] والک نے دعویٰ کیا ہے کہ بعض مرنے والوں میں اُسنے ایسی [illegible] دیکھی ہیں، جن سے موت کے بعد روح کے بقاء کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن رسالے نے وہ علامتیں شایع نہیں کیں۔ البتہ [illegible] لکھا [illegible] علامتیں، مادی ہیں، بعض اثیری (یعنی ایتھر [illegible]

ڈاکٹر [illegible] اور اُنکے رُفقاء علم کا فیصلہ ہے:

"کوئی علمی دلیل موت کے بعد روح کے بقاء پر موجود نہیں روح کے [illegible] کا عقیدہ ایک خالص دینی عقیدہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ عقیدہ [illegible] نفس انسانی کی اِس آرزو کا مظہر ہے کہ وہ ہمیشہ باقی رہنا [illegible] اور فنا ہو جانے سے ڈرتا ہے۔ اِس مسئلہ پر ہمیشہ دینی پہلو ہی سے [illegible] کرنی چاہئے نہ کہ علمی پہلو سے، کیونکہ علم میں اُس کا کوئی [illegible] موجود نہیں"

ڈاکٹر [illegible] اپنے مضمون کے آخر میں لکھا ہے:

"[illegible] یہ معنی نہیں کہ میں روح کے وجود یا اُسکے بقاء [illegible] میں اِن سب باتوں پر پختہ ایمان رکھتا ہوں مگر میرا [illegible] حقائق و براہین پر مبنی نہیں ہے، بلکہ سراسر ضمیر و [illegible] قائم ہے"

ڈاکٹر [illegible] لکھتا ہے:

"[illegible] موت سے پہلے اور موت کے بعد انسانی جسم ناپیں، یا [illegible] حالتوں میں ہرگز کوئی فرق نہیں پائیں گے تاہم [illegible] موت کے بعد جسم انسانی میں کوئی چیز کم ضرور ہو جاتی ہے [illegible] نکل جانا کہتے ہیں کبھی انسان نے بھی روح [illegible] مگر کسی کو بھی اُس کے نکلنے میں شک و شبہ نہیں [illegible] روح، اِس کائنات میں سب سے بڑا راز بلکہ [illegible] طلسم ہے۔ علم اُس کے ثابت کرنے سے قطعاً [illegible] اُسے ثابت کرتا ہے بلکہ اُسی پر اپنی تعلیم کی بنیاد [illegible] کہ ہر وہ چیز جو ہمارے حواس کے دائرے میں آتی ہے، فانی ہے۔ روح، ہمارے حواس سے پرے ہے۔ اِس لئے ہم اُس کے فانی ہونے کا فیصلہ نہیں کرسکتے۔ رومی مقرر سیسرو کا یہ قول مجھے ازحد پسند ہے کہ ایک بار اُسنے کہا تھا "اگر میں گمراہ ہوں تو بھی فلاطو کے ساتھ ہونے کو ترجیح دوں گا، بجائے اِس کے کہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوں جو بقاء روح کے منکر ہیں" صدیوں سے علماء کوشش کر رہے ہیں کہ عالم غیب اور قبر کے بعد کی دنیا کو معلوم کریں، مگر اُن کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ یہ اِس لئے کہ علم، انسان کا ساتھ صرف اُس کی زندگی بھر دیتا ہے۔ موت کے طاری ہوتے ہی علم کی رفاقت چھوٹ جاتی ہے۔ البتہ اُس وقت دین، ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اگر نظریۂ نشو و ارتقاء، علم ہیئت، اور دوسرے غامض علوم و فنون پر ہم یقین رکھتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ روح اور اُس کے بقاء پر بھی ایمان نہ رکھیں۔ کائنات کے بے شمار راز اب تک ہماری عقل سے باہر ہیں، مگر اُن کی حقیقت سے جاہل ہونے پر بھی ہم انھیں تسلیم کرتے ہیں۔ کیوں نہ روح کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے؟"

ایک اور مضمون نگار، جسنے اپنا نام ظاہر نہیں کیا، لکھتا ہے:

"موت کے بعد روح کے بقاء کا عقیدہ، سراسر دینی عقیدہ ہے۔ اُس میں بحث کی گنجائش موجود ہے، کیونکہ مرنے کے بعد کوئی آدمی بھی اِس دنیا میں واپس نہیں آیا کہ ہمیں اصلی حقیقت سے آگاہ کرتا۔ علم اس کے ثبوت سے قاصر ہے۔ ہماری عقل یہ تصور نہیں کرسکتی کہ جسم کے فنا ہو جانے کے بعد روح باقی رہے۔ لیکن ہماری عقل نے اب تک کتنے حقائق سمجھ لئے ہیں؟"

ڈاکٹر رچرڈ کابٹ نے لکھا ہے:

"میں بقاء روح پر کامل ایمان رکھتا ہوں، اِس لئے نہیں کہ علمی دلائل اُسے ثابت کرتے ہیں، بلکہ اِس لئے کہ میرا وجدان مجھے اِس یقین پر مجبور کرتا ہے۔ میرا یہ عقیدہ سراسر دینی عقیدہ ہے۔ اگر علم بقاء روح ثابت نہیں کرسکتا، تو یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ اُسے باطل بھی ثابت نہیں کرسکتا۔ بہرحال میں بقاء روح کا قائل ہوں۔ میرا پختہ ایمان ہے کہ موت کے بعد ہم دائمی زندگی حاصل کر لیتے ہیں"

ایک اور ڈاکٹر نے (جسے علمی رسالے نے آمریکہ کا مشہور ترین محقق قرار دیا ہے) کہا ہے:

"جن قرائن کی بنا پر بقاء روح ثابت کی جاتی ہے، وہ ہر اعتبار سے لائق غور ہیں۔ میرے ذہن میں ڈاروِن کا یہ قول برابر موجود رہتا ہے "عقل کسی طرح بھی تسلیم نہیں کرسکتی کہ یہ کائنات محض اتفاق سے ظاہر ہو پڑی ہے۔ وہ حیرت انگیز دقیق نظام جس پر کائنات قائم ہے، ناممکن ہے کہ اُس بے معنی لفظ کا نتیجہ ہو جسے عوام "اتفاق" کہتے ہیں" نظریۂ نشو و ارتقاء، جو جملہ زندہ کائنات پر منطبق ہوتا ہے، صاف ظاہر کر رہا ہے کہ اِس مرئی و مادی عالم سے پرے ایک ایسی غیر مرئی قوت موجود ہے جو ناموس طبیعت پر کامل سلطنت و نفوذ رکھتی ہے۔ وہی کائنات کی مالک ہے اور وہی اُسے انتہائی دانش [illegible] سے چلا رہی ہے۔ یہ غیر مرئی قوت، لازمی طور پر ازلی و ابدی [illegible] سکتی ہے"

اپنا مضمون ختم کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"طویل تجربوں کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ بقاء [illegible] محض وہم و خیال نہیں ہے۔ بلکہ ایک حقیقت پر مبنی ہے [illegible] نے بلا سبب یہ عقیدہ پیدا نہیں کیا۔ درحقیقت یہ عقیدہ [illegible] کے ایک الہام سے پیدا ہوا ہے۔ انسانی عقل ہرگز تسلیم نہیں کرسکتی کہ موت کے ساتھ ہی فنا طاری ہو جاتا ہے۔ عقل انسانی کا رجحان مادی نہیں ہے۔ روحانی ہے۔ اور ہرگز باطل نہیں ہوسکتا۔ میرا یہ اعلان کسی دینی جذبہ کی بنا پر نہیں کر رہا ہوں، بلکہ [illegible] کی حیثیت سے بھی میرا یہی اعتقاد ہے"

ڈاکٹر ٹانزنڈ نے یوں اظہار رائے کیا ہے:

"انسانی زندگی میں کوئی ثبوت بھی روح کے وجود کا موجود نہیں۔ نیز کسی علمی دلیل سے موت کے بعد بقاء روح کا نظریہ ثابت نہیں ہوسکتا۔ مجھے یقین ہے، علم ہرگز اِس طرح کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرسکتا۔ لیکن ہمارا کسی بات کے ثابت کرنے سے قاصر رہ جانا اُس کے بطلان کی دلیل نہیں ہے"

ڈاکٹر کالوج لکھتا ہے:

"طویل تجربوں کے بعد بھی مجھے کوئی مادی ثبوت، موت کے بعد بقاء روح کا نہیں مل سکا۔ میرا علم زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جب دماغ کا عمل رُک جاتا ہے تو عقل غائب ہو جاتی ہے۔ تاہم مجھے حق الیقین ہے کہ اِس مادی عالم کے پرے ایک غیر مرئی لامتناہی عقل موجود ہے"

ڈاکٹر آگسٹ کائل کا خیال ہے:

"میں نے آجتک باوجود کوشش کے کوئی ثبوت اِس امر کا نہیں پایا کہ موت کے بعد روح باقی رہتی ہے۔ درحقیقت ہماری مادی زندگی بہت ہی تھوڑی ہے۔ لیکن اُس کا امتیاز کمیت میں نہیں ہے کیفیت میں ہے۔ میرے خیال میں انسان کی تربیت اِس طرح ہونی چاہئے کہ وہ علم اور دین کو علحدہ علحدہ رکھے اور سمجھے۔ روح کا علمی دلائل سے ثابت نہ ہونا، اُس کے بطلان کی دلیل نہیں ہے۔ دین نے انسانیت کو بہت نفع پہونچایا ہے۔ انسانیت کو ہمیشہ دین کی ضرورت باقی رہیگی"

ڈاکٹر کولینڈ لکھتا ہے:

"میرے شخصی تجربے نے مجھے پورے طور پر مطمئن کر دیا ہے کہ ہماری زندگی کا تعلق ایک ایسی چیز سے قائم ہے جو کبھی فنا ہونے والا نہیں کاش میں اتنی فصاحت رکھتا کہ دوسروں میں بھی یہ اعتقاد پیدا کر دے سکتا۔ وہ چیز وہی ہے جسے "روح" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ میں اگرچہ اُسے ثابت نہیں کرسکتا مگر مجھے اُس پر کامل یقین ہے روح، مادی و کیمیاوی قوانین کے تابع نہیں ہے، لہذا اُسے مادیات پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہوسکتا۔ ابھی علم نے اتنی ترقی نہیں کی کہ [illegible] طلسم کھل سکے"

ایک فراموش شدہ عظمت

جو تذکرہ و یاد آوری کی مستحق ہے

امیر محمد بن عبد الکریم

جنکی نسبت یورپ کی تازہ ڈاک میں بعض نئی تفصیلات آئی ہیں - معلوم ہوا ہے کہ فرانس کے ایک دارالاشاعت نے انسے فرمایش کی تھی کہ وہ خود اپنے قلم سے اپنی سوانح عمری قلمبند کر دیں - شیخ نے یہ درخواست منظور کرلی اور اب وہ بہ یک وقت فرانسیسی اور عربی ' دونوں زبانوں میں اپنے حالات قلمبند کر رہے ہیں -

پیرس کی مسجد اور عربی چمنستان کا مصور نمونہ ' جسکی تکمیل کیلیے اس ہفتہ سلطان مصر نے ایک لاکھ فرانک دیا ہے

ناگزیر تھا۔ اب قانون کے بموجب عبدالحمید آفندی ولی عہد تھے، اسلئے وہی تخت نشین ہو سکتے تھے۔ دستور اساسی کا جو مسودہ میں [illegible] نے ملاحظہ کر لیا تھا اور وہ اُس سے بالکل متفق [illegible] ش سے کہا تھا کہ "سلطنت کی نجات صرف [illegible] ے ممکن ہے" اُسنے پورے یقین کے ساتھ اپنے [illegible] دیا تھا کہ تخت نشیں ہوتے ہی اُسکا اعلان [illegible] لت کی مسرت بے حساب تھی۔ ہم برسوں سے [illegible] جو خواب خرگوش دیکھ رہے تھے، اب اُس کی تعبیر ہمارے [illegible] منے تھی۔ [illegible] نے خیال کیا کہ یہ نوجوان شہزادہ سلطنت اور اُمت کا نجات دہندہ ثابت ہوگا۔ چنانچہ ۱۱۔ شعبان ۱۲۹۳ھ کو عبدالحمید کی تخت نشینی کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔

سفراء دول کی مؤتمر

بلقان کا مسئلہ درحقیقت روس کا اُٹھایا ہوا تھا لیکن جب ہماری فوجوں نے بلقانی باغیوں کے ٹکڑے اُڑا دیئے، تو روس نے بنئے چلے تراشنے شروع کئے، اور دول یورپ کو ایک مؤتمر منعقد کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ آستانہ میں دول عظمیٰ کے ۶ سفیروں کا اجتماع ہوا اُنھوں نے پہلی تجویز یہ طے کی کہ بلغاریہ کو اندرونی خودمختاری دیدی جائے۔

مدحت پاشا کی وزارت

ظاہر ہے، ہم اِس قسم کی تجویزیں منظور نہیں کر سکتے تھے۔ ان تجویزوں کا ماننا، بلقان سے ہاتھ دھونا تھا۔ مگر دول یورپ نے دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ رشدی پاشا وزیر اعظم بہت خائف تھے۔ اِس صورت حال نے مجھے مجبور کر دیا کہ وزیر اعظم کی کرسی پر بیٹھ جاؤں۔ میں حالات کی ابتری سے بخوبی واقف تھا۔ تاہم میں نے اصلاح کی کوشش شروع کر دی۔

ہماری مصیبت صرف یورپ ہی کی جانب سے نہ تھی بلکہ اِس سے بھی بڑھکر مصیبت یہ تھی کہ ہمارا خزانہ بالکل خالی تھا۔ سلطان عبدالعزیز کے اسراف نے ایک کوڑی باقی نہیں رکھی تھی۔ میں نے غیر معمولی رقم کے بنک نوٹ جاری کر دیئے۔

دستور اساسی کا اعلان

سلطان عبدالحمید نے تخت نشین ہوتے ہی دستور اساسی کا مسودہ ایک مجلس کے سپرد کر دیا تھا کہ اُس کی جانچ پڑتال کرے۔ مجلس نے اُس پر بحث کی، اور منظور کر کے سلطان کی خدمت میں بھیجدیا۔ سلطان نے بھی اُس پر پسندیدگی کا اظہار کیا، اور ۷ر ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اُسکا اعلان ہو گیا۔ تمام مملکت نے اِس اعلان کا پُرجوش استقبال کیا۔ پوری سلطنت میں جشن منایا جانے لگا۔

اِسی اثنا میں ہم نے دول یورپ کی مؤتمر کو صاف اور قطعی لفظوں میں اطلاع دیدی کہ ہم اُس کی کوئی تجویز بھی منظور نہیں کرینگے۔ ہماری یہ جرأت نہایت خطرناک تھی۔ ہم نے گویا پورے یورپ کو دعوت جنگ دیدی۔ مگر ہم [illegible] مجلس وزراء نے طے کر لیا تھا کہ خاموش [illegible] نہیں ہونگے۔ اگر مٹنا ہی ہو تو عزت کے ساتھ مٹیں گے۔ دول یورپ ہمارا انکار سن کر بہت برہم ہوئیں، اور اپنے اپنے سفراء واپس [illegible] لے۔ اِس کارروائی کا صاف مطلب یہ تھا کہ ہمارے باہمی سیاسی تعلقات منقطع ہو گئے۔ مگر ہم نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔

[illegible] میں نے یہ کیا کہ بلقانی ریاستوں سے براہ راست گفت و شنید کی۔ اُنھیں نرم گرم شرطوں پر صلح کے لئے راضی کر لیا۔ [illegible] اساسی کے اعلان کے بعد ہم نے پہلی عثمانی مجلس [illegible] لئے انتخابات شروع کر دیئے۔

ہم یہ سب کچھ کر رہے تھے، مگر چونکہ روس کی طرف سے اعلان جنگ کا قوی احتمال تھا اِس لئے جنگی تیاریوں سے بھی غافل نہیں تھے۔ فوجوں کی ترتیب اور نقل و حرکت تمام مملکت میں شروع ہو گئی تھی۔

مدحت پاشا کی جلاوطنی

سلطنت اِن داخلی اور خارجی مشکلات میں پھنسی ہوئی تھی۔ میں اصلاح حال کی شب و روز کوشش کر رہا تھا، کہ اچانک ایک دن قصر طولمہ باغچہ میں سلطان نے مجھے طلب کیا۔ جوں ہی میں پہونچا، مجھ سے قلمدان وزارت لے لیا گیا، اور کہا گیا کہ میں جہاز عزالدین میں فوراً سوار ہو جاؤں۔ کیونکہ میں سلطان کے حکم سے جلاوطن کر دیا گیا ہوں مجھے یورپ چلا جانا چاہئیے!

سلطان مراد کی تخت نشینی کے دن سے میں نے اِس قدر محنت کی تھی کہ مجھے یقین ہے کوئی دوسرا انسان نہیں کر سکتا۔ میں نے لگاتار جدّ و جہد سے اب ایسی صورت حال پیدا کر دی تھی کہ سلطنت تمام خطرون سے صحیح و سالم نکل جاتی۔ لیکن اب اچانک یہ معاملہ پیش آ گیا۔ پہلے مجھے خوشی ہوئی کہ اب آرام کر سکونگا۔ مگر فوراً اِس خیال سے دل و جگر مجروح ہو گیا کہ میری زندگی، میری نہیں بلکہ قوم و ملک کی ہے، اور اس کے لئے سخت خطرات درپیش ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ سلطان کی یہ حرکت، سلطنت کے لئے نہایت مہلک ثابت ہوگی۔ اور اصلاح کی تمام اُمیدیں ضائع ہو جائیں گی۔

میں نے اپنا قصور دریافت کیا۔ سعید پاشا، سلطان کے پاس گئے، اور واپس آکر کہا کہ دستور اساسی کی دفعہ ۱۱۳ کی رُو سے سلطان کو حق پہنچتا ہے کہ ہر اُس شخص کو جلاوطن کر دیں، جسے پولیس کا افسر اعلیٰ سلطنت کے لئے خطرناک ظاہر کرے۔ ساتھ ہی اُنھوں نے دو سرکاری کاغذ بھی دکھلائے۔ ایک میں لکھا تھا کہ پولیس نے ایک فوجی افسر کو بازار میں کہتے سُنا "مدحت پاشا عنقریب ترکی جمہوریت کا صدر منتخب ہوگا"

میں جلاوطنی کی اِس وجہ پر اپنی بے اختیارانہ ہنسی ضبط نہ کر سکا سعید پاشا نے کہا "سلطان معظم، سلام کے بعد فرماتے ہیں کہ عنقریب تمھیں واپس بلا لیا جائے گا"

میں نے کہا "سلطان کے سلام کا شکریہ! اگر سلطان کو میرا یہ پیغام پہونچا دو کہ اپنی واپسی پر میں اِن محلوں میں سلطان کو نہیں پاؤں گا اور نہ سلطنت کی یہ عظمت و شان نظر آئے گی۔ اُسوقت میں تباہی روک نہ سکوں گا!" میں نے یہ کہا اور روانہ ہو گیا۔

میری ناگہانی جلاوطنی سے پایۂ تخت اور صوبوں میں سخت بےچینی پیدا ہوئی۔ لوگ ڈرے کہ اب دستور اساسی بھی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ میں نے ہی اُسے مرتب کیا تھا، اور سب سے زیادہ میں ہی اُس پر زور دے رہا تھا۔ یہ بےچینی دیکھ کر سلطان مجبور ہوئے کہ نئی نئی تہمتیں تراشی جائیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے اخبارات میں شائع کیا گیا کہ میرے کاغذات میں ایسی چیزیں ملی ہیں جن سے میری خیانت ثابت ہوتی ہے اِسی لئے سلطان نے مجھے معزول کر کے جلاوطن کر دیا ہے!

اُس وقت تک ترک اِس قدر نیک دل تھے کہ سرکاری افتراپردازیاں سمجھ نہیں سکتے تھے۔ اِس لئے اکثر لوگ میرے مخالف ہو گئے۔ مگر یورپ کے اخبارات حقیقت حال سے واقف تھے۔ اُنھوں نے صحیح خبر شائع کر دی کہ چونکہ مدحت پاشا نے سلطان کی غلامی منظور نہیں کی، اِس لئے اُن پر عتاب شاہی نازل ہوا ہے۔ ترکوں نے یہ سُنا تو سلطان پر نہایت برہم ہوئے۔ اب قصر شاہی مجبور ہوا کہ میرے خلاف ایک پوری سازش طیار کرے۔ چنانچہ آستانہ کے اخبارات اور ساقط مقرروں اور شاعروں کو رشوت دیکر آمادہ کیا گیا کہ مجھ پر حملہ شروع کر دیں۔ میں نے ترکی اخبارات دیکھے تو ہنسنے لگا۔ کل تک یہ میرے تدبر و دیانت کے راگ گاتے تھے۔ آج مجھے شیطان قرار دینے لگے اُسوقت بے اختیار میری زبان پر یہ آیت جاری ہوئی: "واذا اراد اللہ بقوم سوءًا فلا مرد لہ وما لہم من دونہ من وال"

روس کا اعلان جنگ

میری جلاوطنی کی خبر سینٹ پیٹرزبرگ (دارالحکومت روس) پہنچی تو حکومت زار مسرت سے اُچھل پڑی۔ اب اُسنے باب عالی پر زور دینا شروع کیا کہ بلقان کے متعلق اُس کے مطالبات منظور کر لے۔ لیکن حکومت نے انکار کیا۔ اِسپر روس نے اعلان جنگ کر دیا، اور دریائے [illegible] کی طرف سے روسی فوج حملہ آور ہو گئی۔

اب سخت پریشانی پیدا ہو گئی۔ ہمارا خزانہ بالکل خالی تھا۔ میرے جاری کئے ہوئے بنک نوٹ، سلطان [illegible] سے خرچ کروا ڈالے تھے۔ نئے نوٹوں کا شائع کرنا سردست [illegible] اعلان جنگ نے سابق نوٹوں کی قیمت بھی کم کر دی تھی۔ حکومت کے لئے اب اِس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ رعایا سے زبردستی روپیہ وصول کیا جائے۔ چنانچہ یہی کیا گیا۔

اِس سے بھی بڑی مصیبت، سلطان کی ناتجربہ کاری تھی۔ جنگ شروع ہوتے ہی سلطان نے عبدی پاشا اور ردیف پاشا کو معزول کر دیا۔ یہ دونوں سپہ سالار روسی سرحدوں سے واقف تھے اور اِس جنگ کے لئے پہلے ہی سے نقشے مرتب کر چکے تھے۔ اِن کی معزولی نے میدان جنگ میں سخت ابتری پیدا کر دی۔ اُسوقت ہماری جنگی قوت کافی تھی۔ ۵ لاکھ نظامی فوج نہایت عمدہ طور پر مسلح موجود تھی۔ رضاکاروں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ مگر سلطان کی مداخلت نے معاملہ خراب کر دیا۔ رضاکار فوجیں منتشر کر دی گئیں نظامی فوجوں میں بدنظمی پیدا ہو گئی۔ اِسپر بھی سلیمان پاشا اور عثمان پاشا نے دشمن کی یلغار روک دی، اور امید بندھی کہ یہ دونوں سپہ سالار سلطنت کو خطرہ سے بچا لیں گے۔ مگر کوئی جنگی مرکز موجود نہ تھا مختلف مقامات سے احکام صادر ہوتے تھے۔ ہر مقام پر سلطان کی ضد موجود تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلیمان پاشا کی فوجیں بھاگنے لگیں اور عثمان پاشا، پلونہ میں قید ہو گئے۔ پلونہ میں روس کی پوری فوج موجود تھی۔ خود زار روس فوج کی قیادت کر رہا تھا۔

روس کو کامل فتح حاصل ہو گئی اور اُس کی مظفر و منصور فوجیں سین اسٹفانو (مضافات قسطنطنیہ) تک پہنچ گئیں۔ دوسری طرف سے انگریزی حکومت کا جنگی بیڑہ، باسفورس میں آ گیا اور قصر شاہی کے سامنے توپیں سیدھی کر کے کھڑا ہو گیا۔

میں اُسوقت یورپ میں اپنی جلاوطنی کے دن گزار رہا تھا مجھ [illegible] کے معاملات میں مداخلت یا دُول یورپ سے گفت و شنید کا کوئی حق نہ تھا تاہم میرا دل یہ تباہی دیکھ کر بےچین ہو گیا اور میں نے جدّ و جہد شروع کر دی۔ لندن، پیرس، وائنا، برلن، تمام مراکز میں پھرا۔ اِس سعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سین اسٹفانو کا ذلیل معاہدہ منسوخ ہو گیا اور سلطنت ایک مرتبہ پھر بچ گئی۔ مجھے وزراء سلطنت اور خود سلطان کی غفلت پر ازحد افسوس ہے۔ عین اُسوقت جبکہ روس پلونہ کا محاصرہ کئے پڑا تھا، میں نے آسٹریا کو راضی کر لیا تھا کہ روس پر حملہ آور ہو جائے۔ آسٹریا کے حملے کا نتیجہ اِس کے سوا اور کچھ نہ ہوتا کہ روسی فوجوں پر واپسی کا راستہ مسدود ہو جاتا اور سب کی سب یا تو قید ہو جاتیں، یا برباد ہو جاتیں۔ میں نے فوراً سلطان کو مفصل تار دیا۔ مگر بیس دن گزر گئے اور کوئی جواب نہ آیا۔ اِس اثنا میں روس کو کامل فتح حاصل ہو گئی تھی!

میری اِن خدمات کا اثر، سلطان پر پڑا۔ اُنھوں نے مجھے بےگناہ کو انتہائی "رحم و کرم" سے معاف کر دیا۔ مدتوں کا منجمد ہوا ہوا وظیفہ

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

(۲)

سلطان کی معزولی

[illegible] پاشا، رشدی پاشا، مدحت پاشا، اور خیر اللہ آفندی
[illegible] الاسلام نے یہ طے کیا کہ ۵ جمادی الاولیٰ کو ولی عہد مراد آفندی
کو تخت نشین کر دیا جائے۔ لیکن اس تاریخ سے دو دن پہلے ہی
سلطان عبد العزیز کو کسی طرح اس معاملہ کی خبر پہنچ گئی اور انھوں
نے عونی پاشا کو ملاقات کے لئے اپنے محل میں طلب کیا۔ مگر عونی
[illegible] نہیں گئے۔ کیونکہ انھیں افشاء راز کا حال معلوم ہو گیا تھا۔
[illegible] تاخیر میں خطرہ تھا، اس لئے یہی طے پایا کہ فوراً نئی
[illegible] میں لائی جائے۔ چنانچہ حسین عونی پاشا نے اسی
[illegible] کی مجلس منعقد کی، اور سلطان کی معزولی کے لئے
[illegible] فوج بھی جمع کر لی گئی۔

[illegible] پاشا اپنی خود نوشتہ سوانح عمری میں لکھتے ہیں:
[illegible] مناسب سمجھا کہ ولی عہد مراد آفندی کی تحت نشینی
[illegible] وزارت جنگ کی عمارت میں ہو۔ چنانچہ میں (مدحت پاشا)
[illegible] پاشا صبح تڑکے وزارت جنگ کی طرف روانہ ہوئے
[illegible] احمد پاشا، ردیف پاشا، حسن پاشا، طولمہ باغچہ قصر
[illegible] تاکہ وہاں فوج کو ضروری احکام دیں۔
[illegible] کارروائی پوری طرح مخفی رکھی گئی تھی۔ ہمیں یقین تھا
[illegible] رفقاء کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں ہے۔ لیکن جب ہم
وزارت جنگ میں پہنچے، تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ وہاں
لاکھوں آدمی جمع ہیں اور نئے سلطان کے ورود کا انتظار کر رہے
ہیں۔ آج تک مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ خبر تمام شہر میں راتوں رات
کس طرح مشہور ہو گئی؟"

"مجمع، از حد جوش و خروش میں تھا۔ بڑی ہی بے چینی سے مراد
آفندی کا انتظار کر رہا تھا۔ اچانک ولی عہد کی سواری نمودار
ہوئی۔ حسین عونی پاشا اُن کے ساتھ بیٹھے تھے۔ تمام مجمع نے
نئے سلطان کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن کی تخت نشینی کا اعلان
ہو گیا۔ اُسی وقت سلطنت کے تمام صوبوں اور یورپ کی تمام
حکومتوں کو تار کے ذریعہ اس عزل و تخت نشینی [illegible]
دی گئی۔ دار الخلافہ میں جشن شروع ہو گیا [illegible] بلند
ہو گئے۔ اجنبی جہازوں نے بھی اپنے علم [illegible] روسی
سفارت خانہ نے مظاہر جشن میں کوئی حصہ [illegible]
تک عالم تذبذب میں رہا۔

"روس کو محمود ندیم پاشا کی معزولی سے سخت رنج ہوا تھا۔ اب خود
سلطان کی معزولی نے اُسے اور بھی برہم کر دیا۔ چنانچہ زار روس نے
ترکی وزارت خارجیہ کے نام تار بھیجا کہ "انھیں اس بات پر سخت
افسوس ہے کہ ایک معمولی سپہ سالار کی جرأت نے سلطان کو اُس کے
تاج و تخت سے محروم کر دیا ہے!"

"سلطان عبد العزیز معزول کر دیئے گئے، لیکن اُن کی ذات اور
عزت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچایا گیا۔ پہلے دستور تھا کہ معزول سلاطین
قید کر دیئے جاتے تھے، ہم بھی [illegible] کہ مصلحت کے لئے ایسا کر
سکتے تھے، مگر ہم نے نہیں کیا۔ ہم جانتے تھے کہ ملک میں کوئی جماعت
بھی سلطان کی طرفدار نہیں ہے۔ لہذا انھیں قید کرنا قطعاً غیر ضروری
تھا۔ علاوہ بریں ہم دستوری نظام حکومت قائم کرنا چاہتے تھے،
اور دستوری حکومت میں کسی شخص کو بھی بغیر جرم کے قید کرنا جائز نہیں
ہوتا، اگرچہ وہ معزول بادشاہ ہی کیوں نہ ہو"

معزول ہونے کے بعد سلطان عبد العزیز نے سلطان مراد کو دست
خاص سے مبارک باد کا خط لکھا، اور محل طوب قپو سے "فریہ"
میں منتقل کر دیئے جانے کی درخواست کی۔ درخواست منظور کر لی گئی
اور معزول سلطان نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنی تین سو
بیویوں اور کنیزوں کے ساتھ نئے محل میں منتقل ہو گئے۔

عبد العزیز کی خودکشی

ہم ابھی نئے سلطان کی تاج پوشی کے جلسوں سے پوری طرح
فارغ بھی نہ ہوئے تھے، کہ سلطان عبد العزیز نے اپنی نخوت و غرور
کے جنون سے بے خود ہو کر خودکشی کر لی۔

یہ واقعہ معزولی سے ۶ دن بعد پیش آیا۔ اتوار کے دن انھوں
نے اپنے ایک ملازم سے قینچی طلب کی اور اپنے بازو کی رگیں کاٹ
ڈالیں۔ اُن کی موت خودکشی سے ہوئی۔ یہ بالکل یقینی بات
تھی۔ تاہم مزید احتیاط کے خیال سے ہم نے اس کی باقاعدہ
تحقیقات بھی کرائیں۔ تمام شاہی طبیبوں اور اجنبی سفارت خانوں
کے ڈاکٹروں کو بلا کر معائنہ کرا لیا گیا۔ ان ڈاکٹروں کی تعداد ۱۹ کے
قریب تھی۔ انھوں نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ سلطان نے خودکشی
کی ہے۔

سلطان مراد کی بیماری

سلطان مراد کی تخت نشینی ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے عمل
میں آئی تھی۔ اتنا بڑا مجمع انھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مجمع از حد
جوش و خروش میں تھا اور پوری قوت سے نعرے بلند کرتا تھا۔ نئے
سلطان کے اعصاب پر اس منظر نے بہت بُرا اثر کیا، اور وہ عصبی
[illegible] ی میں مبتلا ہو گئے۔ اس واقعہ کے چھ روز بعد جب انھوں نے
معزول سلطان عبد العزیز کی خودکشی کا حال سنا، تو مرض نے اور
بھی زیادہ شدت اختیار کی۔ دوسرے [illegible] دن اُن میں جنون کی
علامتیں ظاہر ہو گئیں۔ ہم نے یہ واقعہ احتیاطاً مخفی رکھا اور علاج
کرتے رہے، لیکن ۲۵ دن کے بعد ایک روز سلطان، باغ کے حوض
میں پھاند پڑے اور محل کے خدام کو اُن کے جنون کا حال معلوم
ہو گیا۔ اب اخفا ناممکن تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام شہر حقیقت
حال سے واقف ہو گیا تھا!

سلطان کی بیماری نے سلطنت کو سخت نقصان پہنچایا۔ ہم نے
دستور اساسی طیار کر لیا تھا، مگر اسی بیماری کی وجہ سے اعلان
ملتوی کر دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ حکومت کے تمام کام معطل ہو گئے۔
حتیٰ کہ سفراء دول کے کاغذات تک کی تصدیق نہیں ہو سکی۔
اگرچہ وزارت و حکومت موجود تھی، مگر قانون کے [illegible]
لئے سلطان کی منظوری لازمی تھی۔ اور سلطان [illegible]
کہ معاملات سلطنت کی سماعت کر سکتے۔

ایک نئی مصیبت

اس صورت حال نے ہمیں سخت پریشان کر دیا تھا۔ ہم سلطنت
کے معاملات پر غور کرنے کے لئے رات رات بھر بیٹھے رہتے۔ ایک رات
میرے مکان پر شیخ الاسلام خیر اللہ آفندی اور وزراء سلطنت جمع
تھے کہ ایک شخص حسن چرکسی نامی آیا۔ یہ فوج [illegible] افسر تھا، اور سلطان
عبد العزیز کے لڑکے شہزادہ یوسف عز الدین [illegible]
تھا۔ اسنے وزیر جنگ سے ایک [illegible]
ملاقات کی درخواست کی [illegible]
پاشا پر پستول نکال کر حملہ کر [illegible]
اُن کا کام تمام ہو گیا۔ چونکہ حملہ [illegible]
پر مجبور ہو گئے۔ مگر قیصرلی احمد پاشا [illegible]
چاہا۔ قاتل نے انھیں بھی سخت زخمی کیا [illegible]
تعاقب کیا۔ جیر اشادم احمد آغا [illegible] اُس
اُسے بھی قتل کر ڈالا۔ وزراء کے محافظ [illegible]
جیب میں ۵ پستول تھے۔ اُسنے ۵ آ[illegible]
کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اُس کے قریب [illegible]
دوسرے کمرے میں گھسا، وہاں راشد پا[illegible]
انھیں بھی قتل کر دیا۔ بالآخر جب کافی [illegible]
پہنچے تو وہ گرفتار کیا گیا۔

اس حادثہ نے سلطنت کو بہت [illegible]
پاشا، فنون جنگ میں بے نظیر تھے۔ راشد [illegible]
فہم میں مشہور تھے [illegible]
ہو [illegible]

[illegible]

ہم ان مصائب میں گرفتار تھے کہ [illegible]
اور کریٹ میں شورشیں برپا ہو گئیں۔ ہما[illegible]
یہ بڑا ہی نازک وقت تھا۔ باایں ہمہ ہم [illegible]
میں ذرا بھی کوتاہی نہ کی۔ فوراً ہر طرف [illegible]
ہماری فوجوں نے غیر معمولی شجاعت [illegible]
شورشوں کا خاتمہ کر دیا۔

سلطان عبد الحمید کی تخ[illegible]

لیکن سلطنت کی حفاظت کے لئے ہم [illegible]

احرارِ اسلام

اوائل عہدِ اموی کی اسلامی ذہنیت

ایک بڑھیا خلیفہ کے دربار میں

سودہ بنت عمارہ

سودہ بنت عمارہ حضرت علی علیہ السلام کے جاں نثاروں میں تھی جنگ صفین میں اُس کے پُر جوش خطبوں اور رجزیہ شعروں نے شامیوں پر عرصۂ کارزار تنگ کر دیا تھا۔ اُس کے بھائی نے نہایت پامردی سے شامی شجاعوں کو شکست دی تھی۔

جب امیر معاویہؓ تختِ سلطنت پر متمکن ہوگئے تو ایک دن یہ اپنے قبیلہ کی [illegible] لے کر دربار میں پہنچی۔ جو گفتگو اِس میں اور امیر معاویہ [illegible] تاریخ اسلام کے اوراق نے محفوظ کر لی ہے۔ یہ وہ وقت [illegible] خلافت راشدہ کا دورِ حریت ختم ہو چکا تھا، اور امیر معاویہؓ [illegible] شہنشاہیت کے جاہ و جلال سے تختِ خلافت کو رُوشناس [illegible] تھے۔ پھر بھی اسلام کی پیدا کی ہوئی روحِ حریت کا یہ حال تھا [illegible] ل کی ایک معمولی بڑھیا عورت دربارِ شاہی میں آتی تھی، اور [illegible] جمگھٹ کے سخت سے سخت مخالفانہ خیالات ظاہر کر دیتی تھی!

امیر کی نظر جب سودہ پر پڑی، تو بے اختیار بول اُٹھے "کیا [illegible] وہ سودہ ہو جو صفین کی لڑائی میں میری جماعت کے خلاف [illegible] جوش و خروش سے یہ اشعار سنا رہی تھیں؟"

تمر کفعل ابیک یا ابن عمارۃ ۔۔۔ یوم الطعان وملتقی الاقران

[illegible] عمارہ! نبرد آزمائی اور جنگ جوئی میں اپنے باپ کے [illegible] کر دکھا!

[illegible] والحسین ورھطہ ۔۔۔ واقصد لہند وابنہا بھوان

[illegible] کی، اور اُنکے خاندان کی حمایت کر۔ ہند اور اُس کے [illegible]

[illegible] علم الھدیٰ ومنارۃ الایمان!

حضرت علی محمد صلعم کے بھائی ہیں، ہدایت کا نشان اور [illegible]

[illegible] قدما بابیض صارم وسنان!

[illegible] شمشیر آبدار اور نیزہ [illegible]

[illegible] سر کو ہلاکت سے تعجب ہوتا ہو!" امیر نے کہا "میں نے ارادہ کر لیا ہو کہ [illegible] بٹھا کر بسر بن ارطاۃ کے پاس بھیج دوں تاکہ جو سزا [illegible]"

[illegible] جھکا لیا۔ پھر سر اٹھایا اور یہ شعر پڑھے:

صلی الالہ علی جسم تضمنہ ۔۔۔ قبرٌ فاصبح فیہ العدل مدفونا!

خدا کی رحمت اُس جسم پر، جسے قبر نے چھپا لیا ہو، اور عدل اُس [illegible] مدفون پڑا ہو۔

قد حالف الحق لا یبغی بہ بدلاً ۔۔۔ فصار بالحق والایمان مقرونا

وہ ہمیشہ حق کے ساتھ تھا، اُسے کبھی نہیں چھوڑتا تھا۔ اُس کا نام حق و ایمان کے ساتھ ہمیشہ کے لئے جُڑ گیا ہو!

"یہ کون ہو؟" امیر نے انجان بن کر سوال کیا۔

"علی بن ابی طالب علیہ السلام" سودہ کا برجستہ جواب تھا۔

"اُسنے تیرے ساتھ کیا کیا کہ تیری نظر میں ایسا بن گیا؟" امیر نے پوچھا۔

"اُنھوں نے ہم سے صدقہ وصول کرنے کے لئے ایک شخص کو مقرر کیا تھا" سودہ نے کہا "میرے اور اِس شخص کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ میں اُس کی شکایت لے کر امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ اُسوقت نماز کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی نماز چھوڑ دی، اور بڑے ہی لطف اور نرمی سے میرا حال [illegible] تمام واقعہ بیان کر دیا۔ آپ سنتے ہی رونے لگے۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر فرمایا "خدایا! تو مجھ پر اور میرے عمال پر گواہ ہو میں نے اُنھیں تیری مخلوق پر ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا" اس کے بعد اپنی جیب سے ایک کھال کا ٹکڑا نکالا اور اُس پر لکھا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قد جاءتکم بینۃ من ربکم فاوفوا الکیل والمیزان بالقسط ولا تبخسوا الناس اشیاءھم، ولا تعثوا فی الارض مفسدین بقیۃ اللہ خیر لکم ان کنتم مؤمنین، وما انا علیکم بحفیظ۔ اذا قرأت کتابی فاحتفظ بما فی یدیک من عملنا حتی یقدم علیک من یقبضہ منک، والسلام"

(تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس روشنی آچکی ہو۔ لہذا ناپ تول ٹھیک ٹھیک کرو۔ لوگوں کا حق نہ مارو۔ زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ اللہ کا بقیہ تمھارے لئے زیادہ بہتر ہو۔ میں تم پر محافظ نہیں ہوں۔ میری یہ تحریر پڑھنے کے بعد جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہمارا کام [illegible] محفوظ رکھ۔ یہاں تک کہ وہ شخص پہنچ جائے جو تجھ سے وہ سب وصول کر لے۔ یعنی اُس حاکم کو معزول کر دیا۔)

"میں نے امیر المؤمنین کے ہاتھ سے خط لے لیا۔ واللہ اُس پر اُنھوں نے نہ تو کوئی مُہر لگائی نہ اُسے بند ہی کیا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے اُسے حرف حرف پڑھ لیا"

"ابن ابی طالب نے تھیں حکام پر جَری بنا دیا ہو" امیر معاویہ نے کہا "بہت دیر میں یہ جرأت تم سے دُور ہوگی"

پھر حکم دیا کہ سودہ کا مال واپس کر دیا جائے اور اُس سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔

"یہ حکم میرے لئے خاص ہو یا میری پوری قوم کے لئے؟" سودہ نے سوال کیا۔

"تجھے دوسروں سے کیا سروکار؟" امیر معاویہ نے کہا۔

"تو واللہ یہ کمینگی اور بدکاری ہو" سودہ نے کہا "اگر عدل عام نہیں تو میں اُسے نہیں قبول کرتی"

مجبوراً امیر معاویہ نے حکم دیا کہ اُس کے پورے قبیلے کی بابت فرمان لکھ دیا جائے۔ (عقد الفرید و بلاغات النساء)

"علی علیہ السلام کی محبت اور اتباعِ حق کی وجہ سے" سودہ کا جواب تھا!

"لیکن علیؓ نے تمھیں کیا بدلہ دیا؟" امیر نے پھر سوال کیا۔

"پچھلی باتوں کے تذکرہ سے کیا فائدہ؟" سودہ نے جواب دیا۔

"ہیہات!" امیر معاویہ نے کہا "تمھارے بھائی کا معاملہ بھلایا نہیں جا سکتا۔ مجھے کسی سے بھی اتنی تکلیف نہیں پہنچی جتنی تمھارے بھائی اور تمھاری قوم سے پہنچی ہو"

"سچ ہو" سودہ نے جرأت سے کہا "میرا بھائی حقیر آدمی نہ تھا کہ بھلا دیا جاسکے۔ واللہ وہ ویسا تھا جیسا خنساء نے اپنے بھائی صخر کے بارے میں کہا ہو:

وان صخراً لتأتم الھداۃ بہ ۔۔۔ کانہ علم فی راسہ نار

صخر وہ ہو جس کی پیروی رہبر کرتے ہیں۔ گویا پہاڑ ہو جس کی چوٹی پر آگ روشن ہو!

"سچ ہو۔ تیرا بھائی ایسا ہی تھا" امیر نے تصدیق کی۔ "اچھا، کہہ میرے پاس کیوں آئیں؟"

"تم اب آدمیوں کے سردار اور اُن کے معاملات انجام دینے والے بن گئے ہو" سودہ نے کہا "خدا تم سے ہماری بابت اور ہمارے حقوق کی بابت سوال کرے گا۔ تمھاری طرف سے ہمارے یہاں ایسے حکام آتے رہتے ہیں، جو تمھاری شوکت پر گھمنڈ کرتے، اور تمھاری قوت سے جبّاری کرتے ہیں۔ یہ ہمیں اس طرح کاٹ رہے ہیں، جس طرح کھیتی کاٹی جاتی ہو، یہ ہمیں ذلیل کرتے ہیں۔ ہم سے بدسلوکی کرتے ہیں۔ تمھارا والی بسر بن ارطاۃ تمھاری طرف سے آیا اور میرے آدمی مار ڈالے، میرا مال چھین لیا، اور مجھے ایک ایسی بات کہنے پر مجبور کرنا چاہا جو میرے منہ سے نکلنا ناممکن ہو (یعنی حضرت علی علیہ السلام سے اظہار بیزاری) اگر اطاعت واجب نہ ہوتی تو ہمارے اندر بھی قوت و استعداد تھی۔ بہر حال اُسے معزول کرو اور ہمارے شکریہ کے مستحق بنو، ورنہ پھر ہم تمھیں دکھا دینگے"

ان تمام اصحاب کے لئے
جو
قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں
دنیا میں عظیم الشان مقام
I. SHENKER,
118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.
ہی
مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے
سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے
صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت
نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دونوں
کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔
نوادر عالم کا یہ ذخیرہ
دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران،
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔
با ایں ہمہ
قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں ہیں!
برِ اعظم یورپ و امریکہ
اور
مشرق
کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے
ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں۔
اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہیں
تو
آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت
ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔